بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ

تفہیماتِ ربّانیہ

از قلم

محترم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری

سابق مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعۃ المبشرین

شائع کردہ

مکتبۃ الفرقان ربوہ

قیمت :- سفید کاغذ گیارہ روپے ۔ اخباری کاغذ۔ آٹھ روپے

یادداشت

طباعت بار اوّل :- دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء

〃 بار دوم :- (نئے اور مفید اضافہ جات کے ساتھ) دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء

تعداد اشاعت :- دو ہزار

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ

شائع کردہ :- مکتبۃ الفرقان - ربوہ

ناشر :- عطاء المجیب راشد، مینیجر ماہنامہ الفرقان ربوہ

قیمت :- مجلد سفید کاغذ - گیارہ روپے

مجلد اخباری کاغذ - آٹھ روپے

مکتبۃ الفرقان ربوہ

حضرت امامِ ہمام ایدہ اللہ کا ارشادِ گرامی

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کتاب تفہیماتِ ربّانیہ کے متعلق اس کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت پر سالانہ جلسہ کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس کا نام مَیں نے ہی تفہیماتِ ربانیہ رکھا ہے (طباعت سے پہلے) اس کا ایک حصّہ مَیں نے پڑھا ہے جو بہت اچھّا تھا۔ اس کتاب کے لئے کئی سال سے مطالبہ ہو رہا تھا کئی دوستوں نے بتایا کہ عشرہ کاملہ میں ایسا مواد ہے کہ جس کا جواب ضروری ہے۔ اب خدا کے فضل سے اس کے جواب میں اعلیٰ لٹریچر تیار ہوا ہے۔ دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس کی اشاعت کرنی چاہیئے۔" (الفضل ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء)

نوٹ :۔ اس کتاب کے بارہ میں دیگر بزرگوں کی آراء کتاب کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (ناشر)

مختصر فہرست کتاب تفہیماتِ ربّانیہ

نوٹ :- اس کتاب کی تفصیلی فہرست "انڈکس" کی صورت میں کتاب کے آخر پر ملاحظہ فرمائیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

حرفِ آغاز

(ا)

الحمدللہ، ثم الحمدللہ، کہ کتاب تفہیماتِ ربانیہ کی دوبارہ اشاعت کی توفیق مل رہی ہے۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب دسمبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ علماءِ دیوبند کی اعانت سے منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی نے عشرۂ کاملہ نامی کتاب اِس دعویٰ کے ساتھ شائع کی تھی کہ وہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ اسی بناء پر منشی صاحب موصوف نے اسکے جواب دینے والے کے لیئے ایک ہزار روپیہ انعام کا بھی اعلان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے عشرۂ کاملہ اور تحقیق لاثانی وغیرہما کے جواب میں تفہیماتِ ربانیہ ایک جامع تصنیف ثابت ہوئی ہے۔ اِس میں مخالفین کے ہر اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ مخالفین میں سے کسی کو آج تک جرأت نہیں ہوئی کہ اِس کتاب کا جواب لکھتا۔ میں نے ۱۹۳۰ء میں مصنفِ عشرۂ کاملہ سے انعامی رقم کا مطالبہ بھی کیا مگر وہ اس کے تصفیہ سے بالکل گریز کر گئے جس کا اعلان ہم نے اخبار الفضل قادیان میں اُسی وقت (۱۹۳۱ء میں) کر دیا تھا۔ درحقیقت اہلِ باطل کے اس قسم کے انعامی چیلنج محض نمائشی ہوتے ہیں ہم نے طبع اوّل کے دیباچہ میں بھی اس کی وضاحت کر دی تھی۔[1]

---

[1] معلوم ہوا ہے کہ اب منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی فوت ہو چکے ہیں۔

ہمیں انسانوں سے کسی انعام کی خواہش نہیں ہے اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللهِ۔ ہماری تو اپنے مسلمان بھائیوں سے صرف یہی درخواست ہے کہ وہ خدا ترسی سے کام لیکر اِس کتاب کو غور اور تدبّر سے مطالعہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے، آمین۔

(۲)

پہلی مرتبہ اِس کتاب کی ترتیب و تدوین کی تکمیل کوہ مری میں اخویم محترم حکیم عبد الرحمن صاحب خاکی بی۔اے کے مکان پر ہوئی تھی جبکہ اُن کے مکان کے ایک کمرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ صحابی حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ انگریزی ترجمۃ القرآن میں مصروف ہوا کرتے تھے اور دوسرے کمرہ میں خاکسار تفہیمات ربانیہ کی تکمیل میں منہمک ہوا کرتا تھا۔ اُن دنوں میرے ہمراہ میرا بیٹا عزیزم عطاء الرحمٰن صاحب طاہر سلّمہٗ ربّہٗ اور اخویم شیخ عبد القادر صاحب فاضل بھی تھے۔ دن اور رات کے کام کا مقررہ پروگرام ہوتا تھا۔ بعد نماز عصر ہم سب سَیر کے لئے جایا کرتے تھے۔ کیا ہی مبارک اور قابلِ رشک ایام تھے۔ غالباً وسط ستمبر ۱۹۳۱ء میں میری کتاب مکمل ہوگئی۔ مَیں نے قادیان پہنچ کر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایّدہ اللہ بنصرہٖ سے درخواست کی کہ حضور اسے ملاحظہ فرمالیں۔ جسے حضور نے ازراہ نوازش منظور فرمایا۔ اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باعث تین ہفتے تک آپ غالباً پہلی دو تین فصلیں دیکھ سکے تھے کہ آپ نے مجھے فرمایا کہ مَیں نے ایک حصہ دیکھ لیا ہے، بہت اچھا ہے آپ اِسے چھپوا دیں، ایسا نہ ہو کہ جلسہ پر طبع نہ ہو سکے۔ حضور ایّدہ اللہ بنصرہٖ نے ہی اِس کتاب کا نام تفہیمات ربّانیہ تجویز فرمایا اور آپ کی اجازت سے ہی مَیں نے اسے اپنے محسن اور محترم استاد حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے نام پر معنون کیا۔ وقت کی تنگی کے باوجود اخویم مکرم ملک فضل حسین صاحب مینیجر بک ڈپو قادیان کی ہمت سے یہ ضخیم کتاب جلسہ سالانہ ۱۹۳۱ء پر شائع ہوگئی۔

تفہیمات ربّانیہ کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوگیا۔ احباب نے بارہا تحریک کی کہ اسے دوبارہ طبع کرایا جائے مگر میرے فلسطین، شام اور مصر کے بچسالہ تبلیغی سفر اور دیگر مصروفیات و حالات کے باعث اِس طرف توجہ نہ ہو سکی۔ البتہ دوسری متعدد کتب تصنیف کرنے کی توفیق

بلتی رہی۔ اب پُورے چونتیس برس کے بعد یہ کتاب دوبارہ طبع ہو رہی ہے۔ سچ ہے کہ آسمان سے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے

اب نظر ثانی کے وقت عشرۂ کاملہ وغیرہ کتب کے اعتراضات کے جوابات میں مفید اضافہ جات کے علاوہ اس میں مسئلۂ وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام، مسئلۂ ختمِ نبوت اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہم اختلافی مسائل پر سیر حاصل بحث بھی شامل کر دی گئی ہے۔ بعض نئے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ نئے اور پُرانے متفرق اعتراضات کے جوابات کے لئے ایک مستقل فصل (یازدہم) مخصوص ہے سلسلۂ احمدیہ کے نئے مخالفین جناب مودودی صاحب اور جناب پرویز صاحب کے ختمِ نبوت کے بارے میں تازہ جملہ اعتراضات کے جواب بھی اس ایڈیشن میں شامل ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے تفہیماتِ ربانیہ کا یہ دوسرا ایڈیشن مشہور ضرب المثل "اَلْعَوْدُ اَحْمَدُ" کے مطابق اپنی جامعیت اور افادیت میں پہلے سے بھی کافی بڑھ کر ثابت ہوگا انشاء اللہ العزیز۔

(۳)

امسال، اگست ستمبر میں، مجھے کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا چھوٹا بیٹا عزیز عطاء المجیب راشد سلمہ ربہٗ بھی میرے ہمراہ تھا۔ عزیز بھائی شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ اور محترم جناب شیخ محمد اقبال صاحب کی کوٹھی کے پُرسکون ماحول میں مجھے اس تفہیماتِ ربانیہ پر نظر ثانی کا نہایت عمدہ موقعہ میسر آیا۔ جزاھما اللہ خیراً۔

جن مخلص احباب اور معاونین نے دوسرے ایڈیشن کے لئے مفید اور بہترین مشوروں سے نوازا ہے یا کسی اور رنگ میں امداد فرمائی ہے مثلاً پیشگی قیمت ادا فرما کر یا ضرورت کے مطابق بطور قرض رقم فراہم کر کے کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا ہے مَیں ان سب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نفوس اور اموال میں برکت دے۔ آمین

میرے دوست منشی نور الدین صاحب خوشنویس، ماہنامہ الفرقان کے دیرینہ کاتب، نے جس خلوص سے تفہیماتِ ربانیہ کے بیشتر حصہ کی کتابت کی ہے اور مستری

عبدالرحمن صاحب انچارج ضیاء الاسلام پریس نے جس طرح طباعت میں اہتمام کیا اس کے لئے وہ دونوں اور ان کے سب معاون شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر دے، آمین۔

یہ کتاب محض حق کی تائید اور صداقت کی حمایت کے لئے اب دوسری مرتبہ شائع کی جا رہی ہے اسلئے بارگاہِ ربّ العزّۃ میں خاص طور پر دُعا و التجا ہے کہ وہ اپنی بے پایاں رحمت سے قبول فرما کر بہتوں کی ہدایت کا موجب بنائے اور مجھے اور میری ساری اولاد اور جملہ اصحاب و احباب کو ہمیشہ حق پر قائم رکھے اور دینِ اسلام کی بہترین خدمت بجالانے کی زندگی بھر توفیق بخشتا رہے اور جب ہم اس زندگی کے بعد اس کے حضور حاضر ہوں تو سرخرو ہو کر حاضر ہوں اور وہ ہمیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے۔ اللّٰھم آمین یا ربّ العالمین۔

خاکسار

ناچیز خادم اسلام

ابوالعطاء جالندھری

ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان

ربوہ۔ ضلع جھنگ

(مغربی پاکستان)

یکم دسمبر ۱۹۶۲ء
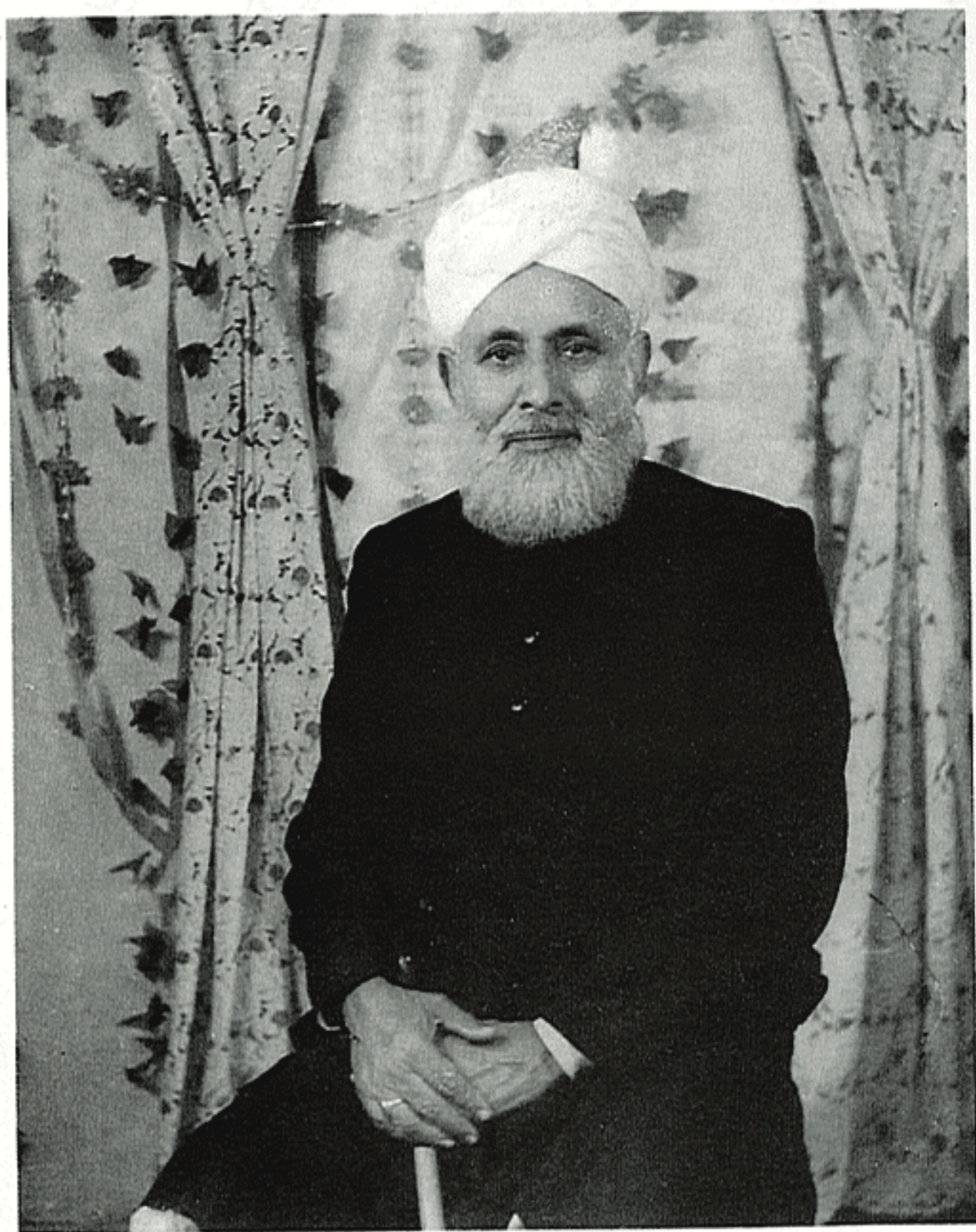
مؤلّف تفہیماتِ ربّانیہ

(ٹائیٹل طبع اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیٰی من حی عن بینۃ

وَاللّٰہُ یَکْفِیْ مِنْ کَمَا نِضَالِنَا
جَلَدٌ مِنَ الْفِتْیَانِ لِلْاَعْدَاءِ
(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

تفہیمات ربانیہ

بجواب عشرۂ کاملہ وغیرہ

ازقلم

ابوالعطاء مولنا مولوی اللہ دتا صاحب جالندھری مولوی فاضل

جسے
حسب ہدایت ناظر صاحب تالیف و تصنیف قادیان
مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان
نے
شائع کیا

بار اول دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء تعداد ۱۰۰۰

ملک فضل حسین مینیجر بکڈپو پبلشر نے باہتمام بابو محمد الف خاں پرنٹر محبوب عام پریس لاہور میں چھپوایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

میں اِس کتاب کو

اپنے اخلاص عقیدت اور تلمّذِ خاص کے لحاظ سے

استاذی المکرّم حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ

وادام فیوضہٗ کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے

مُعنوَن کرنے کا فخر حاصل کرتا ہُوں

نیاز مند

ابُوالعطاءؔ

(۱۴ دسمبر ۱۹۳۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ (طبع اوّل)

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ضروری گذارشات

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر النبیّین وسیّد المرسلین وآلہٖ واتباعہٖ لاسیّما علی المسیح الموعود والمہدیّ المعہود جریّ اللّٰہ فی حُلل الانبیاء۔ **امّا بعد** فقد قال اللّٰہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز لکُلِّ اجلٍ کتاب ۔

ناظرین کرام! کچھ عرصہ ہوا منشی محمد یعقوب صاحب نائب تحصیلدار ریاست پٹیالہ نے سالہاسال کی محنت کے بعد ایک کتاب "عشرہ کاملہ" نامی شائع کی ۔ جس میں مخالفین سلسلہ عالیہ احمدیہ ہیچو مولوی ثناء اللہ امرتسری، پیر بخش لاہوری، اور مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے اعتراضات کو لیکر جمع کر دیا ۔ یہ کتاب نئے اعتراضات پر مشتمل نہ تھی بلکہ انہی باتوں کو دوہرایا گیا تھا جن کا سلسلہ احمدیہ کی طرف سے بارہا جواب دیا جا چکا ہے ۔ اس لیے طبعی طور پر یہ مجموعہ مستحق توجہ نہ ہوا لیکن یہ معلوم کر کے کہ عوام الناس اعتراضات کو یکجائی صورت میں پاکر اس کو خاص اہمیت دے رہے ہیں ۔ اور اسی بناء پر مصنّف "عشرہ کاملہ" نے مشہور کر رکھا ہے کہ "عشرہ کاملہ کا جواب اُمّتِ مرزائیہ قیامت تک بھی نہیں دے سکتی" ۔ صیغہ نظارت تالیف و تصنیف نے اس کے جواب لکھنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت مولانا شیر علی صاحب بی ۔ اے ناظر تالیف نے اس ناچیز کو اس کے متعلق ارشاد فرمایا ۔ میری تبلیغی مصروفیتیں اور متواتر سفر

اس کی جلد تکمیل میں مانع رہے ورنہ آپ آج سے بہت پیشتر اس جواب کو ملاحظہ فرماتے۔ سچ ہے کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ۔ اس تاخیر سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مصنّف مذکور کی دوسری مایۂ ناز کتاب "تحقیق لاثانی" یا عشرہ کاملہ حصّہ دوم بھی شائع ہو گئی اور ہم اس مجموعہ میں ہر دو کتب کا اکٹھا جواب شائع کر رہے ہیں۔ اگر "عشرہ کاملہ" کی طبع اوّل پر ابتداءً توجہ کی جاتی اور اس کا جواب فی الفور شائع کر دیا جاتا تو شاید بعض مواخذات پر مصنّف طباعت کا عذر کر دیتا۔ جیسا کہ اس نے لکھا ہے:-

"پہلی اشاعت میں بعض حوالجات کے ہندسوں کے متعلق بے احتیاطی ہو گئی...... اور بعض جگہ کاپی نویس اور لیتھو چھاپہ کی مہربانی سے نمبر صفحہ ہی غلط ہو گیا اور چونکہ کتابت ہوتے ہی بہت جلد کتاب پریس میں دیدی گئی تھی اور اصل مسودہ سے حوالجات کا مقابلہ کرنے کا مجھے موقعہ اور وقت نہیں ملا تھا اس لیے کہیں کہیں ایسا نقص رہ گیا۔ اب دوبارہ اشاعت میں حوالجات کی درستی اور صحت کا خاص انتظام کر لیا گیا ہے۔" (عشرہ ص۴ طبع دوم)

بناء بریں مشیتِ ایزدی نے چاہا کہ دشمن کو اپنی تیاری کا پورا موقعہ دیا جائے تا اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور صمصامِ ربّانی اس کے تمام تار و پود کو کاٹ کر رکھ دے فالحمد للہ اوّلاً و آخراً۔

یاد رہے کہ مَیں نے اس کتاب میں "عشرہ کاملہ" طبع سوم کو سامنے رکھا ہے اور اسی کے صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ "عشرہ کاملہ" کی دس فصول ہیں۔ ہر ایک فصل میں قریباً دس بڑے بڑے اعتراض درج ہیں۔ مَیں نے عشرہ کی ہر فصل کا جواب اُسی نمبر کی فصل میں لکھا ہے۔ اس طرح سے دس فصلوں کے بالمقابل اس کتاب میں دس فصول ہیں۔ لیکن چونکہ مصنّف نے بعض مقامات پر غیر متعلق طور پر بھی اعتراضات کئے ہیں مَیں نے ان کے نیز دوسری کتب (تحقیق لاثانی، کڑک آسمانی مصنفہ ابوالبیان پسروری، دُرّۂ نادرہ وغیرہ) کے بعض ضروری سوالات کے جوابات کے لئے فصل یازدھم کو مخصوص کیا ہے۔ بارھویں فصل میں جماعتِ احمدیہ کے

دلائل درباره وفاتِ مسیح علیہ السلام، امکانِ نبوتِ غیر تشریعی اور صداقتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلاصہ درج کیا ہے۔ اِس ترتیب کے ماتحت اختلافی مسائل پر مجموعی نظر ڈالنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ "عشرہ کاملہ" کے کسی حصّہ میں اگر آپ کو کوئی ایسا سوال نظر آئے جس کا براہِ راست اُس فصل سے تعلق نہ ہو تو اس کا جواب گیارھویں فصل میں متفرقات کے زیرِ عنوان موجود ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

مَیں نے اِس کتاب میں ہر ممکن طریق سے تہذیب کو مدّ نظر رکھا ہے۔ اگرچہ دشمن کی گندہ دہانی بسا اوقات اشتعال دلاتی رہی مگر ہر مرحلہ پر میرے پیارے آقا مسیح موعود علیہ السلام کی نصیحت ؎

گالیاں سُن کے دعا دو پا کے دُکھ آرام دو ٭ کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

میرے پیشِ نظر تھی۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ صداقت اور نیکی اپنی خوبصورتی کے اظہار کے لئے درشت کلامی کی محتاج نہیں۔ راستی اپنی خوبی کے ساتھ قلوب پر فتح پاتی ہے۔ مَیں نے حتّی الوسع ذاتیات سے بھی اجتناب کیا ہے کیونکہ اس طرح اصولی بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا اختلاف غیر احمدیوں سے کسی جائداد، زمین اور دنیاوی اسباب پر نہیں ہے بلکہ محض خدا کے حکم اور اس کی رضا کے لئے ہے۔ اس لئے ہماری تمام تر جدّوجہد اسی محور کے گرد ہونی چاہیئے۔ مَیں نے اسی نظریّہ کے تحت یہ جواب مرتّب کیا ہے۔ توقع ہے کہ ناظرین خواہ ان کا تعلق کسی عقیدہ سے ہو اسی نظریّہ سے اس کو ملاحظہ فرمائیں گے

"عشرہ کاملہ" کی متانت و شائستگی کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہر غیر متعصب جس نے اس کتاب کو پڑھا ہوگا وہ اس کے اندازِ بیان کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ خود مصنّف کا اقرار ہے کہ :-

"اِس کتاب میں ناظرین بعض جگہ ایسے الفاظ بھی دیکھیں گے جو سنجیدگی و متانت

کی رُو سے قابلِ اعتراض اور غیر مانوس معلوم ہوتے ہیں۔" (عشرہ ص۱)

ایسے الفاظ نہ ایک دو بلکہ انبار کا انبار ہیں۔ میں ان کے لیے منشی صاحب یا ان کے مشیرانِ کار کا شکوہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں دنیا کے شرفاء کے سامنے اس ذہنیت پر اظہارِ افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک شخص لاکھوں انسانوں کے پیشوا، جان، مال اور عزت سے بدرجہا محبوب پیشوا، پر حملے کرتا ہے، نا واجب اور سوقیانہ الفاظ استعمال کرتا ہے، لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں کو دُکھ دیتا ہے۔ اور پھر اس کو خدمتِ دین سمجھتا ہے۔ کیا سچ مچ اسلام کا یہی منشاء ہے؟ کیا بانیٔ اسلام ؐ کا یہی اُسوہ ہے؟ اور پھر کیا اسی طریق سے قلوب کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ حاشا وکلّا۔

میں ان فقرات کو نقل کر کے جو محض دلآزاری کے لیے لکھے گئے ہیں اپنے ناظرین کو ملولِ خاطر نہیں کرنا چاہتا۔ بطور نمونہ ایک فقرہ یہ ہے: "مرزا صاحب کی تعلیم کی مثال ایک شاہدِ بازاری کی سی ہے۔" (ص۱۴۱) فرمائیے ان الفاظ کا مقصد بجز توہین کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ کیا شریف انسان اپنے سے مختلف الخیال انسان کو انہی الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے؟

میں الزامی جواب کو پسند نہیں کرتا لیکن چونکہ منشی صاحب نے اپنی کتاب میں بار بار اس کا مطالبہ کیا ہے نیز چونکہ ایک قسم کے لوگ بجز الزامی جواب کے تسلی نہیں پاتے اس لیے بعض جگہ مجبوراً الزامی جواب درج کیے ہیں لیکن ہر مقام پر اس کے متعلق کافی وضاحت موجود ہے تا کہ کسی کو مغالطہ دہی کا موقعہ نہ مل سکے۔ اور اس جگہ بھی میں لکھ دینا چاہتا ہوں کہ میری کتاب کے تمام ایسے مقامات جہاں دشمن کے عقائد یا اس کے مسلّمہ معانی کو ذکر کیا گیا ہے اور ان کے رُو سے کوئی خرابی بتائی گئی ہے ان تمام مقامات کی ذمہ داری غیر احمدیوں کے خیالات پر ہے، مجھ پر یا جماعت احمدیہ پر نہیں ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی کامل توحید

کے قائل ہیں۔ اور سب انبیاء کو گناہ سے کلّیۃً معصوم یقین کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو مکمل، عالمگیر اور خدا تعالیٰ کی آخری شریعت مانتے ہیں۔ ملائکہ، قیامت، حشر و نشر، اور دیگر سب ایمانیات پر پختہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْدٌ۔

مصنف عشرہ نے اس کے جواب کے لیئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا بھی اعلان کیا ہے اور تاحیات اس کی ادائیگی کے لیئے ذمہ داری بتائی ہے۔ ہم اس جواب کے ساتھ ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اعلان کے مطابق جلد فیصلہ کریں۔ اگرچہ ہم ایسے انعامی اعلانات کی حقیقت بخوبی جانتے ہیں لیکن اتمام حجت کی خاطر اس کے متعلق بھی آخری فیصلہ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اور اس بارہ میں جو تصفیہ ہوگا اس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے اخیر پر درج کر دیں گے۔ آپ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ہاں یاد رہے کہ ہماری کتاب کا اصل مقصد سچائی کا اظہار رہے۔ منشی صاحب خود انعامی چیلنج پہ قائم رہیں یا بلطائف الحیل اس سے گریز اختیار کریں صداقت پسند ناظرین خود موازنہ کر سکتے ہیں کہ "عشرہ کاملہ" کے اعتراضات کا جواب کس تفصیل اور وضاحت سے دیا گیا ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ۔

میں نے اس تصنیف میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے بعد، سلسلۂ احمدیہ کے لٹریچر سے بالعموم اور نعم الوکیل، التشریح الصحیح مؤلفہ جناب مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر، آئینہ حق نما مصنفہ جناب شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی سے بالخصوص استفادہ کیا ہے۔ اپنے محترم دوست مولوی تاج الدین صاحب لائلپوری مولوی فاضل اور جناب مولوی غلام احمد صاحب مجاہد مولوی فاضل کے بعض حوالجات اور تحقیق سے بھی میں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ مولوی فاضل و منشی فاضل خاص شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں جنہوں نے اس مسودہ کی ترتیب میں قیمتی مشوروں سے اعانت فرمائی اور اس کو قبل طباعت ملاحظہ

فرمایا۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ ناظرین میرے لئے اور میرے تمام معاونین کے لئے دعا فرمائیں۔

اے علیم و ستّار خدا! تُو میری کمزوریوں کی ستّاری فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کو اپنے حضور قبول فرما۔ اسے لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا موجب بنا۔ جو لوگ تیرے برحق مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالف ہیں ان کو سچائی کی راہ دکھا کہ تیرے بغیر راہِ حق پانا ناممکن ہے۔ ان کو توفیق دے کہ تیرے اس نور کو شناخت کریں اور اس آسمانی پانی کی قدر کریں ؎

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

قادیان دارالامان
۴؍ دسمبر ۱۹۳۰ء

خاکسار
سلسلہ احمدیہ کا ادنیٰ ترین خادم
ابوالعطاء اللہ دتا جالندھری
تلمیذ حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ
فاضل اجل نوّر اللّٰہ مرقدہٗ

شکریہ:۔ اخویم مولوی ابوبکر صاحب سماٹری مولوی فاضل اور حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی جنہوں نے اس کتاب کی کاپیوں کی تصحیح میں کافی حصّہ لیا ہے شکریہ کے مستحق ہیں۔ نیز حکیم غلام حسن صاحب لائبریرین بھی۔ جزاھم اللّٰہ۔ خاکسار مصنّف

نوٹ۔ طبع ثانی کے وقت مکرم مولوی تاج الدین صاحب المعروف فاضل گجراتی، عزیزان عطاء الکریم شاہد بی اے، عطاء الرحیم حامد بی اے اور میاں بشارت احمد صاحب کلرک الفرقان نے بھی تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر دے۔ آمین (ابوالعطاء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فصل اوّل

کاذب مدعیانِ نبوت اور سیدنا حضرت مسیح موعودؑ

آیت ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل کا فیصلہ کن معیار

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

(حضرت مسیح موعودؑ)

ابتداءِ آفرینش سے خدا کے برگزیدہ نبی آسمانی پیغام لیکر آتے رہے۔ وہ خدا کا نور اور اہلِ دُنیا کے ہمدرد و خیر خواہ تھے۔ مگر تاریکی کے فرزندوں نے اس نور کا انکار کیا اور اس کے بجھانے کے درپے ہو گئے۔ آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ خدا کے راستباز وفادار اور سچے رسول زمینی لوگوں کی زبان سے کاذب، فریبی اور دجال قرار دیئے گئے۔ ان کو گالیاں دی گئیں۔ وہ ستائے گئے۔ وطنوں سے بے وطن کئے گئے۔ ان پر پتھر برسائے گئے۔ الغرض نسلِ آدم کے ایک بڑے حصّہ نے آدم کے بہترین فرزندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا۔ چونکہ خدا کے پیارے اس کی خاطر موردِ لعن وطعن بنائے گئے اسلئے خداوند ہمیشہ سے انکی سپر اور انکے دشمنوں کیلئے صاعقہ بنا رہا۔ راستبازوں کے لیئے اس کی غیرت بھڑکی اور اس نے ان میں اور ان کے غیروں میں نمایاں امتیاز قائم کر دیا۔ نشانات و معجزات کی بارشیں اغیار کے لیئے قہری تجلیات اور انبیاء کے متبعین کے لئے فیوض و انوار کی کثرت ان کی صداقت پر

زبردست گواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صادقوں اور کاذبوں میں امتیازات قائم کر دیئے ہیں تا دنیا گمراہی سے نجات پائے اور حق کی مخالفت سے تباہ نہ ہو جاوے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ وہ غیور خدا جو انبیاء کے متبعین سے امتیازی سلوک کا وعدہ[1] فرماتا ہے اور متقین کے لیئے فرقان بنایا[2] کرتا ہے۔ صادق اور کاذب نبیوں کو بلا امتیاز چھوڑ دیتا؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرمانے میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی۔ مگر افسوس کہ نادان ان قوانین الٰہیہ کو پس پشت ڈال کر اس کی کھلی کھلی تائیدات سے انحراف کر کے اور سچے نبی کے پاک چہرہ[3] سے، اس کے پاکیزہ افعال اور عمدہ تعلیمات سے انکار کر کے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کی بجائے اعتراضات کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتے ہیں لیکن صاحبِ بصیرت انسان کے لئے ان اعتراضات کے باوجود صداقت اپنی پوری شان سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کے مخالف وہی اعتراض کرتے ہیں جو پہلے نبیوں کے مکذبین کرتے رہے اور اس طرح وہ اپنے مسلّمات سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ قرآن مجید نے کیا ہی لطیف پیرایہ میں اس صداقت کا اظہار فرمایا ہے۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ (احقاف ع) کہ تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی انبیاء و رسل مبعوث ہو چکے ہیں۔ تم اسی منہاج پر مجھے پرکھ لو۔ دوسری آیت میں فرمایا۔ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حٰم السجدہ ع) کہ اے رسول! تجھ پر لوگ وہی اعتراض کرتے ہیں جو گزشتہ صادق نبیوں پر کئے گئے۔ حالانکہ وہ اعتراضات قبل ازیں غلط قرار پا چکے ہیں۔ پس آج بھی ان کے اعتراضات باطل ہیں اور تو راستباز ہے۔

اس فرقانی معیار کے مطابق ہر وہ اعتراض جو مخالفینِ صداقت نے گزشتہ نبیوں پر کیا غلط اور ناقابلِ التفات ہے۔ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلمان

---

[1] ام نجعل المتقین کالفجّار (ص ع) [2] وان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً (انفال ع) [3] ایک حدیث کے الفاظ "ان وجهه لیس بوجه کذاب" (ترمذی جلد ۲ صفحہ) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ منہ جھوٹے کا منہ نہیں ہو سکتا۔

کہلانے والے آیاتِ مذکورہ کی موجودگی میں بھی خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور نبی برحق حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف انہی اعتراضات کو دُہرا رہے ہیں جو بارہا انبیاء صادقین پر کئے گئے اور غلط قرار پائے۔

مصنّف کتاب "عشرہ کاملہ" نے پہلی فصل میں بزعم خود "دس کاذب مدعیانِ نبوت" کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشابہت (نعوذ باللہ) اسی گروہ سے ہے۔ کیونکہ جس طرح حضرت مرزا صاحب کو بعد دعویٰ وحی و الہام ایک لمبا عرصہ (کم و بیش تیس برس) تک اشاعتِ دعویٰ کے لئے مہلت ملی ہے ویسے ہی بعض کاذب مدعی بھی ایسے گزرے ہیں جو طویل عرصہ تک جھوٹے الہامات کی اشاعت کرتے رہے ہیں اور انہوں نے قبولیت حاصل کی ہے۔ گویا مصنّف مذکور کی تمام کوشش کفار کے قول اِنْ ھٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کی صدائے بازگشت ہے۔ منشی محمد یعقوب صاحب کی اس جد و جہد کی علّتِ غائی ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:-

"مرزا صاحب آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ سے یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو ۲۳ سال تک مہلت نہ پا سکتا جو زمانہ نبوت حضرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے لیکن اس آیت سے ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ کئی کاذب مدعیان کا زمانہ ۲۳ سال کی مدت سے زیادہ ہے۔ جیسے ابو منصور ۲۷ سال۔ محمد بن تومرت ۴۲ سال۔ حسن بن صباح ۳۵ سال۔ صالح بن طریف ۴۷ سال۔ اکبر بادشاہ ہند ۲۰ سال وغیرہ۔ اور ایسے ہی کئی صادق نبیوں کا زمانہ نبوت ۲۳ سال سے بہت کم ہے مثلاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ بفرضِ محال اگر مرزا صاحب کا استدلال مان بھی لیا جاوے تو انہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیا ہوا تھا۔ سنہ مذکور میں دعویٰ کیا اور سات برس بعد ۱۹۰۸ء میں مر گئے۔ ۲۳ سال نبی کہاں رہے۔ یہ آیت بھی مکی ہے۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد دعویٰ نبوت ۱۳ سال تشریف فرما رہے پھر ۲۳ سالہ مدت کی حجت کفارِ مکہ پر کس طرح پیش ہو سکتی تھی؟" (حاشیہ صفحہ ۲۰-۲۱)

گویا آپ آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا کے محکم استدلال کو ان ہوائی باتوں سے غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اسی ایک مقصد کے لیئے آپ نے رطب و یابس اور بے سروپا باتیں لکھ دی ہیں۔ ہم تفصیلی طور پر جواب شروع کرنے سے پہلے منشی صاحب کا اعتقاد بھی ان کے اپنے الفاظ میں درج کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے بخلا پر افترا کرنیوالے بعض جلدی مارے گئے۔ بعض پہلے نہایت غریب تھے مگر افترا علی اللہ کرنے کے بعد بادشاہ بن گئے اور عرصہ تک بادشاہت کے ساتھ اپنے افترا کی بھی اشاعت کرتے رہے۔ چنانچہ عبداللہ صاحب افریقہ - ابن تومرت - صالح بن طریف نے نبوت اور نزولِ وحی کے دعوے کیئے اور تینوں بادشاہ ہوئے۔ اور عرصہ تک بادشاہت کرتے رہے۔ ان کی اولاد اور اُمت میں بھی عرصہ دراز تک حکومت و سلطنت رہی۔ یہی حال سچے نبیوں کا ہوا ہے کہ بعض کو دشمنوں نے جلد ہی شہید کر دیا۔ جیسے حضرت یحییٰ حضرت زکریا علیہما السلام۔ اور بعض زیادہ عرصہ تک ہدایت پھیلاتے رہے" (منٹ)

ان ہر دو بیانات کا ملخص یہ ہے کہ :-

(الف) آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا سے ۲۳ سال والا معیار ثابت نہیں کیونکہ کئی کاذب مدعیانِ نبوت کا زمانہ ۲۳ سال سے زیادہ ہوا ہے۔ گویا آیت قرآنی کا یہ مفہوم تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔

(ب) نیز کئی صادق نبیوں کا زمانہ ۲۳ سال سے بہت کم ہوا ہے۔ جیسے حضرت یحییٰؑ وغیرہ۔

(ج) ۲۳ سالہ معیار کو درست مان کر بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آپ کو صرف سات سال مہلت ملی ہے اور پھر آیت بھی مکی ہے۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ سال نہیں رہے۔

آیت ولو تقوّل علینا اور معیار

قرآن مجید ایک محکم کتاب ہے۔ دنیا کا کوئی علم اس کے ایک شوشہ کو

باطل نہیں کر سکتا۔ ارشادِ خداوندی ہے لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہٖ تنزیلٌ من حکیم حمید (حٰمٓ السجدۃ ع ۵) فلسفہ اپنے تمام اصولوں سمیت قرآنی حکمت کے بالمقابل ہیچ محض ہے۔ تاریخ اپنی سب روایات کے ساتھ بیاناتِ قرآنی کے سامنے لاشئے ہے۔ پس آؤ کہ ہم تاریخی روایات پر نظر ڈالنے سے پہلے ربّ السموات والارض کے فرمان کا صحیح مفہوم متعین کر لیں۔ اور وہ بھی اپنی رائے کے ماتحت نہیں کیونکہ مَن فسّر القرآن برأیہٖ فقد کفر کی وعید موجود ہے۔ بلکہ القرآن یفسّر بعضہٗ بعضًا کے ماتحت آیتِ فرقانی کو حل کریں۔ سب سے پہلے ہم کو اصولاً یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیت متنازع فیہا کا کیا منشاء ہے۔ اگر اس آیت سے ۲۳ سال والا معیار سچا ثابت ہو جائے تو معترض کا اعتراض احمدیت یا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر نہ ہوگا بلکہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگا۔ اور اگر یہ معیار ہی ثابت نہ ہو تو اعتراض بیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحاقّہ رکوع ۲ میں فرماتا ہے:۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ٥

ترجمہ:۔ "اگر یہ مدعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا۔ تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔ اور پھر تم میں سے کوئی اس کو بچا نہ سکتا۔"[۱]

اس آیت میں کفار و منکرین کے سامنے ایک نہایت زبردست اور مسکت معیار پیش کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ مدعی سچا نہ ہوتا بلکہ مفتری ہوتا جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو ہم اس کو پکڑ لیتے اور قتل کروا دیتے۔ یعنی یہ اتنی مہلت نہ پا سکتا۔ اس کا اتنی مہلت پانا اور قتل سے بچ رہنا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ یہ جھوٹا نہیں۔

مفسّرین کے دس حوالے

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:۔

ھٰذا ذکرہٗ علیٰ سبیل التمثیل بما یفعلہ الملوک بمن

[۱] اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہا کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو انگریزوں نے بچایا ہے۔ اللہ تو فرماتا ہے غلط ہے۔ اگر یہ مفتری ہوتا تو انگریز تو کیا ساری دنیا مل کر بھی اس کو بچا نہ سکتی۔ منہ

يتكذّب عليهم فانّهم لا يمهلونهٗ بل يضربون رقبتهٗ
في الحال ۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۰۵ مطبع میمنیہ مصر)

ترجمہ: "اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی ہے کہ اس سے وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو اُن پر جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور قتل کروا دیتے ہیں" (یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے)۔

پھر آپ اس عدم مہلت اور جلد قتل کئے جانے پر عقلی و نقلی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

هٰذا هو الواجب في حكمة الله تعالى لئلّا يشتبه الصادق بالكاذب ۔ (جلد ۸ صفحہ ۲) کہ "اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت ایسا ہونا ضروری اور واجب ہے تاکہ صادق و کاذب کے حالات مشتبہ نہ ہو جائیں"

گویا جس طرح آیت اس معیار کی مؤید ہے عقل بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

امام[۲] ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:۔

ولو تقوّل علينا محمّدٌ بعض الاقاويل الباطلة وتكذّب علينا لاخذ نا منه باليمين يقول لاخذنا منه بالقوّة منّا والقدرة ثمّ لقطعنا منه نياط القلب وانما يعني بذٰلك انه كان يعاجله بالعقوبة ولا يؤخّرهٗ بها۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صفحہ ۴۲ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ "اگر آنحضرت نے ہم پر افتراء باندھا ہوتا تو ہم اس سے سخت گرفت کرتے اور پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جلد سزا دیتا اور اتنی مہلت نہ دیتا"

علامہ[۳] زمخشری فرماتے ہیں:۔

"والمعنى ولو ادّعى علينا شيئًا لم نقله لقتلناه صبرًا كما يفعله الملوك بمن يتكذّب عليهم معاجلة بالسخط والانتقام"

(تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۲ مطبوعہ کلکتہ)

ترجمہ:۔ "اگر یہ مدعی ہم پر افتراء کرتا تو ہم اس سے جلد انتقام لیتے اور اس کو قتل

کر دیتے جیسا کہ بادشاہ ان کے ساتھ کرتے ہیں جو اُن پر جھوٹ باندھتے ہیں"

علامہ شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں :۔

والمعنی لوکذب علینا لامتناہ فکان کمن قطع وتینہ (تفسیر صاوی علی الجلالین جلد ۴ صـ ۲۳۸) اگر یہ ہم پر جھوٹ باندھتا تو ہم اس کو فوراً مروا دیتے"

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے :۔

قال شیئاً من عندہ فنسبہ الینا ولیس کذٰلک لعاجلناہ بالعقوبۃ ۔ کہ اگر یہ رسول اپنے پاس سے ایک بات بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اُن کو جلد سزا دیتے" (ابن کثیر جلد ۱۰ صـ برحاشیہ فتح البیان)

تفسیر رُوح البیان میں لکھا ہے :۔

فی الاٰیۃ تنبیہٌ علیٰ انّ النبیّ علیہ السلام لوقال من عند نفسہ شیئاً او زاد او نقص حرفاً واحداً علیٰ ما اوحی الیہ لعاقبہ اللہ وھو اکرم الناس علیہ فما ظنّک بغیرہ (جلد ۴ صـ ۴۷۶) کہ اس آیت (لوتقوّل علینا) میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی بات اپنے پاس سے کہہ دیتے یا وحی میں کمی وبیشی کر دیتے تو اللہ تعالیٰ انکو سخت سزا دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ اللہ کے ہاں سب سے اکرم ہیں جب آپ کا یہ حال ہے تو دوسرا مفتری کیونکر بچ سکتا ہے"

علامہ سیوطی رقمطراز ہیں :۔

ثمّ لقطعنا منہ الوتین نیاط القلب وھو عرق متصل بہ اذا انقطع مات صاحبہ (جلالین مطبع مجتبائی صـ ۴۷۲) قطع الوتین سے مراد موت ہے کیونکہ الوتین دل کی رگ کا نام ہے جب وہ کٹ جاتی ہے تو انسان مرجاتا ہے"

فتح البیان میں لکھا ہے :۔

المعنی لقتلناہ صبراً کما یفعل الملوک بمن یتکذب علیھم معاجلۃ بالسخط والانتقام (جلد ۱۰ صـ ۴۷) یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں

کہ افتراء کی صورت میں ہم اس کو جلد ہلاک کر دیتے۔ جیسا کہ بادشاہ اُن لوگوں کے متعلق کرتے ہیں جو اُن پر افتراء باندھتے ہیں۔"

شہاب[۶] لکھتے ہیں:-

هو تصوير لاهلاكه بافظع ما يفعله الملوك بمن يغضبون عليه وهو ان يأخذ القتّال بيمينه ويكفحه بالسيف و يضرب به جيده (شہاب علی البیضاوی جلد ۸ صفحہ ۲۴۱) قطع الوتین وغیرہ میں ہلاکتِ مفتری کا وہ بھیانک ترین نقشہ کھینچا گیا ہے جو شاہانِ وقت انکے لئے اختیار کرتے ہیں جن پر وہ ناراض ہوتے ہیں اور وہ یوں کہ جلاد اس شخص یا مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑیگا اور تلوار سامنے سے چلا کر گردن اُڑا دیگا"

علامہ[۷] الخطیب الشربینی فرماتے ہیں:-

قال السدی و مقاتل رضی اللہ عنہما انتقمنا منه بالحق واليمين على هذا بمعنى الحق (السراج المنیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۳) امام سُدّی اور مقاتل کا قول ہے کہ اخذ نا منه باليمين سے یہی مراد ہے کہ ہم مفتری سے یقیناً انتقام لیتے ہیں۔ تلك عشرة كاملة۔

تفاسیر کے ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ مفسّرین کے نزدیک اس آیت میں مفتری کی سزا کا ذکر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اس قدر عرصہ کی مہلت نہیں دی جا سکتی۔ جتنا عرصہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ کا اعلان فرماتے رہے۔ یعنی ۲۳ برس۔ بلکہ وہ جلد تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مفسّرین اس بیان میں متفق اللسان ہیں۔ اگر مجھے طوالت کا خوف نہ ہوتا تو جملہ تفاسیر کے حوالجات نقل کر دیتا۔ بہرحال مفسّرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں مفتری کی جلد ہلاکت و بربادی کا معیار مذکور ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کاذب مدعیٔ الہام کو تیئیس سال تک پہنچنے کا موقعہ نہیں دیتا۔

دس[۱۰] آیاتِ قرآنیہ اور مفتری کی ہلاکت

ناظرین کرام! آیت ولو تقوّل علینا کے مفہوم کی تائید اور مکذب پٹیالوی کے بیان " قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا

ہے" کی مزید تردید کے لئے ہم ذیل میں قرآن مجید کی دس آیات درج کرتے ہیں۔

(١) قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ (طٰہٰ ع) حضرت موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا تم خدا تعالیٰ پر افتراء نہ کرو ورنہ وہ تم کو عذاب سے ہلاک کر دیگا اور مفتری یقیناً ناکام ہوتا ہے۔

(٢) انّ الّذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یفلحون (النحل ع) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(٣) قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامی وانا بریٓءٌ مّمّا تجرمون (ہود ع) اے رسول کہدے کہ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو اس کا وبال مجھ پر پڑیگا ہاں میں تمہارے جرموں سے بیزار ہوں۔ (والاصل ان افتریتہ فعلیّ عقوبۃ افترائی۔ روح المعانی جلد ٣ صفحہ ٢٤٢ - یعنی سچ یہ ہے کہ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو مجھے میرے افتراء کی سزا ملے گی۔)

(٤) انّ الّذین اتّخذوا العجل سینالھم غضبٌ من ربّھم وذلّۃٌ فی الحیٰوۃ الدّنیا وکذٰلک نجزی المفترین (اعراف ع ١٩) جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ذلت پڑے گی اسی زندگی میں۔ ہم مفتریوں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔

(٥) وان یکُ کاذبًا فعلیہ کذبہٗ (المؤمن ع) اگر یہ مدّعی جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑے گا۔

(٦) قل انّی لن یجیرنی من اللّٰہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدًا (الجن ع) کہدے کہ (اگر میں افتراء سے کام لے رہا ہوں تو) مجھ کو اللہ کے مقابلہ پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کے سوا کوئی ٹھکانا ہے۔

(٧) ام یقولون شاعر نتربّص بہ ریب المنون (الطور ع) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کی ہلاکت کے منتظر ہیں"۔ گویا کافر جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری قرار دیتے تھے وہ بھی جانتے تھے کہ مفتری ہونے کی وجہ سے یہ جلد ہلاک ہوگا۔ افسوس کہ آج مسلمان کہلا کر یہ لوگ مفتری کی جلد ہلاکت سے منکر ہو رہے ہیں۔

(۸) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۔ الآیہ (الاعراف عٓ) کون زیادہ ظالم ہے مفتری سے یا مکذب آیات اللہ سے۔ ایسے لوگوں کو اُن کا مقرر حصہ (عذاب و سزا کا) ضرور ملے گا۔ گویا مفتری علی اللہ کے لئے بھی سزا مقرر ہے جیساکہ دوسری آیات سے واضح ہے۔

(۹) قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئًا۔ الآیہ (احقاف عٓ) اے رسول کہدے کہ اگر میں نے یہ افتراء کیا ہے تو تم اللہ کی سزا سے میرے لئے کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے۔

(۱۰) قل یٰقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انّی عاملٌ فسوف تعلمون من یأتیہ عذابٌ یُخزیہ و یحل علیہ عذابٌ مقیم (زمر عٓ) اے نبی ان سے کہدے کہ میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر ذلیل کُن عذاب (دُنیا میں) آتا ہے اور پھر عذاب مقیم (آخرت میں) اُترتا ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

یہ دس آیات اس باب میں قطعیۃ الدلالت ہیں کہ مفتری ہلاک کیا جاتا ہے، اپنے مقصد میں ناکام رہتا ہے، جلد تباہ کیا جاتا ہے اور مورد عذاب بنتا ہے۔ پس آیت ولو تقوّل علینا کا مفہوم تفاسیر اور دیگر آیات کی روشنی میں وہی ہے جو اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔

تورات و انجیل کے دس حوالے اور مفتری کی ہلاکت

لکھا ہے:۔

(۱) "خداوند یوں کہتا ہے ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکے نبوت کرتے ہیں جنہیں میں نے نہیں بھیجا اور جو کہتے ہیں کہ تلوار اور کال اس سرزمین پر نہ ہوگا۔ یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائیں گے۔" (یرمیاہ $\frac{14}{15}$)

(۲) "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا۔ یا اَور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔" (استثناء $\frac{18}{20}$)

(۳) "خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ مَیں تمہارا مخالف ہوں اور میرا ہاتھ ان نبیوں پر جو دھوکا دیتے ہیں اور جھوٹی غیب دانی کرتے ہیں چلے گا۔ وہ میرے لوگوں کے مجمع میں شامل نہ ہوں گے" (حزقیل ۱۳/۸-۹)

(۴) جھوٹے نبیوں اور ان کے انجام کے متعلق فرمایا:-

"مَیں اپنے غضب کے طوفان سے اُسے توڑ دوں گا اور میرے قہر سے جھاجھم مینہ برسے گا اور میرے خشم کے پتھر پڑیں گے۔ تاکہ اسے نابود کریں سو مَیں اس دیوار کو جس پر تُو نے کچّی کہگل کی ہے توڑ ڈالوں گا اور زمین پر گراؤنگا یہاں تک کہ اس کی نیو ظاہر ہو جائے گی۔ ہاں وہ گرے گی اور تم اسکے بیچ میں ہلاک ہوگے اور جانوگے کہ مَیں خداوند ہوں۔" (حزقیل ۱۳/۱۳-۱۴)

(۵) "خداوند اسرائیل کے سر اور دُم اور شاخ اور دنے کو ایک ہی دن میں کاٹ ڈالیگا۔ وہ جو پُرانا ہے اور عزّت دار وہی سر ہے۔ اور جو نبی جھوٹی باتیں سکھاتا ہے وہی دُم ہے۔" (یسعیاہ ۹/۱۵)

(۶) "اور ایسا ہوگا کہ جب کوئی نبوّت کرے گا تو اُس کے ماں باپ جن سے وہ پیدا ہوا اُسے کہیں گے کہ تُو نہ جیئے گا۔ کیونکہ تُو خداوند کا نام لیکے جھوٹ بولتا ہے۔" (زکریا ۱۳/۳)

(۷) "اور وہ نبی یا وہ خواب دیکھنے والا (جھوٹا) قتل کیا جائے گا۔" (استثناء ۱۳/۵)

(۸) "نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ ہاں مَیں نے اپنے گھر کے بیچ ان کی بُرائی پائی۔ خداوند کہتا ہے اسلیئے ان کی راہ ان کے حق میں ایسی ہوگی جیسے پھسلنی جگہیں تاریکی کے وقت میں وہ ان میں کھدیڑے جاکے وہاں گریں گے۔ کہ مَیں ان پر بلا لاؤں گا۔ کہ یہ ان سے انتقام لینے کا برس ہے۔" (یرمیاہ ۲۳/۱۱-۱۲)

(۹) "ربّ الافواج نبیوں کی بابت یُوں کہتا ہے کہ دیکھ مَیں انہیں ناگدونا کھلاؤنگا اور ہلاہل کا پانی پلاؤں گا۔ کیونکہ یروشلیم کے نبیوں کے سبب سے ساری سرزمین میں بے دینی پھیلی ہے۔" (یرمیاہ ۲۳/۱۵)

(۱۰) "یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہُوا تو آپ برباد ہو جائے گا لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے۔" (اعمال ۵/۳۸-۳۹)

تلك عشرة کاملة۔

ان تمام بیانات سے عیاں ہے کہ جس طرح نصوصِ قرآنیہ مفتری کی جلد ہلاکت پر شاہدِ ناطق ہیں اُسی طرح بائیبل کی شہادت بھی اِس باب میں یہی ہے۔ بس ؎

لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں	عزت نہیں ہے ذرہ بھی اُس کی جناب میں
توریت میں بھی نیز کلامِ مجید میں	لکھا گیا ہے رنگ وعیدِ شدید میں
کوئی اگر خدا پہ کرے کچھ بھی افتراء	ہوگا وہ قتل ہے یہی اِس جُرم کی سزا

۲۳ سالہ معیار اور علمائے اہلسنت والجماعت

قرآن مجید کی تصریحات کے پیشِ نظر اِس عنوان کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اتمامِ حجت کی خاطر اس ضمن میں بھی چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

(۱) عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے:۔

"فانّ العقل یجزم بامتناع اجتماع ھٰذہ الامور فی غیر الانبیاء وان یجمع اللّٰہ تعالیٰ ھٰذہ الکمالات فی حق من یعلم انّہ یفتری علیہ ثمّ یمھلہ ثلاثاً وعشرین سنۃ۔" (مطبع مجتبائی صنا)

کہ عقل اِس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ یہ امور (معجزات اور اخلاقِ عالیہ وغیرہ) غیر نبی میں نہیں پائے جاتے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں کسی مفتری میں جمع نہیں کرتا اور یہ بھی کہ پھر اس کو تئیس برس مہلت نہیں دیتا۔"

(۲) حضرت امام ابن القیمؒ ایک عیسائی مناظر کے سامنے بطور دلیلِ صداقت فرماتے ہیں:۔

وھو مستمر فی الافتراء علیہ ثلاثاً وعشرین سنۃ وھو مع ذٰلک یؤیدہٗ۔ (زاد المعاد جلد ا صفحہ)

"کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسے تم مفتری قرار دیتے ہو وہ مسلسل تئیس برس تک اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بایں ہمہ اس کو ہلاک کرنے کی بجائے اس کی تائید کرے؟"

گویا حضرت امام ابن القیمؒ کے نزدیک تئیس برس تک مہلت پانا دلیلِ صداقت ہے۔

(۳) شرح العقائد کی شرح النبراس میں ۲۳ سالہ معیار کی وجہ بایں الفاظ درج ہے:۔

"فان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعث وعمرہ اربعون سنۃ وتوفی وعمرہ ثلاث وستون سنۃ علی الصحیح" (۲۲۲)

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کی عمر میں مبعوث ہوئے اور تریسٹھ سال کی عمر میں حضورؐ کا وصال ہوگیا۔ گویا حضورؐ بعد دعویٰ وحی تیئیس برس تک زندہ رہے" اور یہ صداقت کا کامل معیار ہے۔ یعنی جو مدعیٔ وحی والہام اتنا عرصہ مہلت پالے وہ یقیناً سچا ہے۔

(۴) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

(الف) "نظام عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعیٔ نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

(ب) "دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائیگا ہلاک ہوگا۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷ حاشیہ)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق یہ عقیدہ مسلّم ہے کہ مفتری جلد ہلاک ہوتا ہے اور اس کو تیئیس برس کی مہلت نہیں مل سکتی۔ یاد رکھیئے ؎

افترا کی ایسی دُم لمبی نہیں ہوتی کبھی جو ہو مثلِ مدّتِ فخر الرسل فخر الخیار

ایک شبہ کا ازالہ

غیر احمدی علماء اس مقام پر عاجز آکر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے اور اس دلیل کا اثر صرف حضورؐ کی صداقت پر پڑتا ہے وبس۔ (کرامک آسمانی ص۸)

یہ دعویٰ محض "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" والی بات ہے۔ ورنہ کون اہل علم اس سے ناواقف ہے کہ دلیل اور مدلول میں لزوم ہے اور تخلف المدلول عن الدلیل سراسر غلط ہے (رشیدیہ بحث النقض)۔ بھلا اگر زید کا حیوانِ ناطق ہونا اس کی انسانیت کی دلیل ہے تو بکر کا حیوانِ ناطق ہونا اس کو انسان کیوں ثابت نہیں کرتا؟ ۲۳ سال تک بعد دعویٰ وحی ربانی مہلت پانا اگر دلیلِ صداقت ہے اور ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کے سامنے یہ دلیل پیش کرکے آپ کی صداقت منوا سکتے

ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی دوسرا مدعیٔ وحی بہمہ وجوہ ۲۳ سال مہلت پانے پر صادق قرار نہ پائے؟

پھر میں کہتا ہوں کہ ہمارے مخالف محض ہماری علاوت سے قرآن مجید کی ایک زبردست دلیل کو ناقص قرار دے رہے ہیں۔ اگر وہ ذرا بھی غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اگر کسی کاذب نبی کو ۲۳ برس تک مہلت ملنا ممکن ہے۔ اور واقعات کی رُو سے ایسا ہُوا ہے تو منکرین اسلام کے سامنے ولو تقوّل علینا کی دلیل ہرگز پیش نہیں ہو سکتی۔ وہ فوراً کہہ سکتے ہیں کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲۳ برس مہلت مل گئی تو فلاں کاذب مدعی کو بھی مل گئی ہے۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

بھائیو! نصِ قرآنی کو باطل نہ کرو اور حضرت احمدؑ کی دشمنی میں قرآن مجید کو مت چھوڑو۔ یاد رکھو کہ دلیل جہاں پائی جائے گی اس کا نتیجہ بھی لازمی طور پر پایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک تمام علماء و متکلمین اس کو عمومی رنگ میں ہی پیش کرتے رہے ہیں۔ صاحب تفسیر روح البیان نے تو صاف لکھا ہے:۔

" لعاقبه الله وهو اكرم الناس عليه فما ظنك بغيره "

کہ جب خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں یہ سزا بتائی ہے حالانکہ حضورؐ بارگاہِ ایزدی میں سب سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر دوسرا کوئی مفتری کیونکر سزا سے بچ سکتا ہے۔ (جلد ۴ صفحہ [illegible]) فتدبّر!

قارئین کرام! آپ معاندین کے اِسی استدلال پر حیران نہ ہوں۔ باطل پرستی انسان کو صداقت سے بہت دُور لے جاتی ہے۔ دیکھئے لکھا ہے:۔

" اگر فرض بالمحال نبی بالعموم مر [illegible] یا بھی جائے تو پھر ضروری و لابدی ہے کہ پہلے سچا نبی ہو تو پھر جھوٹ بولے تو پھر خداوند تعالےٰ اس کو ہلاک کر دیتا ہے " (کرٹک مث)

معترض نے اس اعتراض میں مفتری کی جلد ہلاکت کا استدلال تو ولو تقوّل علینا سے تسلیم کر لیا ہے۔ اب صرف اِس اُلجھن میں ہے کہ " سچا نبی ہو اور پھر جھوٹ بولے " بندۂ خدا! اگر وہ سچا نبی ہے تو جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور

اگر جھوٹ بولتا ہے تو سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ اجتماع ناممکن ہے۔ مگر افسوس کہ حق کی مخالفت میں بار بار کہا جاتا ہے "سچا نبی ہو اور پھر جھوٹ بولے"۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انعامی چیلنج

آیات قرآنی، بائیبل کے حوالہ جات، اور مسلمات اہلسنت کے بعد ضروری ہے کہ ہم بتا دیں کہ از روئے واقعات بھی یہ تئیس ۲۳ سالہ معیار ناقابل تردید صداقت اور ہر زمانہ میں مضبوط چٹان ثابت ہوا ہے اس کے لئے سب سے پہلے ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ چیلنج درج کرتے ہیں جو حضور ؑ نے اپنے مخالفین کے سامنے پانصد ۵۰۰ روپیہ کی انعامی رقم کے ساتھ پیش فرمایا۔ حضور ؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کرکے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے تئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اسکے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو ۵۰۰ روپیہ نقد دے دوں گا۔" (اربعین نمبر ۳ ص۳۱)

کیا کوئی ہے جس نے ایسی نظیر پیش کی ہو یا اب کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تمام مخالفین کا ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہنا اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ ایسی نظیر کی تلاش سعیٔ لاحاصل ہے۔

واقعات گزشتہ اور ۲۳ سالہ معیار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لاجواب چیلنج بجائے خود اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ کبھی بھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی مفتری نے افترا پردازی کے بعد ۲۳ سال مہلت پائی ہو۔ لیکن تکمیل بحث کی خاطر ذیل میں چند شہادتیں درج ہیں کہ کبھی کسی کاذب مدعیٔ الہام نے اتنی طویل مہلت نہیں پائی۔ کیونکہ اتنی مہلت پانا دلیل صداقت قرار پا چکا ہے اور وہ شہادتیں یہ ہیں:۔

اوّل۔ علامہ عبدالعزیز لکھتے ہیں :۔

"وقد ادّعیٰ بعض الکذابین النبوۃ کمسیلمۃ الیمامی والاسود العنسی وسجاح الکاھنۃ فقتل بعضھم وتاب بعضھم و بالجملۃ لم ینتظم امر الکاذب فی النبوّۃ الّا ایّامًا معدودۃ۔" (نبراس مطبوعہ میرٹھ صہ ۴۴۴)

ترجمہ۔ بے شک بعض لوگوں نے نبوّت کے جھوٹے دعوے کئے جیسا کہ مسیلمہ، اسود عنسی اور سجاح ہیں لیکن پھر بعض ان میں سے قتل کئے گئے اور بعض نے توبہ کر لی۔ بہر حال کسی جھوٹے مدّعی کی بات چند دن سے زیادہ نہیں رہی۔"

دوم۔ حضرت امام ابن القیم" تحریر فرماتے ہیں :۔

"نحن لا ننکر ان کثیرًا من الکذابین قام فی الوجود و ظھرت لہ شوکۃ ولکن لم یتم لہ امرہ ولم تطل مدّتہ بل سلط علیہ رسلہ واتباعھم فمحقوا اثرہٗ وقطعوا دابرہٗ و استأصلوا شأفتہٗ ھٰذہٖ سنّتہٗ فی عبادہٖ منذ قامت الدّنیا والیٰ ان یرث الارض ومن علیھا۔"

ترجمہ۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ بہت سے کذاب اور جھوٹے مدعی پیدا ہوئے اور ان کی ابتداءً شوکت بھی ظاہر ہوئی لیکن وہ اپنے مقصد کو پا نہ سکے اور نہ ہی ان کی مدّت لمبی ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے اتباع نے بہت جلد ان کی بیخ کنی کر کے ان کو بے نام و نشان کر دیا اور ان کی گردن توڑ دی۔ ابتداءِ دنیا سے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں میں یہی سنّت رہی اور تا قیامت رہے گی۔"

(زاد المعاد جلد اوّل صہ ۵۰۰)

"لمبی مدّت" کی تشریح اسی جگہ "ثلاثًا وعشرین سنۃً" (۲۳ سال) کے الفاظ میں موجود ہے۔

سوم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے :۔

"واقعاتِ گزشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت پہنچتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی اُمت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔ مسیلمہ کذاب اور عبیداللہ عنسی کے واقعات تاریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں کہ کس طرح اِن دونوں نے اپنے اپنے زمانہ میں حضور اقدس فداہ روحی کا جاہ و جلال دیکھ کر دعوے نبوت کے کئے اور کیسے کیسے خدا پر جھوٹ باندھے لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آکر کچلے گئے اور کس ذلت اور رسوائی سے مارے گئے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ حالانکہ تھوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے مگر تا بکے؟" (مقدمہ تفسیر حقانی ص۱۷)

ناظرین کرام! ہر سہ واضح حوالجات آپ کے سامنے ہیں۔ حضرت امام ابن القیم کا شافی بیان، اہلسنت والجماعت کی مستند کتاب نبراس کی کھلی شہادت، اور معاندِ احمدیت مولوی ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث کا اقرار ایک طرف ہے اور مصنف "عشرہ کاملہ" منشی محمد یعقوب کا دعویٰ "کئی کاذب مدعیان کا زمانہ ۲۳ سال کی مدت سے زیادہ ہے" دوسری طرف ہے۔ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ ہاں یاد رہے کہ ہمارے مخاطب منشی صاحب کا اپنا اقرار ہے کہ "میں کم علم ہوں۔" (عشرہ ص۱۵)

ہم کامل تحقیقات کے بعد نہایت وثوق سے اس اعتقاد پر قائم ہیں کہ "کاذب مدعیان کا زمانہ ۲۳ سال کی مدت سے زیادہ" کا دعویٰ سراسر مغالطہ اور افتراء ہے۔ قرآن مجید اس خیال کو دھکے دے رہا ہے، عقلِ انسانی اس کی تردید کر رہی ہے۔ تفاسیر، بائیبل کے بیانات اس کے مخالف ہیں اور پھر محققین کی شہادتیں اس کو غلط بتا رہی ہیں۔ منشی صاحب اور ان کے "فخر المحدثین" نے اس جھوٹے دعوے سے اسلام کی تو کوئی خدمت نہیں کی لیکن اس یقینی دعویٰ پر جو ابتدائے اسلام سے ائمہ کرتے آئے اور اس معیارِ صداقت کے خلاف جسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا اور تمام متکلمین پیش کرتے رہے اور آج تک کوئی دشمنِ اسلام اس کے خلاف ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکا بلکہ ہمیشہ عجز کا اعتراف کیا گیا "کئی نظیروں" کا دعویٰ کر دیا۔ افسوس

صد افسوس۔ مقام حیرت ہے کہ وہ حقیقت ثابتہ جس نے بقول امام ابن القیمؒ عیسائی مناظر کو مبہوت کر دیا اور وہ کوئی نظیر اتنی مہلت پانے والے کی پیش نہ کر سکا۔ منشی محمد یعقوب صاحب کی ایک حرکت قلم سے باطل ہو گئی۔ العجب ثم العجب۔

ضمیر کی آواز

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ معترض پٹیالوی نے کس شد و مد اور زور کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جھوٹے بھی سر سبز ہوتے رہے، وہ تیئیس سال مہلت پاتے رہے ہیں۔ ہم دلائل سے اصولی طور پر اس کے دعویٰ کی تغلیط کر چکے ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ درحقیقت مکذب کی فطرت اور ضمیر بھی اس کے خلاف ہے۔ اس نے ضمیر کشی کر کے محض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کرنے کی خاطر یہ سب باتیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ اس کے اپنے دو حوالے درج ذیل ہیں۔ لکھتا ہے:۔

(۱) "اللہ کریم کبھی مفتریوں کے ہاتھ میں بھی کوئی روشن دلیل دیا کرتا ہے، ایسے لوگ تو داؤ پیچ۔ ہوشیاری و چالاکی۔ تاویلاتِ رکیکہ و توجیہاتِ باطلہ۔ دھوکے اور دم سازی، تصنع اور سخن سازی سے ہی کچھ فائدہ اُٹھا لیا کرتے ہیں اور وہ بھی تھوڑے دن۔ بالآخر حق حق ہو کر رہتا ہے اور باطل باطل۔ اِنّ الباطل کان زھوقاً" (تحقیق لاثانی صـ۶۴)

(۲) "اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں ایسے بہت لوگ گزرے ہیں جنہوں نے جھوٹے دعوے کئے اور جھوٹے الہام سنائے لیکن سنتِ الٰہی کے مطابق بعض جلد اور بعض کچھ عارضی فروغ کے بعد انجام کار خائب و خاسر اس جہان سے رخصت ہوئے۔" (عشرہ کاملہ صـ۵۲)

معزز قارئین! ہر دو اقتباس آپ کے سامنے ہیں۔ تشریح کی ضرورت نہیں۔ صاف طور پر مذکور ہے کہ مفتریوں کو "تھوڑے دن" ہی مہلت ملتی ہے اور وہ بہر حال "خائب و خاسر" اس جہان سے جاتے ہیں۔ خواہ "جلد" یا زیادہ سے زیادہ "کچھ عارضی فروغ" کے بعد۔

الغرض معترض پٹیالوی کی ضمیر بھی یہی کہتی ہے کہ مفتری کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ جلد تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کچھ وقتی فروغ حاصل بھی ہو تو وہ بلبلہ آب

کی طرح جلد مٹ جاتا ہے اور ہر طور سے خائب و خاسر رہتا ہے۔ مکذّب نے اس طریق کو سنتِ الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ دراصل یہ اس کی ضمیر کی آواز ہے۔ سچ ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ۝

آیت ولو تقوّل علینا میں مندرجہ شرائط

بعض لوگ ناواقفی کے ماتحت چند لوگوں کے نام پیش کر دیا کرتے ہیں جن سے آیت ولو تقوّل علینا کے استدلال کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ معترض پٹیالوی نے بھی کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کاذب مدعیان کی اصلیت دکھانے سے پیشتر آیت ولو تقوّل علینا کے شرائط بھی ذکر کردوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ایسے لوگوں کا ذکر اس موقعہ پر نہایت ہی بے جوڑ ہے۔

اس آیت قرآنی کے الفاظ یہ ہیں۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۝ فَمَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْہُ حَاجِزِیْنَ ۝ (الحاقۃ ع ۲) ان الفاظ میں جن شرائط کا ذکر ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

اوّل۔ وہ مدعیٔ الہام اپنے دعوی میں **تکلّف** اور **تعمّد** سے کام لے۔ یعنی وہ یہ جانتے ہوئے کہ میں خود افترا کر رہا ہوں ان باتوں کو الہام قرار دے۔ مجنون اور دیوانہ معذور ہے کیونکہ اس کا قول و فعل تعمّد کی بنا پر نہیں ہوتا۔ شریعت اسلامی اور عقل کے رُو سے بھی وہ قابلِ نظر اندازی ہے۔ پھر لفظ تقوّل کا صیغہ بھی باب تفعّل سے ہے جو تکلّف پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے مجنون اس آیت کی زد میں نہیں آئے گا۔ اور اس کا مہلت پانا اس آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تفاسیر میں بھی "التقوّل الافتعال من التکلّف" درج ہے۔

دوم۔ وہ مدعی ہستی باری تعالیٰ کا قائل ہو اور اس کے علیحدہ وجود کا اقراری ہو اور اپنی باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہو۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہی قائل نہیں یا محض اپنی باتوں کو الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اس آیت کی زد سے باہر ہوں گے جیسا کہ آیت کا لفظ "عَلَیْنَا" صاف بتا رہا ہے۔

سوم۔ ایسا مدعی لفظی الہام کا قائل ہو اور اپنی باتوں کو خدا کی باتیں قرار دیتا ہو۔ جو لوگ محض خیالات کو الہام کا مترادف سمجھتے ہیں اور دل میں آنے والی ہر بات

کا نام الہام رکھتے ہیں وہ بھی اس آیت کے دائرہ سے باہر ہوں گے۔ کیونکہ آیت میں
بعض الاقاویل کی شرط موجود ہے۔ یعنی وہ اپنی بات اور قول کو اللہ تعالیٰ کی
طرف منسوب کرے اور ان الفاظ کو خدا کے الفاظ قرار دے۔ خیالی الہام تو محض ایک
خود ساختہ اصطلاح ہو گی۔ آیت کے الفاظ لفظی الہام کے دعویدار کے لئے اس
سزا کو مخصوص بتلاتے ہیں۔ برہمو سماجی وغیرہ اس دائرہ سے باہر ہیں۔

چہارم:- ایسے مدعی کے لئے از روئے آیت قرآنی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے اس
دعویٰ کو علی الاعلان پیش کرے اور لوگ اس کی باتوں کے باعث گمراہ ہوتے
ہوں۔ اگر وہ اس دعوے کو چھپاتا ہے یا اس کو تحدّی کے ساتھ پیش نہیں کرتا
یا لوگ اس کے باعث فتنہ میں نہیں پڑتے تو وہ مدعی بھی اس سزا کے نیچے نہ آئیگا۔
یہ شرط فقرہ فما منکم من احد عنہ حاجزین سے مستنبط ہے۔

ان چار شرائط کے ماتحت ہمیں کسی مدعی کی زندگی اور اس کے دعوے پر غور
کرنا چاہیئے۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"کوئی شخص عمداً اپنی طرف سے بعض کلمات تراش کر یا ایک کتاب بنا کر
پھر یہ دعویٰ کرے کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس نے مجھے
الہام کیا ہے۔ اور ان باتوں کے بارے میں میرے پر اس کی وحی نازل ہوئی
ہے۔ حالانکہ کوئی وحی نازل نہیں ہوئی (انجام آتھم ص۶۳ حاشیہ)

اب اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو۔ مثلاً وہ مدعی مجنون ہو۔ کوئی اس کی وجہ
سے فتنہ میں نہ پڑتا ہو۔ یا وہ اپنے دعویٰ کو علی الاعلان ذکر نہ کرتا ہو۔ یا وہ اپنے وجود کو
علیحدہ سمجھ کر اپنی باتوں کو خدا کی طرف منسوب نہ کرتا ہو بلکہ اپنے خیالات کو ہی الہام کہتا
ہو۔ تو ان تمام صورتوں میں اس کا بچ رہنا یا مہلت پانا ہمارے استدلال یا آیت
قرآنی کی تحدّی کے خلاف نہ ہوگا۔

مکذّب پٹیالوی نے ایک جگہ ضمناً اکبر بادشاہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نہ اس کی طرف
سے نہ کسی اور کاذب کی طرف سے ایسا دعویٰ پیش کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود
علیہ السلام نے اس کے متعلق جواباً تحریر فرمایا ہے:۔

"اگر یہ سچ ہے کہ ان لوگوں (اکبر وغیرہ) نے نبوت کے دعوے کئے اور

تیئیس[۲۳] برس تک ہلاک نہ ہوئے تو پہلے ان لوگوں کی خاص تحریر سے انکا دعویٰ ثابت کرنا چاہیئے اور وہ الہام پیش کرنا چاہیئے جو الہام انہوں نے خدا کے نام پر لوگوں کو سنایا۔ یعنی یہ کہا کہ ان لفظوں کے ساتھ میرے پر وحی نازل ہوئی کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اصل لفظ ان کی وحی کے کامل ثبوت کے ساتھ پیش کرنے چاہئیں۔ کیونکہ ہماری تمام بحث وحی نبوت میں ہے جسکی نسبت یہ ضروری ہے کہ بعض کلمات پیش کر کے یہ کہا جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ہمارے پر نازل ہوا ہے۔" (تتمہ اربعین صلا)

اب ہم معترض پٹیالوی کے پیش کردہ ناموں کے متعلق تفصیلاً بحث کرتے ہیں۔

ابو منصور

معترض پٹیالوی نے اپنے بلند بانگ دعویٰ کی تائید میں سب سے پہلے ابو منصور بانیٔ فرقہ منصوریہ کا ذکر کیا ہے اور منہاج السنۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس نے جنت و دوزخ کا انکار کر دیا تھا اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا بھی منکر تھا۔ پھر لکھا ہے :-

"ایک مستقل فرقہ کی اس نے بنیاد رکھی تھی ستائیس[۲۷] برس تک نبوت کا دعویٰ اور سلطنت کر کے ۳۶ھ ہجری میں مارا گیا۔" (عشرہ صلا)

یہ درست ہے کہ ابو منصور مذکور نے نماز و روزہ وغیرہ سے انحراف کیا تھا اور لوگوں کو حکومت کے خلاف بھی برانگیختہ کرتا رہا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں اس کا ذکر شیعہ فرقوں کے ذیل میں کیا ہے اور اس کی ابا طیل کو تفصیلاً بتایا ہے لیکن کسی ایک جگہ بھی اس کے دعویٰ نبوت کا اور ۲۷ برس تک مہلت پانے کا ذکر نہیں ہے۔ ع

کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

مکذب نے اس مدعی کا ذکر منہاج السنۃ کے حوالہ سے ہی کیا ہے۔ پس اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے دعویٰ نبوت کا ثبوت دے لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔

منہاج السنۃ اور دیگر کتب تاریخ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ وہ ایک ملحد انسان تھا اور رافضی خیالات کی ترویج چاہتا تھا۔ پھر قدرے الوہیت کا دعویدار بن گیا تھا۔ چنانچہ الاستاذ ابو منصور البغدادی اپنی شہرہ آفاق کتاب "اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْفِرَقِ" میں

ابومنصور العجلی مدعی مذکور کے متعلق لکھتے ہیں :۔

" وادعی هذا العجلی انه خلیفة الباقر ثم اَلحَدَ فی دعواه فزعم انه عرج به الی السماء وان الله تعالیٰ مسح بیده علیٰ رأسه وقال له یا بُنَیَّ بلّغ عنّی ثمّ انزله الی الارض وزعم انه الکسف الساقط من السماء المذکور فی قوله (وان یروا کسفاً من السماء ساقطًا یقولوا سحاب مرکوم) وکفرت هذه الطائفة بالقیامة والجنة والنار وتاوّلوا الجنّة علیٰ نعیم الدنیا والنّار علیٰ محن النّاس فی الدنیا واستحلوا مع هذه الضلالة خنق مخالفیهم واستمرت فتنتهم علیٰ عادتهم الیٰ ان وقف یوسف بن عمر الثقفی والی العراق فی زمانه علیٰ عورات المنصوریة فاخذ ابا منصور العجلی وصلبه۔" (ص ۲۴۲)

ترجمہ۔" ابومنصور مذکور نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ امام باقرؒ کا خلیفہ ہے۔ بعد ازاں اپنے دعویٰ میں الحاد سے کام لیا اور کہا کہ اس کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے میری طرف سے تبلیغ کر۔ پھر اس کو زمین پر اتارا۔ اس کا خیال تھا کہ آیت وان یروا میں جس "الکسف الساقط" کا ذکر ہے وہ میں ہوں منصوریہ فرقہ نے قیامت، جنت اور دوزخ کا انکار کر دیا ہے۔ اور جنت سے مراد تاویلاً دنیا کی نعمتیں اور دوزخ سے مراد دنیا کی مصیبتیں لی ہیں۔ اس قدر ضلالت کے باوجود یہ لوگ اپنے مخالفوں کو گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ ان کا فتنہ جاری رہا تاوقتیکہ یوسف بن عمر ثقفی کو آگاہی ہوئی اور اس نے ان کے معائب کو دریافت کیا اور ابومنصور عجلی کو پکڑ کر صلیب پر مار دیا۔"

اس اقتباس سے میں دوؔ باتوں کی طرف آپ کی توجہ خاص طور پر مبذول کرانا چاہتا ہوں :۔

اوّل۔ ابومنصور کا دعویٰ ہرگز نبوت کا نہیں تھا۔ وحی و الہام کا نہیں تھا۔ اس کا کوئی الہام پیش نہیں کیا گیا۔ ہاں اس نے الحاد اور بے دینی اختیار کی اور شیعوں کے ایک حصّہ

کو امام باقرؒ کی خلافت کے دعویٰ کے باعث ہمنوا بنا لیا۔
دوم۔ یہ شخص مارا گیا۔ صلیب دیا گیا اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ کیا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر پیش کرنا کھلی مغالطہ دہی نہیں؟

محمد بن تومرت

دوسرے نمبر پر معترض پٹیالوی نے محمد بن تومرت کا ذکر کیا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"پانچویں صدی کے شروع میں محمد بن تومرت ساکن جبل سوس نے دعویٰ کیا کہ میں سادات حسینی ہوں اور مہدی موعود ہوں۔ اس کے حالات میں مذکور ہے کہ اس نے امام غزالیؒ[1] وغیرہ اکابر علماء سے تحصیل علوم کے بعد رمل و نجوم میں بھی مہارت بہم پہنچائی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔۔۔ لاکھوں آدمی اس کے شاگرد و مرید بن گئے" (عشرہ ص۱۹)

ناظرین کرام! ہم معترض کے اس دعویٰ کو اگر بلا کم و کاست بھی مان لیں تب بھی اس سے آیت ولو تقوّل علینا کے تیئیس سالہ معیار پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی۔ کیونکہ معترض پٹیالوی کے نزدیک بھی اس کا دعویٰ وحی و الہام ثابت نہیں۔ بلا دعویٰ وحی مہدی موعود وغیرہ کا اِدّعا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ پھر اس کو رمل و نجوم میں ماہر مان کر تو بات اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ جو شخص ایک بات بطور نجوم کہتا ہے خدا تعالیٰ کے نام پر اس کے الفاظ کو پیش نہیں کرتا اس کو لو تقوّل کے بالمقابل پیش کرنا سراسر غلطی ہے۔

محمد بن تومرت اور اس کے خلیفہ عبد المومن کا ذکر تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص۲۱۶ وغیرہ پر مذکور ہے۔ ابن تومرت کو ۵۱۴ھ میں شاہ مراکش کے حکم سے دار السلطنت سے نکال دیا گیا۔ اس پر وہ جبل سوس میں جاگزیں ہوا اور لوگوں کو دعوت دی کہ حکومت کے خلاف جنگ کریں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"تسامع به اهل تلك النواحى فوفدوا عليه وحضر اعيانهم بين يديه وجعل يعظهم ويذكرهم بايام الله ويذكر لهم شرائع الاسلام وما غيّر منها وما حدث من الظلم والفساد وانه

---

[1] تاریخ کامل میں اس کے امام غزالیؒ سے ملنے کا انکار کیا گیا ہے۔ جلد ۱۰ ص۲۱۶۔ المؤلف

لا یجب طاعة دولة من هٰذه الدول لاتباعهم الباطل بل الواجب قتالهم ومنعهم عمّا هم فیه فاقام علیٰ ذالك نحو سنةٍ و تابعه هرغة قبیلته وسمّیٰ اتباعه الموحدین واعلمهم انّ النبیّ صلی اللہ علیه وسلم بشّر بالمهدیّ یملأ الارض عدلًا وانّ مکانه الّذی یخرج منه المغرب الاقصیٰ فقام الیه عشرة رجال احدهم عبد المؤمن فقالوا لایوجد هٰذا الافیك فانت المهدیّ فبایعوه علیٰ ذالك " (کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۱)

ترجمہ ـ "اس علاقہ کے لوگوں میں اس کا چرچا ہوا وہ ابن تومرت کے پاس آئے اور ان کے منتخب نمائندے اس کے سامنے حاضر ہوئے ـ اس نے ان کو وعظ کیا اور ایام اللہ یاد دلائے ـ اسلام کی شریعت اور اس میں لوگوں کے تغیر و تبدّل کا ذکر کیا ـ ظلم و فساد پیدا شدہ کا حال بتایا اور کہا کہ موجودہ حکومتوں میں سے کسی کی بھی اطاعت واجب نہیں کیونکہ وہ باطل کی پیروی کر رہی ہیں ـ بلکہ ان سے جنگ کرنا واجب ہے اور ان کی خرابیوں کو دور کرنا فرض ـ وہ ایک سال اسی طرح ایجی ٹیشن پھیلاتا رہا ـ اس کا قبیلہ ہرغہ اس کے ساتھ ہو گیا ـ اس نے اپنے تابعین کو موحدین کے لقب سے ملقب کیا اور پھر ان کو بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ ایک مہدی پیدا ہو کر زمین کو عدل سے بھر دیگا ـ اور اس کا جائے ظہور المغرب ہے ـ اس پر اس کے متبعین میں سے دس جن میں عبد المومن بھی تھا کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بات تو صرف آپ میں ہی پائی جاتی ہے ـ پس آپ مہدی ہیں ـ لہٰذا انہوں نے اس کی بیعت کر لی ـ انتہیٰ "

اس تاریخی اقتباس سے مندرجہ ذیل امور بوضاحت ثابت ہیں :ـ (۱) ابن تومرت حکومت سے ناراض تھا اور اس کا مقصد حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنا تھا ـ (۲) اس نے اپنے وطن کے لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکایا اور لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ـ جیسا کہ اوائل میں گاندھی جی کی آواز پر اکثر ہندوستانی اکٹھے ہو گئے ـ (۳) اس نے ان مذہبی لوگوں کو مذہبی طور پر برانگیختہ کیا اور عام لوگوں کے متاثر ہونے کی بڑی وجہ یہی تھی ـ

(۴) اس نے لوگوں کو قیام عدل کے لئے مہدئ موعود کے ظہور کا وعدۂ نبوی بتایا (۵) اُن لوگوں نے اس کو مہدی قرار دیکر اس کی بیعت کر لی۔

قارئین کرام! آپ غور فرماویں کہ ایک شخص محض چند لوگوں کے کہنے سے انکی بیعت لے لیتا ہے اور ان کو حکومت کے خلاف برسرِ پیکار کر دیتا ہے۔ نہ اس نے خود دعویٰ کیا اور نہ اُسے وحی والہام پانے کا اِدّعا ہے کیا اس سے لو تقوّل علینا کا معیار باطل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ع این خیال است ومحال است وجنوں۔

۳۔ عبدالمومن تیسرے نمبر پر معترض پٹیالوی نے عبدالمومن کا ذکر کیا ہے۔ جو ابن تومرت کا ساتھی اور پھر اس کا جانشین بنا تھا۔ اور لکھا ہے :۔

"۳۳ سال تک مہدی کا خلیفہ اور امیر المومنین کہلا کر اور بڑی شان وشوکت سے بادشاہت کر کے ۵۵۸ھ میں مرگیا"

الجواب ۔ ابن تومرت کو عبدالمومن نے مہدی قرار دیا اور عبدالمومن کو ابن تومرت اپنا جانشین بنا گیا۔ گویا ع من ترا حاجی بگویم تو مرا مُلّا بگو والا معاملہ ہے۔ اس کو آیت ولو تقوّل علینا کے مقابلہ پر پیش کرنا قرآن مجید کے ساتھ تمسخر کرنا ہے محض خلیفہ یا جانشین کہلانا اس وقت زیرِ بحث نہیں جب تک کہ دعویٰ الہام و وحی مع جملہ شرائط آیت مذکورہ پیش نہ کرو۔ لہذا عبدالمومن کا ذکر بھی اس ذیل میں بے تعلق ہے۔

طریف و صالح بن طریف چوتھے نمبر پر معترض پٹیالوی نے ان دونوں باپ بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن طریف کے متعلق محض فقرہ "نبوت کا دعویٰ کر کے نیا مذہب اپنی قوم میں رائج کیا" لکھا ہے (عشرہ صفحہ ۲۲) اس کی مدتِ مہلت کو عمداً ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ جیسا کہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ وہ بہت ہی جلد ہلاک ہو گیا۔ ہاں صالح بن طریف کے متعلق تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ اُس نے دعویٰ نبوت کیا اور اپنے آپکو مہدئ اکبر قرار دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

الجواب ۔ یاد رہے کہ اس مدعی کا ذکر ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷ سے شروع ہوتا ہے۔ اس جگہ لکھا ہے :۔

"انہ انما انتحل ذالک عناداً ومحاکاةً لما بلغہ شأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... ثم زعم انہ المہدی الاکبر الذی

یخرج فی اٰخر الزمان وانّ عیسیٰ یکون صاحبہ ویصلّی خلفہ"۔

(صفحہ ۲۰۷) کہ اس نے یہ دعویٰ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بلند کو دیکھ کر عناداً کیا تھا اور پھر اس نے خیال کیا کہ میں مہدی اکبر ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا عیسیٰ اس کے ساتھ ہوگا اور اسکے پیچھے نماز پڑھے گا۔"

ابن خلدون کے اس بیان پر کہ صالح نے دعویٰ نبوّت کیا دو باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ اوّل یہ بیان ابن خلدون نے محض ایک شخص کی روایت سے نقل کیا ہے اور دنیا کا کوئی عقلمند ایسے اہم معاملہ کے لئے خبرِ واحد کو مستند نہیں مان سکتا۔ بالخصوص جبکہ اس راوی کا بیان بھی کئی سَو سال کے بعد ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہو۔ دوم ابن خلدون نے مدعی مذکور کے الہام یا اس کا دعویٰ اس کے الفاظ میں نقل نہیں کیا بلکہ محض لوگوں کی روایت ایک شخص کے ذریعہ سے درج کی ہے اور خود بھی اس کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا۔

اگر ہم ابن خلدون کی روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیں اور صالح کو مدعی نبوّت بھی مان لیں تب بھی اس سے ہمارے استدلال پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ صالح مذکور نے اپنے دعویٰ کو علی الاعلان پیش نہیں کیا بلکہ اس کو مخفی رکھتا رہا۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

"واوصیٰ (صالح بن طریف) بدینہ الیٰ ابنہ الیاس وعھد الیہ بموالاۃ صاحب الاندلس من بنی امیّۃ وباظھار دینہ اذا قوی امرھم وقام بامرہ بعدہ ابنہ الیاس ولم یزل مظھراً للاسلام مسرّاً لما اوصاہ بہ ابوہ من کلمۃ کفرھم" (ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷)

صالح بن طریف نے اپنے دین کی اپنے بیٹے کو وصیّت کی اور کہا کہ اندلس کے حاکم سے دوستی رکھنا اور جب تمہاری حکومت مضبوط ہو جائے تو اس دین کو ظاہر کرنا۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا بیٹا الیاس والی ہوا۔ اور وہ ہمیشہ اسلام کو ظاہر کرتا رہا اور اپنے باپ کے وصیّت کردہ مذہب کو چھپاتا رہا۔"

گویا صالح بن طریف نے اس دعویٰ کو عام پبلک میں بیان نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اخفاء سے کام لیتا رہا اور اسی اخفاء کی حالت میں مر گیا اور پھر اس کے بیٹے نے بھی اس کا اظہار

نہیں کیا بلکہ وہ مذہب اسلام کا ہی اظہار کرتے رہے اور یہ ایسے مدعیوں کی عام حالت ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے :۔

"وکذالک المنتظر محمد بن الحسن فان عدداً کثیراً من النّاس یدعی کلّ واحد منھم انّہ محمد بن الحسن منھم من یظھر ذالک لطائفۃٍ من الناس ومنھم من یکتم ذالک ولا یظھرہ الا للواحد والاثنین۔" (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

کہ چونکہ محمد بن الحسن کے مہدی ہونے کا خیال عوام میں پایا جاتا ہے اس لیئے بہت سے لوگ اس امر کے مدعی ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض نے اس دعوے کو ایک جماعت کے سامنے پیش کیا اور بعض نے اس دعوے کو بالکل چھپایا اور سوائے ایک دو آدمیوں کے کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کیا۔"

پس صالح بن طریف کو بطور نظیر پیش کرنا غلطی ہے اور منشی صاحب نے یہ لکھ کر کہ مدعی مذکور ۴۷ سال تک نہایت استقلال اور کامیابی سے اپنے مذہب کی اشاعت کرتا رہا" ایک صریح غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا وہ اس کا کوئی ثبوت دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

عبید اللہ مہدی

مصنّف مذکور لکھتا ہے :۔

"۲۹۶ھ میں مہدویت کا مدعی ہوا۔ اگلے سال افریقہ میں جا کر وہاں کا فرمانروا ہو گیا اور مہدویت کا زور شور سے اعلان کیا۔ ۶۲ سال کی عمر پائی۔" (صفحہ ۲۳)

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں جب تک کوئی مدعیٔ وحی و الہام نہ ہو وہ ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل کے ماتحت نہیں آسکتا۔ صرف مہدویت یا خلافت کے مدعی ہو جانے سے ہمیں کیا تعلق۔ ہاں اگر کوئی ایسا مدّعی ہے جس نے خدا سے الہام پانے کی بناء پر کھلم کھلا دعویٰ کیا تو البتہ کچھ بات ہے۔ مگر ایسا ہونا محال ہے۔

عبید اللہ مذکور کے متعلق لکھا ہے :۔

"وانما تسمّی المھدی عبید اللہ استتاراً ھذا عند من یصحّح نسبہٗ۔" (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

کہ ان لوگوں کے خیال میں بھی جو اُس کے نسب کو درست جانتے ہیں عبیداللہ نے اپنا نام مہدی چھپ کر رکھا تھا۔"

پھر علامہ ابن خلکان اسی جگہ ایک اور روایت لائے ہیں جس میں مذکور ہے کہ عبیداللہ مہدی کو دوسرے یا تیسرے سال میں سلجماسہ کے حاکم الیسع نے قید خانہ میں قتل کر دیا تھا اور پھر جھوٹ موٹ ایک شیعہ نے دوسرے آدمی کو عبیداللہ قرار دے دیا۔

اور پھر "عیون التواریخ" کے حوالے سے "وجیہ فارسی" نے اپنی کتاب "الدعاۃ" میں لکھا ہے کہ عبیداللہ مہدی کے دعوے میں عجیب اختلاط تھا۔ چنانچہ اس کے واعظوں کا یہ طریق تھا کہ:۔

"یقولون للبعض ھو المھدی بن الرسول وحجۃ اللہ ویقولون للآخرین ھو اللہ الخالق الرزاق" (الدعاۃ ص۸۸)

بعض لوگوں کو بتاتے کہ وہ مہدی اور حجۃ اللہ ہے اور دوسروں سے کہتے کہ وہ تو اللہ خالق رازق ہے۔"

ان حالات میں نہ معلوم عبیداللہ کے ذکر سے منشی صاحب کی کیا غرض ہے؟ کیا نصوص قرآنیہ کو (نعوذ باللہ) غلط قرار دینے کے لئے ان کے نزدیک ایسی کمزور، بے ثبوت اور مشتبہ روایات ہی سند لی جاتی ہے فماذا بعد الحق الا الضلال۔

مغیرہ بن سعید عجلی

اس مدعی کے متعلق منشی صاحب نے لکھا ہے:۔

"اس کو اسم اعظم جانتے کا دعوی تھا اور مُردوں کو زندہ کرنے کا بھی مدعی تھا کئی قسم کے شعبدات و طلسمات دکھا کر لوگوں کو معتقد بنا لیا تھا الخ"

اس کے سارے ذکر میں خود معترض پٹیالوی نے بھی دعوی نہیں کیا کہ اس نے خدا تعالیٰ سے وحی پانے کا دعوی کیا تھا۔ تا اس کے وجود سے لو تقوّل علینا پر کوئی زد پڑ سکے لہذا اس جگہ اس کے متعلق صرف اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ ہماری بحث مدعی وحی نبوت کے بارہ میں ہے اور یہ شخص مدعی وحی نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک شعبدہ باز تھا۔

بنان بن سمعان

اس کے متعلق منشی صاحب لکھتے ہیں:۔

"منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ نبوت کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ مجھے اسم اعظم معلوم ہے۔" (ص۲۱ حشرہ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"بنان بن سمعان التیمی الّذی تنسب الیہ البیانیۃ من غالیۃ الشیعۃ انہٗ کان یقول ان اللّٰہ علیٰ صورۃ الانسان وانّہٗ یھلک کلہٗ اِلّا وجھہ وادعی بنان انّہٗ یدعوالزھرۃ فتجیبہ وانہ یفعل ذالک بالاسم الاعظم فقتلہ خالدبن عبداللّٰہ القسری"

کہ اس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شکل پر ہے اور سوائے چہرے کے وہ سارا ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ زہرہ کو بلاتا ہے تو وہ جواب دیتی ہے۔ اس کو خالد بن عبد اللہ نے قتل کر دیا تھا۔"

گویا اس کی طرف نہ دعویٰ وحی منسوب ہے، نہ دعویٰ الہام اور نہ دعویٰ نبوت۔ ہاں وہی "مریداں مے پرانند" والی بات ہے۔ جبکہ لکھا ہے :۔

"حکی عنھم ان کثیراً منھم یثبت نبوۃ بنان بن سمعان"

(منہاج السنۃ جلد ا صفحہ ۲۳۸)

کہ اس کے مریدوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کثیر حصہ بنان مذکور کی نبوت کا اقرار کرتا ہے۔ گویا اوّل تو اس مدعی کا اپنا دعویٰ نہیں، دوسرے وہ تو فوراً قتل کر دیا گیا۔ لہٰذا اس کا ذکر بھی اس جگہ ناموزوں ہے۔

مقنع

اس مدعی کے متعلق تو منشی صاحب کو خود اعتراف ہے کہ :۔

"اس نے چند مافوق العادت کرشمے دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کیا اور پھر الوہیت کا مدعی ہوا۔ جب لوگ اس سے مانوس ہو گئے تو کل فرائض ترک کر دینے کا حکم دیدیا۔" (ص۲۶)

لیکن نہ معلوم کہ پھر اس "مدعی الوہیت" کو "مدعیان نبوت" کی فہرست میں کیوں پیش کیا ہے ـــــ تاریخ کامل ابن الاثیر میں صاف لکھا ہے :۔

"وادعی الالوھیۃ ولم یظھر ذالک الی جمیع اصحابہ۔"

کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور وہ بھی اپنے تمام ساتھیوں پر ظاہر نہ کیا۔"
اس کا یہ دعویٰ ۱۵۹ھ ہجری میں ہوا۔ (کامل جلد ۶ صفحہ ۱۲) اور ۱۶۲ھ میں زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اور اس کا سر کاٹا گیا۔ (تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۹) گویا کُل ۳ سال مہلت پائی۔
اس قلیل عرصہ اور اس نامرادی کی موت پر بھی اگر کوئی شخص اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں پیش کرتا ہے تو اس کی عقل و دانش پر ماتم کرنا چاہیئے۔

ابوالخطاب اسدی

مصنف عشرہ کاملہ اس مدعی کے متعلق بحوالہ ملل ونحل لکھتا ہے:۔

"اس نے اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے منتسبین میں مشہور کر کے لوگوں کا اعتقاد امام کے ساتھ خوب مستحکم کیا اور انکے دلوں میں یہ بات جمائی کہ امام الزمان پہلے انبیاء ہوتے ہیں پھر الٰہ ہو جاتے ہیں۔" (صفحہ ۲)

اگر یہ بیان درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس کا اصل بحث سے کوئی علاقہ نہیں یہ تو ایک غالی اور مدعی الوہیت کا ذکر ہے وبس۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے ساتھیوں کے متعلق لکھا ہے:۔

"وعبدوا ابا الخطاب وزعموا انہ الٰہ وخرج ابو الخطاب علی ابی جعفر المنصور فقتلہ عیسیٰ بن موسیٰ فی سبخۃ الکوفۃ۔"
(منہاج السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)

کہ وہ لوگ ابوالخطاب کی پرستش کرتے ہیں اور اس کو خدا قرار دیتے ہیں۔ ابوالخطاب نے ابوجعفر منصور کے خلاف چڑھائی کی اور اس کو فوراً ہی عیسیٰ بن موسیٰ نے قتل کر دیا۔"
پھر کتاب الفصل فی الملل والنحل میں بھی لکھا ہے:۔

"وقالت طائفۃ منھم بالٰھیۃ ابی الخطاب محمد بن ابی زینب مولیٰ بنی اسد۔" (جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)

کہ شیعوں کے ایک گروہ نے ابوالخطاب کو اللہ قرار دیا ہے۔"
پس لو تقوّل علینا کی بحث میں ابوالخطاب کو پیش کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

احمد کیال اس کے متعلق منشی محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے :-

" پہلے یہ محبتِ اہلبیتؑ کا مدعی تھا۔ بعد ازاں امام الزمان ہونے کا دعویدار ہوا۔ اس سے ترقی کی تو کہا میں القائم ہوں " (صت۲۸)

اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے کیا ثابت ہوا۔ کیا ۲۳ سالہ معیار باطل ہو گیا ؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ مدعی مذکور کا تو دعویٰ وحی و نبوت موجود نہیں۔ باقی رہا کامیابی کا سوال اس کے متعلق " الملل والنحل " میں لکھا ہے:-

" لما وقفوا علیٰ بدعتہ تبرّؤا منہ ولعنوہ و امروا شیعتھم بمنابذتہ و ترک مخالطتہ " (جلد۲ صث۱ برحاشیہ الفصل فی الملل)

کہ جب اس کی جماعت نے اس کی بدعت کو دیکھا تو وہ سب اس سے بیزار ہو گئے۔ اس پر لعنت کی اور دوسروں کو اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیدیا "

ان حالات میں نہ معلوم کہ منشی صاحب موصوف نے اس قدر زحمت کیوں اٹھائی کہ اتنے نام پیش کریں حالانکہ اصل مبحث سے اس کا بھی تعلق نہیں۔

ایک اہم سوال کا جواب ناظرین کرام! ہم سطور فوق میں بتا چکے ہیں کہ جن دس کذابوں کو بطور نظیر پیش کیا گیا ہے اور جنکے متعلق منشی صاحب کو بہت دعویٰ تھا ان میں سے ایک بھی ایسا موجود نہیں جو دلو تقوّل کی باطل شکن تحدّی کے سامنے ٹھہر سکے۔ حسن بن صباح اور اکبر بادشاہ وغیرہ کو خود منشی صاحب نے تفصیلی بیان میں چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ وحی و نبوت ہرگز ثابت نہیں۔ جن کو پیش کیا ہے اُن میں سے ابومنصور، مقنع اور ابو الخطاب کا دعویٰ الوہیت ثابت ہے اور باقیوں میں سے کسی ایک کا بھی اپنا دعویٰ ماموریت یا نبوّت و رسالت موجود نہیں جسے اُس نے کھلم کھلا اور برملا پیش کیا ہو۔

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کے حل کرنے کی اسلئے بھی ضرورت ہے کہ بعض نادان اس مطالبۂ نظیر پر فرعون کا نام پیش کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ " کرک آسمانی " وغیرہ کتب میں کیا گیا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے کہ مفتری علی اللہ اور متقوّل کو تیئیس برس مہلت نہیں مل سکتی تو مدعیانِ الوہیت فرعون مصر اور بہاء اللہ ایرانی (جس کا قول ہے لا الٰہ الّا انا المسجون الفرید کہ بجز مجھ اکیلے قیدی کے اور کوئی

خدا نہیں۔ مبین مثث۲۸) وغیرہ کو کیوں لمبی مہلت ملی ہے ؟

اس کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا قانون ہر دو قسم کے کاذبوں کے لئے الگ الگ ہے لہذا قابلِ اعتراض بات نہیں۔ دعویٰ ماموریت و نبوّت میں افتراء کرنے والے کے لئے ولو تقوّل کی وعید مقرر فرمائی اور مدعیٔ الوہیت کے متعلق فرمایا :۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء ع۲)

کہ جو شخص خدائی کا دعویدار ہو اس کی سزا جہنّم ہے اور ایسے ظالموں کی یہی سزا ہے ۔"

گویا خدا تعالیٰ نے ہر دو دعووں کے مدعیوں کی سزا میں فرق رکھا ہے۔ پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلطی ہے اور ولو تقوّل کے مطالبہ پر فرعون یا بہاء اللہ کا ذکر کرنا سراسر نادانی ہے۔

اس فرق کی بناء ظاہر ہے کہ الوہیت اور خدائی کا ادّعاء بہمہ حوائج بشریہ اہلِ عقل کے لئے موجب فتنہ و گمراہی نہیں ہو سکتا (اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ) لہذا اس کی سزا جہنّم قرار دی۔ لیکن انبیاء ابتداء سے ہی انسانوں میں سے مبعوث ہوتے رہے ہے۔ لہذا اگر کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کیا جاتا تو دنیا کے لیے ضلالت سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے مدعیٔ نبوّت کاذب کے لئے اسی دنیا میں **قطع وتین** اور ناکامی کی سزا مقرر فرمائی۔

علامہ ابو محمد ظاہری نے اپنی مشہور کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں اس فرق کو تسلیم فرماتے ہوئے لکھا ہے :۔

"وقال بعض اصحاب الکلام انّ الدجّال انما یدعی الربوبیة ومدعی الربوبیّة فی نفس قوله بیان کذبه قالوا فظهور الآیة علیه لیس موجباً لضلال من له عقل واَمّا مدعی النبوّة فلا سبیل الی ظهور الآیات علیه لانّه کان یکون ضلالاً لکل ذی عقلٍ ۔" (جلد ۱ ص۱۰۹)

ترجمہ۔ بعض اصحاب کلام نے کہا ہے کہ دجّال ربوبیت کا مدعی ہوگا۔ اور مدعیٔ ربوبیت کا نفس دعویٰ ہی اس کے کذب کی دلیل ہے بسو اس سے کسی

خرقِ عادت کا ظہور کسی عقلمند کو گمراہ نہیں کرسکتا لیکن کاذب مدعی نبوت پر ظہورِ آیات نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ ہر صاحبِ عقل کو گمراہ کرنے کا موجب ہوگا۔[1]"

پس دعویٔ نبوت اور دعویٔ الوہیت کی سزا میں فرق ہونا چاہیئے تھا اور ہے۔ لہٰذا فرعون یا کسی اور ہمچو قسم مدعیٔ ربوبیت کا تذکرہ بے محل ہے اور ان کی مہلت کو ولَو تقوّل علینا کے بالمقابل پیش کرنا غلطی ہے۔

۲۳ سالہ معیارِ صداقت اور بعض نبیوں کا زمانہ

مندرجہ بالا بیانات سے صاف ثابت ہوگیا کہ آیت ولو تقوّل علینا کا مطلب تفاسیر، لغت، عقائدِ اہلسنت، اور واقعات کی تائید سے یہی ہے کہ مفتری کو تیئیس (۲۳) سال کی مہلت نہیں مل سکتی اور آج تک کسی کاذب مدعیٔ الہام کو نہیں ملی۔ اور نہ تا قیامت مل سکے گی۔ آسمان و زمین کا ٹل جانا ممکن مگر خدا کا یہ نوشتہ نہیں ٹل سکتا۔ اور نہ یہ قانون باطل ہو سکتا ہے۔

معترض پٹیالوی نے اس معیار کی تردید میں دوسرا اعتراض بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ:۔

"ایسے ہی کئی صادق نبیوں کا زمانۂ نبوت ۲۳ سال سے بہت کم ہے مثلاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔" (عشرہ ص۲ حاشیہ)

الجواب ایک دعویٰ اور مطلوب کو ثابت کرنے کے لئے متعدد دلائل ہوا کرتے ہیں۔ حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کی صداقت پر کئی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اگر ۲۳ سالہ معیار پر وہ پورے نہ اتریں تو اس میں کیا حرج ہے۔ باقی دلائل اثباتِ دعویٰ کے لئے کافی ہیں۔ یاد رہے کہ صداقت کے کل دلائل بحیثیتِ مجموعی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات میں جمع ہیں۔ باقی انبیاء اس خصوص میں آپ کے شریک نہیں۔ اسی لئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے:۔

"ما من دلیلٍ یدلّ علیٰ نبوّۃِ غیرِ محمّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم وخلافۃِ غیرِھما (الشیخین) الا والدلیل علیٰ نبوۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم

---

[1] مدعیٔ الوہیت اور مدعیٔ نبوت میں یہی فرق نیز اس بحث خوارق میں بھی مذکور ہے۔ (مؤلف)

وخلافتھما اقوی منہ" (منہاج السنۃ جلد ا صفحہ ۲۲)

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بعد ظہور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ انبیاء کی صداقت کا انحصار محض آنحضرت کی تصدیق پر ہے۔ مرورِ زمانہ سے ان کے متبعین کی حالت بگڑ گئی اور انہوں نے اپنے پیشواؤں کو بھی نہایت مکروہ صورت میں پیش کر رکھا ہے۔ یہ محض اس النبی الاُمّی کا احسان ہے کہ اس نے کروڑوں انسانوں سے ان نبیوں کی نبوت کو تسلیم کرا دیا ورنہ بالذات ان کی نبوت کے لئے ان کے پیروؤں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے چہ جائیکہ سب دلائل مجتمع ہوں۔ امام ابن تیمیہؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :۔

"ان النصرانی اذا اراد اثبات نبوۃ المسیح دون محمدؐ لم تساعدہ الادلۃ"

کہ اگر عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلٰی کے بغیر مسیح کی نبوت ثابت کرنا چاہے تو وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔" (منہاج السنۃ جلد ا صفحہ ۱۶۲)

خلاصہ جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر نبی کی صداقت ہر معیار سے ثابت کی جاوے۔ لہٰذا حضرت یحییٰؑ اور حضرت زکریاؑ کی راستبازی کے لئے ۲۳ سالہ معیار کا ان پر پورا آنا ضروری نہیں۔

الجواب ۲: معترض نے اس جگہ ہمارے استدلال کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمارا استدلال یوں ہے کہ آیت قرآنی کی رو سے ثابت ہے کہ جس مدعیِ الہام کو تئیس ۲۳ برس مہلت مل جاوے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا بلکہ قطعی طور پر سچا ہو گا (صغریٰ) اور حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد دعوئے وحی والہام تئیس سال مہلت ضرور پائی ہے (کبریٰ) پس حضرت مرزا صاحب کاذب نہیں بلکہ یقینی طور پر صادق ہیں (نتیجہ) ظاہر ہے کہ جو شخص اس استدلال کو سمجھتا ہے وہ یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ حضرت یحییٰؑ کو ۲۳ سال مہلت نہیں ملی"

نہ ملے ہمارا یہ تو دعویٰ نہیں کہ ہر نبی کو ۲۳ سال مہلت ملی ہے بلکہ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ جس کو اس قدر مہلت ملے وہ ضرور سچا ہے جھوٹے کو اتنی مہلت نہیں مل سکتی۔ گویا اس جگہ نسبت عموم خصوص مطلق ہے۔ یعنی جو مدعیٔ الہام تئیس سال مہلت پاتا ہے وہ تو یقیناً سچا ہے لیکن ہر سچے نبی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ تئیس سال مہلت ضرور پائے۔ مثلاً امتحان کا پرچہ ہے سو نمبر مقرر ہیں جو طالب علم نوے نمبر حاصل کرے گا وہ فیل نہیں ہو سکتا یقیناً پاس ہو گا لیکن ہر پاس ہونے والے متعلم کے لئے ضروری نہ ہو گا کہ نوے نمبر ہی حاصل کرے بلکہ ۸۰۔ ۷۰۔ ۶۰ نمبر والے

والے بھی پاس ہونگے۔ بعینہٖ اسی طرح ۲۳ سال مہلت عدمِ کذب کے اظہار کے لیئے انتہائی پیمانہ اور بلند ترین معیار ہے۔ پس حضرت یحییٰؑ یا کسی اور نبی کا کم عمر پانا در آنحالیکہ ان کی سچائی پر اور دلائل قائم ہیں ان کی نبوت میں بارج نہیں اور نہ اس سے ۲۳ سالہ معیار پر زد پڑ سکتی ہے۔ ہاں اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت کا کلی ہونا ہمارے استدلال کی تردید نہیں بلکہ گونہ تائید ہے۔ کیونکہ ہم ۲۳ سال مہلت کو انتہائی عرصہ مانتے ہیں جس کے بعد کسی مدعی الہام کا انکار درحقیقت ذاتِ باری کا انکار ہے جیسا کہ ابن القیم نے نصرانی سے کہا تھا:۔

"لا یتم لکم ذالک الا بجحودہ و انکار وجودہ تعالیٰ" (زاد المعاد جلد ۱ ص ۵)

کہ اس دلیل کو تم اس صورت رد کر سکتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہی وجود کا انکار کر دو۔"

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ صورتِ حال کو ذہن نشین کرنے کے لیے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی عبارت بھی پیش کر دیں۔ آپ فقرہ "کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے" پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ نہ کوئی سمجھے کہ جو نبی قتل ہوا وہ جھوٹا ہے بلکہ ان میں عموم مطلق ہے یعنی یہ ایسا مطلب ہے جیسا کوئی کہے کہ جو شخص زہر کھاتا ہے مرجاتا ہے اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہر مرنے والے نے زہر بھی کھائی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کوئی زہر کھائیگا وہ ضرور مریگا۔ اور اگر اس کے سوا بھی کوئی مرے تو ہو سکتا ہے۔ گو اس نے زہر نہ کھائی ہو۔ یہی تمثیل ہے۔ دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائیگا ہلاک ہوگا۔ اگر اس کے سوا بھی کوئی ہلاک ہو تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانے والا بچ رہے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص ۱۷ حاشیہ)

پس اگر بعض صادق نبیوں کا زمانہ ۲۳ سال سے کم ہے تو ہوا کرے۔ جب وہ صادق ہیں تو ان کی صداقت مسلّم ہے لیکن ان کے زمانہ کی کمی ۲۳ سالہ معیار کو باطل نہیں کر رہی۔ وھو المراد۔

حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ اور ۲۳ سال مہلت

پٹیالوی معترض نے اس ضمن میں آخری عذر یہ کیا تھا کہ:۔

"اگر مرزا صاحب کا استدلال مان بھی لیا جائے تو انہوں نے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیا ہوا تھا۔ سنہ مذکور میں دعویٰ کیا اور سات برس بعد سنہ ۱۹۰۸ء میں مر گئے۔ ۲۳ سال نبی کہاں رہے؟" (عشرہ ص ۱۱)

ہمارے مخاطب کی یہ آخری امید تھی لیکن اس کی حقیقت بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔
اگرچہ آیت ولو تقوّل علینا کے الفاظ میں مخصوص طور پر نبوّت کا دعویٰ مذکور نہیں بلکہ مطلق دعویٰ وحی و الہام مراد ہے لیکن بغرض اختصار ہم یہی تسلیم کر لیتے ہیں کہ نبوّت کا دعویٰ چاہیئے۔
اب یہ سوال باقی ہے کہ حضرتؑ نے کب دعویٰ فرمایا؟ معترض کہتا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں دعویٰ کیا کیونکہ اس سے قبل تو آپ دعویٰ نبوّت کو کفر قرار دیا کرتے تھے۔ مَیں کہتا ہوں کہ آپؑ نے دعویٰ نبوّت کو بے شک کفر قرار دیا ہے لیکن نہ صرف ۱۹۰۱ء تک بلکہ ۱۹۰۸ء تک۔ مگر وہ نبوّت نبوّتِ تشریعی ہے۔ وہ نبوّت جو قرآن مجید کو منسوخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو ختم بتائے بے شک کفر ہے۔ اسی نبوّت کو آپؑ نے تمام کتب میں (۱۹۰۱ء سے قبل بھی اور بعد بھی) کفر لکھا ہے۔ چنانچہ آپؑ اپنے آخری مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا مَیں ایسی نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ مَیں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوّت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ مَیں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوّت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔"

(اخبار عام لاہور مؤرخہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صاحبِ شریعت نبی ہونے سے انکار اور اس کو کفر قرار دینا ابتدا سے انتہا تک ثابت ہے۔ ہاں غیر تشریعی نبوّت کا آپؑ کو دعویٰ تھا اور اس دعوے سے حضورؑ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔ نہ ۱۹۰۱ء سے پہلے نہ ۱۹۰۱ء کے بعد۔ چنانچہ آپؑ نے لکھا ہے:۔

"جس جس جگہ مَیں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ مَیں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور

اپنے لئے اُس کا نام پا کر اُس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اِس طور کا نبی کہلانے سے مَیں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ اِنہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"کفر قرار دینے" کے حصّہ کا جواب دیکر ہم اصل مبحث کی طرف رجوع کرتے ہیں منشی محمد یعقوب صاحب آیت ولو تقوّل علینا کی شمشیر برّاں سے خوف زدہ ہو کر حضرت اقدس کا دعویٰ نبوت ۱۹۰۱ء میں بتلاتے ہیں۔ حالانکہ غیر احمدی علماء قریباً تین سو علماء ۱۸۹۱ء سے بہت قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اسی بناء پر فتویٰ کفر لگا چکے تھے کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔ اگر منشی صاحب کا بیان راست ہے تو ان کے علماء کی دروغ گوئی ثابت ہے۔ لیکن اگر منشی صاحب کے نزدیک علماء کا بیان درست تھا تو ان کی اپنی غلط بیانی ظاہر ہے۔ بہر صورت مخالفین احمدیت کا بطلان واضح ہے۔ ان لوگوں کے اپنے بیانات میں اس قدر تخالف اور تہافت کیوں ہے؟ صرف عداوت اور تعصّب کی وجہ سے۔

مؤلف عشرہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی ۲۳ سالہ مہلت کے انکار سے فتویٰ کفر کے دستخط کنندہ تمام مولویوں کو جھوٹا اور دروغگو قرار دیدیا ہے مگر وہ مجبور ہے کیونکہ بصورت دیگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

ناظرین کرام! آپ جانتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے۔ نیز آپ نے سُنا ہو گا کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"۔ ممکن ہے آپ کو آج تک اِس کی تصدیق کا موقعہ نہ ملا ہو لیجئے منشی محمد یعقوب صاحب کے قلم سے اس کا ملاحظہ کر لیجئے۔ آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ منشی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کا سِن ۱۹۰۱ء بتا کر ۲۳ سال کے زمانہ سے انکار کیا ہے اب اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی پڑھیئے۔ خود لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کا نشانات دکھانے کا زمانہ کب سے شروع ہوا؟ مرزا صاحب چودھویں صدی ہجری کے سرے پر بعمر ۴۰ سال اپنا مبعوث ہونا تسلیم کرتے ہیں لہذا ان کی بعثت کا زمانہ ۱۸۸۳ء ہوتا ہے اس لیے یہ دس لاکھ نشانات جو ۱۹۰۳ء تک ظاہر ہوئے مرزا صاحب کی ۲۰ سالہ زمانہ رسالت کی کمائی ہے۔" (تحقیق لاثانی یا عشرہ کاملہ حصّہ دوم صفحہ ۱۲۳)

گویا ۱۹۰۲ء تک حضرت مسیح موعودؑ کا ۲۰ سالہ "زمانہ رسالت" گزر چکا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں حضورؑ کا وصال ہوا۔ معترض پٹیالوی کے اِس حساب سے بھی آپ کا زمانہ رسالت ۲۵ سال بنتا ہے منشی صاحب نے مطالبہ کیا تھا کہ "۲۳ سال نبی کہاں رہے ہیں؟" اب دیکھئے اسی کے قول سے ۲۵ سال زمانہ رسالت ثابت ہو گیا۔

کیا اس سات سال اور پچیس سال کے کھلے اختلاف میں تطبیق ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو "دروغگورا حافظہ نباشد" کا پورا نظارہ ہے منشی صاحب! اختلاف بیانی اِس کو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے خوب فرمایا ہے اِنِّی مُهِینٌ مَنْ اَرادَ اِهَانَتَكَ۔

خلاصۂ بیان

حضرات! ولو تقوّل علینا کے فیصلہ کن معیار پر معترض نے تین اعتراض کئے تھے ہم نے تفصیل وار ان سب کا جواب دے دیا ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کسی مفتری علی اللہ کو تیئس ۲۳ برس مہلت نہیں ملی اور نہ مل سکتی ہے۔ پھر ہم نے واضح کر دیا ہے کہ بعض نبیوں کا کم عرصہ مہلت پانا اِس معیار میں قادح نہیں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت اور تیئس سالہ مہلت کا ثبوت بھی دیدیا گیا ہے بلکہ خود مکذب کے الفاظ میں اس کا اعتراف دکھا دیا گیا ہے۔

آپ خدارا غور فرمادیں کہ کیا اب بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالف حق بجانب ہیں۔ خدا کا قانون مفتری کی جلد ہلاکت کا اعلان کرتا ہے، اُمّتِ مسلمہ اِس قانون کو عقائد میں داخل کرتی ہے، واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن جب اِس قانون سے حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے تو تاریکی کے فرزند انکار کر دیتے ہیں اور اُس دن سے غافل ہو جاتے ہیں کہ جب دانت پیسنا اور رونا ہو گا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ دنیا اس مقدس کو دجال اور کذاب قرار دیتی ہے لیکن خدا اپنے وعدہ کے مطابق جو وہ تورات اور قرآن مجید میں کر چکا تھا اس کو ہلاک اور برباد نہیں کرتا بلکہ اسے بڑھاتا ہے اور خوب سرسبز کرتا ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ وہ دنیا کے فتووں اور اس کی ایذا رسانی کو دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں خود عاجزانہ عرض کرتا ہے ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سما — اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر — اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر — گر تو دیداستی کہ ہستم بد گہر

پارہ پارہ کُن منِ بدکار را | شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار | ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار
آتش افشاں بر در و دیوارِ من | دشمنم باش و تبہ کن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی | قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ | کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کن | اندکے افشائے آں اسرار کن

(حقیقۃ المہدی صفحہ ۱)

ترجمہ۔ اے قادر اور آسمان وزمین کے خالق۔ اے رحیم مہربان اور رہنمائی کرنیوالے خدا! اے وہ ذات جو دلوں پر نظر رکھتی ہے۔ اے وہ ذات جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اگر تو دیکھتا ہے کہ میں فسق و شرارت سے پُر ہوں۔ اگر تیری نظر میں میں ایک بدگہر انسان ہوں تو تو مجھ بدکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان دشمنوں کے گروہ کو خوش کر دے۔ ان کے دلوں پر رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی سب مرادیں پوری کر دے اور میرے گھر بار پر آگ برسا دے۔ میرا دشمن ہو جا اور میرے کاروبار کو تباہ کر دے۔ لیکن اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ میں تیرے مخلص بندوں میں سے ہوں اور میرا قبلہ تیرا آستانہ ہے اور تو نے میرے دل میں اپنی اس محبت کو موجزن پاتا ہے جو باقی جہان سے مخفی ہے تو پھر تو میرے ساتھ از روئے محبت سلوک کر اور اپنے ان رازوں کو قدرے ظاہر فرما۔"

بھائیو! ان درد بھرے الفاظ کو پڑھو، اس رقت و سوز و گداز کو ملاحظہ کرو اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا تائید و نصرت کو دیکھو۔ قرآن مجید فرماتا ہے وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (الجمعۃ) جھوٹے مدعیٔ ولایت کبھی موت کی خواہش نہیں کر سکتے۔ کیا اس درد انگیز دعا کو پڑھ کر بھی تم یہ کہہ سکتے ہو کہ حضرت مرزا صاحبؑ صادق اور راستباز نہ تھے؟ انصاف! خشیت!! اور تقویٰ!!!

حضرت مرزا صاحب اکیلے اُٹھے۔ مخالفت کی آندھیاں اور دشمنی کے طوفان

آئے۔ آپؑ کو گالیاں دی گئیں، پتھر مارے گئے، ہر رنگ میں لوگوں کو روکا گیا، مگر بخدا آپؑ کی آواز میں مقناطیسی قوت تھی اور بے انتہا جذب کہ دنیا چاروں کناروں سے آپؑ کی حلقہ بگوشی میں داخل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سلسلہ کو روز افزوں ترقی نصیب کی۔ اللہ اللہ۔ وہ آواز جو کس مپرسی کی حالت میں ایک گاؤں سے نکلی تھی آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں گونج رہی ہے چشم بصیرت کے لئے اس میں سبق ہے ؎

یہ فتوحات نمایاں یہ تواتر سے نشاں
کیا یہ ممکن ہیں بشر سے کیا یہ مکاروں کا کار

مبارک وہ جو اس موعود کو شناخت کریں اور اس کے مسیحائی نفس سے زندگی حاصل کریں۔ اے کاش کہ مسلم قوم بیدار ہو ؎

فصل دوم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے متعلق غلط بیانیوں کا جواب

مجھ کو بس ہے وہ خدا عہدوں کی کچھ پرواہ نہیں ؛ ہو سکے تو خود بنو مہدی بحکم کردگار
(حضرت مسیح موعودؑ)

انبیاء کرام فطرتی طور پر خلوت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں شہرت سے بہت نفرت ہوتی ہے۔ اور اگر قدرت کا زبردست ہاتھ ان کو کھینچ کر باہر نہ لے آتا وہ ہمیشہ کے لئے گوشۂ تنہائی کو ہی کنجِ عافیت سمجھتے اور کبھی دنیا کے سامنے نہ آتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دعوے کے متعلق جلدی نہیں کرتے۔ ان کی کمال سادگی ان کے دعوے کی سچائی کی زبردست دلیل ہوتی ہے اور اُن کی عدم بناوٹ پر بیّن گواہ۔ وہ خدا تعالیٰ کے بُلوانے سے بولتے اور اس کی اطاعت میں محو رہتے ہیں۔ خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحیح حدیث میں لکھا ہے کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ باب فی سدل النبی شعرہ) کہ حضورؐ اُن امور میں اہل کتاب سے موافقت رکھنے کو پسند فرماتے جن میں آپؐ مامور نہ ہوتے تھے۔ یعنی جب تک خدا تعالیٰ کی وحی صراحت کے ساتھ آپؐ کو کسی بات کے ماننے یا کرنے کا حکم نہ دیتی آپؐ اپنے سے پہلے اہل کتاب کے طریق پر عامل رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰکُمْ بِہٖ۔ اے رسول کہدے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء نہ ہوتا تو میں یہ تعلیم تم کو نہ سناتا۔ یعنی میں تو ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہوں اور جب جب اور جو جو حکم آتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام سے جب یہود نے پوچھا کہ کیا تو موعود

ایلیاؑ ہے تو آپ نے انکار فرما دیا (یوحنا ۱/۲۱) حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے حق میں صاف فرمایا تھا کہ وہی موعود ایلیا ہیں (متی ۱۱/۱۴-۱۵) حضرت یحییٰ کا انکار یہود کی ٹھوکر کا موجب ہوا۔ مگر یہ سب واقعات اس حقیقتِ ثابتہ کو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نبی کس قدر محتاط اور بے نفس ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پہلی وحی ہوئی تو حضورؐ نے فوراً شور نہ مچا دیا کہ میں نبی اور رسول ہوں بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے گھر میں حضرت خدیجہؓ سے سب حالات بیان کئے اور وہ آپ کو ورقہ ابن نوفل عیسائی کے پاس لے گئیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ ورقہ نے سب سے پہلے کہا:-

هٰذا النَّاموسُ الَّذی اُنزِلَ علیٰ موسیٰ۔ (بخاری جلد اوّل صفحہ مطبوعہ مصر)

یہ تو وہ فرشتہ (جبرائیل) ہے جو حضرت موسیٰ پر شریعت لیکر آیا تھا یعنی آپ بھی صاحبِ شریعت رسول ہیں۔)

کئی نادان ہیں جو اس واقعہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اپنے دعوے کو نہ سمجھ سکے اور ورقہ کے کہنے پر آپ نے سمجھا۔ مگر یہ غلطی ہے۔ درحقیقت اس سارے واقعہ میں بھی نہایت خوبصورت پیرایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی اور سادگی عیاں ہے ورنہ کوئی کذاب اور منصوبہ باز ہوتا تو فی الفور اشتہار شروع کر دیتا۔

پھر اور دیکھئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے افضل تھے مگر جب تک حضورؐ کیلئے اس کی کامل تشریح نہ کر دی گئی کبھی حضورؐ نے اپنی فضیلت کا اعلان نہ فرمایا۔ بظاہر یہ موٹی بات تھی کہ جو ساری دنیا کے لئے رسول ہے اور جس پر یہ آیت قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف مکیہ ع ۲۰) نازل ہو چکی ہو وہ بہر حال قومی اور ملکی رسولوں سے افضل ہوگا اور جو تا قیامت زندہ رسول ہے وہ وقتی اور محدود عرصہ کے انبیاء سے ممتاز ہوگا۔ مگر آپؐ نے عملاً جو کیا وہ یہ تھا کہ جب ایک مسلم اور یہودی کا حضرت موسیٰؑ اور آپؐ کی فضیلت پر نزاع ہو گیا تو آپ نے فرمایا لا تخیّرونی علیٰ موسیٰ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱ فضائل موسیٰ) یعنی حضرت موسیٰؑ پر مجھے فضیلت مت دو۔ پھر ایک اور روایت میں حضرت یونسؑ کے متعلق فرمایا مَنْ قَالَ اَنَا خیرٌ من یونس بن متیٰ فقد کذب (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۵) یعنی جو اپنے آپ کو یونسؑ سے بڑا کہے وہ کاذب ہے۔ لیکن جب بارگاہِ ایزدی سے آپ کی افضلیت کا کھلا کھلا اعلان کیا گیا تو آپؐ نے فرما دیا "اَنَا سیّدُ وُلدِ آدمَ ولا فخر۔ میں سب آدم زادوں کا سردار ہوں" اب کیا

کوئی بے وقوف یہ سوال کر سکتا ہے کہ پہلے آپؐ نے یونسؑ سے افضل ہونے سے انکار کیا ہے اور اب سب نبیوں سے افضلیت کا دعویٰ ہے تو اس میں تضاد ہے؟ کیونکہ دراصل نبی اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر تصریح نہ فرمائی آپؐ اپنی انکساری اور خاکساری کے ماتحت عدم افضلیت کا ذکر فرماتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو افضل کہا تو آپؐ نے بھی اعلان کر دیا۔

بعینہٖ یہی حال سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ نادان مخالف ان کی ترقیات کو ارتقائی کہہ کر ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل گردانتا ہے حالانکہ یہ بات صداقت کی زبردست دلیل ہے کہ جب تک وحیٔ الٰہی نے کھول کر نہ بتا دیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام وفات پا گئے ہیں آپؑ اُن کی زندگی کا اعلان کرتے رہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اِس راز کو آپؑ پر کھول دیا تو آپؑ نے صفائی سے اس کا اظہار فرما دیا۔ یہ بات آپؑ کی سچائی کی دلیل ہے۔ ورنہ اگر آپؑ نے منصوبہ بنایا ہوتا تو کبھی بھی حضرت مسیحؑ کی زندگی کے متعلق اتنا زور نہ دیتے۔ چنانچہ جب حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر علماء نے اعتراض کیا تو آپؑ نے تحریر فرمایا:۔

(الف) "کیا کیا اعتراض بنا رکھے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنے سے پہلے براہین احمدیہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا اقرار موجود ہے۔ اے نادانو! اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اِس اقرار میں کہاں لکھا ہے کہ یہ خدا کی وحی سے بیان کرتا ہوں اور مجھے کب اِس بات کا دعویٰ ہے کہ میں عالم الغیب ہوں؟ جب تک مجھے خدا نے اِس طرف توجہ نہ دی اور بار بار نہ سمجھایا کہ تُو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے تب تک میں اُسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اِسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو میں اِس عقیدہ سے باز آ گیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نُور سے بھر دیا۔ اس رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔" (اعجازِ احمدی ص۶)

(ب) "چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اِس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ اسلئے میں نے خدا کی وحی کو

ظاہر پر عمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے۔ اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا۔"
(حقیقۃ الوحی ص۱۴۹)

کیا اس وضاحت بیان کے بعد یہ لکھنا کہ "براہین احمدیہ ص۴۹۹ میں صاف صاف اقرار تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام پھیلے گا ..... بعد میں خود مسیح بن گئے۔" (عشرہ ص۳۲) درست اور دیانتداری پر مبنی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے :-

"میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا مخالفوں کے لیے قابلِ استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں جب تک کہ خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھا دے۔" (کشتی نوح ص۴۷)

عشرہ کاملہ کے مصنف نے اس دوسری فصل میں بیان کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب پہلے معمولی محرر تھے پھر مجدد، محدث، مسیح، مہدی، امام الزمان اور نبی بن گئے۔ ہمیں ان چھ امور سے اتفاق ہے۔ محرر ہونے کا ذکر اگرچہ طنزاً کیا گیا ہے مگر مصنف نے خود ہی طبع دوم کے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ :-

"میں نے مرزا صاحب کی مختلف اور مسلسل حالت کا اظہار کیا ہے اعتراض نہیں کیا۔" (ص۵)

اسلیئے ہم اس کی طرف زیادہ توجہ دینا نہیں چاہیئے۔ اور یوں یہ بات نہایت واضح ہے کہ جب سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی ملازمت کی حضرت یوسفؑ نے فرعون مصر کے ماتحت خزانچی یا وزیر مال کے عہدہ پر مامور ہونے کو پسند کیا اور وقت تک اس عہدہ پر متعین رہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی بھی بکریاں چراتے رہے جیسا کہ خود حضورؐ فرماتے ہیں۔ كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ (بخاری جلد ۲ ص۳ کتاب الاجارۃ) کہ میں چند قیراط (معمولی پیمانہ یا سکہ) کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا" تو پھر محرّد ہوتے یا ملازم ہونے کا اعتراض ہی بالکل لغو ہے اور اسی لیئے وہ اسے واپس لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

مجدّدیت، محدّثیت، امام الزمان ہونا مہدویت و مسیحیت اور نبوّت کے دعوے کا وجود درست ہے مگر معلوم اس میں اچنبھی کونسی بات ہے۔ اگر متنوّع دعاوی باعث اعتراض ہیں تو لیجیئے سُنیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محمدؐ، احمدؐ، الماحی، الحاشر ہیں اور وہ پھر مثیل موسٰی، وہ نبی، فارقلیط ہیں۔ بلکہ لکھا ہے۔ للہ سبحانہ تعالیٰ الف اسم ولہ صلی اللہ علیہ وسلم الف اسم بعضہا فی القرآن والحدیث وبعضہا فی الکتب القدیمۃ کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار اسماء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں جن میں سے بعض قرآن مجید اور احادیث میں ہیں اور باقی دیگر کتب مقدسہ تورات و انجیل وغیرہ میں ہیں" (زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص۲۴۲) تو کیا آپ اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کردینگے؟

حضرت مرزا صاحبؑ موعود اُمم تھے۔ سب قومیں موعود آخر الزمان کی منتظر تھیں۔ کوئی زمین پر نگاہ رکھتا تھا اور کوئی آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے بیٹھا تھا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے حسب سُنّتِ الٰہی دعوٰی فرمایا کہ میں سب قوموں کا موعود ہوں۔ میں مسیحیوں کا موعود ہوں اسلیئے مسیح بھی ہوں مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ہوں اس نسبت سے میرا نام مہدی ہے۔ وقس علیٰ ھذا۔

پس یہ تنوّع قابلِ اعتراض نہیں بلکہ ایسا ہونا ضروری تھا تاکہ اسلام کی افضلیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت پر ایک اور مہرِ تصدیق ثبت ہو جائے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا تھا لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ مَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ (تفسیر فتح البیان جلد ۲ ص۲۴ وغیرہ) کہ اگر موسٰی اور عیسٰی زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں چارہ نہ تھا۔ اس حدیث میں آپؐ نے ایک طرف وفات مسیحؑ کا اعلان فرمایا ہے دوسری طرف اپنی شان کا اظہار فرمایا ہے

کہ میری اتباع سے موسیٰ اور عیسیٰ ایسے اولوالعزم نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی بھی امتی مقام موسوی اور مقام عیسوی کا وارث نہ ہو تو یہودی اور عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے، یا موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو میرے تابعدار ہوتے، دعویٰ بلا ثبوت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مختلف دعاوی موسیٰ، عیسیٰ، کرشن وغیرہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد برحق ہے اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ موسویت اور مسیحیت کیا بلکہ تمام گزشتہ انبیاء کے کمالات کا وارث کر دیتی ہے۔ پس حضرت مرزا صاحبؑ کے یہ دعاوی ہرگز ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ آپؑ نے جو دعویٰ کیا اور جب دعویٰ کیا خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے اِن باتوں سے نہ کوئی خوشی ہے نہ کچھ غرض کہ میں مسیح موعود کہلاؤں، یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں۔ خدا نے میرے ضمیر کی اپنی اس پاک وحی میں آپ ہی خبر دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ اُجَرِّدُ نَفْسِیْ مِنْ ضُرُوْبِ الْخِطَاب یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا تو یہ حال ہے کہ مَیں کسی خطاب کو اپنے لئے نہیں چاہتا۔ یعنے میرا مقصد اور میری مُراد ان خیالات سے برتر ہے۔ اور کوئی خطاب دینا یہ خدا کا فعل ہے میرا اس میں دخل نہیں ..... میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ مَیں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تُو نے کیوں کیا؟" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)

آپؑ نے بے شک نبوت کا دعویٰ فرمایا مگر اس کے معنے یہ نہیں تھے کہ اب شریعت اسلامیہ منسوخ اور حضرت مرزا صاحب کسی نئے مذہب کے جاری کرنے والے ہیں بلکہ آپ ہی کے الفاظ میں یوں ہے کہ:۔

"چونکہ میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو اسلیئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے۔" (عشرہ کاملہ ص۳۶ بحوالہ تجلیات الٰہیہ)

غرض مقامِ نبوّتِ غیر تشریعی آپؑ کے دعاوی کا آخری مقام ہے۔ ہاں معاندین کے حق میں سعدی مرحوم فرما گئے ہیں ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدیؔ و در چشمِ دشمناں خار است

اہلِ دُنیا کو متنفر کرنے کے لیئے مختلف اتہام لگاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے خدا کا بیٹا، خدا کی بیوی، خود خدا، اور خدا کا باپ ہونے کا دعوے کیا جیسا کہ مصنّف عشرہ کاملہ نے لکھا ہے۔ معاذ اللہ من ھٰذہ الخرافات۔

ہم لوگ جو حضرت مرزا صاحبؑ کو ماننے والے، ان کے کلام کو سمجھنے والے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے والے ہیں، خدائے واحد کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتے ہیں کہ یہ محض افتراء، جھوٹ، اور بہتان ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور نہ جماعت احمدیہ نے کبھی ایسا عقیدہ رکھا۔ وہ شخص مفتری اور مفسد ہے جو ایسی بات حضور اقدسؑ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسا کہ آریہ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر رسول پرستی سکھائی اور اپنے الہامات مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ، اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ وغیرہ میں الوہیت کا دعویٰ کیا ہے (نعوذ باللہ) سچ ہے تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ۔

خدا کا بیٹا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

؎ چوں کافر ازستم پرستند مسیح را
غیوری خدا البرش کرد بمسرم

مؤلف عشرہ کاملہ لکھتے ہیں:۔

"الہاماتِ ذیل سے مرزا صاحب نے خود کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ (حقیقۃ الوحی ص۸۶) اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ (اربعین جلد ۴ ص۲۳) اِسْمَعْ وَلَدِیْ (البشریٰ جلد ۱ ص۴۹)" ص۳۲ عشرہ

الجواب (الف) پیش کردہ تین الہامات میں سے آخری یعنی اسمع ولدی کا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی الہام نہیں اور نہ ہی البشریٰ حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی کتاب ہے۔ اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اَسْمَعُ وَ اَرٰی (میں سنتا اور دیکھتا ہوں) بابو منظور الٰہی صاحب نے اپنے مرتبہ مجموعہ میں درج کیا جو کتابت کی غلطی سے بجائے وَاَرٰی کے "وَلَدِیْ" بن گیا۔ چنانچہ دیکھئے بابو صاحب موصوف نے اپنی کتاب "البشریٰ" میں اس الہام کو بحوالہ "مکتوبات احمدیہ جلد اول ص۲۳" درج کیا ہے اور مکتوبات احمدیہ میں صحیح الہام اَسْمَعُ وَ اَرٰی درج ہے۔ اور پھر خود بابو منظور الٰہی صاحب نے اس تصحیف کی تصحیح شائع کرادی ہے۔ لکھا ہے:۔

> "البشریٰ جلد اوّل ص۴۹ سطر ۱۰ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے اسمع وارٰی کی بجائے اسمع ولدی چھپا ہے اور ترجمہ بھی 'اے میرے بیٹے سُن' غلط کیا گیا ہے۔ افسوس کہ آج تک کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ دلائی۔ میں اپنے ایک مہربان برادر کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ حوالہ مندرجہ البشریٰ اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل الہام اسمع وارٰی ہے۔
> جن احباب کے پاس البشریٰ ہو وہ اس غلطی کی اصلاح کر لیں۔"
>
> (ملاحظہ ہو اخبار الفضل جلد ۹ نمبر ۹۶)

گویا یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی کاتب آیت قرآنی کو غلط لکھ دے تو نادان اُسی سے استدلال کرنا شروع کر دے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ کیا اس صورت میں مؤلف مذکور کو محقق کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(ب) حقیقۃ الوحی اور اربعین کے حوالہ سے جو الہام درج کئے گئے ہیں وہ درست ہیں مگر جس طرح تیسرے الہام میں لفظی مغالطہ سے کام لیا گیا تھا بعینہٖ اسی طرح ان اوّل الذکر الہاموں میں تحریف معنوی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر ہم اس بات کو نظر انداز بھی کر دیں کہ ملہم نے ان الہامات کی کیا تشریح کی ہے تب بھی یہ ہرگز محلِ اعتراض نہیں۔ کیونکہ اگر ان میں حضرت مرزا صاحبؑ کو بمنزلہ ولد اللہ قرار دیا گیا ہے تو قرآن مجید کی آیت فَاذْکُرُوا اللّٰہَ

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (البقرۃ ع) میں سب مومنوں کو بمنزلہ اولاد الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے اور خود باپ ہونے سے پاک ہے۔ نماھو جوابکم فھو جوابنا۔

(ج) ان الہامات میں حضرت مرزا صاحبؑ کو "بمنزلۃ ولدی" قرار دیا گیا ہے جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ عیسائیوں نے جس کو میرا بیٹا قرار دیا ہے تو اس کے مرتبہ پر ہے، حالانکہ تو بیٹا نہیں۔ پس نصاریٰ ابنیت مسیح کے عقیدہ میں غلطی پر ہیں۔ گویا "ولدی" کی اضافت اعتقاد الناس کی بنا پر ہے نہ کہ حقیقت کی بنا پر۔ اور یہ اسلوب بیان کلام قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِىْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ (حٰم السجدہ ع) کہ قیامت کے روز میں کہوں گا میرے شریک کہاں ہیں۔ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم آپ کے سامنے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار یا گواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتوں کو شُرَكَآءِىْ یعنی "میرے شریک" قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شریکوں سے پاک ہے۔ مراد یہی ہے کہ وہ معبودانِ باطلہ جن کو تم لوگ میرا شریک قرار دیا کرتے تھے۔ اسی طرح بمنزلۃ ولدی کے معنے ہوں گے کہ تو اس میرے بیٹے کے ہم مرتبہ ہے جسے لوگ مثل نصاریٰ میرا بیٹا گردانتے ہیں۔ اندریں صورت یہ الہام توحید الٰہی کے قیام اور الوہیت مسیح کے ابطال کے لئے نہایت زبردست ہتھیار ہے گویا عیسائی جس کو خدا اور معبود قرار دیتے ہیں اس کی شان کا انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں شامل ہے اس سے اسلام کی شوکت کا اظہار ہوگا۔ خود سیدنا حضرت مسیح موعودؑ حقیقۃ الوحی ص۸۶ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ (انت منی بمنزلۃ ولدی) بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اسلئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس اُمت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔"

پھر دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"جب عیسائیوں نے اپنی بدقسمتی سے اس رسول مقبول کو قبول نہ کیا اور اس عیسیٰ کو اتنا اڑایا کہ خدا بنا دیا تو خدا تعالیٰ کی غیرت نے تقاضا کیا کہ ایک غلام غلمانِ محمدی سے یعنی یہ عاجز اس کا مثیل کر کے اس اُمت میں سے پیدا کیا اور اس کی نسبت اپنے فضل اور انعام کا زیادہ اس کو حصہ دیا۔ تا عیسائیوں کو معلوم ہو کہ تمام فضل خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صلا۲)

غرض اس قسم کے جملہ الہامات اسی صداقت بینہ کے شاہد ہیں کہ ؎

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے ؏ جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

افسوس ان پر جو اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں۔

(ک) اولیاء اللہ کے محاورہ میں مجازی طور پر کسی ولی کو ولد کہنا بھی جائز ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر
در حضور و غیبت آگاہ باخبر
غائبے مندیش از نقصانِ شاں
کو کشد کیں از برائے جانِ شاں
گفت اطفالِ من اند ایں اولیا
در غریبی فرد از کار و کیا

(مثنوی دفتر سوم ص۱۴)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال کے ساتھ احسان کرتا ہے وہ خدا کا محبوب ترین بندہ ہے (مشکوۃ باب الشفقۃ) پھر ایک حدیث قدسی میں بھوکے ننگے اور پیاسے کی حاجت روائی کو خدا تعالیٰ کی حاجت روائی قرار دیا گیا ہے۔ (مشکوۃ شریف باب عیادۃ المریض ص۱۳۲ مطبوعہ مجتبائی)

اسی مفہوم کو مدنظر رکھ کر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بائبل کے محاورہ "ابن" اور "ولد" کے متعلق تحریر فرمایا ہے :-

"دریں باب بلفظ شائع در ہر قوم تکلّم واقع شد، اگر لفظ ابناء بجائے محبوباں ذکر شدہ باشد چہ عجب؟" (الفوز الکبیر صفحہ ۔)

یعنی قرآن مجید میں ہر قوم کے شائع شدہ محاورہ کے مطابق کلام ہوا ہے۔ پس اگر محبوب کی بجائے لفظ ابن آجائے تو ہرگز جائے تعجب نہیں۔"

پھر مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرزند عبارت از عیسےٰ علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند و اہلِ اسلام ہمہ آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدۂ خدا مے شمارند۔" (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۲)

یعنی مسلمان مسیح کے لئے ابن اللہ بمعنی برگزیدہ سمجھتے ہیں جو مجاز ہے۔ اب اگر کوئی عقلمند اس مجاز اور استعارہ کو حقیقت پر محمول کرنا چاہے تو اس کی غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ اس قسم کے الفاظ محض مجازاً استعمال ہوتے ہیں۔

(س) ایک انسان یہ پسند کرے گا کہ اس کے بھائی متعدد ہوں، بیٹے متعدد ہوں، ماموں ایک سے زیادہ ہوں۔ مگر کوئی انسان یہ سننے کی تاب نہیں رکھتا کہ اس کے باپ کئی ہیں۔ بلکہ ہر بیٹا درحقیقت اپنے باپ کی نسبت سے مقامِ توحید پر کھڑا ہوتا ہے اور وہ اس میں ثانویت کو فرض بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب ایک انسان کامل موحّد بن جاتا ہے تو گویا وہ مقامِ ولدیت پر آجاتا ہے۔ اسی کی طرف آیت قرآنی فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ میں اشارہ ہے اور اسی کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کے زیرِ بحث الہامات میں اشارہ ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کلمۂ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے بلکہ اسلئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچہ کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذِکراً یعنی خدا کو ایسی محبت اور دلی جوش سے یاد کرو جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بنا پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اَبْ یا پِتا کے

نام سے خدا کو پکارا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کو استعارہ کے رنگ میں ماں سے بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یہ کہ جیسے ماں اپنے پیٹ میں اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کے پیارے بندے خدا کی محبت کی گود میں پرورش پاتے ہیں اور ایک گندی فطرت سے ایک پاک جسم انہیں ملتا ہے سو اولیاء کو جو صوفی اطفالِ حق کہتے ہیں یہ صرف ایک استعارہ ہے ورنہ خدا اطفال سے پاک اور لم یلد ولم یولد ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۳)

اِس تصریح کی موجودگی میں اختفاء کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا۔ ملہم نے اپنے الہام کی تشریح خود بیان کر دی۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کے لوگوں کو ان الہامات کے بارہ میں جو ہدایت فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔ ہم ان متعدد عبارات میں سے بغرض اختصار صرف دو حوالے درج کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

(۱) "یاد رہے۔ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں لیکن یہ فقرہ (انت منّی بمنزلۃ اولادی) اس جگہ قبیلِ مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ایسا ہی بجائے قُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ کے قُلْ یٰعِبَادِیَ بھی کہا اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم۔ پس اس خدا کے کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذِ ولد سے پاک ہے۔ تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔ اور میری نسبت بیّنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ وَّالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔" (دافع البلاء صفحہ ۶)

(۲) حضورؑ اپنی کتاب **کشتی نوح** میں جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"وہ یقین کریں کہ اُن کا ایک قادر اور قیوّم خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیّر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا، نہ کوئی اس کا بیٹا، وہ دُکھ اُٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔" (صفحہ ۱۰)

پھر فرمایا :-

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔" (صفحہ ۱۹)

پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب اور جماعت احمدیہ کا اعتقاد صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے، اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ صرف اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں وبس۔ لہٰذا مصنف عشرہ کاملہ کا یہ لکھنا کہ :-

"مرزا صاحب نے خود کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا"

کھلا جھوٹ، صریح بہتان، اور محض افترا ہے ؎

افسوس کہ عالمانِ ایں دہر
کردند شعارِ خود دغا را

خدا کی بیوی ہونے کا دعویٰ

مصنف نے اس موقعہ پر نہایت دریدہ دہنی سے کام لیا ہے اور شرافت و تہذیب کو یکسر جواب دے دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے لکھا ہے :-

"یہ تمہارا اچھا عشق باز خدا ہے۔ کبھی مرزا صاحب کو اولاد کہے اور کبھی بیوی بنا کر اس سے ہم صحبت ہو۔ کہیں تو شرم چاہیئے۔" (صفحہ ۳۴)

ہم ان الفاظ کا جواب نہیں دے سکتے اور اگر دیں تو کس کو؟ ہم سب انبیاء کو ماننے والے قرآن مجید کی اطاعت کرنے والے، تمام ائمہ اور بزرگانِ سلف کی طہارت کو ماننے والے ہیں۔ وہ ہمارے بزرگ ہیں ہم ان کو بُرا نہیں کہہ سکتے ؎

فَاِذَا رَمَیْتُ یُصِیْبُنِیْ سَھْمِیْ

باقی رہے منشی محمد یعقوب اور اُن کے ہم نوا، سو اُن کی ہستی ہی کیا ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پس ہم اس جگہ صرف ناظرین کی شرافت اور نجابت سے ہی اپیل کرتے ہیں کہ کیا یہ طریقہ تحقیق حق کا ہے ؟

اس بیان کو مصنف نے پانچ شقوں میں تقسیم کیا ہے ہم بھی اسی طرز پر جواب لکھتے ہیں۔

اعتراض حیض کا جواب

(الف) مرزا صاحب کا حیض۔

مصنف موصوف لکھتے ہیں :۔

" یریدون ان یروا طمثك۔ اس الہام کی تشریح مرزا صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ " بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے ۔ اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے ۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۴۳ و اربعین ع۴ ص۲۳ " (عشرہ ص۳۲)

کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس عبارت میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ مرزا صاحب کو حیض آتا ہے ؟ اس میں تو اس کی نفی کی گئی ہے اور اس کی تردید کرتے ہوئے " انعامات متواترہ " کا وعدہ دیا گیا ہے مگر معترض اس کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں ۔ العجب ثم العجب ۔

بایں ہمہ اس کے کئی جواب ہیں ۔ اوّل اس الہام میں " یریدون " کا لفظ ہے یعنی دشمن تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں ۔ یہ نہیں کہا کہ فی الواقع تجھ میں حیض موجود بھی ہے ۔ کیا دشمنوں کے ارادہ کرنے سے وہ بات ویسے ہی ہو جایا کرتی ہے اگر یہ درست ہے تو بتلائیے کیا آیت یُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ (توبہ ع) اور يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ (الفتح ع) سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ اللہ کا نور بجھ گیا اور اس کا کلام مبدّل ہو گیا ؟ ۔ جس طرح ان آیات سے یہ استدلال غلط ہے ویسا ہی الہام مندرجہ بالا سے اثبات حیض کا دعویٰ باطل ہے ۔

در اصل اس فقرہ میں نادان مخالفوں پر ایک طنز کیا گیا ہے کہ یہ اتنے احمق ہیں کہ جب ہم نے تجھے مریم قرار دیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم حیض دیکھیں حالانکہ تیرا مریم ہونا صرف صفاتی مشابہت کی بناء پر ایک استعارہ تھا ۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اپنی ناسمجھی کے

باعث پھر اسی بات پر معترض نظر آتے ہیں۔ سچ ہے لھم قلوبٌ لایفقھون بھا۔

دوم - ملہم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود حیض کے معنی کی تشریح فرمادی ہے چنانچہ اربعین جلد ۴ صفحہ ۱۹ کے حاشیہ پر لکھا ہے :-

"یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی اور پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ اپنی متواتر نعمتیں جو تیرے پر ہیں دکھلاوے۔"

اس عبارت میں جلی قلم فقرہ میں حیض کا مفہوم "ناپاکی، پلیدی اور خباثت" قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل "متواتر نعمتیں" دکھلانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس اگر ملہم کی تفسیر کو دیکھا جائے تب بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اور مصنف عشرہ خود لکھ چکا ہے کہ "صحیح تفسیر پیشگوئی کی مرزا صاحب ہی کر سکتے تھے کیونکہ بقول ان کے ملہم سے بڑھ کر الہام کے معنی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لہذا ان تحریروں کے خلاف جو کچھ بھی لکھا جائیگا لغو اور بیہودہ خیال کیا جائے گا۔" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۸) ناظرین کرام! فرمایئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور حضور کی تحریر کردہ تشریح و تفسیر کے خلاف خود پٹیالوی معترض نے لکھا ہے یا نہیں؟ اور اسی پر اپنے اعتراضات کی بنیاد رکھی ہے یا نہیں؟ یقیناً ایسا ہے تو وہ اعتراض بقول اسکے کیوں "لغو اور بیہودہ" خیال نہ کئے جائیں؟

سوم - اولیاء امت کا اسلوب خاص تصوف کی جان ہے مگر ابتداء سے ظاہر پرست طبقہ ان پر معترض ہوتا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کامل درجہ کے صوفی اور کامل متکلم تھے۔ آپ کے کلام میں ہر دو رنگ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن "خشک مُلّاں"

---

[۱] یہ وہی حوالہ ہے جسے مصنف نے بار بار صفحہ ۲۳ سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ صفحہ ۲۳ پر یہ بالکل ذکر نہیں۔ مصنف نے مخالفین کی مختلف کتابوں سے نقل تو کر دیا مگر نقل را عقل باید پر توجہ نہ فرمائی۔ منہ

[۲] حضرت کے الفاظ میں صرف الہام کا لفظ ہے جیسا کہ انت منی بمنزلۃ ولدی وغیرہ ہیں۔ پیشگوئیوں والے الہامات کی تفسیر کا کلی طور پر قبل از وقت ملہم پر کھل جانا ضروری نہیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:- "ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ بیش از وقت کسی پیشگوئی کی پوری حقیقت نہیں کھلتی اور ممکن ہے کہ انسانی تشریح میں غلطی بھی ہو جائے اسلئے کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی کسی پیشگوئی کے معنے کرنے میں کبھی غلطی نہ کھائی ہو۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ضمیمہ صفحہ ۸۲)

اپنی کوتاہ علمی یا شرارت کی بنا پر اسی سے عوام کو مشتعل کرتے ہیں، ہم ذیل میں صوفیاء کرام کی چند شہادات پیش کرتے ہیں جن سے اس باب میں بہت وضاحت ہو جائے گی۔

(۱) **پہلی شہادت** - شیخ فریدالدین صاحب عطارؒ لکھتے ہیں :-

"جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے ایسا ہی ارادت کے راستے میں مریدوں کو حیض آتا ہے - اور مرید کے راستہ میں جو حیض آتا ہے تو وہ گفتار سے آتا ہے اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں ہی پڑا رہتا ہے اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا - اور ایسا آدمی بھی ہوتا ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا ہمیشہ پاکی میں رہتا ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء اردو ص۱۶۲ در ذکر ابوبکر واسطیؒ)

(۲) **دوسری شہادت** - تفسیر روح البیان میں لکھا ہے :-

"کما انّ للنّساء حیضاً فی الظاہر وھو سبب نقصان ایمانھنّ لمنعھنّ عن الصلاۃ والصوم فکذلک للرجال حیض فی الباطن وھو سبب نقصان ایمانھم لمنعھم عن حقیقۃ الصلاۃ۔"

ترجمہ - جس طرح عورتوں کے لئے ظاہری حیض ہوتا ہے اور وہ اُن کے ایمان میں کمی کا موجب ہو جاتا ہے کیونکہ ان کو نماز اور روزہ سے روک دیتا ہے، اسی طرح مردوں کو بھی ایک باطنی حیض آتا ہے جو اُن کے ایمان کی کمی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کو نماز کی حقیقت سے بے بہرہ کر دیتا ہے۔"

(روح البیان ص۲۳۶ جلد اوّل)

(۳) **تیسری شہادت** - حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقالہ ۲۶ کو "لا تکشف البرقع والقناع ..... عن وجھک" سے شروع فرمایا ہے جس کی شرح میں شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

"در تعبیر برقع وقناع کہ از لباس نساء است اشارتست بآنکہ مرد تا ظہور کمال وتحقیق بر بیانِ توحید حکم زناں دارد و دعویٰ مردانگی از وے درست نیاید۔" (فتوح الغیب ص۱۴۶ مطبع نولکشور کانپور)

کہ ظہور کمال تک مرد بھی بمنزلہ عورت کے ہوتا ہے اس میں ہر طالب کو بمنزلہ عورت قرار دیا ہے۔ یہ لطیف استدلال آیت قرآنی وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا

امْرَاَۃَ فِرْعَوْنَ - الآیات (تحریم ع۲) سے مستنبط ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فرعون کی بیوی یا مریم سے مشابہ قرار دیا ہے۔ بعض ان میں سے صفتِ آسیہ سے متصف ہوتے ہیں اور بعض مریمی رنگ سے رنگین ہوتے ہیں مگر نادان اس حالت میں حیض کا معترض ہوتا ہے۔ ویلٌ لھم وفیما یکتبون۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ مخالفِ حقیقت مصنّف عشرہ کاملہ نے جو ناپاک الزام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگایا تھا وہ سرتاپا غلط اور صوفیاء و اولیاء سے قدیمی معاندت کا نتیجہ ہے۔

(ب) مصنّف عشرہ نطفہ کے اعتراض کا جواب لکھتے ہیں :-

"انت من ماءنا وھم من فشل - یعنی اے مرزا تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور دوسرے لوگ خشکی سے۔ (اربعین نمبر۲ ص۲۹)" ص۳۲

الجواب

(۱) انت من ماءنا وھم من فشل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تو اربعین ۲ میں درج ہے مگر مندرجہ بالا ترجمہ بالخصوص لفظ "نطفہ" مصنّف کی "ایجادِ گندہ" ہے۔ حضرت مسیح پاکؑ نے اس عربی الہام کی جو تشریح اربعین سے بھی بہت پہلے رقم فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی میں سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حُبّ اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے۔ اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بزدلی اور نامردی ہے۔" (انجام آتھم ص۵۶ حاشیہ)

کیا اس قدر وضاحت کے باوجود مغالطہ دہی سراسر شرارت نہیں؟ ؎

منصفو! کیوں! اب تو دیکھا رنگ اس عیار کا
اب تو کہدو کیا یہ موقع تھا اسی گفتار کا

(۲) اگر "خدا کا پانی" نطفہ کو ہی کہتے ہیں تو کیا فرماتے ہیں علماءِ غیر احمدیان اس آیت قرآنی کے متعلق جس میں فرمایا ہے :- وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء ع۲)

کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو اپنے پانی سے بنایا ہے۔ کیا ہر چیز (معاذ اللہ) خدا کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے؟ الماء خدا کا ہی پانی ہے جو مخلوقات کو بنانے والا ہے۔ نیز حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "فتلک امکم یا بنی ماء السماء" کہ اسے ماء السماء کے بیٹو! یعنی اے اہل عرب! یہی حضرت ہاجرہؑ تمہاری والدہ ہیں (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ باب فضائل ابراهیم) اس حدیث میں تمام اہل عرب کو ماء السماء کے بیٹے کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا سب عرب کے باشندے آسمان کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے؟ اور کیا آسمان کا بھی کوئی نطفہ ہوتا ہے؟ لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ معنی غلط ہیں۔ پس اسی طرح انت من ماءنا میں اللہ تعالیٰ کا نطفہ قرار دینا بھی باطل اور خلاف تفسیر علم و عربی زبان ہے۔

(۳) مصنف نے "ماء نا" کے معنے تو خدا کا نطفہ" بنا لئے مگر "من فشل" پر غور نہ کیا کہ پھر اس کے کیا معنی ہوں گے۔ کیا بزدلی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے انسان پیدا کئے جاتے ہیں؟ وہ اس امر پر غور تو تب کرتے جب انہیں حقیقت کی جستجو ہوتی۔ عربی زبان میں بطور مبالغہ لفظ مِنْ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ○ (الانبیاء ع ۲) انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی انسان بہت جلد باز ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب مجمع البحار میں بھی لکھا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ: ای بولغ فی صفته به (جلد ۲ صفحہ ۲۵۰)

علامہ جلال الدین السیوطی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

"ای انه لکثرة عجله فی احواله کانه خلق منه۔"

پھر اس کے حاشیہ پر لکھا ہے:-

"ان ذالک علی المبالغة جعلت ذات الانسان کانها خلقت من نفس العجلة دلالةً علٰی شدّة اتصاف الانسان بها دانها مادته التی اخذ منها" (جلالین مجتبائی صفحہ ۲۷۰)

گویا "من عجل" کے معنی نہایت جلد باز ہیں اسی طرح "من فشل" کے معنی ہونگے نہایت بزدل اور ضعیف۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا من ماءنا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ حضورؑ اس زمانہ کی پیاس اور مُردنی دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آبحیات کا حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضورؑ نے خود فرمایا ہے ؎

میں وہ پانی ہوں جو اترا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

ایک دوسرے موقعہ پر لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے لکھا ہے ۔

فان شئت ماء الله فاقصد مناهلی
فیعطاك من عین و عین تنور

(کرامات الصادقین)

کہ اگر تم خدا کا پانی چاہتے ہو تو میرے گھاٹ پر آؤ۔ تمہیں چشمہ نصیب ہوگا جس سے نورانیت حاصل ہوگی۔"

ایک نہایت گندے اعتراض کا جواب

(ج) "اللہ تعالیٰ سے ہم بستری اور زناشوئی کا الزام"

مصنّف مذکور نے اِس عنوان کے ماتحت ایک خبطی قاضی یار محمد صاحب کی روایت درج کی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ مَیں کشف میں عورت بن گیا الخ۔ ہم اِس بیان کو سراسر جھوٹ اور افترا سمجھتے ہیں۔ یہ محض اس کے دماغی نقص کا نتیجہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی ایسا نہیں فرمایا اور نہ ہمارے مسلّمات میں داخل ہے۔ جماعت احمدیہ ایسے لوگوں کی ذمہ وار نہیں۔ کیا مصنّف عشرہ کو احادیث کا طومارِ وضعیات معلوم نہیں جنہیں ہمیشہ دشمنانِ اسلام پیش کرتے رہتے ہیں؟ اِس قسم کی ہفوات کو سند میں پیش کرنا انتہائی سفاہت کی دلیل ہے وبس۔

استعارہ کے رنگ میں حمل کا جواب

(د۔ ہ) اِن دونوں شقّوں کے عنوان مصنّف عشرہ نے "استقرارِ حمل" اور "دردِ زہ" رکھے ہیں۔ اور کشتی نوح ۴۷ کی عبارت پیش کی ہے جہاں لکھا ہے :۔

"مریم کی طرح عیسےٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور **استعارہ کے رنگ** میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا الخ" (عشرہ ۳۲)

الجواب

اوّل۔ چونکہ اصل عبارت میں لفظ "استعارہ کے رنگ میں" موجود ہے اسلئے واضح بات ہے کہ یہ ولادتِ معنوی ہے جو اہلِ تصوّف کے محاورات میں بکثرت مستعمل ہے۔ چنانچہ امام الطائفہ الشیخ السہروردی فرماتے ہیں :۔

"یصیر المرید جزء الشیخ کما ان الولد جزء الوالد فی الولادۃ الطبیعیۃ و تصیر ھٰذہ الولادۃ انفًا ولادۃ معنویۃ کما ورد عن عیسٰی صلوات اللہ علیہ' لن یلج ملکوت السماء من لم یولد مرتین فبالولادۃ الاولیٰ یصیر لہ ارتباط بعالم الملک و بھٰذہ الولادۃ یصیر لہ ارتباط بالملکوت' قال اللہ تعالیٰ و کذالک نُری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین وصرف الیقین علی الکمال یحصل فی ھٰذہ الولادۃ وبھٰذہ الولادۃ یستحق میراث الانبیاء ومن لم یصلہ میراث الانبیاء ما وُلِدَ وان کان علی کمال من الفطنۃ والذکاء" (عوارف المعارف جلد اول مث۲)

ترجمہ۔ مرید اپنے شیخ کا اسی طرح حصہ بن جاتا ہے جس طرح کہ ولادتِ طبعی میں بیٹا اپنے باپ کا حصہ ہوتا ہے۔ مرید کی ولادت ولادتِ معنوی ہوتی ہے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو دفعہ پیدا نہیں ہوتا وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ولادتِ طبعی سے انسان کا دنیا سے تعلق ہوتا ہے اور ولادتِ معنوی سے ملکوتِ اعلیٰ کے ساتھ۔ یہی معنی اِس آیت کے ہیں وکذالک نُری ابراھیم۔ خالص اور کامل یقین اسی ولادت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اِس پیدائش کے باعث ہی انسان انبیاء کی وراثت کا مستحق ہوتا ہے جس شخص کو وراثتِ انبیاء نہ ملے وہ باوجود دانا و ہوشیار ہونے کے پیدا نہیں ہوا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موتوا قبل ان تموتوا (حدیث) کہ مرنے سے پہلے موت قبول کرو۔ یعنی حقیقی زندگی خواہشات پر موت وارد کرنے کے بغیر ناممکن الحصول ہے۔ گویا فرمایا کہ جب تم گناہ آلود جامہ کو سانپ کی کینچلی کی طرح بدل لوگے تب تم نئے انسان ہوگے۔ اسی کا نام اصطلاحِ تصوّف میں ولادتِ ثانیہ ہے۔ چنانچہ تمام صوفیاء اِس لفظِ ولادت کو استعمال کرتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے بھی استعمال فرمایا ہے۔

"پولوس رسول" لکھتا ہے:۔

"اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے۔" (۲۔ کرنتھیوں ۵/۱۷)

اب حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کے اِس استعارہ پر اعتراض کرنا درصل تمام اولیاءؑ

انبیاء کے روحانی محاورہ کی تغلیط کرتا ہے۔ افسوس کہ حقیقتِ صافیہ ان ناواقف لوگوں کی نظر میں موردِ طعن بن گئی۔ کیا کوئی اہلِ دل ہے جو مشہور صوفی حضرت سہل رحمہ اللہ کے اس قول پر توجہ کرے۔ یعنی:۔

"اَلْخَوْفُ ذَكَرٌ وَالرَّجَاءُ اُنْثٰى مِنْهُمَا يَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْاِيْمَانِ" [1] (شرح التعرف ص۵)

اور ولادتِ معنویہ کی حقیقت کو سمجھ لے؟

دوم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے المخاض (دردِ زہ) کی خود تشریح فرمادی ہے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔ اسی کی نسبت میری گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوا تھا۔ فَاَجَاءَهُ الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جذع النخلۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ دردانگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہوجانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کھجور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں۔ تب اس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتا اور بھولا بسرا ہوجاتا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۳)

اس تشریح کو دیکھ کر کوئی منصف مزاج انسان اس الہام پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ بہرصورت ناجائز ہوتی ہے۔ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے:۔

"حسب قاعدہ مسلمہ فریقین مرزا صاحب کے فہمیدہ معنے صحیح ہوں گے۔" (الہامات مرزا ص۲ [2])

---

[1] ترجمہ: خوف مذکر ہے اور امید مؤنث۔ ان کے ملنے سے حقیقتِ ایمان پیدا ہوتی ہے۔

[2] صیغہ ہائے مذکر بھی بتلاتے ہیں کہ یہ دردِ زہ عورت والا نہیں۔ اے کاش! معاندین تدبر سے کام لیں۔ المؤلف

پس جب سیدنا حضرت مرزا صاحب نے خود اس الہام کی بوضاحت تفسیر فرمادی تو کسی معاند کو کس طرح حق پہنچتا ہے کہ اپنے خود ساختہ مفہوم پر اعتراضات کی بنیاد رکھے ؟

سوم: لفظ "دردِ زہ" مطلق تکلیف کے معنوں میں بھی مستعمل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پولوس "رسول" کہتا ہے :۔

"اے میرے بچو۔ تمہاری طرف سے مجھے پھر جننے کے سے درد لگے ہیں"
(گلتیوں ۴/۱۹)

انجیل کو محرّف مبدّل کہو مگر یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بطور محاورہ یہ لفظ اپنے مفہوم عمومی میں استعمال ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں اسی رنگ میں آیا ہے۔ چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

"پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردِ زہ تنہ کھجور کی طرف سے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا۔ جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا۔" (کشتی نوح ص۴۷)

پس مصنّف کا اعتراض سراسر مغالطہ دہی ہے اور صداقت سے کوسوں دور۔

مریم بننے کی حقیقت

اس جگہ مناسب ہے کہ ہم یہ بھی بتا دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مریم قرار دینے کا کیا مطلب ہے۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ○ (رکوع ۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ کافر حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیوی سے مشابہ ہیں کہ نبوت ان کے گھر میں تھی مگر وہ اپنی کرتوتوں کی وجہ سے موردِ لعنت بن گئیں اسی طرح خدا تعالیٰ کا نبی کفار کے پاس آتا ہے اور بلا اجرت ان کی راہنمائی کرتا ہے مگر وہ اسکے معاند اور مخالف بن کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ مومنوں کی مثال فرعون کی بیوی اور حضرت مریم صدیقہ سے دی ہے۔ یعنی مومن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ جو نیکی اور تقویٰ پر قائم ہوتے ہیں مگر مسِ شیطان سے بکلّی پاک نہیں ہوتے۔ بلکہ کبھی کبھار وہ جذباتِ نفسانی کے نیچے دب جاتے ہیں لیکن بہت جلد رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کا وظیفہ شروع کر دیتے ہیں اور عنایتِ الٰہی ان کی دستگیری فرماتی ہے۔ یہ مومن حضرت آسیہ زوجۂ فرعون سے مشابہ ہیں۔ دوم وہ مومن جو شیطان کے تمام راستوں کو بند کر کے احصان کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں بلکہ شیطان ان کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہ پر جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مقامِ مریمیت کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کو ہی آیاتِ بالا میں حضرت صدیقہ سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

اس قرآنی حقیقت کے ماتحت اولیاء اُمت اور متکلّمین کا یہ خیال و اعتقاد ہے کہ بعض صفات میں مماثلت کی بنا پر ایک کا نام دوسرے کو دے دیا جاتا ہے۔ اور یہ محاورہ ہر قوم میں ذائع و شائع ہے کہ سخی کو حاتم اور شہزور کو رستم قرار دیا جاتا ہے۔ اسی اصول کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر علّامہ فخرالدین رازی تحریر کرتے ہیں :۔

"اطلاق اسم الشیٔ علیٰ ما یشابھہ فی اکثر خواصہ وصفاتہٖ جائز حسنٌ" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹)

ترجمہ۔ کسی کا نام اس کے خواص اور صفات میں مشابہ پر بولنا بطریقِ احسن جائز ہے۔"

اسی بنا پر فقہاء کا مشہور مقولہ ہے۔" ابو یوسف ابو حنیفۃ " یعنی امام ابو یوسف حضرت امام ابو حنیفہ سے ایسے مشابہ ہیں کہ وہی ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احب ان ینظر الیٰ عیسیٰ بن مریم فی زھدہ فلینظر الیٰ ابی الدرداء (منصبِ امامت مصنفہ سید اسمٰعیل شہید صفحہ ۳۲) یعنی جو شخص بلحاظ زہد کے عیسیٰ بن مریم کو دیکھنا چاہے وہ حضرت ابو الدرداء کو دیکھ لے۔ گویا آپ زاہدانہ

رنگ میں حضرت مسیحؑ کے مثیل تھے۔ اس باب میں صوفیاء کا قول حسب ذیل ہے:۔

"روحانیت کمل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف مے فرماید کہ فاعل افعالِ شاں مے گردد و ایں مرتبہ را صوفیاء بروز میگویند۔"
(اقتباس الانوار صفحہ ۵۲)

خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور باخدا انسان گزرے ہیں آپ نے فرمایا ہے:۔

"اللہ اللہ! ہر انسان بقدرت کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰ وقت خویش است وہر دم اورا برائے خود معاملہ نفس عیسوی در پیش است۔" (رسالہ درد مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال صفحہ ۲۱)

شاہ نیاز احمد صاحب دہلوی فرماتے ہیں :۔

عیسیٰ مریمی منم احمدِ ہاشمی منم
حیدر شیر نر منم من نمنم من منم

(دیوان مولانا شاہ نیاز احمد مطبوعہ سنہ ۱۲۹۰ھ صفحہ ۲۲)

شیخ معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں :۔

دمبدم روح القدس اندر معینے میدمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

قرآن مجید بوجہ مماثلت بعض مومنین کا نام مریم اور بعد ازاں ابن مریم قرار دیتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اُمتِ محمدیہ اس طریق پر گامزن ہے یعنی ان کے نزدیک بوجہ صفاتی مشابہت بعض لوگ گزشتہ بزرگوں کے نام سے موسوم ہو سکتے ہیں یہ اشتراک اسمی محض صفاتی تشارک پر مبنی ہوگا۔ بلکہ خصوصیت سے تصریح موجود ہے کہ مسلمانوں میں بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق مریم ہیں اور بعض ابن مریم چنانچہ بخاری شریف کی مشہور حدیث ما من مولودٍ یُولد اِلّا والشیطان یمسّہ ..... الّا مریم وابنھا کو صحیح تسلیم کرکے علامہ زمخشری لکھتے ہیں :۔

"معناہ انّ کُلّ مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ اِلّا مریم وابنھا فانھما کانا معصومین وکذالک کلّ من کان فی صفتھما۔" (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

علامہ زمخشری نے اِس عبارت کے آخری فقرہ " وکذالک کلّ من کان فی صفتھما " میں بتایا ہے کہ اس حدیث کے لفظ مریم اور ابن مریم کا اطلاق ان تمام پر آتا ہے جو صفاتی طور پر مریمیت اور عیسویت کے رنگ میں رنگین ہیں۔ اِسی لئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جو شخص مجامعت کے وقت بسم اللہ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا پڑھ لیگا اس کا بچہ مسِّ شیطان سے پاک ہوگا (مشکوٰۃ باب الدعوات صـ۲۱۲) غور فرمادیں ایک طرف اُمّت کو وہ طریق بتا دیا جس سے اولادِ مسِّ شیطان سے محفوظ رہ سکتی ہے اور دوسری طرف بطورِ حصر فرمایا کہ ہر بچہ بجز مریم وابنِ مریم مسِّ شیطان سے ملوّث ہوجاتا ہے ۔ گویا بالفاظِ دیگر صاف فرمادیا کہ اُمّت کے بعض بچے صفتِ مریمی سے متّصف ہوں گے اور بعض عیسوی رنگ میں رنگین ہوں گے ۔ وھو المراد ۔

اِس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ صفاتی طور پر مریم اور ابنِ مریم بننا ممکن بلکہ ضروری ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی طریق پر مریم قرار دیا اور پھر ابن مریم بتایا ۔یعنی صرف صفاتی اشتراک ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

(الف) " بعض افرادِ اُمّت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی۔ تب اس کے رِحم میں عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اور عیسیٰ اُس سے پیدا ہوا۔ اِس آیت میں اِس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اِس اُمّت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا پھر اس میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی جائیگی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا۔ . . . . پس اِس لحاظ سے میں عیسےٰ بن مریم کہلایا کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی۔" (کشتی نوح صـ۴۷)

(ب) سے

" مدّتے بُودم برنگِ مریمی | دست ناداده به پیران زمی
ہمچو بکرے یافتم نشو و نما | از رفیقِ راہِ حق نا آشنا

بعد ازاں آں قادر و ربِّ مجید | روحِ عیسیٰ اندراں مریم دمید
پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں | زاد زاں مریم مسیح ایں زماں
زیں سبب شد ابنِ مریم نامِ من | زانکہ مریم بود اوّل گامِ من
بعد ازاں از نفخِ حق عیسیٰ شدم | شد زجائے مریمی برتر قدم

(حقیقۃ الوحی ص۳۳۹)

اے تمام لوگو! جو قرآن مجید کو خدا کا کلام اور نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا برحق رسول مانتے ہو بتلاؤ کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے جو کہا وہ عین منشاء خدا اور رسولؐ نہیں؟ کیا اہلِ تصوف کا یہی طریق نہیں؟ اے کاش تم کو بصیرت دی جائے!

دعویٔ اُلوہیّت کے اعتراض کا جواب

نویں نمبر پر مصنف نے حضرت اقدسؑ کی طرف "خدائی کا دعویٰ" منسوب کیا ہے جو منجملہ اس کی دیگر مفتریات کے ایک ہے اور بطور دلیل آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴ کے کشف کو پیش کیا ہے جس کا ترجمہ اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

"مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ہو بہو اللہ ہوں اور یقین کیا کہ مَیں وہی ہوں"۔

(عشرہ کاملہ ص۳۳)

خواب اور ظاہر

ہماری طرف سے اس اعتراض کے حسب ذیل پانچ جواب ہیں:۔

جواب اوّل۔ یہ ایک "خواب" ہے اور رؤیا و کشف کو ظاہر پر محمول کرنا صریح نادانی ہے اور پھر اس کی بناء پر اس زمانہ کے موحّد اعظم پر الزامِ شرک لگانا سراسر ظلم ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں لکھا ہے کہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"رأیتُ فی یدی سوارین من ذھبٍ۔ الحدیث (صحیح مسلم الجزء الثانی ص۲۸۰ کتاب الرؤیا)

مَیں نے سونے کے دو کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے دیکھے اور وہ مجھے بہت بُرے معلوم ہوئے الخ حالانکہ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ سونا پہننا مردوں پر حرام ہے۔ تو کیا علماء دیوبند اور دیگر معاندین یہ فتویٰ دیں گے کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے فعلِ حرام کا ارتکاب کیا؟۔

ہرگز نہیں۔ کیونکہ حرمت کا فتویٰ ظاہر پر ہے اور یہ واقعہ خواب کا ہے۔ اور کشف کو ظاہر پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں۔

آنحضرتؐ کی ایک رؤیا

جواب دوم: اگر حضرت مرزا صاحبؑ کے محولہ بالا کشف سے حضورؑ پر الزام شرک بلکہ آپؑ کا دعویٰ خدائی ثابت ہو جاتا ہے تو پھر اس حدیث کے متعلق ان کا کیا خیال ہو جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"رأیت ربّی فی صورۃ شابٍّ امرد قطط له وفرۃ من شعر وفی رجلیه نعلان من ذهب۔ الحدیث" (الیواقیت والجواہر جلد اوّل ص۳۰ بحوالہ طبرانی نیز موضوعات کبیر ص۳۶)

"میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان کی شکل پر دیکھا، اس کے لمبے بال اور اس کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔"

کیا غیر احمدی اصحاب احمدیت کی مخالفت میں رسول پاک پر بھی الزام شرک لگا کر آپؐ سے روگرداں ہو جائیں گے؟

ہاں یاد رہے کہ اس حدیث کے متعلق انکار ممکن نہیں کیونکہ ابن صدقہ فرماتے ہیں:۔

"حدیث ابن عباسٍ صحیح لاینکرہ الا معتزلی" (موضوعات ملا علی قاریؒ)

صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ کشفی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔ الحدیث ان حمل علی المنام فلا اشکال فی المنام (حوالہ مذکور) کہ اگر اس حدیث کو خواب پر محمول کیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔ نیز شیخ محی الدین ابن عربی کا بھی یہی قول ہے۔ فرمایا:۔ "ان هذه الرؤیة کانت فی عالم الخیال ومن شأن الخیال ان یجسد مالیس من شأنه ان یتجسد من المعانی الخ" (الیواقیت جلد اوّل ص۳۰) کہ یہ رؤیا عالم کشف کا واقعہ ہے اور وہاں غیر مجسم چیزیں مجسم نظر آجایا کرتی ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کشف بالکل مشابہ ہے۔

فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ تعبیر

جواب سوم: حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے خود اِس کشف کی واضح مراد ذکر فرما دی ہے لیکن معترض نے دانستہ طور پر اس کو چھوڑ دیا۔ گویا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" پر ہی عمل پیرا ہونا چاہیئے ہیں۔ حضورؑ اِس کشف کے ذکر کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"لا نعنی بھٰذہ الواقعۃ کما یعنی فی کتب اصحاب وحدۃ الوجود وما نعنی بذالک ماھو مذھب الحلولیین بل ھٰذہ الواقعۃ توافق حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعنی بذالک حدیث البخاری فی بیان مرتبۃ قرب النوافل لعباد اللہ الصالحین۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۶)

"ہماری اِس کشف سے وہ مراد نہیں جو وحدۃ الوجود والے یا حلول کے قائل مراد لیا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کشف تو بخاری کی اس حدیث سے بالکل موافق ہے جس میں نفل پڑھنے والے بندوں کے قرب کا ذکر ہے۔"

پھر اسی کتاب کے ص۵۶۵ پر تحریر فرمایا ہے :-

"اعنی بعین اللہ رجوع الظل الی اصلہ وغیبوبتہ فیہ کما یجری مثل ھٰذہ الحالات فی بعض الاوقات علی المحبّین۔"

"یعنی عین اللہ سے مراد ظل کا اصل کی طرف جانا اور اس کا اس میں فنا ہو جانا ہے جیسا کہ بعض اوقات ہر عاشقِ خدا پر یہ حالات گزرتے ہیں۔"

غرض صاحبِ الہام و کشف کے الفاظ میں یہ واقعہ حدیث بخاری کے ہم معنی ہے اور اس سے حلول یا اتحادِ فی الوجود کا نتیجہ نکالنا سراسر باطل ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ ص۹۳)

ترجمہ: "نفل گزار بندہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تب میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ

سُنتا ہے ، آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے ۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن
سے پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے "

اب جو مفہوم بھی اس حدیث کا لوگے وہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے کشف کا ہوگا ۔ اگر یہ حدیث مقام فناء کی تفسیر ہے تو کشف بھی اسی پر دلالت کرتا ہے ، اگر یہ مجاز و استعارہ ہے تو کشف بھی مجاز کے رنگ میں رنگین ہے ۔ بہر حال حدیث اور کشف باہمی مطابق ہیں ۔ فاندفع الشلک ۔

جواب چہارم ۔ مقامِ فناء اور رُؤیا کے متعلق صُوفیاء کا مذہب

صوفیاء کرام و بزرگانِ اسلام کا اس بارے میں حسب ذیل مذہب ہے :۔

(الف) " انك ترى فيه (فى المنام) واجب الوجود الّذى لا يقبل الصور فى صورة ويقول لك معبر المنام صحيح ما رأيت ولكن تأويلها كذا وكذا " (اليواقيت والجواہر جلد اوّل صـ۱۲۳)

ترجمہ ۔ تم خواب میں اللہ تعالیٰ کو کسی شکل میں متجسّم دیکھ سکتے ہو علم التعبیر کا واقف تمہاری خواب کو صحیح قرار دیکر اس کی تاویل بتائے گا "

(ب) مولانا سیّد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

" چوں امواجِ جذب و کشش رحمانی نفسِ کاملہ ایں طالب را در قعرِ لجج بحارِ احدیت فرو میکشند زمزمۂ انا الحق و لیس فی جُبتی سوی اللہ از اں سر برمے زند کہ کلام ہدایت التیام کنت سمعه الّذى يسمع به و بصره الّذى يبصر به ويده الّتى يبطش بها ورجله التى يمشى بها و در رواتیے ولسانه الّذى يتكلم به حکایتے است ازاں و اذا قال على لسان نبيّه سمع الله لمن حمده يقضى الله على لسان نبيّه ما شاء کنایتے است ازاں ایں مقالیست بس باریک و مسئلہ ایست بس نازک باید کہ دراں نیک تامل کنی و تفصیل او را بر مقام دیگر تفویض نمائی ؎

وراء ذالك فلا اقول لانّه ÷ سرّ لسان النطق عنه اخرس

وزنہار دریں معاملہ تعجب ننمائی و بانکار پیش نہ آئی زیراکہ چوں از نار وادیٔ مقدس ندائے انّی انا اللہ ربّ العالمین سر بر زد، اگر از نفسِ کاملکہ اشرف موجودات است و نمونہ حضرت ذات است، آواز انا الحق برآید محلِ تعجب نیست۔" (کتاب صراطِ مستقیم ص ۱۴۳-۱۴۲)

(ج) حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

"قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الّا انا اقول للشیٔ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشیٔ کن فیکون وقد فعل ذالک بکثیر من انبیاءہ واولیاءہ وخواصہ من بنی آدم۔ (فتوح الغیب مقالہ ۱۶ ص ۶۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے آدم زاد! میں خدائے واحد ہوں اور کُن کہنے سے ہر چیز پیدا کر لیتا ہوں۔ تو میری اطاعت کر۔ میں تجھے بھی کُن فیکون کے اختیارات دے دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ [illegible] بہت سے انبیاء، اولیاء اور اپنے خاص بندوں سے کیا [illegible]۔"

(د) حضرت فرید الدین صاحب [illegible] فرماتے ہیں:-

"جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں سراپا حق ہی ہوتا ہے اور اگر یہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجب نہیں ہوتا۔"
(تذکرۃ الاولیاء ص [illegible] تذکرہ بایزید بسطامی)

(ذ) مولوی عبد الحق صاحب محدث [illegible] لکھتے ہیں:-

"عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے (اور خدا تعالیٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعہ الّذی یسمع بہ اسی طرف اشارہ ہے اور اس [illegible] میں وحدت وجود کا راز کھلتا ہے۔ گرچہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے، کوئی ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا

ایک ایسا پرتو پڑتا ہے کہ اس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس یہ انسان کا کمال انتہائی ہے۔ سو یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور ان سے کچھ اتر کر ان کے متبعین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔"
(مقدمہ تفسیر حقانی ص۱۲۰)

یہ پانچوں اقتباسات اپنے مطلب کے لحاظ سے نہایت نمایاں ہیں تشریح کی ضرورت نہیں۔ اے کاش منشی محمد یعقوب صاحب اور ان کے رفقاء حضرت سید اسمٰعیل صاحبؒ کی نصیحت پر کان دھرتے اور ایک نہایت لطیف دلیل پاکبازی کو ٹھکرا نہ دیتے یا کم از کم اعتراض نہ کرتے۔ مگر سچ یہی ہے ؏

قدرِ زر زرگر بداند یا بداند جوہری

حضرت مسیح موعودؑ کا کشف گویا صوفیاء کی زبان اور ان کی اصطلاح میں حضورؑ کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے نہ قابلِ اعتراض۔

جواب پنجم ۔ اعتراض بالا کے متذکرۃ الصدر جوابات کے بعد اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں جو حضورؑ نے توحید کے عقیدہ کی تشریح میں رقم فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں :-

"اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی

کوئی بیوی نہیں۔ اور وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں الخ۔" (الوصیّت صنا)

کیا کوئی سعید الفطرت اس تحریر کے راقم کو مدعیٔ الوہیت قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس عبارت کا ایک ایک حرف اس کی فنا فی اللہ اور بقاء باللہ پر دلیل ہے۔ پس اے سوچنے والو! سوچو کہ یہ بہتان طرازی کیوں ہے؟ کیا صرف اس لیے نہیں کہ دُنیا کے فرزندوں کو روشنی سے روکا جائے اور وہ نورِ ہدایت سے منوّر ہونے نہ پائیں؟۔ یاد رکھو کہ تمہاری سب کوششیں اکارت جائیں گی اور خدا اپنے فرستادہ کی قبولیت کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دے گا۔ کون ہے جو خدا کے ارادہ کو روک سکے؟

نئی زمین اور نیا آسمان

محولہ بالا کشف کے ضمن میں مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے زمین و آسمان کے خالق ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ سب کشفی ماجرا ہے اور عالم رؤیا میں اس قسم کے روحانی افعال کا صدور ممتنع نہیں جیسا کہ اوپر کے حوالجات سے واضح ہو چکا ہے۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے اس ضمنی اعتراض کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ مادی زمین و آسمان پہلے سے پیدا شدہ تھے۔ نہ ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ ہے اور نہ ہی یہ ممکن، کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اسی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام میں لکھتے ہیں:۔

"واني اعتقد من صميم قلبي ان للعالم صانعًا قديمًا واحدًا قادرًا كريمًا مقتدرًا على كلّ ما ظهر و اختفى۔" (ملا۲)

ترجمہ:- میں بیقینِ دل سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہان (آسمان و زمین اور کائنات) کا ایک قدیم، قادر اور کریم خدا خالق ہے جو ہر ظاہر و مخفی پر اقتدار رکھتا ہے۔"

اس حقیقت کے باوجود انبیاء کے طریق پر ایک قسم کے زمین و آسمان پیدا کرنے کا آپ کو دعویٰ تھا اور بے شک آپ نے وہ پیدا کر دیا! اور وہ زمین و آسمان روحانی تھے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین

بنائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۹)

یہ نیا آسمان اور نئی زمین ہر نبی کے وقت میں بنتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیل میں پطرس کے حسب ذیل الفاظ آج تک مرقوم ہیں کہ:-

"اس کے وعدے کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راستبازی بسی رہے گی۔" (۲-پطرس ۳/۱۳)

اور قرآن مجید نے بھی آیت ظھر الفساد فی البرّ والبحر میں اسی انقلاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عظیم الشان طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جائے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ اُس وقت مبعوث ہوئے جب دُنیا میں تاریکی کا غلبہ تھا اور مسلمان جو مذہب کی دنیا میں اکیلے ہی آسمان و زمین تھے بگڑ چکے تھے۔ اخبار زمیندار اقبالِ ماضی کی شان و شوکت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:-

"آسمان نے وہ بساط الٹ دی، مسلمانوں کا اقبال ادبار سے بدل گیا، ان کی وسیع وعریض سلطنت کے حصّے بخرے ہو گئے، ان سے علم چھین لیا گیا، ان سے وہ خصائص سلب ہو گئے جن کی وجہ سے مشرق و مغرب میں انکی دھاک تھی۔" (زمیندار ۴ اپریل ۱۹۳۸ء)

لہٰذا اب ضرورت ہوئی کہ نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کی جاوے۔ اسی محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے شبلی کہتے ہیں ؎

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں — چلنے لگیں اور ہی ہوائیں
چھیڑے جو گئے نئے فسانے — نغمہ نہ وہ رہا نہ وہ ترانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں — اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے — وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے

اب صورتِ ملک و دیں نئی ہے
افلاک نئے، زمیں نئی ہے

(مثنوی صبح امید ص۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "ایک دفعہ کشفی رنگ میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا

ہے۔ اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔" (چشمہ مسیحی حاشیہ صفحہ ۳۵)

(ب) "خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بناوے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلّی سے دشمنی کی۔" (کشتی نوح صفحہ ۵)

پس حضور کا دعویٰ روحانی جماعت پیدا کرنے کا تھا۔ سو جماعت احمدیہ کی نیکی، پارسائی، اسلام کی خدمات، سرفروشانہ خدمات اور روحانی تنظیم صاحبِ دل انسان کے لئے خضرِ راہ ہیں۔ آپ نے پاکبازوں کا ایک گروہ پیدا کیا جو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ (اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا) کیا یہ چشم وا کے لئے سامانِ بصیرت نہیں؟

"خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ"

مصنّف "عشرہ کاملہ" نے دسویں نمبر پر جو انتہائی افترا پردازی کا ذکر کیا ہے وہ اس کے الفاظ میں "خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ" ہے۔ العیاذ باللہ۔

دنیا میں مخالفت ہوتی ہے، اعتراضات کئے جاتے ہیں، مگر شاید اس سے بڑھ کر بددیانتی ناممکن ہے کہ بلاوجہ کسی کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے عقاید میں داخل نہیں۔ احمدیت پر اس قسم کے سراسر بے بنیاد اعتراضات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے مخالفین احمدیت کے اصلی عقاید پر اعتراض کی تاب نہ لا کر خود ایک مفتریانہ عقیدہ وضع کرتے ہیں اور پھر اس پر اعتراضات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

بہر حال اس بہتان کے اثبات کی خاطر مصنّف نے دو الہام پیش کئے ہیں (۱) انت منی وانا منک (۲) مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء اور ان سے استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحبؑ کو "خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ" تھا۔ افسوس ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

الہام انتَ مِنّی وَاَنَا مِنکَ

مصنّف نے یہ الہام حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۴ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور "انا منک" کا ترجمہ "میں تجھ سے ہوں" کر کے خود ساختہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ بہر صورت غلط ہے کیونکہ اوّل تو از روئے عربی زبان اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جہاں یہ لفظ آجائے وہاں باپ بیٹے کا ہی تعلق ہو۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب حضرت طالوتؑ ایک لشکر جرّار لے کر گئے اور راستہ میں ایک نہر آئی تو انہوں نے فرمایا:۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ۔ الآیۃ (بقرہ ع ۳۳) کہ جو اس نہر سے سیر ہو کر پیئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہے تو کیا آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو پانی پی لے گا وہ میرا بیٹا نہ رہے گا اور جو نہ پیئے گا وہ میرا بیٹا بن جائے گا (معاذ اللہ)۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ کا مطلب صرف یہ تھا کہ جو لوگ نہر کے ابتلاء میں کامیاب اُتریں گے وہ میرے دوست پیارے اور تعلق رکھنے والے ہیں دوسرے نہیں وبس۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے "جو شخص اس نہر سے پیئے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا اور جو نہ پیئے گا تو وہ میرا ہمراہی ہوگا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

نیز علامہ جلال الدین سیوطی بھی لفظ مِنّی کا ترجمہ "ای من اتباعی" ہی کرتے ہیں۔ (جلالین صفحہ ۳۶)

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (ابراہیم ع ۶) جو میری تابعداری کرے وہ مجھ سے ہے۔ تو کیا اس کے معنی ہیں کہ وہ میرا بیٹا ہے؟ اور کیا معترض پٹیالوی کی طرح وہاں "شجرۂ نسب" طلب

کیا جائے گا؟ تدبر!

پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو فرماتے ہیں:۔

"انتَ مِنّی وَ اَنَا مِنکَ" (مشکوٰۃ باب المناقب ص۵۶۴)

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے علیؓ! تو میرا بیٹا اور میں تیرا بیٹا ہوں؟ ہرگز نہیں۔ پھر آپؐ نے اشعری قبیلہ والوں کے متعلق فرمایا "ھُم مِنّی وَ اَنَا منھم" (بخاری جلد ۳ ص۔ قصہ عمان والبحرین) کیا مفتی محمد یعقوب اور ان کے "فخر المحدثین" کے نزدیک اس کا یہ ترجمہ درست ہے کہ میں اشعری قبیلہ کے لوگوں کا باپ ہوں اور وہ میرے باپ ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الہام "اَنَا مِنکَ" کے یہ معنی کہ "تو میرا باپ ہے" یعنے کیونکر درست ہو سکتے ہیں؟ مشکوٰۃ کتاب المناقب میں حضرت عباسؓ، حضرت حسینؓ اور بعض دیگر صحابہ کے متعلق بھی یہ لفظ آئے ہیں۔ مثلاً العباس مِنّی واَنَا مِنہُ۔ حسین مِنّی وَ اَنَا مِنہُ۔ جس کی غرض صرف اظہارِ قرب و محبت ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے حلم، حسنِ خلق اور پرہیزگاری کے متعلق فرمایا

"ثلاث من لم تکن فیہ فلیس منّی ولا من اللہ" (معجم صغیر طبرانی)

جس شخص میں یہ تینوں باتیں نہ ہوں وہ نہ مجھ سے ہے نہ اللہ سے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں وہ تو میرا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ باقی سب لوگ جو متصف بصفاتِ ثلاثہ ہوں وہ میرے اور خدا کے بیٹے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

پھر حضورؐ نے فیج اعوج کے لوگوں کے متعلق فرمایا۔ لیسوا منّی ولستُ منھم (مشکوٰۃ کتاب الفتن) تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ فیج اعوج میں سادات کی نسل مٹ جائیگی یا آنحضرت کے محض روحانی تعلق کی نفی ہے؟

عربی زبان کا ایک بڑا شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

فان کنتِ منّی او تریدین صحبتی

فکونی لہ کالسمن ربت لہ الادم

(حماسہ مجتبائی ص۵۸)

"اگر تو مجھ سے ہے اور میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو میرے پہلے بیٹے کے ساتھ پوری مطابقت رکھ۔" کیا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو میری بیٹی ہے؟ ہرگز نہیں۔

ایسے ہی بیسیوں حوالجات موجود ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ھو منہ یا اَنَا مِنکَ وغیرہ

فقرے مطلق تعلق پر دلالت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی حدیث ھم منی و انا منھم کی تشریح میں شراح لکھتے ہیں :-

"قولہ ھم منی و انا منھم کلمۃ من ھی من الاتصالیۃ ای ھم متصلون بی۔" (حاشیہ بخاری جلد ا صفحہ ۴۹۹ مطبع ہاشمی میرٹھ)

کہ اس سے ان لوگوں کا تعلق مراد ہے۔ اگر اس قسم کا فقرہ ابوت اور نبوت کی دلیل بن سکتا ہے تو پھر آیت وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء ع ۲۳) سے نصاریٰ کا ابنیت مسیح پر استدلال کرنا درست ہوگا معاذ اللہ۔ پس یہ معنی سراسر باطل ہیں۔

بنا بریں حضرتؑ کے الہام "اَنَا مِنْكَ" کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میرا تیرے ساتھ تعلق ہے کیونکہ تو میرا رسول اور نبی ہے کیسی صاف بات ہے ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

انتَ منّی و اَنَا منكَ کا دوسرا جواب

اگر خدانخواستہ "انت منی و انا منک" سے کوئی ایسا دعویٰ مستنبط ہوتا تھا تو چاہیئے تھا کہ ملہم یہ دعویٰ کرتا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فرماتے ہیں :-

"اس (الہام انت منی و انا منک) کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے۔ اور جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے اسکو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے۔ اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا مِنْكَ اس کا یہ مطلب و منشاء ہے کہ میری توحید اور میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا ...... ایک وقت ہوتا ہے کہ خدا اس وقت گم ہوا سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کی ہستی اور توحید اور صفات پر ایمان نہیں رہتا اور عملی رنگ میں دنیا دہریہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت جس شخص کو خدا اپنی تجلیات کا مظہر قرار دیتا ہے وہ اس کی ہستی اور توحید اور جلال کے اظہار کا باعث ٹھہرتا ہے اور وہ اَنَا مِنْكَ کا مصداق ہوتا ہے۔" (اخبار الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰)

پھر دوسرے موقعہ پر فرمایا:۔

"ایسا انسان جس کو اَنَا مِنکَ کی آواز آتی ہے اُس وقت دُنیا میں آتا ہے جب خدا پرستی کا نام و نشان مِٹ گیا ہوتا ہے۔ اِس وقت بھی چونکہ دُنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے اور خدا شناسی اور خدا رسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اِس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اُس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے تا میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بے خبر ہیں اس کی اطلاع دوں، اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اِس طرف آئیں اُنہیں خدا تعالیٰ کو دکھلا دوں، اِس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّی وَ اَنَا مِنْکَ۔"

(اخبار الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶)

پھر حضور نے جماعت احمدیہ کے لئے بطور مذہب حسب ذیل تلقین فرمائی ہے کہ:۔

"وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اُس کا بیٹا۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱)

پس جب نہ الہام کے الفاظ از رُوئے زبان معترض کے خود تراشیدہ مفہوم کے متحمل ہیں اور نہ ہی صاحبِ الہام اس کا دعویدار ہے تو پھر اعتراض کیوں اور کس پر؟

مظہر الحقّ والعلاء
کأنّ اللّٰہ نزل من السّماء

معترض نے یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے حوالہ سے درج کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں معترض اپنی طرف سے کہتا ہے:۔

"یعنی وہ لڑکا ایسا ہوگا جیسا کہ خدا خود آسمان سے اُتر آیا۔"

گویا معترض یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام میں موعود لڑکے کو خدا ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ تدبّر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس جگہ مشابہت نزول و ظہور میں ہے نہ کہ ذات میں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس اشتہار میں اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیاً" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء تبلیغ رسالت جلد ا صفحہ ۲۰)

اس ایک حوالہ سے ہی معترض کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کسی کلام کی خلاف منشاء متکلم یا ملہم تفسیر کرنا ناجائز ہے۔ خود معترض پٹیالوی نے بھی لکھا ہے کہ:۔

"الہام کی حقیقی تفسیر ملہم سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔ نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ مرزا جی کی الہامی تفسیر و تفہیم کے مقابلہ میں اپنی من گھڑت تاویلیں پیش کرے" (تحقیق لاثانی صفحہ ۳)

پھر دیکھئے کس وضاحت سے حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء یظہر بظہورہ جلال رب العالمین یأتیك نور ممسوح بعطر الرحمٰن"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۷)

ترجمہ۔ وہ صداقت اور بلندی کا مظہر ہوگا' اس کے ظہور سے رب العالمین کے جلال کا ظہور ہوگا۔ وہ ایک نور ہے جو خدا کے عطر سے ممسوح ہو کر تیرے پاس آئے گا۔"

پھر حضور مزید توضیح فرماتے ہیں:۔

"إنا نبشرك بغلام مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء"
ترجمہ۔ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا۔ گویا آسمان سے خدا اترے گا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵)

اس بات کے حل ہو جانے کے بعد کہ مشابہت ذات میں نہیں بلکہ بلحاظ نزول و ظہور ہے

ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح لفظ "ایام اللہ" (خدا کے دن) سے خدا کی نعمتیں اور عذاب مراد ہوتے ہیں دیکھو آیت ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ (ابراہیم ع) اسی طرح اس کے نزول اور ظہور کو رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اللہ کے نزول کے معنی اس کی رحمت اور فضل کا نزول ہوتا ہے کیونکہ وہ ذاتِ برحق نزول و صعود اور حرکت سے بالا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"ینزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة الى السماء الدنيا حتى يبقىٰ ثلث الليل الآخر۔ الحديث" (بخاری ومسلم۔ مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۹)

یعنی ہر شب ہمارا خدا دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں تمام اکابر متفق ہیں کہ "نزول الرب" سے مراد اس کے فضل کا نزول ہے۔ چنانچہ لمعات میں لکھا ہے:۔

"النزول والهبوط والصعود والحركات من صفات الاجسام والله تعالىٰ متعال عنه والمراد نزول الرحمة وقربه تعالىٰ بانزال الرحمة وافاضة الانوار واجابة الدعوات واعطاء المسائل ومغفرة الذنوب"
(حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۱۰۹)

پھر موطا امام مالک کے حاشیہ پر بھی لکھا ہے:۔

"قوله ينزل ربنا اى نزول رحمة ومزيد لطف و اجابة دعوة وقبول معذرة كما هو ديدن الملوك الكرماء والسادة الرحماء اذا نزلوا بقرب قوم محتاجين ملهوفين لا نزول حركة وانتقال لاستحالة ذالك عليه سبحانه۔ (باب ماجاء فى ذكر الله ص۷۰)

غرض نزولِ الٰہی سے مراد اس کی برکات اور فیوض کا نزول شرع کا ایک عام محاورہ ہے۔ اب الہام کا مفہوم یوں ہو جائے گا کہ وہ لڑکا بلند اقبال ہوگا۔ اس کے آنے کے ساتھ خدا کا فضل اور اس کی برکات آئیں گی۔ فلا اعتراض۔

ایک اور طرح سے

جب انسان مقامِ فنا پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا فعل خدا کا فعل متصور ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگ درحقیقت اس کے حکم کے بغیر نہیں بولتے اور نہ اس کے حکم کے بدوں حرکت کرتے ہیں۔ اس واقعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ✦ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اس طریق پر اس الہام کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ فرزند نہایت نیک اور کلیۃً رضاء الٰہی کا پابند ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال عٌ)

اے صحابہ ان کفار کو تم نے نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا تھا اور اے رسول تُو نے کنکر نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے۔ یعنی چونکہ تم خدا کا آلہ بن گئے اس لیے تمہارا فعل خدا کا فعل ہے۔ اس مجاز کے مطابق کسی نیک انسان کا آنا خدا کا آنا کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو تورات نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے :۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی“ (استثناء ۳۳/۲)

پس اندریں صورت کانّ اللہ نزل من السماء کے معنے بالکل صاف ہیں اور اس سے خدا کے باپ ہونے کے دعوے کا ثبوت نکالنا مذہب اور زبانِ عربی کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ ھذا ھم اللہ۔ اسی الہام کی تشریح میں حضرتؑ نے فرمایا ہے ؎

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا ✦ جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مہ سے اندھیرا ✦ دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا

(درِثمین اُردو)

سو ہم گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پُورا ہو گیا اور سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ذریعہ آسمانی فیوض و برکات کا واضح ظہور ہو رہا ہے۔“

جس کا اپنے و بیگانے اقرار کر رہے ہیں۔

ایسے استعاروں کی کیا ضرورت تھی؟

ہم اس فصل میں معترض کے ہر ایک اعتراض کو اسکے اپنے الفاظ میں نقل کر کے مفصل جوابات دے چکے ہیں۔ افسوس کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو حقیقی طور پر خالق الطیور، مُردوں کو زندہ کرنے والا اور دو ہزار سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ اور بغیر کھانے پینے کے زندہ مانتے ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ مرورِ زمانہ سے اس میں کوئی تغیر نہیں آیا بلکہ وہ الآن کما کان کا مصداق ہے اور کسی نامعلوم وقت میں نوجوان کا نوجوان آجائیگا (معاذ اللہ من ہذہ الخرافات) افسوس کہ ان خیالات کے رکھنے والے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر شرک کا الزام لگاتے ہیں اور آپ کی تعلیمات و الہامات کو اپنی بے سمجھی سے توحید کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مصنف عشرہ کاملہ کو سارے اعتراضات کرنے کے بعد خود یہ خیال گزرا کہ جن باتوں پر میں اعتراضات کر رہا ہوں وہ تو از قبیل مجاز و استعارہ ہیں اور ان کو حقیقت قرار دیکر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔ (بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ولو القیٰ معاذیرہ) تب اسنے ایک نیا رنگ بدلا لکھا ہے:۔

"اگر ان کو استعارہ و مجاز کہو تو میں پوچھتا ہوں کہ الہامی اور کشفی طریق پر ایسے گندے استعاروں کی کونسی ضرورت پیش آئی ہوئی تھی۔" (ص۲۳۰)

گویا یہ تسلیم کرلیا کہ ان عبارات کو استعارہ قرار دیکر شرک وغیرہ کا کوئی الزام نہیں پڑتا ہاں اس کے نزدیک یہ استعارات "گندے" ہیں ان کی کیا ضرورت تھی؟

الجواب

(۱) اگرچہ ہم ہر ایک الہام کے متعلق بتلا چکے ہیں کہ وہ حقیقت روحانیہ سے لبریز ہے لیکن ان کو "گندے استعارات" قرار دینے والے کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیشہ سے معاندین صداقت یہی کہتے چلے آئے ہیں۔ گندی فطرت والوں کو ہر طرف گند ہی نظر آتا ہے۔ بھلا قرآن مجید سے پاکیزہ تر کلام کیا ہوگا مگر دیانند جیسے انسان کو وہاں بھی "ناشائستہ باتیں" نظر آتی ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ص۵۰۰ طبع پنجم) تفصیل کے لئے ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب دیکھو۔ پس جب قرآن مجید ایسی پاک کتاب میں بھی لوگوں کو "گندے استعارات" نظر آسکتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں نظر آنے پر کیا تعجب ہے۔ دراصل الہام الٰہی بارش کے مشابہ ہوتا ہے جس کی شان یہ ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

لہٰذا منشی صاحب کا قصور نہیں ان کی معاندت کا لازمی نتیجہ یہی تھا۔ مگر میں انہیں توجہ دلاؤں گا کہ وہ اپنے مسلّمہ معانی کی رُو سے حسب ذیل استعارات پر بھی نظر کرلیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (بقرہ ع) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (العبس ع) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ع) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ (زمر ع) أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا (تحریم ع) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ع) فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال ع) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (القلم ع) يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (مائدہ ع)

پھر حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں بھوکا تھا تُونے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں مریض تھا تُونے میری عیادت نہ کی۔ میں پیاسا تھا تُونے مجھے پانی نہ پلایا۔ میں ننگا تھا تُونے مجھے لباس نہ دیا الخ (مشکوٰۃ) پھر اللہ نے فرمایا جب بندہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اُس کے پاس دَوڑ کر آتا ہوں (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(۲) باقی رہا یہ سوال کہ اس قسم کے استعارات کی کیا ضرورت تھی؟ سو یاد رہے کہ اہل مذہب کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ظاہر پرست، باطن پرست۔ اوّل الذکر علماء اور ثانی الذکر صوفیاء کہلاتے ہیں۔ مذہبی کتب اور انبیاء و اولیاء کے الہامات میں ہر طبیعت کے لئے غذا ہونی ضروری ہے اس لئے بنی نوع انسان کی ہر قسم کے لئے اُن میں کافی ذخیرہ ہوتا ہے تاکہ وہ آسمانی پیغام اور الٰہی صداقت کو اپنی زبان میں سمجھ کر آستانۂ اُلوہیت پر جبینِ نیاز جھکادیں۔ جس طرح ایک انگریز اور ایک یونانی پنجابی زبان کا خطاب سمجھنے سے معذور ہے اور اپنی زبان میں ہی سمجھنے کا عادی ہے قریباً اسی طرح صوفیاء اپنی مخصوص اصطلاحات اور علماء ظواہر اپنی قشر پرستی کے ماتحت اپنے اپنے دائرہ کی زبان کے عادی ہیں۔ بنا بریں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہر دو طرز کا کلام نازل فرمایا۔ وہ الہامات بھی ہیں جن میں تصوّف کا رنگ غالب ہے اور وہ حصّہ بھی ہے جو ظاہریت پر مبنی ہے متصوّفانہ حصّہ پر اعتراض کا

معترض ہونا ان کی قصور فہمی ہے، اُن کے لیے ہمارا ایک ہی جواب ہے ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ شد مست

ہمیشہ سے فرزندانِ تاریکی کا شیوہ رہا ہے کہ وہ آسمانی علم کے بالمقابل اپنے زمینی اور خشک علم پر نازاں ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المؤمن ع ۹) کہ جب اُن کے پاس ہمارا رسول آیا تو انہوں نے اپنے علم پر اترانا شروع کر دیا۔" اسی ظاہریت سے تنگ آکر مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گر بعلمِ خشک کارِ دیں بُدے
فخر رازی رازدارِ دیں بُدے

سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی یُوں اصلاح فرمائی ؎

گر بعلمِ خشک کارِ دیں بُدے
ہر لئیمے رازدارِ دیں بُدے

پس نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ پر استعارات میں کلام نازل ہؤا بلکہ ہر نبی کا یہی حال تھا۔ حضرت مسیح ناصریؑ تو گفتگو ہی تمثیلوں میں کرتے تھے۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ فصاحت و بلاغت کا بھی تقاضا تھا اور طبقاتِ دنیا کی تسلّی کا بھی یہی ذریعہ تھا۔ باقی حقیقت سے دُور لوگ اسی بناء پر اولیاء اللہ کو ستاتے رہے ہیں۔ سو حضرت اقدسؑ کا بھی اس ایذا سے حصّہ پانا ضروری تھا تا صادقین کی یہ ضروری علامت بھی پُوری ہو جائے۔ نعم ما قال المسیح الموعودؑ ؎

کفرتَ وما التکفیر منك ببدعةٍ
رسومٌ تقادم عهدُها المتقدّمُ

فصلِ سوم

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہامات پر اعتراض
اور
اُن کے جوابات

ہر قدم پر میرے مَولا نے دیئے مجھ کو نشاں
ہر عدُو پر حجّتِ حق کی پڑی ہے ذوالفقار
(حضرت مسیح موعودؑ)

تیسری فصل میں دشمنِ حق منشی محمد یعقوب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر اعتراض کئے ہیں اور اپنی نادانی سے ان پاکیزہ اور بیش بہا موتیوں کو "شیطانی کلمات" قرار دیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ دنیا کے شروع سے ذرّیتِ شیطان آسمانی پیغام کو اسی طرح ٹھکراتی رہی ہے۔ حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر ہر نبی کی داستانِ زندگی ان تیرہ باطنوں کی ایذا رسانی، تکذیب اور گندہ دہانی سے لبریز ہے۔ یہ بات انبیاء سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اُمّتِ مرحومہ کے سب واصلانِ الٰہی اور اولیاء اللہ کو بھی ان لوگوں نے اسی طرح دُکھ دیا۔ حضرت محی الدین رئیس الصوفیاء نے فرمایا:۔

"لقد وقع لنا وللعارفين امور ومحنٌ بواسطة اظهارنا المعارف والاسرار و شهدوا فينا بالزندقة وأذونا اشد الاذى"

(الیواقیت حصہ اوّل صفحہ ۲۲)

کہ مجھے اور تمام عارفین کو معارف و اسرار کے باعث بہت تکالیف پہنچی ہیں اور لوگوں نے ہم کو زندیق قرار دیکر بے انتہا اذیت دی ہے۔ سچ ہے ؎

کس بچشم یار صدیقے نہ شد
تا بچشم غیر زندیقے نہ شد

رب السموات قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ○ (انعام ع) یہ لوگ تیری ذات کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ازراہِ ظلم خدا کی آیات اور تیرے الہامات کا انکار کرتے ہیں۔ ہاں وہ اسی وجہ سے تو کہتے تھے ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ (یونس ع) کہ ہم اس قرآن کو اور اس کے الہامات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ان کو بدل دو۔ کیوں ؟ کہتے ہیں وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (ص ع) کہ یہ تو سراسر جھوٹا ہے، افتراء پرداز ہے ہم اس کی اتباع کس طرح کرلیں۔ دوسری جگہ کہتے ہیں وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ (انعام ع) اے کاش اس رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر کوئی بھی سچا الہام ہوجاتا، اس کی کوئی بات ہی پوری ہو جاتی۔ قوم ثمود حضرت صالحؑ کے متعلق کہتی ہے أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ○ (القمر ع) کہ یہ تو بہت ہی جھوٹا اور مغرور ہے کیا خدا کا کلام اس پر ہی نازل ہونا تھا ؟

ہم اس بیان کو کہاں تک طول دیں، قرآن مجید اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ دشمنان صداقت انبیاء کے جملہ الہامات کو کذب، افتراء اور سراسر غلط قرار دیتے رہے ہیں پس اگر آج حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے مخالف آپ کے الہامات کے متعلق ایسا کہیں تو جائے تعجب نہیں بلکہ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ جس طرح یہ رسول فی حلل الانبیاء ہے اسی طرح اس کے دشمن بھی "فی حلل المکذبین" ہیں۔ سچ ہے كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔

حضرت مرزا صاحب کا اپنے الہامات پر کامل یقین

مفتری اور جعلساز اپنی بات پر کبھی یقین تام اور وثوق کامل کے ساتھ مستقل نہیں رہ سکتا، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے۔ اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا غیر متزلزل یقین دانشمندوں کی نظر میں ان کی صداقت کا بہت بڑا نشان ہوتا ہے۔ آیت

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (سورہ یوسف ع۱۲) بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے
حضرت مرزا صاحبؑ کے الہامات کو معترض غلط قرار دیتے ہوئے بھی اس بات کا اعتراف کرتا
ہے کہ :-

"مرزا صاحب کو اپنے کُل مکاشفات، الہامات اور پیشگوئیوں کے سچا ہونے
پر بڑا ناز اور دعویٰ تھا" (عشرہ ص۳۵)

اس کے بعد حضرت اقدسؑ کے اِن الفاظ کو نقل کرتا ہے :-

"وہ کلام جو میرے پر نازل ہوا قطعی اور یقینی ہے۔ اور جیسا کہ آفتاب اور
اس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور اس کی روشنی ہے
ایسا ہی میں اس کلام میں شک نہیں کر سکتا جو خدا کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا
ہے۔" (عشرہ ص۳۶ بحوالہ تجلیات الٰہیہ)

اس ایک بات سے ہی عقلمند انسان حضرتؑ کی سچائی کو پرکھ سکتے ہیں۔ بھلا یہ غیر متزلزل یقین
اور یہ غیر معمولی استحکام شیطان اور شیطانی کلام کو ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! انّ فی ذالک
لعبرۃ لاولی الالباب۔

حضرت مسیح موعودؑ اور ابن صیّاد

نادان معترض حضرت مسیح محمدی صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ اور ابن صیّاد کو باہم مماثل قرار
دیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ جب مرزا صاحب کو جماعت احمدیہ نبی و رسول مانتی ہے تو ابن صیاد
کو کیوں رسول نہیں مانتی؟ اس دشمنِ حق کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ابن صیّاد نے کب سچ مچ دعویٰ
رسالت کیا اور کب اس نے اہلِ دنیا کو اپنے ماننے کی دعوت دی[1]۔ اور پھر کن معیاروں کی رُو
سے اُس کی سچائی ظاہر ہوئی بلکہ صحیح روایات کی بنا پر تو اُس نے آخر کار اس "گنگناہٹ" سے
بھی توبہ کر لی تھی جس کی وجہ سے پٹیالوی معترض اسے "مدعی وحی" قرار دیتا ہے۔ اگر منشی صاحب کے
نزدیک اس کو وحی کا دعویٰ تھا تو اس کی وحی تو پیش کرتے۔ اور پھر صرف دعویٰ تو کوئی چیز ہی نہیں ہیا
بے شک بیسیوں اُٹھے جنہوں نے آفتابِ رسالت کی کرنوں کے مقابل ہو کر مختلف دعاوی کئے مگر
ان کی تباہ حالی، ناکامی اور نامرادی کی موت نے اُن کو خس کم جہاں پاک کا ہی مصداق بنایا

[1] محض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چڑانے یا آپ کی نقل اتارنے کے لیے وقتی طور پر اتشہد انی
رسول اللہ کہنا دعویٰ رسالت نہیں کہلاتا۔ (مؤلف)

اور آسمان نے ان کی بربادی سے ان کی بطالت پر شہادت دیدی۔ کہاں وہ لوگ اور کہاں خدا کا وہ نبی جس نے بے کسی اور بے بسی میں دعویٰ فرمایا، اپنے اور بیگانے اس کے دشمن ہو گئے۔ سب نے اس کی تخریب، بربادی اور استیصال کے منصوبے سوچے اور امکان بھر کوششیں کیں مگر وہ سب ناکام رہے اور پیغمبر قادیان بیکس و تنہا ہو کر سب پر غالب آیا؟ وہ ایک تخم تھا جس سے نہایت عظیم الشان درخت بن گیا اور اس کی شاخیں اکناف عالم میں پھیل گئیں اور آخر دنیا تک اس کے حاسدوں اور منکروں کے جلنے کا سامان بن گئیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یاد رکھو سے

صادقاں را نورِ حق تابد مدام
کاذباں مُردند و شد ترکی تمام

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حقیقت واقعیہ اور تاریخی صداقت نہ بھی ہوتی تو بھی ابن صیاد کی کذب بیانی کے لئے اس کا اپنا اقرار کہ

"میرے پاس کچھ سچے اور کچھ جھوٹے خبر رساں آتے ہیں" (عشرہ کاملہ ص۱۳۲)

ہی کافی تھا۔ اور یہ بات ہی حضرت مسیح موعودؑ اور اس کاذب میں بیّن فرق کر دیتی۔ کیا تم نے ابھی نہیں پڑھا کہ خدا کا سچا موعود اپنے سب الہامات کو یقینی، قطعی اور منجانب اللہ قرار دیتا ہے۔ (عشرہ ص۱۳۵) بلکہ یقین کامل سے فرماتا ہے:-

"مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ میں وہ پودہ نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اُکھڑ سکوں۔ اگر اُن کے پہلے اور اُن کے پچھلے اور اُن کے زندے اور اُن کے مُردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لئے دعائیں کریں تو میرا خدا ان تمام دعاؤں کو لعنت کی شکل پر ان کے منہ پر مارے گا"

(ضمیمہ اربعین نمبر ۴ ص۲)

ابن صیاد کا اقراری شک و التباس ہی اس کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے اسلئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فوراً فرمایا۔ خلط علیك الامر تجھ پر بات خلط ملط ہو گئی ہے" (عشرہ ص۱۳۵) گویا اس کی کذب بیانی کے ثابت کرنے کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی وحی پر کامل یقین اور اپنے الہام پر قطعی

وثوق حضورؑ کی صداقت پر زبردست گواہ ہے پس ابن صیاد اور آپؑ میں کھلا کھلا فرق ہے۔ ع

ضدان مفترقان ای تفرق

وفاتِ مسیحؑ کے الہامات

اس جگہ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ معترض بٹیالوی نے حمامۃ البشریٰ ملک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے وفاتِ مسیح اور اپنی مسیحیت کے الہامات کو "دس سال تک ملتوی رکھا بلکہ رد کر دیا"۔ (حاشیہ ص۳۵ عشرہ)

یہ الفاظ حمامۃ البشریٰ ملک میں موجود نہیں ہیں۔ پس یہ تو معترض کی دروغ بافی ہے لیکن یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ حضرت اقدس ایک عرصہ تک حضرت مسیحؑ کو زندہ مانتے رہے۔ مگر یہ تو خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرتؑ نے اپنے دعویٰ مسیحیت میں منصوبہ بازی نہیں کی۔ باقی اس سے یہ استدلال کہ الہامات کو "رد کر دیا" یا ان میں "شک کیا" سراسر باطل اور جھوٹ ہے۔ حضرتؑ کو کبھی کسی الہام کے بارہ میں نہ کبھی شک ہوا نہ حضورؑ نے کسی الہام کو رد کیا۔ ہاں دعویٰ مسیحیت اور وفاتِ مسیحؑ کے الہامات کے متعلق صرف اس قدر رقم فرمایا ہے

ثم ما استعجلت فی امری ھذا بل اخرتہ الی عشر سنۃ بل زدت علیھا وکنت لحکم واضح وامر صریح من المنتظرین۔ یعنی میں نے دعوے میں جلدبازی سے کام نہیں لیا بلکہ اللہ کے واضح حکم کا منتظر رہا۔ (حمامۃ البشریٰ ص۱۲)

غرض آپؑ کے سب الہامات خدا کی جانب سے ہونے میں قطعی اور یقینی تھے ہاں اُن کے اسرار و غوامض کی تفہیم حسب سُنّتِ الٰہیہ اپنے اپنے وقت پر ہوتی رہی جیسا کہ تمام انبیاء اور ان کے متبعین کو ہوتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو حضرت عمرؓ قسم کھاتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجّال ہے۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنْ یَکُنْ ھُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَیْہِ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ ھُوَ فَلَا خَیْرَ لَکَ فِیْ قَتْلِہٖ۔ (مشکوٰۃ باب قصہ ابن صیاد)

کہ اگر یہ دجّال ہے تو تم اس پر مسلّط نہیں ہو سکتے۔ اور اگر یہ دجّال نہیں تو اس کے قتل کرنے کا فائدہ کیا؟

پھر سیّدنا حضرت عمرؓ آیت سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کے متعلق کہتے ہیں:-

"اِنَّهَا لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ لَمْ اَعْلَمْ مَا هِيَ اَيْ مَا الْوَاقِعَةُ الَّتِيْ يَكُوْنُ فِيْهَا ذَالِكَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ وَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ الدِّرْعَ وَيَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ فَعَلِمْتُهُ"

(بیضاوی زیر آیت ہذم)

کہ جب مکی آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ نازل ہوئی تو مَیں نہ سمجھ سکا کہ وہ کونسا واقعہ ہوگا جب یہ پوری ہوگی۔ پھر جب جنگ بدر کا دن آیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ پہنتے اور یہ آیت تلاوت کرتے سُنا تو مجھے صحیح علم ہوا" بات یہ ہے کہ مکی زندگی میں اِن فتوحات کا تصور انسانی فہم سے بالا تھا۔

دیکھئے قرآن مجید میں بہشت کی نعماء کا مفصّل تذکرہ ہے مگر خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ السجدۃ) کا مصداق ہیں یعنی وہ ایسی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سُنیں، اور نہ اُن کا تصوّر ہی کسی دل کو ہوا۔ سچ ہے کہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا کہ آپؑ نے وفاتِ مسیحؑ کا فی الفور کیوں اعلان نہ فرمایا بلکہ حضورؑ کا محتاط طرزِ عمل اپنی ذات میں آپؑ کی صداقت کا ایک گونہ شاہد ہے۔

الہامات پر اعتراضات کے جواب

اب ہم اُن اعتراضات کو لیتے ہیں جو مصنّف نے اِس فصل میں ذکر کئے ہیں اور نمبروار ان کے جواب لکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق اعتراض کا جواب

معترض نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اور حضورؑ کی تشریحات کو ذکر کرکے لکھا ہے:۔

"ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی عمر بقول ان کے کم از کم ۷۴ سال

اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ سال کی ہونی چاہیئے تھی۔ مرزا صاحب ۱۳۲۶ھ میں ۶۵ سال اور چند ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے۔" (عشرہ ۳۶)

ہمیں اس "خلاصہ" سے اتفاق ہے۔ مگر معترض کی یہ بات غلط ہے کہ حضرت اقدس کی عمر ۶۵ سال اور کچھ مہینے "ہوئی ہے۔ حضرت مسیح موعود کی تحریرات، مخالفین کی گواہیاں اور واقعات اس کی تکذیب کر رہے ہیں۔ معترض نے اپنے دعوے کی تائید میں دو حوالے پیش کئے ہیں۔ پہلے ہم ان کا جواب تحریر کرتے ہیں۔

معترض کا پیش کردہ پہلا حوالہ

معترض نے تریاق القلوب صفحہ ۶۸ سے یہ عبارت نقل کی ہے "جب میری عمر ۴۰ برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری عمر ۴۰ برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔ تب خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھ پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا مجدد اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے۔"

اور پھر لکھا :۔

"پس جب حسب اقرار خود چودھویں صدی کے شروع میں آپ پورے ۴۰ سال کے تھے تو بوقت انتقال ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں ۶۵ سال ۴ ماہ کے ہوئے۔" (عشرہ ۳۹)

الجواب

مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چالیس برس کی عمر میں مامور ہوئے۔ اور وہ "وقت صدی کے سر کے پہنچنے کا وقت تھا۔ بات بالکل واضح ہے اب صرف "صدی کے سر" کا تعیّن کرنا چاہیئے کہ اس سے کونسا سال مراد ہے۔ حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوّے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۹)

اس عبارت سے متعیّن ہو گیا کہ "صدی کے سر" سے مراد ۱۲۹۰ھ ہجری ہے۔ اس جگہ اگر یہ سوال ہو کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں "صدی کے سر" کی بیّن تشریح موجود ہے تو اس کے جواب میں مندرجہ ذیل حوالہ کافی ہے حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

"چونکہ آخر صدی کا یا مثلاً آخر ہزار کا اس صدی یا ہزار کا سر کہلاتا ہے جو اس کے بعد شروع ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ پیوستہ ہے اسلئے یہ محاورہ ہر ایک قوم کا ہے کہ مثلاً وہ کسی صدی کے آخری حصّے کو جس پر گویا صدی ختم ہونے کے حکم میں ہے۔ دوسری صدی پر جو اس کے بعد شروع ہونے والی ہے اطلاق کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں مجدّد بارھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوا تھا گو وہ گیارھویں صدی کے اخیر پر ظاہر ہوا ہو یعنی گیارھویں صدی کے چند سال رہتے اس نے ظہور کیا ہو۔"
(تحفہ گولڑویہ طبع اوّل حاشیہ ص۹۲)

پس اب حل ہو گیا کہ تریاق القلوب کی عبارت میں "صدی کے سر" سے مراد حضور کے نزدیک ۱۲۹۰ھ ہجری ہی ہے۔ یہ اصول تو ظاہر ہی ہے کہ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ' درست نہیں۔ بلکہ ع تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں' کے مطابق وہی معنے لینے پڑیں گے جو خود حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں۔ بہرحال ثابت ہوا کہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعودؑ کی عمر ۴۰ سال تھی اور ۱۳۲۶ھ ہجری میں حضورؑ کا انتقال ہوا تو کل عمر ۷۶ سال ثابت ہو گئی۔ فلا اعتراض

دوسرے حوالہ کا جواب

معترض نے حضرت اقدس کی کتاب تحفہ گولڑویہ کے حوالہ سے اس کشف کا ذکر کیا ہے جس کی رُو سے حضورؑ نے ابتداءِ دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کل زمانہ ۴۷۳۹ سال قرار دیا ہے اور پھر اپنی پیدائش گیارہ سال کم چھٹے ہزار پر قرار دی ہے۔ معترض نے اس انوکھے طریق سے حضرت مسیح موعودؑ کی عمر ۶۵ سال قرار دی ہے۔

الجواب:۔ کیا عمر کے دریافت کرنے کا یہی طریق ہے کہ ہزاروں سالوں کے حساب کیئے جائیں۔ بھلا اس قدر دُور دراز کا راستدلال کی کیا ضرورت تھی جبکہ حضرتؑ نے صاف لکھا ہے کہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں میں مامور ہو چکا تھا (حقیقۃ الوحی ص۱۹۹) اور دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں چالیس برس کی عمر میں مبعوث ہوا۔ گویا آپؑ کی پیدائش کا سال ۱۲۵۰ھ ہجری ہی ہے۔ جناب معترض! اگر آپ کے نزدیک تحفہ گولڑویہ کی عبارت سے سن پیدائش ۱۲۶۱ھ ہجری بنتا ہے تو یہ ہزاروں کی اُلجھن میں پڑنے کا نتیجہ ہے۔ دراصل بات یہ ہے

کہ ہزار ششم کے تعین میں اختلاف ہے اور ایک لحاظ سے حضرتؑ نے اپنی پیدائش کو گویا ۵۹۸۹ سال پر قرار دیا ہے لیکن حضورؑ کی دوسری تحریریں بتاتی ہیں کہ اس میں گیارہ سال کا فرق ہے۔ اور حقیقت میں سن پیدائش حضورؑ کا ۱۲۵۰ ہجری ہی ہے اور اس لحاظ سے بھی حضورؑ کی عمر ۷۶ سال ہی بنتی ہے جو الہام کے بالکل مطابق ہے۔

ان دونوں سوالوں کا جواب دینے کے بعد اب ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو شہادتیں اپنی عمر کے متعلق درج کرتے ہیں:۔

پہلی شہادت } تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری طرف سے ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے۔" (حاشیہ تتمہ حقیقۃ الوحی ص۷)

گویا ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو ستر برس ہوئے تو بوقت وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اس شمسی حساب سے بھی اندازاً ۷۵ سال عمر ہوئی اور قمری حساب سے تو دو سال اور بھی زیادہ ہو جائیں گے۔

دوسری شہادت } تحریر فرمایا ہے:۔

"مجھے دکھلاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب ۶۴ سال کے۔" (اعجاز احمدی ص۳)

حضورؑ نے اپنی عمر اور آتھم کی عمر برابر قرار دی ہے اور آتھم کی عمر ۶۴ سال بتائی ہے۔ گویا جب آتھم مرا تو آپؑ کی عمر بھی ۶۴ سال تھی۔ آتھم کی موت ۲۷ رجولائی ۱۸۹۶ء کو مقام فیروز پور ہوئی (انجام آتھم ص۱) نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۹۶ء میں حضرت مرزا صاحبؑ کی عمر ۶۴ سال تھی اب بارہ ۱۲ سال ملانے سے ۱۹۰۸ء میں یقیناً ۷۶ سال کی عمر ثابت ہوئی۔ فہو المراد۔

حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق مخالفین کی چند گواہیاں

(۱) مولوی ثناء اللہ

صاحب امرتسری نے لکھا ہے :۔

(الف) "مرزا صاحب کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسّی سال کے کچھ نیچے اوپر ہے۔ جس کے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔" (اہلحدیث ۲ رمئی ۱۹۰۷ء)

(ب) "جو شخص ستّر برس سے متجاوز ہو۔ جیسے خود بدولت (مرزا صاحب) بھی ہیں۔"
(تفسیر ثنائی جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۹ء وطبع دوم صفحہ ۹۰)

(ج) "چنانچہ خود مرزا صاحب (فداہ ابی و امّی ۔ ناقل) کی عمر بقول اس کے پچھتّر سال کی ہوئی۔" (اہلحدیث ۳۱ رجولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۲)

(د) "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم ...... عیسائی کی بابت لکھتے ہیں کہ اگر پیشگوئی سچی نہیں نکلی تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب چونسٹھ سال کے (صفحہ ۳) اس عبارت سے پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ آئیے اب ہم یہ تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا شکر ہے کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب ہی کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ رجولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہو گئے) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کے قریب تھی۔ بہت خوب آئیے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۷ء میں ۱۸۹۶ء کو گزرے ہوئے کے سال ہوتے ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں بہت اچھا چونسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتّر سال ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آج کل پچھتّر سال ہے۔"
(مرقع قادیانی بابت فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲)

(۲) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھا تھا کہ :۔

"۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے۔"

اس کے بعد حضور قریباً پندرہ برس زندہ رہے۔ ۶۳ + ۱۵ = ۷۸ سال۔

(۳) پنڈت لیکھرام مقتول لکھتا ہے :-

"پچاس برس کی عمر ہو چکی ہنوز خواتین کی آرزو باقی ہے"

(اشتہار ۱۸ مارچ ۱۸۸۶ء تکذیب براہین احمدیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹)

اس حساب سے بھی حضورؑ کی عمر ۷۳ سال سے زائد بنتی ہے ۔

(۴) مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" کے والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر زمیندار میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ :-

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے ۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ - ۲۴ سال کی ہو گی ۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی اور بزرگ تھے" (زمیندار بحوالہ غسل مصفی جلد ۲ صفحہ ۶۳۴)

اس حساب سے بھی حضورؑ کی عمر بحساب قمری ۷۴ سال بنتی ہے ۔

ان تمام حوالجات سے بیّن طور پر ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر از روئے تحریرات خود اور از روئے شہادات مخالفین بہر حال ۷۴ سال یا اس سے زیادہ ہوتی ہے ۔ پس مؤلف عشرہ کا یہ دعویٰ کہ "۶۵ سال اور چند ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے" بالبداہت باطل ہو گیا وھو المقصود ۔

عمر کے اندازہ میں اختلاف کیوں ؟ اور اس کا حل

مخالفین احمدیت کی مندرجہ بالا شہادات میں حضورؑ کی عمر کی تعیین میں اختلاف نظر آتا ہے ۔ اور ایسا ہی بعض مقامات پر خود حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں بھی بادی النظر سے اختلاف نظر آتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام اندازے قیاسات کے ماتحت ہیں ۔ ظاہر ہے کہ کسی کی عمر کے متعلق جب قیاس کیا جائے گا تو ایک دو سال کا فرق پڑ جانا چنداں بعید نہیں بلکہ بالعموم ایسا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو لکھا ہے :-

"عمر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعضے ساٹھ برس کی اور بعضے باسٹھ برس چھ مہینے کی اور بعضے پینسٹھ برس کی کہتے ہیں مگر ارباب تحقیق تریسٹھ برس کی لکھتے ہیں" (احوال الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

پس اگر حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق قیاسات میں اختلاف ہو تو باعث تکذیب نہیں جبکہ خود مؤلف عشرہ کاملہ تسلیم کرتا ہے کہ :۔

"مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی یادداشت نہیں کیونکہ اس زمانہ میں بچوں کی عمر کے لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا۔" (حاشیہ عشرہ ص۳۷)

اندریں صورت محتاط طریق یہی ہے کہ انسان کسی بات پر ضد نہ کرے بلکہ جو بیان آسمانی شہادت اور قرائن سے درست ثابت ہو اُسے تسلیم کرے۔

عُمر کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ کُن بیان

جناب مولوی سید محمد عبدالواحد صاحب نے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ "حضرت کی عمر شریف اِس وقت کس قدر ہے؟" اِس کے جواب میں حضورؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالے کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اِس وقت تک جو سنّ ہجری ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستّر برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم ص۱۹۳)

کیا ہی ناطق قول ہے۔ گویا ۱۳۲۳ھ میں ستّر سال عمر ہے۔ اب اس کے تین چار سال بعد حضورؑ کا انتقال ہوتا ہے۔ گویا آپ کے اندازہ کے مطابق بھی ۷۴ سال عمر بن گئی لیکن اصل اندازہ کو خدا کے علم کے سپرد کر کے معترضین کا مُنہ بھی بند کر دیا مگر افسوس کہ پھر بھی ؎

مہ نُور مے فشاند و سگ بانگ میزند

عُمر کے متعلق الہامی فیصلہ

ناظرین کرام! آپ نے پڑھا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے الہامات کے ماتحت اپنی عمر کا اندازہ ۷۴ اور ۸۶ کے درمیان شائع فرمایا ہے ہمیں آپؑ کی معیّن تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ اندازے محض تخمینہ پر مبنی ہیں لیکن آؤ دیکھیں کہ الہامی شہادت اِس بارہ میں کیا ہے؟ سو یاد رہے کہ اقل عمر حضور علیہ السلام کی از روئے الہام ۷۴ برس ہے۔ دوسری طرف ۱۹۰۵ء میں حضورؑ پر وحی اُترتی ہے :۔

"جاء وقتک۔ قرب اجلک المقدر۔" (الوصیت ص۲)

یعنی تیرا وقت آچکا۔ مقدر اجل قریب آ گئی۔"

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہامی وعدہ کے مطابق عمر حاصل کی ہے اسی پر اللہ تعالیٰ کے الفاظ "جاء وقتلك" دلالت کر رہے ہیں۔ گویا جس طرح الہام نے عمر کی میعاد بتائی تھی ویسے ہی الہام سے اس میعاد کا پورا ہو جانا ظاہر ہو گیا وتمّت کلمة ربّك صدقًا وعدلًا۔

اِس اعتراض کے ضمنی اعتراضات

ہم نے اصل اعتراض کا مفصّل جواب دیدیا ہے، ہاں چند دیگر جواب طلب امور جو معترض نے ضمناً ذکر کئے ہیں حسب ذیل ہیں :-

امرِ اوّل۔ معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں ایک روز کشفی حالت میں ایک بزرگ صاحب کی قبر پر دعائیں مانگ رہا تھا۔ صاحبِ قبر سے پندرہ سال زیادتی عمر کی دعا پر آمین کہلوانی چاہی۔ اس نے نہ کہی۔ آخر نہایت اصرار کے بعد انقباض کے ساتھ اس نے آمین کہی۔ اِس سارے واقعہ کے بعد معترض نے حضرت اقدس کے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں :-

"دعا مانگی کہ میری عمر پندرہ سال اور بڑھ جائے تب اُس بزرگ نے آمین کہی۔ اب میری عمر پچانوے سال ہے۔"

(عشرہ ص۷ حاشیہ بحوالہ الحکم ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

الجواب (۱) یہ کشفی واقعہ ہے اور کشف تعبیر طلب ہوتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کشف میں دیکھا کہ چاند، سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں (سورۂ یوسف ع۱) کیا اسے ظاہر پر محمول کرو گے؟ اگر نہیں تو مندرجہ بالا کشف کو کیوں ظاہر پر حمل کرتے ہو؟

(۲) اگر اس کشف کا وہی مطلب ہوتا جو تم بیان کر رہے ہو تو چاہیئے تھا کہ حضرت مرزا صاحب بھی کم از کم ایک دفعہ ہی لکھتے کہ میں پچانوے ۹۵ سال تک زندہ رہوں گا۔ حالانکہ تم خود لکھ چکے ہو کہ :-

"مرزا صاحب کی عمر بقول اُن کے کم از کم ۷۴ سال اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ سال ہونی چاہیئے تھی۔" (عشرہ ص۳)

پس تمہارا یہ اعتراض باطل ہے۔

(۳) اِس کشف میں درج ہے کہ صاحبِ قبر بزرگ نے بار بار آمین کہنے سے انکار کیا۔ آخرالامر محض احترام کے طور پر اُس نے آمین کہدی جس سے ظاہر ہے کہ یہ دُعا اُس رنگ میں نہیں جس میں معترض نے اسے ذکر کیا ہے۔

ناظرین کرام! مندرجہ بالا اقتباس میں معترض پٹیالوی نے فقرہ "اب میری عمر پچانوے سال ہے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور الحکم کے حوالہ سے منسوب کیا ہے یہ اس کا کھلا کھلا جھوٹ اور افتراء ہے۔ اگر وہ یہ فقرہ حضورؑ کی تحریر سے دکھا دے تو اس کو یکصد روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اگر نہ دکھا سکے، اور ہرگز نہیں دکھا سکتا تو لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کا طوق ہی اس کے گلے کے لیے بس ہے۔ معترض نے "تنزّل علی کلّ افّاکٍ" کا مصداق پیغمبرِ قادیان کو قرار دیا تھا۔ (خاکش بدہن) مگر خدا کے قہری وعید اِنّی مُھِینٌ مَن اَرَادَ اِھانتک نے اس کو مصداق بنا دیا ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

امرِ دوم: معترض لکھتا ہے:۔

"مولوی مردان علی حیدر آبادی نے مرزا صاحب کو خط لکھا کہ ۲۰ سال میں اپنی عمر میں سے کاٹ کر آپ کو دیتا ہوں مرزا صاحب نے قبول کر لیا" (ازالہ اوہام) اسلیئے مرزا صاحب کی عمر پوری سو سال ہونی لازمی تھی۔" (حاشیہ عشرہ ص۳۲)

الجواب (۱) مولوی مردان علی صاحبؓ کے اِس اظہار سے ان کے اخلاص اور ایثار کا ضرور پتہ لگتا ہے مگر کیا کسی کے اپنی عمر دینے سے دوسرے کو وہ عمر مل جاتی ہے؟ اے نادان معترض! سُن! اگر یہ طریق ممکن ہوتا تو سب مومن اپنی زندگیاں انبیاء کو دے دیتے اور وہ ابد الدہر زندہ رہتے۔ کیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول پاکؐ سے نہ کہا تھا فدیناک بآبائنا و امّھاتنا (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ) کہ ہم اپنے والدین کو آپ پر قربان کرتے ہیں۔" یہ مومنین کا اخلاص ہوتا ہے اس سے عمر کی زیادتی کا مطالبہ کرنا سراسر حماقت ہے۔

(۲) اگر معترض کا استدلال درست ہوتا تو حضرت مرزا صاحبؑ کسی ایک موقعہ

پر تو لکھتے کہ میری عمر میں یہ پانچ سال بھی زائد ہو گئے ہیں مگر حضرتؑ کا ایسا نہ لکھنا معترض کی بطالت کی صریح دلیل ہے۔

ایک اور کھلا جھوٹ

معترض نے لکھا ہے کہ مولوی مردان علی صاحب کی پیشکش کو "مرزا صاحب نے قبول کیا۔" (ازالہ)

یہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا کہ میں اس پانچ سالہ عمر کی قربانی کو قبول کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض دوستوں کا اسی بیان میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے "دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے۔" معلوم ہوتا ہے اس "قبول کیا ہے" کے لفظ سے معترض نے دھوکا کھایا ہے۔ کیا اسی پر تے پہ تتا پانی؟ مولوی مردان علی صاحبؓ کے متعلق تو حضورؑ نے اتنا ہی لکھا ہے:۔

"خدا تعالیٰ اس ایثار کی ان کو یہ جزا بخشے کہ ان کی عمر دراز کرے۔"

(ازالہ اوہام ص ۷۸۹)

اگر معترض یہ دکھا دے کہ مرزا صاحبؑ نے پانچ سالہ عمر کو قبول کیا تو اسے سو روپیہ مزید انعام دیا جائے گا ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا طوق زیب گلو ہو گا۔

امر سوم۔ معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب کو بمقابلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب الہام ہوا تھا۔ اور تیری عمر بڑھا دوں گا تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں۔ دیکھو اشتہار تبصرہ۔"

(حاشیہ ص ۳۷ عشرہ)

الجواب مفصل گفتگو تو ڈاکٹر عبدالحکیم والے واقعہ کے متعلق فصل دہم میں ہو گی اس جگہ مختصر جواب یہ ہے کہ آپ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ "میں تیری عمر کو بڑھا دوں گا" کا الہام بمقابلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب ہوا تھا۔"

چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے پیشگوئی کی تھی کہ حضرت مرزا صاحب چودہ مہینہ میں ہلاک ہو جائیں گے (نعوذ باللہ) تو خدا تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں الہام فرمایا کہ میں دشمن کو جھوٹا کرنے کی خاطر تیری عمر بڑھا دوں گا لیکن جب خود مرتد ڈاکٹر نے اس چودہ ماہ پیشگوئی کو منسوخ کر کے ۴ اگست ۱۹۰۸ء کا دن حضرتؑ کی وفات کے لئے مقرر کر دیا تو خدا تعالےٰ

نے اسے دوسرے رنگ سے جھوٹا کر دیا اور زیادتی عمر کی ضرورت ہی نہ رہی۔ کیونکہ فریق ثانی کی طرف سے وفات کا دن معیّن کر دیا گیا تھا۔ اور جب مقابلہ ہی نہ رہا تو مطالبہ کیسا۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔

امر چہارم۔ معترض پٹیالوی لکھتا ہے کہ جب مرزا صاحب نے لکھ دیا ہے کہ اپنی عمر کے متعلق "ہمارے پاس کوئی یادداشت نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں بچوں کی عمر کے لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا" تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ مرزا سلطان احمد کی روایت بابت پیدائش حضرت مسیح موعود ۱۸۳۶ء زیادہ درست ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس جو یادداشت ہے اس کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء میں ہوئی تھی" متضاد بیان ہے۔ (ملخصاً من حاشیہ عشرہ ص۲۷)

الجواب۔ اِن دونوں بیانات میں کوئی تناقض نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی پیدائش کے زمانہ کا حال لکھا ہے اور اپنی پیدائش کے متعلق یادداشت کا انکار فرمایا ہے اور مرزا سلطان احمد صاحب نے جس یادداشت یا بیان کا ذکر کیا ہے وہ ان کی اپنی پیدائش کے متعلق ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بالبداہت ثابت ہوتی ہے چنانچہ مرزا سلطان احمد صاحب کی موثق روایت حسب ذیل ہے:۔

> "ہندو پنڈت مجھے کہتا تھا کہ میری پیدائش سمت ۱۹۱۳ بکرمی کی ہے اور میں نے سنا ہے کہ والد صاحب کی عمر میری ولادت کے وقت کم و بیش اٹھارہ سال کی تھی۔" (سیرت المہدی ص۱۹۷)

اِس حساب سے حضرت اقدسؑ کی پیدائش ۱۸۳۶ء کے لگ بھگ ثابت ہوتی ہے وھو المراد۔

امر پنجم۔ معترض پٹیالوی حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ازالہ اوہام ص۱۸۶ سے ایک عبارت نقل کر کے لکھتا ہے:۔

> "غلام احمد قادیانی سے ۱۳۰۰ کا عدد نکال کر اور اپنا ۴۰ سال کی عمر میں مبعوث ہونا ظاہر کر کے مرزا صاحب نے اپنی عمر ۶۰ سال ۴ ماہ کا مزید ثبوت دیدیا۔" (عشرہ ص۳۵)

الجواب۔ بے شک "غلام احمد قادیانی" کے اعداد ۱۳۰۰ ہیں مگر کیا الہام یا کشف

میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے آپؑ مامور نہیں ہوئے یا خدا تعالیٰ نے آپؑ کو مشرفِ مکالمہ و مخاطبہ نہیں بخشا؟ ہرگز نہیں! اس قسم کی باتوں سے استدلال کر کے ۶۵ سال عمر ثابت کرنا یقیناً "الغریق یتشبث بالحشیش" یعنی "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا"، کا مصداق ہے۔ جب حضرتؑ نے اپنا سنِ بعثت صاف طور پر ۱۲۹۰ھ ہجری بتا دیا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) تو پھر اِدھر اُدھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں اس جگہ (ازالہ اوہام میں) جہاں ان اعداد کا ذکر ہے وہاں صاف لکھا ہے:۔

"اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو الآیات بعد المأتین ہے ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا الخ" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۵)

پس جب سیاقِ کلام تیرھویں صدی کے اواخر کے اثبات کے لئے ہو تو محض ۱۲۰۰ کے عدد سے عمر کا اندازہ کرنا کہاں تک درست ہے؟ اور اس ابجد کے ۱۳۰۰ کو محض سنِ ہجری سے مخصوص کرنا اور بھی عجیب ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اس ۱۳۰۰ سے مراد سنِ بعثتِ نبوی نہ لیا جائے۔ جو کہ سنِ ہجری سے قریباً دس سال پہلے ہے۔ اور اس لحاظ سے اس بیان کی سن ۱۲۹۰ھ ہجری کے ساتھ پوری مطابقت بھی ہو جاتی ہے۔ فتدبّر!

عمر کے متعلق تو مخالفین کی شہادتیں بھی نہایت صاف ہیں مگر افسوس ان پر جو لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا کے مصداق ہیں۔

امر ششم۔ منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا بیان "اس وقت تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں" غلط ہے۔ کیونکہ قاضی فضل احمد لدھیانوی کی کتاب کلمہ فضل رحمانی میں لکھا ہے کہ دو قادیان ضلع گورداسپور میں اور ایک ضلع لدھیانہ میں ہے اور ایک میں غلام احمد قریشی نام ایک شخص رہتا تھا۔ (ملخصاً حاشیہ صفحہ ۲۳ عشرہ)

الجواب۔ (۱) قاضی فضل احمد جس نے اپنی کتاب "کلمہ فضل رحمانی" میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف بافراط کذب بیانی کی ہے اس کو بطور گواہ پیش کرنا معترض پٹیالوی کے لئے ہی موزون ہے ؎

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

پنجابی میں ضرب المثل ہے "خواجہ دا گواہ ڈڈو"۔ ناظرین کرام! ہم معترض پٹیالوی سے کیا کہیں جو قاضی لدھیانوی کی تُھّے چاٹ کر شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہاں منصف مزاج پبلک کی آگاہی کے لئے لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۹ء میں قاضی مذکور اور اُس کی اِس کتاب کے متعلق مجسٹریٹ درجہ اوّل لدھیانہ نے حسب ذیل ریمارکس کیئے جن کو بعد اپیل بھی قائم رکھا گیا۔

"جو الزامات مستغیث (فضل احمد لدھیانوی) نے اپنی کتاب "کلمہ" میں مرزا غلام احمد قادیانی پر لگائے ہیں وہ جھوٹے اور توڑے مروڑے ہوئے ہیں۔"

"حقیقت امر یہ ہے کہ مستغیث (فضل احمد لدھیانوی) علوم دینی میں نیم تعلیمیافتہ آدمی ہے اور اس کا علم عربی بہت ہی نامکمل اور سطحی ہے جیسا کہ ڈیفنس کی پیش کردہ عبارت پر اس کے اعراب لگانے کی کوشش سے ظاہر ہوا ہے اس میں بے شمار غلطیاں ہیں۔ جیسا کہ ضرب المثل میں نیم حکیم کو خطرۂ جان کہا گیا ہے مستغیث (جو کہ نیم مُلّاں ہے) خطرۂ ایمان ہے۔" (فیصلہ مجسٹریٹ درجہ اوّل لدھیانہ مؤرخہ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء۔ منقول از رسالہ تردید کتاب کلمہ فضل رحمانی)

اب انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے کہ کیا ایسے شخص کی روایت اور ایسی کتاب کی سند پر اعتراض درست ہو سکتا ہے اور جبکہ وہ روایت بھی بلا ثبوت ہو؟

جواب (۲) بفرضِ محال اگر اس وضعی روایت کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کا صاف منشاء یہ ہے کہ "غلام احمد قادیانی" یعنی ایسا شخص جو قادیان کی نسبت کے ساتھ مشہور ہو کوئی نہیں۔ اگر تم دنیا کے کسی بھی کونے میں "غلام احمد قادیانی" کا نام لو گے تو اس سے مشخص طور پر صرف ایک ہی وجود باجود مراد ہوگا اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے۔ معترض پٹیالوی نے اپنے پیش کردہ نام کو "غلام احمد قریشی" لکھ کر ہمارے بیان کو اور بھی پختہ کر دیا۔

غرض اوّل تو بیان ہی پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ہے لیکن اگر اسے درست بھی مان لیا جاوے تب بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ دعویٰ میں قطعاً قادح نہیں۔

امر ہفتم معترض پٹیالوی لکھتا ہے :۔

"اگر ابجد کے حساب سے سند لی جانی درست ہے تو غلام قادیانی دجّال ہے اور آیت مندرجہ عنوان فصل ہذا کے فقرہ تنزل علیٰ کُلّ افّاکٍ اثیم کے بھی ۱۳۰۰ اعداد بجا ہوتے ہیں" (حاشیہ عشرہ صفحہ ۳)

الجواب۔ حساب ابجد سے سند لینا درست ہے، اولیاء اُمت سند لیتے رہے ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں :۔

"گویند شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی تاریخ ظہور او در لفظ چراغ دین یافتہ و بحساب جمل عدد وے یکہزار و دو صد و شصت مے شود۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴)

شاہ ولی اللہ ایسے بزرگ نے حسابِ جمل (حساب ابجد) سے کام لیا اور امام موعود کے لئے لفظ "چراغِ دین" کے اعداد میں پیشگوئی فرمائی۔ احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ پس یہ تو طے شدہ ہے کہ حساب ابجد سے سند لینا درست ہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا وجہ ہے کہ ہم معترض پٹیالوی کے مخترعہ بیان کو درخورِ التفات نہیں سمجھتے؟ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ ہر میدان کے شاہسوار ہوتے ہیں فلسفہ اور منطق سے استدلال درست ہے مگر ایک جاہل اگر قواعدِ منطقیہ کو استعمال کرنے کا دعویٰ کرے گا تو وہ شائستہ اعتناد نہ ہوگا اسے کہا جائے گا ؎

ایاز قدرِ خود بشناس

یہی حال تمام علوم و فنون کا ہے۔ حساب جمل تو درست ہے مگر اس کی اہلیت ہر کس و ناکس کو نہیں ہو سکتی۔ ہاں وہ لوگ جو تعلق باللہ رکھتے ہیں یہ اسرار و رموز ان پر کھولے جاتے ہیں۔ مقطعاتِ قرآنی کے معانی تو ضرور ہیں۔ مفسّرین کے ہاں الٓمٓ کے معنے اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ مانے جاتے ہیں لیکن آریہ پنڈت کہا کرتے ہیں کہ کیوں اس کو آدم سے بگڑا ہوا نہ مانا جائے۔ اس کا یہی جواب ہے کہ ان غوامض کو حل کرنے کے لئے قوّتِ قدسیہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حساب جمل کے صحیح استعمال کے لئے روحانیت اور تعلق الٰہی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان مُنہ کے بَل ٹھوکر کھاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ منکر پٹیالوی نے جو دو لفظ لکھے ہیں کیا ان میں ربط بھی ہے؟ پہلے لقب میں "غلام قادیانی" کا لفظ قابلِ غور ہے کیا غلام کسی کا نام ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ مرکّب اضافی ہے؟ پھر مرزا صاحب مراد کیسے

ہوئے؟ ہر دو صورتیں غلط ہیں۔ دوسرے حصے میں تنزل کا فاعل مذکور نہیں لہذا وہ بھی جملہ نا تمام ہے۔ غرض یہ دونوں الفاظ بے موقع ہیں اور ان سے اعداد نکالنا محض ایجادِ گندہ ہے وبس۔

حضرت مرزا صاحبؑ نے حساب جمل سے بعض استدلال فرمائے مگر کب؟ جب اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادت اللہ جاری ہے کہ وہ سبحانہ بعض اسرار اعداد حروفِ تہجی میں میرے پر ظاہر کر دیتا ہے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۶)

کیا تم میں کوئی ہے جو الہام ربانی اور تعلیم الٰہی کے دعویٰ پر حروف تہجی سے سند لے؟ جا اے حق کے دشمن! اپنے مرشد قاضی لدھیانوی سے دریافت کر کہ اس نے یہ ناپاک کلمات الہامی طور پر لکھے ہیں یا محض اختراع نفسی کا نتیجہ ہیں؟ تم لوگوں میں ایک لکھوکے والا الہام کا دعویٰ کر کے میدان میں آیا تھا مگر جانتے ہو اس کا کیا حشر ہوا؟ خدا کے جری نے سچ فرمایا ہے ؎

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بے شمار

اب ہم تمام ضمنی امور کے جواب سے فارغ ہو کر دوسرے اعتراض کا جواب لکھتے ہیں وباللہ التوفیق۔

چونکہ ہم نے بفضلِ ایزد تعالیٰ فیصلہ کیا ہے کہ عشرہ کاملہ کے مصنف کے غرور اور تعلّی کا سر کچلنے کے لئے ہر چھوٹے بڑے اعتراض کا جواب دیں گے اسلئے ذرا طول ہو گیا ہے آئندہ انشاء اللہ حتی الامکان اختصار مدنظر رہے گا۔

(۲) "زلزلۃ الساعۃ" پر اعتراض کا جواب

مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

"۴ر اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک بھاری زلزلہ پنجاب میں آیا اس سے تیسرے دن مرزا صاحب نے الہام مندرجہ عنوان (زلزلۃ الساعۃ) ہونا ظاہر کیا۔۔۔۔ الہام کے الفاظ اور مرزا صاحب کی تفہیم سے یہ قیامت خیز

زلزلہ مرزا صاحب کی زندگی میں آنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔۔۔۔"ضروری ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ہی ظہور میں آئے"۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ص۹۵) اس کتاب کے اور بھی کئی مقامات پر زلزلہ کا آنا ضروری بتایا ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کی حیات میں کوئی زلزلہ ایسا نہیں آیا لہذا یہ پیشگوئی اور الہام قطعاً غلط ثابت ہوئے"۔ (عشرہ ص۲۹-۳۰)

الجواب۔ آہ وہ دل کیا ہی سخت ہیں جنہوں نے ہزارہا نشانات کو دیکھا اور کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف ع۱۲) کہ میں نے ان کی خاطر آسمانوں میں نشانات ظاہر کئے اور زمین نے ان کے لیئے گواہی دی مگر وہ منحرف ہی رہے۔" ہاں ان کا شیوہ صرف یہ ہے وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل ع۱۴) کہ جب مشیّتِ ایزدی کے ماتحت کوئی نشان ان کی حسبِ منشاء پورا نہیں ہوتا تو وہ شور مچا دیتے ہیں کہ یہ مدعیٔ رسالت مفتری اور کاذب ہے۔ گویا ان نشانات سے بھی کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے جن کو وہ بھی پورا شدہ مانتے ہیں۔

بعینہٖ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکذبین کا ہے۔ ابھی دیکھئے کہ منکر پٹیالوی کو مسلّم ہے کہ :-

"۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک بھاری زلزلہ پنجاب میں آیا"

لیکن اس عظیم الشان نشان سے اس نے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا حالانکہ یہ زلزلہ بجائے خود ایک زبردست دلیلِ صداقت تھا۔ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"میں نے زلزلہ کی نسبت پیشگوئی کی تھی جو اخبار الحکم اور البدر میں چھپ گئی تھی کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے جو بعض حصّہ پنجاب میں ایک سخت تباہی کا موجب ہوگا اور پیشگوئی کی تمام عبارت یہ ہے۔ زلزلہ کا دھکّا۔ عفت الدیار محلّہا ومقامہا۔ چنانچہ وہ پیشگوئی ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو پوری ہوئی"۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۲۱)

افسوس کہ معترض نے اس کھلے نشان سے اعراض کیا اور ایک بے بنیاد اعتراض پیش

کردیا۔ اس کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ "قیامت خیز زلزلہ" مرزا صاحب کی زندگی میں آنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضورؑ نے ضمیمہ براہین احمدیہ ص۹۹ میں اسے اپنی زندگی میں ہی ضروری بتایا ہے۔ اس کے جواب میں

اوّل یاد رکھنا چاہیئے کہ "قیامت خیز زلزلہ" کے متعلق حضرت اقدسؑ نے اپنا الہام ذکر فرما کر بتا دیا ہے کہ وہ معرضِ تاخیر میں پڑ گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے دُعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے اس دُعا کا اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں خود ذکر فرمایا اور جواب بھی دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ ربّ اخّر وقت ھذا۔ اخّرہ اللّٰہ الیٰ وقتٍ مسمّیً۔ یعنی خدا نے دعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی دُور وقت پر ڈال دیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۱ حاشیہ)

گویا حضورؑ نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے الہام "اخّرہ اللّٰہ الیٰ وقتٍ مسمّیً" کے ذریعہ "زندگی" والی قید کو اُڑا دیا۔ یا بہ تبدیلِ الفاظ یُوں کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کی شرط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا لیکن الہامِ الٰہی نے وضاحت کر دی کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت تاخیر میں پڑ گیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر صریح الفاظ میں مذکور ہے کہ وہ "قیامت خیز زلزلہ" حضرتؑ کی زندگی میں نہ آئے گا۔ الہامی دُعا ہے رَبِّ لَا تُرِیَنِّیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ کہ اے خدا! مجھ کو قیامت خیز زلزلہ نہ دکھا۔ (ریویو آف ریلیجنز مارچ ۱۹۰۶ء)

پس جب الہام کے الفاظ میں زندگی کی قید نہیں تھی بلکہ اس کی تردید تھی تو پھر معترض کا یہ کہنا کہ "چونکہ مرزا صاحب کی حیات میں کوئی زلزلہ ایسا نہیں آیا الخ" خود بخود باطل ہو گیا۔

دوم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف زلازل اور نشانات کی پیشگوئیاں فرمائی ہیں جو سب اپنے اپنے وقت پر پُوری ہوئیں۔ حضورؑ اپنے الہام "چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وحی الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ زلزلے آئیں گے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۹۳)

اوران زلزلوں میں سے ایک زلزلہ کے متعلق حسب ذیل الہام ہوئے :۔

(۱) " تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ - ترجمہ :۔ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔ یعنی ایک زلزلہ آیا، اس کے بعد ایک اور آنے والا ہے ۔"

(۲) " پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی ۔" (ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳)

یعنی ایک زلزلہ موسم بہار میں آئے گا۔ اپنی حقیقت کے لحاظ سے تو ہر زلزلہ " زلزلۃ الساعۃ " ہی ہے کیونکہ وہ اپنے اندر ایک نمونہ قیامت کا رکھتا ہے۔ بنا بریں حضرتؑ کے الہام میں بعض دوسرے زلزلوں کو بھی زلزلۃ الساعۃ کہا گیا ہے مگر خصوصیت سے آخری زلزلہ ہیبت ناک اور پُرخطر ہونے والا تھا۔ اس لیئے اس کے متعلق خاص زور دیا گیا ہے۔ اور درحقیقت جس زلزلہ کو حضرت اقدسؑ نے ضمیمہ براہین ص ۹۲ میں اپنی زندگی کے ساتھ مشروط فرمایا ہے وہ وہی زلزلہ ہے جس کے لیئے موسم بہار کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضور ص ۹۲ کے فقرہ " ضرور ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ظہور میں آجائے " پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" خدا تعالیٰ کا الہام ایک یہ بھی ہے پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ موعودہ کے وقت بہار کے دن ہوں گے۔ اور جیسا کہ بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا ۔" (حاشیہ ص ۹۲ ضمیمہ براہین حصہ پنجم)

مختصر یوں کہ موسم بہار والا زلزلہ حضورؑ کی زندگی میں آنا ضروری تھا نہ کہ " زلزلہ قیامت " اور وہ آگیا۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

" میں نے پھر ایک پیشگوئی کی تھی کہ اس زلزلہ (۴ راپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ) کے بعد بہار کے دنوں میں پھر ایک اور زلزلہ آئے گا۔ اس الہامی پیشگوئی کی ایک عبارت یہ تھی۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چنانچہ ۲۸ ر فروری ۱۹۰۶ء کو وہ زلزلہ آیا اور کوہستانی جگہوں میں بہت سا نقصان جانوں اور مالوں کے تلف ہونے سے ہوا ۔" (حقیقۃ الوحی ص ۲۲۱)

نہایت واضح بات ہے کہ جس زلزلہ کو حضورؑ نے اپنی زندگی میں ضروری بتایا تھا وہ درحقیقت موسم بہار والا زلزلہ تھا جو حضورؑ کی زندگی میں آ گیا۔ فاندفع الاشکال بحذافیرہٖ۔

نبی اجتہادی غلطی کر سکتا ہے

ہم نے پیشگوئیوں کے متعلق چند ضروری اصول فصل دہم کے آغاز میں ذکر کئے ہیں۔ اِس جگہ صرف اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض دفعہ پیشگوئی کے وقت یا مقام کی تعیین میں (جبکہ تعیین الہام کے الفاظ میں موجود نہ ہو) غلطی ممکن ہے۔ انبیاءؑ کے سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بناء پر قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کو لیکر حج بیت اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے مگر واقعات نے بتایا کہ وقت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ وہ رؤیا اُس سال کے لئے نہ تھی (مفصّل دیکھو صحیح البخاری باب صلح الحدیبیة)

ایسا ہی ایک حدیث میں آیا ہے رسول مقبولؐ نے فرمایا:۔

رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ (بخاری باب ہجرة النبی واصحابہ الی المدینة)

کہ مَیں نے رؤیا میں اپنی ہجرت گاہ کھجوروں والی زمین دیکھی۔ میرا خیال تھا کہ میں یمامہ یا ہجر شہر کی طرف ہجرت کروں گا مگر وہ ہجرت گاہ مدینہ ثابت ہوئی۔"

ناظرین کرام! ہر دو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جن کا انکار ناممکن ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ وقت اور مقام کی تعیین میں خطا واقع ہوئی مگر اس غلطی کا الہام ذمہ وار نہیں بلکہ یہ محض اجتہادی غلطی ہے جسے "اہلسنت والجماعت" بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

إِنَّ النَّبِيَّ صلعم قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَأً كَمَا ذَكَرَهُ الْأُصُولِيُّونَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ فِيمَا لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ وَهُمْ يُرَاجِعُونَهُ فِي ذَالِكَ ...... وَفِي الْحَدِيثِ مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي فَإِنَّمَا أَنَا

بَشَرٌ یُخطِئ وَ یُصِیبُ ذَکَرَہُ القَاضِیْ عِیَاضٌ (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صفحہ ۳۹۲)

کہ نبی کریم جب اجتہاد کرتے تھے تو وہ کبھی خطا بھی ہوتا تھا جیسا کہ اصولیوں نے ذکر کیا حضور ان امور میں صحابہ سے مشورہ فرماتے جن میں وحی نازل نہ ہوتی۔ حدیث میں حضور نے خود فرمایا ہے کہ اے لوگو! جو وحی میں خدا کی طرف سے بتاؤں وہ بلا ریب درست ہو گی۔ ہاں جو میں وحی کے متعلق اجتہاد کروں تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ میں بشر ہوں غلطی بھی کرتا ہوں اور درست اجتہاد بھی کرتا ہوں۔"

اس حقیقت کے پیش نظر اگر ہمارے مخالفین کو کسی جگہ یہ خیال گزرے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے "قیامت خیز زلزلہ" (سب سے آخری اور بڑے زلزلہ) کے وقوع کو اپنی زندگی سے ہی مقید فرمایا ہے تو الہامات کی روشنی میں وہ حضور کا اپنا اجتہاد قرار پائیگا وبس۔

زلزلۃ الساعۃ کب آیا؟ اور اس کی حقیقت

ہم بتا چکے ہیں کہ "زلزلۃ الساعۃ" کیلئے زندگی کی قید الہامی عبارت سے ثابت نہیں اور حضرت نے جس زلزلہ کے لئے زندگی کی قید لگائی تھی وہ موسم بہار کا زلزلہ تھا جو ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کو واقع ہو گیا۔ اس کے متعلق ہم خود حضرت مسیح موعودؑ کے حوالجات پیش کر چکے ہیں۔ اگرچہ مندرجہ بالا بیان سے عشرہ کاملہ کا اعتراض غلط ثابت ہو گیا ہے لیکن تاہم "زلزلۃ الساعۃ" والی پیشگوئی پر مختصر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

زلزلہ کے معنی

یاد رہے کہ عربی زبان میں لفظ "زلزلہ" کے معنی خوفناک طور پر حرکت کے ہیں۔ علامہ محمد طاہر لکھتے ہیں:-

"الزلزلۃ لغۃً الحرکۃ العظیمۃ والازعاج الشدید۔"

(مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۶۵)

کہ از روئے لغت اصل میں زلزلہ حرکت عظیمہ کو کہتے ہیں۔ اور پھر اس کے ماتحت زلزلہ کے معنی ہر لغت میں دو بیان کئے گئے ہیں۔ اوّل زمین کا ہلنا دوم خطرناک اور لرزا دینے والی مصیبت۔ المنجد میں "الزلزلۃ" کے ماتحت لکھا ہے:-

ارتجاف الارض واھتزازھا (زمین کا ہلنا)۔ الشدۃ الشدید والاھوال

(مصائب و آفات)

قرآن مجید نے جنگِ احزاب کو زلزلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ مومنوں کے متعلق فرمایا۔
"هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا" (احزاب ع ۲) کہ اس وقت ان پر خوفناک زلزلہ آیا تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:۔
"معنی زلزلوا حرکوا بالخوف تحریکاً شدیداً بلیغاً" (فتح البیان جلد ۷ ص۲۵)
یعنی صحابہؓ پر زلزلہ آنے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کو سخت خوف کے ساتھ آزمایا گیا گویا ان کو ہلا دیا گیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک زلزلہ کے معنی

(الف) حضورؑ عام اصول کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں میں جیسا کہ میرا مذہب ہے بار بار یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ پیشگوئیوں میں قطعی طور پر یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ ضرور ان کا ایک ہی خاص پہلو پر ظہور ہوگا۔ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ علیم و حکیم کوئی دوسرا پہلو اُن کے ظہور کے لئے اختیار کرے جس میں وہی عظمت اور قوت اور ہولناک صورت پائی جائے۔ جس پر پیشگوئی دلالت کرتی ہو۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰۶)

(ب) زلزلہ سے زمین کا ہلنا مراد لیکر تحریر فرماتے ہیں:۔
"یہ تو ہمارا اجتہاد ہے اور بعد اس کے خدا تعالیٰ کے اسرارِ مخفی کو خدا تم خوب جانتا ہے اور ممکن ہے کہ آگے چل کر وہ اس سے زیادہ ہم پر کھول دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (ضمیمہ براہین ص۹۹)

(ج) "اغلب طور پر زلزلہ کے لفظ سے مراد زلزلہ ہی ہے مگر ممکن ہے کہ قدیم سنت اللہ کے موافق ان الفاظ سے کوئی اور ایسی شدید اور خارق عادت اور سخت تباہی ڈالنے والی آفت مراد ہو جو زلزلہ کا رنگ اور خاصیت اپنے اندر رکھتی ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں استعارات بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔" (ضمیمہ براہین ص۹۶)

(د) "ظنِ غالب کے طور پر زلزلہ سے مراد ہماری پیشگوئیوں میں زلزلہ ہی ہے اور اگر وہ نہ ہو تو ایسی خارق عادت آفت مراد ہے جو زلزلہ سے شدید

مناسبت رکھتی ہو اور پُورے طور پر زلزلہ کا رنگ اُس کے اندر موجود ہو"
(صفحہ مذکور)

نوٹ۔ قرآن مجید نے جنگ کو "شدید مناسبت" کی وجہ سے ہی زلزلہ قرار دیا ہے بلکہ ایک جگہ جنگ کا آخری نتیجہ اِن الفاظ میں مذکور ہے :۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (النمل ع)

گویا وہ معنوی زلزلہ ہوتا ہے۔

(ن) پھر حضورؑ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے جس کی نظیر کبھی اِس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔ اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے" (براہین حصہ پنجم ص۱۲۰ حاشیہ)

اِن حوالجات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اِس پیشگوئی میں زلزلہ سے مراد زلزلہ ہی نہیں بلکہ کوئی اور خوفناک اور شدید آفت مراد ہے۔ واقعات نے بتا دیا کہ وہ عظیم الشان زلزلہ اور قیامت خیز زلزلہ[1] ہفت سالہ جنگ یورپ تھی جو ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی اور سات سال تک لاکھوں نفوس کو کھاتی رہی۔ شہر ویران ہوگئے۔ آبادیاں کھنڈرات بن گئیں۔ بے شمار انسان بے خانماں اور بے وطن ہوگئے۔ لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوگئے۔ غرض ایک ہیبت ناک اور پُر رعب واقعہ ہے جو دُنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ ہاں اِس واقعہ کی شان بہت ہی بلند ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسی جنگ کے نتیجہ میں روس کی عظیم الشان طاقت پارہ پارہ ہوگئی اور زارِ روس نہایت ہی ابتر اور زار حالت میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیٹیوں کے ساتھ اس کے سامنے نہایت شرمناک افعال کا ارتکاب کیا گیا اور نہایت ہی اذیت کے ساتھ اس خاندان کا خاتمہ ہُوا۔

اہلِ دُنیا نے جب پہلی مرتبہ اِس لرزا دینے والی اور کپکپا دینے والی داستان کو

---

[1] انگریزی اور اُردو اخبارات بالاتفاق اعلان کر چکے ہیں کہ تاریخِ دنیا میں یہ جنگ اپنی نظیر آپ ہے تمام مدبّر اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ مؤلف

پڑھا اور انہیں بتایا گیا کہ قادیان کی چھوٹی سی بستی کے ایک کس مپرس انسان نے (خدا کے اس پر ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں) کئی سال قبل فرمایا تھا ؎

زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

تب وہ وقت آگیا کہ ہزاروں اندھے سوجاکھے ہو گئے، ہزاروں بہروں نے سُننا شروع کیا بے شمار گونگے قوتِ گویائی سے بہرہ ور ہو گئے اور ہزاروں مُردوں کو ابدی زندگی بخشی گئی۔ فطوبیٰ لمن اٰمن و ویلٌ لمن کفر۔

بالآخر ہم حضرت اقدسؑ کے وہ اشعار درج کرتے ہیں جن میں آپ نے نہایت زبردست طور پر جنگِ یورپ کا نقشہ کھینچا ہے۔

حضورؑ نے فرمایا ؎

اِک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئے گا قہرِ خدا سے خلق پر اِک انقلاب
اِک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے اِزار
یک بیک اِک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اِک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن
صبح کر دے گی اُنہیں مثلِ درختانِ چنار
ہوش اُڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی
راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بیخود راہ وار
خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سُرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہ ناشناس
اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دار و مدار
وحیِ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار
یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

لطیفہ حضرت اقدسؑ نے زلازل کی پیہم خبروں کے باعث اپریل ۱۹۰۵ء میں گورنمنٹ کو خط لکھا کہ :-

" وہ کوئی ایسی تجویز کرے جس سے گورنمنٹ کے حکام جنوری ۱۹۰۶ء تک پہاڑوں سے اجتناب کریں "

اس پر معترض پٹیالوی تمسخر کرتا ہے کہ رعایا کا فکر نہیں نیز یہ بھی پتہ نہیں کہ نومبر، دسمبر، جنوری سخت سردی کے مہینے ہیں اور گورنمنٹ کے دفاتر ان دنوں میں پہاڑ پر نہیں رہتے۔ (صفحہ ۷۰)

سچ ہے ؎ اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی

نادان! اگر رعایا کا فکر نہ ہوتا تو اس کی بکثرت اشاعت کیوں کی جاتی؟ کیا تُو نے خود اپنے قلم سے اسی ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۰۵ء کے حوالہ سے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ "خدا کے حکم سے یہ پیشگوئی کروڑوں انسانوں میں شائع کی جا چکی ہے "

کسی نے خوب کہا ہے ؎ دروغگورا حافظہ نباشد

سردی میں دفاتر نہ رہنے کی بھی ایک ہی کہی۔ بے شک عارضی دفاتر اپنے مقام

پر آجاتے ہیں مگر کیا مستقل دفاتر بھی سخت سردی سے ڈر کر میدانوں میں آجاتے ہیں؟ کیا اس واقفیت پر اس قدر شیخی! نیز یہ بھی تو یاد رہے کہ جنوری ۱۹۰۶ء تک تو انتہائے غایت ہے جس کا آغاز اپریل ۱۹۰۵ء سے ہے سارا عرصہ مراد ہے جس میں سارا موسم گرما شامل ہے فلا اعتراض۔

(۳) دشمن کی ہلاکت

تیسرے نمبر پر معترض نے الہام "میرا دشمن ہلاک ہوگیا" (الہام ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء) پیش کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ:۔

"یہ بھی بالکل غلط نکلا کیونکہ ان ایام میں مرزا جی کے بڑے دشمن ڈاکٹر عبدالحکیم خان اور مولوی ثناء اللہ صاحبان تھے۔" (عشرہ ص۵۷)

گویا ان دو میں سے کسی ایک کے نہ مرنے کے باعث الہام غلط قرار پایا۔ ع

برایں عقل و دانش بباید گریست

کیا مرزا صاحبؑ کے صرف یہی دشمن تھے؟

اسے دشمن صداقت دیکھ اور پڑھ۔ حضرت فرماتے ہیں:۔

"یہ عظیم الشان پیشگوئی تھی جس میں پیش از وقت بتلایا گیا تھا کہ بابو الٰہی بخش صاحب طاعون سے فوت ہوں گے" (تفصیل کے لئے دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۵)

مندرجہ بالا الہام ۲۸ مارچ کو ہوتا ہے جس میں بطور پیشگوئی بتلایا گیا تھا کہ عنقریب وہ دشمن ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں عادت اللہ اسی طرح ہے کہ ہونے والی بات کو ماضی کے صیغہ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا (احزاب ع۳) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (بقرہ ع۷)

کس قدر چمکتا ہوا نشان ہے کہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء کو الہام ہوتا ہے اور ۷ اپریل ۱۹۰۷ء کو الٰہی بخش جو اپنے آپ کو موسیٰ قرار دیتا تھا طاعون سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۲) انّ فی ذالک لعبرة لاولی الابصار۔

ریاست کابل میں پچاسی ہزار آدمیوں کی موت

(۴) "ریاست کابل میں

پچاسی ہزار آدمی مریں گے"

اس الہام کو نقل کر کے معترض لکھتا ہے :-

"عجیب گول مول الہام ہے جو اب تک تو غلط ثابت ہوا ہے"

(عشرہ ص۱۴۱)

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا:-

"ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مریں گے" (البشریٰ جلد ۲ ص۱۲۶)

"اب تک غلط" کا مطلب یہ ہے کہ معترض پٹیالوی اس ہلاکت خیز واقعہ کے لئے جلدی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ

(عنکبوت ع۶)

ترجمہ۔ اے رسول! کفار تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں اور اگر مقررہ وقت نہ ہوتا تو کبھی کا عذاب آگیا ہوتا۔ وہ ان کے پاس اچانک آئے گا اور یہ اس کا اندازہ نہیں کر سکیں گے۔

اس آیت میں جس "جلد بازی" کو کفار سے منسوب کیا گیا ہے بجنبہٖ وہی معترض پٹیالوی میں نظر آرہی ہے۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔ بندۂ خدا! کیا اس کے لئے کوئی ایک دو سال کی میعاد مقرر تھی جو تُو اس الہام کو "غلط" اور "محض جھوٹ" لکھ رہا ہے۔ اگر یہ طریق درست ہے تو کیا ایک عیسائی اور آریہ آپ کے عقیدہ کے مطابق کہہ سکتا ہے کہ قیامت کے متعلق قرآن مجید کی پیشگوئی اور الہام "ابھی تک تو غلط ثابت ہوا ہے"؟ یا کم از کم اگر وہ یہ کہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسیح موعود" کی آمد کا الہام سنایا اور وہ "اب تک غلط ثابت ہوا"۔ کیونکہ غیر احمدیوں کے نزدیک کوئی مسیح موعود نہیں آیا، تو آپ اسے حق بجانب مانیں گے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ ہر پیشگوئی کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کے ظہور سے قبل دشمن اسے "گول مول" ہی کہا کرتا ہے۔ کیا وعدہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کو ظہور سے پہلے "گول مول" نہ سمجھا گیا؟ پھر کیا فتح مکہ کی پیشگوئی کے لئے بار بار تعیین وقت کا مطالبہ نہ ہوا؟ مگر ہمیشہ معین وقت علم الٰہی کی طرف منسوب کیا گیا۔ نادانوں کی جلد بازی سے نہ پہلے مومن گھبرائے تھے اور نہ اب کسی قسم کا خدشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ پس یہ اعتراض سراسر

باطل ہے۔

غیرتِ خداوندی

ناظرین! معترض نے جنوری ۱۹۲۴ء میں عشرہ کاملہ کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا جو اس وقت ہمارے زیرِ نظر ہے۔ اور ۱۹۲۸ء میں سرزمینِ کابل پر خونفاک تباہی آئی جس سے "قریب پچاسی ہزار کے آدمی مرگئے۔" ہماری مراد وہ محشر خیز ہنگامہ ہے جو امان اللہ خان اور بچہ سقہ کی چپقلش سے برپا ہوا۔ جس میں ہزاروں آدمی کھیت رہے۔ بالآخر نادرخان سریرِ مملکت پر قابض ہوا۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؓ کا قاتل ظالم امیر اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا تھا! اور اب امان اللہ جس کے زمانہ میں ہمارے دو بھائی نہایت بے رحمی سے شہید کئے گئے نہایت ذلت سے ملک بدر ہوا۔ یہی وہ عذاب ہے جس کو قرآن مجید نے یُذِیْقُ بَعْضَکُمْ بَأْسَ بَعْضٍ سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیا منصف مزاج ناظرین اس عظیم الشان نشان سے فائدہ اٹھائیں گے؟

مولوی ثناء اللہ صاحب کی قادیان میں آمد کا جواب

(۵) مولوی ثناء اللہ امرتسری کے قادیان آنے کی بابت معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"رسالہ اعجاز احمدی ص۳۷ میں لکھا ہے کہ "وہ ہرگز قادیان نہیں آئیں گے" مگر مولوی صاحب نے ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچ کر یہ پیشگوئی غلط ثابت کر دی۔" (عشرہ ص۱۲)

اس اعتراض کے جواب کے لئے میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ درج کرتا ہوں تا معترض پٹیالوی کی خیانت بھی ظاہر ہو جائے۔ حضورؑ لکھتے ہیں:۔

"واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے۔ (۱) قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشگوئیوں کی اپنی قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔ (۲) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔ (۳) اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی۔" (اعجاز احمدی ص۳۷ نیز مولوی ثناء اللہ کا رسالہ الہامات ص۱۱۵)

فی الحال نمبر ۲ و ۳ پر معترض نے گفتگو نہیں کی اور نہ ہو بھی کچھ نہیں سکتی کیونکہ دعوت مباہلہ کے مقابلہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے صاف انکار کر دیا تھا (دیکھو فصل دہم) اور اعجاز احمدی کی مثل لانے سے وہ بالکل عاجز رہ گئے تھے۔ فوضح الحق وبطل ما کانوا یعملون۔ یہاں معترض نے نمبر اوّل کے متعلق لکھا ہے کہ مولوی ثناء اللہ ۱۰ ر جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان چلے گئے۔ اس نشان کے دو حصے ہیں۔ (الف) تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس نہیں آئیں گے۔ (ب) اپنی قلم سے سچی پیشگوئیوں کی تصدیق کرنا اُن کے لیے موت ہو گی۔

حصہ (ب) کے متعلق بھی معترض خاموش ہے۔ باقی حصہ (الف) میں بھی حضرتؑ نے لکھا ہے کہ "میرے پاس نہیں آئیں گے"۔ کیا مولوی ثناء اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گئے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو قادیان کے آدمیوں کے پاس گئے، اُن کے پاس ہی ٹھہرے حضرت اقدسؑ سے ملے تک نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں آئینۂ حق نما صفحہ ۲۹۲ تا ۳۰۲)

علاوہ ازیں یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ بالا پیشگوئی (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷) کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ مولوی ثناء اللہ کا محض قادیان آنا ناممکن ہے جیسا کہ ہر سمجھدار انسان پر ظاہر ہے بلکہ اصل حصہ پیشگوئی شق الف میں بھی پیشگوئیوں کی پڑتال ہے اور مولوی ثناء اللہ نے اس طرف ذرہ بھی توجہ نہیں کی یعنی وہ طریق اختیار نہ کیا جو تحقیق حق کا طریق ہوتا ہے اور وہ کب اس طریق کو اختیار کر سکتے تھے جبکہ انکا خیال ہی یہ تھا کہ:۔

"میرے وہاں پہنچتے ہی آپ کی پیشگوئی مندرجہ صفحہ ۳۷ اعجاز احمدی غلط ہو گئی تھی"۔[1] (رسالہ الہامات مرزا صفحہ ۱۱۵ حاشیہ)

اسی کی تقلید میں معترض پٹیالوی نے لکھ دیا کہ ان کا قادیان جانا ہی پیشگوئی کو باطل کرتا ہے۔ ناظرین! پیشگوئی کے اصل الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ کس قدر عیاری ہے کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کے متعلق مشہور قصہ کی طرح آدھی

---

[1] ٹھیک اسی طرح چند نادان اور بے علم آدمیوں نے قرآن پاک کے بالمقابل چند غلط سلط عربی فقرات لکھ کر کہدیا کہ قرآن مجید کی بے نظیری کی تحدّی باطل ہو گئی۔ ارے مولانا! ذرا عقل کے ناخن لیجئے۔ (مؤلف)

عبارت کو حذف کردیا جاتا ہے۔ کیا یہی خشیت خدا کا تقاضا ہے؟ ؎

بحث کرنا تم سے کیا حاصل اگر تم میں نہیں
روح انصاف و خدا ترسی کہ ہے دیں کا مدار

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھا :۔

"اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اگرچہ مَیں کئی سال ہوگئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کرچکا ہوں کہ مَیں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر مَیں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دُور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ کردیا ہے کہ مَیں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں۔ چونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور مَیں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کرچکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دُور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اوّل یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے۔ الخ" (الہامات مرزا مصنفہ مولوی ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۱۱)

نہایت واضح بیان ہے مگر چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے زعم میں قادیان پہنچ جانا ہی کافی تھا اور اس کے خیال میں پیشگوئی کو جاہلوں کی نظر میں باطل بتلانے کے لئے یہی کافی تھا اس لئے نیز اپنی بزدلی و کمزوری کے باعث اس نے ہر طرح سے اس پیالہ کو ٹالا اور کسی طرح بھی پیشگوئیوں کی "پڑتال" کے لئے رضامند نہ ہوا اور خدا کا کلام کہ وہ پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان نہ آسکے گا پوری آب و تاب سے پورا ہوا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو یہاں تک لکھا کہ :۔

"اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ

جاویں۔" (الہامات مرزا صفحہ ۱۱)

مگر شیرِ قالین شیر نیستاں کے مقابلہ میں کہاں آسکتا تھا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

مکہ یا مدینہ میں مرنے کے الہام پر اعتراض کا جواب

(۹) "ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔"

معترض اِس الہام کو بحوالہ میگزین ۱۴ر جنوری ۱۹۰۶ء درج کر کے لکھتا ہے:

"یہ الہام بھی سراسر غلط ثابت ہوا۔ مرزا صاحب کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی ہوا بھی نصیب نہ ہوئی۔" (عشرہ صفحہ ۱۴)

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس الہام کی تشریح اسی جگہ حسبِ ذیل فرمائی ہے کہ اس کے

"ایک معنی یہ ہیں کہ ہمیں قبل از موت مکی فتح نصیب ہو گی جو دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جاویں گے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ ہم کو قبل از موت مدنی فتح نصیب ہو گی کہ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جاویں گے۔"

(میگزین بابت جنوری ۱۹۰۶ء الہام ۱۴ر جنوری ۱۹۰۶ء)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو وفات سے قبل اِس قدر قبولیت عطا فرمائی جو دنیا میں بے نظیر قبولیت تھی۔ ہر رنگ کی مخالفت کے باوجود یہ قبولیت بجز انبیاء کے ناممکن ہے۔ نعم ما قال ؎

مَیں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر	کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی	میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا	اِک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

(نصرت الحق صفحہ ۱۱)

ناظرین! جب حضرت اقدسؑ نے مندرجہ بالا الہام کی خود تشریح فرمائی اور اُسی جگہ فرمائی جہاں سے معترض نے الہام نقل کیا ہے۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر اعتراض کرنا کیا انصاف کا خون کرنا نہیں؟ افسوس معترض خود خیانت کی راہ سے تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ

کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور پھر اس کو الہام کا غلط ہونا بتلاتا ہے العجب ثم العجب۔

(۷) "تردّ علیک انوار الشباب" وغیرہ الہامات

تردّ علیک انوار الشباب کا جواب

اس الہام کو معترض نے درج کر کے لکھا ہے:۔

"اس الہام سے ٹھیک دو سال بعد چل بسے اور کوئی دینی خدمت ان سے ظاہر نہ ہوئی۔" (عشرہ صہ ۴۲)

اس الہام کا مقصد کیا تھا؟ دُور جانے کی ضرورت نہیں منشی محمد یعقوب صاحب نے خود حضرت مسیح موعودؑ کی فرمودہ تشریح درج کر دی ہے جس میں لکھا ہے کہ:۔

"مَیں نے اپنی اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے دعا کی تھی جس پر یہ الہام ہُوا اِس کے معنے خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ صرف اِس قدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں صحت عطا فرمائے گا اور مجھے وہ قوتیں عطا کریگا جن سے مَیں خدمتِ دین کر سکوں۔" (عشرہ صہ ۴۲)

گویا معترض کی اپنی کتاب میں جو حوالہ درج ہے اس سے ثابت ہے کہ ان الہامات کے معنی صحتیاب ہونے کے ہیں اور صحت حضرت امّ المؤمنین اور حضور اقدسؑ کو حاصل ہو گئی۔ آپؑ اس کے بعد بقول معترض پٹیالوی دو برس زندہ رہے اور یہ حقیقت ہے کہ اِس عرصہ میں آپؑ نے متعدد ضخیم کتب چشمۂ معرفت، حقیقۃ الوحی اور رسالہ پیغام صلح وغیرہ تالیف فرمائیں۔ بے چشم بد بیں کو "خدمتِ اسلام" نظر نہ آوے تو ع

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

حضرت امّ المؤمنین بفضلہٖ تعالیٰ آج تک زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دیر تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین[1]

غرض اِس اعتراض کا جواب معترض کی کتاب میں ہی موجود ہے۔ مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۸) "خواتینِ مبارکہ اور اولاد"

خواتینِ مبارکہ والے اعتراض کا جواب

---

[1] طبع دوم کے وقت آپؓ وفات پا چکی ہیں۔ تاریخ وفات ۲۰ر اپریل ۱۹۵۲ء ہے۔ رضی اللہ عنہا۔

معترض پٹیالوی لکھتا ہے :-

"اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

اس الہام کے بعد نہ کوئی نکاح ہوا نہ خواتین مبارکہ یا نامبارکہ حاصل ہوئیں اور نہ اولاد ہوئی۔ محمدی بیگم والا نکاح شاید اس الہام کو صحیح کر دیتا مگر اللہ نے نہ چاہا کہ جھوٹے کو سچا کر دکھائے۔" (عشرہ صفحہ ۳۲)

اگر اشتہار کو ذرا غور سے پڑھا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ الہام کے الفاظ نہیں بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ کے اپنے الفاظ ہیں جن میں حضورؑ اللہ تعالیٰ کے الہام کے مفہوم اور نتیجہ کو ذکر فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الہامات کے ذیل میں یہ مذکور نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے وعدہ فرمایا کہ **تیری نسل بہت ہوگی**۔ چنانچہ خدا کے فضل سے وہ بابرگ و بار ہیں۔ معترض کا یہ فقرہ "اور نہ اولاد ہوئی" صریح جھوٹ اور کھلا افتراء ہے کیونکہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے بعد بشیر اوّل ۷ر اگست ۱۸۸۷ء کو، حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ) ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے اور صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب اور صاحبزادہ میرزا مبارک احمد صاحب آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ نیز دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ ناظرین کرام! جو شخص اس قدر کھلا کھلا افتراء کر سکتا ہے کیا اس سے کچھ بعید ہے کہ وہ الفاظِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام سے تعبیر کرے۔ معترض نے جو لکھا ہے کہ اس الہام کے بعد کوئی نکاح نہ ہوا۔ یہ درست ہے اس اشتہار میں حضرت اقدسؑ نے محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی درج کی ہے اور فقرہ "بعض کو اس کے بعد پائے گا" میں محمدی بیگم کی طرف ہی اشارہ ہے لیکن جیسا کہ ہم محمدی بیگم والی پیشگوئی کے ماتحت مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ (دیکھو فصل دہم) یہ نکاح بعض شرائط کے ساتھ وابستہ تھا اگرچہ اس شرط کا حضرتؑ کے اس فقرہ میں ذکر نہیں مگر آپؑ نے خود تحریر فرما دیا ہے مَا كَانَ اِلْهَامٌ فِیْ هٰذِهِ الْمُقَدَّمَةِ اِلَّا كَانَ مَعَهٗ شَرْطٌ كَمَا قَرَءْتُ عَلَيْكَ فِی التَّذْكِرَةِ السَّابِقَةِ (انجام آتھم صفحہ ۲۲۳) کہ اس پیشگوئی کے ہر حصے میں شرط ہے۔ پس حضرت امّ المومنین صاحبہؓ (سیدہ نصرت جہان بیگم) کے بعد محمدی بیگم کا آپؑ کے نکاح میں آنا داماد احمد بیگ کی ہلاکت کے ساتھ

مشروط تھا لیکن جب ان لوگوں نے رجوع اور خوف سے عاجزانہ خطوط لکھے تو انکی موت کو مؤخر کر دیا گیا اور نکاح بوجہ نہ متحقق ہونے شرطِ ہلاکت کے واقع نہ ہوا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمایا ہے:-

"توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبلک آگیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جائیں گی اور احمد بیگ کی موت سے جو خوف اُن پر چھا گیا اُس نے پیشگوئی کے ایک حصّہ کو ٹال دیا ہے۔"
(بدر ۲؍۱۹۰۸ء صہ)

غرض جن بعض خواتین کا وعدہ تھا وہ مشروط تھا۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ فلا اشکال۔

دوسری تشریح:- پہلی تشریح کو مانتے ہوئے واقعات کی روشنی میں خواتینِ مبارکہ کے آنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادوں کی بیویاں مراد ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ بشارت دی کہ میں تجھے صالح اور پاکیزہ اولاد دوں گا ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ان لڑکوں کی بیویاں بھی الطیّبٰتُ لِلطّیّبِیْنَ کے ماتحت خواتینِ مبارکہ ہوں گی اور خدا تعالیٰ اس نسل کو دُور تک پھیلائیگا۔ وقد ظهر صدق هذا النبأ۔

الہام "نو دن کا بخار ٹوٹ گیا" پر اعتراض کا جواب

(۹) "نو دن کا بخار ٹوٹ گیا"

معترض پٹیالوی لکھتا ہے:-

"ڈائری ۲۷ راگست ۱۹۰۷ء صاحبزادہ مبارک احمد صاحب سخت تپ سے بیمار ہیں اور بعض دفعہ بیہوشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اُن کی نسبت آج الہام ہوا "قبول ہوگئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا" یعنی دعا قبول ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ میاں موصوف کو شفا دیوے۔" (میگزین ستمبر ۱۹۰۷ء) یہ لڑکا ۱۶ ستمبر کو صبح کے وقت فوت ہو گیا اسلئے صحت کا الہام غلط ہوا۔" (عشرہ صہ ۴۲)

الجواب:- الہام کے الفاظ میں نو دن کے بخار ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ مورخہ ۳ راگست ۱۹۰۷ء کو بخار بالکل ٹوٹ گیا اور صاحبزادہ موصوف سیر کرنے باغ چلے گئے۔ (ملاحظہ ہو اخبار

بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

گویا الہام الٰہی میں جو مذکور تھا پورا ہو گیا۔ معترض نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ ۱۶ ستمبر کو مبارک احمد فوت ہو گیا لہٰذا الہام غلط نکلا۔ حالانکہ جس طرح نو دن کے بعد عین نویں دن بخار کا ٹوٹنا حضرت کے الہام کی کھلی تصدیق ہے اسی طرح مبارک احمد کی چھوٹی عمر کی وفات بھی آپ کی صداقت پر زبردست دلیل ہے کیونکہ آپ نے قبل ازیں اسی بچے کے متعلق شائع فرمایا تھا:۔

(الف) "جب یہ (مبارک احمد) پیدا ہونے کو تھا تو یہ الہام ہوا۔ انی اسقط من اللہ و اصیبہ یعنی میں خدا کے ہاتھ سے زمین پر گرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف جاؤں گا۔ میں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ لڑکا نیک ہوگا اور رو بخدا ہوگا اور خدا کی طرف اس کی حرکت ہوگی اور یا یہ کہ **جلد فوت ہو جائے گا**۔ اس بات کا علم خدا تعالیٰ کو ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اس کے ارادہ کے موافق ہے"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۰ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(ب) جس طرح بخار کے ٹوٹنے کا الہام ہوا تھا اسی طرح دوسرے مرض کے پیدا ہو جانے پر ۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء کو حضرت کو الہام ہوا:۔

لَا عِلَاجُ وَلَا یُحْفَظُ

کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دو دن کے بعد مبارک احمد کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ج) عام طور پر اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ:۔

"میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے **کم عمری میں فوت بھی ہوں گے**" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

پس صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات بھی حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل ہے اور ان کے بخار کا ٹوٹنا بھی سچائی کا نشان۔ اے کاش کہ ہمارے مخالفین کو بصیرت والی آنکھ دی جاتی۔ ؎

اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

شبیہ مبارک احمد کون ہے؟ (۱۰) "ینزل منزل المبارک"

معترض پٹیالوی نے دسویں نمبر پر شبیہ مبارک احمد والی پیشگوئی پر اعتراض کیا ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"آپ کے لڑکا ہوا ہے۔ ینزل منزل المبارک (میگزین ۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۶ء)
ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا اور اس کا قائم مقام اور اس کا شبیہ ہوگا (اشتہار تبصرہ ۵ر نومبر ۱۹۰۷ء)
ان الہامات کے بعد کوئی لڑکا نہ ہوا اور مرزا صاحب چل دئیے اس لیے یہ دونوں الہام بھی غلط ثابت ہوئے۔" (عشرہ صفحہ ۲۲)

جواب اوّل :معترض نے فقرہ "آپ کے لڑکا ہوا ہے" پر اعتراض کی بنیاد رکھی ہے حالانکہ اس کے ساتھ ہی لکھا ہے "یعنی آئندہ کسی وقت لڑکا پیدا ہوگا۔" (اخبار بدر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۶ء) لیکن معترض نے نصف سے لیا اور نصف عبارت چھوڑ دی۔ نیز اس کے بعد کے چند الہامات کو چھوڑ کر اسے "ینزل منزل المبارک" سے ملا دیا ہے۔ سو ہمارا پہلا جواب تو یہی ہے کہ آپ نے اس اعتراض میں دھوکا دیا ہے یعنی مکمل عبارت درج نہیں کی۔

جواب دوم :حضرتؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کی بشارت دی ہے لیکن ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ وہ تیری ہی صلب سے اور تیری ہی زندگی میں ہوگا۔ ہاں مطلق لفظ بشارت اس امر کا مقتضی نہیں کہ وہ بچہ آپؑ کی صلب سے اور آپؑ کی حیات میں ہی پیدا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے قرآن مجید میں حضرت سارہؓ کے متعلق فرمایا :۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ (ہود ع ۷)

کہ ہم نے اس کو اسحاقؑ کی بشارت دی اور اس کے بعد یعقوبؑ کی۔

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کو یعقوبؑ کی بشارت دی ہے حالانکہ وہ ان کا پوتا تھا جو حضرت اسحاقؑ کی نسل میں سے ہونے والا تھا۔ پس لفظ بشارت صلبی بیٹے کو مستلزم نہیں۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں ایک بھی لفظ نہیں جس میں لکھا ہو کہ وہ لڑکا آپ کی صلب سے ہی ہوگا لہذا اعتراض باطل ہے۔

اگر کوئی شخص شبیہ مبارک احمد کے صلبی ہونے پر ہی اصرار کرے تو اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ بینزل منزل المبارک میں صرف اتنا ذکر ہے کہ ایک لڑکا مبارک احمد کا قائم مقام ہوگا۔ یعنی جو صفات علیا مبارک احمد کے متعلق تھے اللہ تعالیٰ ان کا وارث کسی دوسرے صاحبزادے کو کر دے گا اور وہ اپنی خوبیوں کے علاوہ صاحبزادہ مبارک احمد کا بھی ہمرنگ ہوگا اور وہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق فرمایا ہے ؎

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا | جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا | دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا

(درثمین اردو)

جواب سوم شبیہ مبارک احمد کے متعلق ضروری تھا کہ وہ حضرتؑ کی اپنی صلب سے نہ ہو کیونکہ یہ الہام الٰہی کے خلاف تھا۔ صاحبزادہ مبارک احمد کی پیدائش پر جو الہام ہوا اس میں لکھا ہے:۔

اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ ۔ کَفٰی ھٰذَا (وحی ۱۴ر جون ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء و البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۵)

پہلے فقرہ میں مبارک احمد کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آتا ہوں اور اسی کی طرف جاؤں گا اور دوسرے فقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب نرینہ اولاد کافی ہوگئی ہے یعنی آئندہ کوئی لڑکا آپؑ کے گھر نہ ہوگا۔ گویا صاف کھل گیا کہ شبیہ مبارک احمد آپؑ کے صلب سے نہ ہوگا بلکہ وہ آپ کا پوتا ہوگا۔ اے منکرین! سنو اور گوش ہوش سے سنو کہ مبارک احمد کا قائم مقام اور شبیہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۹ء کو پیدا ہونے والا مولود مسعود ہے جس کا نام صاحبزادہ ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ ہے اور حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا فرزند ارجمند ہے۔ کیا کوئی ہے جو ایمان لائے؟ ممکن ہے کہ اس جگہ تاریکی کے فرزند پکار اٹھیں کہ وہ موعود تو مرزا صاحب کی صلب سے ہونا چاہئے تھا۔ سو اوّل تو کہیں ایسا لکھا نہیں کہ وہ مرزا صاحبؑ کی زندگی میں اور آپؑ کے نطفہ سے ہوگا۔ دوم شرعاً پوتا بھی بیٹے ہی کے سے حقوق رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اسی حصۂ میراث کا وارث ہوتا ہے جس کا بیٹا ہوتا ہے اور قرآن مجید نے اس کو الگ بیان نہیں کیا۔ اسی لئے کتب الفرائض میں ہے ولد الابن حکم الابن یعنی پوتے کے لئے بیٹے ہی کا حکم ہے۔ سوم پیشگوئیوں میں

بسا اوقات باپ کے متعلق کوئی حکم یا پیشگوئی ہوتی ہے تو وہ بیٹے پر پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ تو مشہور ہی کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے ہاتھ میں جنت کا خوشہ دیکھا حالانکہ اس سے مراد عکرمہ ابن ابی جہل تھا۔ نیز تاریخ الخمیس جلد ۲ صد ۱۱۱ پر لکھا ہے۔ قال السہیل قال اھل التعبیر رای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی المنام اسید بن ابی العیص والیاً علی مکّۃ مسلماً فمات علی الکفر وکانت الرؤیا لولدہ عتاب۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں اسید کو مسلمان ہونے کی حالت میں مکّہ کا افسر اور حاکم دیکھا اور نبی کی رؤیا وحی ہوتی ہے۔ (دیکھو بخاری جلد ا صد ۲۷ مصری) لیکن وہ کفر کی ہی حالت میں مرگیا اور اس سے مراد اس کا بیٹا عتاب تھا۔ مومن کہلانے والو! اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں اسید سے مراد عتاب ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحبؑ کی وحی میں آپ سے آپ کا بیٹا مراد نہیں ہو سکتا۔ ھل فیکم رجل رشید؟

اور سن لیجئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَۃَ وَقَدْ ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَنْتَثِلُوْنَهَا۔ (بخاری جلد ۲ صد ۱۱۱ مصری) کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ تو رحلت فرما گئے اب ان خزانوں کو تم (اے صحابہ کرام!) جمع کرتے ہو۔" دیکھو نبی کریمؐ نے اپنے ہاتھ میں خزانے دیئے جانے فرمائے تھے مگر وہ دیئے گئے صحابہؓ کو۔ پس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت عمرؓ یا دیگر صحابہؓ ہو سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ سے آپؑ کے موعود صاحبزادوں میں سے سب سے بڑے حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ مراد نہ ہو سکیں؟ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے!

"گول مول الہامات" کی حقیقت

اب ہم بفضلہ تعالیٰ اُن تمام اعتراضات کے جواب لکھ چکے ہیں جو معترض پٹیالوی نے نمبر وار فصل سوم میں کئے تھے۔ ہاں اس فصل کے اخیر پر معترض نے اپنی کم فہمی کی بنا پر یہ اعتراض کیا ہے کہ:۔

"بہت سے الہام فٹ بال کی طرح گول مول ہوتے تھے جن کا سر نہ پیر۔
جہاں چاہو چسپاں کر لو اور جو چاہو معنی لگا لو"
افسوس کہ معترض پٹیالوی بالکل یہود کے نقش قدم پر چل رہا ہے حضرت شعیبؑ کے منکرین نے کہا تھا :۔

"یَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْراً مِّمَّا تَقُوْلُ ۔ (ہود ع)
کہ اے شعیب! تیری باتیں بے سر و پا قصے ہیں جن کو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے"۔
ناپاک یہود نے بھی قُلُوْبُنَا غُلْفٌ میں یہی طنز کی تھی۔ اس وقت جو جواب ذاتِ باری نے دیا تھا وہی جواب ہمارا ہے یعنی :۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِکُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (نساء ع۲۲)
کہ الہامات کا قصور نہیں تمہارے اعمالِ بد نے تمہارے دل کو سیاہ کر رکھا ہے اور اب ان میں سمجھنے کی طاقت نہیں۔

الزامی جواب

قرآن مجید بلا ریب خدا تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے اور تا قیامت مکمل شریعت ہے مگر جانتے ہو کہ تمہارا یہی اعتراض "گول مول الہامات" کا قرآن پاک پر تمہارے جیسے مکذبین انبیاء پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ ان اعتراضات کو اس جگہ نقل کرنے کی گنجائش نہیں لیکن کون ہے جو اس امر کا انکار کر سکے کہ بیسیوں آیات کی تعیین میں خود مفسرین میں زمین و آسمان کا اختلاف ہے۔ اگر امام رازی ایک آیت سے ابو بکرؓ مراد لیتے ہیں تو زمخشری اسی سے حضرت علیؓ مراد لیتے ہیں۔ تفاسیر ایسے اختلافات سے بھری پڑی ہیں۔ کیا اب یہ کہنا درست ہے کہ (نعوذ باللہ) آیات قرآنی "گول مول" تھیں۔ جہاں کسی نے چاہا چسپاں کر لیا۔ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

مثلاً

(۱) یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ ۔ وہ کیا چیز حرام کی تھی؟ کوئی ذکر نہیں۔
(۲) اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْداً اِذَا صَلّٰی ۔ کون تھا؟ اس جگہ مذکور نہیں۔
(۳) وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحاً فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحاً ۔ کس کی صفات ہیں؟ مذکور نہیں۔
(۴) اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ کونسا دشمن مراد ہے؟ نام نہیں لکھا۔

(۵) اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ۔ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ۔ یہ کون تھا نام درج نہیں۔
(۶) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کس رات کو لیلة القدر کہتے ہیں؟ تاریخ مذکور نہیں۔
(۷) سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ سائل کون تھا؟ مذکور نہیں۔
(۸) اَلَّذِیْ یَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ۔ کون شخص تھا؟ نام بیان نہیں ہوا۔
(۹) وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ کونسا جفت وطاق اور کونسی فجر و دس راتیں مراد ہیں؟ مشخص نہیں!
(۱۰) اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ۔ ایک پہلو معین نہیں کیا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان آیات پر جو بطور مثال لکھی گئی ہیں معترض پٹیالوی کا اعتراض انہیں لفظوں میں وارد نہیں ہوتا جس میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات پر کیا ہے بلکہ درحقیقت جس طرح قرآن مجید کی یہ آیات کسی قسم کی زد کے نیچے نہیں آتیں اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات بھی اعتراضات سے پاک ہیں۔

قرآن مجید کی آیات متشابہات (یا بالفاظ معترض پٹیالوی "گول مول" کیونکہ ان کے کئی معنی ہو سکتے ہیں) پر اعتراض کرنا نادانوں کا شیوہ ہے اسی طرح حضرت کے بعض متشابہ الہامات کو گول مول کہہ کر تحقیر کرنا بھی یقیناً ناپاک دل لوگوں کا کام ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کے کلام میں جہاں کہیں ابہام ہوتا ہے وہ کسی مفید غرض کے لئے ہُوا کرتا ہے۔

"فی بضع سنین" والی آیت کے متعلق لکھا ہے:۔

"وانّما ابهم البضع ولم یبیّنه وان کان معلوماً لنبیّه صلّی اللہ علیه وآله وسلّم لادخال الرعب والخوف علیهم فی کلّ وقت کما یؤخذ ذالك من تفسیر الفخر الرازی"

(فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۷۹)

کہ اللہ تعالیٰ نے بضع کے لفظ کو مبہم رکھا ہے اور کھول کر نہیں بتایا کہ کتنے عرصہ میں رومی غالب آئیں گے (اگرچہ یہ رسول کریم کو معلوم تھا) تاکہ ان لوگوں پر ہر وقت رعب وخوف طاری رہے جیسا کہ فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔"

آیات متشابہ کا فائدہ

انہی متشابہ آیات میں سے سورۃ المدثر کی یہ آیت بھی ہے

کہ ہم نے دوزخ پر ۱۹ فرشتے مقرر کئے ہیں۔ ۱۹ کی وجہ بایں الفاظ بیان فرمائی:-

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ (المدثر ع)

"ہم نے فرشتوں کی یہ تعداد (۱۹) کافروں کی آزمائش کے لئے بنائی ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین ہو جاوے اور مومنوں کے ایمان میں زیادتی ہو لیکن کافر اور منافق اس تعداد کو دیکھ کر کہہ اٹھیں گے کہ خدا نے اس قسم کی باتوں (بالفاظ منشی محمد یعقوب گول مول باتوں) سے کیا ارادہ کیا ہے۔ فرمایا خدا اسی طرح بعض کو گمراہ ٹھہراتا ہے جو چاہتے ہیں اور جن کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آیات متشابہات منافقین اور کفار کی آزمائش کے لئے ہوتی ہیں اور وہ اس مقام پر فیل ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ (آل عمران ع) کج دل انسان متشابہات کا چرچا کر کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ خیبھم اللہ تعالیٰ۔

اس حقیقت ثابتہ پر غور کر کے معترض پٹیالوی معلوم کر سکتا ہے کہ اس نے بعض الہامات کو "گول مول" قرار دے کر کونسا تیر مارا ہے؟ صرف اپنی کج اندازفطرت کا ثبوت دیا ہے جو قدیم سے انبیاء کے مخالف دیتے رہے ہیں۔

ایک عجیب حقیقت اور لطیفہ

مسلم فریقین ہے کہ قرآن مجید میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی۔ خود قرآن مجید فرماتا ہے:-

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ. الآیۃ (آل عمران ع ۱)

یعنی اللہ نے ہی تجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس میں ایک حصہ محکمات کا ہے جو اصل کتاب ہیں اور باقی متشابہات ہیں۔"

ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی۔ جس طرح قرآن مجید کی متشابہات پر دشمن اعتراض کرتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے متشابہات پر معترض پٹیالوی اور اس کے ہمنوا معترض ہوتے ہیں محکمات ہر دو جگہ اعتراض کے دائرہ سے باہر قرار دیئے جاتے ہیں۔ دیکھیئے قرآن مجید ایسے پاک کلام کے متعلق ناپاک پنڈت دیانند آریہ کیا رائے رکھتا ہے:-

"یہ قرآن خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ کسی مکار فریبی کا بنایا ہوا ہوگا نہیں تو ایسی فضول باتیں کیوں لکھی ہوتیں۔"

ہمارا قلم ان لفظوں کو لکھتے ہوئے کانپتا ہے مگر کیا کریں صداقت کے دشمن ہمیشہ سے ایک ہی لائن پر چلتے رہے ہیں۔ اَتَوَاصَوْا بِہٖ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ۔ ہاں اسکے بالمقابل خدا کے ایک پارسا بندے حضرت امام غزالیؒ کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی پڑھیئے متشابہات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ......
مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنی کے لئے موضوع نہیں۔" (علم الکلام صفحہ ۵۶)[1]

ناظرین کرام! اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ کیا مکذب پٹیالوی نے حضرت غزالیؒ کے طریق کو اختیار کیا یا پنڈت دیانند کے نقش قدم کی پیروی کی ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

جن چند متشابہ الہامات کو معترض نے "گول مول" قرار دے کر ہنسی اڑائی ہے ان کے تفصیلی جواب سے پہلے میں بتا دیتا ہوں کہ یا تو ان پر اس نے اس لیئے اعتراض کیا ہے کہ ان کے شانِ نزول کو عمداً نظر انداز کر دیا ہے یا پھر اس لیئے کہ ان کی مستقل شان کو

---

[1] علم الکلام اردو ترجمہ "الاقتصاد فی الاعتقاد" کا ہے اور ۱۹۱۲ء میں خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا ہے۔ مؤلف

سمجھا نہیں گیا۔ شانِ نزول وغیرہ کے متعلق شاہ صاحب موصوف طویل بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"سبب نزول دو قسم است، قسمے آنست کہ حادثہ واقع شد کہ دراں ایمانِ مومناں و نفاقِ منافقاں بروئے امتحان آمد چنانکہ در اُحد و احزاب اتفاق افتاد۔ خدا تعالیٰ مدحے ایماں و نکوہش آناں نازل ساخت تا فیصل گردد میانِ دو فریق و دریں میان تعریفات بسیار بخصوصیات ایں حادثہ بظہور مے رسد۔ پس واجب است کہ بکلام مختصر آں حادثہ را شرح دادہ آید تا سوق آں کلام بر خوانندہ روشن شود وقسمے آنست کہ معنے آیت بعموم خود تام است بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است، و حکم عموم لفظ راست نہ خصوص سبب را، قدمائے مفسرین بقصد احاطۂ آثار مناسبہ آں آیت یا بقصد بیانِ ما صدق آں عموم آں قصہ را ذکر کردند ایں قسم را ذکر کردن ضرور نیست۔ پیش ایں فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ و تابعین بسیار بود کہ نزلت الأیة فی کذا میگفتند و غرض ایشاں تصویر ما صدق آں آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آنرا بعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں قصہ متقدم باشد یا متاخر، اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی، تمام قیود آیت را درگرفتہ شد یا بعض آنرا و اللہ اعلم ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را دریں قسم دخلے ہست و قصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست۔"

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۴۰)

حضرت شاہ صاحب کی عبارت واضح ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات یا الہامات کا تعلق کسی گزشتہ واقعہ سے ہو اس کو تو اسی پر چسپاں کرنا چاہیئے لیکن جو عام ہو وہ جہاں چسپاں ہو سکے وہاں کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔ اس بیان سے اصولی طور پر اعتراض کا حل ہو گیا۔

اعتراضات کے تفصیلی جواب

پہلا اعتراض۔ معترض نے الہام "پہلے بیہوشی، پھر غشی، پھر موت" درج کر کے لکھا ہے مولوی

کی حالت عموماً ایسی ہی ہُوا کرتی ہے اس میں الہام کی کیا بات ہے۔" (عشرہ ص۲۳)

الجواب ۱۔ کیا جو بات عموماً ہُوا کرے وہ الہام نہ ہونی چاہیئے۔ اگر یہ قاعدہ درست ہے تو آیاتِ ذیل کے متعلق آپ کا کیا جواب ہوگا۔

(الف) وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ نِ الْمَسَاقُ۔ (القیامۃ) آپ کے خیال کے مطابق "جب مرنے والوں کی حالت عموماً ایسی ہی ہُوا کرتی ہے تو اس میں الہام کی کیا بات ہے۔"

(ب) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (الطارق)

(ج) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۔ الآیۃ (النور ع)

معلوم ہُوا کہ اگرچہ ایک بات عموماً بھی ہوتی ہو تب بھی الہام ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں عبرت دلانے اور ان کے فوائد کی طرف متوجہ کرنے کے علاوہ اور بھی کئی فوائد ہوتے ہیں۔

جواب ۲۔ یہ الہام عمومی حالت بیان کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ ایک پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے:۔

> "۳۰ر جون ۱۸۹۹ء میں مجھے یہ الہام ہوا پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت۔ ساتھ ہی اس کے یہ تفہیم ہوئی کہ یہ الہام ایک مخلص دوست کی نسبت ہے جس کی موت سے ہمیں رنج پہنچے گا۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو یہ الہام سُنایا گیا اور الحکم ۳۰ر جون ۱۸۹۹ء میں درج ہو کر شائع کیا گیا۔ پھر آخر جولائی ۱۸۹۹ء میں ہمارے ایک نہایت مخلص دوست یعنی ڈاکٹر محمد بوڑیخاں اسسٹنٹ سرجن ایک ناگہانی موت سے قصور میں گزر گئے۔ اوّل بیہوش رہے پھر یکدفعہ غشی طاری ہوگئی پھر اس ناپائیدار دنیا سے کوچ کیا اور ان کی موت اور اس الہام میں صرف بیس بائیس دن کا فرق تھا۔"
>
> (حقیقۃ الوحی ص۲۱۲-۲۱۳)

اب اس پر مزید تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسرا اعتراض ۔ معترض نے ۷ رمارچ ۱۹۰۶ء کا الہام "پچیس دن یا پچیس دن تک" نقل کر کے لکھا ہے کہ "نتیجہ نامعلوم" (عشرہ صہ ۴۳)

الجواب ۔ اس ریمارک میں معترض پٹیالوی نے سخت خیانت سے کام لیا ہے کیونکہ یہ الہام اخبار بدر ۱۴ رمارچ ۱۹۰۶ء میں درج ہوا ہے اور وہاں پر "نتیجہ" کے متعلق صاف لکھا ہے :۔

> "پچیس دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ رمارچ سے پچیس دن پورے ہونے لگے سر پر یا ۷ رمارچ ۱۹۰۶ء سے پچیس دن تک کوئی نیا واقعہ ظاہر ہوگا ..... مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے اس کا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا **تعجب انگیز واقعہ** ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں واقع ہو جائے گا" (بدر ۱۴ رمارچ ۱۹۰۶ء صہ ۳)

یہ پیشگوئی کس صفائی سے پوری ہوئی اس کی تفصیل کے لئے تتمہ حقیقۃ الوحی صلاہ لغایت صہ ۹۶ ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر یہ ہے کہ ایک "ہولناک واقعہ" ظاہر ہوا یعنی ٹھیک ۳۱ رمارچ ۱۹۰۶ء بعد دوپہر ایک ہیبتناک آسمانی گولہ گرا جس سے بہت سے لوگ بسم ہو تمام ہو گئے۔ اور یہ شہاب ثاقب مختلف شہروں میں اور دُور دُور تک نظر آیا۔ انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اپنے پرچہ ۳ راپریل ۱۹۰۶ء میں لکھتا ہے :۔

> "کئی نامہ نگاروں نے ہمیں اس شہاب کے متعلق خطوط لکھے ہیں جو اتوار (۳۱ رمارچ) کی شام کو پونے پانچ بجے کے قریب دیکھا گیا۔ یہ نہایت چمکدار تھا۔ اور لاہور میں جب یہ گرتا دیکھا گیا تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی دھری دھار ایسی تھی جیسے دھواں ہوتا ہے۔ راولپنڈی میں یہ جنوب مشرق کی طرف نظر آیا۔ اس وقت دھوپ نہایت تیز تھی۔ ہمارے بعض نامہ نگار یہ دریافت کرتے ہیں کہ آیا اس سے پہلے بھی کبھی کوئی ایسا شہاب دیکھا گیا ہے جو ان حالات کے ماتحت نظر آیا ہو۔ اور بعض یہ لکھتے ہیں کہ اگر غروب آفتاب کے بعد یہ واقعہ دیکھا جاتا تو اس کی چمک واقعی بے نظیر ہوتی"

علاوہ ازیں "آرمی نیوز" لدھیانہ (انگریزی اخبار) مورخہ ۴ راپریل ۱۹۰۶ء صہ ۱۱ اور سول اینڈ

ملٹری گزٹ ۶؍اپریل ۱۹۰۶ء میں بھی اس کا کافی تذکرہ ہے۔ اس پر روزنامہ "اخبار عام" لاہور نے لکھا:۔

"قدرت کے عجائبات پر عقلِ انسان دنگ ہے انسان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان دنوں آسمان سے عجیب آثار دکھائی دیتے ہیں۔ مرزائے قادیان پیشگوئی کرتے ہیں کہ کوئی بڑا نشان خدائی جلال کا وقوع میں آنا چاہتا ہے۔ انگریزی اخبار میں بھی لکھا ہے کہ کئی مقامات پر تارے ٹوٹنے کی سی روشنی دکھائی دی۔ کئی لوگ اس کو شہاب ثاقب بتلاتے ہیں۔ مختلف اخبارات میں طرح طرح کی خبریں ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ انگریزی اخبارات میں بھی اس کی کیفیت دی گئی ہے۔۔۔۔ جموں سے خبر دیتا ہے آسمان سے ایک آگ کا گولہ گرا۔ بڑی بھاری آواز تھی جیسے کوئی بڑی توپ چلتی ہے اور اس آواز سے شہر ہل گیا۔ لوگ گھبرا اٹھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ گوجرانوالہ میں ایک تودہ آگ کا گرتا ہوا دیکھا گیا۔" (بحوالہ اخبار بدر ۱۱؍اپریل ۱۹۰۶ء)

کیا اس قدر کھلے نشان کے باوجود آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں؟ مگر افسوس ان پر جن کے حق میں کہا گیا ہے۔ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ؎

نشاں کو دیکھ کر انکار کب تک پیش جائیگا
ارے اک اور جھوٹوں پر قیامت آنیوالی ہے

تیسرا اعتراض ۔ الہام "ایک ہفتہ تک کوئی باقی نہ رہے گا" پر بھی نتیجہ ندارد لکھا ہے۔ حالانکہ اس الہام میں صاف طور پر عمر دنیا کی طرف اشارہ ہے یعنی سات ہزار برس کے بعد دُنیا کا دَور ختم ہو جائے گا کیونکہ خدا کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کے متعلق جو فرمایا تھا وہ حسب ذیل ہے:۔

"ابھی ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس الہام میں ہفتہ سے کیا مراد ہے اور یہ کس کے متعلق ہے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے فرمایا کہ بعض اس قسم کے الہامات کسی خاص مکان اور خاص زمانہ کے متعلق ہوتے ہیں (حضرت مسیح موعودؑ) نے فرمایا درست ہے۔ دانیال کی کتاب میں صدہا سال کو ہفتہ کہا گیا ہے اور دنیا کی عمر بھی ایک ہفتہ بتلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے

مراد سات ہزار سال ہیں۔ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔"

(اخبار بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء)

کیا اس صراحت کے باوجود الہام کو "گول مول" کے تحقیر آمیز لفظ سے یاد کرنا انصاف کا خون کرنا نہیں؟

سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ رؤیا میں دکھائی جاتی ہیں کہ یہ آپ کی بیوی بننے والی ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

"قلتُ ان یکن ھٰذا من عند اللّٰہ یُمضِہٖ۔" (مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ)

کہ میں نے کہا اگر خدا کا یہی منشاء ہے تو وہ اس کو پورا کر دے گا۔"

اس رؤیا کو کوئی عقلمند "گول مول" نہیں کہہ سکتا۔ مگر انبیاء کرام (ان پر خدا کی بے انتہا برکتیں ہوں) کا کیسا محتاط پہلو ہوتا ہے۔ اللّٰھم صلّ علیہ وآلہ وسلّم

چوتھا اعتراض اور اس کا جواب۔ الہام "ایسوسی ایشن" کو لا پتہ بتایا ہے حالانکہ اس میں بتایا گیا تھا کہ قوم کی تنظیم کی طرف پوری توجہ کرو اور ان کو ایک سلک میں منسلک کر دو۔ اس کے ماتحت حضرتؑ نے جماعت کو اتحاد، اُلفت اور باہمی مواخات کی پوری تلقین فرمائی۔ نیز بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ احمدیہ جماعت کو ایک منظم با قاعدہ اور ایک امام کے ماتحت کام کرنے والی جماعت بنائے گا۔ گویا کَاَنَّھُم بُنیانٌ مرصوص کو دوسرے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

"ایسوسی ایشن" لفظ کے معنی انگریزی لغت میں یہ لکھے ہیں:۔

"a Society of persons joined together to promote some object."

"چند لوگوں کا کسی خاص مقصد کے لئے جمع ہونا" پس اس الہام پر اعتراض ناواقفی پر مبنی ہے۔

پانچواں، ساتواں اور نواں اعتراض۔ (۵-۷-۹) ان نمبروں میں حسب ذیل تین الہام درج کئے ہیں:۔

"موت تیرہ ماہ حال کو (الہام ۵ شعبان ۱۳۲۴ھ) ایک دم میں دم رخصت ہوا۔ پیٹ پھٹ گیا۔" اور پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ "خبر نہیں کس کا؟"
(عشرہ صہ ۲۲)

الجواب۔ معترض پٹیالوی کہتا ہے کہ خبر نہیں کہ یہ کس کے متعلق ہے۔ حالانکہ آج سے قریباً ۲۴ سال پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرما چکے ہیں کہ:۔

"مجھ کو ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے اور کئی تاریخوں میں وحی الٰہی کے ذریعہ سے بتلایا گیا کہ ایک شخص اس جماعت میں سے ایک دم میں دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور پیٹ پھٹ جائے گا اور شعبان کے مہینہ میں وہ فوت ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور مہاجر جو صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا یکدفعہ ایک دم میں پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔"
(تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۷)

جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہ حیا یہی ہے

چھٹا اعتراض اور اس کا جواب۔ "غثم۔ غثم۔ غثم" درج کر کے معترض صاحب لکھتے ہیں "مطلب ندارد۔"

حالانکہ اس کا مطلب اس الہام کے ساتھ ہی مکمل عبارت میں درج ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"غثم۔ غثم۔ غثم لہ۔ دفع الیہ من مالہ دفعۃ (ترجمہ) دیا گیا اس کو مال اس کا اچانک۔" (البشریٰ جلد ۲ صہ ۵)

اور لغت میں بھی لکھا ہے:۔

غثم لہ۔ دفع لہ دفعۃً جیدۃً من المال (المنجد)

پس اس الہام کے بھی معنی اور مطلب صاف موجود ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس کے متعلق بصیغۂ غائب ذکر فرمایا ہے۔

آٹھواں اعتراض۔ الہام "مضححت" کے متعلق لکھا ہے:۔

"۲۰ر جون قبل ظہر حضرت اقدسؑ نے بیان فرمایا کہ دو تین دن ہوئے الہام ہوا تھا "مفر صحت"" (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۱ صفحہ ۱)

الجواب۔ اس پر معترض کو خواہ مخواہ اعتراض ہے ورنہ بات تو واضح ہے کہ اس میں حضرت اقدسؑ کی اس محنتِ شاقہ کو جو تصنیف وغیرہ کے کام میں حضورؑ ان دنوں برداشت کر رہے تھے "مفر صحت" قرار دیا گیا ہے اور آپؑ کو اپنی صحت کے مضبوط کرنے کا ارشاد ہے۔

دسواں اعتراض اور اس کا جواب۔ معترض نے دسویں نمبر پر الہام "آثارِ صحت" کو "گول مول" قرار دے کر بیہودیانہ خصلت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ اس الہام کے ساتھ ہی اس کی تشریح خود حضورؑ نے فرما دی تھی۔ لکھا ہے:۔

"فرمایا کچھ دن ہوئے کہ میں بیماروں کے لئے دعا کرتا تھا۔ ایک شخص کے لئے خاص طور سے دعا کی۔ دیکھا کہ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر یہ الہام (آثارِ صحت) ہوا مگر تصریح بالکل نہیں کہ کس کی نسبت ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۶)

گویا یہ الہام ان بیماروں میں سے ہی کسی ایک کے لئے ہے جن کے لئے حضورؑ نے دعا فرمائی۔ شخصی تعیین نہ ہونے سے اس میں کیا حرج واقع ہو گیا۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا کہ معترض بٹالوی نے کس طرح کتربیونت کر کے حضرت کے الہامات کو بگاڑنا چاہا مگر کاغذ کی ناؤ کب تک چل سکتی ہے۔ سچ سچ ہی ہے اگرچہ اس پر ہزار پردے ڈالے جائیں ؎

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

مولوی محمد حسین بٹالوی کی گواہی در بارہ الہامات

مصنف عشرہ کاملہ کا فصل سوم اور فصل چہارم سے منشاء یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات (نعوذ باللہ) شیطانی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ فصل سوم کے اعتراضات کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیئے جا چکے ہیں اور فصل چہارم کے آئندہ درج ہیں لیکن اس جگہ مولوی محمد حسین صاحب

بٹالوی کی ایک شہادت کا ذکر کرنا ضروری ہے اور یہ شہادت اس لیئے بھی زیادہ مستحق توجہ ہے کہ پھر بعد میں مولوی صاحب نے عداوت و حسد کی بناء پر حضرت اقدس ؑ کی تکذیب میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ گویا یہ شہادت خدائی تصرّف کے ماتحت ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں :۔

"شاید امرتسری معترضین ۵ و منکرین جو اہلحدیث کہلا کر حدیث کے نام کو بدنام کر رہے ہیں یہ اعتراض کریں کہ (مرزا صاحب کے) انگریزی زبان کے الہام میں طبیعت یا خیال کی بناوٹ کا احتمال نہیں تو یہ احتمال تو ہے کہ یہ انگریزی الہام شیطان کی طرف سے ہے جو انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ ہندی سبھی زبانیں جانتا ہے اور جو اس میں غیب کی باتیں اور پیشگوئیاں ہیں وہ شیطان نے آسمان سے چھپ کر سُن لی ہوں۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ یہی بات پہلے مشرکین عرب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الہامات عربی کی نسبت کہی تھی۔ پس جو اس کا جواب خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا ہے وہی ہم اس مقام میں مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے دیتے ہیں۔

سورۃ الشعراء میں اللہ تعالےٰ نے مشرکین کی اِس بات کے جواب میں فرمایا ہے۔ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ٥

---

۵ اس کے متعلق مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اہلحدیث کیا فرماتے ہیں ؟ مصنّف

کہ اس قرآن کو شیطانوں نے نہیں اُتارا۔ اور نہ ان کو یہ طاقت ہے۔ وہ تو آسمانوں کی خبریں سننے سے آگ کے شعلوں کے ساتھ (اب) روکے جاتے ہیں۔ ہم تمہیں بتا دیں کہ شیطان کن لوگوں پر اُترتے ہیں۔ وہ بڑے جھوٹے گنہگاروں پر اُترتے ہیں اور ان کو وہ جو کچھ چوری سے سُن پاتے ہیں پہنچاتے ہیں۔ وہ اکثر باتوں میں جھوٹے نکلتے ہیں۔ اِس جواب کا ماحصل (چنانچہ بیضاوی و امام رازی نے بیان کیا ہے) یہ ہے کہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے دو وجہ سے القاء شیطانی نہیں ہو سکتا۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں کے پاس شیطان اُترا کرتے ہیں وہ اپنے اعمال اور افعال میں شیطانوں کے دوست اور بھائی ہوتے ہیں، بڑے گنہگار اور بڑے جھوٹے، اور یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی نہیں جاتیں۔ وہ تو شیطان کے دشمن ہیں اور اس کو لعنت کرنے والے، جھوٹ اور گناہوں سے پاک، اور ان سے منع کرنے والے۔ دوسری وجہ یہ باتیں جو شیطان لاتے ہیں اکثر جھوٹی نکلتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کی ایک بات بھی جھوٹی نہیں۔

یہی جواب ہم الہامات مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے دے سکتے ہیں کہ شیطان اپنے ان دوستوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو (انگریزی خواہ عربی) پہنچاتے ہیں جو شیطان کی مثل فاسق و بدکار اور جھوٹے دکاندار ہیں۔ اور مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربہ اور مشاہدہ کے رُو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ اور نیز شیطانی الہام اکثر جھوٹ نکلتے ہیں اور الہاماتِ مؤلف براہین احمدیہ سے (انگریزی میں ہوں خواہ ہندی و عربی وغیرہ) آج تک ایک بھی جھوٹ نہیں نکلا (چنانچہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے گو ہم کو ذاتی تجربہ نہیں ہوا) پھر وہ القاء

شیطانی کیونکر ہو سکتا ہے ؟ کیا کسی مسلمان متبع قرآن کے نزدیک شیطان کو بھی یہ قوّتِ قدسی ہے کہ وہ انبیاء و ملائکہ کی طرح خدا کی طرف سے اطلاع پائے اور اس کی کوئی خبر غیب صدق سے خالی نہ جائے۔ حاشا و کلّا "

(رسالہ اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۷۲)

ناظرین کرام ! اس مفصّل اور مدلّل بیان کے بعد کسی مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کی توجہ اس شہادتِ صادقہ (کیونکہ دعوے کے بعد لوگ تعصّب سے الزام لگایا کرتے ہیں۔ ابو لہب نے دعویٰ سنکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنا شروع کر دیا تھا) کی طرف مبذول کراتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ معترض پٹیالوی نے فصل سوم کا عنوان ہی تنزّل علیٰ کلّ افّاکٍ والی آیت رکھی ہے اور اس کو (خاکش بدہن) حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے مگر مندرجہ بالا بیان میں موثّر طور پر اس کا جواب موجود ہے۔ کیا کوئی منصف مزاج اس سے فائدہ اُٹھائے گا ؟

فصل چہارم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشوف و الہامات اور شریعت اسلامیہ

سب نشاں بیکار اُن کے بغض کے آگے ہوئے
ہو گیا تیرِ تعصب اُن کے دل میں وار پار
(حضرت مسیح موعودؑ)

اس فصل میں پٹیالوی معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دس الہام و کشف پیش کیے ہیں جو اس کے زعم میں شریعتِ حقہ اسلامیہ کے خلاف ہیں (العیاذ باللہ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہب مصنف "عشرہ کاملہ" نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے :-

"ومن تفوه بکلمة لیس له اصل صحیح فی الشرع ملهمًا کان او مجتهدًا فبه الشیاطین متلاعبة کہ جو شخص ایسی بات کہے جس کی شرع میں کوئی اصل نہ ہو خواہ وہ شخص ملہم یا مجتہد ہی کیوں نہ ہو سمجھ لینا چاہیئے کہ شیطان اس کے ساتھ کھیلتا ہے۔" (عشرہ ص۱۲ بحوالہ آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲)

حضورؑ کا یہ مذہب ہی بتلاتا ہے کہ معترض نے اس فصل میں جو زور مارا ہے وہ نرا تعصب اور ہٹ دھرمی کا نمونہ ہے۔ چنانچہ حضورؑ کے متعلق خود اسے تسلیم ہے کہ :-

"مرزا صاحب کو اپنے الہامات و کشف کی صحت پر اتنا اعتبار اور دعویٰ تھا کہ ان میں شک و شبہ کی بالکل گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔" (عشرہ ص۲۵)

گویا حضرت مرزا صاحب باوجود متذکرہ عدد مذہب کے اپنے الہامات کے متعلق یقین کامل اور بصیرت تامہ رکھتے تھے کہ وہ صحیح، منجانب اللہ اور شریعت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"وَ اُلْهِمْتُ مِنَ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ فَقَبِلْتُهٗ عَلٰی شَرِیْطَةِ الصِّحَّةِ وَالصَّوَابِ وَالسِّمْتِ وَ قَدْ کُشِفَ عَلَیَّ اَنَّهٗ صَحِیْحٌ خَالِصٌ یُوَافِقُ الشَّرِیْعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَلَا لَبْسَ وَلَا شَكَّ وَلَا شُبْهَةَ۔" (دافع الوساوس ص۲۱)

جس کا ترجمہ منشی محمد یعقوب صاحب نے بھی حسب ذیل لکھا ہے:۔

"میرے تمام الہام صحیح، خالص، اور موافق شریعت ہیں جن میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں ہے۔" (عشرہ ص۴۲)

مندرجہ بالا بیانات سے صاف عیاں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا مذہب ہے اور یہ کہ آپؑ کے الہامات وکشوف میں سے ایک بھی شریعت کے خلاف نہیں۔ ہاں حسب ارشاد الہٰی ٹیڑھے دِلوں والے آپ کی طرف یہ الزام منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ اُمت کے اولیاء ہمیشہ سے ان ظاہر پرست علماء کے ہاتھوں ستائے گئے اور ان کے الہامات وکشوف کو خلاف شریعت قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ الہامات اور کشوف شریعت کے خلاف نہیں تھے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ ہاں حقیقت سے دُور لوگوں کے خشک خیالات کے ضرور خلاف تھے۔ افسوس کہ یہ لوگ اپنے خیالات کو شریعت قرار دیکر شریعت اسلامیہ کے نام پر پاکباز دِل کا خون کرتے رہے، ان کو پابند قیود وسلاسل کرتے رہے، اور ان کی تکفیر وتفسیق کرتے رہے انہی حالات کو دیکھ کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا تھا:۔

"لَا یَبْلُغُ اَحَدٌ دَرَجَ الْحَقِیْقَةِ حَتّٰی یَشْهَدَ فِیْهِ اَلْفُ صِدِّیْقٍ بِاَنَّهٗ زِنْدِیْقٌ وَذَالِكَ لِاَنَّهٗ اِذَا نَطَقَ بِعُلُوْمِ الْاَسْرَارِ لَا یَسَعُ الصِّدِّیْقِیْنَ اِلَّا اَنْ یُنْكِرُوْا عَلَیْهِ غَیْرَةً عَلٰی ظَاهِرِ الشَّرِیْعَةِ الْمُطَهَّرَةِ۔"

(الیواقیت والجواھر مصنفہ امام شعرانی جلد ۱ ص۲۲)

کہ کوئی معرفت تامہ کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک بیلنگ ڈون راستباز بننے والے اور ہزاروں وارث انبیاء کہلانے والے ظاہر پرست علماء اسے زندیق اور بے دین نہ قرار دیں۔ کیونکہ جب وہ صوفی علوم الاسرار بیان کرے گا تو وہ لوگ شریعت کے ظاہر پر غیرت کھا کر اس کے خلاف بُرا بھلا کہنے لگ پڑینگے "۔

اسی صفحہ پر رئیس الصوفیہ حضرت شیخ محی الدین کا قول لکھا ہے:۔

"لَقَدْ وَقَعَ لَنَا وَ لِلْعَارِفِيْنَ اُمُوْرٌ وَ مِحَنٌ بِوَاسِطَةِ اِظْهَارِنَا الْمَعَارِفَ وَالْاَسْرَارَ وَشَهِدُوْا فِيْنَا بِالزَّنْدَقَةِ وَ اٰذَوْنَا اَشَدَّ الْاَذٰی"

کہ ان ظاہر پرست لوگوں کے ہاتھوں ہم اور دوسرے تمام عارف لوگ معارف و اسرار کے اظہار کے باعث ستائے گئے، ہمیں زندیق قرار دیا گیا اور سخت دُکھ دیا گیا "

پس حقیقت یہی ہے کہ لوگ نادانی اور اس کوچہ معرفت کی ناآشنائی کے باعث ایسا کہتے رہے ہیں۔ ورنہ متقی، صوفی اور شریعت کی خلاف ورزی ؟ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

اہل اللہ کی باتیں اور مخالفتِ شریعت

صوفیاء کے ہاں یہ مسلّمہ قانون ہے:۔

"کُلُّ حَقِیْقَةٍ رَدَّتْهَا شَرِیْعَةٌ فَهِیَ زَنْدَقَةٌ" (فتوح الغیب مقالہ ۳۶)

کہ جو بات بھی خلافِ شریعت ہو وہ الحاد و بے دینی ہے نہ کہ حقیقت "

مگر باایں ہمہ انہوں نے عوام کو ہمیشہ یہی نصیحت کی ہے کہ:۔

"درحقیقت سرّے کہ اولیاء اللہ را بجناب عزّت حق است ہیچکس را بدان راہ نیست " (شرح فتوح الغیب ص۲۱)

پھر حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رضی اللہ عنہ کے مقالہ ۳۶ کے خاتمہ پر بطور شرح لکھا ہے:۔

"درین کلام تنبیہ است بر منع از مبادرت بردو انکار بر افعال و اقوال

اہلِ تحقیق و ارباب احوال، اگرچہ بظاہر در فہم نیاید، و منکر نمایند، وجوب توقف و سکوتِ تسلیم دراں، و توجیہ و تاویل و تطبیق آں بظاہر شریعت زیرا کہ ایشاں را دراں نیّات و مقاصد است کہ از نظرِ عوام پنہاں است"

(شرح فتوح الغیب صفہ ۳۹)

یعنی اولیاء اللہ کی جو بعض باتیں تم کو خلافِ شریعت نظر آئیں تمہارا فرض ہے کہ ان کے انکار میں جلدی نہ کرو اور حتیّ الوسع ان میں تطبیق دو بہت ممکن ہے کہ جس کو تم نے خلافِ شریعت سمجھا ہو وہ شریعت کے مطابق ہو کیونکہ ان لوگوں کے پیشِ نظر ان کے ایسے مطالب ہوتے ہیں جہاں تک عوام کی رسائی نہیں ہوتی"

مختصر یہ ہے کہ معترض پٹیالوی نے جو اعتراضات "خلافِ شریعت" کے عنوان کے نیچے ذکر کئے ہیں اس شریعت سے مراد محض ان کی اپنی خیالی شریعت ہے۔ شریعتِ حقہ اسلامیہ ہرگز مراد نہیں۔

(۱) عقیدہ ابنیت

اب ہم معترض پٹیالوی کے تحریر کردہ نمبروں کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔

معترض نے قرآن مجید کی آیات کا ذکر کر کے بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں۔ اس کے بعد لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب کو حسب ذیل الہام ہوتے ہیں۔ انت منّی بمنزلۃ ولدی (حقیقۃ الوحی صلہ) انت منّی بمنزلۃ اولادی (دافع البلاء) اسمع ولدی (البشریٰ جلد ا صفہ ۴۹) ان ہر سہ الہامات میں مرزا صاحب نے ظاہر کیا ہے کہ اللہ نے ان کو ولد (بیٹا) کہہ کر مخاطب کیا ہے لیکن نصِ قرآنی اس لفظ کے قطعاً خلاف ہے۔ اگر مرزائی اس کو استعارہ و مجاز سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب کم از کم سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعاری یا مجازی معبود تو ثابت ہوئے جیسا کہ آیت قرآنی محولہ بالا (قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اوّل العابدین) سے واضح ہے۔ ایسا ہی مرزا صاحب توضیح مرام صفہ پر لکھتے ہیں کہ "مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو

استعارہ کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔" مرزا صاحب نے اس جگہ عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی کیسی صاف تائید کی ہے۔ جو قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے۔"
(عشرہ ص۲۶)

الجواب۔ معترض نے تین الہام پیش کئے ہیں جن میں سے آخری "اصبح ولدی" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام نہیں بلکہ دراصل "اسمع وادری" ہے (دیکھو مکتوبات احمدیہ جلد ا ص۳۳) جو کہ بابو منظور الٰہی کی کتاب البشریٰ میں درج ہوتے وقت سہو کاتب سے "وادری" کی بجائے "ولدی" بن گیا ہے۔ اصل الہام کے معنی ہیں خدا فرماتا ہے "میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں"۔ ہاں اوّل الذکر دونوں الہام موجود ہیں۔ میں ان کے متعلق فصل دوم میں مفصل لکھ چکا ہوں اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ صرف "درد منگورا تا بخانہ اش باید رسانید" کے مطابق حقیقۃ الوحی ص۸۶ اور دافع البلاء ص۶ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح دوبارہ لکھ دیتا ہوں۔ تا ناظرین اندازہ کر سکیں کہ مصنف "عشرہ کاملہ" نے فقرہ "مرزا صاحب نے ظاہر کیا ہے کہ اللہ نے ان کو ولد کہہ کر مخاطب کیا ہے" میں کہاں تک دیانتداری سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اوّل تو ہر دو الہامات میں لفظ "بمنزلۃ" موجود ہے نیز حضرت مرزا صاحب علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اس لئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو وہ خدا بناتے ہیں اس اُمت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۸۶ حاشیہ)

(ب) "یاد رہے خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا

اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ[1]۔ ایسا ہی بجائے قُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ کے قُلْ یَا عِبَادِیْ[2] بھی کہا اور یہ بھی فرمایا فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ[3]۔ پس اس خدا کے کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔

اور میری نسبت بیّنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ[4]۔" (دافع البلاء ٹائٹل حاشیہ)

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ معترض پٹیالوی نے جن دو حوالوں کی بناء پر حضرت اقدسؑ پر اتہام لگایا تھا وہاں پر کس زور کے ساتھ اس کی تردید موجود ہے کہ خدا کا کوئی ولد ہے۔ یہ ان لوگوں کی دیانتداری کا حال ہے۔ ہاں آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے اس قسم کے الہامات کو "متشابہات" قرار دیا ہے۔ آپ اسے ضرور یاد رکھیں۔ یہ آئندہ کام آئے گا۔

استعاری یا مجازی معبود

افسوس کہ وہ لوگ جن کو اس قدر بھی علم نہیں کہ استعارہ اور مجاز کلام کی صفات ہیں، ذات انسان کی نہیں، وہ بھی احمدیت پر معترض ہیں۔ "مجازی معبود" کے لفظ سے اگر تو عوام کے جذبات بھڑکانے مقصود ہیں تو شاید جہال میں یہ مراد بر آجائے ورنہ کون صاحب علم و عقل ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو درست تسلیم کر سکتا ہے۔ بھلا آنجناب خود فرمائیے کہ آیت قرآنی "اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ" میں لفظ ولد سے حقیقی ولد مراد ہے یا مجازی۔ اگر کہو

---

[1] اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر تھا (الفتح ع۱) [2] تو اے رسول کہہ اے میرے بندو! (الزمرع۲)

[3] اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو (بقرہ ع۲۵) [4] کہہ دے کہ میں صرف بشر ہوں۔ میری طرف وحی ہوتی ہے کہ تمہارا ایک ہی خدا ہے اور ہر خیر قرآن مجید میں ہے۔" مؤلف

کہ حقیقی اور یقیناً حقیقی ہی مراد ہے تو معترض کے مندرجہ بالا پوچ اور لچر استدلال کے کیا معنی ؟ اور اگر کہو مجازی تو اوّل اس کا ثبوت کیا ہے اور مجازی ولد کی تعریف قرآن مجید میں کیا لکھی ہے ؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ اس صورت میں مولانا روم پر کیا فتویٰ عائد کرو گے جو فرماتے ہیں ؎

اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر ۔۔۔ در حضور و غیبت آگاہ باخبر

(مثنوی دفتر سوم صـ۱۳)

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہو گے جو تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر لفظ ابناء بجائے محبوباں ذکر شدہ باشد چہ عجب ۔" (الفوز الکبیر صـ۳)

ہاں آیت مذکورہ میں مجازی معنے مراد نہ ہونے کا جلی ثبوت قرآن مجید کی یہ آیت بھی ہے اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (انعام ع۱۳) یہ سوال حقیقی معنی کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے، مجازی کی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا۔ بالمقابل مجازی کے جواز کا قرینہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ پر عدم انکار صاف موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن یا ولد کا لفظ بمعنی حبیب استعمال ہوا ہے اور بقرینہ آیت لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ وغیرہ آیات منہی عنہ حقیقی معنے میں نسبت ابنیت ہے جس کو الوہیت لازم ہے نہ کہ بطور استعارہ محبوبیتِ الٰہی والے معنے ۔ کیونکہ حبیب اللہ ہونے کا دعویٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ بلکہ ہر مومن اور اپنے متبع کا یہ مقام بتایا ہے فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ یہ بھی یاد رہے کہ مجازی اطلاق میں کوئی خاص صفت یا مشابہت مراد ہوتی ہے نہ جمیع صفات ۔ پس "مجازی معبود" کا استدلال نہایت رکیک، خلافِ محاورہ، اور محض مغالطہ دہی پر مشتمل ہے وبس ۔

توضیح مرام اور عیسائیوں کے عقیدہ کی تائید

معترض پٹیالوی نے "توضیح مرام" سے ایک سطر لکھ کر تحریر کیا ہے کہ اس میں مرزا صاحب نے عیسائیوں کے عقیدہ کی "صاف تائید" کی ہے ۔ کیا عیسائی لوگ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے فقرہ "استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں" میں ان کے عقیدہ کی "صاف تائید" یا معمولی سی تائید بھی کی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے اس فقرہ میں "مسیح اور اس عاجز کا مقام" اور "بطور استعارہ"

؎ جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی تحریر فرماتے ہیں :- "خداوند تعالیٰ نے کسی اپنے اچھے بندے کو جیسے انبیاء اولیاء فرزند کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے حقیقی ابوّت یا بنوّت ایسا جان کر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو

کا لفظ لکھ کر عیسائی عقیدہ کی زبردست تردید کی ہے لیکن ہم مزید وضاحت کے لئے توضیح مرام کی مکمل عبارت درج کرتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"یہ وہ عالی مقام ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقامِ وحدت تامہ ہے۔ پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اسی پتہ و نشان پر خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور جیسا مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی یہ وہ مقام عالیشان مقام ہے کہ گزشتہ نبیوں نے استعارہ کے طور پر صاحب مقام ہذا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کو خدا تعالیٰ کا ظہور قرار دے دیا ہے اور اس کا آنا خدا تعالیٰ کا آنا ٹھہرایا ہے[1]۔" (توضیح مرام ص۲۷ طبع دوم)

اخیر پر لکھا ہے:۔

"یہ سب روحانی مراتب ہیں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسب حال الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ حقیقی ابنیت اس جگہ مراد ہے یا حقیقی الوہیت مراد لی گئی ہے۔" (توضیح مرام ص۲۸)

توضیح مرام کی عبارت کا نقل کر دینا ہی معترض پٹیالوی کی فریب کاری کو واضح کرنے کے لیئے کافی ہے اس لیئے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس جگہ قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر بحث کرنے والے صوفیاء میں سے ایک کا حوالہ درج کرنا مناسب ہے۔ مشہور کتاب فصوص الحکم کی شرح خزائن اسرار الکلم میں لکھا ہے:۔

(الف) "تیسرا مقام فناء الفناء کا ہے کہ محویت اس میں اس قدر ہوتی ہے کہ سالک کو اپنے نفس اور فناء کا بھی شعور باقی نہیں رہتا۔ اسی مقام میں

---

[1] اس عبارت سے معترض کا یہ شبہ بھی مٹ جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "مجازی معبود" بنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند ہیں اور یہی آپ کا دعویٰ ہے۔ (ابو العطاء)

صدائے اَنَا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ ذالک سالک سے کبھی سرزد ہوتی ہے۔" (مقدمہ صہ ۳۱)

(ب) "اس آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین اللہ کے تھے اور صحابہ کرام وقت اُس بیعت کے مشاہد حق تعالیٰ کے تھے بیچ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مظہر اکمل اس کے ہیں۔ پھر تاکید فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس معنے کی اور کہا کہ ہاتھ اللہ کا اُوپر ہاتھ صحابہ مبایعین کے ہے اور اس جگہ نہ تھا کچھ مگر ہاتھ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُوپر ہاتھ مبایعین کے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عین اللہ ہیں مشاہدے میں صحابہ مبایعین کے، اور ہاتھ رسول اللہ صلعم کا ہاتھ اللہ کا ہے اس مشاہدے میں۔" (مقدمہ صہ ۲۳-۲۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر الزام لگانے والے اِس حوالہ کو پڑھیں اور دیکھیں کہ کیا حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی اور کہیں بھی اسلامی شریعت کی خلاف ورزی کی ہے؟ یہ سوال الگ ہے کہ اہلِ ظاہر کو کوچۂ باطن میں تاریکی ہی تاریکی نظر آئے ؎

اہلِ ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش
کچھ نہ پائیں گے یہاں رنج و مصیبت کے سوا

افسوس کہ تاریکی کے فرزند اپنی کور چشمی کے ماتحت پارسا لوگوں پر زبانِ طعن دراز کرتے رہے۔ سچ ہے ؏ الناس اعداء ما جھلوا

(۲) دعویٰ کرشن

معترض بٹیالوی نے اس فصل کے دوسرے نمبر میں ہمارے حضرتؑ پر یہ الزام قائم کیا ہے کہ آپ نے اپنے مطبوعہ رسالہ "لیکچر سیالکوٹ" میں کرشن ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہذا آپ "اسلام اور اس کی کامل تعلیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔" چنانچہ مکذب کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"کرشن جی مہاراج ہندوؤں کے اعتقاد میں پرمیشور کا اوتار تھا۔ چنانچہ ان کو کرشن بھگوان کہا جاتا ہے۔ (اگر بھگوان کا لفظ ہی اُلوہیت کی دلیل ہے تو کیا وید بھگوان، گورو بھگوان وغیرہ سے ویدوں وغیرہ کا

خدا ہونا بھی ثابت کرو گے؟ ۔ ابو العطار) وہ تناسخ کے قائل، قیامت کے منکر اور بہشت دوزخ سے انکاری تھے۔ غرض یہ مسلّم ہے کہ کرشن جی کا مذہب تناسخ تھا۔ جب مرزا جی بالکل کرشن بن گئے تو ان عقائد کے ساتھ وہ مسلمان کس طرح رہے۔" (عشرہ صفحہ ۳۴)

الجواب ۔ جنابِ من! اگر کسی کو مخالفِ اسلام ثابت کرنے کا یہی طریقہ ہے تو اتنی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہ تھی، آپ صاف فرما دیتے کہ چونکہ مرزا صاحب مسیحیت کے مدعی ہیں اسلئے اُن کا اسلام پر ایمان نہیں کیونکہ انجیل میں مسیح ناصری کی الوہیت کا دعویٰ مسیح سے منسوب کیا گیا ہے۔ بندۂ خدا! تم ثابت تو یہ کرنا چاہتے تھے کہ مرزا صاحب کے الہامات و کشوف خلافِ شریعت ہیں لیکن خود شریعت کے خلاف جا رہے ہو۔ کیا قرآن مجید میں نہیں فرمایا گیا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ع) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل ع) إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ع) کہ دنیا کی ہر اُمّت میں ہم نے توحید کی تلقین کے لئے انبیاء بھیجے ہیں۔" ہندوستان ایک پرانا آباد اور وسیع ملک ہے، کروڑوں انسان اس میں آباد ہیں۔ ضروری ہے کہ اس ملک میں بھی خدا نے نبی اور رسول بھیجے ہوں اور کرشن اس ملک کے بہت بڑے ریفارمر مانے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے کیا ظلم کیا جو شریعت اسلامی کے اہم اور روشن حکم کے ماتحت حضرت کرشن کو توحید پھیلانے والا نبی تسلیم کر لیا؟ جیسا کہ بعض دوسرے مسلمانوں نے بھی اقرار کیا ہے جن کے حوالجات آگے درج ہیں۔

ھَلْ فِيكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ؟

بے شک بعض ہندوؤں نے کرشن کی طرف بہت سے ناگفتہ بہ افعال و عقائد منسوب کیے ہیں مگر اس میں ان کا کیا قصور ہے اور کیا اس وجہ سے ہم اُن کو بُرا انسان خیال کریں؟ اگر یہ طریق درست تسلیم کر لیا جاوے تو نہ صرف کرشن کو چھوڑنا چاہیئے بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو بھی چھوڑنا پڑے گا کیونکہ اُن کی قوم نے بھی اُن کی طرف نہایت غلط اعتقاد اور گندے افعال منسوب کئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کے حالات بائیبل اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جن ناشائستہ الفاظ میں

درج ہیں شرافتِ انسانی ان کے ذکر سے مانع ہے۔ اب کیا اسلئے کہ یہود و نصاریٰ نے ان پر الزام لگائے ہیں ہم قرآن مجید اور اسلام کے اس امتیازی، عالمگیر اور صلح کل اصول کو ترک کر دیں اور ان انبیاء کو ان افعال کا مرتکب سمجھ لیں؟ حاشا وکلا۔ پس یہ طریق ہی غلط ہے۔ افسوس کہ وہ شخص (مکذب پٹیالوی) جو اپنی نادانی سے دوسروں کو مخالفِ قرآن سمجھ کر نصیحت کرتا تھا کہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اور اسلام کے چشمۂ صافی سے منہ موڑ کر مشرکوں اور تناسخ کے قائلوں کے پیچھے پیچھے جوتیاں چٹخاتے پھرنا درست نہیں۔" وہ خود قرآن سے روشنی حاصل کرنے اور کرشن کے متعلق فیصلہ چاہنے کی بجائے "گیتا" کے شلوک ثبوتِ تناسخ میں پیش کر رہا ہے ؏

دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت

حالانکہ اگر کرشن کے عقائد کے لئے گیتا مستند ہے تو حضرت مسیح کے عقائد کے لئے انجیل کیوں مستند نہ ہوگی؟

قرآن مجید نے کیا صاف فیصلہ فرمایا ہے کہ ہم نے ہر امّت میں اسلئے رسول بھیجے تاکہ وہ عبادتِ الٰہی کی تلقین کریں اور لوگوں کو شرک سے دور ہٹائیں۔ گویا سب قوموں کے بانیوں اور نبیوں کے متعلق مستقل فیصلہ ہوگیا۔ افسوس اُن پر جو اس کھلے فیصلہ کے باوجود ادھر اُدھر بھٹکتے پھریں۔

حضرت مسیح موعودؑ اور کرشن کے عقائد

معترض نے اپنے الزام کی بنیاد حضورؑ کا "لیکچر سیالکوٹ" قرار دی ہے۔ وہاں پر حسب ذیل عبارات لکھی ہیں حضورؑ فرماتے ہیں :-

(الف) "وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تُو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اس کو سُنکر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لے کر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے۔[1] لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے

---

[1] کیونکہ عام مسلمان کرشن کو پاک نہیں مانتے ہیں جیسا کہ آگے مذکور ہے۔ مؤلّف۔

بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو میں پیش کرتا ہوں کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔"

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳-۳۴)

معترض نے تناسخ کی قائلیت کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

(ب) "اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو اُن کی چند غلطیوں پر متنبہ کرتا ہوں ..... (قدامت روح و مادہ کی تردید کے بعد فرماتے ہیں۔ ناقل) اِس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں ان کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھہرا دیا ہے اور تناسخ ہمیشہ کے لیے گلے کا ہار قرار دیا گیا۔ جس سے کبھی نجات نہیں۔ یہ بخل اور تنگدلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقلِ سلیم تجویز نہیں کر سکتی۔"

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۵)

ہر دو اقتباس نہایت واضح ہیں، ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الفاظ کو پڑھیں اور دوسری طرف معترض کی دیدہ دلیری ملاحظہ کریں کہ حوالہ "لیکچر سیالکوٹ" کا اور پھر اس طرح متعصبانہ اعتراض ؟ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اسی ذیل میں مصنف عشرہ نے "الہام" "آریوں کا بادشاہ" اور "برہمن اوتار سے مقابلہ

اچھا نہیں" کو بھی پیش کیا ہے۔ اوّل تو ان کا جواب اُوپر کی عبارت میں آگیا ہے چنانچہ حضرت نے بحیثیت کرشن ہونے کے آریوں کی غلطیوں کی توضیح فرمائی ہے اور رُوحانی بادشاہ کا یہی کام ہوتا ہے کہ عقائدِ فاسدہ کی اصلاح کرے۔ اور "برہمن اوتار" کے معنی "خدا کا نبی" کے ہیں۔ برہما خدا کا نام ہے اور اوتار کے معنی لیکچر سیالکوٹ میں حضرت نے خود نبی تحریر فرماتے ہیں۔ (ص۳۴ طبع دوم)

پس حضرت مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ تشریح کے مطابق کوئی اعتراض نہیں۔ دوسرے جس طرح مسیحِ اوّل علیہ السلام نے کہا کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں اسی طرح مسیحِ محمدی نے کہا کہ خدا نے مجھے آریوں کا بادشاہ بھی قرار دیا ہے۔ وہاں یہودی خیالات لازمی تھے یہاں آریہ عقائد ضروری نہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے بالآخر فرمایا کہ میری بادشاہت اس جہان کی نہیں۔ (یوحنا ۱۸/۳۶)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا

مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

ہم تو بستے ہیں فلک پر اِس زمیں کو کیا کریں!

آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار

ملکِ روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر

گو بہت گزرے ہیں دنیا میں امیر و تاجدار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

پس معترض کا اعتراض سراسر باطل ہے۔

معترض پٹیالوی کو اِس بات پر بھی اعتراض ہے کہ متعدد نام کیوں رکھے گئے۔ افسوس کہ واقفیتِ دین اس کے بس کا روگ نہیں ورنہ وہ اِس پر حیران نہ ہوتا۔ ہم دونوں فریق تسلیم کرتے ہیں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار نام تھے۔ پڑھیے "وَذَکَرَ ابْنُ الْعَرَبِیِّ اَنَّ لِلّٰہِ اَلْفَ اِسْمٍ وَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْفَ اِسْمٍ" (مجمع البحار جلد ا صفحہ ۳۰ و زرقانی شرح مؤطا جلد ۴ صفحہ ۳۴۵) اور ماحی، حاشر، احمد، عاقب وغیرہ تو بہت مشہور ہیں۔ اب اگر حضرت مرزا صاحبؑ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند نام رکھے گئے تو اس میں کونسا ہرج لازم آگیا؟

سلہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کو بھی بعض لوگوں نے "اوتار" کہا ہے۔ (رسالہ گفتگوئے مذہبی مطبع مجتبائی صفحہ ۴)

اگر معترض کو اہل منطق کا مشہور مقولہ "لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ" یاد نہ تھا تو اُسے اتنا تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ زید کو اس کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے باپ، بیٹا، بھائی، داماد، خاوند وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اسی طرح اگر آنے والے موعود کے جو موعودِ کُل ادیان ہے ان قوموں کے لحاظ سے مسیح، مہدی اور کرشن وغیرہ نام رکھے گئے تو اس پہ خیرہ چشم معاند کیوں آتش در نعل ہو رہے ہیں؟ سچ ہے ؎

پھر دوبارہ آ گئی احبار میں رسمِ یہود
پھر مسیحِ وقت کے دشمن ہوئے یہ جُبّہ دار

حضرت کرشنؑ کے متعلق اہل اسلام کے دس حوالے

بالآخر ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ کرشن کے متعلق دوسرے لوگوں کے کیا خیالات ہیں۔ چنانچہ ذیل میں وہ حوالجات درج کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت مجدد الف ثانی امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

"در اُمم سابق کہ ملاحظہ میکنم بقعہ یافتہ نمی شود کہ در آنجا بعثتِ پیغمبرے نشدہ باشد حتیٰ کہ در زمینِ ہند کہ دور از ایں معاملہ مے نماید کہ نیز مے یابد کہ اہلِ پیغمبراں مبعوث شدہ اند و دعوت بصانعِ جلّشانہ فرمودہ اند و در بعضے از بلادِ ہند محسوس میگردد کہ انوارِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات در ظلماتِ شرک مدور رنگ مشعلہا افروختہ اند۔"

(مکتوباتِ امام ربانی جلد اوّل مکتوب ۲۵۹)

(۲) مولوی وحید الزمان صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر میں لکھا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ حضرت کرشن علیہ السلام خدا کے ایک برگزیدہ اور راستباز انسان تھے اور وہ اپنے زمانہ میں اپنی قوم کے لیے خدا کی طرف سے نذیر ہو کر آئے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ اس آیت سے یہ صاف نکلتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ (تفسیر وحیدی زیر آیت وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر)

(۳) جناب مولوی عبید اللہ صاحب مؤلف تحفۃ الہند لکھتے ہیں:۔

"ہو سکتا ہے کہ اس ملک (ہند) میں حق تعالیٰ کی طرف سے بعض انبیاء بھی مبعوث ہوئے ہوں ..... کیونکہ احتمال ہے کہ .... شاید یہ باتیں جو اُن کی نسبت ان کی پوتھیوں میں لکھی ہیں جھوٹ ہوں" (رسالہ تحفۃ الہند ص‍)

(۴) جناب مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

"ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۲)

(۵) حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں :-

(الف) "رامچندر، کرشن نبی تھے" (ست دھرم وچار مصنفہ مولانا موصوف)

(ب) "کیا عجب ہے کہ جن کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں ۔ قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا الخ ..... سو کیا عجب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہی نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا ۔ رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے اور افعالِ ناشائستہ مثل زنا، چوری وغیرہ اُن سے سرزد نہ ہوتے ۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں ۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں ۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے اور دلائل عقلی و نقلی اس کے مخالف ہیں ۔ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو" (مباحثہ شاہجہانپور مطبوعہ سہارنپور مابین مولانا محمد قاسم صاحب و دیانند سرسوتی ص۳۱)

(۶) ایک مبلغ اسلام لکھتے ہیں :-

"میں مجمل طور پر ہندوستان کے دو نامور بزرگوں سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کے حالات پیش کرتا ہوں ..... یہ لوگ واقعی ہندوستان کے رسول تھے" (لیکچر "ہندوستان کے دو پیغمبر"[1] ص۹)

---

[1] یہ لیکچر انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۴۲ ویں سالانہ جلسہ میں ہزاروں مسلمانوں کے سامنے پڑھا گیا ۔ مؤلف

(۷) خواجہ حسن نظامی صاحب لکھتے ہیں

(الف) "سری کرشن بھی ہندوستان کے ہادی تھے۔ ان کو بھی ایک بڑی اور اعلیٰ قوم کی رہبری پر مامور کیا۔" (کرشن بیتی صفحہ ۳۹)

(ب) "سری کرشن کی ذات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظالموں کی تباہی اور بربادی کے لئے مامور ہوئی تھی۔" (کرشن بیتی صفحہ ۹۱)

(۸) مولوی محمد علی صاحب مونگیری نے لکھا ہے:۔

"حضرت کے بیشتر یہ لوگ (کرشن و رامچندر) مسلمان تھے۔" (رسالہ ارشادِ رحمانی و فضلِ یزدانی طبع اوّل صفحہ ۳۴)

(۹) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے متعلق لکھا ہے کہ کرشن کے متعلق ایک کشف پر آپ نے فرمایا:۔

"اس کی تعبیر دوسری ہے۔ جتنے لوگ گزر گئے ہیں ان میں سے کسی خاص شخص پر کفر کا حکم لگانا بغیر ثبوت شرعی جائز نہیں ہے اور ان دونوں (کرشن و رامچندر) کا حال نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں۔ اور قرآن مجید میں آچکا ہے کہ ہر قریہ میں ہدایت کرنے والا گزرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہنود میں بھی کوئی ہادی گزرا ہوگا۔ اس طور پر ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے عہد میں ولی ہوں یا نبی۔" (رسالہ ارشادِ رحمانی طبع اوّل صفحہ ۴۴)

(۱۰) مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور نے لکھا ہے:۔

"کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں جس کی برائیوں کی اصلاح کے لئے خدائے بزرگ و برتر نے خاص خاص اوقات میں اپنا کوئی برگزیدہ بندہ نبی یا مرسل یا مامور کے طور پر مبعوث نہ کیا ہو۔ سری کرشن نبیوں کے اسی عالمگیر سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔" (اخبار پرتاپ لاہور کا کرشن نمبر ۲۸ اگست ۱۹۲۹ء)

قارئین کرام! ان دس حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت کرشنؑ کے متعلق قرآن مجید کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو وضاحت فرمائی ہے مسلمانوں کے سمجھدار طبقہ نے بھی اسی پر صاد کیا ہے اور وہ اجمالاً یا تفصیلاً جنابِ کرشن کی بزرگی کے قائل ہوئے ہیں۔ معترض پٹیالوی نے اس حقیقت کے اظہار پر سیدنا حضرت مسیح موعودؑ

کو اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ بتائیے اگر معترض کا بیان درست ہے تو ان بزرگوں یا علماء پر کیا فتویٰ لگے گا؟ بیّنوا، توجروا۔

معترض پٹیالوی اس الہام کو **(۳) "یحمدک اللّٰہ من عرشہ ویمشی الیک"** درج کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

"قرآن مجید کی پہلی آیت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے سزاوار ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ ادھر سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے اپنے خدا کی حمد کر۔ کیا مرزا صاحب کے الہام سے بموجب آیاتِ قرآنی اللہ تعالیٰ کا مقابلہ اور خیر البشر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک مقصود نہیں؟ اور کیا خدا سے اپنی حمد کرا کر مرزا صاحب نے صریح طور پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار نہیں کیا؟" (عشرہ صـ۷۴)

الجواب۔ اعتراض کا خلاصہ دو فقروں میں ہے:۔

(۱) مرزا صاحبؑ نے الہام "یحمدک اللّٰہ" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کیا۔

(۲) اس الہام سے مرزا صاحبؑ نے آنحضرتؐ پر افضلیت کا ادعاء کیا اور آنحضرتؐ کی ہتک کی (العیاذ باللہ)

فقرہ اوّل کا جواب۔ (الف) بلاشبہ یہ درست ہے کہ بالذات اور حقیقی طور پر صرف ذاتِ باری ہی حمد کی مستحق ہے۔ جس طرح الحیّ، القیّوم، السمیع، البصیر، الخبیر حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے اوصاف ہیں مگر انسان بھی زندہ، قائم، سننے والا، دیکھنے والا اور خبردار کہلاتا ہے۔ بلکہ خود قرآن مجید میں بھی ایسی صفات انسان سے منسوب کی گئی ہیں۔ اگر کوئی نادان کہے کہ "دیکھو خدا بھی زندہ اور تم بھی زندہ، وہ بھی سننے والا اور تم بھی سننے والے، گویا تم خدا کے شریک ٹھہرے" تو اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ بے شک خدا بھی زندہ ہے اور ہم بھی زندہ ہیں لیکن ہماری زندگی بالتبع اور اس کے واسطہ سے ہے، جب تک وہ زندہ رکھے ہم زندہ ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حمد کا حقیقی طور پر خدا ہی مستحق ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے بالتبع کسی انسان کی حمد ہو تو اس کو خدا کا

مقابلہ قرار دینا انتہائی جہالت ہے۔ بھلا جب خدا تعالیٰ نے بندہ میں حمد کی بنیادیں خوبیاں ودیعت فرمائی ہیں تو اس کی بالتبع حمد کیوں حرام ٹھہری؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن کے الہام پر اعتراض کیا گیا ہے خود تحریر فرماتے ہیں :-

"لا یتحقق حقیقۃ الحمد کما ھو حقّھا الّا للّذی ھو مبدءٌ لجمیع الفیوض والانوار ومحسن علی وجہ البصیرۃ لا من غیر الشعور ولا من الاضطرار فلا یوجد ھذا المعنی الّا فی اللہ الخبیر البصیر وانّہ ھو المحسن ومنہ المنن کلّھا فی الاوّل والاخیر ولہ الحمد فی ھذہ الدار و تلک الدار والیہ یرجع کل حمدٍ ینسب الی الاغیار"

ترجمہ: حقیقت حمد اصلی طور پر صرف اسی ذات میں متحقق ہے جو تمام فیوض و انوار کی منبع و سرچشمہ ہے اور بالارادہ عمداً بلا جبر و اکراہ احسان کرنے والی ہے اور یہ بات بجز اللہ خبیر و بصیر کے نہیں پائی جاتی پس وہی حقیقی محسن ہے اور پہلے اور پیچھے سب احسانات اُسی کی طرف سے آتے ہیں اسلئے اِس دنیا اور اگلے جہان میں حقیقی حمد اسی کے لیئے ہے۔ اور جو محامد اس کے غیر سے منسوب ہیں وہ بھی در اصل اسی کی طرف راجع ہیں"

(اعجاز المسیح صفحہ ۱۲۵)

پس الہام "یحمدک" میں حمد ذاتی مراد نہیں کیونکہ وہ بہر صورت مختص بذات الباری تعالیٰ ہے اور رہے گی۔ ہاں عرضی حمد جو خدا کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے اِس جگہ مراد ہے۔

جواب (ب) اِس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ لفظ حمد کا غیر اللہ کے لیئے استعمال مطلقاً ناجائز ہے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب غلطی کم علم سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور عربی زبان کی رُو سے یہ ناجائز نہیں۔ بلکہ بسا اوقات غیر اللہ کے لیئے لفظ حمد بولا گیا ہے۔ طوالت کلام سے اجتناب کرتے ہوئے ذیل میں صرف چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں۔

عام انسانوں کے لئے لفظ حمد

امام بیضاوی کہتے ہیں:- حمدت

زید اعلیٰ کرمہ و علمہ کہ تم زید کی سخاوت اور اس کے علم کی بنا پر اس کی حمد کر سکتے ہو یعنی لفظ حمد بولنا جائز ہے (تفسیر بیضاوی زیر آیت الحمد للہ)
مجمع البحار میں بھی لکھا ہے :- انک تحمد الرجل علیٰ صفاتہ الذاتیۃ وعلیٰ عطاءہ (جلد ا صت۳) کہ ہر شخص کی صفات اور بخشش وغیرہ پر لفظ حمد کا اطلاق کر سکتے ہو۔

کافروں کا اپنے لیئے لفظ حمد

شاعر اپنے قبیلہ کی تعریف میں کہتا ہے ؎

لنا حمد ارباب المئین ولا یری
الیٰ بیتنا مال مع اللیل رائح
(حماسہ مجتبائی ص۵۰۳)

یہاں شاعر نے اپنے لیئے لفظ حمد کا استعمال کیا ہے۔

منافقوں کے لیئے لفظ حمد

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران ع)
گویا اس آیت میں لفظ حمد منافقوں سے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ جھوٹے طور پر اپنی حمد چاہتے ہیں۔

مومنوں کے لئے لفظ حمد

مسلم شریف میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا اَوَ یَاْتی الخیر بالشر۔ آپ نے تھوڑی خاموشی کے بعد فرمایا "این ھذا السائل" کہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس پر راوی کہتا ہے کَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ گویا رسول پاکؐ نے اس سائل کی تعریف فرمائی۔ اس جگہ ایک مومن کے لئے حمد کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ (جلد ا ص۳۸۵ باب تخوف ما یخرج من زھرۃ الدنیا)

دوسری حدیث میں ہے :-
قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَأَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُہُ النَّاسُ عَلَیْہِ قَالَ

تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔" (مسلم جلد۲ کتاب البر والصلۃ)

"عرض کیا گیا کہ اے رسول خدا! ایک انسان نیک کام کرتا ہے تو لوگ اس کی حمد کرتے ہیں۔ فرمایا یہ مومن کے لئے پہلی بشارت ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ حمد

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ اس کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"اِفْعَلْ هٰذَا الَّذِیْ اٰمُرُكَ بِهٖ لِنُقِیْمَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَحْمَدُكَ فِیْهِ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ وَ خَالِقُهُمْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی۔" (تفسیر ابن کثیر جلد۶ صفحہ ۹۲)

گویا مقام محمود وہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوقات اور خود اللہ تعالیٰ حمد کرے گا۔ اس عبارت میں لفظ "یحمدك" خاص طور پر قابل یادداشت

(۲) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ذات جس کی بکثرت اور بار بار حمد کی جائے۔ ان معنوں کے لئے حوالجات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

(الف) لسان العرب میں لکھا ہے:۔ "محمّد هٰذا الاسم منه كانّه حمّد مرّةً بعد اخرٰی۔"

(ب) مجمع البحار میں لکھا ہے:۔ اذا بلغ النهاية و تكاملت فيه المحاسن فهو محمّد وهو منقول من الصفة للتفاؤل انّه سيكثر حمدهٗ (جلد اوّل زیر لفظ حمد)

گویا آنحضرتؐ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی لئے رکھا گیا تا آپؐ کی کثرتِ حمد پر دلالت کرے۔

(ج) امام ابن القیمؒ لکھتے ہیں:۔

"تسميته صلى الله عليه وسلم بهٰذا الاسم (اى محمّد) لما اشتمل عليه من مسماه وهو الحمد فانّهٗ صلى الله عليه وسلم محمود عند الله، ومحمود عند الملائكة، و

محمود عند اخوانه من المرسلین، ومحمود عند اهل الارض کلهم، وان کفر به بعضهم فانّ ما فیه من صفات الکمال محمودۃ عند کل عاقل وان کابر عقله جحوداً وعناداً وجهلاً باتصافه بها ولو علم اتصافه بها لحمدہٗ فانّه یحمد من اتصف بصفات الکمال ویجهل وجودها فیه فهو فی الحقیقة حامدٌ له۔" (جلاء الافہام ص۱۱)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمّد اسلئے ہے کہ اس نام محمدؐ کے مسمّیٰ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سی حمدوں کے جامع ہیں۔ آپؐ کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حمد کی گئی ہے اور آپ فرشتوں اور مرسلین کے نزدیک بھی حمد کئے گئے ہیں، اور رُوئے زمین کے سب لوگ آپ کی حمد کرتے ہیں، اور جو لوگ عناد اور جہل کے ماتحت آپ کی صفاتِ کمال سے منکر ہیں وہ آپؐ کے انکاری ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی آپ کے حامد ہیں ہاں اُن کو صرف ان صفات کا علم نہیں جو حضور میں موجود ہیں۔" نہایت واضح عبارت ہے۔

(د) صاحب زرقانی نے لکھا ہے :۔

"انّ المحمّد لغة هو الّذی حمّد مرّةً بعد مرّةٍ الی غیر النهایة کالممدح او الّذی تکاملت فیه الخصال المحمودۃ۔" (زرقانی علی المؤطا جلد ۴ ص۲۲۹)

پھر زاد المعاد میں لکھا ہے :۔

"محمّد هو الّذی یحمدہٗ اهل السّمٰوٰت واهل الارض۔" (زاد المعاد جلد ۱ ص۲۲)

خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

أَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَلَعْنَهُمْ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّماً وَیَلْعَنُوْنَ مُذَمَّماً وَ اَنَا مُحَمَّدٌ۔ (بخاری جلد ۲ ص۱۲۶ باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ)

"کیا یہ بات تمہارے لیے تعجب خیز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں

اور لعنتوں کو مجھ سے کس طرح دُور کر دیا ہے کیونکہ وہ مذمّم (قابل مذمّت وجود) کو گالیاں دیتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں یعنی قابل حمد و ستائش۔"

یہ امر تشریح طلب نہیں کہ اس حدیث میں حضورؐ نے آنا محمد کو مذمّم کے بالمقابل رکھ کر بطور صفت (بار بار حمد کیا گیا) ذکر فرمایا ہے وھو المطلوب۔

حضرات! مندرجہ بالا بیانات سے آپ پر واضح ہو چکا ہے کہ لفظ حمد کا استعمال عام ہے جو لوگ اس کو غیر اللہ کے لئے مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں وہ داخل "کوئیں کے مینڈک" ہیں۔

فقرہ دوم کا جواب:۔ اگرچہ ہمارے بیان کے آخری حصہ سے مکذب پٹیالوی کے اعتراض کے دوسرے حصہ کا خود بخود جواب مل جاتا ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ اللہ، فرشتے، رسول اور جمیع خلق آپ کی حمد کرتے ہیں اور "مقام محمود" کا یہ بھی مفہوم لیا گیا ہے تو اب "افضلیت یا ہتک" کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ آپؐ کی شان میں بھی لفظ حمد وارد ہے بلکہ آپ محمد ہیں یعنی بالفاظِ دیگر ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مصداق ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سینکڑوں اقتباسات میں سے صرف دو درج کرتے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی جس قدر بھی شان بلند ہو بہر حال آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضان حاصل کیا ہے۔ اور وہ تمام محامد بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف ہی راجع ہیں[1]۔ فرماتے ہیں:۔

اوّل:۔ "اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک مدح و ثناء جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصّہ حاصل کرتا ہے اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف اور احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت اور خوبی سے۔" (براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۸۴ حاشیہ نمبر ۲)

دوم۔ فرماتے ہیں:۔

---

[1] حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانئ مدرسہ دیوبند تحریر فرماتے ہیں:۔ "اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں۔ ... اس صورت میں اگر اصل اور ظل میں تساوی بھی ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ افضلیت بوجہ اصلیت پھر بھی ادھر رہے گی۔" (تحذیر الناس ص ۲۸)

"وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

چند شعروں کے بعد ؎

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

(رسالہ قادیان کے آریہ اور ہم)

اندریں صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کے ادعاء کا الزام ایک گندہ، ناپاک اور سراسر افتراء سے پُر الزام ہے۔ اے کاش کہ ہمارے مخالف تھوڑی سی دیانتداری سے بھی کام لیں تو اس قدر مغالطہ دہی کے مرتکب نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کی تعریف کی

معترض کے اعتراض میں یہ بطور یہ مذکور ہے کہ گویا (نعوذ باللہ) اللہ نے کسی نبی کی تعریف نہیں فرمائی حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے علاوہ اپنے مومن بندوں کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ انبیاء کے حق میں قرآن مجید میں بکثرت آیات موجود ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (ہود ع) پھر فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (مریم ع) حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق فرمایا وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم ع) حضرت ادریسؑ کے بارہ میں فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (مریم ع) حضرت نوحؑ کے متعلق فرمایا اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا (بنی اسرائیل ع) حضرت سلیمانؑ اور حضرت ایوبؑ کے حق میں وارد ہوا ہے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ (ص ع) حضرت داؤدؑ کے ذکر پر فرمایا وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّہٗ اَوَّابٌ (ص ع) حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کے ذکر پر فرمایا اِنَّا اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (ص ع) خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں علاوہ دیگر آیات کے فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (احزاب ع) حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا اِنَّہٗ کَانَ مُخْلَصًا (مریم ع)

اب ہر ایک شخص جو کچھ بھی عقل رکھتا ہے بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام کلمات جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں فرمائے ہیں یہ سب ان کے محامد اور ان کی تعریفیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کی ہیں کسی بندہ نے نہیں کیں۔ پس یہ خیال سراسر لغو ہے کہ خدا تعالیٰ کسی بندہ کی تعریف نہیں کرتا اور یہ اس کی ذات کے منافی ہے۔

یہ امر تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ تمام تعریفی کلمات اللہ تعالیٰ نے عرش پر سے ہی فرمائے ہیں کیونکہ قرآن پاک کہتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کہ خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ لہذا اب اعتراض ہر رنگ میں غلط ثابت ہوا۔ سعدی مرحوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرما گئے ہیں ؎

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد　　زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

پھر کہتے ہیں ؎

ترا عزّ لولاک تمکین بس است　　ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

خدا کی ثناء حاصل کرنے کا ذریعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "یحمدك" کے لحاظ سے صرف اپنی ہی خصوصیت نہیں فرمائی بلکہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنے اخلاص میں ترقی کر جاتا ہے تو

"عند ذالك یکون العبد المخلص فی العمل محبوبا فی الحضرة فانّ اللہ یحمدہٗ من عرشہ"

پھر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ عرش پر سے اس کی تعریف کرتا ہے" (اعجاز المسیح صفحہ ۱۰۱)

گویا یہ ہر مخلص بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سلوک ہوتا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے ذریعہ کے متعلق فرمایا ہے ؎

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت
بشو از دل ثناء خوان محمدؐ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو "محمد" ہیں آپ کے مدح خوان بن جاؤ تو خدا تمہاری تعریف کرے گا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو صلی اللہ علیہ عشراً اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ

درود پڑھتا ہے یعنی اس کی تعریف کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:۔

"بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالات قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالبِ حق! ارشدک اللّٰہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امتِ محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں، اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں، خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشہ کی طرح پاکر اپنے رسول مقبولؐ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا، اور مصدرِ کامل ان تمام تعریفوں کا، اور مصدرِ کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداقِ اتم ہوتا ہے۔"

(براہین احمدیہ جلد سوم صفحہ ۲۴۳)

بالآخر ہم یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیت الحمد للہ رب العٰلمین میں لفظ "الحمد" مصدر ہے جو فعل معروف و مجہول دونوں سے بنتا ہے (المبنی للمعروف والمجہول) اور اس کے معنی جس طرح یہ ہیں کہ خدا ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے ویسے ہی یہ بھی ہیں کہ کسی کی تعریف کرنا بھی درحقیقت اسی کو سزاوار ہے کیونکہ وہ عالم الغیب والشہود ہے، اس کا علم تام ہے، اس کی تعریف ہی سچی اور مستقل تعریف ہو گی۔

ان معنوں کے رُو سے ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی تعریف فرمائے اسی کے مطابق موجودہ زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مدّاح حضرت پیغمبرِ قادیان کی اس نے تعریف فرمائی تو اس میں اعتراض کا کونسا موقعہ ہے؟ جس کی تعریف نبوی سچّی اور اصلی تھی اور جس نے عظمتِ نبوی کی خاطر آیاتِ قرآنی کی روشنی میں حیاتِ مسیح وغیرہ امور کی تردید فرما کر دُنیا سے کاذب، مفتری اور دجّال وغیرہ (نعوذ باللہ) نام رکھائے تھے خدا نے اُس کی تعریف فرمائی اور جعلی تعریف اور محض دعویٰ والوں کو ردّ کر دیا۔ سچ ہے ؎

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

معترض پٹیالوی نے الہام کے حصّہ " یمشی الیک " پر اعتراض کو بزور پیش نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

" مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً "

کہ جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے میں اُس کے پاس دَوڑ کر آتا ہوں۔"

(صحیح مسلم جلد ۲ باب التقرب الی اللہ)

پس جن معنوں میں اللہ تعالیٰ کے لیئے دَوڑ کر آنا ثابت ہے انہی معنوں میں اسکے لیئے مشی یعنی آنا بھی ثابت ہے فلا اعتراض۔

(۴) " اخترتک لنفسی۔ الارض والسماء معک کما ھو معی "

معترض پٹیالوی حقیقۃ الوحی ص۷۵ سے یہ الہام درج کر کے لکھتا ہے :-

" کیا مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کے حکم و قدرت میں شریک ہیں؟ مرزا صاحب کے ملہم کی عربی دانی لفظ ھُو سے ظاہر ہوتی ہے یہاں ھُما چاہیئے۔"

الجواب۔ اس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ " میں نے تجھے اپنے نفس کے لیئے پسند کیا۔ زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔" (عشرہ ص۴۷) اس سے

حکم و قدرت میں شرکت کا استدلال سراسر باطل ہے۔ کیونکہ خود حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کی تشریح میں فرمایا ہے :۔

"(خدا) فرماتا ہے کہ زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہو گی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی فرشتے ساتھ ہونگے جیسا کہ آج کل ظہور میں آیا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صلا۹)

اِس اقتباس سے واضح ہے کہ آسمان و زمین کے ساتھ ہونے کا کیا مطلب ہے ؟ اسی کی تشریح میں فرمایا ؎

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من استادہ اند
(آئینہ کمالاتِ اسلام صلا۳۵۵)

پھر فرمایا ؎

آسماں میرے لیئے تُو نے بنایا اِک گواہ
چاند اور سورج ہوئے میرے لیئے تاریک تار
تُو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت کے لئے
تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار
آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار
اسمعوا صوت السّماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار
(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

اِس قدر تصریح کے باوجود اعتراض کرنا یقیناً صداقت کا خون کرنا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔ مَن کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ۔ حضرت کا الہام بھی ہے "جے تُو میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو۔" اسی کے مطابق جو انسان خالص موحّد ہو جاتا ہے، انانیت و خواہشات کو بھسم کر دیتا ہے۔ ہر چیز اسکے

کام میں لگا دی جاتی ہے۔ ہمارے حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:-

(الف) "جو شخص بڑا صدق لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے وہ اُس کیلئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اسکے لیئے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے اور اس کے منشار کے مطابق دنیا میں تصرّف کرتا ہے۔" (تتمہ چشمہ معرفت)

(ب) "اسی معرفتِ تامہ کے درجہ پر پہنچ کر اسلام صرف لفظی اسلام نہیں رہتا بلکہ وہ تمام حقیقت اس کی جو ہم بیان کر چکے ہیں حاصل ہو جاتی ہے۔ اور انسانی رُوح نہایت انکسار سے حضرتِ احدیت میں اپنا سر رکھ دیتی ہے تب دونوں طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ جو میرا سو تیرا ہے اور خدا تعالیٰ بھی بولتا ہے اور بشارت دیتا ہے کہ اے میرے بندے جو کچھ زمین و آسمان وغیرہ میرے ساتھ ہے وہ سب تیرے ساتھ ہے۔ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۱۸۹)

حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ فرماتے ہیں:-

"وَحِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ وَارِثَ کُلِّ رَسُوْلٍ وَنَبِیٍّ وَصِدِّیْقٍ بِكَ تُخْتَمُ الْوَلَایَةُ وَاِلَیْكَ تَصْدُرُ الْاَبْدَالُ وَبِكَ تَنْكَشِفُ الْكُرُوْبُ وَبِكَ تُسْقَی الْغُیُوْثُ وَبِكَ تَنْبُتُ الزُّرُوْعُ وَبِكَ تُدْفَعُ الْبَلَایَا وَالْمِحَنُ عَنِ الْخَاصِّ وَالْعَامِّ وَاَهْلِ الثُّغُوْرِ وَالرَّاعِیْ وَالرَّعَایَا وَالْاَئِمَّةِ وَسَائِرِ الْبَرَایَا فَتَکُوْنُ شَحْنَةَ الْبِلَادِ وَالْعِبَادِ۔"

ترجمہ۔ اے سالک! (مرتبۂ فرد الفرد میں) تُو ہر رسول، نبی اور صدیق کا وارث بن جائے گا۔ تُو خاتم الاولیاء ہو گا[1] اور ابدال تیرے پاس آئیں گے مشکلات

---

[1] ختم نبوت کے معنوں کے حل کرنے کے لئے یہ ایک اچھی مثال ہے۔ (ابو العطاء)

تیرے ذریعہ سے دُور ہوں گی، تیرے ذریعہ سے بارشیں برسیں گی اور کھیتیاں اُگیں گی اور مصائب و تکالیف ہر کس خاص و عام، سرحدی، رعیت، بادشاہ امام، اُمت اور سب مخلوق کی تیرے ذریعہ سے دُور ہونگی اور تو بندگان اور شہروں کا چوکیدار بن جائے گا۔" (فتوح الغیب مقالہ ۱۶)

پھر اولیاءِ خاص کی تعریف میں فرمایا:-

"بِهِمْ ثَبَاتُ الْأَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَقَرَارُ الْمَوْتٰى وَالْأَحْيَاءِ إِذْ جَعَلَهُمْ مَلِيْكُهُمْ أَوْتَادًا لِلْأَرْضِ الَّتِيْ دَحٰى فَكُلٌّ كَالْجَبَلِ الَّذِيْ رَسَا۔"

ترجمہ۔ انہی لوگوں کے ساتھ آسمان و زمین کا ثبات اور مُردوں اور زندوں کا قرار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے لیے ستون بنایا ہے اور وہ زبردست گڑے ہوئے پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں۔" (فتوح الغیب مقالہ ۱۳)

بہت ممکن ہے کہ متعصب دشمن اس حقیقت کو ٹھکرا دے اس لئے میں کہتا ہوں کہ آسمان و زمین کی معیت سے اگر قدرت و حکم میں شراکت لازم آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی معیت سے تو الوہیت سے بھی چار قدم آگے ہی جانا مانو گے۔ دیکھو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید ع) إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (النحل ع) كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (الشعراء ع) إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ع) ان آیات میں بتلایا ہے کہ ہر انسان کو اللہ کی معیت حاصل ہے متقی لوگوں کے ساتھ اللہ ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ضرور اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

اب کیا ان تمام مقامات پر اللہ کی معیت سے شرک لازم آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ایسا خیال کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ پس جب اللہ کی معیت قدرت الٰہیہ میں شریک نہیں بناتی تو آسمان و زمین کی معیت کیسے بنا سکتی ہے؟ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ لفظ کما مشابہتِ تامہ کا مقتضی نہیں بلکہ ایک مقصد میں یگانگت کے لئے بھی لفظ کما آجاتا ہے۔ آیت كَمَا أَرْسَلْنَا إِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل ع) اس کی شاہد ہے۔ بہر حال یہ الہام کسی صورت میں بھی شریعت اسلامی کے خلاف نہیں۔

اس جگہ شریعت کے مدعی معترض پٹیالوی اور ان کے ہمنوا دیوبندیوں کے لئے ہم ایک اور آیت بھی درج کرتے ہیں شاید وہ اسی سے روشنی حاصل کر سکیں ۔ رب العرش فرماتا ہے :۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (الدخان ع)

فرعونی مر گئے اور ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین روئی ۔

اس آیت سے التزاماً سمجھا جاتا ہے کہ مومن پہ آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی ۔ چنانچہ امام مجاہد کا قول ہے :۔

"اِنَّ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ تَبْكِيَانِ عَلَى الْمُؤْمِنِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً"

(فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۲۶)

کہ مومن کی موت پر چالیس دن تک آسمان و زمین روتے ہیں ۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے :۔

"مَا مَاتَ مُؤْمِنٌ فِیْ غُرْبَةٍ غَابَتْ عَنْهُ فِيْهَا بَوَاكِيْهِ اِلَّا بَكَتْ عَلَيْهِ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ" (فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۲۶)

کہ جو مومن مسافری میں ایسی جگہ مر جائے جہاں اس پہ رونے والے نہ ہوں تو اس پر آسمان و زمین روتے ہیں ۔"

اب سوال یہ ہے کہ آسمان و زمین کا رونا کس نوع کا ہے ؟ اور پھر اگر آسمان و زمین کی معیت سے "قدرت و حکم میں شرکت" ثابت ہوتی تھی تو آسمان و زمین کے رونے سے تو خالقیت ہی ثابت ہو جائے گی ؟ فتدبر و تفکر !

اگر یہ کہا جائے کہ ہم اس جگہ اہل السماء والارض مراد لیں گے تو پھر الہام زیر نظر میں بھی حذف مضاف ماننے سے کیا حرج لازم آتا ہے ؟

اعتراض کے دوسرے حصے میں بقول خود "کم علم" منکر پٹیالوی نے لفظ ھُوَ پہ اعتراض کیا ہے ۔ ایک گدا اور یا تائب تحصیلدار اور عربی کی غلطیاں نکالتا ؟ ؎

بت کریں آرزو خدائی کی شان ہے تیری کبریائی کی

کس سادگی سے کہتے ہیں "یہاں ھُمَا چاہیئے ۔"

منشی صاحب ! اگر آپ کا قاعدہ ہی درست ہے تو فرمائیے کہ قرآن مجید کی بھی

آپ غلطیاں نکالیں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ منافق ان کو راضی کریں۔ (توبہ ع) کیا یہاں بھی ھُمَا ہونا چاہیئے"؟

(۲) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ تم مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ سے اور یہ بجز خشیت الٰہی رکھنے والوں کے باقی سب پر بھاری ہیں (بقرہ ع) کیا یہاں بھی اِنَّهَا کی بجائے اِنَّهُمَا چاہیئے؟

(۳) فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ۔ اپنے کھانے اور پینے کو دیکھ وہ خراب نہیں ہوئے۔ (بقرہ ع) کیا اس جگہ بھی "يتسنه" کی بجائے تثنیہ (دو کا) صیغہ چاہیئے تھا؟

(۴) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ ع) ھا واحد کی ضمیر ہے اور مرجع سونا اور چاندی دو چیزیں ہیں۔ کیا اس جگہ بھی ھُمَا چاہیئے تھا؟

ان امثلہ سے ظاہر ہے کہ بسا اوقات پہلے دو چیزوں کا ذکر ہوتا ہے مگر انکی طرف ضمیر واحد (بتاویل ما) پھیری جاتی ہے اس کو غلطی قرار دینا در اصل جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔ ہم نے قرآن پاک کی مثالیں اسی لئے دی ہیں کہ تا معترض پٹیالوی اور اس کے ہمنوا علماء کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہے۔

افسوس پر افسوس تو اس بات کا ہے کہ اگر یہ لوگ اس قدر عربی استعداد نہ رکھتے تھے تو خیر لیکن یہ کیا غضب ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بلکہ دو جگہ اس امر کی تصریح فرمادی کہ:-

(۱) "ضمیر هُوَ اس تاویل سے واحد ہے کہ اس کا مرجع مخلوق ہے" (سراج منیر ص حاشیہ)

(۲) هُوَ کا ضمیر واحد بتاویل مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے" (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص حاشیہ)

مگر یہ "محقق" اور "صداقت شعار" اپنی ہی رٹ لگاتے جائیں ؎

افسوس کہ عالمانِ ایں دہر

کردند شعارِ خود دغا را

اگر کسی کو اختِرْتُكَ لِنَفْسِيْ پر اعتراض ہو تو اسے یہ آیات پڑھنی چاہئیں

حضرت مریمؑ سے کہا۔ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران عٰ) حضرت موسٰیؑ سے فرمایا۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ (طٰہٰ عٰ) یعنی اے مریم تیرے خدا نے تجھے سب جہان کی عورتوں سے چن لیا ہے۔ اے موسٰی میں نے تجھے اپنے نفس کے لئے بنایا اور برگزیدہ کیا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ (القصص عٰ) عام قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے مختار بناتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرمایا کرتا ہے۔ اس کو خلافِ شریعت کہنا درحقیقت لفظِ شریعت کو اُلٹی چھری سے ذبح کرنا ہے۔

(۵) اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ

اس نمبر میں معترض نے الہام اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۱) پر بایں الفاظ اعتراض کیا ہے:۔

"کیا خداوند کریم کو مرزا صاحب نے کوئی باولا اردلی مقرر کر رکھا ہے جو ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے ہی پھرتا رہتا ہے۔" (عشرہ ص۵۲)

الجواب:۔ الفاظ کی متانت و شرافت کو نظر انداز کرنے کے علاوہ معترض نے صریح طور پر خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ جس کتاب اور جس صفحہ سے الہام نقل کیا ہے وہاں پر اس کا صاف مفہوم بھی لکھا ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں:۔

"یعنی خدا تیرے ساتھ ہے۔ خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ یہ حمایتِ الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۱)

اللہ تعالیٰ ہر جگہ قائم ہے کیونکہ وہ القیّوم ہے۔ مگر اس کی نصرت کو بھی قیام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خود حضرتؑ نے تحریر فرما دیا ہے۔ اگر ہم دونوں فریق آسمان اور زمین کے نہ رونے کو فرعونیوں کی ہستی کے حقیر ہونے کے لئے استعارہ مان سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا کے کھڑا ہونے کو اس کی حمایت کے لئے استعارہ نہ مان سکیں؟

قادیانیت کی راہ:۔ خدا کے پاکباز بندوں کی مخالفت سے روحانی علم سلب ہو جاتا ہے اور انسان بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ بالخصوص قرآن مجید کے علم کا تو ان کے پاس ذرہ باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کے لئے گروہ مطہرین ہی مخصوص ہے۔ معترض پٹیالوی نے اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ پر تمسخر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ

کو "باولاد اور ولی" قرار دیا (العیاذ باللہ) لیکن اسے اور اس کے "فخر المحدثین" وغیرہ کو
خدا تعالیٰ کے اس کلام کا علم نہیں جس میں اس نے فرمایا ہے اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ
عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ۔ الآیۃ (الرعد ع) یا فرمایا ہے قَآئِمًا بِالْقِسْطِ
(آل عمران ع) یعنی فرمایا کہ اللہ ہی ہر نفس پر اس کے اعمال کے حساب کے لیے کھڑا
ہے، وہ عدل کو قائم کئے ہوئے ہے" اب اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی تردید میں اپنا
قائم ہونا اور انسان کے ہر کام پر قائم و نگران ہونا بطور دلیل توحید پیش فرمایا
ہے۔ کیا مکذب اس آیت پر بھی تمسخر اُڑائے گا؟ اگر اس آیت میں کھڑا ہونے والا
سے مراد نگران اور محافظ ہے تو پھر حضرتؑ کے الہام میں "کھڑا ہو گا" سے "نصرت و
حفاظت کرے گا" کیوں مراد نہ لیے جائیں؟ یاد رکھو سے

ہے سرِ راہ پر کھڑا نیکوں کے وہ مولیٰ کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے
(حضرت مسیح موعودؑ)

(۶) کُلٌّ لَکَ وَ لِاَمْرِکَ وغیرہ

اس نمبر میں معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل الہام لکھے ہیں:-

کلٌّ لکَ ولامرکَ (بدر ۲ مارچ ۱۹۰۷ء) اریدُ ما تریدون۔
انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول له کن فیکون۔
(حقیقۃ الوحی ص۱۰۱)

اور پھر بایں الفاظ اعتراض کیا ہے:-

"کیا خداوند کریم مرزا صاحب کی دانست میں ضعیف العمر ہو گئے ہیں جو
سب کچھ مرزا صاحب کے حکم و ارادہ کے ماتحت کر دیا ہے۔" (عشرہ ص۴۳)

الجواب۔ الہامات میں سے تو کسی کا بھی وہ مطلب نہیں جو معترض نے اپنی
سُوءِ فہمی سے سمجھا ہے۔ یہ محض بہتان اور اتہام ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ کا اللہ تعالیٰ
کے متعلق کیا اعتقاد تھا؟ پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

(الف) "ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی

ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا، نہ اس کا کوئی بیٹا، وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دُور ہونے کے وہ نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے دُور ہے۔"

(کشتی نوح ص۱)

(ب) "اے سُننے والو سُنو! ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سُنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اسکی تمام صفات ازلی ابدی ہیں، کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔"

(الوصیت ص۱)

(ج) پھر فرماتے ہیں ؎

وَحِیۡدٌ فَرِیۡدٌ لَاشَرِیۡکَ لِذَاتِہٖ قَوِیٌّ عَلِیٌّ مُسۡتَعَانٌ مُقَدِّرٌ

وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَا کُفُوًا لَّہٗ وَحِیۡدٌ فَرِیۡدٌ مَادَنَاہُ التَّکَثُّرٗ

(کرامات الصادقین ص۳)

اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

بادشاہی ہے تری ارض و سما دونوں میں
حکم چلتا ہے ہر اک ذرّہ پہ ہر آں تیرا

(درثمین اردو)

حضرت اقدسؑ کے یہ اقتباسات محتاج تشریح نہیں۔ اب ہم پیش کردہ ہر ایک الہام پر علیحدہ علیحدہ وضاحت تحریر کرتے ہیں۔

الہام اول کی حقیقت معترض نے خیال کیا ہے کہ "کُلّ لَکَ وَلِامرک" کے مخاطب حضرت مرزا صاحب ہیں تو گویا سب کچھ ان کے حکم کے ماتحت ہو گیا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط فہمی یا مغالطہ دہی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی نادان آیت اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کو جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ان معنوں میں سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تیری عبادت

کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ اس کا یہی جواب ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے کہلوائے ہیں اور اس سے پہلے قُلْ (تو کہہ) محذوف ہے۔ جیسا کہ دوسری آیات اور قرآن سے ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحبؑ کے الہام میں بھی خدا تعالیٰ مخاطب ہے اور وہاں پر بھی قُلْ محذوف ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؑ کے الہامات میں بالتصریح مذکور ہے:۔

(۱) "لِلّٰہِ الامرُ مِن قبل و مِن بعد کہ تمام حکم اوّل اور آخر خدا ہی کا ہے" (اربعین نمبر ۲ صفحہ ۳۲)

(۲) "قل انّ الامر کُلّہٗ لِلّٰہ" کہ اعلان کر دو کہ تمام امر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔" (جنگِ مقدس صفحہ ۱۲۴)

(۳) "ربّ کلّ شیءٍ خادمک ربّ فاحفظنی وانصرنی وارحمنی" اے میرے رب ہر چیز تیری ہی خدمتگار ہے تو میری حفاظت اور نصرت کر اور مجھ پر رحم فرما" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۷)

(۴) "اِنِّیْ اَنَا الرحمٰن سَاَجْعَلُ لکَ سھُولۃً فی کلّ امرٍ" میں رحمٰن ہوں ہر ایک امر میں تجھے سہولت دونگا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵)

اس قدر محکم اور واضح نصوص کی موجودگی میں کلّ "لک" کا مخاطب حضرت مرزا صاحبؑ کو قرار دینا اور اس سے شرک کا اثبات کرنا دیانتداری کے سراسر خلاف ہے۔

الہام دوم کی حقیقت

اس اعتراض میں دوسرا الہام اُرِیْدُ مَا تُرِیْدُوْنَ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو تمہارے ارادے اور مقاصد ہیں میں بھی وہ چاہتا ہوں۔ یعنی اُن کو پورا کروں گا۔ جیسا کہ ایک دوسرے الہام میں اس کی تشریح موجود ہے۔ فرمایا:۔

"خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۳)

ہاں اگر کسی کو اس جگہ یہ وہم پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ میں (نعوذ باللہ) حضرت مرزا صاحبؑ کے تابع ہے تو اس کے لئے حسب ذیل عبارات و الہامات کافی ہیں۔ حضرتؑ فرماتے ہیں:۔

(۱) "یقیناً یاد رکھو کہ خدا کے ارادہ کو روکنے والا کوئی نہیں"۔ (کشتی نوح ص۳)

(۲) "خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔ (کشتی نوح ص۳)

پھر آپ کے الہامات میں ہے "اللہ غالبٌ علیٰ کلّ شئیٍ۔ انّ ربّک فعّالٌ لما یُرید" (البشریٰ جلد ۲ ص۱۰۱) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ اور وہ جو ارادہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔ یعنی کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔

غرض الہام اُرِیْدُ مَا تُرِیْدُوْنَ میں بھی ہرگز ہرگز شرع اسلامی کی مخالفت کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو دراصل یہ وہی مقام ہے جہاں جا کر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کہدیتا ہے کہ اب تُو جو چاہے کر۔ کیونکہ اس حالت میں اس کا اپنا ارادہ اور مشیت باقی ہی نہیں رہتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں محض ایک آلہ بن جاتا ہے۔ اس کا نطق اللہ کے حکم سے ہوتا ہے (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ) اور اس کی حرکت اور اس کا سکون "امر ربّی" کے ماتحت ہوتا ہے۔ ایسے وقت پر خدا فرماتا ہے اب چونکہ تُو ماسوی اللہ سے پورے طور پر کنارہ کش ہو گیا ہے اسلئے اب تیرا ارادہ میرا ارادہ ہے۔ چنانچہ اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (مسلم باب فضائل اہل بدر جلد ۲ ص۳۵۹) کہ اب جو چاہو عمل کرو یعنی اب تمہارا عمل یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہی ہوگا تم کسی بدی کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔

"مَا اَتیٰ مُحَرَّماً مَنْ ھٰذِہٖ صِفَتُہٗ فَاِنَّہٗ مِمَّنْ قِیْلَ لَہٗ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَمَا عَمِلَ اِلَّا مَا اُبِیْحَ لَہٗ عَمَلُہٗ۔ کہ اس مرتبہ کا انسان کوئی بدی نہیں کرتا بلکہ وہی عمل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جائز قرار دیا ہو"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۳)

قرآن مجید میں خضر کا واقعہ سب کو معلوم ہے کشتی کو عیب دار بنانے کے فعل کو "فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا" کے لفظ سے بیان کیا اور قتل غلام پر "فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا" فرمایا۔ لیکن دیوار کے بنانے پر "فَاَرَادَ رَبُّکَ" ارشاد ہوا یعنی کشتی کے متعلق فعل کو اپنے ارادہ سے منسوب کیا ہے اور قتل غلام پر "ہمارا ارادہ ہوا" فرماتے

ہیں اور دیوار کے متعلق فعل کو محض ارادہ الٰہی کہتے ہیں۔ مگر آخر کار فرماتے ہیں وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي کہ میں نے یہ سب اپنے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی کیا ہے۔ اس تمام تفصیل میں بتایا گیا کہ اس وقت خضرؑ کا ارادہ اپنا ارادہ نہ تھا بلکہ ذاتِ باری کا ہی ارادہ تھا۔ گویا وہ اس وقت مقام "ارید ما تریدون" پر تھے بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مُسَاءَتَهُ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

کہ میرا مقرب بندہ جب مجھ سے مانگتا ہے میں اُسے ضرور دیتا ہوں میں اُسے ضرور دیتا ہوں اور جب وہ کسی شر سے پناہ مانگتا ہے تو میں اُسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کبھی کسی کام کے متعلق اتنا تردد نہیں ہوا جتنا کہ مومن کی جان کے متعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں بھی اس کو دکھ پہنچانے کو بُرا سمجھتا ہوں۔"

یہ حدیث اپنے بیان میں نہایت بیّن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مومن کے مرا ارادہ سے موافقت کرتا ہوں حتّٰی کہ اگر مصلحتِ الٰہی اور قانونِ قدرت کے ماتحت اسکو موت سے مستثنےٰ کیا جانا مناسب ہوتا تو میں اسے موت ہی نہ دیتا۔ گویا اللہ تعالیٰ کو مومن کی موت کے وقت "تردد" ہوتا ہے۔ غرض یہ وہی مقام ہے جو ارید ما تریدون کا مقام ہے افسوس کہ تعصب کے ماتحت معترض پٹیالوی اس الہام کو شریعت کے خلاف کہتا ہے حالانکہ یہ عین شریعت ہے ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سَو سَو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

الہام سوم کی حقیقت

معترض پٹیالوی نے الہام "إِنَّمَا أَمْرُكَ إِذَا أَرَدْتَ الخ" کو بھی حضرت مرزا صاحبؑ کے لئے قرار دیکر دھوکہ دیا ہے حالانکہ اس الہام میں بھی مخاطب اللہ تعالیٰ ہے اور قُل محذوف ہے حقیقۃ الوحی میں یہ الہام نقل کیا ہے سو وہاں یہ سیاق و سباق سمیت مسلسل الہامات یوں ہیں:-

"اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔ ضاقت الارض بما رحبت، ربّ اِنّی مَغلُوبٌ فانتصر، فسحّقهم تسحیقاً، زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے۔ اِنّما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول له کُن فیکون۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۴-۱۰۵)

اب ایک ادنیٰ تدبّر سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ اِس جگہ فقرہ "اِنّمَا اَمْرُکَ" میں مخاطب ذاتِ باری ہی ہے نہ حضرت مرزا صاحبؒ جیسا کہ سورۃ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں مخاطب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حالانکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یعنی بندوں کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ نے اِن الہامات کے نیچے حسب ذیل ترجمہ درج فرمایا ہے :۔

"اے ازلی ابدی خدا میری مدد کے لئے آ۔ زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ اے میرے خدا میں مغلوب ہوں میرا انتقام دشمنوں سے لے پس ان کو پیس ڈال کر وہ زندگی کی وضع سے دُور جا پڑے ہیں۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۴-۱۰۵)

اگر معترض کے لئے عربی الفاظ میں التباس تھا تو اس کا ترجمہ بھی موجود تھا اس پر تدبّر سے بات واضح ہو سکتی تھی۔ مگر یہ کام تو وہ کرے جسے تحقیق منظور ہو۔ پھر دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انّما امرنا اذا اردنا شیئًا اَن نقول له کن فیکون (تریاق القلوب ص۹۱) کہ ہماری ہی یہ شان ہے کہ جب ہم کوئی ارادہ کریں تو بغیر کسی توقف کے ہو جاتا تو فی الفور ہو جاوے۔" اِس الہام سے بھی قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ متنازعہ فیہ الہام میں بھی ذاتِ باری ہی مخاطب ہے۔

حضرت مرزا صاحبؒ کا اِس بارہ میں کیا مذہب تھا یعنی آپ اختیارات کن فیکون کس کے لئے مانتے تھے؟ سنو فرماتے ہیں :۔

"نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ لهٗ ملک السّمٰوٰت والارض یعنی زمین پر بھی خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انّما امرهٗ اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون

یعنی تمام زمین و آسمان اس کی اطاعت کر رہی ہے جب ایک کام کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے۔" (کشتی نوح ص۲۵)

ہم نے اوپر حقیقۃ الوحی سے مسلسل الہامات درج کئے ہیں ان سے جہاں یہ ظاہر ہے کہ "انما امرک" میں اللہ تعالیٰ ہی مخاطب ہے وہاں یہ "انی مغلوب فانتصر" وغیرہ سے یہ بھی عیاں ہے کہ آپ اپنی مغلوبیت اور کمزوری کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے ہی نصرت چاہتے ہیں۔ یعنی تصرفات کلیۃً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وھو المراد۔

بالآخر ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا ہی ضدی ہے کہ ان تمام تشریحات کے باوجود بھی اصرار کرتا ہے کہ "انما امرک" والے الہام میں حضرت مرزا صاحبؑ کو اللہ تعالیٰ نے مجازاً اختیارات کن فیکون دیئے ہیں تو اسے یاد رہے کہ پھر بھی تم اس کو خلافِ شریعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ امتِ مسلمہ کے بہت بڑے بزرگ اور اسرارِ شریعت کے واقف حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء اور اولیاء کو مجازاً اختیارات کن فیکون دیئے ہیں اور ہر مطیع بندہ کو وہ اب بھی دیتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

"اے فرزندِ آدم منم خدا، نیست ہیچ خدائے مگر من، میگویم مر چیزے را کہ میخواہم کہ پیدا کنم آنرا پیدا شو، پس پیدا مے شود آں چیز۔ فرمانبرداری کن مرا تا بگردانم ترا بایں صفت کہ بگوئی مر چیزے را شو پس مے شود آں چیز، زیرا کہ تو چوں اطاعت من کنی و بتمام تابع امر و نہی شوی، و فانی شوی از خود، و باقی گردی بہ من، ظاہر گردد انوارِ قدرتِ من در تو، و پیدا گردد آثارِ آں از تو۔" (فتوح الغیب مقالہ ۱۶ ص۸)

اب اگر حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت ہی منظور ہے تو آؤ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رضی اللہ عنہ پر بھی فتویٰ لگاؤ۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ تمہارا اعتراض باطل ہے اور حضرت مرزا صاحب کا وہی مسلک ہے جو پہلے اولیاء اور صلحاء کا تھا اور تم وہ راستہ اختیار کر رہے ہو جو پہلے مکذبین اور حق سے بیگانہ لوگ اختیار

کرتے رہے۔ نعم ما قال السید المسیح الموعود علیہ السلام ؎

میری نسبت جو کہیں کیں سے وہ سب پڑا آیا ہے
چھوڑ دیں گے کیا وہ سب کو کفر کرکے اختیار

(۷) اَنتَ مِنّیْ وَ اَنَا مِنْکَ

ساتویں نمبر پر مصنّف عشرہ نے پھر الہام انت منّی و انا منک کو پیش کیا ہے۔

چونکہ ہم اس الہام پر فصل دوم میں مفصل بحث کر چکے ہیں اس لیئے اس جگہ دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۸) انت مِنّی بمنزلة توحیدی

اس نمبر میں معترض نے دو الہام پیش کئے ہیں :-

"انت منّی بمنزلة توحیدی و تفریدی" اور "انت منی بمنزلة بروزی"

اور پھر لکھا ہے :-

"جب اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مانند ہے تو اسکی توحید و تفرید بھی بے مثل ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب اللہ کی توحید و تفرید کی مانند ٹھہرے تو توحید و تفرید کہاں رہی۔ کیا مرزا جی بعینہٖ خدا تھے جبکہ الہام میں ان کا ظہور (غالباً ظھورک ظھوری کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) بعینہٖ خدا کا ظہور بتلایا گیا ہے۔" (عشرہ ص۱۴۲)

الجواب ۱: حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کے معنے حسب ذیل کئے ہیں :-

(الف) "تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو۔ سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کروں گا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائے گا تیرا نام بھی ساتھ ہوگا" (اربعین نمبر ۳ ص۲۵)

(ب) "اس کے معنے جو ہمارے خیال میں آتے ہیں یہ ہیں کہ ایسا شخص بمنزلہ توحید ہی ہوتا ہے جو ایسے وقت میں مامور ہو کر جب دنیا میں توحید الٰہی کی ہتک کی گئی ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے وقت میں آنیوالا توحید مجسّم ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنا ایک مقصد اور غایت مقرر کرتا ہے مگر اس شخص کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی توحید ہی

ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنے طبعی جذبات اور مقاصد سے بھی مقدم کر لیتا ہے۔" (تقریر مندرجہ الحکم ۱۰ راپریل ۱۹۰۹ء)

اِن دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ الہام اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تیرے نام کو شہرت دونگا اور جہاں جہاں توحید کا ذکر ہوگا تیرا نام بھی ساتھ جائے گا کیونکہ تیرا مقصد و مدعا بھی یہی ہے کہ دنیا میں توحید پھیلے۔ اِس صاف مطلب کے ہوتے ہوئے نہ معلوم معترض نے کیوں اعتراض کر دیا ہے۔

الجواب ۲: بے شک اللہ تعالیٰ کی توحید و تفرید بے مثل ہے کوئی آپکی صفات اور ذات کی طرح واحد و فرد و یگانہ نہیں کیونکہ خدا خود بے مثل ہے لیکن اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے بمنزلہ توحید کہہ دیا جاوے تو توحید کے بے مثل ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اس کا نور بھی بے مثل ہے لیکن قرآن پاک فرماتا ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ الآیۃ (نور ع) کہ اس کے نور کی مثل ایک مشکوٰۃ (طاقچہ) کی طرح ہے جس میں روشن چراغ ہو۔ تو کیا اب چونکہ خدا کے نور کی مثل بیان ہو گئی لہٰذا اس کا نور بے مثل و بے مانند نہ رہا؟ نہیں نہیں نور بے مانند ہے۔ ہاں اس کا نور اپنے اثرات میں مشکوٰۃ سے معمولی سی مشابہت رکھتا ہے۔ اِسی طرح توحید فرد و بے مانند ہے مگر حضرت مرزا صاحبؑ بوجہ رسالتِ حقّہ خدا کی بارگاہ میں توحید ہی کی طرح پیارے ہیں کیونکہ وہ اس زمانہ میں توحید کی صدا بلند کرنے میں یگانہ تھے۔ اِسی نکتہ کو نہ سمجھنے کے باعث برہمو سماجی اور آریہ وغیرہ رسولوں کی ضرورت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا کی توحید بجز اقرارِ رسالتِ محمدیؐ ناقص ہے؟ اِس کا یہی جواب ہے کہ اس وقت کے عالمگیر رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا توحید کی طرح ضروری ہے گویا وہ بمنزلہ توحید ہیں۔ اور اُن پر ایمان لائے بغیر حقیقی توحید پر ایمان لانا ممکن ہی نہیں۔ اور ہر زمانہ میں ہر نبی بمنزلہ توحید ہوتا ہے۔ یہی راز ہے کہ اس کا ماننا ضروری ہوتا ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ پس "بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ" کے الفاظ اِسی مفہوم کو ادا کر رہے ہیں کہ موجودہ وقت میں حضرت مرزا صاحبؑ کا ماننا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ توحید کا اقرار۔ یا بالفاظِ دیگر آج حقیقی اور کامل توحید آپؑ پر ایمان لانے سے

ہی حاصل ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لطیف پیرایہ میں اس مفہوم کو ادا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (مسلم جلد ۱ ص۴۱ کتاب الایمان) کہ جو مرتے وقت لا الہ الا اللہ کا علم رکھتا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ مگر دوسری احادیث بلکہ آیات قرآنی میں دیگر ایمانیات کی بھی تصریح کر دی ہے۔ گویا یہ بتایا کہ توحید بجز ان باتوں پر ایمان لانے کے ناقص ہے۔ اور یہ باتیں بلحاظ ایمان مقصود بالذات نہیں بلکہ توحید کو مکمل کرنے والی ہیں اسلئے یہ بمنزلہ توحید ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ گویا آنحضرتؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ کیا یہ مقام "بمنزلۃ توحیدی" سے بلند مقام نہیں؟ پھر آیت اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ع۴) بھی مقام محمدی کی رفعتِ شان پر گواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب خدا نے چاہا کہ تا قیامت لا الہ الا اللہ کے ساتھ فقرہ محمد رسول اللہ بھی پڑھا جائے اور توحید کامل کے لئے رسالتِ محمدی کا اقرار ازبس ضروری ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحبؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل ہیں اسلئے آپکا ماننا بھی ضروری ہے۔ اور جو شخص آپؑ کو رد کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ اور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے فرمایا:۔

"جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسولؐ کی پیشگوئی موجود ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقرہ "بمنزلۃ توحیدی" حضرت مرزا صاحبؑ کی رسالت پر گواہ ہے اور اس میں یہ بتلانا مدنظر ہے کہ آپ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

الجواب ۳۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے توحید الٰہی کے متعلق حسب ذیل تعلیم دی ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک "بمنزلۃ توحیدی" کا کیا مطلب ہے۔ فرماتے ہیں:۔

(۱) "تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ

ہے اور اس کی توحید دُنیا پر پھیلانے کے لیئے اپنی تمام طاقت سے کام کرو۔" (کشتی نوح ص۱۱)

(۲) "خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔" (الوصیّت ص۹)

(۳) "نجات دو امروں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ کامل یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے۔ دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبّت حضرت احدیت جلشانہٗ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلاء اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحت جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے۔ اور اس کی محبت تمام اغیار کی محبّتوں کو پامال اور معدوم کر دے یہی توحید حقیقی ہے۔"
(حقیقۃ الوحی ص۱۱۶)

(۴) "خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندہ کو، جو یہ لکھنے والا ہے بھیجا۔ تا اس نبی (حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم) کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دنیا میں پھیلائے۔"
(نسیم دعوت ص۴)

ان اقتباسات سے عیاں ہے کہ حضورؑ کا مقصد اور مشن توحید الٰہی کی اشاعت ہی تھا اور یہی آپؑ نے جماعت احمدیہ کو تلقین فرمائی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ ان تمام الزامات سے براءت کا اعلان کرتی ہے جو اسکے مخالف محض جہّال کو متنفر کرنے کے لیئے کرتے ہیں۔ مثلاً خدائی کا دعویٰ، خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ، خدا کے برابر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت کا ادعاء وغیرہ وغیرہ تمام اتہامات ہیں جو مخالف حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مخالفین کا یہ رویّہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ جماعت احمدیہ کے اصل مسلّمات پر ان کو اعتراض کی تاب نہیں۔ تب ہی تو اپنے پاس سے ایک خیال گھڑ کر اس پر اعتراض کر دیتے ہیں۔
بہرحال "انت منی بمنزلۃ توحیدی" کی حقیقت ظاہر ہے۔
باقی یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا ظہور خدا کا ظہور ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ

ہے جیسا کہ کائناتِ عالم کو خالقیت کا مظہر کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (مسلم ابواب البر جلد ۲ صفحہ ۳۲۹) کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ چونکہ ہر نبی "خلیفۃ اللہ" (خدا کا نائب) ہوتا ہے اسلئے اس کا ظہور خدا تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ سے اپنی صفات کی جلوہ گری فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ کے اوائل میں یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ چار صفات ذکر فرمائیں اور پھر ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ الخ آیات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور کارناموں کو ان صفات کے اثبات کے لیئے بطور دلیل پیش فرمایا۔ اسی نہج پر تورات میں اور انجیل میں (استثناء ۳۳ وغیرہ میں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو اللہ تعالیٰ کی آمد قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت نبی تاریکی کے زمانہ میں آتا ہے جب دنیا اللہ تعالیٰ سے بیگانہ ہوجاتی ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ع ۵) کا دور ہوتا ہے۔ گویا خدا اس وقت دنیا سے غائب ہوجاتا ہے۔ نبی ایک نور لاتا ہے اور خدا کی ذات سے دنیا کو واصل بناتا ہے۔ اسے دوسرے لفظوں میں خدا کا ظہور کہتے ہیں۔ اسی کی طرف حضرت ابن عباسؓ کی اس صحیح تفسیر میں اشارہ ہے۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ خَلْقًا (موضوعات کبیر صفحہ ۶۲) کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ شناخت کیا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس ظھورک ظھوری والا الہام بھی چشم بصیرت کے لیئے ہرگز قابل اعتراض نہیں۔

متفرق الہامات

اس نمبر کے بعد معترض پٹیالوی نے متفرق طور پر چند الہامات پیش کرکے بدترین تعصّب کے ثبوت میں مزید اضافہ کیا ہے۔ ہم نے چونکہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ہم معترض کی ہر ایک بات کا جواب دینگے اسلیئے ان تمام الہامات کے متعلق بھی مختصراً جواب عرض ہیں۔

پہلا الہام :۔ "سِرُّكَ سِرِّیْ" یعنی اے مرزا (علیہ السلام۔ ناقل) تیرا بھید میرا بھید ہے۔" (عشرہ صفحہ ۶۱)

نہ معلوم اس میں کیا اعتراض ہے؟ کیا خدا تعالیٰ کا تعلق ہر ایک بندے سے

علیحدہ علیحدہ نہیں اور کیا اللہ تعالیٰ انسان کے بھیدوں کو نہیں جانتا اور پھر انکو دوسرں سے مخفی نہیں رکھتا ؟ معترض کو صرف اعتراض کرنے سے مطلب ہے لیجئے صاحب ایک دوسرے "صاحب السر" بزرگ کی شہادت سُن لیجئے جو ہمارے اور آپ کے نزدیک مسلّم ولی اللہ ہیں حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

"مَعَ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ رُسُلِهٖ وَاَنْبِيَاءِهٖ وَاَوْلِيَاءِهٖ سِرٌّ مِنْ حَيْثُ لَا يَطَّلِعُ عَلٰى ذَالِكَ اَحَدٌ غَيْرُهٗ حَتّٰى اَنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ لِلْمُرِيْدِ سِرٌّ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ شَيْخُهٗ" الخ (فتوح الغیب مقالہ ۱۸)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ہر رسول، نبی اور اپنے ولی کے ساتھ ایک بھید اور راز ہوتا ہے ایسا کہ دوسرے کسی کو اس پر اطلاع نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ مرید کا اللہ تعالیٰ سے ایک بھید ہوتا ہے اور اس کے شیخ کو اس پر آگاہی نہیں ہوتی"

اس جگہ ہم اپنے معترضین سے بادب عرض کریں گے کہ جب وہ اس الٰہی کوچہ سے آشنائی نہیں رکھتے تو اس میں خواہ مخواہ دخل دیکر ذلت کیوں اُٹھا رہے ہیں ؟ ان کے لئے کنز، قدوری کے مسائلِ استنجاء وغیرہ بحث کے لئے کافی ہیں۔ عشقِ ربانی کا میدان کسی اور کا ہے۔ پس بقولِ حسرت ؎

علم و حکمت کا جنہیں شوق ہو آئیں نہ ادھر
کچھ نہیں فلسفۂ عشق میں حیرت کے سوا

دوسرا الہام۔ ظهورك ظهوري۔ پیش کیا ہے جس کا جواب اُوپر آچکا ہے۔

لولاک لما خلقت الافلاک پر اعتراض کا جواب

تیسرا الہام "لولاك لما خلقت الافلاك" اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا" (عشرہ صفحہ ۹۹) پیش کیا ہے۔

الجواب الاوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی تشریح خود حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹ پر فرمادی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اس جگہ "آسمانوں" سے کیا مراد ہے۔ فرماتے ہیں :۔

؎ اس سے ان مسائل کی توہین مقصود نہیں بلکہ نری ظاہریت کے لئے ایک تمثیل ہے ۔ مؤلف

"ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

گویا آسمان و زمین جو حضرت مرزا صاحب کی خاطر بنائے گئے وہ روحانی آسمان و زمین ہیں جو حضورؑ کے آنے سے تیار ہوئے۔ پھر دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے ..... اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اُس کے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔" (کشتی نوح ص ۶)

پھر ایک تیسری جگہ فرمایا:۔

"ہر ایک رشید خدا کی آواز سُن لے گا اور اُس کی طرف کھینچا جائیگا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہیں۔ نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلے اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ مَیں نے ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنایا ہے۔ ایسا ہی عنقریب ہونیوالا ہے۔ اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا کیونکہ خدا نے مجھے اس زمانہ کے لیے بھیجا ہے۔ لہٰذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا مَیں ہی موجب ہُوا۔ اور ایسے استعارات خدا کے کلام میں بہت ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۳۰)

ان ہرسہ حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے "آسمان و زمین" سے وہ رُوحانی آسمان و زمین مراد ہیں جو ہر مصلح عظیم الشان کے وقت میں پیدا ہوتے ہیں۔

الجواب الثانی۔ اگر یہ مفہوم تسلیم نہ کرو اور ظاہری آسمان و زمین پر ہی اصرار کرو تو بھی یاد رہے کہ فقرہ لولاک لما خلقتُ الافلاک دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے اور سلسلۂ کائنات اس اتم وجود کی خاطر پیدا کیا گیا۔ باقی ہر نبی چونکہ آنحضرتؐ کے نور سے ہی حصہ لے کر اور آپ کے ہی طفیل آتا رہا اس لیئے اپنے اپنے وقت میں وہ اس کا مصداق بنتا رہا۔ ہمارے حضرتؑ نے فرمایا ہے ؎

از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی
نامِ ہر مرسل بنامِ او جلی

لیکن موجودہ وقت میں چونکہ حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزِ اتم ہیں اسلئیے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو فرمایا لولاک لما خلقت الافلاک۔ گویا دراصل مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا سے آنحضرتؐ کا نور مٹ جائے تو دنیا کے قائم رہنے کی کوئی صورت نہیں اور جو شخص اس نور کو لے کر قائم ہوتا ہے وہ گویا دنیا کا محافظ ہوتا ہے اسی لئے بزرگانِ سلف نے لکھا ہے :۔

(۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اولیاء کی صفت میں فرمایا :۔

"ایشاں امانِ اہلِ ارض اند و غنیمت روزگار اند، بھم یمطرون وبھم یرزقون در شانِ شان است۔" (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۹۲)

یہ لوگ اہلِ زمین کی امان اور زمانہ کے لئے باعثِ غنیمت ہوتے ہیں۔ انکے ذریعہ سے ہی بارشیں ہوتی اور ان کے ذریعہ ہی مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے"۔ یہ ان کی شان میں وارد ہوا ہے :۔

(۲) حضرت مجدد صاحب کے صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"معاملۂ انسانِ کامل تا بجائے میرسد کہ اورا قیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت مے سازند و ہمہ را افاضۂ وجود و بقاء و سائر کمالاتِ ظاہری و باطنی بتوسط او مے رسانند ..... ایں عارفے کہ بمنصبِ قیومیت اشیاء مشرف گشتہ است، حکم وزیر دارد، کہ تمامتِ مخلوقات را باو مرجوع داشتہ اند، ہرچند انعامات از سلطان است اما وصولِ آں ہا مربوط بتوسط وزیر است۔" (مکتوبات حضرت مجدد صاحب جلد ۲ مکتوب ۲)

(۳) سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ نے فرمایا ہے :۔

"بھم ثبات الارض والسماء و قرار الموتی والاحیاء اذ جعلھم ملیکھم اوتاداً للارض التی دحیٰ" (فتوح الغیب مقالہ ۱۴)

کہ زمین و آسمان کا قیام، مُردوں اور زندوں کا قرار ان کے ذریعہ سے ہے کیونکہ انکے مالک (اللہ تعالیٰ) نے انکو بچھی ہوئی زمین کے لئے بمنزلہ میخوں کے بنایا ہے۔"

خود سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تحریر فرمایا ہے :-

"تمام امور مقبولوں کے ہی اثر وجود سے ہوتے ہیں اور ان کے انفاس پاک سے اور ان کی برکات سے یہ جہان آباد ہو رہا ہے۔ انہی کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں۔ اور انہی کی برکت سے دنیا میں امن رہتا ہے اور وبائیں دور ہوتی ہیں اور فساد مٹائے جاتے ہیں۔ اور انہی کی برکت سے دنیا دار لوگ اپنی تدابیر میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انہی کی برکت سے چاند نکلتا ہے اور سورج چمکتا ہے۔ وہ دنیا کے نور ہیں۔ جب تک وہ اپنے وجود نوعی کے لحاظ سے دنیا میں ہیں دنیا منوّر ہے۔ اور ان کے وجود نوعی کے خاتمہ کے ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ حقیقی آفتاب و ماہتاب دنیا کے وہی ہیں۔ بنی آدم کی مرادات بلکہ زندگی کا مدار وہی لوگ ہوتے ہیں۔ اور بنی آدم کیا ہر ایک مخلوق کے ثبات اور قیام کا مدار اور مناط وہی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو پھر دیکھو کہ بتوں سے کیا حاصل ہے اور تدبیروں سے کیا حاصل؟ یہ ایک نہایت باریک بھید ہے جس کے سمجھنے کے لئے صرف اسی دنیا کی عقل کافی نہیں بلکہ وہ نور درکار ہے جو عارفوں کو ملتا ہے۔" (آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۹-۱ طبع سوم)

اس حقیقت کے پیش نظر جبکہ اس نوع کے ایک عظیم الشان فرد حضرت مرزا صاحب بھی ہیں تو ان کو اگر لولاک لما خلقت الافلاک کا الہام ہو گیا تو اس میں خلاف شریعت کونسا امر ہے ؟ ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

چوتھا الہام "جس سے تو راضی اُس سے خدا راضی۔ جس سے تو ناخوش اس سے خدا ناخوش۔"

معلوم نہیں کہ معترض کو اس میں کیا اعتراض نظر آتا ہے۔ کیا اولیاء اللہ کی شان کا بھی اسے علم نہیں۔ دیکھئے حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَرْبِ" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

"جو شخص میرے ولی سے دشمنی کرے میں اس کو لڑائی کا چیلنج دیتا ہوں۔"

پھر ایک روایت میں آتا ہے کہ:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ - متفق علیه-

(مشکوٰۃ مجتبائی کتاب الجنائز صفحہ ۱۴۵)

ترجمہ - حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا انہوں نے اس کی اچھی تعریف کی - رسول پاکؐ نے فرمایا واجب ہوگئی - پھر ایک اور جنازہ گزرا صحابہؓ نے اس کی بُرائی بیان کی - آپؐ نے پھر فرمایا کہ واجب ہوگئی - حضرت عمرؓ نے عرض کی حضور کیا واجب ہوگئی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کی تم نے نیک تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے مذمت کی اس کے لئے آگ واجب ہوگئی کیونکہ تم زمین میں خدا کے گواہ ہو - بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا ہے"

اندریں صورت حضرت مرزا صاحبؑ کے الہام کو خلاف شریعت کہنا شریعت سے پورے درجہ کی جہالت کا ثبوت دینا ہے -

پانچواں الہام " رَبِّ سَلِّطْنِيْ عَلَى النَّارِ - اے اللہ مجھے دوزخ کا اختیار دیدے "

الجواب - معترض نے اس جگہ دھوکہ دینے کے لئے النَّار کے معنی آگ کی بجائے اگلے جہان کا دوزخ کر لیے ہیں - حالانکہ النَّار کے معنے اس جگہ "آگ" کے ہیں اور آگ سے خدا کے عذاب طاعون وغیرہ مراد ہیں - چنانچہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو الہام کیا کہ کہو -

"آگ سے ہمیں مت ڈرا - آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"

(البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۔۔)

اللہ تعالیٰ کا اپنے برگزیدہ بندوں سے یہی معاملہ ہے - حضرت ابراہیمؑ کو لوگوں نے

"الجحیم" (آگ) میں ڈالا تب خدا نے فرمایا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (الانبیاء ع ۵) کہ اے آگ ہمارے بندے ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔ پس وہ ٹھنڈی ہو گئی۔
غرض یہ الہام بھی ہرگز ہرگز خلافِ شریعت نہیں۔

بالآخر معترض نے لکھا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا الہام ہوا تھا۔ لیکن اسے یاد رہے کہ حضرت مرزا صاحب کو بھی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا الہام ہوا ہے (دافع البلاء ص۶) باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ، خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ، مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وغیرہ آیات بھی الہام ہوئی تھیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ؟

(۹) رأیتنی فی المنام عین اللہ

اس نمبر میں معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف رأیتنی فی المنام عین اللہ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴) کو دوبارہ پیش کر دیا ہے۔ ہم اس کشف کے متعلق فصل دوم میں مفصل بحث کر چکے ہیں اب تکرار کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس جگہ اس کشف کی بناء پر معترض پٹیالوی نے ایک نیا سوال کیا ہے۔ اس کا جواب از بس ضروری ہے وہ سوال یہ ہے:۔

"فرعون نے بھی تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ہی کہا تھا جس کی وجہ سے کافر و مردود ہوا۔ پھر مرزا صاحب اور فرعون میں کیا فرق ہے؟" (عشرہ ص۵)

الجواب۔ اگرچہ ایسے لوگوں کے متعلق سعدی مرحوم کا تو یہی قول ہے کہ ع

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی"

مگر محض اسلئے کہ وہ کہیں اسی بناء پر اپنے مطالبہ کو "لاجواب" نہ قرار دے لیں ذیل میں بالاختصار جواب لکھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا منکر اور اپنی الوہیت کا مدعی تھا۔ "ربکم الاعلیٰ" میں اسم تفضیل دوسرے بتوں وغیرہ کے لحاظ سے ہے۔ اس لفظ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا قائل سمجھنے والے آیت ذیل پر غور کریں:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّھَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ

اِلٰی اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (القصص ع)

ترجمہ۔ فرعون نے اپنے درباریوں اور سرداروں سے کہا کہ میں تمہارے لیے اپنے سوا کسی دوسرے خدا کو نہیں جانتا اے ہامان اینٹیں پکا کر محل بناؤ تا میں موسیٰ کے مزعوم خدا کو جھانکوں اور میرے نزدیک تو وہ جھوٹا ہے۔"

پس فرعون کو ہستی باری تعالیٰ کا قائل قرار دینا جہالت ہے۔ لہذا اوّل تو فرعون ذات باری کا منکر تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کریگا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائیگا۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۹)

دوم۔ فرعون اپنی الوہیت کا مدعی تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام کے کشف کے متعلق بھی لکھا ہے :۔

"لَا نَعْنِيْ بِهٰذِهِ الْوَاقِعَةِ كَمَا يُعْنٰى فِيْ كُتُبِ اَصْحَابِ وَحْدَةِ الْوُجُوْدِ وَمَا نَعْنِيْ بِذٰلِكَ مَا هُوَ مَذْهَبُ الْحُلُوْلِيِّيْنَ الخ" (صفحہ ۵۶۶)

کہ اس کشف سے ہماری مراد وہ نہیں جو وحدت الوجود والے لیا کرتے ہیں یا اہل حلول کا مذہب ہے یعنی اس کشف کا یہ مطلب نہیں کہ خدا مجھ میں حلول کر آیا۔ بلکہ یہ تو فنا فی اللہ کا وہی مقام ہے جو بخاری شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نفل پڑھنے والے بندے کے ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔"

گویا آپ الوہیت کے مدعی نہیں بلکہ فرماتے ہیں :۔

"تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی، جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھلائے، جس نے مجھے اس زمانہ کے لیے مسیح موعود کرکے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، نہ آسمان میں نہ زمین میں، جو شخص اس پر

ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔" (کشتی نوح ص۱۵)
یعنی آپؑ کا دعویٰ رسالت اور ماموریت کا ہے الوہیت کا ہرگز دعویٰ نہیں۔

سوم۔ فرعون کا اِدّعاء غیر کشفی حالت کا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کا واقعہ تم خود تسلیم کرتے ہو کہ محض ایک کشف ہے جس کی تعبیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا کشف تھا کہ سورج، چاند اور ستارے مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اب کیا حضرت یوسفؑ نے اس کشف میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے کشف کی تعبیر بھی خود بیان فرما دی ہے جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

چہارم۔ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کے نتیجہ کے طور پر لوگوں کو دوسرے خدا کی عبادت سے منع کیا مگر حضرت اقدسؑ اپنی جماعت کو فرماتے ہیں:۔

"اے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اُس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں کو خدا کیلئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے۔ اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔" (کشتی نوح ص۱۵)

پنجم۔ فرعون اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور موسیٰؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق غرق ہوا لیکن خدا کا جری حضرت مرزا غلام احمدؑ اپنے تمام مخالف و معاند دشمنوں کے سامنے بڑھا، اس کا شہرہ اکناف عالم میں پھیل گیا، تاریکی کے فرزند اسکے نیست و نابود کرنے کے لئے کوشاں ہوئے مگر خدا کے کام کو کون روک سکتا ہے۔ گندہ فطرت لوگوں نے اس مقدس کو گالیاں دیں، اور اس کے ماننے والوں سے درندگی سے پیش آئے، اور آج تک اسکو بُرے بُرے ناموں سے یاد کر کے ہمارے دلوں کو زخمی کر رہے ہیں مگر اس برگزیدہ کی کامیابی اور ترقی ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی یہ عملی شہادت تمہاری نظر میں کھلا کھلا اور بیّن فرق نہیں؟ اے دنیا کے منصف مزاج انسانو! محمد عربی

۱؎ سورۃ یوسف ع۱۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مرمٹنے کے دعویدار رو! خدارا بل کر اور علیحدگی میں غور کرو کہ کیا ایسا انسان جو خود اسلام کی بے نظیر خدمت کرنے والا ہو اور لاکھوں نفوس کو اسلام کا شیدا بنا دے جو اپنے مال، جان اور وطن قربان کر کے کلمہ توحید کی اشاعت کے لئے دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں کو چیرتے ہوئے ریگستانوں کی گرمی اور لو برداشت کرتے ہوئے آسمانی پیغام پہنچا دیں اور نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے دنیا کے کناروں کو گونجا دیں کیا ایسا انسان فرعون ہے؟ یا کیا وہ اسلام سے خارج ہے؟ اُف! اتنا کفر؟ اتنی بے انصافی؟ اتنا ظلم؟ مگر مجھے کیا شکوہ ہو ہمیشہ سے اندھی دنیا راستبازوں کے ساتھ ایسا ہی کرتی آئی ہے۔ خدا کے مسیحؑ نے خوب فرمایا ہے

غفلت پہ غافلوں کی روتے رہے ہیں مرسل

اب اس زماں میں لوگو نوحہ نیا یہی ہے

(۱۰) کاغذات پر اللہ تعالیٰ کے دستخط

معترض پٹیالوی نے دسویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ کشف درج کیا ہے جس میں حضورؑ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے بعض کاغذات پیش کردہ پر دستخط فرمائے ہیں اور اس وقت کچھ قطرات روشنائی کے حضورؑ کے کرتہ پر پڑ گئے جو حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری کا انہوں نے لے لیا۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۵۵)

اس کو درج کرنے کے بعد جو اعتراضات کئے ہیں ان کے نمبروار جوابات حسب ذیل ہیں۔

اعتراض اول "اللہ تعالیٰ کا جسم ہے جو میز کرسی یا گاؤ تکیہ لگائے کچہری کا کام کر رہا تھا" (عشرہ ص۱۵)

الجواب ۱۔ جب تم خود اس واقعہ کو "کشف یا خواب" (عشرہ ص۵) تسلیم کرتے ہو تو پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے کا استدلال کیسے کر سکتے ہو۔ اس واقعہ کا کشف ہونا ہی اس استدلال کی کافی تردید ہے۔ خواب کے معاملات کو ظاہر پر قیاس کرنا خود غلطی ہے۔ خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو تمثلی صورت میں دیکھ سکتے ہیں اور اس سے اس کا جسم ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ہماری بات نہیں مانتے تو امام شعرانیؒ کے منہ سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

"اِنَّکَ تَرٰی فِیْہِ (فِی الْمَنَامِ) وَاجِبَ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ لَا یَقْبَلُ الصُّوَرَ فِیْ صُوْرَۃٍ

وَيَقُوْلُ لَكَ مُعَبِّرُ الْمَنَامِ صَحِيْحٌ مَا رَأَيْتَ وَلٰكِنْ تَاوِيْلُهَا كَذَا وَكَذَا
فَقَدْ قَبِلَ الْمُحَالُ الْوُجُوْدَ فِيْ هٰذِهِ الْحَضْرَةِ (الیواقیت الجواہر جلد اوّل ص۱۱۱)

ترجمہ: تم خواب میں اللہ تعالیٰ کو جس کی درحقیقت کوئی شکل نہیں کسی شکل میں متمثل دیکھ سکتے ہو۔ اور تعبیر کرنے والا خواب کو صحیح قرار دے کر اس کی تعبیر کرے گا۔ اس عالم کشف میں ایک محال چیز موجود ہو گئی"۔

پس خواب میں اللہ تعالیٰ کو متمثل دیکھنے سے اس کا جسم لازم نہیں آتا۔ آپ کو وہ حدیث تو یاد ہی ہو گی جس پر ہم قبل ازیں بحث کر چکے ہیں یعنی وہ حدیث رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍّ أَمْرَدَ لَهٗ وَفْرَةٌ۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو ایک نوخیز نوجوان کی شکل میں دیکھا جس کے لمبے بال تھے"۔

ایک حدیث میں ہے:۔

أَتَانِيَ اللَّيْلَةَ رَبِّيْ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ أَحْسِبُهٗ قَالَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَتَدْرِيْ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ لَا فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدًا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ: آج رات خواب میں میرا رب میرے پاس نہایت اچھی شکل میں آیا۔ اس نے فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے معلوم ہے کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان (پشت پر) رکھا یہاں تک کہ مجھے سینے میں ٹھنڈک محسوس ہوئی اور مجھے آسمانوں اور زمین کا علم ہو گیا"۔ (درمنثور جلد ۵ ص۳۱۹ وجامع ترمذی جلد ۲ ص۱۵۵)

پھر لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو سبز لباس میں دیکھا۔ (کتاب الاسماء والصفات ص۳۱۳ مطبوعہ الہ آباد)

حضرت عبدالقادر صاحب جیلانی فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ایک دفعہ اپنی ماں کی شکل میں دیکھا۔ رأیت رب العزۃ فی المنام علی صورۃ امی (بحر المعانی ص۶۳ مصنفہ محمد نصیر الدین)

غرض کشفی حالت بالکل جداگانہ حالت ہے اس سے خدا کے مجسم ہونے پر استدلال کرنا سراسر حماقت ہے اور حضرت اقدس کے اس کشف کے متعلق ابتدائی الفاظ یعنی "ایک دفعہ تمثلی

طور پر مجھے خدا تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔" (عشرہ صفحہ) آپ خود نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ استدلال باطل ہے۔

صوفیائے اسلام کا کیا مذہب ہے ؟ لکھا ہے :-

"وَالصُّوفِيَّةُ يَقُولُونَ اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الظُّهُوْرَ فِيْمَا يَشَاءُ عَلٰى مَا يَشَاءُ وَهُوَ سُبْحَانَهٗ فِيْ حَالِ ظُهُوْرِهٖ بَاقٍ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ حَتّٰى عَنْ قَيْدِ الْاِطْلَاقِ فَاِنَّهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَمَتٰى ظَهَرَ جَلَّ وَعَلَا فِيْ صُوْرَةٍ اُجْرِيَتْ عَلَيْهِ سُبْحَانَهٗ اَحْكَامُهَا مِنْ حَيْثُ الظُّهُوْرِ فَيُوْصَفُ عَزَّ مَجْدُهٗ عِنْدَهُمْ بِالْجُلُوْسِ وَنَحْوِهٖ مِنْ تِلْكَ الْحَيْثِيَّةِ۔" (تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۷۲)

ترجمہ ۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس پر اور جس صورت میں چاہے ظہور کر سکتا ہے مگر وہ اس حالت میں بھی مطلق ہو گا حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی بالا ہو گا اور جب وہ کسی صورت میں ظہور فرمائے تو اس پر اس کے مطابق احکام جاری ہوں گے ۔ اس بناء پر ان کے نزدیک حیثیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹھنے وغیرہ کا لفظ بول سکتے ہیں"

پس ؎ زصوفی شنو گر زمن نشنوی

ہاں "میز، کرسی، گاؤ تکیہ اور کچہری" کے الفاظ حضرت مسیح موعودؑ کے نہیں بلکہ مکذب بٹیالوی نے خود اختراع کئے ہیں۔ شاید یہ الفاظ اسلئے لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا لکھنا ثابت ہے اور لکھنے کیلئے میز، کرسی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست !

شیخ بٹیالوی اور اس کے ہم رفیقو ! سنو ! تم بھی خدا کے عرش کے قائل ہو اور تم یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے اور عرش کجاوے کی طرح چلاتا ہے ۔ اِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ (سنن ابی داؤد ۔ رسالہ الجیوش الاسلامیہ لابن تیمیہ صفحہ ۳)

پھر تم یہ بھی مانتے ہو کہ ہر شب کے آخری حصہ میں خدا تعالیٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے ۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۵ ابواب صلوٰۃ اللیل)

تمہارے نزدیک خدا کا ہنسنا[1] بھی ممکن ہے ۔ پھر تم یہ بھی اعتقاد رکھتے ہو کہ قیامت

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۲ باب اثبات الشفاعۃ ۔ ۱۲

کے روز اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ننگی کرے گا[1]۔ پھر تم اِس بات کو بھی مانتے ہو کہ دوزخ چلاتا رہے گا جب تک کہ ربّ العزّت خود اپنا پاؤں اس میں نہ رکھے۔ حَتّٰی یَضَعُ رَبُّ الْعِزَّۃِ قَدَمَہٗ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)۔ پھر تمہارے نزدیک بھی یہ درست ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کشفی طور پر دو کتابیں دی تھیں جن میں سے ایک میں اہل جنّت کے نام اور دوسری میں اہلِ نار کے نام درج تھے (ترمذی جلد ۲۔ ابواب القدر) پھر تم یہ بھی مانتے ہو کہ کچھ دوزخیوں کو نکال کر خدا تعالےٰ ان پر اپنے ہاتھ سے چھینٹے دیگا ..... افسوس کہ تمہارے نزدیک یہ سب تمثلات درست ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کا جسمانی ہونا ثابت نہیں۔ لیکن اگر حضرت مرزا صاحب نے لکھ دیا کہ مَیں نے تمثلی طور پر اللہ تعالیٰ کو دستخط کرتے دیکھا تو یہ امر تمہارے نزدیک کفر، شرک اور خلافِ شریعت ٹھہرا۔ گویا تم مچھر کو چھانتے اور ہاتھی کو نگل جاتے ہو۔ اُفٍّ لکم کیف تحکمون۔ ہم اللہ تعالےٰ کے فضل سے اِن سب مندرجہ بالا احادیث و آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور اِن سب الفاظ کے معانی اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق لیتے ہیں۔ خدا کو بندوں پر قیاس نہیں کرتے تاکہ ہم بھی یہ کہیں کہ اسماءِ اہلِ جنّت والی کتاب خدا نے میز، کرسی یا گاؤ تکیہ لگا کر لکھی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

پس یہ اتہام یا اِس کشف سے استدلال غلط، ناواجب اور باطل ہے۔

اعتراض دوم۔ سُرخ روشنائی کا وجود۔

الجواب۔ اس میں کیا محال ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم ان کو ایک مقررہ اندازہ سے اُتارتے ہیں۔ کیا ہر چیز میں "سُرخ روشنائی" شامل نہیں؟

اعتراض سوم۔ "خدا محض ایک کٹھ پتلی کی طرح مرزا صاحب کے منشاء کے مطابق کام کرتا ہے اور مرزا صاحب جو چاہیں اس سے کرا سکتے ہیں"
(عشرہ صفحہ ۸)

الجواب۔ اِس کشف سے اتنا ثابت ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ایک

---

[1] یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا غیر احمدی ترجمہ (ابوالعطاء)

درخواست بارگاہِ ایزدی میں پیش کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے منظور کر لیا۔ کیا خدا اپنے بندوں کی دُعا نہیں سُنا کرتا؟ اور کیا اُس نے یہ نہیں فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن ع) تم دُعا کرو میں قبول کروں گا تو کیا اب خدا تعالیٰ (نعوذ باللہ) بندوں کے ہاتھ میں "کٹھ پتلی" بن گیا؟ حضرت اقدس نے اسی جگہ لکھا ہے :۔

"میرے پر اس وقت نہایت رقّت کا عالم تھا۔ اس خیال سے کہ کس قدر خدا تعالیٰ کا میرے پر فضل اور کرم ہے کہ جو کچھ میں نے چاہا بلا توقف اللہ تعالیٰ نے اُس پر دستخط کر دیئے۔" (عشرہ منہ بحوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۵)

کیا یہ الفاظ کھلے لفظوں میں تمہاری تردید نہیں کر رہے؟

اعتراض چہارم: "مرزا صاحب کے خدا کا کسی ناواقف کار افسر کی طرح منشی کے لکھے ہوئے حکم پر محض دستخط کر دینا۔"

الجواب۔ دستخط کرنا حکم کو جاری کرنے کا مترادف ہوتا ہے۔ باقی یہ کہ بلا علم ناواقف کار کی طرح دستخط کر دیئے، یہ نہ حضرت کے الفاظ میں ہے اور نہ کشف میں۔ یہ محض افترا اور جھوٹ ہے۔ سو اس کا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔

اعتراض پنجم: "مرزا صاحب کے خدا کے لکھنے کے طریقہ سے ناواقفیت کہ قلم کو سیاہی لگانی بھی نہیں آتی۔ زیادہ سیاہی لگا کر ناحق خراب کی اور اسراف کا ارتکاب کیا۔"

الجواب۔ اے عقل کے دشمن! زیادہ سیاہی لگانا اور اس کو چھڑکنا اس شان اور تمثل کو خارجی وجود بخشنے کے لیے تھا۔ اس کو اسراف کہنا بالکل غلط ہے آپ جیسی عقل کے انسان تو سمندروں کے لاکھوں من پانی کو بھی اسراف ہی سمجھتے ہوں گے؟ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو پھر حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ کس طرح بنتے اور کس طرح تحریر فرماتے کہ :۔

"حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حکم کے ماتحت اس کشف کے متعلق ثناء اللہ کے روبرو مجمع عام میں جس جگہ ثناء اللہ چاہے اور جن الفاظ

میں چاہے عاجز قسم کھانے کو تیار ہے - نیز یہ عاجز مباہلہ کے لئے بھی حاضر ہے - غرضیکہ وہ جس طرح بھی چاہے اطمینان کرلے "
(اخبار الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء)

پس یہ سیاہی کا خراب کرنا نہیں، اسراف نہیں بلکہ عین مصلحت ہے - ہاں اگر یہی اسراف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس اسراف پر ہزاروں کفایت شعاریاں نثار ہوں -

عالم کشف کی چیز کا خارج میں موجود ہو جانا

ممکن ہے کہ مادہ پرست لوگ کہیں کہ یہ کیسے ہو گیا کہ کچھ بھی نہ تھا اور پھر سیاہی کے قطرے پڑ گئے - سو انہیں یاد رہے کہ اسلام میں ایسے واقعات اولیاء اللہ سے ہوتے رہے ہیں - چنانچہ ذیل میں چند واقعات درج ہیں :-

(۱) عبداللہ بن الجلاء صوفی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ مدینہ میں بھوکے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر آئے اور کہا :-

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِیْ فَاقَۃٌ وَاَنَا ضَیْفُکَ" کہ اے رسولِ خدا! میں آپ کا مہمان ہو کر بھوکا ہوں" اور پھر ذرا ہٹ کر سو گئے - خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر ایک روٹی انہیں دی - وہ فرماتے ہیں فَاَکَلْتُ بَعْضَہٗ وَانْتَبَھْتُ وَفِیْ یَدِیْ بَعْضُ الرَّغِیْفِ کہ میں نے اس روٹی کا کچھ حصہ کھایا کہ جاگ پڑا تو باقی حصہ روٹی کا میرے ہاتھ میں تھا - گویا جو روٹی خواب میں ملی تھی وہ خارج میں بھی موجود تھی (ملاحظہ ہو منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام مصنفہ ابن سیرین و رسالہ قشیریہ و تذکرۃ الاولیاء در ذکر عبداللہ بن الجلاء)

(۲) بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت امّ سلمہ سے روایت کی ہے کہ :-

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِضْطَجَعَ ذَاتَ یَوْمٍ فَاسْتَیْقَظَ وَھُوَ خَائِرٌ وَفِیْ یَدِہٖ تُرْبَۃٌ حَمْرَاءُ یُقَلِّبُھَا قُلْتُ مَا ھٰذِہِ التُّرْبَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَخْبَرَنِیْ جِبْرَائِیْلُ اَنَّ ھٰذَا یَعْنِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِاَرْضِ الْعِرَاقِ وَھٰذِہٖ تُرْبَتُھَا (شرح سر الشہادتین ص ۳ و کنز العمال)

ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے تو غمگین تھے اور آپؐ کے ہاتھ میں سُرخ مٹی تھی جس کو حضورؐ اُلٹ پلٹ رہے تھے میں نے پوچھا حضور یہ مٹی کیسی ہے؟ فرمایا جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ (حضرت حسینؓ) عراق کی زمین میں قتل کیا جائے گا اور یہ اس کی مٹی ہے۔"

اب دیکھئے خواب کی بات تھی مگر وہ مٹی اور پھر خون سے سُرخ مٹی حضورؐ کے ہاتھ میں بیداری کے وقت بھی رہ گئی۔

(۳) حضرت اسمٰعیل صاحب شہیدؒ دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت ایشاں جناب رسالت مآب را صلوات اللہ وسلامہ علیہ در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدستِ مبارک حضرت ایشاں را خورانیدند بو صفیکہ یک یک خرما بدستِ مبارک خود گرفتہ در دہن حضرت ایشاں مے نہادند۔ وبعد ازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثر ازاں رؤیا حقہ ظاہر و باہر یافتند۔" (صراطِ مستقیم ص۱۶۵)

کہ انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے تین کھجوریں اپنے دستِ مبارک سے انہیں اس طرح کھلائیں کہ ایک ایک کھجور اپنے ہاتھ سے ان کے مُنہ میں ڈالتے تھے۔ بعد ازاں وہ جاگ پڑے تو اس مبارک خواب کا اثر اُن کے نفس میں ظاہر تھا۔"

ظاہر ہے کہ یہ واقعات عام لوگوں سے پیش نہیں آتے بلکہ خارق عادت ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ تحریر فرمادیا ہے کہ :۔

" ایک غیر آدمی اس راز کو نہیں سمجھے گا اور شک کریگا کیونکہ اسکو ایک خواب کا معاملہ محسوس ہوگا مگر جس کو روحانی امور کا علم ہو وہ اس میں شک نہیں کر سکتا۔ اس طرح خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔" (عشرہ ص۵)

گویا جس طرح ایک گنوار ہوائی جہاز اور وائرلیس کا انکار کرے گا اسی طرح کا انکار ہوگا مگر ہر دو انکار شائستہ التفات نہیں۔

اعتراض ششم :۔ "مرزا صاحب کے خدا کی بینائی کا فتور۔ کہ پاس بیٹھے آدمیوں کو سُرخی سے رنگ دیا۔"

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرتہ کے علاوہ صرف حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم کی ٹوپی پر چند قطرات پڑے تھے۔ جس کو پٹیالوی معترض نے "آدمیوں کو سرخی سے رنگ دیا" کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے حالانکہ وہ سرخ دھبے خداتعالیٰ کی طرف سے نشان تھے اور اس لئے ڈالے گئے تھے تا وہ نشان بن جائیں۔

ربنا اٰمنّا فاکتبنا مع الشاھدین۔

ان تمام نکمے اعتراضات سے معترض نے محض اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے ورنہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں ذرہ بھی وزن نہیں۔

اب ہم ان اعتراضات کا مکمل جواب درج کر چکے ہیں جو معترض پٹیالوی نے اپنی فصل چہارم میں درج کئے تھے۔ لیکن ہم اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے چند سطور ضروری طور پر لکھنا چاہتے ہیں۔

الزامی جوابات کی وجہ

اگرچہ معاند اور ضدی دشمن کے سامنے الزامی جواب زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں لیکن اس طریق پر بعض دفعہ عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے علماء کہہ دیا کرتے ہیں کہ دیکھو صاحب یہ تو اسلام پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ احادیث پر بھی جرح کرتے ہیں۔ اور بعض کندہ ناتراش اس بات سے مشتعل ہو کر حقیقت کے سمجھنے سے محروم رہ جاتے ہیں اسلئے ہم نے اس کی خوب وضاحت کر دی ہے کہ ہم ان باتوں کو غلط نہیں قرار دیتے بلکہ ان پر ایمان رکھتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کے الہامات اور آپ کی باتوں کو ان پر پرکھتے ہیں اور ان کی مطابقت کی وجہ سے اُن پر ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ اب دو ہی صورتیں ہیں (۱) اگر یہ غلط ہیں تو دونوں غلط ہیں (۲) اگر یہ درست ہیں تو دونوں قابلِ تسلیم ہیں۔ اور جو بات منہاج نبوت اور اولیاء اُمت کے عقائد، خیالات اور تحریروں سے ثابت ہو اس کو کوئی متدین انسان خلافِ شریعت نہیں کہہ سکتا۔ پس اول تو ہمارے الزامی جوابات اس نوعیت کے ہیں۔ دوسرے معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعودؑ کے متشابہ الہامات کو نشانۂ اعتراض بنا کر مطالبہ کیا ہے کہ "مرزائیو! ذرا ایمان سے کہنا کہ کسی نبی کو اس قسم کے الہام ہوئے ہیں؟" (عشرہ ص۱۴۹)

اس لئے چند ایسے الہامات جن پر نادان مکذب اعتراض کیا کرتے ہیں پیش کر دیئے

ہیں۔ ہم اس مطالبہ پر یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ایسا لکھنے والے پہلے ذرا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے نام تو بتائیں اور پھر ان کے الہامات دکھائیں، پھر یہ مطالبہ کریں۔ حضرت موسےٰ اور علیسےٰ کے بعض الہامات بائیبل میں درج ہیں۔ مگر خوب جانتے ہو کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔ پس اوّل تو مطالبہ ہی غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم نے کب سارے انبیاء کے الہامات کو پڑھا اور ان پر ایمان لائے جو ایسا چیلنج کر رہے ہو۔ تم تو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے اسلئے قرآن کے قائل ہو ورنہ اگر اسی اسلوب پر تحقیق کرتے جو اب اختیار کر رکھا ہے تو یقیناً سخت معاندِ قرآن ہوتے اور برائے نام بھی قرآن پر ایمان نہ رکھتے۔ تمہارے سامنے خدا کا ایک نبی پیش ہوا۔ تم نے اس کو ردّ کیا حالانکہ وہ انہی نشانات و علامات کے ساتھ آیا، ویسے ہی الہام لایا جیسے پہلے لاتے رہے۔ مگر اس کو جھٹلا کر تم نے ثابت کر دیا کہ کسی نبی پر بھی تمہارا ایمان نہیں۔ بہرحال الزامی جواب کی مختصراً یہ دو وجہیں ہیں کسی کو حق نہیں کہ ان کو ناجائز رنگ میں پیش کرے۔

متشابہات اور صداقت حضرت مسیح موعودؑ

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ جن الہامات پر معترض پٹیالوی نے اعتراضات کئے ہیں وہ وہی ہیں جو از قبیل متشابہات ہیں جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو متشابہات قرار دیا ہے۔ "دافع البلاء" کی عبارت آپ پڑھ چکے ہیں جہاں حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

> "یقین رکھو کہ خدا اتخاذِ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ" (دافع البلاء ص حاشیہ)

اسلئے جماعت احمدیہ یہی جواب دیتی ہے کہ یہ متشابہات ہیں اور ان کو محکمات مثل الہام قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے ماتحت کرنا ضروری ہے۔ لیکن اس کے متعلق منشی صاحب لکھتے ہیں:۔

> "مرزائی ایسے الہامات کو متشابہات کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہا کرتے ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ متشابہات کے یہ معنی کس نے کئے ہیں کہ وہ اصول اسلام کے مخالف ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب تو قرآن شریف کو ثریا سے دوبارہ

لاکر اسرار و رموز منکشف کرنے کے مدعی تھے مگر بجائے انکشاف کے لوگوں کو اور بھی چکّر میں ڈال دیا" (عشرہ صفحہ ۱۴۷)

بے شک یہ درست ہے کہ متشابہات کے اصل معنی اصولِ اسلام کے مخالف نہیں ہوتے اور نہ یہاں ہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ مخالف اور دشمن ان کے وہ معنے کرتے ہیں جو حقیقت سے دُور ہوتے ہیں اور محکمات کے خلاف۔ اِسی لیئے تو ان کو متشابہات کہا جاتا ہے۔ پھر اگر متشابہات کے باعث لوگ (مثل معترض پٹیالوی) چکّر میں پڑتے ہیں تو خود ان کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ محکمات کی موجودگی میں چکّر میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے؟ بلاشبہ حضرت مرزا صاحب (فارسی الاصل) قرآن پاک کو ثریا سے لائے اور آپؑ نے قرآنی معارف کے دریا بہا دیئے لیکن اِس کا کیا علاج کہ خطاکار لوگ پہلے دَور میں بھی اس کے ذریعہ گمراہ ہوئے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ قرآن پاک کی شان ہے۔ پس یہ صرف اپنی ہی کج فہمی ہے ورنہ الہامات نہایت واضح ہیں۔ کیا قرآن پاک میں کوئی التباس ہے؟ ہرگز نہیں مگر اس کی متشابہات کے متعلق بھی معترض پٹیالوی وغیرہ کی طرح اہلِ زیغ کا کیا شیوہ ہے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے الفاظ میں پڑھ لیجیے:۔

"اِس جگہ خداوند تعالیٰ نے گو محکم اور متشابہ کی ماہیت اور تعیین نہیں بتلائی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ متشابہات کا نتیجہ بتلا دیا جس سے ان کی ماہیت کا بھی مِنْ وَجْہٍ علم ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے بغرض فتنہ پردازی پڑتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ان کے اصلی معنے سمجھنا چاہتے ہیں یا جو ہم نے بیان کئے ہیں یہی اصلی ہیں۔ اب ہم اپنے زمانہ کے اہل زیغ (عیسائیوں اور آریوں ہندوؤں وغیرہم) کو دیکھتے ہیں تو اِس آیت کی بالکل صداقت پاتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن شریف کی جن آیتوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ آیات بول رہی ہیں کہ ہم متشابہات ہیں اور ہم پر نکتہ چینی کرنیوالے

اہلِ زیغ ہیں۔ مثلاً آیت نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ جس کے ظاہری معنی ہیں منافق خدا کو بھول گئے اور خدا منافقوں کو بھول گیا۔ اہل زیغ تو سُنتے ہی سٹ پٹائے کہ خدا بھی کسی کو بھول..... جاتا ہے۔ دیکھو مسلمانوں کا خدا بھولتا ہے۔ ایسا ہے ویسا ہے۔ یا دوسری آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ جس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اِس پر اہل زیغ نے شور مچایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو جزوِ خدائی کے مدعی ہیں اپنے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ بتلاتے ہیں۔ یا آیت مسیح علیہ السلام کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ والی جن کے ظاہری معنی سے اہلِ زیغ نے ورقوں کے ورق سیاہ کردیئے کہ قرآن بھی مسیح کی الوہیت کا مقر ہے..... غرض اِس قسم کی کارروائیاں اہلِ زیغ کی دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتیں بے شک متشابہ ہیں اور بعض محکم۔ کیونکہ متشابہات کے معنی ہیں ملی جُلی، جس کو کم فہم مخاطب سرسری نظر سے نہ پہچان سکے لیکن جو لوگ سمجھدار اور راسخ فی العلم ہیں اُن کو تو اِن باتوں کی خوب پہچان ہے ..... پس ہماری تقریر سے ثابت ہوا کہ متشابہات وہی احکام اور آیات قسم آتی ہیں جن کو اہل زیغ بغرض فتنہ پردازی اشاعت کریں۔ عام اس سے کہ وہ حروف مقطعات ہوں، نعماءِ جنت ہوں، یا عذابِ دوزخ، سمیع، بصیر صفات خداوندی ہوں، یا معجزاتِ نبوی، احکام متبدلہ ہوں یا ثابتہ، اگر قرآن شریف پر غور کیا جاوے تو یہ معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں..... پس جو آیات اہلِ زیغ کے لئے مزلۃ الاقدام ہوں اور وہ بے سمجھی سے ان کے ذریعہ فتنہ پردازی کریں وہی متشابہات ہیں۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص حاشیہ)

اِس واضح اقتباس سے صاف کُھل گیا کہ آریہ اور عیسائی مخالفین نے قرآن پاک پر بھی ویسے ہی اعتراض کئے ہیں جیسا کہ معترض پٹیالوی نے اپنی "مایۂ ناز کتاب" عشرہ کاملہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے پاکیزہ الہامات پر کئے ہیں۔ گویا حضرت مرزا صاحبؑ کے مخالفینِ اہلِ زیغ بالکل مخالفینِ اسلام کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ بلکہ ان کے اعتراضات درحقیقت مخالفینِ اسلام کی ہی صدائے بازگشت ہیں۔ پس قرآنی معیار مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حٰمٓ سجدہ عٓ) کی رُو سے ان اعتراضات نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو ہی روشن کیا ہے۔ سچ ہے ؎

وفی کلّ شیءٍ لہٗ اٰیۃ

تدلّ علیٰ انّہ صادق

معزز قارئین! آپ خدارا غور فرماویں کہ کیا قرآن مجید نے متشابہات کے ذریعہ "لوگوں کو چکر میں ڈال دیا ہے"؟ اور کیا یہ بلا حکمت ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں! لیکن نادان معترضین نے خود اپنے آپ کو گمراہ کیا وہی حال یہاں ہے۔ اگر یہ الہامات نعوذ باللہ قابلِ اعتراض ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آریہ اور عیسائی اہلِ زیغ کو غلطی خوردہ، معاند اور مغالطہ دہی کے مرتکب قرار دیں؟ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد بالکل بجا ہے کہ ؎

انبیاء کے طور پر حجت ہوئی ان پر تمام

ان کے جو حملے ہیں ان میں سب نبی ہیں حصہ دار

(دُرِّ ثمین)

فصل پنجم

"اختلاف بیانیوں" کی حقیقت

اے کہ ہر دم بدگمانی تیرا کاروبار ہے
دوسری قوت کہاں گم ہوگئی اے ہوشیار
(حضرت مسیح موعودؑ)

مصنف "عشرہ کاملہ" نے اپنی فصل پنجم میں بزعم خویش سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے دس اختلاف بیانیاں پیش کی ہیں اور پھر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ منجانب اللہ نہ تھے۔ ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث سے پیشتر چند امور ضروریہ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

امر اول معترض نے حضرتؑ کی چند تحریریں پیش کرکے ان کو "متناقض بیانات" قرار دیا ہے۔ حالانکہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ تناقض کے تحقق کے لئے آٹھ باتوں میں اتحاد ضروری ہے۔ اہل منطق کا مشہور مقولہ ہے ؎

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع و محمول و مکاں
وحدت شرط و اضافت جزو کل قوت و فعل است در آخر زماں

یعنی موضوع، محمول، شرط، مکان، زمانہ، اضافت، جزو کل اور بالقوہ و بالفعل کے لحاظ سے اگر دو قضیے متفق ہوں۔ مگر ان میں ایجاب و سلب یعنی "ہے" اور "نہیں" کا بلحاظ حکم نیز قضیہ موجہہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو۔

تو وہ متناقض کہلائیں گے۔ کیا اِس طور سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایک عبارت بھی کسی دوسری سے مختلف ہے تا ان عبارات کو متناقض بیانات کہا جا سکے؟ ہرگز اور قطعاً نہیں! اگر آج ایک نبی ایک بات اپنے خیال کے مطابق کہتا ہے لیکن کل کو خدا تعالیٰ اسے بتلاتا ہے کہ یہ غلط ہے صحیح بات یُوں ہے اور پھر وہ اس کا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اعلان کر دیتا ہے کیا یہ تناقض ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس امرِ اوّل تو یہی ہے کہ تناقض اور اختلاف کے مفہوم کی تعیین ضروری ہے۔

امر دوم دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ معترض پٹیالوی کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی جوڑ نہیں۔ کیونکہ اس نے دعویٰ یہ کیا تھا کہ آیت ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً کے رُو سے حضرت مرزا صاحبؑ کا مفتری اور جھوٹا ہونا ثابت کروں گا۔ ہم اختصارِ کلام کی خاطر اس کے بیان کردہ معنوں کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور اختلاف کا مفہوم بھی اختلافِ بیان ہی مان لیتے ہیں مگر صرف اتنا واضح کرنا چاہتے ہیں کہ لوجدوا فیہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے جیسا کہ آیت کے پہلے حصہ میں مذکور ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ پس مطلب آیت یہ ہوا کہ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا الہام اور اس کا متلو کلام ہے' اس میں اختلاف نہیں۔ اور اگر اس میں اختلاف ہوتا تو یہ رسول کریمؐ کے منجانب اللہ ہونے کے خلاف تھا۔ اس دعویٰ کے مطابق منکر پٹیالوی کا فرض تھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں اپنا مزعومہ اختلاف پیش کرتا مگر جیسا کہ ابھی تفصیلاً آپ پڑھیں گے اُس نے اِس فصل میں الہامات کے متعلق نہیں بلکہ حضرت کی اپنی تحریرات کے متعلق بحث کی ہے۔ بہرحال دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں۔ موجودہ اعتراضات کی رو سے آیت مذکورہ کو عنوان میں درج کرنا علم قرآن سے اپنی محرومی کا ثبوت دینا ہے۔

امر سوم یہ بھی حل طلب بات ہے کہ اختلاف کے وجود و عدم وجود میں کس کے فیصلہ پر انحصار ہوگا، کیا معاند اور مخالف لوگوں کی بات قطعی حجت ہوگی؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا تسلیم کیا جاوے تو ان کے نزدیک تو قرآن مجید میں بھی بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ عیسائیوں نے خاص اسی موضوع پر ایک رسالہ

"اختلافِ قرآن" شائع کیا ہے۔ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیا نند نے بھی لکھا ہے کہ:

> "کہیں تو قرآن میں لکھا ہے کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہیے کونسی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں"

آریہ اور عیسائی مناظرین مباحثات میں بالعموم اپنی کوتاہ فہمی سے کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں تو اِن آیات کا کیا جواب ہے۔ مثلاً (۱) ایک طرف وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فرمایا اور دوسری طرف مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مذکور ہے۔ (۲) ایک جگہ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہے اور دوسری طرف اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وارد ہے۔ (۳) ایک سورۃ میں ہے لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا اور دوسری میں لکھا ہے فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۴) ایک طرف ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اور دوسری جگہ ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۵) ایک جگہ آتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ اور دوسرے مقام پر وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا آیا ہے (۶) ایک آیت میں اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى فرمایا اور دوسری جگہ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا نازل ہوا وغیرہ۔

بلا شک وشبہ قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر اختلاف نہیں اور احمدیہ لٹریچر میں مخالفین کے اِن اور ایسے ہی دوسرے تمام اعتراضات کے جواب نہایت مفصل اور مدلل موجود ہیں' اور دیئے جاتے ہیں۔ یہ اِن جوابات کے لکھنے کا موقع نہیں بلکہ اس وقت اس ذکر سے ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ صرف مخالفین اور مکذبین کے کہنے سے ہی کسی الہامی کتاب یا کسی نبی کے کلام میں تضاد ثابت ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں سب انبیاء اور اُن کی کتابوں سے انکار کرنا پڑے گا۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ) لہٰذا سب سے پہلے مرحلے پر اِس فصل پنجم کے اعتراضات کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ یہ اعتراض منکرین کی طرف سے ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور ایسی ایسی پاکیزہ اور بارتیب

کلام پر ہوتا رہا ہے جس سے زیادہ فصیح و بلیغ ناممکن محض ہے۔ کیونکہ یہ دشمن بات کرنے لگتا ہوں۔
پس اے معترض پٹیالوی! سہ

کذب وما التکذیب منك ببدعة
رسم تقادم عهده المتقدم

امر چہارم

مجھے ان لوگوں پر سخت حیرت ہے جو خدا کے محفوظ اور ابدی قانون (قرآن مجید) میں متعدد آیات کو منسوخ مانتے ہوں اور پھر وہ "اختلافِ بیانی" کو بطور اعتراض پیش کرتے ہوں۔ غیر احمدی فرقوں کا قاطبۃً اعتقاد ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا اور واجب العمل تھا مگر کسی دوسری آیت نے آکر اس حکم اور اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ ان لوگوں کا قرآن مجید پر یہ صریح ظلم ہے۔ بے شک ہمارا دعویٰ اور یقین ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف، ایک نقطہ بلکہ ایک شعشہ بھی منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو بیسیوں آیات کو منسوخ مانتے ہوں وہ کس مُنہ سے "اختلافِ بیانی" پر معترض ہوتے ہیں؟ ان لوگوں میں سے بعض نے پانسو۵۰۰ آیات کو منسوخ قرار دیا اور بعض نے بیس پر اکتفا کیا۔ اس پر بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ایسے متبحر کو بھی لکھنا پڑا :-

"عَلٰی مَا حَرَّرْتُ لَا یَتَعَیَّنُ النَّسْخُ اِلَّا فِیْ خَمْسِ مَوَاضِعَ"
(الفوز الکبیر صفحہ ۲۱)

کہ میرے بیان کے مطابق صرف پانچ آیات منسوخ ہیں"۔ لیکن خدا کے جری حضرت مسیح موعودؑ نے اس گرہ کو بالکل کھول دیا اور بتلایا کہ چونکہ ان لوگوں کو ان آیات کی حقیقت سے مطلع نہ کیا گیا تھا اسلئے انہوں نے ایسا خیال کیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک بھی آیت منسوخ نہیں بلکہ الحمد سے لیکر والناس تک سارے کا سارا قرآن مجید تا قیامت قائم اور واجب العمل ہے۔

میں دوسری طرف چلا گیا مجھے صرف یہ بتلانا مطلوب ہے کہ جو لوگ قرآن مجید تک میں "اختلافِ بیان" مان رہے ہوں اُن کا حضرت مرزا صاحبؑ کے کلام میں "اختلافِ بیانیاں" ثابت کرنے کی کوشش کرنا کوئی بہت زیادہ تعجب خیز نہیں۔

کیونکہ یہ لوگ اس بات کے عادی ہو چکے ہیں۔

ناظرین! خدا لگتی کہیئے کہ اگر یہ درست ہے کہ:۔

"خدا کسی حکمت سے چند روز ایک حکم صادر فرمائے اور بعد چند روز کے اس کو اٹھا دے تو کوئی مشکل امر نہیں" (تفسیر ثنائی جلد اوّل ص۱۰۱)

تو پھر اگر خدا کا ایک بندہ چند روز تک ایک حکم یا ایک بات بیان کرے پھر کچھ عرصہ کے بعد خدا اس کو اٹھا دے تو یہ کوئی مشکل امر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کو "اختلاف بیانی" قرار دیکر شور مچانا بلکہ مدعی کی بطالت کی دلیل گردانا سراسر نادانی ہے۔

معترض پٹیالوی کا چیلنج

اس مختصر تمہید کے بعد میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے وہ "اختلاف" جن کو دشمن محض سوء فہمی سے اختلاف قرار دے رہے ہیں درحقیقت کوئی اختلاف اور تناقض نہیں۔ جیسا کہ آپ کو خود بھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن آپ معترض پٹیالوی کی جو محض دوسروں کا پس خوردہ کھانے والا ہے تحدی بھی ملاحظہ فرمائیں بحروف جلی لکھا ہے:۔

"(ہم) دس اختلاف بیانیاں یہاں درج کرتے ہیں اور مرزائی صاحبان کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اختلافات میں تطبیق کر کے دکھلادیں" (عشرہ ص۵۳)

کسی نے خوب کہا ہے ؎ لو مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔

اختلافات کا جواب

پہلا اختلاف

اس نمبر میں منشی صاحب نے ازالہ اوہام، توضیح مرام اور ایک غلطی کا ازالہ کے حوالے درج کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"حوالہ الف (ازالہ اوہام) میں محدثیت کا اقرار ہے اور نبوت کا انکار مگر حوالہ ج (ایک غلطی کا ازالہ) میں نبوت کا دعویٰ ہے اور محدثیت سے انکار۔ پس بقول خود نہ آپ محدث ہیں نہ نبی" (عشرہ ص۵۴)

الجواب الاوّل۔ اے معترض پٹیالوی! اگر تجھ میں ذرہ بھر بھی دیانت موجود ہے تو بتلا کہ کیا تجھے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں مندرجہ ذیل عبارت نہیں ملی؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعویٰ نبوت کے اقرار اور انکار میں خود تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے، اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ طبع سوم ص۴)

گویا مستقل اور شریعت والی نبوت کا انکار ہے اور ظلّی اور غیر تشریعی نبوت کا اقرار ہے لہٰذا کوئی اختلاف، تضاد یا تناقض نہیں۔ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے میں نے ایم۔ اے پرائیویٹ طور پر پاس نہیں کیا، لیکن گورنمنٹ کالج میں تعلیم پا کر پاس کیا ہے۔ کیا ان دونوں میں اختلاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جس حیثیت کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں۔ اور جس پہلو کا ادعا ہے اس کا انکار نہیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ زید باپ ہے اپنے بیٹے خالد کا اور زید باپ نہیں عمرو کے بیٹے بکر کا۔ کیا یہ متناقض بیانات ہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔"

(تجلیات الٰہیہ ص۲۵)

اپنے متعلق فرمایا ؎

دگر استاد را نامے ندانم ٭ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

(درثمین فارسی)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرت اقدسؑ نے خود اس کی تطبیق نہایت واضح اور بیّن طور پر تحریر فرما دی ہے۔ اب اس کے لیئے "میرزائی صاحبان کو چیلنج" دینا کمال ڈھٹائی ہے سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

الجواب الثانی۔ معترض پٹیالوی نے حوالہ ج سے یہ استدلال کیا ہے کہ "نبوت کا دعویٰ ہے اور محدثیت سے انکار" اور پھر اسی پر مطابق "بناء الفاسد علی الفاسد" لکھا ہے "پس بقول خود نہ آپ محدّث ہیں نہ نبی"۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حوالہ ج کا وہ مفاد ہی نہیں جو معترض نے لکھا ہے لہٰذا اس پر "نہ آپ محدث ہیں نہ نبی" کی فرع قائم کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔ حوالہ مذکور معترض کے الفاظ میں ہی یوں ہے۔ فرمایا:۔

"اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں"

کیا اس عبارت کا یہ منشاء ہے کہ جو نبی ہو وہ محدّث نہیں ہوتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ خدا سے غیب کی خبریں پانے والے کا نام صرف محدّث نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ تم اس کا نام نبی رکھو۔ چنانچہ اسی رسالہ میں حضور رقمطراز ہیں:۔

"یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنے لغت کے رُو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا"۔ (صہ)

گویا خدا سے غیب کی خبریں پانے والے کا نام نبی رکھنے میں تنازعہ ہے اور حضرت اقدسؑ اس کے لیئے ثبوت دیتے ہوئے اس مفہوم کو محدثیت کے دائرہ سے بالا ثابت کر رہے ہیں نہ کہ اپنی محدثیت کا انکار فرما رہے ہیں۔ کیا کوئی ایک بھی ایسا مقام ہے جس میں لکھا ہو کہ میں محدّث نہیں ہوں۔ یہ تو صرف نبوت کی تعریف کو محدثیت سے ممتاز کیا گیا ہے ویسے

مثال کے طور پر یوں سمجھ سکتے ہو کہ "غیب کی خبریں پانا" بی۔اے کا ڈپلومہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ "جس کے پاس یہ ڈپلومہ ہو اس کا کیا نام رکھا جائے گا؟ اگر کہو کہ اسے ایف۔اے کہنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ یونیورسٹی کے کس قانون کے ماتحت ایف۔اے پاس طالب علم کے پاس یہ ڈپلومہ ہوتا ہے؟" اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جائے گا کہ وہ ڈپلومہ والا طالب علم ایف۔اے پاس نہیں۔ بلکہ یہ کہ ایف۔اے پاس بھی ہے اور بی۔اے بھی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی متذکرہ صدر عبارت کا مطلب صاف ہے کہ آپؑ نبی بھی ہیں اور محدث بھی۔ فبطل ما کانوا یأفکون۔

الجواب الثالث۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پر یکجائی نظر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضورؑ کا دعویٰ براہین احمدیہ کے زمانہ سے لیکر یوم وصال تک یہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بکثرت مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے، وہ مجھ پر غیب کی خبریں ظاہر فرماتا ہے اور اس نے الہام میں میرا نام نبی رکھتا ہے۔ ان امورِ ثلاثہ کے مجموعہ کو آپؑ اوائل میں محدثیت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک، آپؑ کے نزدیک بھی دوسرے لوگوں کی طرح، نبی کے لئے جدید شریعت لانا یا مستقل ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعتِ سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے اور براہِ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔" (الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹ سنہ ۱۸۹۹ء)

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر واضح کر دیا کہ نبی کے لئے شریعت کا لانا یا مستقل ہونا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہ ہونا شرط نہیں تو آپؑ نے صاف فرما دیا کہ:۔

(الف) "نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحبِ شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔"
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸)

(ب) "مَیں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں مگر اس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا پس یہ اس خدا سے پُوچھو کہ ایسا تُو نے کیوں کیا؟ میرا اس میں کیا قصور ہے؟ اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو مَیں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

غرض صرف اصطلاح میں معمولی سا فرق ہُوا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی کے بتانے سے نفسِ دعویٰ میں کوئی فرق نہیں ہُوا بلکہ وہی امورِ ثلاثہ کا مجموعی مرکب آپؑ کا دعویٰ تھا۔ ہاں پہلے آپ لوگوں کی اصطلاح کے مطابق (جسے آپؑ نے ۱۸۹۹ء[1] میں اصطلاح اسلام کے نام سے بھی ذکر فرمایا ہے) اس دعویٰ کا نام محدّث رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بعد آپ نے اس کا نام نبی فرمایا اور اسے اسلام[2] کی اصطلاح، خدا[2] کی اصطلاح اور نبیوں[3] کی اصطلاح قرار دیا۔ لیکن حقیقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کی کتاب "تجلیاتِ الٰہیہ" میں بھی فرمایا کہ :-

"میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی و قطعی بکثرت نازل ہو۔ جو غیب پر مشتمل ہو۔ اسلئے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔" (صفحہ ۲۶)

بہرحال صرف نام کی تبدیلی ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے۔ کیا یہ "اختلاف بیانی" ہے؟ کیا یہ تضاد ہے؟ انصاف! انصاف!! انصاف!!! یاد رکھو اس قسم کے واقعہ کو "اختلاف بیانی" نہیں کہا کرتے۔ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ باوجودیکہ آپؐ "للعٰلمین نذیراً" تھے مگر جب ایک

---

[1] لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳ طبع دوم۔ [2] چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۵۔ [3] الوصیت صفحہ ۱۲

شخص نے آپ کو خیرالبریہ کہا تو آپ نے فرمایا۔ ذالک ابراھیم علیہ السلام کہ یہ ابراہیم کا مقام ہے۔ (مسلم جلد ۲ فضائل ابراھیم الخلیل) اور بعض دوسرے مواقع پر تو آپ نے یہاں تک فرما دیا۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنَ مَتّٰی، لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ فَقَدْ کَذَبَ (مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء) کہ مجھے یونسؑ سے افضل نہ کہو، مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو، جو شخص آپ کو یونس سے بہتر کہے وہ جھوٹا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وضاحت سے کھول دیا تو آپ نے فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ کہ میں آدم زادوں کا سردار ہوں (مشکوٰۃ المصابیح) پس اس قسم کے بیانات کو متضاد کہنا یقیناً کھلی دیوانگی ہے۔

الجواب الرابع - معترض پٹیالوی کا یہ اعتراض قرآن مجید اور احادیث سے عدم واقفیت بلکہ ان سے دشمنی پر مبنی ہے۔ اگر اسے علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ اعتراض نہ کرتا اور اسے اختلاف بیانی نہ قرار دیتا۔ قرآن مجید حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا الآیۃ (الشوریٰ ع) کہ تجھے اس کتاب کے اترنے سے پہلے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہوتے ہیں، ہم نے ہی اس کو نور بنایا ہے اور لوگوں کو اس کے ذریعہ ہدایت کرتے ہیں" رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا دستور العمل تھا؟ لکھا ہے۔ کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) کہ آپ ان باتوں میں جن میں آپ مامور نہیں ہوتے تھے اور جن میں آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی نزولِ وحی تک اہل کتاب سے موافقت کرتے تھے۔ یعنی وہی کرتے اور اعتقاد رکھتے جو اہل کتاب کرتے اور اعتقاد رکھتے تھے۔ جب وحی نازل ہو جاتی تو آپ کا عمل اور اعتقاد وحی کے مطابق ہو جاتا تھا۔ شریعت آہستہ آہستہ تیئیس سال میں مکمل ہو گئی۔

پھر لکھا ہے اِنَّہٗ صَلّٰی قِبَلَ بَیْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا اَوْ سَبْعَۃَ عَشَرَ شَھْرًا (بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے" اور بعد ازاں بیت اللہ الحرام کی طرف منہ

کرنے کا حکم آگیا آپ نے اُدھر مُنہ کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس وقت بھی معترض پٹیالوی کی فطرت کے لوگ چیخ اُٹھے تھے مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا کہ انہوں نے تبدیلِ قبلہ کیوں کر لیا یہ تو قابلِ اعتراض امر ہے؟ مگر جانتے ہو کہ رب السمٰوات نے ان کے حق میں کیا فرمایا؟ یہی کہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ جو اس تحویلِ کعبہ کو موردِ طعن بنا رہے ہیں۔ کیا قرآن کے اِن الفاظ میں معترض پٹیالوی اور اس کے رفیقوں کے لیئے تازیانہ نہیں؟

اور پڑھیئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے کہ:۔

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع فرمایا، بعد اصلاح اجازت دیدی۔ اور ان کے بخل کے مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا پھر بعد میں اجازت دیدی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں بھی کھانا پینا منع کیا تھا مگر بعد میں اُن کے استعمال کی اجازت بخشی۔" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ حاشیہ)

گویا بسا اوقات ایسا ہُوا کہ حکم دیا گیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم کو منسوخ فرما دیا۔ کیا یہ سب اختلاف بیانیاں ہیں اور بقول منشی یعقوب صاحب متضاد اور متناقض بیانات؟

الغرض ہم نے چار جوابات سے ثابت کر دیا ہے کہ مصنف عشرہ کاملہ کا اعتراض بالکل لغو اور محض غلط ہے۔ ہر دو عبارتوں میں تطبیق نہایت واضح ہے بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمائی ہے۔ ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔

دوسرا اختلاف دوسرا اختلاف معترض نے "کفر و اسلام محمد یاں" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ یعنی پہلے حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکرین کو کافر قرار دینے سے انکار فرمایا اور بعد میں وہ اور ان کی جماعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر کو کافر سمجھنے لگ گئے۔ لہٰذا یہ دونوں باتیں ایک سرچشمہ سے نہیں نکل سکتیں۔

الجواب ۱۔ کیا اسی قسم کی "اختلاف بیانیوں" پر آپ نے اتنی لن ترانیاں

بانگ دی تھیں ؟ بھلا کوئی عقلمند انسان اس کو تناقض، تضاد اور اختلاف بیان کہہ سکتا ہے؟
اگر یہی آپ کا مایۂ ناز سرمایہ ہے تو پھر اس میں اور بھی اضافہ کر لیجئے کہ پہلے حضرت مرزا صاحبؑ
اپنے آپ کو مسیح موعود نہ کہتے تھے پھر مسیح موعود ہونے کے مدعی ہوئے۔ پہلے مدعی مجددیت
نہ تھے پھر مدعی ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی عبارات کو متضاد اور متناقض قرار دینا انصاف
کا خون کرنا ہے کیتنی واضح بات ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ پر ظاہر نہ فرمایا
گیا آپ انکار فرماتے رہے جب اس باب میں اللہ تعالےٰ نے متواتر الہامات کے ذریعہ توضیح
فرمادی تو آپؑ نے بھی اعلان فرمادیا۔ سیّد الانس والجانؐ فرماتے ہیں :-

" مَنْ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى فَقَدْ كَذَبَ " (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

کہ جو کہے کہ میں حضرت یونسؑ سے بہتر ہوں وہ کاذب ہے لیکن بعد تواتر وحی منجانب اللہ
درباره افضلیت خود فرمایا اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ مصر)
کہ میں سب آدمزادوں کا سردار ہوں۔ کیا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے اوائل
میں جو نرمی اختیار کی یا یونسؑ کی افضلیت کا اعتراف فرمایا تو وہ وہی نرمی تھی جو " ایک سنے
دکاندار کے لیے لازم ہوتی ہے۔" (عشرہ صفحہ ۵۵) منشی محمد یعقوب کا ایسا خیال درحقیقت
اپنی باطنی حالت کا اظہار ہے۔ سچ ہے ؎ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست۔

الجواب ۲ ۔ معترض پٹیالوی نے انکارِ کفر کے لیئے تریاق القلوب وغیرہ سے دو
حوالے درج کئے ہیں اور بعد کی چند عبارات درج کی ہیں۔ یہ سوال بعینہٖ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ سائل لکھتا ہے :-

" حضور عالی نے ہزاروں جگہ تحریر فرمایا ہے کہ کلمہ گو اور اہلِ قبلہ کو کافر
کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاوہ ان مومنوں کے
جو آپ کی تکفیر کرکے کافر بن جائیں صرف آپ کے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں
ہو سکتا لیکن عبدالحکیم خان کو آپ لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت
پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس بیان اور
پہلی کتابوں کے بیان میں تناقض ہے۔ یعنی پہلے آپ تریاق القلوب وغیرہ

میں لکھ چکے ہیں کہ میرے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اور اب آپ لکھتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔"

حضرت اقدس نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھہراتے ہیں حالانکہ خدا کے نزدیک ایک ہی قسم ہے کیونکہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسی وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افتراء کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ۔ یعنی بڑے کافر دو ہی ہیں ایک خدا پر افتراء کرنے والا دوسرا خدا کی کلام کی تکذیب کرنے والا۔ پس جب کہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افتراء کیا ہے اس صورت میں نہ میں صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خود فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول ؐ کی پیشگوئی موجود ہے الخ"

حاشیہ پر رقمطراز ہیں:۔

"بلاشبہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے کافر ہے۔ سو جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ مجھے مفتری قرار دیکر مجھے کافر ٹھہراتا ہے اس لیئے میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے۔" (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ حاشیہ)

پھر اسی ذیل میں تحریر فرمایا ہے:۔

"میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر لوگ میرے پر ایمان نہیں لاتے وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ ان تمام لوگوں کو وہ مومن جانتے ہیں جنہوں نے مجھ کو کافر ٹھہرایا ہے۔ پس میں اب بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا لیکن جن میں خود انہیں کے ہاتھ سے ان کی وجہ کفر کی پیدا ہو گئی ہے ان کو کیونکر مومن کہہ سکتا

ہوں۔" (حاشیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۵)

گویا جب تک ان لوگوں نے خود وجہ کفر پیدا نہ کی تھی تو وہ کافر نہ تھے۔ اور جب وجہ کفر پیدا کر لی تو کافر بن گئے۔ کوئی نبی کافر بنانے کے لئے نہیں آتا۔ ہاں لوگ پہلے ہی ایمان سے خالی ہوتے ہیں نبی بحیثیت مشعلِ ہدایت ان کے عیوب کو ان پر ظاہر کر دیتا ہے اور یہ اظہار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی لئے تو حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا:۔

"میری کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرنیوالا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

پس معترض پٹیالوی کا اعتراض غلط ہے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ وھو المطلوب۔

مصنف نے اس جگہ یہ بھی اعتراض اُٹھایا ہے کہ قرآن مجید، توحید، رسالت پر ایمان کے باوجود مسلمان کہلانے والے محض مرزا صاحب کو نہ ماننے سے کافر کیسے بن سکتے ہیں لیکن چونکہ اس بحث کا براہِ راست اس فصل سے تعلق نہیں اسلئے اس کا جواب فصل یازدہم میں دیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا اختلاف **ختمِ نبوت**۔ اس نمبر میں معترض نے لکھا ہے کہ پہلے آپ ختمِ نبوت کے ماتحت نبیوں کی بندش کے قائل تھے بعد میں نبوت کے اجراء کا اعلان کر دیا۔ گویا معترض نے اس فصل کے پہلے نمبر کو ہی دُہرا دیا ہے۔

الجواب۔ واضح رہے کہ ختمِ نبوت سے جس نبوت کی بندش کا استدلال کیا گیا ہے وہ شریعت والی، مستقل اور براہِ راست نبوت ہے۔ اور پھر جس نبوت کا اپنے لئے ادعا فرمایا ہے وہ غیر تشریعی اور آنحضرتؐ کے واسطے سے متعلق ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لیئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔" (ایک غلطی کا ازالہ صٓ طبع سوم)

پھر ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے، مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔ پس اسی بناء پر میں اُمّتی بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔" (تجلیاتِ الٰہیہ ص۲۵)

چوتھا اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی قبر۔ اس عنوان کے نیچے معترض بٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "ست بچن" اور "ازالہ اوہام" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک مسیحؑ کی قبر یروشلم میں تھی (ست بچن ص۱۶۴) مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہو گیا (ازالہ ص۴۷۳) بلادِ شام میں حضرت عیسیٰ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے (ست بچن ص۱۶۴) اب تک کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہے۔ (ست بچن حاشیہ ص۱۶۴)

ان حوالجات کو درج کرنے کے بعد منشی محمد یعقوب صاحب لکھتے ہیں :۔

"اب ناظرین ہر چہار اقوال پر غور کرکے خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ مرزا صاحب کی کونسی بات کو سچ مانا جائے۔ پہلے مسیح کی قبر یروشلم میں بتلاتے ہیں۔ پھر ان کے اپنے وطن گلیل میں، پھر بلادِ شام میں اور پھر ان تینوں مقامات کو چھوڑ کر سری نگر کشمیر میں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام چار جگہ

مرے ؟ اور چار مقامات پر مدفون ہوئے ؟ یہ مختلف باتیں الہامی دماغ سے منسوب ہو سکتی ہیں یا ان کو خلل دماغ کہا جاتا ہے ؟" (عشرہ ص۵۵)

الجواب الاوّل ۔ معترض نے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے "بلادِ شام" "وطن گلیل" اور "یروشلم" کو باہم متضاد اور مخالف قرار دیا ہے ۔ حالانکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ۔ یروشلم شہر کا نام ہے ۔ گلیل اس شہر کے علاقہ یا صوبہ کا نام ہے اور شام اس تمام ملک کا نام ہے تینوں لفظ ایک وقت میں درست ہیں ۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے میں کہوں کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں ۔ پھر کہوں پنجاب میرا وطن ہے ۔ پھر کہوں کہ قادیان میرا مسکن ہے ۔ کیا منشی محمد یعقوب صاحب ان تینوں الفاظ ہندوستان، پنجاب، اور قادیان کو آپس میں مخالف قرار دیں گے ؟ اگر ان کو مخالف قرار دینا درست نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا شام، گلیل اور یروشلم کو باہم مخالف قرار دینا کھُلی جہالت نہیں ؟ سہ

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

غالب گمان ہے کہ منشی صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں سب لوگ کنوئیں کے مینڈک ہی ہوتے ہیں ۔ کون غور کرے گا ۔ مگر اس خیال کے قائم کرنے میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے ۔ ابھی دنیا عقلمندوں سے خالی نہیں ہو گئی ۔ بہرحال منشی صاحب نے جو "چار مقامات" کا سوال کیا تھا وہ بالکل غلط ہے ۔ ان کے پیش کردہ بیان کے مطابق بھی صرف یروشلم اور سری نگر کا اختلاف قابلِ جواب رہ جاتا ہے ۔ گلیل اور بلادِ شام کا ذکر کر کے انہوں نے اپنی ہی پردہ دری کرائی ہے ۔

الجواب الثانی ۔ اب یروشلم اور سری نگر (کشمیر) کا اختلاف باقی ہے جسے مخالفین دھوکہ کے لئے پیش کر سکتے ہیں ۔ مگر یاد رہے کہ یروشلم والی قبر کا ذکر ازالہ اوہام اور ست بچن میں جہاں بھی ہے عیسائی عقیدہ اور اناجیل کی رُو سے ہے معترض نے یروشلم والی قبر کے متعلق مندرجہ بالا کتابوں کے جن صفحات کا ذکر کیا ہے وہاں ہی ساتھ یہ فقرات ہیں :-

(الف) "ہاں بلادِ شام میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی پرستش اور مقررہ تاریخوں پر مزارہا عیسائی سال بسال اس قبر پر جمع ہوتے ہیں۔ سو اس حدیث (یعنی لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتّخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ رواہ البخاری۔ ابوالعطاء) سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسیٰؑ ہی کی قبر ہے۔ جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے۔"

(ست بچن حاشیہ صفحہ ۱۶۲)

(ب) "اور ملک شام کی قبر زندہ درگور کا نمونہ تھا جس سے وہ نکل آئے۔" (ست بچن حاشیہ صفحہ ۱۶۵)

(ج) حضورؑ نے ازالہ اوہام میں عیسائی اخبار نور افشاں مطبوعہ ۲۳ر اپریل کا اعتراض" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے جس کے ایک حصہ کو "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" کہنے والے کی طرح معترض پٹیالوی نے پیش کیا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ حضورؑ نے نور افشاں کی دلیل یعنی کتاب اعمال کی چند آیات نقل کرکے صاف لکھا ہے کہ:۔

"اب پادری صاحب صرف اس عبارت پر خوش ہو کر بیٹھے ہیں کہ درحقیقت اسی جسم خاکی کے ساتھ مسیحؑ اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اٹھایا گیا لیکن انہیں معلوم ہے کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیحؑ کو دیکھا اور نہ اس کے شاگردوں سے کچھ سنا۔ پھر ایسے شخص کا بیان کیونکر قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ جو شہادت رویت نہیں اور نہ کسی دیکھنے والے کے نام کا اس میں توالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سراسر غلط فہمی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیحؑ اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیحؑ چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیحؑ بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیحؑ کی جان بچائی تھی۔ بلکہ تیسری آیت باب اوّل اعمال کی مسیحؑ کی طبعی موت کی گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔

اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔
...... یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرّف قبول کر لیں اس قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۹ طبع سوم)

ناظرین کرام! ہر سہ عبارات آپ کے سامنے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ پکار رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس قبر کو یروشلم سے منسوب کیا ہے وہ از رُوئے اناجیل وعقائد نصاریٰ ہے۔ اور وہ وہ قبر ہے جس میں حضرت مسیح کو صلیب پر سے زندہ مگر حالتِ غشی میں اُتارنے کے وقت رکھا گیا تھا اور جس کی آج تک نصاریٰ پرستش کر رہے ہیں۔ پس اوّل تو یروشلم والی قبر عیسائیوں کی مجوّزہ قبر ہے اور حضرتؑ نے اسے انجیل کے حوالہ سے مسیح کی قبر قرار دیا ہے اس لیے سری نگر والی حقیقی قبر کا ذکر اس کے متناقض نہیں۔ دوم حضرت نے یروشلم والی قبر کو ایک عارضی اور غیر مستقل بتایا ہے جہاں حضرت مسیحؑ کو مماثلتِ یونسؑ کی خاطر زندہ جانا پڑا اور وہاں سے آپ زندہ ہی نکل آئے۔ چنانچہ آپؑ غارِ ثور کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"گویا یہ تین نبی یعنی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح اور یونس علیہما السلام قبر میں زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی اس میں رہے اور زندہ ہی نکلے۔"

(ست بچن صفحہ ۱۶۲ حاشیہ)

لیکن سری نگر والی قبر حقیقی موت کے بعد کی مستقل قبر ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

الجوابُ الثالث۔ اس ظاہری اختلاف کا جو جواب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

(۱) "ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی بلادِ شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لیے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے۔"

(ست بچن صفحہ ۱۶۴ حاشیہ)

(۲) "خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے مخالفوں کو ذلیل کرنے کے لیئے اور اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کے لیئے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جو سری نگر میں محلہ خانیار میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک و شبہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر ہے۔" (راز حقیقت ص۲۰)

ناظرین! اس واضح اور قول فیصل کے ہوتے ہوئے اور ست بچن میں ہی ہوتے ہوئے معترض پٹیالوی کا اس اختلاف کو ست بچن کے حوالہ سے پیش کرنا دیانت اور انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ بلادِ شام کی قبر کا خیال صحیح تحقیق پر مبنی نہیں ہے وہ اناجیل سے ماخوذ تھا صحیح تحقیق "جس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی بھی موجود ہے یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی واقعی قبر سری نگر میں ہے۔ اس حقیقتِ واضحہ کو تضاد، اختلاف، اور تناقض بتانا بغض و عناد کا بدترین مظاہرہ ہے۔ ع

اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

اس جگہ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی بارہ میں دو قول ہوں تو ان میں سے بعد کے قول کو ترجیح دیکر اسے ناسخ اور پہلے کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ حالتِ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا اور افطار کرنا ثابت ہے۔ اس پر امام زہری فرماتے ہیں:۔

"قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكَانَ الْفِطْرُ اٰخِرَ الْاَمْرَيْنِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ" (مسلم جلد اول کتاب الصوم ص۲۱۵)

کہ چونکہ روزہ نہ رکھنا بعد کا عمل ہے اسلیئے وہی ارجح ہے اور آنحضرتؐ کی سب سے پچھلی بات یا عمل کی ہی اقتداء کی جائے گی"۔ اسی بناء پر عام صحابہؓ کا مذہب یہی تھا کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْسَخُ حَدِيْثُهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا (مسلم جلد اول کتاب الطہارۃ باب انما الماء من الماء) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث دوسری حدیث کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

اسی طریق پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دونوں بیانات کو دیکھا جا سکتا ہے آپ نے اوائل میں انجیلی خیالات کے مطابق مسیحؑ کی قبر یروشلم میں قرار دی لیکن بعد کی تحقیقات نے

اس انجیلی بیان کی تردید کر دی اسلیئے آپ نے بھی اسے غلط قرار دے دیا اس میں اختلاف یا تناقض کیسے ثابت ہوا؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ اگر تم کھجوروں کو پیوند نہ لگاؤ تو شاید زیادہ پھل لگے۔ دوسرے سال پھل کم لگا۔ صحابہؓ نے پیوند نہ لگانے کا ارشاد یاد دلایا اور عرض کی کہ اس سال پھل بہت ہی کم لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا خیال تھا۔ دُنیاوی امور میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاُمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ (مسلم جلد ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ مصر) پس صحیح تحقیق کا علم ہو جانے پر اور پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی بات کو نادرست قرار دینا اختلاف نہیں کہلاتا بلکہ تصحیح کہلاتی ہے جو بالکل ضروری اور سنت انبیاء کے عین مطابق ہے۔

ایک لطیف مماثلت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا۔ فرمایا اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا (المزمل ع) اور آئندہ کے لیے بشارت دی۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۔ الآیۃ (النور ع) کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ ویسے ہی خلیفے قائم کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی اُمت میں کیئے پس مثیلِ موسیٰ کو ایک مثیلِ مسیح کا دیا جانا ضروری تھا۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں مسیح موعود کے آنے کی خوشخبری دی۔ خدا کا جری آیا اور عین وقت پر آیا۔ افسوس اُن پر جنہوں نے اس کی مخالفت کی۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا عین اسی عرصہ بعد مبعوث ہونا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کے درمیان تھا خود ایک زبردست دلیلِ صداقت ہے مگر اس جگہ جس مشابہت کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ نہایت لطیف اور اہلِ ذوق کے لئے نکتۂ جلیلہ ہے۔

سیدنا حضرت موسیٰؑ کی وفات کے ذکر میں توراۃ کہتی ہے کہ:-

"خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل گاڑا۔ پر آج

کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔" (استثناء ۳۴)

گویا یہودیوں کے نزدیک موسیٰؑ کی قبر سب دنیا سے مخفی تھی اور ان میں سے کوئی اس کو نہ جانتا تھا۔ لیکن النبی الامی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰى جَانِبِ الطَّرِيْقِ تَحْتَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ (مسلم باب فضائل موسیٰ) کہ موسیٰؑ کی قبر بیت المقدس کے قرب وجوار میں ہے۔ اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ پہاڑی کے نیچے اور راستے کی جانب تم کو وہ قبر دکھاتا۔" گویا آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کی قبر، گمنام قبر کا نشان بتایا۔ حضرت مسیح ناصریؑ کو عیسائی اور زمانۂ حال کے بعض مسلمان آسمان پر بتاتے تھے اور اس کی قبر کے کلیۃً منکر تھے۔ حضرت مثیلِ مسیحؑ تشریف لائے اور آپؑ نے محلہ خانیار شہر سری نگر علاقہ کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی قبر کی نشان دہی فرمائی جس کے متعلق تاریخی شہادات، طبی گواہیاں، آیاتِ قرآنیہ کے اشارات اور طبعی حالات نے قطعی طور پر فیصلہ کر دیا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا۔ تاکہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی قبر کو بے نشان کہنے والوں کو مثیلِ موسیٰؐ نے موسیٰؑ کی قبر کا پتہ دیا اسی طرح حضرت مسیحؑ کی قبر کو معدوم کہنے والوں کو مثیلِ مسیحؑ ان کی قبر کا نشان بتاتا۔ صدق اللہ ورسولہٗ فآمنا باللہ ورسولہٗ ونحن من الشاھدین۔

اسی لطیف مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ :۔

(۱) "اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخوبی ہو گئی کیونکہ آنجنابؐ نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے گئے تھے لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں نظری اور باریک تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیسا حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور امور بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت

بھی امورِ مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیئے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنی تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہو گئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔"

(رسالہ مسیح ہندوستان میں صفحہ ۵۳)

(۲) "یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ، اور وہ حقیقت نما برہان، کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے، اس کی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسرِ صلیب اس کے ہاتھ پر ہو گی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل کھل جائے گی۔ تب انجام ہو گا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائے گی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے، بلکہ محض آسمانی اسباب سے، جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا، ہر ایک کی آنکھ کھلے گی اور غور کرنے والے غور کریں گے کیونکہ خدا کا مسیح آ گیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی، اور دلوں میں توجہ، اور قلموں میں زور، اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے گی۔ کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے اور کیا ہی سعادتمند وہ شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے۔" (مسیح ہندوستان میں صفحہ ۱۲)

بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ایک راز تھا، ایک سِر اور بھید تھا، ایک مخفی حقیقت تھی جسے الٰہی نوشتوں کے مطابق خدا کے جری نے ظاہر کیا اور فرمایا ؎

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنّت ہوا وہ محترم

اسے خدا کے برگزیدہ مسیح موعود! تجھ پر بے شمار سلام۔ آہ! تاریکی کے فرزندوں نے اس آفتابِ صداقت سے دشمنی کی مگر تابکے؟ ؎

اِک ہیں جو پاک بندے اِک ہیں دلوں کے گندے
جیتیں گے صادق آخر حق کا مزا یہی ہے

پانچواں اختلاف

باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ کا چولہ۔ اس نمبر میں دشمنِ صداقت معترض پٹیالوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف یہ "اختلاف بیانی" منسوب کرتا ہے کہ آپ نے کبھی چولہ حضرت بابا نانک رح کو خدا کی طرف سے، کبھی ان کا اپنا لکھا ہوا، اور کبھی ان کے مسلمان مرشد کا عطیہ قرار دیا ہے لہٰذا یہ بات قابلِ اعتراض ہے۔ معترض کے اپنے الفاظ میں اعتراض پڑھ لیجیے۔ لکھا ہے:-

"ناظرین ان متضاد عبارات پر غور کریں کہ ایک ہی چولہ ہے جو غیب سے خدا نے دیا۔ مگر ممکن ہے کہ صرف اس کی شکل غیب سے دکھائی گئی ہو اور اسی نمونہ کا کرتہ باوا نانک صاحب نے بنوا لیا ہو لیکن ایسا خیال کرنا بے ایمانی ہے۔ کیونکہ خدا کی باتیں عقل میں نہیں آسکتیں۔ لہٰذا یہ ضرور خدا نے خود لکھ کر عطا فرمایا۔ مگر یہ بھی بہت صحیح ہے کہ یہ چولا باوا صاحب کے مسلمان مرشد نے ان کو دیا۔ ہاں باوا صاحب نے یہ چولا خود ہی لکھا تھا اور چونکہ وہ بہادر تھے اسلیئے چولہ پر سچی سچی باتیں لکھ گئے۔ کیوں حضرات ناظرین! کیا یہ متضاد تحریریں بدہضمی کا ایک خواب نہیں جسے اضغاث احلام کہتے ہیں سچ ہے۔ دروغگورا حافظہ نباشد" (عشرہ ص۵۹)

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بہت بڑا انکشاف اور تائید اسلام

کے لئے ایک کاری حربہ ظاہر کرتے ہوئے حضرت باوا نانکؒ کا اسلام ثابت کیا۔ ان کے اقوال، احوال اور چلہ جات کے علاوہ آپ کی آخری یادگار چولہ صاحب کو بھی اس کے ثبوت میں پیش فرمایا۔ چولہ صاحب سکھوں کے ہاں نہایت متبرک چیز سمجھی جاتی ہے اس پر جا بجا آیاتِ قرآنی مرقوم ہیں اور یہ حضرت بابا نانکؒ کے اسلام کی واضح دلیل ہے حضور علیہ السلام نے اپنی کتاب "ست بچن" میں اس موضوع پر نہایت لطیف گفتگو فرمائی ہے اور چولہ صاحب (حضرت بابا نانکؒ کے کرتہ) کا نقشہ بھی شائع فرمایا ہے۔

اس چولہ کے متعلق جو چار سو سال قبل کی ایک مقدس نشانی ہے سکھوں کے ہاں بہت عجیب داستان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سکھوں کی تاریخی شہادت کو ترجیح دیکر اس چولہ کو منجانب اللہ اور اس کی قدرت کا ایک نشان قرار دیا ہے مگر ظاہر بین اور معترض لوگوں کو سمجھانے کے لیے بعض دوسرے امکانی پہلو بھی ذکر فرماتے ہیں جس کو ہمارے مخاطب اختلافِ بیانی، تضاد اور تناقض سے تعبیر کرتے ہیں افسوس! مخالفت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور وہ ایک واضح بات کو بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"سکھوں میں یہ امر ایک متفق علیہ واقعہ کی طرح مانا گیا ہے کہ یہ چولہ صاحب جس پر قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ آسمان سے باوا صاحب کے لئے اُترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے سیا گیا۔ اور قدرت کے ہاتھ سے باوا صاحب کو پہنایا گیا۔" (ست بچن صفحہ ۳۲ طبع سوم)

ناظرین! یہ ایک تاریخی دعویٰ ہے قرآن مجید کی نصّ قطعی نہیں سکھوں کی جماعت کا اعتقاد ہے۔ اگر اس کی توجیہات کے لیے حضرت مسیح موعودؑ نے بعض امکانی پہلو ذکر فرمائے تو اس میں کیا غضب ہو گیا۔ ان مخالف مولویوں کے حق میں مسیح موسویؑ نے سچ فرمایا ہے کہ تم مچھر کو چھانتے اور ہاتھی کو نگل جاتے ہو۔ یہ لوگ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں بے شمار اختلاف کریں ایک ایک آیت کے متعدد معانی اور مختلف پہلو ذکر کریں تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بقول مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری:۔

"سلف بعض آیاتِ قرآنی کے متعلق ایسے مختلف ہیں کہ بعض کسی آیت کو کسی سورت کا ٹکڑا سمجھتے ہیں اور بعض کسی کا۔" (اخبار اہلحدیث ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۱)

تفاسیر میں بے شمار اختلاف ہوں ہر واقعہ کے متعلق متعدد بار "یمکن" اور "یحتمل" موجود ہو۔ لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام چولا صاحب کے متعلق سکھ قوم کے دعوے کی بعض توجیہات ذکر کر دیں تو بس آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ العجب ثم العجب!

معترض نے چولا صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن توجیہات کی طرف اپنے محولہ بالا الفاظ میں اشارہ کیا ہے وہ حضور کے ہی الفاظ میں یوں مذکور ہیں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "بعض لوگ انگد کی جنم ساکھی کے اس بیان پر تعجب کریں گے کہ یہ چولا آسمان سے نازل ہوا ہے اور خدا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر نظر کر کے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کی قدرتوں کی کسی نے حد بست نہیں کی۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اس سے آگے نہیں۔ ایسے کمزور اور تاریک ایمان تو ان لوگوں کے ہیں جو آجکل نیچری یا برہمو کے نام سے موسوم ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئی ہوں اور اذنِ ربی سے لکھی گئی ہوں۔ لہذا بموجب آیت مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وہ سب فعل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر ایک ربانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔" (ست بچن صفحہ ۴۳)

(ب) "باوا صاحب کا یہ چولا صاحب آپ کو صرف مسلمان ہی نہیں بناتا بلکہ کامل مسلمان بناتا ہے۔ بعض سکھوں کا یہ جواب ہے کہ یہ چولا باوا صاحب نے ایک قاضی سے زبردستی چھینا تھا۔ یہ بہت بیہودہ جواب ہے۔ سکھوں کو اب تک خبر نہیں کہ قاضیوں کا کام نہیں کہ چولے اپنے پاس رکھیں۔ اسلام

میں چولے رکھنا اس زمانہ میں فقیروں کی ایک رسم تھی پس یہ بات بہت صحیح ہے کہ باوا صاحب کے مرشد نے جو مسلمان تھا یہ چولا ان کو دیا تھا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ جنم ساکھیوں میں بھی لکھا ہے کہ چونکہ باوا صاحب نیک بخت آدمی تھے اور بڑی مردانگی سے ہندوؤں سے قطع تعلق کر بیٹھے تھے، مردِ میدان بھی بڑے تھے اور ایک شخص حیات خان نامی افغان کی لڑکی سے نکاح بھی کیا تھا اور ملتان اور چند دوسرے اولیاء اسلام کے مقبروں پر چلہ کشی بھی کی تھی اسلئے خدا سے الہام پاکر یہ چولا انہوں نے بنایا تھا۔ یہ ان کی کرامت ہے گویا یہ چولا آسمان سے اترا۔" (نزول المسیح صفحہ ۲۰۴-۲۰۵)

حضرات ناظرین! ان عبارتوں پر مکرر غور فرمائیں اور معترض بٹیالوی کی عقل و فہم پر ماتم کریں کس قدر کھلی بات ہے کہ انگد کی جنم ساکھی کا ایک بیان ہے جو خود محض ایک تاریخ ہے۔ اسلئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرتوں کے پیش نظر ایسا ہونا محال نہیں لیکن تاہم "چولا صاحب کے آسمان سے اترنے" کی اور بھی صورتیں ممکن ہیں کیونکہ فانی فی اللہ انسان کا کام یا خدا کے الہام کے مطابق کیا گیا کام خدا ہی کا کام اور کلام کہلاتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضرت بابا نانکؒ نے الہام پاکر خود چولہ ارشادِ الٰہی کے مطابق بنایا ہو یا ان کے مرشد نے آسمانی رہنمائی سے ایسا کیا ہو۔ جو بھی صورت ہوگی بہرحال اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہی وقوع پذیر ہوگی۔ اسلئے اس کو حسب منطوق آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ اور وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ آسمان سے اترا ہوا کہنا جائز ہے۔

گویا تینؔ صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں (۱) یہ چولہ بعینہٖ آسمان سے اترا ہو (۲) باباصاحبؒ نے حسبِ الہام خود تیار کیا ہو (۳) باباصاحبؒ کے مسلمان مرشد نے بارشادِ خداوندی آپ کو دیا ہو۔ ان ہر سہ صورتوں کو "ممکن" قرار دینے سے اعتراض بے جا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ عقلی طور پر آسمان سے اترنے کی یہی توجیہہ ہوا کرتی ہے اور یہی آسمانی کتب کا محاورہ ہے

پس حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو دشمن نے قابلِ اعتراض بتایا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزگیٔ قلب اور راستبازی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ آپؑ نے محض اسلیئے کہ سکھوں کی تاریخ کا یہ بیان ہے اس کو ٹھکرا نہیں دیا بلکہ اوّل ایک کامل موحّد کی حیثیت میں یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے رُو سے ممکن بتائی اور پھر ایک عارف باللہ کی حیثیت میں اسکی توجیہہ فرمائی تاکہ مخالف بھی اس دعویٰ کی تغلیط نہ کر سکیں۔ گویا نیچریوں کے اعتراض کو بھی دُور کر دیا اور حقیقتِ حال بھی ذکر کر دی۔ ایسے مجمل کلام (یعنی انگد کا بیان) میں تاویل کا دروازہ کھلا ہوتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ دعویٰ الہامی نہیں جو قطعی ہو۔ دوم اس کی تاویل کی ضرورت بھی ہے۔ آہ! وہی بات جو ایک متقی اور مومن کے دل کو اپیل کرتی ہے اسی کو دیکھ کر معاند معترض بن جاتے ہیں ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

چھٹا اختلاف نزولِ حضرت مسیح علیہ السلام

اس عنوان کے نیچے معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پانچ تحریرات درج کی ہیں اور بزعمِ خویش اس کو اختلافات کے چھٹے نمبر پہ رکھا ہے۔ حالانکہ ان سے منشی صاحب کا مطلب ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھئے۔

(الف) پہلی عبارت آپ نے براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۹ سے مثیل کی اور مسیح کی دوبارہ آمد والا حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس حوالہ کے متعلق ہم قبل ازیں بحث کر چکے ہیں اس جگہ صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی ہے جو حضورؑ نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

"مَیں نے براہین میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آجکل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے مَیں نے براہین میں لکھدیا تھا کہ مَیں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور

جسمانی دونوں طور پر خلاف ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے، اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے، اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ الخ"

(ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۱۹۷-۱۹۸)

اس حوالہ کی موجودگی میں براہین کا حوالہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

(ب) حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری عبارت معترض نے بایں الفاظ درج کی ہے:۔

"مسیح کی وفات، اس کے عدم نزول اور اپنے مسیح ہونے کے الہام کو میں نے دس سال تک ملتوی رکھا بلکہ اس کو ردّ کر دیا اور حکم واضح اور صریح کا منتظر رہا

حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۳" (عشرہ صفحہ ۶)

الجواب۔ نفس اعتراض کے متعلق تو پہلے بحث ہو چکی ہے۔ ہاں اس جگہ ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ معترض نے نہایت خیانت سے کام لیکر فقرہ "بلکہ اس کو ردّ کر دیا" اپنی طرف سے ایزاد کر کے حضرتؑ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حمامۃ البشریٰ میں حسب ذیل عبارت ہے:۔

"ثمّ ما استعجلت فی امری ھٰذا بل اخّرتہ الی عشر سنۃ بل زدت علیھا وکنت لحکم واضح وامر صریح من المنتظرین"۔ صفحہ ۱۳

ترجمہ۔ پھر میں نے اپنے اس معاملہ میں جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ اس کو دس سال بلکہ زیادہ عرصہ تک تاخیر میں رکھا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی واضح حکم اور صریح فرمان کا منتظر تھا"

گویا آپؑ نے اس دعویٰ مسیحیت وغیرہ میں جلدی سے کام نہیں لیا بلکہ حسب سنت انبیاء اللہ تعالیٰ کی صاف اور واضح وحی کے بعد یہ دعویٰ فرمایا لیکن اس عبارت میں کسی جگہ مذکور نہیں کہ آپؑ نے اس الہام کو "ردّ کر دیا"۔ یہ سراسر کذب بیانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فرمایا تھا اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ

إِهَانَتَكَ کہ میں اس کو رسوا کروں گا جو تجھے ذلیل کرنا چاہے۔ معترض پٹیالوی نے حضرتؑ کے کلام میں بزعم خود "اختلاف بیانی" ثابت کرنی چاہی لیکن کذب بیانی کے باعث خود ذلیل ہوگیا۔ اب معترض مذکور اور اس کے تمام ہمنواؤں کا فرض ہے کہ "حمامۃ البشریٰ" سے یہ فقرہ دکھائیں ورنہ ہماری طرف سے صرف لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کا وعید سُن رکھیں۔

(ج ۔ د ۔ ھ) یہ تینوں حوالجات "ازالہ اوہام" سے ماخوذ ہیں جہاں حضرتؑ نے لکھا ہے کہ:۔

(۱) "میرا یہ دعویٰ نہیں کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہ ہوگا ممکن ہے کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں بھی کوئی مثیل پیدا ہو جاوے۔" (ص۱۹۱[1])

(۲) "میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔" (ص۱۵۱)

(۳) "بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت و بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ الخ" (ص۱۵۱)

اِن عبارتوں کے بعد معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"جب یہ بات ہے تو پھر اپنے نہ ماننے والوں پر جگہ جگہ بے فائدہ زہر کیوں اُگلا ہے۔" (عشرہ ص۹)

الجواب ۔ اِن حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک آپؑ کے بعد بھی مثیل مسیح آسکتے ہیں وبس۔ اِس عام قانون سے کس کو انکار ہو سکتا ہے خود حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرما چکے ہیں ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

خود ازالہ اوہام میں اس قسم کے مثیل ہونے کو ایک عام قانون بتاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ

---

[1] ازالہ اوہام ص۱۹۱ پر یہ حوالہ نہیں ہے ہاں ص۱۹۹ پر مذکور ہے۔ (ابو العطاء)

نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذرّیت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔" (ص۱۵۵ طبع اوّل)

پس متذکرۃ الصدر حوالجات میں خدا تعالیٰ کے ایک عام قانونِ قدرت کی تشریح کی گئی ہے وبس۔ باقی رہا یہ سوال کہ "جب یہ بات ہے تو پھر اپنے نہ ماننے والوں پر جگہ جگہ بے فائدہ زہر کیوں اُگلا گیا ہے۔" سو اس کا اس جگہ کوئی تعلق نہیں مثیل مسیح ہزاروں ہوا کریں مگر اس سے موعود مسیح کا نہ ماننا تریاق نہیں بن سکتا۔ خدا کے مسیح موعود کو قبول نہ کرنا بہرحال ایک زہر ہے اگر حضرت مرزا صاحب نے متعدد مقامات پر اس زہر کی حقیقت واشگاف فرمائی تو اس میں ہرج کیا ہے؟ معترض نے جو حوالجات ذکر کئے ہیں ان میں سے اوّل الذکر حوالہ کے ساتھ ہی ایک فقرہ درج ہے جو خود بخود اس اعتراض کو حل کر دیتا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں اس زمانہ کے لئے میں مثیلِ مسیح ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سُود ہے۔" (ازالہ اوہام طبع اوّل ص۱۹۹)

اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے ؎

اینک منم کہ حسبِ بشارات آمدم ⁂ عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم ص۱۵۸

موعودم و بحُلیۂ ماثور آمدم ⁂ حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

رنگم چو گندم است و بمو فرق بیّن است ⁂ زانساں کہ آمد است در اخبارِ سرورم ص۱۵۷

غرض معترض کے پیش کردہ ہر سہ حوالجات میں سے کوئی بھی مخالفین کے لئے مفید نہیں اور ان کو بطور "اختلافِ بیانی" پیش کرنا تو سراسر نادانی ہے۔

ایک دوسری شق کا جواب

ممکن ہے کہ معترض کا منشاء ان حوالوں کے پیش کرنے سے یہ ہو کہ گویا نعوذ باللہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت مسیح ناصریؑ کے دوبارہ نزول کو بھی ممکن قرار دے رہے ہیں تو یہ سخت مغالطہ دہی ہوگی کیونکہ جس جگہ سے یہ حوالجات منقول ہیں اسی کے ساتھ بطور وضاحت حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"ہاں ان کی یہ خاص مراد کشفاً و الہاماً وعقلاً و فرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی

کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح بن مریم کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں گے۔ سو انہیں اس بات پر ضد کرنا کہ ہم تب ہی ایمان لائیں گے کہ جب مسیحؑ کو اپنی آنکھوں سے آسمان سے اُترتا ہوا مشاہدہ کریں گے یہ ایک خطرناک ضد ہے۔" (ازالہ اوہام پہلا ایڈیشن ص۲۰)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرتؑ کے بعد بھی مثیل مسیح بلکہ دیگر انبیاء کے مثیل بھی آتے رہیں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام "موعود مسیح" ہیں اور آپ کا ماننا ازبس ضروری ہے۔ ان عبارتوں میں نہ کوئی تضاد ہے نہ تعارض سے

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ساتواں اختلاف

ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی تفسیر۔ اس جگہ معترض پٹیالوی نے ڈاکٹر پٹیالوی کی تفسیر کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ اس کی نسبت پہلے مرزا صاحبؑ نے فرمایا "نہایت عمدہ ہے، شیریں بیان ہے، نکاتِ قرآنی خوب بیان کئے ہیں، دل سے نکلی اور دلوں پر اثر کرنے والی ہے۔"

بعد میں اخبار بدر ۷ رجون ۱۹۰۶ء میں لکھا:۔

"ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ذرہ روحانیت نہیں اور نہ ظاہری علم کا کچھ حصہ ہے۔"

اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے اس کی تفسیر کو کبھی نہیں پڑھا۔"

ان تینوں اقتباسات کے بعد معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"اگر کبھی نہیں پڑھا تو پہلی اور پچھلی رائے کس طرح قائم کر دی غرض تینوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔" (عشرہ ص۹۱)

الجواب۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اس تفسیر کو پڑھا نہیں تو اس کے متعلق کوئی رائے کس طرح قائم کر سکتے ہیں۔ دوم

ان دو آراء میں اختلاف کیوں ہے ؟

حصہ اوّل کا جواب یہ ہے کہ بے شک آپ نے اس تفسیر کو نہیں پڑھا اور طبع ہونے کے بعد ملاحظہ نہیں فرمایا۔ لیکن تاہم اس کے متعلق رائے قائم کرنے کا آپ کو حق تھا۔ کیونکہ خود ڈاکٹر عبدالحکیم بعد ارتداد لکھتا ہے :۔

"خود مولوی نورالدین صاحب بھی جو جماعت احمدی میں اسلام کا ایک عملی نمونہ ہیں ان ایام میں جبکہ مَیں تفسیر القرآن بغرض اصلاح حضرت مرزا صاحب اور آنجناب کو سُنایا کرتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کو تو بس وفاتِ مسیح کی بحث سُنا دیا کرو۔" (الذکر الحکیم ۲ صـ۲)

معلوم ہُوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی تفسیر کو سُنا تھا یا کم از کم اس کے بعض مقامات ضرور سُنے تھے۔

پھر ڈاکٹر مذکور حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے خط مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء میں لکھتا ہے :۔

"جن ایّام میں مرزا صاحب کو مَیں تفسیر القرآن سُنایا کرتا تھا آپ کو بھی یاد ہوگا کہ تمام تفسیر میں مرزا صاحب نے کسی ایک مقام پر بھی نہ تو کوئی اصلاح کی نہ کوئی خاص نکتہ معرفت بتایا۔ آپ نے بے شک بعض غلطیاں بھی درست کیں اور بعض نئے نکات بھی بتائے۔" (الذکر الحکیم ۲ صـ۵۳)

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی تفسیر کو سُنا تھا اسلئے آپ اس کے متعلق رائے ظاہر کرنے کا حق رکھتے تھے۔ غرض یہ بھی درست ہے کہ آپ نے اس تفسیر کو نہیں پڑھا کیونکہ طباعت کے بعد آپ نے اس کو نہ دیکھا اور نہ پڑھا۔ ہاں خود ڈاکٹر مذکور نے قبل طباعت بغرضِ اصلاح اس کے بعض مقامات حضور کے گوش گذار کئے۔ اور ظاہر ہے کہ تفسیر کو سُن کر بھی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ فلا اعتراض۔

اعتراض کا دوسرا حصہ

اب رہا یہ سوال کہ تفسیر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دو مختلف رائیں کیوں ظاہر کیں ؟ اِس

کے کئی جواب ہیں :۔

اوّل۔ تفسیر کے متعلق حضرت ؑ کی جو رائے "نہایت عمدہ ہے، شیریں بیان ہے" کے الفاظ میں مذکور ہے اس کے لئے معترض پٹیالوی نے کوئی حوالہ نہیں دیا تاکہ پردہ دری نہ ہو جائے اصل بات یہ ہے کہ یہ رائے خود ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے مرتد ہونے کے بعد اپنے رسالہ الذکر الحکیم ۵ صـ۵۲ میں اپنی ہی روایت سے درج کی ہے جو ہرگز شائستہ التفات نہیں۔ وہ اسی رسالہ میں متعدد کذب بیانیاں کرچکا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے اِذَا جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ الآیۃ۔ کہ فاسق کی خبر پر اعتماد مت کرو۔ پس جواب اوّل تو یہی ہے کہ رائے اوّل کے متعلق کوئی سند، کوئی حوالہ، کوئی ثقہ روایت پیش کرو۔ جب تم ایسا نہیں کرسکتے تو یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ثابت ہوا اور اختلاف کا کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔

دوم۔ بطریق تنزل اگر ہم تسلیم کرلیں کہ حضور ؑ نے فی الواقع یہی الفاظ فرمائے تھے تب بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ ایک مبتدی کی حوصلہ افزائی کے لئے ایسا کہہ دیا جاتا ہے۔ دیکھیے انصار کے دو لڑکے ابوجہل کے قتل کے بارہ میں تنازع کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :۔

"کلاکما قتلہ"

تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ علامہ کرمانی اس پر فرماتے ہیں :۔

"انما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلاکما قتلہ تطییباً لقلب الآخر من حیث ان لہ مشارکۃً فی قتلہ"

(کرمانی برحاشیہ بخاری مجتبائی صـ۴۴۴)

کہ آنحضرت ؐ نے دوسرے لڑکے کے دل کو خوش کرنے کے لئے فرما دیا کہ تم دونوں نے اسکو قتل کیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اگرچہ وہ قاتل نہ تھا مگر اس کو بھی کچھ شرکت حاصل تھی"!

اب صاف بات ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم حضرت ؑ کو تفسیر کے بعض حصص سناتا ہے جیسا کہ نیک لوگوں کا قاعدہ ہے ان کی نگاہ صرف خوبیوں پر ہوتی ہے اور یوں حوصلہ افزائی بھی

ضروری ہوتی ہے۔ اگر حضرتؑ اس کے متعلق تعریفی الفاظ فرمادیں تو اس میں کونسا اعتراض ہے

سوم۔ ڈاکٹر عبدالحکیم کے رسالہ الذکر الحکیم ملا۲ کی متذکرہ صدر عبارت سے واضح ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "وفاتِ مسیح کی بحث" وغیرہ مقامات سُنایا کرتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان مقامات کو سُن کر اس کی تعریف فرمائی لیکن جو حصے قابلِ اعتراض تھے ان پر علم پانے کے بعد آپؑ نے اس رائے کو بدل دیا۔ گویا پہلی رائے ان حصص کے متعلق ہے جو اس نے خود حضرت اقدسؑ کو سُنائے اور وہی حصے تھے جن میں بالعموم وفاتِ مسیح وغیرہ کا ذکر تھا۔ اور دوسری رائے ان مقامات کی بناء پر ہے جن پر حضورؑ کو بعد ازاں بعض خدام کے ذریعہ مطلع کیا گیا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ دُودھ میں تھوڑی یا بہت گندگی ملادینے سے سارا دودھ گندہ ہوجاتا ہے۔ پس اندریں صورت بھی اختلاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لولا الحیثیات لبطلت الحکمۃ۔

چہارم۔ ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فی الواقع ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی تفسیر کے متعلق دو مخالف خیال ظاہر فرمائے ہیں مگر کیوں؟ صرف اسلیئے کہ اسکی حالت بدل گئی تھی۔ ایک مومن ہے اس کے متعلق ہمارا آج ایک خیال ہے کل وہ کافر ہوجاتا ہے تو یقیناً ہمارا خیال بدل جائے گا۔ وبالعکس بلعم باعور جب نیکی پر قائم تھا تو اسکے متعلق اَور خیال تھا اور جب اُس نے گمراہی اختیار کی تو اَور خیال ہوا۔ خود قرآن پاک فرماتا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۔الآیۃ (الاعراف ع۲۲)

ترجمہ۔ "ان پر اس شخص (بلعم بن باعور) کی خبر پڑھ جس کو ہم نے اپنی آیات دیں۔ پھر وہ ان سے پھسل گیا۔ شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ گمراہ ہوگیا۔ اگر ہم چاہتے تو اس کا بذریعہ آیات رفع کرتے مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے اپنی نفسانیت کی پیروی کی۔"

گویا جو بلعم کل تک آیات والہاماتِ الٰہی کا مورد تھا آج موسیٰؑ کے مقابلہ کے باعث راندہ درگاہ

بن گیا۔ غرض حالات کے بدل جانے سے رائے کا بدل جانا نہ صرف محل اعتراض نہیں بلکہ ایسا ہونا ازبس ضروری ہے۔ اب غور فرمائیے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تفسیر کی تعریف فرمائی اس کی کیا حالت تھی۔ ہم ڈاکٹر عبدالحکیم کے اپنے الفاظ میں اس کی تفسیر کی دونوں حالتوں کو درج ذیل کرتے ہیں:۔

پہلی حالت

"میں نے حضور کی تائید میں جو ناچیز خدمت کی وہ یہ ہے کہ قریباً چھ ہزار روپیہ صرف کر کے قرآنی تفاسیر اُردو انگریزی میں شائع کی جس میں حضور (حضرت مسیح موعودؑ) کے متعلق تمام تائیدی مضمون جو مختلف کتابوں میں شائع ہوتے موقعہ بموقعہ درج کئے گئے ہیں۔ میری رائے میں احسن طریق کسی اسلامی خدمات کا یہی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ علی التناسب اس کو پیش کیا جائے۔ . . . . لوگوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی اور خطوط بھی بکثرت آئے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں سے مضامین نکال دیئے جائیں تو اس تفسیر کی اشاعت ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ بعض مسلمان مشنریوں نے اپنی زندگی اسکی امداد میں وقف کرنی ظاہر کی مگر میں نے توکل بخدا ان تمام باتوں کو نظر انداز کیا۔

دوسری حالت

"میں اس تاریخ سے اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔ میری تفاسیر اور تذکرۃ القرآن میں جو مضامین مرزا صاحب کے متعلق شائع ہو چکے ہیں ان کو مشکوک سمجھا جاوے۔ اگر مرزا صاحب نے موجودہ زیادتیوں کی اصلاح نہ کی اور توبہ شائع نہ کی تو آئندہ میں ان تمام مضامین کو اپنی تفاسیر میں سے نکال دوں گا۔"

(الذکر الحکیم ۱ صفحہ ۴۹)

اور خلافِ ایمان کوئی بات نہیں
کی" (الذکر الحکیم ۱۳۲ ص ۱۳)

دیکھئے ایک وقت میں عبدالحکیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق تمام مضامین وفاتِ مسیح، عدم رجوعِ موتیٰ" اور دلائلِ صداقت وغیرہ کو تفسیر میں موقعہ بموقعہ درج کر کے اسکو "اسلامی خدمت" قرار دیتا ہے اور ان کے نکالنے کو "خلافِ ایمان" کہتا ہے مگر پھر خود ان کو نکال دیتا ہے۔ اور محض ضد میں آکر ان تمام آیات کی غلط اور خود تراشیدہ تفسیر شائع کرتا ہے۔ کیا اندریں حالات اور ان تغیرات کے باوجود تبدیلیٔ رائے ضروری نہ تھی؟ یقیناً ضروری تھی۔ پس اس کو اختلاف بیانی بتانا حماقت اور کھلی مغالطہ دہی ہے۔

ہمارے ان جوابات سے حق پسند ناظرین پر بخوبی روشن ہوگیا ہے کہ معترض پٹیالوی جس راستے پر قدم زن ہے وہ تحقیق اور حق جوئی کا راستہ نہیں بلکہ محض عداوت کا طریق ہے منشی صاحب! ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

آٹھواں اختلاف

حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق۔ اس عنوان کے تحت منشی محمد یعقوب صاحب نے تریاق القلوب ص۱۵۷ کا حوالہ دربارہ جزئی فضیلت درج کیا ہے اور ریویو جلد اول نمبر ۶ کے اقتباس متعلق فضیلتِ کلی کا ذکر کیا ہے۔ نیز حقیقۃ الوحی ص۱۵۰ کا فقرہ "خدا نے چاہا کہ مجھے اس (مسیح) سے کم نہ رکھے" تحریر کر کے اعتراض کیا ہے کہ:۔

"پہلے حوالہ (حقیقۃ الوحی والے) میں آپ حضرت مسیح علیہ السلام کے برابر بنتے ہیں، دوسرے میں اُن پر جزئی فضیلت کے مدعی ہیں اور تیسرے میں ہر طرح سے افضل بن گئے۔ اور جب اِن اختلافات کی وجہ دریافت کی گئی تو لکھدیا کہ میں نے یہ سب کچھ خدا کے حکم سے کہا ہے اس کی وجہ خدا سے ہی پوچھو کہ کیوں اُس نے مجھے مسیح پر فضیلت دیدی الخ حقیقۃ الوحی ص۱۴۹ تا ۱۵۰۔ کیا اچھا جواب

ہے! کلام متناقض آپ کریں اور اس کا جواب وہ ہو خدا تعالیٰ نے
تو فرما دیا ہے کہ لو کانَ مِن عندِ غیرِ اللّٰہِ " (عشرہ ص۱۶)

الجواب - سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معترض نے حقیقۃ الوحی ص۱۵۵ کے فقرہ "خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے" سے بالکل غلط استدلال کیا ہے کہ حضورؑ نے اس میں مسیحؑ سے برابری کا دعویٰ کیا ہے۔ معترض پٹیالوی کو یہ دجل اس لئے اختیار کرنا پڑا تا وہ عوام کو یہ بتا دے کہ پہلے مسیح کے برابر ہوئے، جُزئی فضیلت کا دعویٰ کیا اور آخر کُلی فضیلت کا اِدّعا کر دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ کا مطلب دعویٰ مساوات نہیں بلکہ اِس جگہ تو ذکر ہی فضیلتِ تامہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ "کم نہ رکھنے" کے دو مطلب ہو سکتے تھے۔ برابر کر دیا، افضل بنا دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس عبارت میں "کم نہ رکھنے" سے کیا مراد ہے سو اس کے لئے اسی صفحہ کا یہ فقرہ نہایت واضح تشریح ہے کہ :-

"خدا دکھلاتا ہے کہ اس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۵)

پس یہ بات تو حل ہو گئی کہ مسیح سے فضیلت و عدم فضیلت ہی مابہ النزاع ٹھہر سکتی ہے مساوات والی تیسری صورت یہاں موجود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دو ہی زمانے آئے ہیں۔ اوّل جب آپؑ حضرت مسیحؑ کو بوجہ ان کی نبوت کے اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اپنے نفس کو محض جُزئی فضیلت دیتے تھے۔ دوم جب آپؑ نے اللہ تعالےٰ کی واضح تصریح کے مطابق اپنی نبوت کا کھلا اعلان فرمایا اور اپنے آپ کو مسیحؑ پر کُلی فضیلت دی۔ پس اب صرف جزئی فضیلت اور کلی فضیلت کا سوال باقی ہے ہم اس سوال پر نبوت کے دعویٰ کے ضمن میں مختصر بحث کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی

اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی ۔۔۔۔۔۔ اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسیح بن مریم آخری خلیفہ موسٰے علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اُس نبی کا ہوں جو خیر الرسل ہے' اس لیئے خدا نے چاہا کہ مجھے اُس سے کم نہ رکھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے اُن لوگوں کو گوارا نہ ہوں گے جن کے دلوں میں حضرت مسیح کی محبّت پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ مگر میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ میں کیا کروں۔ کس طرح خدا کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں اور کس طرح اس روشنی سے جو مجھے دی گئی ہے تاریکی میں آ سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میری کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالےٰ کی وحی کی پیروی کرنیوالا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونیکا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے۔ جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ میں نہیں جانتا کہ خدا نے ایسا کیوں کیا۔ ہاں میں اس قدر جانتا ہوں کہ آسمان پر خدا تعالےٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مخالف وہ توہین کے الفاظ استعمال کیئے ہیں کہ قریب ہے کہ ان سے آسمان پھٹ جائیں۔ پس خدا دِکھلاتا ہے کہ اس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح بن مریم سے بڑھ کر ہیں۔ جس شخص کو اس فقرہ سے غیظ و غضب ہو اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غیظ سے مر جائے۔ مگر خدا نے جو چاہا کیا اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا انسان کا مقدور ہے کہ وہ اعتراض کرے کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

حضراتِ ناظرین! برائے خدا انصاف فرمائیں کہ کیا اس وضاحت کے بعد ان بیانات کو "اختلافِ بیانی" کی مثال میں پیش کرنا دیانتداری کا تقاضا تھا؟ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے جزوی فضیلت کا زمانہ اور پھر اس کی وجہ بتا دی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپؑ افضل ہیں آپؑ نے افضلیت کا دعویٰ فرمایا۔ گویا پہلے حضورؑ نے اپنی طرف سے توقف فرمایا مگر جب بارش کی طرح وحی نازل ہوئی تو آپؑ نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے مطابق اس کا اعلان فرما دیا۔ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ۔ جو یونسؑ سے افضل اور بہتر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کی وحی نے آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیا تو آپؐ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ابن ماجہ) لَوْکَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ (الیواقیت والجواہر) کہ میں سب آدمزادوں کا سردار ہوں۔ اگر آج موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوائے ان کے لیئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اب اگر کوئی اس کا نام اختلاف بیانی رکھ سکتا ہے تو وہ شوق سے حضرت مسیح موعودؑ کے ہر دو بیانات کے نام بھی تضاد اور تناقض قرار دے۔ مگر یہ قول کسی عقلمند کا نہیں ہو سکتا اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔

پھر دیکھیے جب تک بقول حافظ امام ابن حجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن صیاد کے متعلق انکشاف نہیں ہوا حضورؐ نے اس کے متعلق تردد اختیار فرمایا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"آنحضرت صلعم درحقے (ابن صیاد) قول مردّد گفتہ و فرمودہ اں یکن ھو وایں تردد اوائل قدوم او بمدینہ بود و چوں تمیم داری اورا خبر کرد جزم فرمود بانکہ دجّال ہماں محبوس است کہ تمیم اورا دیدہ و حدیث او بیا بدو حلف عمرؓ نزد رسول خدا صلعم مبنی بر ظن اوست۔ و سکوت آنحضرت صلعم بجہت آں بود کہ وے دراں وقت متردّد بود۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۱)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے بارے میں پہلے شک کا کلام فرمایا اسی لئے کہا کہ اگر یہ دجال ہے۔ حضورؐ کا یہ کلام مدینہ آنے کے شروع کا ہے۔ جب تمیم داری نے حضورؐ کو خبر دی تو حضورؐ نے یقین فرما لیا کہ دجال وہی ہے جسے تمیم داری نے جزیرہ میں محبوس دیکھا ہے۔ حضورؐ نے ان کی بات بھی ذکر فرما دی۔ حضرت عمرؓ کا حضورؐ کے سامنے ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم اٹھانا ظن کی بناء پر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر خاموشی

اس وجہ سے تھی کہ حضورؑ اس وقت تک اس بارے میں متردد تھے۔"

(حجج الکرامہ صفحہ ۱۲۱)

اب اگر کوئی شخص اس قسم کی باتوں کو" کلام متناقض" سے تعبیر کرے گا تو وہ اہل دانش کی نظر میں غلطی خوردہ یا شریر ہی کہلائے گا۔

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو فضیلت کا ذکر فرمایا ہے وہ ہرگز متناقض نہیں اسلئے کہ جزئی فضیلت آپؑ کے اپنے خیال سے تھی اور کلی فضیلت کا دعویٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح متواتر وحی کی وجہ سے تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے مخالف اتنی سی موٹی بات سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے ؎

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بے شمار

نواں اختلاف

حضرت مسیح کے پرندے۔ اس نمبر میں معترض پٹیالوی نے حضرت اقدسؑ کی عبارتوں کے چند اقتباس دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے حضرت مسیح کے معجزہ خلق الطیور کی مختلف تشریحیں" کی ہیں۔ عمل الترب کا نتیجہ، روح القدس والے تالاب کی مٹی کا اثر، لکڑی کی کل یا کھلونا" اور" آتی ونادان لوگ مراد لیئے ہیں۔ بعض ادھورے حوالے درج کرنے کے بعد معترض لکھتا ہے:-

" ناظرین قرآن شریف کے صاف الفاظ کا مرزا صاحب کی تاویلات فاسدہ سے مقابلہ کریں۔ کیا یہ پریشان خیالیاں کسی مصلح اور پیغمبر کے دماغ سے منسوب ہو سکتی ہیں یا انہیں آسمانی تعلیمات سے کچھ بھی تعلق ہے؟"

(عشرہ صفحہ ۶۲)

الجواب۔ بے شک قرآن مجید میں خلق الطیور کو حضرت مسیح سے منسوب کیا گیا ہے۔ مگر جیسا کہ دوسری آیات قرآنیہ سے ظاہر ہے۔ اسے حقیقی معنوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (رعدع) خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (فرقان ع) ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ الآیۃ (فاطرع)

کہ صرف ایک اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، وہی قہار ہے۔ اُس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کے لیئے ایک اندازہ مقرر فرمایا۔ کیا (اے مشرکو!) خدا کے سوا بھی کوئی خالق ہے؟ یعنی ہرگز نہیں۔ ایسی ہی بیسیوں آیات شمشیر برہنہ کی طرح اس شرک آلود خیال کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں کہ حضرت مسیح نے فی الواقع پرندے پیدا کیئے اور وہ حقیقی پرندے تھے۔

مفسرین اور حضرت مسیحؑ کے پرندے

اس حقیقت باہرہ کی موجودگی میں کون متدین انسان اس امر کا مدعی ہو سکتا ہے کہ فی الواقع حضرت مسیح حقیقی معنوں میں سچ مچ کے پرندوں کے خالق تھے؟ یہی وجہ ہے کہ جملہ مفسرین کا یہی خیال ہے کہ حضرت مسیحؑ کے مخترعہ پرندے صرف ناظرین کی نظروں تک پرواز کرتے تھے اور اوجھل ہوتے ہی مرکر پیوند خاک ہو جاتے تھے۔ اگرچہ مفسرین میں عام طور پر عجوبہ پسندی کا جذبہ غالب نظر آتا ہے مگر اس جگہ وہ بھی انتہائی مبالغہ سے رکنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

(۱) علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔

"خَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاشَ لِاَنَّهٗ اَكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيْرُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَهٗ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا"

(جلالین مطبع مجتبائی ص۴۹)

(۲) امام وہب کا قول ہے:۔

"كَانَ يَطِيْرُ مَادَامَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا" (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر جلد ۳ ص۱۹۵)

(۳) علامہ ابن حیان فرماتے ہیں:۔

"تَوَاطَأَ النَّقْلُ عَنِ الْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ الطَّائِرَ الَّذِيْ خَلَقَهٗ عِيْسٰى كَانَ يَطِيْرُ مَادَامَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا" (البحر المحیط جلد ۲ ص۴۶۶)

گویا سب مفسر یہی تاویل کرتے ہیں کہ وہ مصنوعی پرندہ لوگوں کے سامنے ان کی نظر کی حد تک ہی اُڑتا تھا اس کے بعد گر کر مر جاتا تھا۔ کیا ہمارے منصف بھائیوں کے لیئے اس میں سبق نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مفسرین کو خلق الطیور کی یہ تاویل کرنی پڑی۔ کیوں انہوں

نے حقیقی پرندے اور طبعی حیات پانے والے پرندے نہیں تسلیم کئے؟ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی طور پر کسی کا خالق من دون اللہ ہونا ناممکن، محال، اور ممتنع ہے۔ پرندے تو بڑی چیز ہیں انسان ایک کیڑے کا پاؤں اور مکھی تک بنانے سے عاجز ہیں معبودانِ باطلہ کی شان میں فرمانِ خداوندی ہے۔ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔

اِس جگہ ہم معترض بٹیالوی اور اس کے تمام ہمنوا دیوبندیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر خلق الطیور کی تاویل جرم ہے، گناہ ہے، موجب کفر ہے تو ان تمام مفسرین کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر اصل الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے تفصیل کے متعلق تاویل کی اجازت ہے تو حضرت مرزا صاحب کا کیا قصور ہے؟ کیا یہ وہی طریق نہیں جو تمام مفسرین نے اختیار کر رکھا ہے یعنی تاویل۔ پس اگر یہ گناہ ہے تو بقول:

این گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

حضرت مرزا صاحبؑ نے فرمایا ہے کہ:۔

"یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیحؑ مٹی کے پرندے بناکر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔"

(عشرہ صفحہ ۴۲ بحوالہ ازالہ اوہام)

کیا تمہارے اہلِ فہم اور زیرک مفسرین میں سے ایک بھی ہے جو مسیحؑ کے بنائے ہوئے جانوروں کو "سچ مچ کے جانور" تسلیم کرتا ہو؟

معجزاتِ عیسوی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

معترض کا اس اعتراض سے ایک منشا یہ بھی ہے کہ گویا حضرت مرزا صاحبؑ حضرت مسیحؑ کے معجزات سے ہی منکر تھے۔ اِس قدر تو سچ ہے کہ حضورؑ ان معجزات کو شرک کی ملونی والی صورت میں تسلیم نہیں کرتے اور نہ کوئی موحد انسان ایسا مان سکتا ہے لیکن مطلق معجزات کے منکر ہرگز نہیں۔ ذیل میں اس کے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اس عاجز کو دیکر ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے وہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت

مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں۔ مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے۔ ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں۔ بے شک ان سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے۔" (شہادۃ القرآن ص۲۸)

(ب) "مخالف لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے خالق طیور اور محی اموات ہونے کا منکر ہے اور اس کو نہیں مانتا۔ مگر میرا جواب یہ ہے کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی احیاء اور اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ہاں اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مُردہ کو زندہ کیا ہو یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا ہو۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مُردہ زندہ کرنے اور پرندہ پیدا کرنے کو تسلیم کیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کی خلق اور اس کا احیاء مشتبہ ہو جائے گا۔ مسیح علیہ السلام کے پرندوں کا حال عصائے موسیٰ کی طرح ہے جیسے وہ سانپ کی طرح دوڑتا تھا مگر ہمیشہ کے لئے اُس نے اپنی اصلی حالت کو نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی محققین نے لکھا ہے کہ مسیح کے پرندے لوگوں کے نظر آنے تک اُڑتے تھے لیکن جب نظر سے اوجھل ہو جاتے تو زمین پر گر پڑتے اور اپنی پہلی حالت پر آ جاتے تھے۔" (حمامۃ البشریٰ ص۹۰)

(ج) "واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) ایک وہ محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ جیسے شق القمر جو ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا۔ (۲) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارقِ عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کا وہ معجزہ جو صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔ اب جاننا چاہیئے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔" (ازالہ اوہام

(حاشیہ ازالہ ص۳۰۲)

ناظرین! ان ہر سہ عبارات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت مسیح کے معجزہ خلق الطیور کا انکار نہیں۔ انکار جس چیز کا ہے وہ اس کی مشرکانہ صورت اور تشریح ہے۔ آخری اقتباس میں حضور نے اس کو عقلی معجزات کی ذیل میں شمار فرمایا ہے اور یہ صورت اُس زمانہ کے مطابق تھی۔ معجزات ہمیشہ زمانہ کے حالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح کے معجزات اور اُس وقت کی حالت

جب حضرت مسیح مبعوث ہوئے اُس وقت یہود میں طب اور دیگر شعبدہ بازی وغیرہ کے کام بہت رائج تھے اسلئے اس بات کے ماننے میں کوئی ہرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ایسے معجزات عقلیہ ظاہر فرمائے جن سے یہود کی طب اور دیگر امور مغلوب ہو گئے۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی اپنی شہرہ آفاق کتاب "تلویح" میں تحریر فرماتے ہیں :-

"وقد حقق فی الکتب الکلامیة ان معجزة کلّ نبی بما یتباھی به قومه بحیث لا یتصوّر المزید علیه کالسحر فی زمن موسٰی علیه السلام والطب فی زمن عیسٰی علیه السلام والبلاغة فی زمن سیّدنا محمّد علیه السلام ۔"

ترجمہ۔ علم کلام کی کتابوں میں بالتحقیق بتایا گیا ہے کہ ہر نبی کو اسی رنگ کا معجزہ دیا گیا جس پر اس کی قوم کو فخر تھا۔ اور اس کیفیت و کمیت کی صورت میں دیا گیا جس پر زیادتی ناممکن تھی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں سحر اور جادو تھا، اور حضرت مسیح کے وقت میں طب تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر بلاغت تھی۔" (تلویح شرح توضیح مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۵۲)

سلسلہ احمدیہ کے اشد مخالف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی لکھا ہے :-

"خدا تعالیٰ کی قدیم سے عادت ہے کہ ہر زمانہ میں اس قسم کے معجزات و خوارق منکرین کو دکھاتا ہے جو اُس زمانہ کے لئے مناسب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں سحر کا بڑا زور تھا اس لئے ان کو ایسا معجزہ دیا جو سحر کا ہم جنس یا ہم صورت تھا اور وہ سحر پر غالب آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا اسلئے اُن کو

ایسا معجزہ دیا گیا جس نے طبیبوں کو مغلوب کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطبینِ وقت کو فصاحت کا ایسا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے سوا کسی کو اہلِ سخن نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بلادِ غیر کے لوگوں کا عجم (گونگے) نام رکھتے تھے۔ الخ" (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۸۹)

اس حقیقت کے پیشِ نظر اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن الفاظ کو پڑھیئے :-

"وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور تیار کر کے انکو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے۔ وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے ان کے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے جیسا کہ قرآن کریم بھی اِس بات کا شاہد ہے۔ سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی ہو۔ جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔" (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۲۵ حاشیہ)

ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے ظاہری پرندے مانیں گے اُن کے لئے ضروری طور پر اسی قسم کی کوئی توجیہہ کرنی پڑے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ توجیہہ فرمائی جو واقعات کے مطابق اور انسانی عقل کے موافق ہے اور پھر معجزہ بھی ہے۔ کیونکہ اِس صورت پر جانب اللہ اطلاع دی گئی اور اس کے سامنے باقی لوگ مغلوب ہو گئے اور چونکہ وہ پرندے باتفاقِ مفسّرین عارضی اور وقتی زندگی پاتے تھے اسلیئے اس کو عمل الترب کا نتیجہ قرار دینا بھی درست ہے۔

عمل الترب کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

"اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ سلبِ امراض کرنا یا اپنی رُوح کی گرمی جماد میں

ڈال دینا درحقیقت یہ سب عمل الترب کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں۔ اور مفلوج، مبروص، مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے معلومات وسیع ہیں وہ میرے اس بیان پر شہادت دے سکتے ہیں کہ بعض فقراء نقشبندی و سہروردی وغیرہ نے بھی ان مشقوں کی طرف بہت توجہ کی تھی اور بعض ان میں یہاں تک مشاق گزرے ہیں کہ صدہا بیماروں کو اپنے یمین و یسار میں بٹھا کر صرف نظر سے اچھا کر دیتے تھے اور محی الدین ابن عربی صاحب کو بھی اس میں خاص درجہ کی مشق تھی۔"

(ازالہ اوہام ص۱۲۷)

گویا عمل الترب بالذات کوئی بُری چیز نہیں، ہاں جو اس کا بُرا استعمال کرتا ہے اور مسمریزم وغیرہ کی صورت میں اس کا ناجائز طریق اختیار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ البتہ بلند رُوحانیت کے لحاظ سے یہ کوئی اعلیٰ کمال نہیں اسی لیے حضرت اقدس نے اپنے لیے اس کو ناپسند فرمایا ہے بلکہ حضور نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے :-

"حضرت مسیحؑ نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو اُن کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیحؑ کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔" (ازالہ اوہام ص۱۲۷)

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیحؑ کے معجزہ خلق الطیور کو عمل الترب کہہ کر اس کی توہین نہیں فرمائی بلکہ آپؑ نے صرف اسی حقیقت کو جس کا تمام مفسّرین کو اقرار ہے ایک جدید اصطلاح "عمل الترب" کے ذریعہ بیان فرما دیا ہے۔ ایک دوسری جگہ آپؑ نے تحریر فرمایا ہے :-

"اس عمل کے عجائبات کی نسبت یہ بھی الہام ہوا ھٰذا ھو الترب الّذی لا یعلمون یعنی یہ وہ عمل الترب ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔" (ازالہ اوہام ص۱۲۸ طبع سوم)

با انصاف انسان کا فرض ہے کہ حقیقت پر غور کرے اور یونہی اندھا دھند اعتراض نہ کرتا چلا جائے۔ حضرت اقدسؑ کا "عمل الترب" کے لفظ سے حضرت مسیح کے اعجازی خلق کو رد کرنا مدنظر نہیں بلکہ حضور تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر عبارت درج ہو چکی ہے۔

خرقِ عادت اور مقدورِ بشر

ممکن ہے اس جگہ کسی کو یہ وہم دامنگیر ہو کہ جب یہ معجزہ عمل الترب ہے تو پھر مقدورِ بشر ٹھہرا اسلیئے خرقِ عادت نہ رہا۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ بالا تصریحات کی موجودگی میں یہ وہم از خود رفع ہو جاتا ہے لیکن تاہم ذیل میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلویؒ کا ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے تا خرقِ عادت کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"لازم نیست کہ ہر خرقِ عادت خارج از مطلق طاقتِ بشر مے باشد بلکہ ہمیں قدر لازم است کہ بہ نسبتِ صاحبِ خارقہ صدورِ آں خلافِ عادت باشد بجہتہ فقدان ادوات و آلات پس بسیار چیز است کہ ظہورِ آں از مقبولینِ حق از قبیل خرق شمردہ مے شود حالانکہ امثالِ ہماں افعال بلکہ اقویٰ و اکمل ازاں از اربابِ سحر و اصحابِ طلسم ممکن الوقوع باشد پس وقتیکہ بر حاضرانِ واقعہ ایں قدر ثابت باشد کہ صاحبِ خارق مہارت در فنِ سحر و طلسم نے دارد پس لابد صدورِ خارقہ مذکورہ علامتِ صدقِ او تواند بود و لہذا نزولِ مائدہ از معجزاتِ حضرت مسیح شمردہ مے شود بخلاف آنچہ اہلِ سحر بسیارے از اشیاءِ نفیسہ از جنس میوہ و شیرینی باستعانتِ شیاطین حاضر مے آرند" (رسالہ منصبِ امامت ص۱۸-۱۹)

مَیں سمجھتا ہوں کہ مولانا مرحوم نے ما نحن فیہ کے متعلق بھی بہت اچھا فیصلہ کر دیا ہے پس حضرت مسیحؑ کے معجزہ خلق الطیور کو عمل الترب یا لکڑی کی کل وغیرہ کے باعث قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ خارق عادت نہ تھا یا علامت صداقت حضرت مسیح ناصریؑ نہ تھا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگرچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تالاب کی مٹی کے امکان کو عیسائیوں پر چوٹ کے

طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ ایسا تالاب انہیں کے مسلمات میں داخل ہے۔ لیکن اگر یہ صورت واقعہ بھی ہو تب بھی خرق عادت میں شبہ نہیں۔ کیونکہ اس تالاب کی مٹی میں یہ تاثیر اور اس کا حضرت مسیح کو علم اور مہیا ہو جانا یقیناً خرق عادت ہے۔ لہٰذا معترض پٹیالوی کا اعتراض باطل ہے۔

خلاصۂ کلام ہم نے ضرورت کے ماتحت اس نمبر پر طویل بحث کی ہے کیونکہ اس کا ذکر اس کتاب میں کئی جگہ ہے نیز عام طور پر لوگ اس کو پیش کیا کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیحؑ کے معجزۂ خلق الطیور کو قرآنی الفاظ میں تسلیم کرنے کے بعد حسب حدیث لِکُلِّ آیَۃٍ ظَھْرٌ وَ بَطْنٌ، اس کی دو تشریحیں فرمائی ہیں (۱) ظاہری۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور جس کا ماحصل یہی ہے کہ بے شک وہ پرندے بن گئے تھے مگر حقیقی نہ تھے۔ بلکہ یا تو عمل الترب کا نتیجہ تھے یا پھر کسی کَل وغیرہ کی وجہ سے تھے جس کی حضرت مسیح کو منجانب اللہ تعلیم کی گئی تھی۔ (۲) باطنی۔ اس تشریح میں آپؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"چونکہ قرآن شریف اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اسلئے ان آیات کے روحانی طور پر یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ اُمّی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا۔ گویا اپنی صحبت میں لیکر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ پرواز کرنے لگے۔" (ازالۂ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۲۵-۱۲۶)

گویا دونوں تشریحات ہو سکتی ہیں۔ ظاہری بھی باطنی بھی۔ مگر جیسا کہ واضح ہے ظاہری تشریح ایک "خفیف امر"[1] ہوگا جو پائیدار نہیں ہوگا۔ لیکن باطنی تشریح ایک مستقل اور اہم صورت ہے اور انبیاء کے عین شایانِ شان۔ آیاتِ قرآنیہ کی متعدد تفاسیر کرنا تمام اہلِ علم کا طریق ہے کیونکہ قرآن مجید جوامع الکلم ہے۔

ناظرین! ہم نے تمام حقیقت مکمل طور پر آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ نہ اس میں کوئی اختلاف بیانی ہے نہ کلام متناقض لیکن منشی صاحب ہیں کہ اس کو اپنی مزعومہ "اختلاف بیانیوں" کے نویں نمبر پر ذکر کر رہے ہیں۔

---

[1] اسی معنی میں حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹ پر اس قسم کے پرندوں کا وجود ایک خفیف امر بیان فرمایا ہے۔ منہ

بالآخر یاد رہے کہ ہم اِس بات کو کھلا کھلا شرک سمجھتے ہیں کہ جو صفت محض ذات باری کے لیے مختص ہے وہ اس کے غیر کو دی جائے اور حضرت مسیحؑ کو واقعی خالق یقین کیا جائے۔ درحقیقت ہمارے مخالفین کی نظر میں ہمارا یہی جرم ہے کہ ہم اِس بات کو توحیدِ کامل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اِسی کے باعث ہم ان اصحاب کی نظروں میں موردِ عتاب ہیں جو حضرت مسیحؑ کے متعلق غالیانہ خیالات رکھتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اِس معجزہ میں غلو کرکے یہ لوگ نصاریٰ سے بھی چار قدم آگے نکل گئے ہیں۔ اناجیل کو پڑھ جاؤ وہاں یہ معجزہ حقیقی پرندوں کی پیدائش کا کہیں نہ دیکھوگے۔ اگر یہ واقعہ تھا تو کیا ممکن تھا کہ انجیل نویس مزید مبالغہ کی چادر چڑھا کر اِس کو ذکر نہ کرتے؟ ان کا ذکر نہ کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ یہ پرندے حقیقی پرندے نہیں تھے۔ یا تو روحانی پرندے مراد ہیں یا مجازی۔ کما مرّ۔ بس ؎

کیوں بنایا ابنِ مریم کو خدا	سنّتِ اللہ سے وہ کیوں باہر رہا
ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا	اس خدادانی پہ تیری مرحبا
مولوی صاحب! یہی توحید ہے	سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے

(درثمین)

دسواں اختلاف دجّال کے متعلق مرزا صاحب کی تحقیقات۔ اِس عنوان کے ماتحت معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

(الف) علماءِ مخالفین مرزا دجال ہیں۔ (فتح اسلام ص۹)

(ب) با اقبال قومیں دجّال ہیں۔ ریل ان کا گدھا ہے (ازالہ اوہام ص۱۳۴)

(ج) پادری دجّال ہیں (ازالہ اوہام ص۱۵۹-۱۶۱)

(د) ابن صیاد دجال ہے (ازالہ) یہ چاروں اقوال درج کرکے معترض لکھتا ہے کہ:۔

"چاروں اقوال جداگانہ ہیں۔" (عشرہ ص۶۲)

الجواب:۔ (۱) "تحقیقات" کو "اختلاف بیانی" اور "کلام متناقض" قرار دینا منشی صاحب اور دیوبندی اصحاب کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ حوالہ نمبر الف میں آپ نے جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالف علماء کو دجّالِ موعود قرار دیا ہے یہ

سراسر دھوکا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ساری کتاب "فتح اسلام" میں کسی جگہ ایسا نہیں لکھا۔ یہ محض معترض کی مغالطہ دہی ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحبؑ نے تو ایسا نہیں لکھا مگر ایسے لوگ خود اپنی غلط بیانی اور دروغ بافی کے ذریعہ اسکی تصدیق کر رہے ہیں۔ پھر معترض نے پادریوں اور باقبال قوموں کو الگ الگ بیان کیا ہے، حالانکہ حضرتؑ نے ازالہ اوہام میں باقبال قوموں سے مراد پادریوں کا گروہ ہی لیا ہے۔ غرض اس اعتراض میں اوّل تو معترض نے غلط بیانی اور پھر مغالطہ دہی سے کام لیا ہے۔

(۲) دجّال کے معنے متعلق ہیں۔ لکھا ہے:۔

"معنی دجال بر صیغہ مبالغہ بسیار فریب دہندہ تلبیس کنندہ بر مردم ست ودریں معنی ست قول وے صلعم وقتیکہ خطبہ کرد ابوبکر فاطمہ را علیہا السلام اِنِّیْ دَعَدْ تُھَا یَعْنِیْ وَلَسْتُ بِدَجَّالٍ یعنی من خداع علی و ملبس بر تو نیستم۔" (حجج الکرامہ صا۴۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی لکھا ہے:۔

"لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں اور خلق اللہ کے گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تلبیس کو کام میں لاتے ہیں۔" (ازالہ اوہام صا۲۰۴ طبع سوم)

"ایک اور بات ہمارے علماء کے لئے غور کے لائق ہے کہ احادیث میں صرف ایک دجّال کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے دجّال لکھے ہیں۔" (ازالہ اوہام صا۶۲)

پس جب دجّال متعدد ہیں اور کم از کم تیس۳۰ دجّالوں کے متعلق تو غیر احمدی بھی بہت ذکر کیا کرتے ہیں۔ تو اگر حضرت مسیح موعودؑ نے دو۲ دجّالوں کا ذکر کر دیا تو اس میں تناقض کیسے لازم آیا؟

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "دجّال معہود" تو پادریوں کے گروہ کو قرار دیا۔ ہاں ابن صیّاد کو ایک دجّال قرار دیا ہے۔ حضور لکھتے ہیں:۔

(الف) "دجّال بہت گزرے ہیں اور شاید آگے بھی ہوں مگر وہ دجّال اکبر جن کا

دجل خدا کے نزدیک ایسا مکروہ ہے کہ قریب ہے جو اس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ یہی گروہ مشتِ خاک کو خدا بنانے والا ہے۔ خدا نے یہودیوں اور مشرکوں اور دوسری قوموں کے طرح طرح کے دجل قرآن شریف میں بیان فرمائے مگر یہ عظمت کسی کے دجل نہیں دی کہ اس دجل سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ پس جس گروہ کو خدا نے اپنے پاک کلام میں دجّالِ اکبر ٹھہرایا ہے ہمیں نہیں نہیں چاہیئے کہ اس کے سوا کسی اور کا نام دجّالِ اکبر رکھیں" (انجامِ آتھم ص۴۶)

(ب) "ظاہر ہے کہ یہ کہ بجز قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو بجز اوّل درجہ کے دجال کے جو دجّالِ معہود ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔ لہذا انہیں لوگوں کو جو پادری صاحبوں کا گروہ ہے دجّالِ معہود ماننا پڑا"

(ازالہ اوہام طبع سوم ص۲۰۶)

(ج) "میرا مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجال پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا" (ازالہ اوہام طبع سوم ص۲۰۳)

(د) "ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجّال ہی تھا۔ اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے" (ازالہ اوہام طبع سوم ص۹)

اِن حوالجات سے عیاں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابن صیاد کو مطلق ایک دجال تسلیم کیا ہے ہاں گروہ پادریاں کو دجالِ معہود مانا ہے فلا اشکال فیہ۔

ابن صیاد کی دجالیت کے متعلق احادیث میں بکثرت ذکر موجود ہے۔ شرح العقائد میں لکھا ہے :۔

ولم یزل النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یخاف انہ الدجّال ..... وکان عمر بن الخطاب وابنہٗ عبد اللّٰہ وجابر الانصاری یعتقدون انہ الدجّال (نبراس ص۵۸۵)

یعنی آنحضرت ہمیشہ خائف رہے کہ ابن صیاد دجال ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابر انصاریؓ کا تو اعتقاد تھا کہ یہی دجّال ہے۔"

ایک طویل بیان کے بعد لکھا ہے :۔

لا شك انّه من جملة الدجّالين۔ (نبراس ص۵۸۶)

کہ بلا شبہ ابن صیاد دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔"

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں :۔

"غایت حدیث ابوسعید آنست کہ ابن صیاد یکے از دجاجلہ باشد" (حجج الکرامہ ص۱۲۱)

غرض ابن صیاد کا مطلق دجال ہونا سب کو مسلّم ہے اور یہی حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے۔ باقی دجال معہود حضرت نے پادریوں کو قرار دیا ہے اور یہی درست ہے۔ مولوی برخوردار حاشیہ نبراس میں ملّا علی القاری کا قول نقل کرتے ہیں :۔

"یمکن ان یکون لهٗ (للدجال) ابدان مختلفة فظاهرةٌ فی عالم الحس والخیال دائر مع اختلاف الاحوال وباطنةٌ فی عالم المثال مقیّد بالسلاسل والاغلال ولعل المانع من ظهوره کما له فی الفتنة وجود سلاسل النبوّة۔" (نبراس ص۵۸۶)

یعنی دجال کا مصداق ابدان مختلفہ ہو سکتے ہیں۔ پھر واقعات نے بتا دیا ہے کہ دجال معہود میں جو ابدان مختلفہ ممکن ہیں ان سے کیا مراد ہے۔ پادریوں کا دجال معہود ہونا تو اتنا واضح ہے کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی شائع کرنا پڑا :۔

"مسلمانو! جزیرۂ عرب میں مشنریوں کا جانا یہ خاص علامت قربِ قیامت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اس سے نا امید ہو چکا کہ بجز اللہ سبحانہٗ کوئی دوسرا معبود پوجا جائے لیکن آپس کی تحریش البتہ ہوگی لیکن ساتھ اس کے یہ بھی فرمایا گیا کہ قریب قیامت کے دجال بجز حرمین تمام جگہ عرب میں پہنچ جائے گا۔ پس اگر مشنریوں کا گزر جزیرۂ عرب میں ہوا تو یقین جانو کہ قیامت نہایت قریب

ہے اور بہت بڑا انقلاب ہونے والا ہے۔" (اخبار اہلحدیث ۸ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دجال کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں اختلاف بیانی کا شائبہ تک نہیں بلکہ وہی بیان معقول، درست اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہے۔ پٹیالوی معترض نے اس بیان کو اختلاف بیانی کے ضمن میں درج کرکے صریح بے انصافی اور بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نمبر اس کے یہ الفاظ آپ پڑھ چکے ہیں۔ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخَافُ اَنَّہُ الدَّجَّالُ۔ اب اگر حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھ دیا کہ "حضورؐ پر دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے مُوبمُو منکشف نہ ہوئی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں" تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ عالم الغیب تو صرف خدا تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

لطیفہ ہر چیز کا ایک مذاق ہوتا ہے۔ جو شخص نکتہ سنج نہ ہو اگر وہ اس میدان میں دم مارے گا تو منہ کے بل گرے گا۔

پٹیالوی معترض نے نہایت بھونڈے پن سے لطیفہ کے عنوان سے لکھا ہے (مرزا صاحب کی روح سے سوال) یعنی "آپ مسیح کس طرح ہوئے جبکہ آپ کا دجال ابن صیاد ۱۳۰۰ برس ہوئے گزر چکا۔" (عشرہ صفحہ ۹۳)

الجواب۔ سچ ہے ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

جناب من! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کب ابن صیاد کو دجال معہود قرار دیا جو آپ کو اس قدر لطیفہ گوئی کی زحمت اٹھانی پڑی؟ حضرتؑ نے اس کو صرف ایک دجال قرار دیا ہے۔ دجال معہود تو پادریوں کا گروہ ہے جو اس وقت اسلام کے استیصال کے درپے ہیں۔ اسی لئے تو خدا کے شیر پیغمبر

قادیان ؑ نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا ہے ؎

میں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

آپ ایسے لوگوں کی بناء الفاسد علی الفاسد کو دیکھ کر ہی کہا گیا ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

الحمد للہ کہ ہم اب پٹیالوی معترض کی پانچویں فصل کے اعتراضات کا کافی وشافی
جواب تحریر کر چکے ہیں ؎

فصل ششم

دس افتراؤں کی حقیقت

مفت میں ملزم خدا کے مت بنو اے منکرو!
یہ خدا کا ہے، نہ ہے یہ مفتری کا کاروبار
افترا لعنت ہے اور ہر مفتری ملعون ہے
پھر لعیں وہ بھی ہے جو صادق سے رکھتا ہے نقار

(حضرت مسیح موعودؑ)

سُنّت اللہ اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ جب وہ انبیاء کو مبعوث فرماتا ہے تو ایک گروہ اپنی سیاہ باطنی کے باعث، دنیا کی فضاء کو تاریک تر کرنے کے لیئے ان سے برسرِ پیکار ہو جاتا ہے۔ فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ (انعام عٓ) کہ ہر صادق نبی کے بالمقابل کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوا کرتے ہیں جو ایک دوسرے کو جھوٹی اور فتنہ خیز باتیں بتلاتے ہیں۔ فرمایا اگر خدا کو جبریہ ہدایت دینا مقصود ہوتا تو یہ معاندت اور مخالفت کبھی سر نہ اُٹھا سکتی۔ مگر ہمیں اختیاری ہدایت منظور ہے اسلیئے اس امر کو نظر انداز نہ

کر دو کہ وہ کیا کیا افترار کرتے ہیں۔ جس طرح آج یہ لوگ تمہارے خلاف لوگوں کو یہ باتیں کہہ کہہ کر برگشتہ کرتے ہیں کہ نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتے نظر آتے ہیں، نہ کوئی مُردوں کو زندہ کر کے دکھاتا ہے، نہ کوئی نشان نظر آتا ہے، سوائے دکانداری کے اور کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح ہر ایک نبی سے سلوک ہوا ہے۔ اور ہر ایک کے متعلق شیطانی گروہ نے ایک دوسرے سے خوب سجا سجا کر یہی دھوکہ دینے والی اور بظاہر فریب اور دلفریب باتیں کہہ کر انہیں دھوکہ میں ڈالا ہے۔"

قرآن پاک کے اس عام قانون کے ماتحت ضرور تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام 'پیغمبر قادیان' کے خلاف بھی اسی طرح زخرف القول کی صورت میں جھوٹا پروپیگنڈا ہوتا اور مخالفین اس کو ایک دوسرے سے نقل کرتے اور اس سلسلہ افتراء پردازی کو حد تک پہنچا دیتے۔ زمانہ شاہد ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے مخالف بالکل پہلے مکذبین کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ آیات قرآنیہ مسیح وقت کی صداقت کا نعرہ لگا رہی ہیں، احادیث صحیحہ اس کی تائید میں پکار رہی ہیں، آسمان نے اس کے لئے شہادت دی، سورج اور چاند اس کی تصدیق کی خاطر بے نور ہوگئے، زمین باواز بلند اس کی سچائی پر گواہی دے رہی ہے، قوم کے حالات اس کا سچا ہونا اور بروقت آنا ظاہر کر رہے ہیں۔ صدی کا نصف[1] تک گزر جانا اور کسی مدعی مجددیت کا کھڑا نہ ہونا اس کی راستبازی پر زبردست برہان ہے۔ مگر آہ! قوم اس کی شنوا نہ ہوئی اور وہ الٰہی نوشتوں کے مطابق دھتکارا گیا۔ اسی لئے رب السموات نے فرمایا تھا کہ:۔

"دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا۔"

وہ راستباز تھا لیکن تاریکی کے فرزند ہر راستباز کو کاذب اور مفتری کہتے رہے۔ اَتَوَاصَوْا بِہٖ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ۔ مخالفین نے اس کو مفتری قرار دیا۔ ان کو ہر چند بتایا گیا کہ

افترا کی ایسی دُم لمبی نہیں ہوتی کبھی
جو ہو مثل مدت فخر الرسل فخر الخیار

---

[1] اور اب اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے وقت ۱۳۸۲ھ ہجری ہے گویا صدی ختم ہونے کو ہے (ابوالعطاء)

لیکن وہ اپنی سرکشی و طغیانی میں بڑھتے گئے۔ نوبت بایں جا رسید کہ منشی محمد یعقوب پٹیالوی نے یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ کی تصدیق میں ان مفتریاتِ دشمنانِ صداقت کو اپنی کتاب "عشرہ کاملہ" میں شائع کیا بلکہ آیت کی تصدیق میں مزید افترا بھی اختیار کیا اور درحقیقت اسی فطری مناسبت سے اِس زیرِ نظر فصل کا عنوان "دس افتراء" قرار دیا ہے ع

یہ تو ہے سب شکل ان کی ہم تو ہیں آئینہ دار

معترض پٹیالوی نے آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ الآیۃ (انعام ع) کے تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"اِس فصل میں مرزا صاحب کے مفتریانہ اقوال دکھائے جائیں گے۔ گویا یہ بتایا جائے گا کہ آیت میں جن تین قسم کے مفتریوں، ظالموں اور کاذبوں کا ذکر ہے مرزا صاحب اپنے اقوال کی رُو سے ان میں پہلی قسم میں آتے ہیں۔" (خاکش بدہن۔ ابو العطاء)۔ (عشرہ صفحہ ۶۳)

اگرچہ یہ دعویٰ کوئی نیا نہیں۔ مکذبینِ قرآنِ پاک نے بھی راستبازی کے مجسّمہ، سچائی کے علمبردار اور پیکرِ صدق و وفا سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہا تھا۔ فرمایا :۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا (الفرقان ع) کہ منکر تو اس سارے کلام کو ہی "مفتریانہ اقوال" کہتے ہیں۔ گویا منکرین کا "مفتریانہ اقوال" کا ادعاء "سنّت الاوّلین" ہے جس کی صدائے بازگشت ہم پٹیالوی کے کھنڈرات سے سُن رہے ہیں۔ لیکن ناظرین انشاء اللہ آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ پٹیالوی صاحب کا یہ بلند بانگ دعویٰ محض ڈھول کا پول ثابت ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعجازی متحدیانہ کلام

اپنے مزعومہ "مفتریانہ اقوال" کو پیش کرنے سے پیشتر معترض پٹیالوی نے حضرت

کے اعجازی کلام کے متعلق پُورے پانچ صفحے سیاہ کئے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ مضمون عنوانِ فصل سے تعلق نہیں رکھتا" ہم درو غگو را تا بخانہ اش باید رسانید کے مطابق ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کی ان فریب کاریوں کے چہرہ سے بھی پردہ اُلٹ دیں جو اُس نے ان صفحات میں اختیار کی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر معمولی تائید کے ذریعہ مدعیانِ علم کو عاجز کرنے والا کلام عطا فرمایا۔ آپ نے آسمانی تائید سے متعدد کتب ارقام فرمائیں، عربی زبان میں ارقام فرمائیں، جس زبان کا بقول مخالف علماء آپ ایک صیغہ نہ جانتے تھے۔ ان میں قرآن مجید کے حقائق و معارف بکثرت تحریر کئے۔ مخالف مولویوں کو مبارزت کی دعوت دی اور مقابلہ کرنے پر ہزاروں اور سینکڑوں روپے انعام مقرر فرمایا۔ غیرت دلائی مقابلہ کے لئے اُکسایا۔ مگر سه

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو بھی بطور معجزہ طاقتِ کلام دی گئی تھی وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (آل عمران ع ۵) اس لئے ضروری تھا کہ مثیلِ مسیح کو بھی کلام کا معجزہ دیا جاتا۔ چنانچہ دیا گیا۔ مگر پہلے مسیح کا معجزہ بچپن کا معجزہ تھا۔ اسلئے وہ بعینہٖ قائم نہ رہ سکا۔ لیکن مسیح محمدی کو کامل معجزہ دیا گیا۔ اس کی نطق میں معجزانہ قوت کا اظہار کیا گیا۔ وہ فصاحت و بلاغت اور نکاتِ قرآنی سے معمور کیا گیا اسلئے اس کا معجزہ آج بھی زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا۔ نیز اس قسم کا معجزہ اسلئے بھی ضروری تھا کہ قرآن مجید نے آیت وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ میں رسالت کی علامت ہی اس کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ آیت بالا کی تفسیر میں لکھا ہے :۔" اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اَیْ مُتَكَلِّمًا بلغة من ارسل الیھم من الامم" (روح المعانی جلد ۴ ص۲۰۹)

مدارک التنزیل میں لکھا ہے" الا بلسان قومہ : الّا متکلّماً بلغتھم" (برحاشیہ خازن جلد ۳ ص۸ـ) گویا ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان دی جاتی ہے۔ یعنی وہ اس میں نہایت فصیح بلیغ

کلام کرتا ہے۔ اسی کی تشریح میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ اُوتِیتُ جوامِعَ الکلمِ وخواتِیمَہٗ (مجمع البحار زیر لفظ ختم)

پس ان ہر دو وجوہ کے ماتحت مسیح موعودؑ کے لئے ضروری تھا کہ اس کو مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی میں (جو تمام ممالک کے اہلِ اسلام کی مشترکہ دینی زبان ہے) فصاحت و بلاغت کا معجزانہ مقام بخشا جاتا۔ سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ نے اس ضمن میں بکمال وضاحت اتمام حجت کر دی۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"ہماری یہ دعوت آئندہ نسلوں کے لئے بھی ایک چمکتا ہوا ثبوت ہماری طرف سے ہوگا۔" (اشتہار ۵ ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج تک ایسا ہی ثابت ہوا ہے اور تا قیامت ثابت ہوتا رہیگا اس سلسلہ میں حضورؑ کی دو کتابیں **اعجاز المسیح** اور **اعجاز احمدی** خاص حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے مقابلہ پر تصنیف کرنے والوں کے لئے رقم خطیر انعام بھی مقرر کی گئی مگر کوئی ان کی مثل نہ بنا سکا۔ معترض پٹیالوی نے ان دو کا ہی ذکر کیا ہے۔ ہم بھی انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اعجاز المسیح

یہ وہ معرکۃ الآراء اور عظیم الشان تصنیف ہے جو رہتی دنیا تک احمدیت کی صداقت کا درخشندہ ثبوت ہے۔ پیر مہر علیشاہ صاحب آف گولڑہ ضلع راولپنڈی نے ایک کتاب بنام "شمس الہدایہ" شائع کی اور اس میں فہم قرآن کا دعویٰ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ رجولائی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار اس کے جواب میں شائع کیا اور مہر علی شاہ صاحب کو دعوتِ مقابلہ دیتے ہوئے لکھا:۔

"مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لئے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح سے مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورۃ (اگر چالیس آیات سے زیادہ نہ ہو) لیکر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اوّل یہ دعا کریں کہ

یا الٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح و بلیغ عربی میں عین اسی جلسہ میں لکھنے کے لیئے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کر اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اس سے یہ توفیق چھین لے۔ اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے تا لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں ..... جب فریقین لکھ چکیں تو دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہلِ علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سُنائی جائیں گی۔ اور ان ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کونسی تفسیر اور عبارت تائیدِ رُوح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلے میں داخل ہو اور نہ مہر علی شاہ کا مُرید ہو..... اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر شاہ کے ساتھ ہے۔ اور اس صورت میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلا دُوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردُود سمجھ لُوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبتِ شہادت بیس گواہان کے اِس وقت لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدا نے اِس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب

کی زبان بند ہوگئی۔ نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہوسکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورتِ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے یا یہ کہ اِس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کرکے مجھ سے بیعت کریں۔" (اشتہار ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء)

اِس جلالی اور پُرشوکت اعلان سے گولڑوی پر اوس پڑ گئی۔ گولڑوی صاحب نے فرار کے لئے ایک حیلہ تراشا جو عند العقلاء "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق تھا۔ آپ اپنے جوابی اشتہار میں لکھتے ہیں :-

"میں امید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بسلک شرائط مجوزہ کے منسلک فرما دیں گے وہ یہ ہے کہ پہلے مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضار جلسہ اپنے دعویٰ کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیگا بجواب اس کے نیازمند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرما دیں گے۔ مجھ کو شہادت و رائے تینوں علماء کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی و مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذرؔ نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بپایۂ ثبوت نہیں پہنچا سکے مرزا صاحب کو بیعتِ توبہ کرنی ہوگی۔ بعد اس کے عقائد محدودہ مرزا صاحب ہیں جن میں جناب ساری اُمّتِ مرحومہ سے منفرد ہیں بحث تقریری و اظہار رائے ہوکر مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جاوے گی"

حضرات! اسی کا نام ہے "سوال گندم جواب چنا"۔ لیکن اسی پر کیا بس ہے آپ کے ایک مرید مولوی غازی صاحب نے اسی اشتہار کے ساتھ بطور ضمیمہ جو اشتہار شائع کیا اس میں صاف لکھ دیا :-

"قبل از بحث تحریری مذکورہ مجوزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعویٰ مسیحیت و مہدویت وغیرہ عقائد مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے

ؔ آپ کو بھلا ان کی رائے سے کیوں عذر ہونے لگا جبکہ وہ پہلے ہی مدعی مسیحیت کے کفر پر مہریں لگا چکے ہیں خوب۔
وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ہے ✦ اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر
(ابو العطاء)

قریب ہیں ۔ اور ان کے الہامی کتب میں درج ہیں۔ بپابندی امور ذیل ہو جائے۔ الخ"

(اشتہار ۲۰ ؍جولائی سنہ ۱۹۰۰ء)

سچ ہے کہ پیراں نے پرانند و مریداں مے پرانند۔ ہم تو پیر صاحب کی حیلہ جوئی پر ہی انگشت بدنداں تھے کہ آپ نے ۱۳۰ مسائل پر تقریری مباحثہ قبل مقابلہ تفسیر نویسی ضروری قرار دیا۔ تا کسی طرح پیر صاحب کی پردہ دری نہ ہو۔ خوب! "بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ"

ناظرین کرام! پیر صاحب کی مندرجہ بالا شرط کس راز پر مشتمل ہے؟ سن لیجئے۔

اوّل تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سے چار سال قبل اپنی مشہور کتاب انجام آتھم میں تحریر فرما چکے ہیں:۔

" ازمعنا ان لا نخاطب العلماء بعد ھٰذہ التوضیحات ولو سبّونا کما اردوا من قبل من نعادات وما غلظنا علیھم الّا لتنبیھات وانّما الاعمال بالنّیات فالاٰن نودعھم بدموع جاریۃ من الحسرات وعیونٍ غریقۃ فی سیل العبرات وھٰذہ منا خاتمۃ المخاطبات " (ص۲۸۲)

یعنی میں اب علماء سے اپنی صداقت اور اختلافی مسائل پر تقریری مباحثات نہیں کرونگا میں ان پر حجت تمام کر چکا ہوں"۔ مولوی گولڑوی صاحب کو یہ کتاب (انجام آتھم) بذریعہ رجسٹری بھیجی جا چکی تھی۔ اسلئے انہوں نے مقابلہ تفسیر نویسی سے اس طریق پر گریز کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت اقدسؑ اپنے اس واضح اقرار کے بعد ان سے اختلافی مسائل پر تقریری بحث نہ کریں گے اور پیر صاحب اپنے مریدوں میں فتح کے شادیانے بجائیں گے۔ اُف! کس طرح سے مذہب کے نام پر دیانتداری کا خون کیا گیا؟

دوم۔ پیر صاحب نے وفات مسیح، صداقت مسیح موعود علیہ السلام وغیرہ کے لئے بٹالوی اور اس کے مکذب رفقاء کو ثالث قرار دیا گویا ان کے فیصلہ پر ہی حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ضروری ہوگا کہ پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت توبہ کر کے مرید بن جائیں اور پھر اجازت

مقابلہ تحریری کی دی جائے گی !! اگر یہی طریق گفتگو تھا تو بٹالوی اور سینکڑوں مولوی تو حضرت اقدس پر فتویٰ کفر پہلے ہی لگا چکے تھے۔ نیز بیعت کے بعد مقابلہ تحریری کی اجازت کس قدر مضحکہ خیز اور راقم اشتہار کی صریح مغالطہ دہی ہے۔ بھلا مُرید اور پھر اپنے پیر سے تفسیر نویسی میں مقابلہ ؟ پیر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے یہ چالیں محض پردہ داری کے لئے کیں مگر عریانی ان سے اور بھی نمایاں ہو گئی۔ مذہب کا دعویٰ اور یہ طریق عمل ؟ ع

تفو بر تو اے چرخِ گردُوں تفو

ان حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کا مناظرہ متعذر نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں کو اگر حق طلبی مطلوب ہوتی تو اس قسم کی دُور از کار گفتگو شروع نہ کرتے لیکن پھر بھی گولڑوی صاحب کے شیشۂ غرور کو چکنا چُور کرنے کے لئے دو سامان پیدا ہو گئے۔

اوّل جناب مولوی محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے ۴ راگست ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں علاوہ ان باتوں کے ابطال کے جو گولڑوی صاحب کے حامیوں کی طرف سے پیش کی گئی تھیں مباحثہ کے لئے بھی منظوری کا اعلان کیا گیا۔ اس پر جناب گولڑوی ایسے خاموش ہو گئے ع گوئی کہ مُردندہ اند۔

دوم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور اتمام حجت ایک اشتہار مؤرخہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۰۰ء شائع فرمایا جس میں مرقوم تھا:۔

"چونکہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس الہام سے مشرف فرمایا ہے الرّحمٰن علّم القراٰن کہ خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اسلئے میرے صدق یا کذب کے پرکھنے کے لئے یہ نشان کافی ہوگا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب میرے مقابل پر کسی سورۃ قرآن شریف کی عربی فصیح بلیغ میں تفسیر لکھیں۔ اگر وہ فائق اور غالب رہے تو پھر ان کی بزرگی ماننے میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہوگا۔ پس میں نے اس امر کو قرار دے کر ان کی دعوت میں اشتہار شائع کیا جس میں سراسر نیک نیتی سے کام لیا گیا تھا لیکن اس کے جواب میں جس چال کو انہوں نے اختیار کیا ہے اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ ان کو قرآن شریف سے کچھ بھی مناسبت نہیں اور نہ علم

میں کچھ دخل ہے۔ یعنی انہوں نے صاف گریز کی راہ اختیار کی اور جیسا کہ عام چالبازوں کا دستور ہوتا ہے یہ اشتہار شائع کیا کہ اوّل مجھ سے حدیث اور قرآن سے اپنے عقائد میں فیصلہ کرلیں۔ پھر اگر مولوی محمد حسین اور ان کے دوسرے دو رفیق کہدیں کہ مہر علی شاہ صاحب کے عقاید صحیح ہیں، تو بلا توقف اسی وقت میری بیعت کرلیں۔ پھر بیعت کے بعد عربی تفسیر لکھنے کی بھی اجازت دی جائے گی۔
مجھے اس جواب کو پڑھ کر بلا اختیار ان کی حالت پر رونا آیا اور ان کی حق طلبی کی نسبت جو امیدیں تھیں سب خاک میں مل گئیں الخ۔"

پیر صاحب کی اس بہانہ سازی پر اور ان کے مریدوں کی روزمرہ کی گالیوں کے تذکرہ کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک نئی تجویز بغرض فیصلہ بایں الفاظ پیش فرمائی ہے:۔

"میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ میں اسی جگہ بجائے خود سورۂ فاتحہ کی عربی فصیح تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورۂ ممدوحہ کے بھی بیان کروں اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں اور جس طرح چاہیں سورۂ فاتحہ سے استنباط کرکے میرے مخالف عربی فصیح بلیغ میں براہین قاطعہ اور معارف ساطعہ تحریر فرماویں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر شائع ہو جانی چاہیئے۔ تب اہل علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کرلیں گے۔ اور اگر اہل علم میں سے تین کس جو ادیب اور اہل زبان ہوں اور فریقین سے کچھ تعلق نہ رکھتے ہوں قسم کھا کر کہہ دیں کہ پیر صاحب کی کتاب کیا بلاغت اور فصاحت کے رُو سے، اور کیا معارف قرآنی کے رُو سے، فائق ہے تو میں عہد صحیح شرعی کرتا ہوں کہ پانسو روپیہ نقد بلا توقف پیر صاحب کی نذر کروں گا ...... پیر صاحب دلگیر نہ ہوں ہم انکو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لیئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسن بھیں وغیرہ کو بلالیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر

دو چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں۔ فریقین کی تفسیر چار جزو سے کم نہیں
ہونی چاہیئے اور اگر میعاد مجوّزہ تک یعنی ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء سے
۲۵ر فروری ۱۹۰۱ء تک جو ستّر دن ہیں فریقین میں سے کوئی
فریق تفسیر فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے اور یہ دن گزر جائیں تو
وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کے کاذب ہونے کے لئے کسی
اور دلیل کی حاجت نہیں رہے گی۔" (اشتہار بعنوان پیر مہر علی شاہ
صاحب گولڑوی مطبوعہ انوار احمدی لاہور مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

اس چیلنج اور متحدیانہ دعوٰی پر جو صادق اور کاذب کے لئے بطور معیار تھا اور جس میں
پیر صاحب کی غیرت کو پُرزور اپیل کی گئی تھی پیر صاحب گولڑوی جز بز تو بہت ہوئے
اُن کے مریدوں نے گالیوں کے سلسلہ کو بھی تیز کر دیا مگر ستّر دن گزر گئے اور وہ سورۃ
فاتحہ کی عربی تفسیر شائع نہ کر سکے۔ اور کس طرح کر سکتے تھے جبکہ آسمان پر فیصلہ ہو چکا تھا مَنَعَہٗ
مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ۔ کیا دنیا کا ایک بھی متنفس انسان اس امر کی تردید کر سکتا ہے کہ پیر
گولڑوی اور اس کے رفیق اس مقابلہ میں صریح شکست کھا گئے اور وہ غلط سلط بھی کچھ
نہ لکھ سکے ؟ یہ "صَرَفَہُمْ" ایک کھلا معجزہ ہے۔ اِدھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نے ان دنوں میں باوجود عوارضِ مختلفہ محض تائیدِ ربّانی سے ایک ضخیم کتاب ساڑھے بارہ
جزو فصیح عربی میں بطور تفسیر سورۃ فاتحہ شائع فرمائی اور اس کے سرورق پر بخطِ جلی رقم فرمایا۔

"فَاِنَّہٗ کِتَابٌ لَیْسَ لَہٗ جَوَابٌ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ
فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ۔"

ترجمہ: یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ جو شخص جواب کے لئے کھڑا
ہو گا اور تیاری کرے گا وہ دیکھے گا کہ کس طرح نادم اور شرمندہ ہوتا ہے۔"

پس "اعجاز المسیح" کیا ہے ؟ خدا تعالیٰ کی تائید کا کھلا
نشان، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی پر برہانِ قاطع، اور
معاندین کے لئے مسکت اور درخشندہ معجزہ جو تا قیامت پوری آب و تاب

سے قائم رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؎

صادقاں را نورِ حق تابد مدام
کاذباں مُردند و شد ترکی تمام

اعجاز المسیح اور پٹیالوی معترض

منشی محمد یعقوب صاحب لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو لکھا تھا کہ میرے دعوے کو تسلیم کرو یا مجھ سے مناظرہ کرلو اور خود ہی صورت مناظرہ یہ تجویز کی تھی کہ لاہور میں ایک عام جلسہ کے اندر قرآن شریف کی منتخبہ ۴۰ آیات کی تفسیر مرزا صاحب اور پیر صاحب دونوں کریں جس کا فیصلہ تین عالموں سے کرایا جائے جو پہلے سے حَکَم مقرر کر دیئے جائیں گے۔ جس کی تفسیر کو اچھا کہا جائے گا وہی حق پر سمجھا جائے گا۔" (عشرہ صفحہ ۶۹)

ناظرین! اس تجویز کا جو حشر ہوا وہ آپ فریقین کی مشتہرہ عبارتوں میں اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس ضمن میں معترض پٹیالوی نے چند غلط بیانیاں کی ہیں ان کا نمبروار جواب درج ذیل ہے:۔

(۱) **قولہ**:۔ "پیر صاحب نے اس مناظرہ کو منظور کر لیا اور ۲۵ راگست تاریخ مقرر ہوئی۔" (عشرہ صفحہ ۶۶)

اقول:۔ بالکل غلط۔ پیر صاحب نے ہرگز صورتِ مجوزہ کو منظور نہیں کیا بلکہ ایک عذرِ لنگ کے ذریعہ سے رُوگردانی کی جیسا کہ خود ان کے اشتہار کی عبارت اُوپر ذکر ہو چکی ہے پس یہ معترض پٹیالوی کا صریح جھوٹ ہے۔

(۲) **قولہ**:۔ "۲۴ راگست کو پیر صاحب لاہور پہنچ گئے۔ اور ۲۹ راگست تک وہاں رہے مگر مرزا صاحب نے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔" (عشرہ صفحہ ۶۷)

اقول:۔ جب پیر صاحب نے مناظرہ کی صورت کو ہی منظور نہ کیا تھا تو لاہور آنے کا کیا ذکر ہے؟ پیر صاحب تو اپنے مریدوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے آئے تھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اُس وقت بھی اپنے اشتہار بعنوان "پیر مہر علی شاہ صاحب کے توجہ دلانے کے لئے آخری حیلہ" میں مؤرخہ ۲۸ راگست سن ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا کہ :-

"اگر پیر صاحب نے اپنی نیت کو درست کر لیا ہے اور سیدھے طور پر بغیر زیادہ کرنے کسی شرط کے وہ میرے مقابل پر عربی میں تفسیر لکھنے کے لئے طیار ہو گئے ہیں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بہرحال اِس مقابلے کے لئے جو محض بالمقابل عربی تفسیر لکھنے میں ہوگا لاہور میں اپنے تئیں پہنچاؤں گا۔"

مگر پیر صاحب نے نہ اس کے لئے راضی ہونا تھا اور نہ راضی ہوئے۔ لاہور میں جماعت احمدیہ کے ممبران نے پے در پے متعدد اشتہار نکالے، پیر صاحب کو رجسٹری شدہ خطوط لکھے، غیر احمدی معززین کو بھیجا مگر پیر صاحب کو سانپ سونگھ گیا۔ آپ نے ہرگز بالمقابل تفسیر نویسی کے لئے ہاں نہ کی اور کیسے کرتے؟ سامنے ہلاکت اور موت نظر آتی تھی۔ انجمن فرقانیہ لاہور نے ماہِ نومبر ۱۹۰۰ء میں تمام اشتہارات اور پیر صاحب کی آمد لاہور کے مفصل حالات ایک رسالہ بنام "واقعاتِ صحیحہ" مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ذریعہ شائع کر دیئے ہیں مَن شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

(۳) قولہٗ :- لاہور میں علماء نے قرار دیا کہ :-

"اِس قسم کے اشتہاروں سے مرزا کو سوائے اپنی شہرت اور علماء کو تنگ کرنے کے اَور کچھ مقصود نہیں اسلیئے آئندہ کوئی ذی علم ان سے خطاب نہ کرے۔" (عشرہ صفحہ ۲)

اقول :- اوّل تو ہمیں اس روایت میں شائبۂ صداقت نظر نہیں آتا۔ دوم ہم اس کو واقعات کے خلاف پاتے ہیں۔ غیر احمدی لوگوں کے "ذی علم" ہمیشہ حضرتؑ سے تحریراً مخاطب ہوتے رہے ہیں۔ کیا مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہ "ذی علم" نہ تھے یا معترض پٹیالوی نے اِس تحریر کے ذریعہ اپنی اکاذیب میں اضافہ کیا ہے؟ ہم تو جو بات دوسرے پہلو کو

زیادہ درست سمجھتے ہیں۔

(۴) **قولہٗ**:۔ "اس شرمندگی اور بدنامی کو مٹانے کے لیئے مرزا صاحب نے پیر صاحب کو لکھا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر چار جزو ستّر دن میں مَیں بھی لکھتا ہوں تم بھی لکھو۔ مگر پیر صاحب بوجہ اقرار جلسہ مذکور مخاطب نہیں ہوئے مرزا صاحب نے خود ہی تفسیر لکھ کر ان کے پاس بھیج دی۔" (عشرہ ص۱۱۷)

اقول:۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ فرار کی راہ پیر صاحب اختیار کریں اور منشی صاحب "شرمندگی اور بدنامی" کو حضرت سے منسوب کرتے ہیں۔ سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ بہرحال اس عبارت میں امورِ ذیل کو پٹیالوی صاحب نے تسلیم کرلیا ہے (الف) مرزا صاحب نے پیر گولڑوی کو سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کیلئے دعوتِ مقابلہ دی (ب) یہ دعوت تحریری تھی (ج) اس مقابلہ کے لئے ستّر دن کی میعاد فریقین کے لیئے مقرر کی تھی (ہم اس تحریری دعوتِ انعامی پانسو روپیہ کو اُوپر درج کرچکے ہیں۔ مؤلف)۔ (د) پیر صاحب نے ستّر دن میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع نہ کی (ذ) حضرت مرزا صاحب نے ٹھیک میعاد کے اندر تفسیر لکھ کر پیر صاحب کے پاس بھیجدی۔

اِن امورِ خمسہ کی تسلیم کے بعد بھی انکار کرنا دیانتداری کے منافی ہے ؎

جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہ حیا یہی ہے

پیر صاحب کے میدانِ مقابلہ میں نہ آنے کی ایک نہایت لچر اور سراسر دروغ وجہ معترض پٹیالوی نے بایں الفاظ درج کی ہے :۔

"پیر صاحب بوجہ اقرار جلسہ مذکور مخاطب نہیں ہوئے۔"

حالانکہ اوّل تو جلسہ کی فرضی قرارداد کا مفاد مباحثہ سے اعراض کرنا تھا وبس۔ دوّم پیر صاحب کو کس نے کہا تھا کہ وہ حضرت مرزا صاحب سے مخاطب ہوں۔ ان کو تو پیرایۂ عام میں بغیر مرزا صاحبؑ سے مخاطب ہوئے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی لہٰذا یہ عذر باطل ہے۔ سوّم ممکن ہے کہ منشی صاحب اس غلط بیانی سے کسی کو

ورغلا سکتے مگر خدا تعالیٰ نے ان کی ذلّت کے لئے ان کے گھر میں سامان رکھ دیئے ہیں۔
چنانچہ "اعجاز المسیح" کی اشاعت کے ایک عرصہ بعد خود پیر صاحب نے
اعجاز المسیح کے ردّ میں بزبان اُردو ایک رسالہ موسومہ "سیف چشتیائی"
(جون ۱۹۰۲ء میں) شائع کیا جو آج تک موجود ہے۔ اور اسکے شروع میں لکھا ہے:۔

"شمس الہدایہ کے جواب میں مرزا قادیانی کے امروہی مُرید نے شمس بازغہ لکھا اور مرزا نے تفسیر فاتحہ چھپوائی تو دوبارہ اہلِ اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرسائی کروں۔ گو بہت کچھ انکار کیا گیا اور کہا گیا ؎

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی ؛ آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر یہی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے۔ عوام مسلمانانِ ہند و پنجاب کے فائدے کے لئے ہی سہی۔ لہذا مجبوراً یہ چند اوراق لکھ کر مولوی غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دئے۔"

(ٹائٹل صہ۲)

کیا پیر صاحب حضرت مرزا صاحبؑ سے مخاطب ہوئے یا نہیں؟ پھر سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے لئے یہ عذر کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ تفسیر نویسی میں مقابلہ سے طاقتِ بالا نے ان کو روک دیا تھا۔ "مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ"

الغرض معترض پٹیالوی کا یہ عذر بھی محض سراب ہے، جھوٹ ہے، بلکہ حقیقت ہے خود پیر صاحب کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اے پٹیالوی معترض اور اس کے دیوبندی ہمنواؤ! سنو اور گوشِ ہوش سے سنو کہ سچ ہی غالب رہتا ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ تمہارے باطل عذرات آسمانی صداقت کو کب تک چھپائیں گے۔ آفتاب تمہارے سروں پر چمک رہا ہے مگر افسوس تم خوابِ غفلت میں مخمور ہو۔ اٹھو اور اس نور سے حصہ لو۔ چشمۂ شیریں سے سیراب ہو۔ یاد رکھو موت قریب ہے، خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے، کس نے تم کو باطل سے پیار اور راستی سے دشمنی کرنا سکھایا؟ نسلِ آدم ہو کر سچائی کو پاؤں تلے

مت روندو۔ خوب سمجھ لو کہ تمہاری تلبیسانہ حرکات اس مضبوط چٹان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ تم خود ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے مگر وہ برابر قائم رہے گی۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

برسبیلِ تذکرہ اس جگہ یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ پیر گولڑوی نے "سیفِ چشتیائی" کی اشاعت سے جہاں بٹیالوی صاحب کی دروغ بافی کو تار تار کر دیا وہاں اپنی ذلّت و رسوائی میں بھی کافی اضافہ کر لیا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جب مولوی محمد حسن فیضی بھیں نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور ابھی کتاب کے حواشی پر کچھ نوٹ لکھنے پایا تھا کہ حضرت اقدسؑ کے الہام "من قام للجواب وتنمّر فسوف یریٰ انّہ تندّم وتذمّر" کے مطابق اچانک اُسے ملک الموت نے آدبایا۔ اس کی موت کو غنیمت سمجھ کر گولڑوی صاحب نے اصل کتاب بمعہ نوٹوں کے منگوائی اور اپنے نام پر "سیفِ چشتیائی" میں وہ نوٹ بتمامہا شائع کر دیئے۔ وہ خدا جس نے حضرتؑ کو فرمایا تھا "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ" اپنے وعدوں کا سچا ہے۔ چنانچہ چند دن نہ گزرے کہ اس راز کا افشاء ہو گیا اور بالآخر گولڑوی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس واقعہ کو بالتفصیل اپنی کتاب "نزول المسیح" میں درج فرمایا ہے۔ ہم اختصار کی خاطر صرف گولڑوی کا خط اور مولوی کرم الدین آف بھیں (جو سلسلہ احمدیہ کا تا حال مخالف ہے[1]) کے خط کا اقتباس درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان خطوط کی کوئی تردید نہیں ہوئی اور ممکن ہی نہ تھی۔ کیونکہ مولوی کرم الدین نے گولڑوی کا اصل خط حضرتؑ کو بھیجا دیا تھا۔ نیز مورخہ ۲۵ر نومبر ۱۹۲۹ء کو مباحثہ پٹھانکوٹ میں عاجز راقم نے مولوی کرم الدین کے خطوط مندرجہ نزول المسیح کے حوالجات اس کے سامنے رکھے جن کو اس نے صحیح تسلیم کیا۔ ہاں یہ کہا کہ اس وقت میرے اَور خیالات تھے۔ بہرحال وہ خطوط یہ ہیں:۔

پیر مہر علی شاہ کا خط (کارڈ)

"محبی و مخلصی مولوی کرم الدین صاحب سلامت باشند۔ وعلیکم السلام و

---

[1] طبع ثانی کے وقت (عبرتناک مصیبت کے بعد) فوت ہو چکا ہے۔ (ابو العطاء)

رحمۃ اللہ۔ امّا بعد ایک نسخہ بذریعہ ڈاک یا کسے آدمی معتبر فرستادہ خواہد شد۔ آپ کو واضح ہو کہ اِس کتاب (سیفِ چشتیائی) میں تردید متعلق تفسیر فاتحہ (یعنی اعجاز المسیح) جو فیضی صاحب مرحوم و مغفور کی ہے باجازت[1] ان کے مندرج ہے۔ چنانچہ فیما بین تحریراً و نیز مشافہۃً جہلم میں قرار پا چکا تھا۔ بلکہ فیضی صاحب مرحوم کی درخواست پر میں نے تحریر جواب شمسِ بازغہ پر مضامین ضروریہ لاہور میں اُن کے پاس بھیج دیئے تھے اور ان کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے نام پر طبع کرا دیویں۔ افسوس کہ حیات نے وفا نہ کی اور نہ وہ میرے مضامین مُرسلہ لاہور میں مجھے ملے۔ آخرالامر مجھ کو ہی یہ کام کرنا پڑا لہٰذا آپ سے ان کی کتابیں مستعملہ منگوا کر تفسیر کی تردید مندرجہ حسب اجازت سابقہ بتغییرٍ ما کی گئی۔ آئندہ شاید آپ کو یا مولوی غلام محمد صاحب کو تکلیف اُٹھانی ہو گی۔" والسلام

مولوی کرم الدین کے طویل خط کا اقتباس بنام حضرت مسیح موعودؑ

"مکرمنا حضرت اقدس مرزا صاحب جی مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کل میرے عزیز دوست میاں شہاب الدین طالب علم کے ذریعہ سے مجھے ایک خط رجسٹری شدہ جناب مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے ملا جس میں پیر صاحب گولڑی کی "سیفِ چشتیائی" کی نسبت ذکر تھا۔ میاں شہاب الدین کو خاکسار نے بھی اِس امر کی اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب کی کتاب میں اکثر حصہ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کے ان نوٹوں کا ہے جو مرحوم نے کتاب اعجاز المسیح اور شمسِ بازغہ کے حواشی پر اپنے خیالات لکھے تھے وہ دونوں کتابیں پیر صاحب نے مجھ سے منگوائی تھیں اور اب واپس آگئی ہیں۔ مقابلہ کرنے سے وہ نوٹ باصلہٖ درج کتاب پائے گئے۔ یہ ایک

---

[1] یہ تو عذر بدتر از گناہ والی بات ہے ورنہ اس اجازت کا کتاب میں ذکر ہونا چاہیئے تھا (ابو العطاء)

نہایت سارقانہ کارروائی ہے کہ ایک فوت شدہ شخص کے خیالات لکھ کر اپنی طرف منسوب کر لیئے اور اس کا نام تک نہ لیا ..... پیر صاحب کا ایک کارڈ جو مجھے پرسوں ہی پہنچا ہے باصلہا جناب کے ملاحظہ کے لیئے روانہ کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولوی محمد حسن کے نوٹ انہوں نے چُرا کر سیفِ چشتیائی کی رونق بڑھائی ہے لیکن ان سب باتوں کو میری طرف سے ظاہر فرمایا جانا خلافِ مصلحت ہے۔ ہاں اگر میاں شہاب الدین کا نام ظاہر بھی کر دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہ ہو گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ پیر صاحب کی جماعت مجھ پر سخت ناراض ہو ...... میاں شہاب الدین کی طرف سے بعد سلام علیکم مضمون واحد ہے۔ والسلام

خاکسار محمد کرم الدین عفی عنہ از بھیں تحصیل چکوال

مورخہ ۲۱ر جولائی ۱۹۰۲ء" (نزول المسیح ص۷۷-۷۹)

ناظرین کرام! ظاہر ہے کہ "سیف چشتیائی" پیر صاحب کی تفسیر نویسی سے سے عاجزی کے دھبّہ کو دھو نہیں سکی۔ بلکہ صورتِ موجودہ میں "سیف چشتیائی" جو ایک عامیانہ کتاب ہے ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ سچ ہے ؎

مر گیا بدبخت اپنے وار سے ÷ کٹ گیا سر اپنی ہی تلوار سے
کھل گئی ساری حقیقت سیف کی ÷ کم کرو اب ناز اس مُردار سے

(نزول المسیح)

(۵) قولہٗ:- "لطف یہ کہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۱ء کو تفسیر پیر صاحب کے نام رجسٹری کرائی گئی اور اسی دن (غلط - ۲۵ر فروری کو - ناقل) ستّر دن کی میعاد بھی ختم ہو گئی کتنی زبردست چالاکی ہے جو خاص دکانداروں کا خاصہ ہے۔" (عشرہ ص۹)

اقول:- اس قدر بلادت؟ اتنی غباوت۔ یا پھر اتنی شرارت؟ کیا ان لوگوں کو

ۤ لا یکون المؤمن جباناً۔ حضرتؑ نے نام ظاہر فرما دیا اسلیئے مولوی کرم الدین بگڑ بیٹھے اور مقدمات تک نوبت پہنچی۔ بالآخر خود حضرت مسیح موعودؑ کا نشان بن گئے۔ ملاحظہ ہو مواہب الرحمٰن ص۱۲۹ (ابو العطاء)

خدا کا خوف نہیں رہا۔ جبکہ تم خود تسلیم کر چکے ہو کہ:۔

"مرزا صاحب نے پیر صاحب کو لکھا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر
چار جزو ستر دن میں مَیں بھی لکھتا ہوں تم بھی لکھو" (عشرہ ص۶)

تو پھر شکوہ کیسا؟ فریقین کو ستر دن کی مہلت دی گئی جو ۱۵ ردسمبر سنہ ۱۹۰۰ء سے ۲۵ رفروری سنہ ۱۹۰۱ء تک تھی۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے میعاد کے اندر ۲۳ رفروری سنہ ۱۹۰۱ء کو تفسیر عربی سورۂ فاتحہ ساڑھے بارہ جزو پر مشتمل پیر صاحب کے نام رجسٹری کرادی۔ اس میں "دکانداری" کیسی ہے؟ پیر صاحب نے الگ مستقل تفسیر ستر دن میں لکھنی تھی حضرت اقدسؑ نے الگ۔ پیر صاحب نہ لکھ سکے اور حضرت اقدسؑ نے طبع کرا کر میعاد مقررہ میں ان کو بھیج دی۔ فظھر الحق وبطل ما کانوا یأفکون۔

ناظرین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ معترض پٹیالوی کس قدر دھوکا دے رہا ہے۔ گویا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ پیر صاحب بڑے مظلوم ہیں ان کو لکھنے کا موقع ہی نہ دیا گیا اور یونہی ان کے عجز کا اور اپنے اعجاز کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ فریقین کے لئے ستر دن کی یکساں میعاد تھی کسی نے مصنف عشرہ کے حق میں خوب کہا ہے

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بدادا نہ دے

(۶) قولہ:۔ "الحکم کی یہ تحریر حقیقۃ الوحی کی محولہ بالا تحریر سے بہت پہلے کی ہے لیکن دونوں میں بھاری اختلاف ہے۔" (عشرہ ص۶۶)

اقول:۔ ہم پہلے حقیقۃ الوحی اور الحکم کی وہ عبارتیں درج کرتے ہیں جو معترض پٹیالوی نے اپنی کتاب کے ص۶۵ پر درج کی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حقیقۃ الوحی کی عبارت	ایڈیٹر صاحب الحکم کی تحریر
"رسالہ اعجاز المسیح جب فصیح عربی میں مَیں نے لکھا تو خدا تعالیٰ سے الہام پاکر مَیں نے یہ اعلان شائع کیا کہ اس رسالہ کی نظیر اس	"ناظرین کو اس کی حالت اور کوائف پر پوری اطلاع پانے کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ اعجاز المسیح جو حضرت حجۃ اللہ

فصاحت وبلاغت کے ساتھ کوئی مولوی
پیش نہیں کر سکے گا تب ایک شخص پیر مہر علی نام
ساکن گولڑہ نے یہ لاف وگزاف مشہور
کی کہ گویا وہ ایسا ہی رسالہ لکھ کر دکھلائیگا۔
اس وقت خدا کی طرف سے مجھے یہ الہام
ہُوا مَنَعَہٗ مانعٌ من السماء یعنی ایک
مانع نے آسمان سے اس کو نظیر پیش کرنے
سے منع کر دیا۔ تب وہ ایسا ساکت اور
لاجواب ہو گیا کہ اگرچہ عوام الناس کی طرح
اُردو میں بکواس کرتا رہا مگر عربی رسالہ کی
نظیر آج تک نہ لکھ سکا۔"

(ص۳۷۹ حقیقۃ الوحی)

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عربی تصنیف
ہے جو ستّر دن کے اندر باوجودیکہ چار جزو کا
وعدہ تھا ساڑھے بارہ جزو پر شائع ہو گئی اور
۲۲ر فروری سنہ۱۹۰۱ء کو پیر گولڑوی کو بصیغہ
رجسٹری بھیجی گئی اور بالمقابل پیر صاحب کی
طرف سے ستّر دن کے اندر چار جزو اور
ساڑھے بارہ جزو تو کجا ایک آدھ صفحہ بھی
اعجازی عربی تفسیر کا شائع نہیں ہُوا اور اس
طرح پر الہام مَنَعَہٗ مانعٌ من السماء
پورا ہو گیا۔ پیر گولڑوی کی علمیت، عربی دانی،
اور قرآن دانی کا راز طشت ازبام ہو گیا۔"

(الحکم ۱۷ر جنوری سنہ۱۹۰۲ء)

حضرات قارئین! ہر دو اقتباس آپ کے سامنے ہیں۔ اِن میں کونسا "بھاری اختلاف" ہے
جس پر معترض پٹیالوی اِس قدر اِترا رہا ہے۔ اس کا پیش کردہ "بھاری اختلاف" پڑھ کر
بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

آپ نے لکھا ہے:۔

"الف۔ الحکم کہتا ہے کہ اِس رسالہ کا مخاطب پیر گولڑوی تھا۔ مرزا صاحب کہتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر میں نے شائع کر دیا تھا کہ کوئی مولوی اسکی نظیر
پیش نہیں کر سکے گا۔ یہ کوئی مولوی والی شرط کہاں سے حقیقۃ الوحی میں آگئی۔"

الجواب۔ بے شک تفسیر نویسی کے مقابلہ میں اصل مخاطب پیر گولڑوی صاحب تھے۔

اسلیئے اَلحکم کا لکھنا بھی درست ہے۔ مگر پیر صاحب کے علاوہ ان کے حامی تمام علماء کو بھی دعوت دی گئی تھی اسلیئے حقیقۃ الوحی میں "کوئی مولوی" کی شرط بھی ٹھیک ہے۔ پہلا بیان مخاطب اوّلاً و بالذّات سے متعلق ہے اور دوسری تحریر میں مخاطبین ثانیاً و بالتبع کا ذکر ہے حضرت اقدسؑ نے ۵ار دسمبر سن ۱۹۰۰ء کے اشتہار میں صاف لکھا تھا:۔

(۱) "پیر صاحب دستگیر نہ ہوں ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لیئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی محمد حسن بھیں وغیرہ کو بلالیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دے کر دو چار عرب کے ادیب بھی بلالیں۔"

(۲) "ان (پیر صاحب) کی حمایت کرنے والے اگر ایمان سے حمایت کرتے ہیں تو اب ان پر زور دیں ورنہ ہماری یہ دعوت آئندہ نسلوں کے لیئے بھی ایک چمکتا ہوا ثبوت ہماری طرف سے ہوگا کہ اس قدر ہم نے اس مقابلہ کے لیئے کوشش کی۔ پانسو روپیہ انعام دینا بھی کیا لیکن پیر صاحب اور ان کے حامیوں نے اس طرف رُخ نہ کیا۔"

پس اوّل تو اس لحاظ سے بھی "کوئی مولوی" کی شرط بالکل درست ہے لیکن اس جگہ تو معاملہ بہت ہی واضح ہے کیونکہ حضرت اقدسؑ نے جب اعجاز المسیح تحریر فرمائی تو اسی اثناء میں آپ کو الہام ہوا کہ جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھنے کے لیئے کھڑا ہوگا سخت نادم ہوگا۔ اور آپ نے اس الہام کو اعجاز المسیح کے سرورق پر شائع فرمایا۔ فرض کر لو کہ بالمقابل تفسیر نویسی کے لیئے ستّر دن کی میعاد والی صورت محض پیر گولڑوی صاحب سے مخصوص تھی۔ لیکن اعجاز المسیح کے طبع ہو جانے کے بعد جواب کے لیئے صدائے عام تھی جس میں سب لوگ مخاطب آگئے۔ ایک مولوی محمد حسن بھیں اُٹھا مگر جانتے ہو اُس کا کیا حشر ہوا۔ پڑھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"کتاب اعجاز المسیح کے بارے میں یہ الہام ہوا تھا کہ مَن قام للجواب وتنمر فسوف یری انه تندم وتذمر یعنی جو شخص غصہ سے بھر کر

اِس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے تیار ہوگا وہ عنقریب دیکھ لے گا کہ وہ نادم ہوا اور حسرت کے ساتھ اُس کا خاتمہ ہُوا۔ چنانچہ محمد حسن فیضی ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم مدرس مدرسہ نعمانیہ واقعہ شاہی مسجد لاہور نے عوام میں شائع کیا کہ میں اِس کتاب کا جواب لکھتا ہوں۔ اور ایسی لاف مارنے کے بعد جب اُس نے جواب کے لیے نوٹ تیار کرنے شروع کیے اور ہماری کتاب کے اندر بعض صداقتوں پر جو ہم نے لکھی تھیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین لکھا تو جلد ہلاک ہو گیا۔ دیکھو مجھ پر لعنت بھیج کر ایک ہفتہ کے اندر ہی آپ لعنتی موت کے نیچے آگیا۔ کیا یہ نشانِ الٰہی نہیں ؟" (نزول المسیح صفحہ ۱۹۳-۱۹۴)

پس حقیقۃ الوحی میں جس الہام کی اشاعت کا ذکر ہے وہ مَنْ قَامَ لِلْجَوَاب والا ہے۔ اور اس میں تمام علماء کو مخاطب کیا گیا۔ اب خلاصۂ جواب یہ ہے کہ الحکم میں پیر گولڑی صاحب کے بالمقابل تفسیر نویسی ستّر دن والی میعاد کی مجوّزہ صورت میں اس کے مخاطب ہونے کا ذکر ہے اور حقیقۃ الوحی میں بعد طبع کتاب اعجاز المسیح "مَنْ قَامَ لِلْجَوَاب" کی الہامی تحدّی کے ماتحت تمام علماء کے مخاطب کیے جانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا کوئی اختلاف نہیں، محض معترض کی اپنی عقل کا قصور ہے۔

(ب) پھر پٹیالوی صاحب نے لکھا ہے:-

"الحکم کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین میں پہلے سے یہ قرار پایا تھا کہ ستّر دن کے اندر چار چار جزو کی تفسیر فریقین لکھیں۔ حقیقۃ الوحی سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر لکھنے کے بعد مرزا صاحب نے اعلان کیا تب پیر گولڑی تفسیر لکھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔" (عشرہ صفحہ ۶۶)

الجواب۔ دونوں نتیجے صحیح ہیں۔ صرف "تفسیر لکھنے کے لیے" کی جگہ "تفسیر (اعجاز المسیح) کا جواب لکھنے کے لیے" ہے۔ کیونکہ حقیقۃ الوحی میں جو اعلان بے نظیری کتاب اعجاز المسیح مذکور ہے اس کو حضرت خود نزول المسیح میں "مَنْ قَامَ لِلْجَوَاب وَتَنَمَّر فَسَوْفَ یَرَی اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ" کی تحدّی عام کا مترادف قرار دے چکے ہیں اور

حقیقۃ الوحی کے الفاظ بھی اسی کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ وہاں یہ لکھا ہے کہ :-

"تب ایک شخص پیر مہر علی نام ساکن گولڑہ نے یہ لاف وگزاف مشہور کی کہ گویا وہ ایسا ہی رسالہ (اعجاز المسیح کی طرح۔ مؤلف) لکھ کر دکھلائے گا۔"

یعنی پیر صاحب نے حسب تحریر الحکم بالمقابل تفسیر سورۃ فاتحہ عربی ستر دن میں لکھنے سے گریز کیا۔ ہاں جب حضرت اقدسؑ نے میعاد کے اندر اعجاز المسیح شائع فرمائی تو مطابق عبارت حقیقۃ الوحی اس نے اعجاز المسیح کے جواب کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں بھی ایسی کتاب لکھونگا۔ بہر حال الحکم کی تحریر اور حقیقۃ الوحی کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں۔

متذکرہ بالا جواب کی تائید اور توضیح کے لئے ہم ذیل میں نزول المسیح کا ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس کتاب (سیف چشتیائی) کے پہنچنے سے پہلے ہی مجھ کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ اعجاز المسیح کے مقابل پر وہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں مگر مجھ کو یہ امید نہ تھی کہ وہ میری عربی کتاب کا جواب اُردو میں لکھیں گے۔ بلکہ مجھے یہ خیال تھا کہ چونکہ اکثر باسمجھ لوگوں نے پیر صاحب کی اس مکارانہ کارروائی کو پسند نہیں کیا جو انہوں نے لاہور میں کی تھی۔ اسلئے ندامت مذکورہ بالا کا داغ دھونے کے لیئے ضرور انہوں نے یہ ارادہ کیا ہوگا کہ میرے مقابل تفسیر نویسی کے لیئے کچھ طبع آزمائی کریں اور میری کتاب اعجاز المسیح کی مانند سورۃ فاتحہ کی تفسیر عربی فصیح بلیغ میں شائع کر دیں تا لوگ یقین کر لیں کہ پیر جی عربی بھی جانتے ہیں اور تفسیر بھی لکھ سکتے ہیں لیکن افسوس کہ میرا یہ خیال صحیح نہ نکلا۔" (نزول المسیح صفحہ ۵۳)

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد کون عقلمند ہے جو حقیقۃ الوحی اور الحکم کی تحریر میں اختلاف قرار دے؟ ھل فیکم رجل رشید۔

(ج) آخری اور "بھاری اختلاف" معترض نے بایں الفاظ درج کیا ہے :-

"الحکم کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ تفسیر شائع ہونے سے پہلے ہی الہام

منع مانع من السماء ہوچکا تھا جو کتاب کی اشاعت کی تاریخ ۲۳ فروری سنہ ۱۹۰۱ء کو پورا ہو گیا۔ حقیقۃ الوحی کا بیان ہے کہ جب پیر گولڑی نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تب الہام منع مانع من السماء ہوا" (عشرہ ص۶۶)

الجواب۔ درحقیقت الہام "مَنَعَهُ مانعٌ من السّماء" دو مرتبہ ہوا۔ ایک اس وقت جبکہ حضور رسالہ "اعجاز المسیح" رقم فرما رہے تھے۔ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"اِنّی اریت مبشّرة فی لیلة الثلثاء اذ دعوت اللّٰہ ان یجعله معجزة للعلماء ودعوت ان لا یقدر علی مثله احدٌ من الادباء ولا یعطی لهم قدرة علی الانشاء فاجیب دعائی فی تلك اللیلة المبارکة من حضرة الکبریاء وبشّرنی ربّی وقال منعه مانع من السماء ففهمت انّه یشیر الی انّ العدا لا یقدرون علیه ولا یأتون بمثله ولا کصفتیه"

ترجمہ:۔ "میں نے سہ شنبہ کی شب ایک خواب دیکھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ وہ اس رسالہ کو علماء کے لئے معجزہ بنائے۔ نیز یہ بھی کہ کوئی ادیب اس کی مثل پر قادر نہ ہو اور نہ ان کو انشاء پردازی کی قدرت دی جائے۔ چنانچہ اس مبارک رات میں بارگاہِ ایزدی میں میری دعا قبول کی گئی اور میرے رب نے مجھے بشارت دیکر فرمایا کہ ہر ادیب کو آسمان سے روکنے والے نے روک دیا ہے۔ پس میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ اس طرف ہے کہ دشمن اس کی مثل پر قادر نہ ہوں گے اور ہر دو صفات (عربیت و تفسیر) اس کے مقابلہ سے عاجز ہوں گے" (اعجاز المسیح ص۶۶)

اس موقع پر اس الہام کا اشارہ تمام مخالفین کی طرف ہے کہ وہ اس مدّت مقررہ میں سورۃ فاتحہ کی عربی تفسیر نہ لکھ سکے۔ اس الہام نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے حق میں خصوصاً اور عام مخالفین کے حق میں عموماً فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ اس سترؔ دن والے مقابلہ میں عاجز رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا

لہذا الحکم کا میعاد مقررہ گزر جانے اور اس تمام عرصہ میں (جو ۲۰ر فروری ۱۹۰۱ء کو ختم ہوتا ہے) مخالفین کی طرف سے تفسیر سورۂ فاتحہ عربی شائع نہ ہونے پر یہ لکھنا کہ:-

"الہام مَنَعَهٗ مانِعٌ من السماء پورا ہوگیا"

بالکل درست اور بجا تھا۔ یہ وہ الہام تھا جو قبل اشاعتِ اعجاز المسیح ہوا اور اس کتاب کے صفحہ ۶۶ پر درج ہوا۔

پھر دوسری مرتبہ جبکہ پیر گولڑوی نے مشہور کیا کہ وہ اس کتاب یعنی اعجاز المسیح کی مثل یا اس کا جواب شائع کرے گا، خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دوبارہ انہی الفاظ میں الہام فرمایا اور اطلاع دی:-

مَنَعَهٗ مانِعٌ من السماء

کہ وہ اعجاز المسیح کی مثل یا اس کا جواب واقعی (یعنی مشتمل بر تفسیر و عربیت) ہرگز نہیں لا سکے گا۔ واقعات نے بتا دیا کہ گولڑوی صاحب صرف چند اوراق بزبان اُردو اور وہ بھی محمد حسن متوفی کے نوٹوں کے سرقہ موسومہ "سیف چشتیائی" شائع کر سکے۔ اعجاز المسیح کی مثل یا اس جیسی فصیح عربی و تفسیر فاتحہ سے کلیۃً عاجز آ گئے اور اس طرح انہوں نے پھر تازہ الہام منعہ مانع من السماء کی صداقت پر مُہر کر دی۔ اس دوسری دفعہ کے الہام کا ذکر حقیقۃ الوحی میں ہے۔ پس الحکم اور حقیقۃ الوحی کی عبارتوں میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں کیونکہ دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ موقع کے الہام اور اس کے پورا ہونے کا ذکر ہے فلا اشکال فیہ۔

اعجاز المسیح کے متعلق جو کچھ معترض پٹیالوی نے لکھا تھا اس کا مفصل جواب دینے کے بعد اب ہم اعجاز احمدی کا ذکر کرتے ہیں۔

اعجاز احمدی

یہ وہ انعامی اعجازی تصنیف ہے جس کی مثل لانے سے عاجزی نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو خصوصاً اور باقی علماء کو عموماً ذلیل و رسوا کر دیا۔ موضع مُد ضلع امرتسر میں ۲۹-۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو حضرت

ؔ دوبارہ انہی الفاظ میں الہام ہونا کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں آیت فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ بار بار آئی ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ لقمان کے شروع میں بھی تطابق لفظی ہے۔ (ابو العطاء)

استاذی المکرم جناب مولانا سید سرور شاہ صاحب فاضلؓ اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا مباحثہ ہوا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے بہت کچھ لاف وگزاف کے علاوہ پیشگوئیوں کی سخت تکذیب کی۔ ۲ نومبر کو حضرت مولانا موصوف قادیان واپس آئے اور مباحثہ کے حالات سُنائے۔ حضرت اقدسؑ کو مولوی ثناء اللہ کی دیدہ دلیری پر بہت تعجب ہوا۔ آخر ۷ نومبر کو آپ کو خیال آیا کہ:-

"خدا تعالیٰ سے یہ درخواست کی جائے کہ ایک سادہ قصیدہ بنانے کے لیے روح القدس سے مجھے تائید فرمائے جس میں مباحثہ مدؔ کا ذکر ہو تا اس بات کے سمجھنے کے لیے دقت نہ ہو کہ وہ قصیدہ کتنے دن میں تیار کیا گیا ہے۔ سو میں نے دعا کی کہ اسے خدائے قدیر مجھے نشان کے طور پر توفیق دے کہ ایسا قصیدہ بناؤں اور وہ دعا میری منظور ہوگئی اور رُوح القدس سے ایک خارق عادت مجھے تائید ملی اور وہ قصیدہ پانچ دن میں میں نے ختم کر لیا۔ کاش اگر کوئی اور شغل مجبور نہ کرتا تو وہ قصیدہ ایک دن میں ہی ختم ہو جاتا۔ کاش اگر چھپنے میں کسی قدر دیر نہ لگتی تو ۹ نومبر ۱۹۰۲ء تک وہ قصیدہ شائع ہو سکتا تھا۔

یہ ایک عظیم الشان نشان ہے جس کے گواہ خود مولوی ثناء اللہ صاحب ہیں کیونکہ قصیدہ سے خود ثابت ہے کہ اُن کے مباحثہ کے بعد بنایا گیا اور مباحثہ ۲۹-۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوا تھا اور ہمارے دوستوں کے واپس آنے پر ۸ نومبر ۱۹۰۲ء کو اس قصیدہ کا بنانا شروع کیا گیا اور ۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء کو مع اس اُردو عبارت کے ختم ہو چکا تھا۔ چونکہ میں یقینِ دل سے جانتا ہوں کہ خدا کی تائید کا یہ ایک بڑا نشان ہے تا وہ مخالف کو شرمندہ اور لاجواب کرے اسلئے میں اس نشان کو دس ہزار روپیہ کے انعام کے ساتھ مولوی ثناء اللہ اور اس کے مددگاروں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۹)

پھر حضورؑ نے مخالفین کو مثل لانے کے لیے چیلنج دیتے ہوئے مدت کی تعیین بایں الفاظ فرمائی:-

"انشاء اللہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۲ء کی صبح کو میں یہ رسالہ اعجاز احمدی مولوی ثناء اللہ

کے پاس بھیج دوں گا جو مولوی سید محمد سرور صاحب لے کر جائیں گے۔ اور
اسی تاریخ یہ رسالہ ان تمام صاحبوں کی خدمت میں جو اس قصیدہ میں مخاطب ہیں
بذریعہ رجسٹری روانہ کر دوں گا۔ بالآخر میں اس بات پر بھی راضی ہو گیا ہوں کہ
ان تمام مخالفوں کو جواب مذکورہ بالا کے لکھنے اور شائع کرنے کے لئے پندرہ
روز کی مہلت دوں۔ کیونکہ اگر وہ زیادہ سے زیادہ بحث کریں تو انہیں اس
صورت میں کہ ۱۸ یا ۱۹ نومبر ۱۹۰۲ء تک میرا قصیدہ اُن کے پاس پہنچ جائیگا۔
بہرحال ماننا پڑے گا کہ یکم نومبر ۱۹۰۲ء سے نصف نومبر تک پندرہ دن ہوئے
مگر تاہم میں نے ان کی حالت پر رحم کر کے اتمام حجت کے طور پر پانچ دن
ان کے لئے اور زیادہ کر دیئے ہیں اور ڈاک کے دن ان دنوں سے باہر ہیں۔
پس ہم جھگڑے سے کنارہ کرنے کے لئے تین دن ڈاک کے فرض کر لیتے ہیں یعنی
۱۷-۱۸-۱۹ نومبر ۱۹۰۲ء، ان دنوں تک بہرحال ان کے پاس جابجا یہ قصیدہ
پہنچ جائے گا۔ اب ان کی اصل میعاد ۲۰ نومبر سے شروع ہو گی۔ پس اس طرح پر
۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء تک اس میعاد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر اگر ۲۰ دن میں (مولوی
ثناء اللہ ۲۵ دن میں کیونکہ اسے ۱۶ نومبر ۱۹۰۲ء کو رسالہ پہنچا دیا گیا تھا۔ ابوالعطاء)
جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں
نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا تو
یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس
صورت میں میری جماعت کو چاہیئے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق
کریں لیکن اگر اب بھی مخالفوں نے عمداً کنارہ کشی کی تو نہ صرف دس ہزار
روپیہ انعام سے محروم رہیں گے بلکہ دس لعنتیں ان کا ازلی حصہ ہو گا۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعجاز احمدی کی مثل لانے پر دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپیہ مقرر کرنا ہی
حضور کے یقین تام پر زبردست دلیل ہے لیکن اس سے بڑھ کر حضور نے مخالفین کو اکسانے

کے لئے بطور پیشگوئی فرمایا :-

"دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے اس نشان پر حصر رکھتا ہوں۔ اگر میں صادق ہوں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں صادق ہوں تو کبھی ممکن نہیں ہوگا کہ مولوی ثناء اللہ اور ان کے تمام مولوی پانچ دن[1] میں ایسا قصیدہ بنا سکیں اور اردو مضمون کا رد لکھ سکیں کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دیگا اور ان کے دلوں کو غبی کر دے گا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

واقعات نے بتا دیا کہ نہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اس کی مثل لا سکے۔ اور نہ ہی مولوی اصغر علی صاحب، نہ پیر مہر علی شاہ صاحب، اور نہ مولوی علی حائری صاحب شیعہ وغیرہ اس کی نظیر پر قادر ہو سکے۔ ناظرین کرام! کیا یہ خدا تعالیٰ کا ایک زبردست نشان نہیں کہ ایک گاؤں کا رہنے والا جسے اس کے مخالف عربی زبان سے بالکل نابلد قرار دیتے تھے پانچ دن کے اندر ایک تصنیف کرتا ہے اور کُل پندرہ دن کے اندر اندر لکھ کر اور شائع کر کے مخالفین کے گھروں پر پہنچا دیتا ہے۔ اور سب کو اس کی مثل کے لئے للکارتا ہے اور اپنی کتاب کی اعجازی طاقت پر شاندار الفاظ میں دعویٰ کرتا ہے بلکہ مثل لانے والوں کو بیس[20] اور پچیس[25] دن کی مہلت دیکر دس ہزار روپیہ[10000] انعام بھی مقرر کرتا ہے مگر وہ سب کے سب گنگ ہو جاتے ہیں، ان کی قلمیں جواب دے دیتی ہیں اور دل غبی ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ خدا کی قدرت کا چمکتا ہوا نشان نہیں؟ یقیناً ہے! مگر کن کے لئے؟ صرف ان کے لئے جن کے دلوں میں خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا ہو۔ ورنہ منکرین کا تو یہ حال ہے کہ صدہا نشان دیکھ کر بھی اعراض ہی کرتے ہیں۔ فرمایا وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ[2]

---

[1] جیسا کہ آگے ذکر ہو رہا ہے اس کی مثل لانے کے لئے عام مولویوں کو بیس[20] دن اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو پچیس[25] دن کی میعاد دی گئی تھی۔ یہ پانچ دن کا ذکر محض تقابل کے لئے بغرض تصنیف مذکور ہے وبس۔ (مؤلف)

[2] بہت سے نشانات آسمانوں اور زمین میں ظاہر ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ان پر سے گزرتے ہیں یعنی ان کو دیکھتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں۔ ۱۲

بے مثل کلام لانا یقیناً یقیناً منجانب اللہ ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ سُنیئے مولوی شبیر احمد صاحب مدرّس دارالعلوم دیوبند (جنہیں آخر پاکستان میں شیخ الاسلام قرار دیا گیا تھا۔ ابوالعطاء) لکھتے ہیں:۔

"ٹھیک اسی طرح خدائی کلام وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ ساری دنیا کو للکارا جائے، غیرتیں دلائی جائیں، مقابلہ کے لیئے کھڑا کیا جائے، اور لوگ چاہیں کہ کسی طرح یہ روشنی بجھ جائے مگر پھر بھی ویسا کلام بنا کر نہ لاسکیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔۔۔۔۔۔ جو نبی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں۔۔۔۔۔۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ جلّ شانہ میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر کریگا جو اس کی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ہوگی پھر اس کے موافق مشاہدہ بھی کیا جا رہا ہو تو یہ خدا کی جانب سے عملاً اس کے دعویٰ کی تصدیق ہے۔۔۔۔۔۔ ہم بلا خوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس جو کہ تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرکے ایسے خوارق عادات دکھلائے کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ٹھہرے۔ جس کا جی چاہے اب بھی اس ضابطہ کا امتحان کر دیکھے۔" (رسالہ اعجاز القرآن صفحہ ۱۲ و ۲۰)

پس اے بھائیو! اگر تم ہماری باتوں کو تسلیم نہیں کرتے تو مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی کی آواز پر ہی کان رکھو ؎ ز سعدی شنو گر ز من نشنوی۔

اعجاز احمدی اور معترض پٹیالوی

منشی محمد یعقوب لکھتے ہیں:۔

"ایک قصیدہ اعجازیہ مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے مقابلہ میں لکھکر[۱] ۲۰ دن

---

[۱] اگرچہ ساری بحث میں معترض پٹیالوی نے امرتسری منکر کا پس خوردہ ہی کھایا ہے لیکن میعاد میں اس سے اختلاف کیا ہے۔ مولوی ثناء اللہ تو صرف پانچ دن مہلت بتا کر دھوکا دیتا ہے (دیکھو الہامات مرزا صفحہ ۹۰) مگر پٹیالوی صاحب کو تسلیم کرنا پڑا کہ بیس دن مہلت تھی اور پھر وہ بھی ۱۶ نومبر سے ۱۰ دسمبر تک عملاً ۲۵ دن ہو گئی تھی۔ (ابوالعطاء)

کے اندر اس کا مطبوعہ جواب مانگا جو ۹۰ (نوّے) صفحہ کی کتاب نظم ونثر میں ہے۔" (عشرہ صفحہ ۹)

کیا مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اس کا جواب لکھا؟ معترض پٹیالوی معذرت کرتا ہوا لکھتا ہے[1]:

"قصیدہ مذکور مولوی صاحب کے پاس پہنچنے کے بعد مولوی صاحب کا اس کا جواب قلمبند کرنا اور پھر اس کو صاف کر اکر مطبع میں بھیجنا اور مطبع والے کا اس میعاد کے اندر اندر چھاپ کر مصنّف کے پاس ارسال کرنا اور پھر مصنّف کا اسے بصیغۂ رجسٹری مرزا صاحب کے نام روانہ کرنا اور ڈاک والوں کا اسے مرزا صاحب کے ہاتھ میں پہنچانا یہ سب مرحلے اس بیس دن (عملاً پچیس دن) میں ہی طے ہونے لازمی تھے۔ اب جاننے والے جانتے ہیں (خوب جانتے ہیں۔ مؤلف) کہ ان ساری باتوں کا اس تھوڑی سی میعاد میں پورا ہونا کس طرح ممکن تھا۔"

(عشرہ صفحہ ۹)

ناظرین! یہ تو آپ نے منشی محمد یعقوب کی خام خیالی یا عذرِ گناہ بدتر از گناہ پڑھا اب ذرا مولوی ثناء اللہ کے اپنے الفاظ بھی پڑھ لیجئے۔ لکھا ہے:۔

"کیا ہی معجزہ ہے کہ پریس[2] کے کام کو بھی معجزہ کا جزو بنایا ہے تاکہ اگر[3] کسی صاحب میں ذاتی لیاقت و قابلیت ہو بھی، تو بوجہ اس کے کہ اس کے پاس پریس کا انتظام[4] ایسا نہیں جو قادیانی پریس کی طرح صرف مرزا ہی کا کام کرتا ہو تو بس

---

[1] واقعی اتنے غیر معمولی اور جان جوکھوں کے مراحل کا طے کرنا ناممکن اور محال تھا۔ بھلا امرتسر ایسے گاؤں میں جہاں نہ پریس ہے نہ کاتب بلکہ لندن سے کتابیں چھپوانی پڑتی ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہوتا اور ادھر اللہ تعالیٰ کی تائید سے بھی بکلی محروم تھے یوخذ الرجل باقرارہ! افسوس سہ عالماں ایں دہر کردند شعار خود دغارا۔

[2] کیا بذریعہ تلوار و نیزہ کفار کے لئے عذاب معجزہ اور نشان نہ تھا؟ پڑھو یعذبھم اللہ بایدیکم (توبہ ع ۲) کیا یہی قرآن فہمی ہے؟

[3] لفظ اگر اور بھی قابلِ غور ہیں گویا خود تسلیم کر لیا کہ ہم میں سے کسی مولوی میں اعجاز احمدی کی مثل بنانے کی قابلیت نہیں اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو وہ سامان مہیا نہ آنے پر عاجز رہتا۔ سچ ہے ع حق بر زبان جاری۔ کیا معجزہ کے سر اور سینگ ہوتے ہیں؟ (ابو العطاء)

[4] اخبار اہلحدیث کی باقاعدہ اشاعت پر تو بہت نازاں ہو مگر (اعجاز احمدی کے) جواب کے لئے بہانہ ہائے بسیار۔ ذرا زیادہ اجرت دینے سے مطبع والے راتوں رات صفحات کے صفحات چھاپ کر دیدیتے ہیں مگر یہاں تو اللہ تعالیٰ کا منشاء کچھ اور ہی تھا۔ (ابو العطاء)

اس کی لیاقت بھی ملیامیٹ، ضائع اور برباد ہے۔" (الہامات مرزا ص۹)

ناظرین! ہر دو اقتباس آپ کے سامنے ہیں۔ کیا کوئی سمجھدار انسان ان عذرات واہیہ کو پرِ پشہ کے برابر بھی وقعت دے سکتا ہے؟ امرتسر کے بالمقابل قادیان کی چھوٹی سی بستی ہے۔ امرتسر کے کثیر التعداد مطابع پر نگاہ کرو، علماء اور مولویوں کی کثرت کو مدنظر رکھو۔ پھر انعامی رقم دس ہزار کا لحاظ کرو۔ علاوہ ازیں اس مخالفت کا بھی خیال کرو جو سب اقوام اور مسلمانوں کے تمام طبقوں کو جماعت احمدیہ سے تھی۔ پھر خدارا بتلاؤ کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ ایک انسان صرف ۹ صفحہ کی کتاب کی مثل لانے پر اپنے سلسلہ اور تمام دعاوی کو باطل ماننے کے لیے تیار ہے، اور اپنے متبعین کو علیحدہ ہو جانے کی تلقین کر رہا ہے، اس نشان پر حصر کر رہا ہے، غیرت دلا رہا ہے مگر مخالف بہمہ اسباب و تعلّی اور ادعاء برق بیانی و طلاقت لسانی ساکت، خاموش، عاجز اور محض گنگ ہیں۔ ان کے دماغ مفلوج ہو گئے، ہاتھ شل ہو گئے، قلمیں رُک گئیں، اور جوارح معطل ہو گئے۔ بھلا تم ہی انصاف کرو کہ اس سے بڑھ کر اور معجزہ کیا ہوگا! کیا اہلسنت والجماعت کی کتاب شرح العقائد نسفی کی شرح نبراس میں "وجوہ الاعجاز" پر بحث کرتے ہوئے ایک وجہ جس پر سنی، معتزلی، اور شیعہ اماموں کا اتفاق بتایا گیا ہے یہ نہیں لکھی کہ:-

"اللہ سبحانہ صرف القویٰ والعقول عن معارضتہ" (ص۲۲۴)

کہ قرآن مجید کے معارضہ اور مقابلہ سے اللہ تعالیٰ نے قوی واسباب اور عقول انسانیہ کو روک دیا یہ اس کے اعجاز کی دلیل ہے۔ اسی طرح سے حضرت مرزا صاحبؑ کے لیے باوجود غربت و کس مپرسی اور مخالفت دشمناں اسباب کا مہیا ہو جانا اور آپ کے مخالفین کے لیے مہیا نہ ہونا خود اس بات پر قاطع دلیل ہے کہ قدرت حضرت مرزا صاحبؑ کی تائید میں کام کر رہی تھی اور مشیت الٰہی ان کے موافق تھی یہ خود کھلا معجزہ ہے۔

یاد رکھو اسباب کے ہوتے ہوئے بھی کوئی ذرہ مسبب الاسباب کی اجازت کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ طبیب موجود ہوتے ہیں، دوائیں تیار ہوتی ہیں مگر مشیت الٰہی اپنا کام کر جاتی ہے اور کوئی سبب مریض کو بچا نہیں سکتا۔ ہاں جب اس کی مشیت ہوتی

ہے تو وہ ظاہری اسباب کو معدوم پا کر موجود کر دیتا ہے۔ کیا اس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے سنسان وادی میں پانی پیدا نہ کر دیا؟ کیا اس نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے مخالف سامانوں کے ہوتے ہوئے غار ثور میں زندہ نہ بچایا؟ افسوس کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے تم خدا سے ناامیدی ظاہر کر رہے ہو۔ سچی بات یہی ہے کہ تم میں توکل، امانت اور تقویٰ کا ذرہ نہ تھا۔ ورنہ کیا قادر خدا مقابلہ اور شدید مقابلہ کے وقت بھی تمہارے لئے سامان موافق نہ کرتا۔ حالانکہ وہ قرآن مجید میں فرما چکا تھا وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[1] (الطلاق ع) پس اگر تم میں تقویٰ ہوتا تو سارے سامان میسر ہو جاتے اور اگر تم میں خدا کی ذات پر یقین ہوتا تو ان بودے اور لچر عذروں سے حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرتے۔ مگر آہ! تم اس قادر اور مسبب الاسباب خدا کے چہرہ اور اس کی قدرتوں سے محجوب ہو۔ اور یہی ضرورت تھی کہ مسیح وقت آتا اور تم کو پھر اسی کے آستانہ پر جھکا دیتا۔

افسوس! ان لوگوں نے اتنا بھی غور نہ کیا کہ اگر پریس کی وجہ سے اعجاز احمدی معجزہ نہیں بن سکتی تو کیا حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی میں بچ جانا معجزہ رہ سکتا ہے؟ حالانکہ رب السمٰوات اس واقعہ کو "اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" قرار دیتا ہے۔

پھر اگر پریس کے باعث اس اعجاز میں نقص ہے تو کیا صحابہ کرام کی فتوحات جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ بھی نشان نہیں؟ کیونکہ صحابہؓ نے ان میں تلواروں اور نیزوں سے کام لیا تھا۔ اے صداقت کے دشمنو! سوچو کہ تم یہ اعتراض کر کے تمام صداقتوں اور سارے نبیوں پر الزام لگاتے ہو۔ خدا کے قہر سے ڈر جاؤ۔ ورنہ دہریت کی موت مرو گے۔ ع

زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

معترض پٹیالوی نے طباعت وغیرہ کے لئے اس قدر دشواری کا ذکر کیا ہے کہ گویا مولوی ثناء اللہ افغانستان کی کسی وادی میں رہتے ہیں اور ان کو کلکتہ میں کتاب چھپوانی پڑتی

---

[1] ترجمہ۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پیدا کرے گا اور اس کو نامعلوم اور خیال سے بالا طریق پر سامان دے گا۔ ۱۲

ہے حالانکہ ۹۰ صفحہ کی کتابت اور چھپوائی کے لئے زیادہ[1] سے زیادہ ایک ہفتہ درکار ہوتا۔ مگر یہ سب کچھ اس صورت میں ہوتا جب نصرتِ الٰہی یاوری کرتی لیکن جب آسمان پر ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہو کہ یہ لوگ اعجاز احمدی کی مثل لانے پر قادر نہ ہوں کیونکہ حضرت اقدسؑ نے فرمایا تھا ؎

فان اك كذابا فياتى بمثلها　　وان اك من ربى فيخشى ويشبر

هذا اقضاء الله بينى وبينهم　　ليظهر اٰيته وما كان يخبر

(اعجاز احمدی ص۴۲)

ترجمہ۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو ثناء اللہ اس قصیدہ کی مثل بنا لائے گا اور اگر میں اپنے رب کی طرف سے ہوں تو اس کے دل کو غبی کر دیا جائیگا اور اس کو مثل لانے سے روک دیا جائیگا۔ یہ میرے اور ان کے درمیان خدا کا فیصلہ ہے تا کہ وہ اپنا نشان اور پیشگوئی پوری کرے۔"

تو پھر کس طرح ان کے لیے[2] ممکن ہوتا کہ وہ اعجاز احمدی کی مثل بنا سکتے۔ پس اعجاز احمدی ایک کھلا کھلا معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا نشان ہے ؎

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ

معترض پٹیالوی عاجز آ کر لکھتا ہے:۔

"اور پھر اگر یہ دردِ سر اختیار[3] کیا بھی جاتا تو کیا مرزا اور مرزائیوں نے اپنی لن ترانیوں سے باز آ جانا تھا۔ پس میعاد کے اندر جواب نہ ملا تو اعجاز! اعجاز! کا غل مچا دیا۔" (عشرہ ص۶)

اس عبارت سے مخالفین کا عجز نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا۔ معترض کو یہ تو مسلّم ہے

---

[1] اور یوں تو تین دن میں بھی اتنی کتاب چھپ سکتی ہے۔ (مؤلف) [2] گویا واقعی طور پر محال نہ تھا بلکہ ظاہر میں ممکن تھا صرف ذرا دردِ سر کرنا پڑتا۔ اچھا پھر کس نے روکا تھا؟ تمہارے دل بہت چاہتے تھے کہ مثل لائیں مگر طاقتِ بالا نے روکا۔ [3] کیا میعاد کے بعد جواب مکمل شائع ہوا۔ ذرا اس کا نام تو لے دیں۔ (مؤلف)

کہ "میعاد کے اندر جواب نہ ملا" گویا مخالف اعجاز احمدی کا مثل نہ لا سکے لیکن وہ اعجاز کے غُل پر بہت مبہوت ہے۔ مگر اسے چاہیے کہ پہلے اعجاز احمدی میں مندرجہ تحدّی اور انعامی رقم کا مطالعہ کرے اور پھر بتائے کہ کیا ہمارا حق نہ تھا کہ اعجاز کا نعرہ بلند کرتے۔ اس میں کونسی خلافِ واقعہ یا غلط بات تھی؟ پٹیالوی صاحب کا منشاء اس عبارت سے یہ ہے کہ ہم اگر ذرا توجہ کرتے اور "دردسر" اختیار کرتے تو اعجاز احمدی کی مثل بنا سکتے تھے۔ معترض کا یہ دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں بلکہ ہمیشہ ہی دشمنانِ حق عاجز آ کر یہی کہا کرتے ہیں۔ قرآن مجید فرماتا ہے وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (الانفال ع) کہ جب ان لوگوں پر ہماری آیات یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے بھی سُن لیا تم کیا اعجاز، اعجاز کا غُل مچا رہے ہو۔ اگر ہم چاہیں اور یہ دردِسر اختیار کریں تو اس کی مثل بنا سکتے ہیں۔ یہ ہے کیا صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں وبس۔ بھلا اگر ہم مثل بنا بھی لاتے تو کیا تم اپنی لن ترانیوں سے باز آجاؤ گے؟"

جنابِ من! اگر مثل بنا لاتے تو پھر "لن ترانیوں" کا ذکر کرنا مزا دار بھی ہوتا مگر اب تو صرف مُنہ چڑا رہے ہو۔ غرض یہ جواب بھی کوئی نرالا نہیں بلکہ کفارِ مکہ کی نقل ہے تَشَابَہَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ اس جگہ مناسب ہے کہ ہم ایسا جواب دینے والوں کے متعلق مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی کے الفاظ درج کردیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"کبھی کبھی زبان سے یہ بھی کہتے تھے لو نشاء لقلنا مثل ھٰذا یعنی نہ ہم نے چاہا نہ کیا۔ مگر کیوں نہ چاہا؟ اس لیے کہ اپنی عزّت اور آبرو اور قرآن (موجودہ بحث میں اعجاز احمدی۔ مؤلف) کے سامنے اپنے عجز اور کمزوری کی پردہ پوشی صرف اسی صورت میں دیکھی۔ اگر وہ (یا یہ۔ ناقل) جھوٹ موٹ کہدیتے کہ یہ ہمارا کلام قرآن جیسا ہے تو کہنے والے کی زبان دانی اور فصاحت اور تصدیق کرنے والوں کی سخن شناسی و سخن فہمی پر ایسا سخت بدنما داغ لگتا کہ وہ کسی بزمِ سخن اور محفلِ ادب میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور دنیا ان کا تمسخر اُڑاتی، اس وجہ سے یہ ہمت کسی نے نہیں کی۔ بلکہ جب مضطر ہوئے تو یُوں

ٹال دیا کہ اگر ہم چاہتے تو کہہ دیتے مگر ہم نے چاہا ہی نہیں۔۔۔۔۔
۔۔۔۔ لیکن اس کا فیصلہ ہر عاقل خود بخود سابقہ واقعات کو ملحوظ رکھ کر کر سکتا ہے کہ کیا انہوں نے چاہا یا نہیں چاہا۔ بھائیو! کیا یہ ممکن ہے کہ ۔۔۔۔۔۔ وہ برق زبانی اور شیوا بیانیوں کے مدعی زبانیں سی کر اور لبوں کو بند کر کے چُپ بیٹھے رہیں اور باوجود ایسے عذب البیان اور قادر الکلام ہونے کے دو چار جملے بنانے کی خواہش بھی نہ کریں؟ بے شک ہزیمت خوردہ اور درماندہ آدمی بدحواس ہو کر ایسا ہی کرتا ہے۔" (رسالہ اعجاز القرآن ص۴۴)

ناظرین! آپ مندرجہ بالا اقتباس پڑھیے اور پھر سوچیئے کہ کیا منشی محمد یعقوب صاحب نے وہی بات نہیں کہی جو ہزیمت خوردہ اور درماندہ آدمی بدحواس ہو کر کہا کرتا ہے؟ کیا یہی وہ ہتھیار ہیں جن پر دیوبندی "فخر المحدثین" نازاں تھے؟

اعجاز احمدی کی غلطیاں

معترض پٹیالوی مولوی ثناء اللہ امرتسری کے جواب کو ان الفاظ میں درج کرتا ہے:-

"قصیدہ کا فصیح و بلیغ ہونا تو بڑی بات ہے اس کے اندر انواع و اقسام کی غلطیاں ہیں۔ آپ ان غلطیوں کو جو میں پیش کروں پہلے صاف کر دیں۔" (عشرہ ص۵۱)

الجواب الاوّل۔ غلطیاں بتانے کا دعویٰ تو منکرینِ قرآن بھی کرتے رہے بلکہ بزعمِ خویش بعض اغلاط کی نشان دہی بھی کرتے رہے۔ نصاریٰ کی کتب تو اس باب میں بجائے خود ایک انبار ہیں لیکن اگر نبراس میں ہی "طعن الملاحدة فی اعجاز القرآن" کی بحث کا مطالعہ کر لیں تو معلوم ہو جائے کہ جہاں ملحدین نے قرآن مجید میں اختلاف اور تناقض کا دعویٰ کیا ہے وہاں پر یہ بھی کہا ہے کہ:-

"انّ فیه لحناً نحو ان ھذان لساحران علی قرءة ان المشددة" (ص۲۳۹)

قرآن میں اغلاط بھی ہیں۔ مثلاً یہی آیت ان ھذان لساحران اس قراءت کے مطابق جہاں ان مشدّدة پڑھا گیا ہے۔ پس مولوی صاحب یا پٹیالوی صاحب کا دعویٰ لحن در اعجاز احمدی ہرگز قابلِ اعتناء نہیں۔

الجوابُ الثانی۔ اگر فی الواقع وہ کتاب غلطیوں سے پُر تھی اور مرتبہ فصاحت وبلاغت سے ساقط تو پھر کیوں اس کی مثل بنانے میں عجز کا اظہار کیا گیا وہ تو "غیر فصیح" تھی تم ایک فصیح کتاب لکھتے اور اس کی غلطیوں کو بھی اپنی کتاب میں بطور ضمیمہ درج کر دیتے لیکن تمہارا ایسا نہ کرنا بتاتا ہے کہ یہ الزام محض ہزیمت خوردہ حریف کی طرح مُنہ چڑانا ہے۔ کیا یہ معجزہ نہیں کہ جس کتاب کو تم غیر فصیح غلطیوں کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔ تم اس کے مقابلہ میں بھی عاجز آ گئے۔ اس کا غلط ہونا تو تمہارے لیئے اور بھی آسانی پیدا کرتا تھا مگر پھر بھی خاموشی اور عاجزی صاف بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجبور کرکے تمہارے ہاتھوں کو اس کے مقابل کتاب لکھنے سے باز رکھا۔ ہاں ان لوگوں کی طرح جو بڑے سے بڑے معجزہ کو دیکھ کر بھی انکار کی راہ ہی اختیار کیا کرتے ہیں ان لوگوں نے یہ بہانہ بنایا کہ اس کتاب میں غلطیاں ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بسا اوقات ایک کم علم آدمی اپنی نادانی کی وجہ سے فصیح کلام کو بھی غلط قرار دے دیتا ہے اور پھر جب خدا تعالیٰ کی کلام میں بعض جدید تراکیب کو استعمال کیا جائے تو پھر تو اسکے شور کی کوئی حد نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں ایک ترکیب لَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ مستعمل ہوئی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔

"وذکر بعضهم ان هذا الترکیب لم یُسمع قبل نزول القرآن ولم تعرفه العرب ولم یوجد فی اشعارهم وکلامهم فلهذا خفی علی الکثیر واخطؤا فی استعماله کابی حاتم وابی نواس وهو العالم النحریر ولم یعلموا ذالک" (روح المعانی جلد ۳ صـ۱۲۶)

کہ عرب اس کو پہلے نہ جانتے تھے اور نہ وہ ان کے کلام میں نظم ہو یا نثر پائی جاتی تھی۔

الجوابُ الثالث۔ معترض پٹیالوی نے چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی مزعومہ غلطیوں کو نقل نہیں کیا اسلیئے ہم بھی ان کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ خطرہ ہے کہ کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ لیکن ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس کے لیئے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم کی کتاب "آئینۂ حق نما" اور حضرت الاستاذی المکرم جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل ومنشی فاضل کی تصنیف "تنویر الابصار" ضرور ملاحظہ کریں جن

میں مولوی ثناء اللہ امرتسری اور مولوی محمد علی مونگیری کی پیش کردہ اغلاط پر نہایت عالمانہ اور سیر کن بحث کی گئی ہے۔

اعجاز احمدی اور "اچھی خاصی مدت"

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے عجز کو چھپانے کے لئے بطور افتراء لکھا تھا کہ:۔

"یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے سارا زور خرچ کرکے ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں جس کا مخاطب کو علم نہیں مگر مخاطب کو محدود وقت کا پابند کریں" (الہامات صفحہ ۹۶)

معترض پٹیالوی نے بھی مکھی پر مکھی مارنے کی خاطر ایسی عبارت کو نقل کردیا۔ (عشرہ صفحہ ۶۵)

الجواب۔ ناظرین! آپ خدارا ایک مرتبہ رسالہ اعجاز احمدی کا مطالعہ کرلیں تو آپکو معلوم ہوجائے گا کہ اگرچہ صداقت کے خلاف ہزاروں عذرات اور اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں مگر اس اعتراض سے زیادہ جھوٹا اور دجل و فریب سے لبریز اور کیا الزام ہوگا۔ ۲۹-۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء موضع مدّ میں مباحثہ ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مباحثہ کے اعتراضات کا جواب اور دیگر حالاتِ مناظرہ اردو مضمون اور عربی قصیدہ میں قلمبند فرماتے ہیں اور ۱۶ نومبر ۱۹۰۲ء کو وہ بصورت کتاب امرتسر مولوی ثناء اللہ کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے مگر امرتسری اور پٹیالوی معترض کہتے ہیں کہ اعجاز احمدی "اچھی خاصی مدت" میں اور سارا زور لگا کر لکھی گئی ہے سچ ہے ع ...... ہرچہ خواہی کن

اگر حضرت مرزا صاحب نے اس وقت سے ہی ان واقعات کو رقم فرمانا شروع کردیا تھا جبکہ وہ منصۂ شہود پر نہ آئے تھے تو یہ اور بھی معجزہ ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں (۱) یا یہ تسلیم کرو کہ رسالہ اعجاز احمدی یکم نومبر ۱۹۰۲ء کے بعد تصنیف ہوا اور (۲) یا پھر یہ مانو کہ حضرت مسیح موعودؑ نے علم غیب کے ذریعہ قبل از وقت ہونیوالے واقعات کو حیطۂ تحریر میں منضبط کردیا۔ بہرصورت اعجاز احمدی ایک بہت بڑا نشان ماننا پڑے گا۔

لہ کیا سارا زور لگا کر مجموعۂ اغلاط ہی شائع کرنا تھا؟ اور اگر ایسا ہی تھا تو پھر تم "خاصی مدت" کا کیوں اُدھیلا مچاتے ہو کیا پچیس دن میں تم ایسا رسالہ یعنی بزعم خود اغلاط کا مرقع بھی شائع نہیں کرسکتے تھے؟ (مؤلف)

من نگویم ایں مکن آں کن ⁂ مصلحت بین و کار آساں کن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی وجہ سے پہلے ہی تحریر فرما دیا تھا۔

"مولوی ثناء اللہ کو اس بدگمانی کی طرف راہ نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ قصیدہ پہلے سے بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھے کہ مباحثہ مدّ کا اس میں ذکر ہے۔ پس اگر میں نے پہلے بنایا تھا تب تو انہیں ماننا چاہیئے کہ میں عالم الغیب ہوں۔ بہر صورت یہ بھی ایک نشان ہؤا۔ اس لیئے اب ان کو کسی طرف فرار کی راہ نہیں اور آج وہ الہام پورا ہؤا جو خدا نے فرمایا تھا ؎

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے
کافر جو کہتے تھے وہ گرفتار ہو گئے"

(اعجاز احمدی ص۳۷)

حضرات! آپ اس تحریر کو دیکھیئے، اس کی محکم دلیل کو وزن کیجیئے اور ہر دو مکذبین (امرتسری و پٹیالوی) کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیں ؎

منصفو! کیوں! اب تو دیکھا رنگ اس عیّار کا ⁂ اب تو کہدو کیا یہ موقع تھا اسی گفتار کا

اعجاز احمدی کی مدّت تصنیف پر خود مولوی ثناء اللہ امرتسری کی شہادت

وہ عجیب طاقتوں کا خدا ہے جس نے اپنے مظلوم بندے سے کہا تھا انی مھین من اراد اھانتک اور پھر ہر موقع پر اس کا نمونہ دکھایا ہے ثناء اللہ امرتسری اور محمد یعقوب پٹیالوی نے یوں تو لکھ دیا کہ اعجاز احمدی اچھی خاصی مدّت میں تیار ہوئی ہے اور مخاطب (یعنی ثناء اللہ) کو علم نہیں کہ کتنے عرصہ کی کدوکاوش کا نتیجہ یہ ۹۰ صفحہ کا رسالہ ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے ثناء اللہ امرتسری سے اسی کتاب اور اسی اعتراض سے چند سطریں قبل مندرجہ ذیل فقرات لکھوا کر اسے ذلیل و رسوا کر دیا۔ پڑھیئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ:۔

"موضع مدّ ضلع امرتسر میں مرزائیوں نے شور و شغب کیا تو ان لوگوں نے لاہور ایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کو لاؤ کہ ان سے مباحثہ کریں۔ اہالی لاہور کے

مشورے سے ہ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ ایک تار آیا اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آپہنچا کہ چلیے ورنہ گاؤں کا گاؤں بلکہ اطراف کے لوگ سب کے سب گمراہ ہو جائیں گے۔ خاکسار چار و ناچار[1] موضع مذکور میں پہنچا۔ مباحثہ ہوا۔ خیر اس مباحثہ کی روئداد تو ضمیمہ شحنۂ ہند مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء میں اہالی دیہہ مذکور نے شائع کرادی مگر مرزاجی کو ان کے فرستادوں نے ایسا کچھ ڈرایا اور اپنی ذلت کا حال سُنایا کہ مرزاجی آپے سے باہر ہو گئے اور جھٹ سے ایک رسالہ "اعجاز احمدی" نصف اُردو اور نصف عربی نظم لکھ کر خاکسار کے نام مبلغ دس ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار دیا" (رسالہ الہامات مرزا ص ۹۵ ایڈیشن ششم)

ناظرین کرام! مولوی صاحب کے اقتباس کی آخری سطور کو پھر پڑھیے جن میں آپ صفائی سے تسلیم کرتے ہیں کہ جب مباحثہ مُدّ کے بعد حضرت مرزا صاحب کے فرستادوں نے آپ کو ڈرایا اور بقول مولوی ثناء اللہ اپنی ذلت کا حال سُنایا تو آپ نے "جھٹ سے ایک رسالہ اعجاز احمدی نصف اُردو اور نصف عربی نظم لکھ کر خاکسار کے نام مبلغ دس ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار دیا" صاف ظاہر ہے کہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اعجاز احمدی کی تصنیف کی تحریک حضرت پیغمبر قادیان کو مباحثہ مُدّ کے حالات سُننے پر ہوئی اور وہ "جھٹ سے" تصنیف ہو کر شائع ہو گیا۔ کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسالہ اعجاز احمدی اچھی خاصی مدت میں تیار ہوا؟ ہرگز نہیں!

پس ثابت ہوا کہ اعجاز احمدی کے لئے خاصی مدت میں تصنیف ہونے کا جو شبہ پیدا کیا گیا تھا سراسر باطل اور جھوٹ ہے بلکہ وہ صرف چند دن میں تصنیف ہو کر شائع ہو گئی۔ اعجاز احمدی کی اندرونی شہادت اور پھر خود مولوی ثناء اللہ کی اپنی تحریر بھی اسی کی مؤید ہے۔ فماذا بعد الحق الّا الضلال۔

اعجاز اور تعیینِ مُدّت

معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

---

[1] ان لوگوں نے صاف کہا کہ سب کے سب لوگ گمراہ ہو جائینگے مگر آپ پھر بھی شوق سے نہیں بلکہ چار و ناچار گئے۔ کیا یہی اسلام کا درد تھا؟ (ابو العطاء)

"چونکہ مرزا صاحب کو اعجاز کے باطل ہو جانے کا اندیشہ تھا اسلیئے ۲۰ یوم کی قید لگادی۔" (عشرہ ص۶)

مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا تھا۔

"بھلا اگر یقین ہوتا تو پانچ[1] روز کی مدت کی کیوں قید لگاتے۔ کیا قرآن شریف کے اظہار اعجاز کے لیئے بھی کوئی تحدید ہے۔" (الہامات ص۹)

الجواب۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اندیشہ ہوتا تو بیس[2] یوم کی مہلت بھی تسلیم نہ کرتے۔ بیس دن کی مہلت دینا اور دس ہزار روپیہ انعام مقرر کرنا اور سارے علماء کو مل کر نظیر پیش کرنے کے لیئے للکارنا ایسے امور ہیں جو ایک دانشمند کی نظر میں شک، اندیشہ، خطرہ اور عدم یقین کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتے۔ ہمارے مخالفین کا بے شک یہ حق تھا کہ یہ سوال کرتے کہ ہمیں مہلت تھوڑی دی ہے اور خود زیادہ مدت میں لکھا ہے۔ اور اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو قابل اعتراض بھی تھا لیکن جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جتنے عرصہ میں خود رسالہ تالیف فرمایا اس سے قریباً دو چند[3] وقت مولوی ثناء اللہ امرتسری اور علماء کو اسکے جواب کے لیئے دیا۔ حضرت نے خود لکھا ہے "میں اپنے مخالفوں پر کوئی ایسی مشقت نہیں ڈالتا جس مشقت سے میں نے حصہ نہ لیا ہے۔" (اعجاز احمدی ص۹) پس وہ اس باب میں ہرگز حق نہیں رکھتے کہ اعتراض کریں کیونکہ حضرت اقدس نے ان کو اپنے سے زیادہ وقت دیا تھا۔

تعیین مدت کی حکمت

ہاں اگر یہ سوال ہو کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اعجازی کلام کے مثل لانے کے لیئے محدود عرصہ مقرر کر دیا تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی کئی حکمتیں ہیں۔

اوّل۔ محدود عرصہ مقرر کرنے کی پہلی حکمت یہ ہے کہ تا مخالفین کو جلد معارضہ کرنے کی ترغیب ہو۔ اور وہ دیر تک مطالبہ مثل پر "اب لاتے ہیں" کہہ کر التواء نہ کرتے رہیں اور

---

[1] بیس بلکہ عملاً پچیس دن کی بجائے بار بار پانچ روز کا ذکر محض دھوکہ دینے کے لیئے ہے ورنہ کیا وجہ تھی کہ مصنف عشرہ بیس یوم کی مہلت تسلیم کرتا ہے؟ [2] بلکہ سہ چند کیونکہ آپ نے آٹھ دن میں لکھ کر اور طبع کرا کر مولوی صاحب کے گھر پہنچا دیا یعنی ۸ رنومبر سے ۱۶ رنومبر تک۔ مگر ان کو ۱۶ رنومبر سے ۱۰ ردسمبر تک ۲۵ دن کی مہلت دی ۱۲۰ (مؤلف)

اس طریق سے عوام بلکہ خواص پر بھی اس معجزہ کو مشتبہ نہ کر دیں پس ایک کافی عرصہ جواب کے لیئے مقرر کر دیا گیا۔ تا وہ پوری جدّوجہد کر لیں اور مدّت گزر جانے کے بعد دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ وہ عاجز رہ گئے اور خدا کا کلام غالب آگیا۔ افحام خصم واضح ہو گیا۔ مختصریوں کہ نشانِ اعجاز کو اپنے رنگ میں زیادہ نمایاں اور مؤثر بنانے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

دوم۔ اِن کتابوں کی مثل لانے پر انعامی رقوم مقرر کی گئی تھیں مثلاً اعجاز احمدی پر دس ہزار روپیہ انعام مقرر تھا۔ اب اگر تعیینِ مدّت نہ ہوتی تو انعام کا تصفیہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ انسان کی زندگی میں عُسر و یُسر اور تنگی و خوشحالی جزوِ لاینفک ہیں اور موت کا بھی کوئی وقت مقرر نہیں۔ اگر مخالف بے موقع مطالبہ کرتے۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد شور مچاتے کہ ہم اب مثل بناتے ہیں تو خواہ مخواہ جھگڑا پیدا ہوتا۔ ان تمام خرخشوں سے بچنے اور انعامی رقم کے لیئے قطعی فیصلہ کی خاطر ضروری تھا کہ مناسب مدّت کی تعیین کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیا دنیا میں کوئی بھی انعامی[1] کتاب ایسی ہے جس کی مثل یا جواب کے لیئے مہلت کی تحدید نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ مصنّف کی نیّت واقعی انعام دینے کی ہو، ہرگز نہیں۔

سوم۔ تا بدباطن دشمن عوام کو مشتعل کرنے کے لئے یہ نہ کہہ سکیں کہ دیکھو یہ تو قرآن مجید کی تحدّی کی مثل قائم کر دی ہے۔ یہ عام طریق ہے کہ مناظرہ میں جب کوئی مناظر عاجز آجاتا ہے تو وہ لوگوں کے جذبات کا جائزہ لیکر ان کو اشتعال دلا دیتا ہے تاکہ وہ دلائل پر ٹھنڈے دل سے غور نہ کر سکیں۔ مَیں نے بارہا غیر احمدیوں کے بعض بڑے مولویوں کو اسی طریق کا پابند پایا ہے۔ خاص اس موقعہ پر بھی دیکھ لیجئے۔ حالانکہ تحدید زمانی موجود ہے لیکن پھر بھی معترض پٹیالوی نے پورا ایک صفحہ محض یہ شور مچانے میں خرچ کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس فعل (اعجازی کلام) سے قرآن مجید کے اعجاز کو باطل کرنا چاہا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس قسم کے وساوس اور غلط بیانیوں سے بچانے کی خاطر میعاد کا تعیّن ضروری تھا۔ تا واضح ہو جاتا کہ قرآن مجید کا اعجاز بہرحال اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ اس کی مثل کی تحدّی تا قیامت قائم ہے۔ اور اعجاز احمدی وغیرہ کتب کی نظیر لانے کا چیلنج ایک محدود عرصہ کے لیئے تھا۔ اور ضرور تھا کہ یہ فرق کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن مجید الحمد سے لیکر

---

[1] یعنی جس کی مثل یا جواب پر انعام بصورت روپیہ و نقدی مقرر ہو۔ منہ

والناس تک خدا کے منہ سے انہی الفاظ میں نازل ہوا ہے۔ اس میں غیر اللہ کی طرف سے ایک ذرہ بھر آمیزش نہیں۔ وہ خدا کی وحیٔ متلوّ اور تا قیامت ایک ہی غیر متبدل شریعت ہے یا بالفاظ حضرت مرزا صاحب[۲]

"نوع انسان کے لیئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لیئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (کشتی نوح ۱۳)

نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اعجازی کتب بتمامہا الہام الٰہی نہیں۔ بیشک بعض حصص الہامی بھی ہیں مگر اکثر و بیشتر حصہ حضور کی اپنی قلم سے اپنے الفاظ میں لیکن اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید اور قوت کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ ان کتابوں کے معجزہ ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر انکا قرآن پاک سے کوئی مقابلہ نہیں۔ بہرحال قرآن مجید اپنے بلند مقام پر ہے اسلیئے دونوں کے اعجاز میں تحدید وقت و عدم تحدید کا فرق رکھا گیا ہے۔

اگر تحدید نہ کی جاتی تو منشی محمد یعقوب وغیرہ شور مچانے میں قدرے[۱] حق بجانب ہو سکتے تھے۔ اگرچہ وہ اب بھی شور مچا رہے ہیں لیکن اب جو اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق تحدید کی گئی تو امرتسری منکر کہتا ہے کہ "کیا قرآن شریف کے اظہار اعجاز[۲] کے لیئے بھی کوئی تحدید ہے؟" ہم اس سوال کا جواب تو اوپر درج کر چکے ہیں اس جگہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ان مکذبین کا مطلب حق جوئی نہیں بلکہ ان کو بہر صورت اعتراض کرنا ہی مدّنظر ہے۔ انہی لوگوں کا قول ہے مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ (اعراف ع ۱۴)

---

[۱] یعنی اپنے اعتقاد کے مطابق۔ ورنہ بلحاظ حقیقت چونکہ یہ اعجازی کلام بھی قرآن مجید کی اتباع کا نتیجہ اور اسی کی شان کو نمایاں کرنے کے لیئے تھا اسلیئے مقابلہ ہی غلط ہے۔ [۲] امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔ "لو قال نبی آیۃ صدقی انی فی ھذا الیوم احرک اصبعی ولا یقدر احد من البشر علی معارضتی فلم یعارضہ احد فی ذالک الیوم ثبت صدقہ" (الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۹۵) یعنی اگر کوئی مدعی نبوت کہے کہ میری صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں آج انگلی ہلاتا ہوں اور کوئی میرے مقابل ایسا نہیں کر سکیگا اور فی الواقعہ اس دن کوئی نہ کر سکے تو اس کی صداقت ثابت ہو جائے گی۔ گویا اعجاز کے لئے حد بندی مضر نہیں۔ (مؤلف)

ناظرین! اِن تین حکمتوں کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اعجازی کلام و معجزانہ کتب میں تحدیہ مدت کی گئی، ورنہ وہ آج بھی معجزہ ہیں اور تا قیامت معجزہ رہیں گی۔ وہ صداقتِ احمدیت کا ایک زبردست اور چمکتا ہوا نشان ہیں۔ افسوس ان دلوں پر جو اِن باتوں کو نہ سمجھیں، اور افسوس ان آنکھوں پر جو کھُلے کھُلے معجزات کو دیکھ نہ سکیں۔

براہین احمدیہ اور اعجازی کلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کلام الٰہی کی بے مثلیت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"جس کو ذرا بھی عقل ہے وہ خوب جانتا ہے کہ جس چیز کو قوائے بشریہ نے بنایا ہے اس کا بنانا بشری طاقت سے باہر نہیں ورنہ کوئی بشر اس کے بنانے پر قادر نہ ہو سکتا۔ الخ" (عشرہ ص۹۶ بحوالہ براہین احمدیہ ص۱۵۹)

اِس عبارت کو نقل کرنے کے بعد معترض پٹیالوی اپنے جہل مرکب کا مظاہرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اب مرزائی صاحبان کو اختیار ہے کہ اپنے پیر کے فتویٰ کو رد کریں یا انکی تصانیف کے اعجاز سے انکار کریں۔ ایک جگہ مرزا صاحب کا جھوٹ ضرور ماننا پڑیگا۔" (عشرہ ص۹۶)

الجواب۔ حضرت مرزا صاحبؑ کا تو کسی جگہ جھوٹ نہیں صرف آپ کو اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہیئے۔ کیونکہ اعجازی کلام اور معجزانہ تصانیف آفتابِ نیمروز اور صداقت باہرہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔ اور براہینِ احمدیہ کے حوالہ میں جس کلام کا ذکر ہے وہ بشری کلام ہے جسکو انسان خود بناتا ہے۔ گویا اعجازی تصانیف بجائے خود معجزہ ہیں اور براہین احمدیہ کے متذکرہ صدر حوالہ کو ان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہاں پر انسان کی اپنی تصنیف کا ذکر ہے جو انسانی طاقت کے اندر کی بات ہے۔ پس ان دونوں کلاموں میں کوئی تعارض نہیں۔ اب یہ سوال ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اعجازی تصانیف آپؑ کی اپنی طاقت سے ہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہیں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "اِس خیال میں میرے مخالف سراسر سچ پر ہیں کہ یہ اس شخص کا کام نہیں کوئی اور پوشیدہ طور پر اس کو مدد دیتا ہے۔ سو مَیں گواہی دیتا ہوں کہ حقیقت میں ایک اور ہے جو مجھے مدد دیتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ وہ قادر و توانا ہے جسکے

آستانہ پر ہمارا سر ہے۔" (اعجاز المسیح ٹائیٹل صد)

(۲) "دوسرا حصہ میری تحریر کا محض خارق عادت کے طور پر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں مثلاً ایک عربی عبارت لکھتا ہوں اور سلسلہ عبارت میں بعض ایسے الفاظ کی حاجت پڑتی ہے کہ وہ مجھے معلوم نہیں ہیں تب ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی وحی رہنمائی کرتی ہے اور وہ لفظ وحی متلو کی طرح روح القدس میرے دل میں ڈالتا ہے اور زبان پر جاری کرتا ہے اور اُس وقت میں اپنی حس سے غائب ہوتا ہوں۔"

(نزول المسیح ص۵۶)

ناظرین! للہ انصاف کریں کہ کیا حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنے اعجازی کلام کو بشری کلام یا اپنی طاقت کا نتیجہ قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ براہین احمدیہ کے حوالہ میں تو بشری کلام اور مقدور البشر کلام کا ذکر ہے کہ وہ بے نظیر نہیں کہلا سکتا۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ ان میں اختلاف کا خیال محض ایک سفسطہ ہے وبس۔

قاضی ظفر الدین صاحب کا قصیدہ رائیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی ثناء اللہ کو لکھا تھا۔

فکر بجہد لہ خمس عشرۃ لیلۃ ونادِ حسیناً او ظفراً او صغرا

"پس تو پندرہ راتیں کوشش کر ناداں اور محمد حسین اور قاضی ظفر الدین اور اصغر علی کو بُلالے۔" (اعجاز احمدی ص۸۵)

مولوی ثناء اللہ اور اس کے رفقاء اعجاز احمدی کی مثل سے عاجز رہ گئے۔ ان میں سے قاضی ظفر الدین نے ارادہ کیا کہ قصیدہ اعجازیہ کے بالمقابل کوئی قصیدہ تصنیف کرے۔ چنانچہ اُس نے بھی چند ٹوٹے پھوٹے شعر کہے تھے اور قصیدہ بالکل ناتمام تھا کہ قاضی ظفر الدین کا کام تمام ہوگیا اور وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک نشان بن گیا۔ وہ ناتمام اشعار دنیا سے اوجھل تھے اور اس طرح سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ نشان بھی مخفی تھا لیکن جب حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب احمدی بوتالویؓ کو اس نشان کا علم ہوا اور انہوں نے اس کے بیٹے فیض اللہ کو تحریک کی اور اُس نے ان اشعار کو ۱۹۳۰ء میں چھپوایا اور ظاہر ہوگیا کہ قاضی ظفر الدین

کی ناگہانی موت کا باعث اس کا معاندت احمدیت میں انہماک تھا تو دنیا نے اعجاز احمدی کی قوت کا ایک اور زبردست نمونہ دیکھا فیض اللہ مذکور خود بھی منشی جناب علی صاحب احمدی سے مباہلہ کرکے ۱۳ اپریل ۱۹۰۷ء کو طاعون کا شکار ہوگیا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۵)

یاد رہے کہ قاضی ظفر الدین کے اشعار اخبار اہلحدیث ۱۱ جنوری تا ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئے ہیں (الہامات مرزا صفحہ ۱۰۲)۔ گویا یہ ڈبل نشان ہے۔ قاضی ظفر الدین نے اشعار لکھنے کا ارادہ کیا تو وہ تباہ ہوگیا۔ اس کے بیٹے نے ان کی اشاعت کا اہتمام کیا اور ایک احمدی سے مباہلہ کیا اور لقمۂ طاعون بن گیا۔ انّ فی ذالک لعبرۃً لاولی الالباب۔ اندریں حالات قاضی ظفر الدین کا مزعومہ قصیدہ تو احمدیت کا ایک کھلا نشان ہے۔ قاضی مذکور کے متعلق مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا تھا کہ:۔

"واضح ہو کہ قاضی صاحب کو مرزا صاحب نے اپنے قصیدے کے جواب کے لئے طلب فرمایا تھا" (الہامات مرزا صفحہ ۱۰۳)

پھر کیا مقررہ مدت میں قاضی صاحب نے جواب قصیدہ لکھا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ وہ تو اپنے اشعار کو مکمل کرنے بھی نہیں پایا تھا کہ ملک الموت نے دبوچ لیا۔ پس بعض غیر احمدیوں کا اس نام نہاد قصیدہ کو پیش کرکے اعجاز احمدی کا جواب بتلانا سراسر غلط بیانی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"قاضی ظفر الدین بھی ہمارے سلسلہ کا سخت مخالف تھا اور جب اس نے اس سلسلہ کے برخلاف ایک عربی نظم لکھنی شروع کی تو ہنوز اسے پورا نہ کر چکا تھا اور مسودہ اس کے گھر میں تھا۔ چھاپنے تک نوبت نہ پہنچی تھی کہ وہ مرگیا.... .... ایک قصیدہ میں نے عربی میں تالیف کیا تھا جس کا نام اعجاز احمدی رکھا تھا اور الہامی طور پر بتلایا گیا تھا کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا اور اگر طاقت بھی رکھتا ہوگا تو خدا کوئی روک ڈال دے گا۔ پس قاضی ظفر الدین جو نہایت درجہ اپنی طینت میں ضمیر انکار اور تعصب اور خود بینی رکھتا تھا اس نے اس قصیدہ کا جواب لکھنا شروع کیا تا خدا کے فرمودہ کی تکذیب کرے۔ پس ابھی وہ لکھ ہی

رہا تھا کہ ملک الموت نے اس کا کام تمام کر دیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۵ وحاشیہ)

اعجازی کلام اور قرآن مجید

ایک مقام پر معترض پٹیالوی پُر فریب آنسوے بہاتا ہوا لکھتا ہے:۔

"یہ بات غیر مذاہب والوں کے لیے بڑے اعتراض کی گنجائش رکھتی ہے کہ ۱۳۰۰ برس میں تو قرآن مجید کا مثل نہ ہو سکا۔ آج مسلمانوں میں سے ہی ایک شخص اپنے ہی کلام[1] کو قرآنی تحدّی[2] کے طور پر پیش کرتا ہے۔ گویا قرآن مجید کا نظیر ممکن ہو گیا۔ الخ" (ص۶ عشرہ)

الجواب۔ اسلام کے اتنے ہمدرد اور غمخوار ہونے کا دعویٰ مگر کذب بیانی دن رات کا شیوہ؟ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں ؏ ضدان مفترقان ای تفرق۔ تم کو اگر واقعی قرآن مجید کا پاس ہوتا تو بیسیوں آیات کو منسوخ قرار دیکر قرآن کو موردِ طعن نہ بناتے۔ اگر واقعی تم میں قرآن مجید کی محبت ہوتی تو ایسا گندہ نمونہ دنیا کو نہ دکھلاتے۔ سچ کہا ہے کہ اب تم میں سے قرآن اُٹھ گیا اور صرف الفاظ باقی ہیں۔ لیجئے پڑھیے:۔

(۱) "سچی بات یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اُٹھ چکا ہے۔ فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں مگر واللہ دل سے اسے معمولی اور بہت معمولی اور بیکار کتاب جانتے ہیں۔" (اخبار اہلحدیث ۱۴ رجون ۱۹۱۲ء ص۶ بحوالہ کرزن گزٹ)

(۲) "اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس امت کے بدتر اُن کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔"

(اقتراب الساعۃ ص۱۲)

پس آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کے لیئے قرآن مجید کو آڑ بنا کر عوام کو متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کیا ابھی دنیا میں ایسے بے وقوف ہیں جو اس دھوکہ میں آجائیں؟ اور

---

[1] غلط! اپنے کلام کو نہیں بلکہ خدا سے اعجاز یافتہ کلام کو پیش کرتا ہے۔ (مؤلف)

[2] قرآنی تحدّی دائمی ہے مگر حضرت کے اعجازی کلام پر تحدّی کے لیئے مدّت کی تعیین ہے کما مر۔ (مؤلف)

اس دھوکہ کی ٹٹی کا شکار ہو جائیں؟ آپ کے اس اعتراض کا جواب اُوپر کی سطور میں گزر چکا ہے۔ ہم اس جگہ صرف ایک حوالہ درج کرنے کے بعد اس جواب کو ختم کر دینگے۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارا تو دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا معارف حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں اور وہ بلاغت جو ایک بے ہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی۔ اس کو کلام الٰہی کا خادم بنایا جائے۔" (نزول المسیح ص۵۹)

حضرات! آپ مندرجہ بالا اقتباس کو پڑھیں اور سمجھ لیں کہ معترض پٹیالوی کی دیانتداری کا جنازہ نکل چکا ہے۔ دیکھئے اتنا بڑا ظلم کہ حضرت مسیح موعودؑ تو اس اعجازی کلام کو حقائق و معارف قرآنی کے اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اسی لئے اعجاز المسیح میں معارف سے لبریز تفسیر سورۃ فاتحہ درج فرمائی لیکن یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے قرآن کی مثل کا امکان ثابت کر دیا؟ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ یہ اعتراض ویسی ہی نادانی ہے جیسا کہ پنڈت دیانند نے لکھا ہے کہ فیضی نے بے نقط کتاب قرآن مجید کے مقابلہ پر تیار کی تھی حالانکہ وہ تو خود قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ یہی حال اس جگہ ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے مقابلہ پر ہے حالانکہ مدعی پکار پکار کر بتا رہا ہے کہ مَیں نے یہ کتب قرآن پاک کی خدمت اور معارف قرآن کی اشاعت اور ترویج کے لئے لکھی ہیں ؎

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

ناظرین کرام! ان سطور سے واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعجازی کلام محض تائید قرآن مجید کے لئے ہے۔ ایک دوسری جگہ حضرتؑ نے اس سے بھی زیادہ واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"مَیں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" (ضرورۃ الامام ص۲۵)

مسئلہ اعجاز پر پیش کردہ اعتراضات کے جواب کے بعد ہم پٹیالوی معترض کی دوسری معترضات

کا جواب لکھتے ہیں۔

مفتریانہ اقوال اور اُن کی حقیقت

(اتام ۲) معترض پٹیالوی لکھتا ہے :-

"جب مرزا صاحب کو ان کے غلط الہامات اور جھوٹی پیشگوئیوں کی وجہ سے مفتری کہا گیا تو آپ لکھتے ہیں کہ (۱) قرآن شریف کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا مفتری دنیا میں دست بدست سزا پا لیتا ہے۔ خدائے قادر وغیور اس کو امن میں نہیں چھوڑتا۔ اس کی غیرت اس کو کچل ڈالتی ہے اور جلد ہلاک کرتی ہے۔ (انجام آتھم ص۴۹)۔ (۲) خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والا جلد مارا جاتا ہے (انجام آتھم ص۵۰) (۳) ہم نہایت کامل تحقیقات سے کہتے ہیں کہ ایسا افتراء کبھی کسی زمانہ میں چل نہیں سکا۔ اور خدا کی پاک کتاب صاف گواہی دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرنیوالے جلد ہلاک کئے گئے ہیں۔ (انجام آتھم ص۶۳) یہ ہر سہ اقوال بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ خدا پر افتراء کرنے والے بعض جلدی مارے گئے۔ بعض پہلے نہایت غریب تھے مگر افتراء علی اللہ کرنے کے بعد بادشاہ بن گئے۔[1] ..... قرآن شریف سے تو ایسے لوگوں کو مہلت دیئے جانے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ واُملی لھم انّ کیدی متین ..... تین افتراء تو یہ ہوئے۔" (عشرہ ص۱۰۱)

الجواب - ان تین اقتباسات کو جو ایک ہی کتاب میں اور ایک ہی مطلب پر مشتمل ہیں "تین افتراء" قرار دینا خود ایک گندہ جھوٹ ہے۔ ایک لمحہ کے لئے فرض کرلو کہ "قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے" تو کیا پھر یہ تین افتراء ہوئے؟ جبکہ ان ہر سہ عبارتوں کا مفاد ایک ہی ہے تو پھر اگر نعوذ باللہ یہ افتراء ہے تو ایک ہوا یا تین؟ اگر تمہاری کا یہی طریق ہے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سینکڑوں تحریرات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے

[1] ہم ان کے متعلق نہایت تفصیل سے فصل اوّل میں بحث کر چکے ہیں۔ (مؤلف)

سب کو جمع کر دیا ہوتا۔ تا "افتراؤں" کا انبار جمع ہو جاتا۔ افسوس کہ نادان مخالف معاندت میں عدل کے طریق کو بالکل خیرباد کہہ دیتے ہیں لیکن وہ بھی معذور ہیں کیونکہ اس کے بغیر مخالفت کرنا ممکن ہے۔

واضح رہے کہ معترض مذکور نے "عشرہ کاملہ" کی پہلی فصل میں یہی دعویٰ کیا تھا بلکہ انہی الفاظ میں ذکر کیا تھا۔ ہم بہت تفصیل سے اس جگہ اس کے متعلق بحث کر چکے ہیں لیکن تاہم مختصراً اس جگہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تحدی

حضورؑ نے انجام آتھم کے مندرجہ بالا اقتباسات میں بتایا ہے کہ افترا کرنے والا جلد موردِ سزا ہوتا ہے۔

حضورؑ کی تحریر میں اس جگہ افترا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا:-

"افترا سے مراد ہمارے کلام میں وہ افترا ہے کہ کوئی شخص عمداً اپنی طرف سے بعض کلمات تراش کر یا ایک کتاب بنا کر پھر یہ دعویٰ کرے کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس نے مجھے الہام کیا ہے اور ان باتوں کے بارے میں میرے پر اس کی وحی نازل ہوئی ہے حالانکہ کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ سو ہم نہایت کامل تحقیقات سے کہتے ہیں کہ ایسا افترا کبھی کسی زمانہ میں چل نہیں سکا۔ الخ"

(انجام آتھم صفحہ ۶۳ حاشیہ)

اس عبارت سے جس کا آخری حصہ معترض نے بھی تیسرے نمبر میں ذکر کیا ہے افترا کی تعریف ظاہر ہے۔ حضورؑ کو اس بیان پر کامل تحقیقات کا دعویٰ ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ آپؑ نے اس کے مخالف نظیر لانے والے کو پانسو روپیہ انعام دینے کا بھی اعلان فرمایا۔ جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:-

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے تیئیس ۲۳ برس تک جو زمانۂ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو روپیہ نقد دونگا۔" (اربعین ۴ صفحہ ۱۵)

یہ اقتباس ایک طرف حضورؑ کے یقینِ تام پر زبردست گواہ ہے اور دوسری طرف اس نے مفتری

کی ہلاکت کا زمانہ بھی محدود کر دیا کیونکہ بتا دیا کہ کوئی مفتری جھوٹے الہام کا دعویٰ کر کے اور اس دعویٰ کی تشہیر کر کے اتنا عرصہ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد دعویٰ وحی یا خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ رہے۔ اگر اس کی کوئی نظیر ہے تو بیان کرو اور پانصد روپیہ انعام لو۔ علماء نے مخالفت کی اور شدید مخالفت کی مگر اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکے اور تا قیامت نہیں کر سکتے۔ مؤلف عشرہ نے اپنی کم علمی کے باعث بعض نام پیش کئے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی آیت لو تقوّل کے معیار کے مطابق پورا نہیں اُتر سکتا جیسا کہ ہم فصلِ اوّل میں مفصل لکھ چکے ہیں۔

آیت املی لھم اور معترض پٹیالوی کا مغالطہ

مندرجہ بالا دعویٰ کی تردید کی دو ہی صورتیں تھیں (۱) یا تو واقعات سے دکھا دیا جاتا کہ "ایک مفتری بھی ۲۳ سال تک زندہ رہا ہے"۔ اس میں مخالفین کو بے نظیر ناکامی ہوئی۔ تواریخ کی ورق گردانی اور واقعات کی شہادت اسی بات پر متفق ہے کہ ایسی کوئی نظیر نہیں۔ معترض پٹیالوی بھی بہمہ دعاوی تحقیق سراسر ناکام رہا ہے۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں اور بصیرتِ تامہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ وہ ایسی مثال تلاش کرتے کرتے مر بھی جائیں تب بھی کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ خدا کے کلام (ولو تقوّل علینا۔ الآیۃ) کا باطل ہونا زمین و آسمان کے فی الفور ٹل جانے سے بڑھ کر محال و ناممکن ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ تھی کہ قرآن مجید سے ثبوت دے دیا جاتا کہ مدعیٔ الہام مفتری کو مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے لئے معترض نے لکھا ہے کہ:۔

> "قرآن شریف سے تو ایسے لوگوں (مفتریوں) کو مہلت دیئے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے واملی لھم ان کیدی متین"۔ (عشرہ صنٹ)

معترض پٹیالوی نے اپنے دعوے کی تائید میں ایک ہی آیت پیش کی ہے جس کا ترجمہ حاشیہ میں یوں کیا ہے:۔

> "ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں لیکن (اس مہلت کے بعد) ہماری گرفت بہت سخت ہے"۔

ہم اس ترجمہ کی صحت کو اعراضاً عن البحث قبول کر لیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں "ان کو"

کی ضمیر کا مرجع کون ہیں۔ واللہ اگر ھُم کا مرجع افتراء علی اللہ کرنے والے اور مدعیٔ الہام ہوں تو معترض پٹیالوی کا دعویٰ درست، راست اور برحق ہے لیکن اگر ھُم کا مرجع مدعیٔ الہام نہ ہوں بلکہ وہ لوگ ہوں جو کسی صادق مدعیٔ الہام کی تکذیب کرتے اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو پھر اس بات کے ماننے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ منشی محمد یعقوب اور اس کے "رأس المناظرین" نے نہایت مکروہ دھوکہ دیا ہے اور وہ بھی مذہب اور قرآن مجید کے نام پر۔ ع

بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

آئیے قرآن مجید میں اس کا محل و توقع دیکھیں۔ یاد رہے کہ یہ آیت قرآن پاک میں دو جگہ آئی ہے اور وہ دونوں موقعے یہ ہیں :۔

(۱) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الاعراف ع ۲۳)

ترجمہ۔ جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہم ان کو درجہ بدرجہ اُس جگہ لیجائیں گے جس کو وہ نہیں جانتے۔ میں ان کو مہلت دوں گا تحقیق میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدعیٔ نبوت) کو کوئی جنون نہیں۔ بلکہ وہ تو صرف کُھلا کُھلا ڈرانے والا ہے۔"

(۲) فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ (القلم ع ۲)

ترجمہ۔ اے رسول! مجھ کو اور اس کتاب کے مکذبین کو چھوڑ دے ہم ان کو لے جائیں گے ایسے طور پر کہ وہ نہ جان سکیں۔ میں ان کو مہلت دوں گا میری تدبیر نہایت مضبوط ہے۔ کیا تو ان سے کوئی اجر مانگتا ہے کہ وہ اس کی چٹی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں۔"

حضرات قارئین! آپ اِن آیات پر اگر چھلتی ہوئی نگاہ بھی ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا

کہ ان میں جن لوگوں کو مہلت دینے کا ذکر ہے وہ مدعیانِ نبوت و الہام نہیں بلکہ صرف اور صرف گروہِ مکذبینِ انبیاء ہے۔ پس بتائیے کہ معترض پٹیالوی نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط، باطل اور جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہی وہ استدلالات ہیں جن پہ ٹپا کا بردِ یوبند" کو ناز ہے اور مکذب پٹیالوی کے نزدیک وہ لاجواب ہیں؟ شرم! شرم!! ؎

اللہ اللہ خاتمہ ہی کر دیا تزویر کا ❋ واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی تحریر کا

مفتری کی ہلاکت اور آیاتِ قرآنیہ

معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیانات کو بالکل "غلط"، "بے بنیاد" اور "افتراء" قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ:-

"قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔" (عشرہ صنے)

الجواب - سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجامِ آتھم ص۴۹ والی تحریر میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کر دیا تھا مگر معترض پھر بھی نہ ہونے کی رٹ لگا رہا ہے۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے:-

"اب چونکہ تکذیب اور تکفیر ان کی انتہا تک پہنچ گئی۔ اسلئے وقت آ گیا کہ خدائے قادر اور علیم اور خبیر کے ہاتھ سے جھوٹے اور سچے میں فرق کیا جائے۔ ہمارے مخالف مولوی اس بات کو جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایسے شخص سے کس قدر بیزاری ظاہر کی ہے جو خدا تعالیٰ پر افتراء باندھے۔ یہاں تک کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اگر وہ بعض قول میرے پر افتراء کرتا تو میں فی الفور پکڑ لیتا اور رگِ جان کاٹ دیتا۔ غرض خدا تعالیٰ پر افتراء کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں فلاں الہام مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ حالانکہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ ایک ایسا سخت گناہ ہے کہ اس کی سزا میں صرف جہنم کی ہی وعید نہیں بلکہ قرآن شریف کے نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا مفتری اسی دنیا میں دست بدست سزا پا لیتا ہے۔" (انجامِ آتھم ص۴۹)

اس اقتباس کے جلی الفاظ صاف طور پر وہ آیت بتا رہے ہیں (یعنی آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ

عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ ۔ الحاقہ ع۲) جس سے حضور نے مفتری کی ہلاکت کا قانون اخذ فرمایا ہے۔

ہم فصل اوّل میں لو تقوّل کے متعلق سیر کن بحث کر چکے ہیں اسلیئے اس جگہ صرف چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ لوتقوّل علینا کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

(الف) مولوی ثناء اللہ امرتسری بایں الفاظ ترجمہ کرتے ہیں :۔

"اگر یہ رسول ہمارے ذمہ کوئی بات لگا دے جس کے کہنے کی اُسے اجازت نہ ہو تو ہم اس کو فوراً ہلاک کر ڈالیں۔" (تفسیر ثنائی جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ حاشیہ)

(ب) علامہ زمخشری فرماتے ہیں :۔

"والمعنٰی[1] لو ادعی علینا شیئاً لم نقله لقتلناه صبراً کما یفعله الملوك بمن یتکذب علیهم معاجلة بالسخط والانتقام۔"

(تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۲ مطبوعہ کلکتہ)

(ج) امام ابوجعفر طبری لکھتے ہیں :۔

"ولو تقوّل علینا محمّد بعض الاقاویل الباطلة وتکذب علینا لاخذنا منه بالیمین یقول لاخذنا منه بالقوّة منّا والقدرة ثمّ لقطعنا منه نیاط القلب وانّما یعنی بذالك انه کان یعاجله بالعقوبة ولا یؤخرهٔ بها۔" (ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۲۲)۔

(د) علامہ فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں :۔

"هذا ذکره علی سبیل التمثیل بما یفعله الملوك بمن یتکذب علیهم فانّهم لا یمهلونه بل یضربون رقبته فی الحال۔" (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۹۱)

یہ چاروں گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ آیت لوتقوّل میں جھوٹے مدعی الہام و نبوت کو فوراً سزا دینے کا ذکر ہے۔ اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسا لکھ دیا تو اندھے مخالف اس کو

---

[1] ان عربی عبارتوں کا ترجمہ فصل اوّل میں گذر چکا ہے۔ (مؤلف)

افتراء قرار دئے ہے ہیں۔ تلک اذاً قسمة ضیزیٰ۔

پس پہلی آیت جسے خود حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آتھم میں ذکر فرمایا اور جو اس باب میں نہایت شاندار دلیل ہے وہ ولو تقوّل علینا بعض الا قا دیل ہی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہیں

(۱) قَالَ لَهُمْ مُوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (طٰہٰ عٓ) ترجمہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ خدا تعالیٰ پر جھوٹا افتراء نہ کرو ورنہ وہ تم کو سخت عذاب سے برباد کر دے گا۔

(۲) وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ۔ الآیۃ (المومن عٓ) ترجمہ۔ اگر یہ جھوٹا ہے تو اس پر اس کا وبال آئے گا۔

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ (الاعراف عٓ۱۹) ترجمہ۔ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان کو اسی دنیا میں خدا کا غضب اور ذلّت پکڑ لیتی ہے اور مفتری اور کاذبوں کو ہم یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

(۴) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الانعام عٓ) ترجمہ۔ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے (طریق فیصلہ یہ ہے کہ) تحقیق ظالم کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

ایسی ہی اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس قدر واضح آیات کی موجودگی میں معترض کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں ایسا کہیں ذکر نہیں بہت بڑا مغالطہ اور غلط بیانی ہے۔ جبکہ قرآن پاک مفتری کی جلد تباہی و بربادی کا قائل ہے اور مفسّرین نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اہلسنّت والجماعت کی مشہور کتاب عقائد نسفی[۲] میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتری کو تیئیس برس مہلت نہیں دیتا۔ اور

---

[۱] یہ آیت اور جگہ بھی آئی ہے اسلئے نصوص کا مطالبہ پورا ہو گیا [۲] مطبوعہ مجتبائی ص[illegible]

نیز اس[1] میں علامہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ آج تک کوئی بھی ایسا مفتری نہیں گزرا جس کو لمبے عرصہ تک مہلت ملی ہو۔ امام ابن القیم[2] نے بھی اسی دلیل کو پیش کیا ہے۔ بلکہ عیسائی مناظر کے لئے اسے ایک ایسا قطعی برہان قرار دیا ہے جس پر اسے خاموش ہونا پڑا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی لکھا ہے کہ:-

"نظامِ عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعیٔ نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ واقعاتِ گزشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت پہنچتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی صلا)

اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:-

"دعویٔ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا۔"

ناظرین کرام! غور طلب یہ امر ہے کہ یہ تمام لوگ مفتری کی جلد ہلاکت کا دعویٰ کریں اور اس کے خلاف ایک نظیر نہ ہو۔ براہین قرآنیہ زبردست طور پر اس کی مؤید ہوں مگر معترض پٹیالوی اس دعویٰ کو افتراء، جھوٹ اور دھوکہ قرار دے ۔ع ایں چہ بوالعجبی است۔ یہ سب ہاتھ پاؤں اسلیئے مارے جا رہے ہیں تا اس معیار کے رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر نہ ہو سکے۔ مگر کون ہے جو خدا کے کاموں کو روک سکے۔ آنکھیں بند کرنے سے سورج کا کیا نقصان ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

پیشگوئی محمدی بیگم کے سلسلہ میں افتراؤں کا جواب

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:-

چوتھا افتراء "اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر۔" (اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

پانچواں افتراء "ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں

---

[1] صلا ۲۴۴ ۔ [2] زاد المعاد جلد اوّل صلا ؀

لا دے گا۔" (اشتہار مذکور)

چھٹا افتراء" اصل امر برحالِ خود قائم است و ہیچکس با حیلۂ خود او را ردّ نتواں کرد۔ وایں تقدیر از خدائے بزرگ تقدیر مبرم است وعنقریب وقت آں خواہد آمد پس قسم آں خدائیکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را برائے ما مبعوث فرمود و اورا بہترین مخلوقات گردانید کہ ایں حق است وعنقریب خواہی دید ومن ایں را برائے صدقِ خود یا کذبِ خود معیار میگردانم ومن نگفتم اِلّا بعد ازاں کہ از رب خود خبر دادہ شدم۔ انجام آتھم ص۲۲۳" (عشرہ ص۱)

ساتواں افتراء" کذبوا بآیاتی وکانوا بہا یستھزءون فسیکفیکھم اللہ ویردّھا الیك امر من لدنّا انّا کنّا فاعلین ..... واپسی کے بعد ہم نے نکاح کر دیا۔ الہام از انجام آتھم ص۶۰" (عشرہ ص۲)

آٹھواں افتراء" ازالہ اوہام ص۲۳۶ میں پیشگوئی نکاح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ..... تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔ الحقّ من ربّك فلا تکن من الممترین۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔ سو اس وقت مجھ پر یہ بھید کھلا کہ کیوں خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو قرآن میں کہا تو شک مت کر۔" (عشرہ ص۳)

نواں افتراء" اس نکاح کے متعلق ضمیمہ انجام آتھم میں لکھتے ہیں کہ ..... تیسری زوجہ جس کا انتظار ہے۔ اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا لفظ حمد اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ اس وقت حمد اور تعریف ہوگی یہ ایک چھپی ہوئی پیشگوئی ہے جس کا سِرّ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا۔" دیکھئے مرزا صاحب اپنے خیالِ خام اور خواہشِ نفس کو کن کن رنگ آمیزیوں اور عظمت و شوکت سے بیان کرتے ہیں۔" (عشرہ ص۳-۴)

دسواں افتراء" مرزا صاحب ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص۵۳ میں لکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیشگوئی

فرمائی ہے کہ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز وہ صاحب اولاد ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوّج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تزوّج سے مراد خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہو گا۔ الخ ..... محمدی بیگم سے نکاح نہ ہونے کی وجہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال بھی افتراء علی الرسول ثابت ہوا۔" (عشرہ ص۳۴)

الجواب ۔ ناظرین کرام! یہ وہ باقی سات افتراء ہیں جو معترض پٹیالوی کے نزدیک باعث ناز ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین نے حضورؐ کے الہامات اور پیشگوئیوں کے متعلق بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان میں سے ایک بھی سچی نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام ع۴) پھر فرمایا وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (النحل ع۱۴) یعنی کفار آنحضرتؐ کے الہامات کے منکر تھے اور ایک نشان میں تبدیلی یا اپنے فہم کے خلاف پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری پکارتے تھے۔ پس مکذب پٹیالوی کا رویہ نیا نہیں۔ بلکہ قدیم سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور صادق انبیاء کو دنیا کے لوگ افتراء کرنے والے ہی بتاتے آئے ہیں۔

ضروری یادداشت

چونکہ معترض پٹیالوی نے محمدی بیگم والی پیشگوئی پر بحث دسویں فصل میں کی ہے۔ جن میں سے بعض باتوں کو اس جگہ ذکر کر دیا ہے ہم بھی تفصیلی گفتگو اس پیشگوئی کے متعلق فصل دہم میں ہی کریں گے اور مصنف کی دوسری کتاب "تحقیق لاثانی" نیز دوسرے مخالفین کے اعتراضات و استدلالات کا بھی ابطال کریں گے انشاء اللہ۔ لیکن تاہم جو امور اس جگہ ذکر ہوئے ہیں ان کا مختصراً جواب درج کرنا ضروری ہے۔ مکمل بحث کے لئے دسویں فصل ملاحظہ فرمائیے۔

اجمالی جواب

ان سات نمبروں میں معترض نے انجام آتھم، ازالۂ اوہام اور اشتہار دس جولائی ۱۸۸۸ء کو پیش کیا ہے۔ اور اس خیال کی بناء پر کہ یہ الہامات

پورے نہیں ہوئے ان کو افتراء قرار دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ الہامات شرطی تھے۔ معترض نے شرط کو چھوڑ دیا ہے اور مطلق ذکر کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ دیکھیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۰ر جولائی والے اشتہار میں حسب ذیل الہام شائع فرمایا ہے :۔

"اَیَّتُهَا الْمَرْاَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ"

اس الہام کے ترجمہ میں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ :۔

"اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ تیری لڑکی (زوجۂ احمد بیگ) اور لڑکی کی لڑکی پر ایک بلا آنے والی ہے اور اس پیشگوئی میں احمد بیگ اور اس کے داماد کی خبر دی گئی تھی۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۸۱)

گویا احمد بیگ کی ہلاکت اور اس کے داماد کی موت عدم توبہ پر موقوف تھی۔ اس شرارت اور فتنہ پروری کو جاری رکھنے پر مبنی تھی جو آئے دن وہ اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف برپا کیا کرتے تھے۔ نکاح جس کے متعلق معترض نے بہت کچھ بیہودہ سرائی کی ہے احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت کے بعد کا مرحلہ ہے یعنی نکاح کا معاملہ ان دونوں کی موت پر موقوف ہے۔ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے :۔

"خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہو گا۔ اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہو گی۔"

(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

گویا نکاح آخری مرحلہ اور ان دونوں کی موت کے بعد مقدر ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی لکھا ہے :۔

"ان میں سے مرزا احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت اور اس کی لڑکی کے نکاح والی پیشگوئی مسلمانوں سے خاص تعلق رکھتی ہے۔" (نکاح مرزا ص۳)

پھر خود مصنف عشرہ نے اپنے "ساتویں افتراء" میں نکاح کو احمد بیگ کے داماد کی موت پر ہی موقوف تسلیم کر لیا ہے۔ جیسا کہ اُس نے اپنے ترجمہ میں بھی لکھا ہے:۔

"واپسی کے بعد ہم نے نکاح کر دیا" (عشرہ صہ۲ۓ)

اِن بیانات سے متذکرہ صدر دعویٰ یعنی یہ کہ نکاح آخری قدم اور ان دونوں کی موت کے بعد کا مرحلہ ہے ایک مسلّمہ بات ہے۔ اسلیئے جب تک دونوں کی موت واقع نہ ہو لے نکاح کا سوال کرنا ہی غلط ہے۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ سلطان محمد کیوں نہ مرا؟ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ اس کی موت کے لیئے عدم توبہ اور اصرار علی التکذیب شرط تھا۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ انجام آتھم جس پر معترض کے اِن سات افتراؤں کی بنیاد ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر ارقام فرمایا ہے:۔

"مَا کَانَ اِلْهَامٌ فِیْ هٰذِهِ الْمُقَدَّمَةِ اِلَّا کَانَ مَعَهٗ شَرْطٌ کَمَا قَرَأْتُ عَلَیْکَ فِی التَّذْکِرَةِ السَّابِقَةِ۔" ترجمہ۔ اِس معاملہ (نکاح محمدی بیگم) میں کوئی بھی الہام ایسا نہیں جس کے ساتھ شرط نہ ہو جیسا کہ میں گزشتہ بیانات میں لکھ چکا ہوں۔" (صہ۲۲۲[1])

اِس قدر واضح بیان کے بعد شرط کو حذف کر کے شور مچانا دیانتداری کا خون کرنا ہے۔

الغرض یہ پیشگوئی اور اس کے متعلقہ تمام الہامات مشروط تھے اور وہ شرائط کے مطابق بالکل پورے ہو گئے جیسا کہ دسویں فصل میں آپ بالتفصیل ملاحظہ فرماویں گے[2]۔ اِس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شرطی پیشگوئیاں اپنے شرائط کے مطابق پورا ہوا کرتی ہیں۔

حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو عذاب کا وعدہ دیا مگر عذاب نہ آیا۔ اگرچہ وہاں شرط صراحتاً مذکور نہ تھی لیکن تاہم چونکہ عذاب کی پیشگوئیاں مشروط بعدم التوبہ ہوتی ہیں اسلیئے نہیں کہہ سکتے کہ یونسؑ کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو سرزمین کنعان کے متعلق "کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ"[3] کی بشارت سنائی لیکن جب قوم نے اپنی بداعمالی کے ماتحت رُوگردانی کی تو وہ وعدہ

---

[1] یہ وہی صفحہ ہے جس کی عبارت کا ایک حصہ معترض نے چھٹے نمبر میں درج کر کے مغالطہ دینا چاہا ہے [2] تفصیل فصل دہم و نہم میں مذکور ہے [3] سورہ مائدہ ع۴

اپنی شرط کے مطابق دوسرے رنگ میں پورا ہوا۔ بہرحال شرطی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ان کے شرائط کے مطابق ہوتا ہے۔ اور چونکہ نکاح کی پیشگوئی بھی شرائط کے ساتھ مشروط تھی اسلیئے وہ انکے مطابق پوری ہوئی اور نہایت ہی شان و شوکت اور جلال کے ساتھ پوری ہوئی۔ للہ الحمد اوّلاً و آخراً۔ تفصیل فصل دہم میں مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ

تفصیلی جوابات

اگرچہ ہم نے عنوان کی رعایت اور تکرار و تطویل سے اجتناب کے خیال سے اصل تفصیل کو دسویں فصل کے لیے مخصوص کیا ہے لیکن معمولی تفصیل اور ساتوں افتراؤں (۴-۷) کے نمبر وار مختصر جواب لکھنے اس جگہ بھی ضروری ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۴) "سلسلہ جنبانی" افترا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی اصل غرض ان لوگوں کو نشان دکھانا تھی۔ اور اس کے دونوں پہلو ہیں۔ خواہ نکاح کے لیئے رضامند ہوں یا نہ ہوں بہرصورت نشان کا رنگ نمایاں ہے۔ حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

> "ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔ بلکہ ایک لڑکا ہونے کا قریب مدّت تک وعدہ دیا گیا جس کا نام محمود احمد ہوگا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو اعجوبہ قدرت دکھلائے۔ اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کر دیوے جو نزدیک چلی آتی ہیں لیکن اگر وہ ردّ کریں تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبہ کرے۔"
>
> (تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

دشمنوں نے انکاری پہلو کا نشان دیکھنا چاہا اور دیکھا جس کا ایک عالم گواہ ہے۔ وانّی لشاھدین۔ پس نفس "سلسلہ جنبانی" کو افترا قرار دینا سراسر غلطی ہے۔

(۵) "ہر ایک مانع" کو دور کرنے یعنے ہلاک کرنے کے لئے عدم التوبہ کی شرط ہے۔ جب

مضمون کو بھی تفصیلاً دسویں فصل میں لکھا گیا ہے۔ ۱۲ (مؤلف)

ان لوگوں نے اِس شرط سے فائدہ اُٹھا کر تکذیب و استہزاء سے کنارہ کشی اختیار کی تو ضرور تھا کہ شرط کے مطابق وہ بچائے جاتے۔ ہاں اگر پھر اسی شرارت کا اعادہ کرتے تو تباہ و برباد ہو جاتے اسی بناء پر تو حضرت اقدسؑ نے نہایت پُرزور الفاظ میں فرمایا :۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو میعاد خدائے تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں ..... ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے کہ اس کو بیباک کر دیوے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اور اس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو" (انجام آتھم ۳۲ حاشیہ)

پس موانع کو دُور کرنا اسی صورت میں تھا ورنہ ہلاکت بھی بالذات مطلوب نہ تھی بلکہ اصل مقصد ان کو انتباہ کرنا اور انابت الی اللہ پیدا کرنا تھا۔ اور وہ حاصل ہو گیا (آئینہ کمالاتِ اسلام ۳۱۹)

(۶) ہم نے معترض کی منقولہ فارسی عبارت اُوپر درج کر دی ہے جس کا مطلب نہایت واضح ہے اور یہ عبارت انجام آتھم ۲۲۳ سے منقول ہے جہاں حضرتؑ نے فرمایا ہے :۔

"دریں مقدمہ ہیچ الہامے نبود کہ با آں شرطے نبود۔ چنانکہ در تذکرہ سابقہ نزدِ تو بیان نمودم"

پس یہ پیشگوئی یقیناً معیارِ صدق و کذب ہے اور یہ حضرت اقدسؑ کی صداقت کا ایک نہایت درخشندہ ثبوت ہے مگر افسوس اُن پر جو عبارتوں کو کانٹ چھانٹ کر عوام کو دھوکہ دیں۔ جب معترض کی نقل کردہ عبارت سے دو سطریں قبل یہ الفاظ مذکور ہیں تو پھر بھی اس کا شرط کو حذف کرنا اِس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ اسے یقین ہے کہ اِس شرط والی صورت میں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۷) معترض نے اِس نمبر میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ "واپسی کے بعد ہم نے نکاح کر دیا" گویا جب واپسی ہو چکے گی تو پھر نکاح ہوگا۔ اور واپسی کے لیئے موت شرط ہے جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا ہے لہٰذا موجودہ حالات میں نکاح کا اعتراض غلط ہے۔

(۸) الہام الحق من ربک نفسِ پیشگوئی کے متعلق ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے چنانچہ خود حضرت مرزا صاحب کا اس کو بقول معترض پٹیالوی "عظمت و شوکت سے بیان کرنا" اس امر کا زبردست ثبوت ہے شیطانی کلام میں عظمت و شوکت کہاں؟ اور خود تراشیدہ اور افتراء میں قوت و طاقت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ حضرت مسیح موعودؑ کا اس کو نہایت یقین اور وثوق سے پیش کرنا ہی آپؑ کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔

الہام الحق من ربک کے مطابق یہ پیشگوئی بہت واضح طور پر پوری ہو گئی اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی اعلان فرمایا۔ جیسا کہ دسویں فصل میں مفصل مسطور ہے۔ فلا اعتراض۔

(۹) یَا اَحْمَدُ اَسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کو بے شک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ انجام آتھم میں محمدی بیگم کے نکاح پر بھی چسپاں کیا ہے اور یہ کوئی قابلِ اعتراض نہیں۔ کیونکہ اِس سلسلہ میں تمام الہامات مشروط ہیں۔ پس اندریں صورت یہ الہام بھی مشروط ہوگا۔ اور یہ بھی اسی شرط کے مطابق پورا ہوا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کی گئی تھی۔ لہٰذا اسکو افتراء قرار دینا خود ایک ناپاک جھوٹ ہے۔

دوسرے اِس الہام کے معنے عربی قواعد کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حسبِ ذیل تحریر فرمائے ہیں:۔

"اے احمد اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو۔ اے آدم اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو۔ یعنی ہر ایک جو تجھ سے تعلق رکھنے والا ہے گو وہ تیری بیوی ہے یا تیرا دوست ہے نجات پائیگا اور اسکو بہشتی زندگی ملے گی اور آخر بہشت میں داخل ہوگا۔" (اربعین ۳ ص۲۵)

گویا اس الہام کے دونوں معنی ہیں۔ اگر ان آخری معنوں میں لو جو اپنے اندر عمومیت کا رنگ لئے ہوئے ہیں تو تمہارے نزدیک بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اور اگر اوّل الذکر معنوں میں لو تب بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اس صورت میں حسب بیان حضرت اقدسؑ وہ شرطی الہام تھا جو اپنی شرط کے مطابق پورا ہوا۔

(۱۰) بخاری شریف میں حدیث ہے۔ سردارِ دوجہاں فخر المرسلین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ (بخاری کتاب الرؤیا جلد ۴ ص۱۵۱)

ترجمہ: میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں۔ میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر مقام ہوگا مگر وہ مدینہ یثرب ثابت ہوا۔"

اس حدیث سے عیاں ہے کہ اگر ایک پیشگوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یمامہ کے متعلق سمجھا اور واقعات نے یمامہ کی جگہ مدینہ طیبہ ثابت کیا تو اس میں کوئی ہرج نہیں اور اس کو افتراء قرار دینا محض ان کور چشم اور بد باطن لوگوں کا کام ہے جو ہمیشہ سے صداقتوں کے انکار پر ہی کمربستہ رہے ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بعض احادیث میں يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ وارد ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسے ضمیمہ انجام آتھم میں محمدی بیگم کے نکاح پر بھی چسپاں فرمایا ہے۔ معترض اس کو "افتراء علی الرسول" قرار دیتا ہے جو محض ایک مغالطہ دہی ہے۔ کیا یہ حدیث موجود نہیں؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد نہیں فرمائے؟ اگر یہ حدیث موجود ہے اور بقول مصنف عشرہ تقویت ایمان کا ذریعہ ہے تو اس کو افتراء علی الرسول قرار دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت کا جو اقتباس معترض نے اسی نمبر میں درج کیا ہے اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل يتزوج ويولد له میں جس شادی اور اولاد کا ذکر ہے اس سے اوائل میں حضرت اقدسؑ نے محمدی بیگم کے رشتہ کو لیا تھا لیکن بعد میں حضورؑ نے تحریر فرمایا:۔

(۱) "مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندانِ سادات میں ہوگی اور اس میں سے اولاد ہوگی تا پیشگوئی حدیث يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارت کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندانِ سیادت سے تعلق دامادی ہوگا کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ يُولَدُ لَهُ کے موافق صالح اور طیب اولاد پیدا ہو، اعلیٰ اور طیب خاندان سے چاہیئے۔ اور وہ خاندانِ سادات ہے۔ اور فقرہ خدیجتی سے مراد اولاد خدیجہ یعنی بنی فاطمہ ہے۔" (اربعین ۲ ص۳ حاشیہ)

(۲) "اور یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا
اسکی نسل سے ایک[1] ایسے شخص کو پیدا کریگا جو اس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی
حمایت کریگا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آچکی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۱۲)

(۳) "قد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ المسیح الموعود یتزوج ویولد
لہٗ ففی ھٰذا اشارۃ الی انّ اللہ یعطیہ ولداً صالحاً یشابہ اباہ ولا یأباہ
ویکون من عباد اللہ المکرمین والسرّ فی ذالک انّ اللہ لا یبشّر الانبیاء
والاولیاء بذریّۃ اِلّا اذا قدّر تولید الصالحین وھٰذہٖ ھی البشارۃ[2] التی
قد بشّرت بھا من سنین۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۷۸ حاشیہ)

گویا بعد میں آپ پر ظاہر کر دیا گیا کہ اس شادی اور اس اولاد سے حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں
بیگم اور آپ کی موجودہ ذریت ہی ہے۔ گویا بعینہٖ "فاذا ھی المدینۃ" والی بات ہے۔

دوم۔ مان لو کہ حدیث میں جس تزوّج کا ذکر ہے اس کو حضرت اقدسؑ نے محمدی بیگم کے نکاح سے
ہی مخصوص مانا ہے تب بھی کوئی اعتراض نہیں کیونکہ جب یہ نکاح حضرت اقدسؑ کے الہامات اور حضورؑ
کی تصریحات کے مطابق شرطی ہے اور حضرتؑ نے خود ہی تزوّج سے یہ شادی مراد لی ہے تو ماننا پڑیگا
کہ از رُوئے تشریح حضرت مسیح موعودؑ یہ حدیث بھی مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ اور غیر مشروط نہیں
بلکہ مذکورہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اور پھر یہ حدیث اور پیشگوئی اپنی شرط کے مطابق
پُوری ہو چکی ہے۔ فلا اعتراض۔

بالآخر یاد رہے کہ معترض پٹیالوی نے اس جگہ اور فصل دہم میں محمدی بیگم کے نام پر اسقدر
دلآزار انداز اختیار کیا ہے جو صرف دشمنانِ خاصانِ حق کا ہی حصہ ہے۔ ہم گالی کا جواب گالی نہیں

---

[1] اس موعود شخص سے مراد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
ہیں۔ چنانچہ ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء کو آپ کی ولادت کے دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اشتہار شائع فرمایا اس
میں آپ کے متعلق لکھا: "خدا نے اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولو العزم ہوگا اور حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔"

[2] اپنی اولاد کے متعلق فرمایا ہے ؎ ہر اک تیری بشارت سے ہُوا ہے (درثمین) اس جگہ اہلِ پیغام
بھی غور کریں۔ ۱۲ (مؤلف)

دے سکتے اور نہ اس کی اجازت ہے اسلئے افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیرٌ بالعباد۔
یاد رہے کہ یہ وہی گندہ طریق ہے جس کو اختیار کرکے آریہ اور عیسائی سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک آوازے کستے ہیں اور صدیوں سے قلوب مومنین کو مجروح کرتے رہے ہیں۔ ہمارے مخالف اس وطیرہ کو اختیار کرتے ہوئے انہی لوگوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو سمجھ دے اور ان کی رہنمائی فرمائے۔ آمین
مصنف عشرہ کاملہ نے اس فصل میں یُدفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ وغیرہ امور کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان امور کا مفصل جواب فصل یازدہم میں موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔
ناظرین کرام! آپ نے معترض پٹیالوی کے پیش کردہ افتراؤں کو پڑھا اور ان کے جوابات کو ملاحظہ فرمایا۔ مخالفین سے ایسی ہی توقع ہوا کرتی ہے۔ کیا کوئی ایک بھی نبی ایسا گزرا ہے جس کو زمینی لوگوں نے مفتری قرار نہ دیا ہو۔ ہاں نبی چونکہ آسمان سے آتا ہے اسلئے جب دنیا کے لوگ اس کو مفتری قرار دیتے ہیں تب ربّ السمٰوات اس کی نصرت کے لئے اُترتا ہے اور اسکے مخالف انسانوں کو ان کے منصوبوں، کوششوں اور ارادوں میں ناکام اور خائب و خاسر کرتا ہے اور یہ اس نبی کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ایسا نہ کرے تو دنیا میں اندھیر پڑ جائے۔ اسلئے ایک طرف تو اس نے یہ قانون بنا دیا کہ کسی مفتری اور جھوٹے مدعیٔ رسالت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے مطابق تیئس[1] سال کی مہلت ہرگز نہیں دوں گا۔ بلکہ ایسے دعویدار کو اس سے پیشتر ہی ہلاک و برباد کر دوں گا۔ نیز جھوٹوں کی تائید و نصرت اور قبولیت نہ ہونے دونگا۔ ازل سے ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور تا قیامت ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ حضرت امام ابن القیم کے یہ الفاظ کتنے پیارے ہیں۔ جو انہوں نے کاذب مدعیان نبوت کی حالت[1] "لم یتم له امره ولم تطل مدته[2]" کے فقرہ میں ذکر کرنے کے بعد لکھے ہیں۔ فرمایا:۔

"ھٰذِہٖ سُنَّتُہٗ فِیْ عِبَادِہٖ مُنْذُ قَامَتِ الدُّنْیَا وَاِلٰی اَنْ یَّرِثَ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْھَا" (زاد المعاد جلد اوّل ص۵۰۰)

یعنی از ازل تا ابد وہ ان کو ناکام بناتا آیا ہے اور ناکام بناتا رہے گا۔ ان کی باتوں کو کبھی فروغ حاصل نہیں ہوتا۔ مؤلف عشرہ نے بھی لکھا ہے:۔

"کتب آسمانی اس حقیقت پر متفق ہیں کہ جو شخص ایسی باتیں اللہ کی طرف سے بیان کرے جو غلط نکلیں اور پوری نہ ہوں وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ عام طور پر عقلمند اور شائستہ لوگوں میں اس شخص کی سچی باتوں کو بھی فروغ نہیں ہو سکتا جو جھوٹ بولنے کا عادی ہو" (عشرہ ص۹۴)

آؤ! اب دیکھیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی اشد مخالفت آپ پر بے حد بہتان طرازی اور مذہبی و سیاسی اشتعال انگیزی کے باوجود آپ کا کیا حال ہے۔ ذرا جماعت احمدیہ پر نظر ڈالو معلوم ہوگا کہ ہر طبقہ کے لوگ، عقلمند اور شائستہ لوگ اس میں شامل ہیں۔ اور ہر آنے والا دن احمدیت کے حلقہ کو وسیع سے وسیع تر کرتا جا رہا ہے۔ کیا اگر حضرت مرزا صاحبؑ فی الواقع مفتری ہوتے تو خدا تعالیٰ ان کے ساتھ یہی سلوک کرتا اور اسی طرح ان کی باتوں کو فروغ دیتا؟ بھائیو! خدا کا فعل شہادت دیتا ہے کہ علماء اور مکذبین خطا پر ہیں۔ وہ مدعی یقیناً راستباز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی پشت و پناہ تھا۔ اس کی حمایت و نصرت اور تائید ہر قدم پر اس کے شامل حال تھی۔ اندھی دنیا نے اس کو شناخت نہ کیا۔ وقت آتا ہے کہ لوگ اس کو شناخت کریں۔ ۲۳ سال سے زیادہ مہلت اور بار بار آسمانی نصرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی پر زبردست گواہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس قدر یہ زندگی کیا افترا میں کٹ گئی
پھر عجب تر یہ کہ نصرت کے ہوئے جاری بحار
(درثمین)

ل بلحاظ حقیقت۔ ورنہ تمام صادق نبیوں کے متعلق ان کے دشمن یہی دعویٰ کرتے ہیں۔ اسلئے اصل فیصلہ نصرت الٰہی ہے۔ پڑھیئے حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا۔ الآیۃ (انعام ع۴) (ابوالعطاء)

فصل ہفتم

"دس جھوٹ اور دھوکے"

واہ رے جوشِ جہالت خوب دکھلائے ہیں رنگ
جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ وار
(حضرت مسیح موعودؑ)

تاریخ کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ نبیٔ وقت جو سچائی کا سب سے بڑا علمبردار، صداقت کا سرچشمہ، اور راستی کا دلدادہ ہوتا ہے۔ مخالف اسے جھوٹا، فریبی اور کذاب قرار دیتے ہیں۔ اُس پر پھبتیاں کہتے اور اُسے دنیا میں بدترین وجود بتاتے ہیں۔ حضرت صالحؑ کے مکذب آپ کو "کَذَّابٌ اَشِر"[1] قرار دیتے ہیں۔ پھر سب سے بڑے رسول سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر آپ کو "سَاحِرٌ کَذَّابٌ"[2] کہتے ہیں۔ یہی حال موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ آپ سچائی کے معلّم تھے اور صداقت شعاری میں نمونہ۔ حضورؑ کے والد ماجد کے خلاف مقدمات میں دشمن آپ کی گواہی رکھوا دیتے۔ زمانہ کی نظروں میں اور دوست و دشمن کے تجربہ میں آپ پورے طور پر راستباز اور سچے انسان تھے اور سب اس بات کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر جونہی آپ نے مسیحیت و ماموریت کا دعویٰ فرمایا۔ دنیا آپ کی دشمن ہوگئی۔ کل تک جو لوگ آپ کو راست گفتاری میں یکتائے روزگار سمجھتے تھے آپ کی عیب شماری میں لگ گئے۔ اور آج تو یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ منشی محمد یعقوب ایسا انسان بھی آپ کو

---

[1] القمر ع ۲
[2] ص ع ۱

نعوذ باللہ" دس جھوٹ اور دھوکے" منسوب کرنے کا مدعی ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے کہ دنیا کے فرزند انبیاء سے ایسا کیوں کرتے رہے تو آپ کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اس دلگداز حقیقت کی تہ میں صرف ایک راز ہے اور وہ یہ کہ چونکہ منکرین خود جھوٹ اور دھوکہ کے عادی ہوتے ہیں اسلئے وہ نبیوں پر بھی یہی بدگمانی کرتے ہیں۔ ع

یہ تو ہے سب شکل ان کی ہم تو ہیں آئینہ دار

ہمارے مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے اسلئے یہ سلوک کر رہے ہیں لیکن جن کو ماننے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے متعلق بھی ان کے ایسے ہی عقائد ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان کا خیال ہے کہ انہوں نے تین مرتبہ کذب بیانی (ثلاث کذبات) کی ہے حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور دیگر انبیاء کے متعلق بھی کئی قسم کے مکروہ افعال کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب اگر یہ لوگ حضرت مسیح موعودؑ کو گالیاں دیں تو جائے تعجب نہیں۔ آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور دھوکہ باز کہیں تو نئی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"مجھ میں وہ یقین اور بصیرت اور معرفت کا نور پیدا کیا جو مجھے اس تاریک دنیا سے ہزاروں کوس دور تر کھینچ کر لے گیا۔ اب اگرچہ میں دنیا میں ہوں مگر دنیا میں سے نہیں ہوں۔ اگر دنیا مجھے نہیں پہچانتی تو کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز جو بہت دور اور بہت بلند ہے اس کا پہچاننا مشکل ہے۔ میں کبھی امید نہیں کرتا کہ دنیا مجھ سے محبت کرے۔ کیونکہ دنیا نے کبھی کسی راستباز سے محبت نہیں کی۔ مجھے اس سے خوشی ہے کہ مجھے گالیاں دی گئیں، دجال کہا گیا، کافر ٹھہرایا گیا کیونکہ سورۃ فاتحہ میں ایک مخفی پیشگوئی موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو کافر اور دجال کہہ کر مغضوب علیہم بن گئے بعض مسلمان بھی ایسے ہی بنیں گے۔" (نزول المسیح ص۳۶)

اس فصل میں معترض پٹیالوی نے جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے بزعم خویش حضرت اقدسؑ کی طرف "دس جھوٹ" منسوب کئے ہیں لیکن ساتھ ہی تسلیم کرتا ہے کہ :۔

"مرزا صاحب نے بھی جھوٹ کی بہت مذمت کی ہے۔" (عشرہ مت)

معترض کے پیش کردہ جھوٹوں کی حقیقت تو آئندہ صفحات میں مندرج ہے لیکن عقلمند انسان اسی بات سے اندازہ کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحب ایسے ہی جھوٹے اور دروغگو تھے تو پھر انہیں جھوٹ کی مذمت کی کیا ضرورت تھی۔ ان کا مذمت کرنا ہی بتاتا ہے کہ دراصل انہوں نے کوئی کذب بیانی نہیں کی۔ یہ تمام مخالفین کے دماغوں کا اختراع ہے۔ ؎

عاقل را اشارہ کافیست

اب ہم معترض پٹیالوی کے پیش کردہ کذبات کا جواب نمبروار درج کرتے ہیں۔

(۱) معترض پٹیالوی حضرت اقدسؑ کی کتاب اعجاز احمدی ص سے فقرہ "اگر میری ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے تمام گواہ اکٹھے کئے جاویں تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے" نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

"اول تو یہی جھوٹ ہے کہ غلط پیشگوئیوں کو پورا ہونا کہتے ہیں۔ دوسرے یہ ساٹھ لاکھ کی گپ بھی قابلِ داد ہے۔ خود اپنی کتاب نزول مسیح میں لکھتے ہیں کہ میرے مریدوں کی تعداد ستر ہزار ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مرید ہی گواہ ہو سکتے ہیں۔ جب ساٹھ لاکھ مرید نہیں تو ساٹھ لاکھ گواہ کہاں سے ہو گئے۔ پھر یہ کراماتی جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔" (عشرہ مت)

الجواب۔ پیشگوئیاں تو پوری ہوتی ہیں مگر عداوت کیش انسان کا یہی کام ہے کہ ان کو غلط ہی قرار دے۔ ہاں جو آپ نے ستر ہزار اور ساٹھ لاکھ کا مقابلہ کر کے ساٹھ لاکھ گواہوں کا ہونا ناممکن قرار دیا ہے کیونکہ مرید اتنے نہیں۔ اور پھر اسے جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ آپ کی کج فہمی یا صریح خیانت اور دھوکہ دہی ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس معاملہ کو اپنی کتاب نزول المسیح میں بوضاحت بیان کر دیا ہے۔ معترض کی بنائے اعتراض یہ ہے کہ "مرید ہی گواہ ہو سکتے ہیں" اور یہ خود فاسد بلکہ فاسد ترین ہے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج ✿ تا ثریا مے رود دیوار کج

لہ یہ قسم ابھی پٹیالہ میں ایجاد ہوئی ہے۔ کرامت اور جھوٹ؟ ایجادِ گندہ اسی کا نام ہے۔ ۱۲۔ مولف

قرآن مجید اور واقعات کھلے طور پر اس کی تغلیط کر رہے ہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْماً وَّ عُلُوًّا (سورۃ النمل ع) کہ انہوں نے باوجودیکہ دل میں ان نشانات کی صداقت پر یقین کر لیا مگر پھر بھی ظاہری طور پر انکار کر دیا۔" بتلائیے کیا یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے کھلے کھلے معجزات کے گواہ نہ تھے؟ یقیناً تھے! بایں ہمہ وہ مرید بھی نہ تھے۔ قرآن مجید فرماتا ہے اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (الشعراء ع) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بنی اسرائیل کے علماء خوب جانتے ہیں وہ اسکے گواہ ہیں؟ کیا سب علماء بنی اسرائیل مرید ہو گئے تھے؟ نہیں۔ مگر کیا وہ صداقتِ نبوی کے شاہد نہ تھے؟ یقیناً تھے! پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ شق القمر دکھایا۔ کیا تمام کفار اس نشان کے گواہ نہ تھے؟ یقیناً تھے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر ع) ترجمہ۔ قیامت قریب آ گئی اور معجزہ شق القمر کا ظہور ہو گیا۔ یہ لوگ اگر نشان دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے اور اسے قدیمی جادو قرار دیتے ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو معجزہ شق القمر کا گواہ بھی بتایا ہے اور ساتھ ہی ان کے انحراف اور اعتراض کا ذکر بھی کیا ہے۔ امام ابن القیم لکھتے ہیں:۔ لم يقروا لمحمد بانه رسول الله مع تحققهم صدقه وتيقنهم صحة رسالته بالبراهين التي شاهدوها وسمعوا بها في مدة عشرين سنة۔

ترجمہ۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کیا حالانکہ ان پر آپ کی سچائی متحقق ہو چکی تھی اور وہ آپ کی رسالت کی صحت پر یقین رکھتے تھے۔ ان براہین کی وجہ سے جو انہوں نے مشاہدہ کیے اور ان کے گواہ بن گئے۔ اور وہ براہین بیس برس کے عرصہ میں سنتے رہے (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۰۲) پس یہ کہنا کہ "مرید ہی گواہ ہو سکتے ہیں" ایک صریح غلط بیانی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ذریتِ آدم سے میثاق لینے کا ذکر ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ سب لوگ توحید کے گواہ ہیں۔ فرمایا وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف ع ۲۲) گویا فطرتِ انسانی کو ربوبیتِ الٰہی کا گواہ بنایا گیا ہے۔ اب کیا معترض پٹیالوی کے مذہب

مطابق دہریہ اور مشرک اس فطری میثاق کے گواہ نہیں ؟ کیونکہ وہ مرید نہیں یعنی اس توحید کے قائل نہیں۔ اور معترض کا قول ہے "ظاہر ہے کہ مرید ہی گواہ ہو سکتے ہیں" الغرض معترض نے اس فقرہ کے ذریعہ حضرت اقدسؑ پر ہی حملہ نہیں کیا بلکہ تمام صداقتوں پر حملہ کیا ہے۔ ہمارے معاند مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی لکھا ہے :-

"غلبۂ روم کی خبر۔ فتح بدر کی پیشگوئی وغیرہ ہیچو قسم کوئی پیشگوئی ایسی نہ ملیگی جسکے وقوعہ میں کوئی کافر بھی متردد رہا ہو" (الہامات مرزا صـ۳۲)

دیکھئے وہ کافر بھی ہیں اور پیشگوئی کے گواہ بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کا کفر عناداً یا جہلاً ہوا کرتا ہے۔ پس حضرت اقدسؑ کے مریدوں کا ستر ہزار ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ کی پیشگوئیوں کے گواہ بھی ساٹھ لاکھ نہیں ہو سکتے ؟ معترض کا اس بناء پر اعتراض کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

نشانات کے گواہوں کی تعداد

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ گواہوں کا ہونا واقعات کی بناء پر بالکل درست ہے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالتفصیل اس کے متعلق اپنی کتب میں تحریر فرما چکے ہیں۔

(الف) حضور ضمیمہ تریاق القلوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اس دعویٰ کی تائید میں وہ نشان جو مجھ سے صادر ہوئے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جن کا علم میرے خاص مریدوں تک ہی محدود ہو بلکہ اکثر ان کے ایسی عام شہادتوں سے ثابت ہیں جن کی رؤیت کے گواہ ہر ایک فرقہ کے مسلمان اور ہندو اور عیسائی ہیں" (صـ۲۲)

اس کے بعد واقعۂ لیکھرام کے تصدیق کنندگان میں سے جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہیں قریباً تین سو معزز غیر احمدی، ہندو، عیسائی اور سکھ صاحبان کے اسماء ان کے دستخطوں سے مع بیانات درج ہیں۔ ملاحظہ ہو (ضمیمہ تریاق القلوب صـ۲۴ تا ۳۰)

(ب) "افسوس کہ اس ملک کے لوگوں نے بڑی سنگدلی ظاہر کی خدا کے کھلے کھلے نشان دیکھے اور انکار کیا۔ وہ نشان جو ملک میں ظاہر ہوئے جن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان گواہ ہیں جن میں سے کسی قدر بطور نمونہ اسی کتاب میں لکھے جائیں گے۔ وہ

ڈیڑھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں لیکن اس ملک کے لوگ ابھی تک کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔" (نزول المسیح صـ۲۶)

(ج) "اے تکذیب کرنے والو! تم کب باز آؤ گے۔ وہ کب دن آئے گا جو تمہاری بھی آنکھیں کھلیں گی۔ خدا کے نشان یوں برسے جیسے برسات میں مینہ برستا ہے مگر تمہاری خشکی دور نہ ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے صدی کا پانچواں حصہ بھی گزر گیا مگر تمہارا کوئی مجدد ظاہر نہ ہوا۔ خدا نے نشانوں کے دکھلانے میں کمی نہ رکھی کسوف و خسوف رمضان میں بھی ہوا اور بموجب حدیث کے ستارہ ذوالسنین مدت ہوئی کہ نکل چکا اور قرآن اور پہلی کتابوں اور سنیوں اور شیعوں کی حدیثوں کے موافق طاعون بھی ملک میں ظاہر ہو گئی۔ اور حج بھی روکا گیا اور بجائے اونٹوں کے نئی سواریاں بھی پیدا ہو گئیں۔ اور کسر صلیب کی ضرورت بھی سخت محسوس ہونے لگی۔ کیونکہ انتیس[۲۹] لاکھ مرتد عیسائی پنجاب اور ہندوستان میں ظاہر ہو گیا اور آدم سے ۶ ہزار برس بھی گزر گیا مگر اب تک تمہارا مسیح نہ آیا۔ کیا خدا نے نشان نمائی میں کچھ کسر رکھی ..... اگر ان نشانوں کے گواہ جنہوں نے یہ نشان دیکھے جو اب تک زندہ موجود ہیں صف باندھ کر کھڑے کئے جائیں تو ایک بھاری گورنمنٹ کے لشکر کے موافق ان کی تعداد ہوگی۔ اب کس قدر ظلم ہے کہ اس قدر نشانوں کو دیکھ کر پھر کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔" (نزول المسیح صـ۲۸-۲۹)

(د) جلسہ اعظم مذاہب (۱۸۹۶ء) میں مضمون کے غالب رہنے کی پیشگوئی کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"یہ پیشگوئی قبل از وقت بذریعہ اشتہار کے شائع کی گئی تھی اور موقع پر اس کو پورا ہوتے ہوئے دیکھنے والے ہزاروں آدمی اسوقت ہر ملت و مذہب کے میدان جلسہ میں موجود تھے جنہوں نے اقرار کیا کہ یہ مضمون غالب رہا اور نیز انگریزی و اردو اخباروں نے اس امر کی تصدیق کی کہ یہی مضمون سب سے بالا رہا۔"

(نزول المسیح صـ۱۹۵)

لہ اب تو صدی میں سے ۷۴ برس بھی گزر گئے مگر کوئی مجدد مبعوث نہ ہوا۔ سچ فرمایا ہے

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں ❊ عمر دنیا سے بھی اب تو آگیا ہفتم ہزار (مؤلف)

(ذ) نزول المسیح میں متعدد پیشگوئیوں کے گواہ لالہ شرمپت اور ملاوامل آریہ ساکنان قادیان کو درج کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس سے زبردست اور کیا ثبوت ہوگا کہ آریہ جو دین کے پکے دشمن ہیں اس پیشگوئی کے گواہ ہیں منجملہ ان کے لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل[1] ساکنان قادیان جو اب تک زندہ موجود ہیں[2] اس نشان سے خوب واقف ہیں۔ ان کے لئے بڑی مصیبت ہے کہ اسلام کی گواہی دیں لیکن اگر یہ مقام براہین احمدیہ کا ان کو دکھلایا جائے اور ان کی اولاد کی ان کو قسم دی جائے کیونکہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا خوف نہیں تو ممکن نہیں کہ جھوٹ بولیں۔" (نزول المسیح صفحہ ۱۲۵)

حضرات قارئین! ان پانچ اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مرید اس وقت ستر ہزار ہی تھے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے نشانات جو آسمان، زمین، آپ کی ذات، اولاد، خاندان، گھر، آپ کی بستی، پنجاب، ہندوستان، ممالک بیرونی، پھر دشمنوں، دوستوں، رعایا، حکومت، خشکی اور تری سے متعلق ہیں ان کے یقیناً ساٹھ لاکھ بلکہ اس سے زیادہ گواہ ہیں۔ صدق اللہ ورسولہ۔

مؤلف عشرہ نے اس مبنی برحقیقت بیان کو "کراماتی جھوٹ" لکھا ہے۔ اگر فی الواقع پٹیالہ میں جھوٹ کی یہ بھی کوئی قسم ہے تو مجھے کہنے دو کہ اس کے مرتکب منشی محمد یعقوب ہیں نہ حضرت مرزا صاحب! انّ فی ذالک لعبرۃ لاولی الالباب۔

حدیث ھٰذا خلیفۃ اللہ المہدی کا جواب

(۲) معترض پٹیالوی شہادۃ القرآن صفحہ ۴۳ سے ھٰذا خلیفۃ اللہ المہدی کے متعلق عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب نے یہ بالکل جھوٹ لکھا ہے کہ ھذا خلیفۃ اللہ المھدی بخاری کی حدیث ہے۔ کوئی مرزائی صاحب ہمت کرکے بخاری میں یہ دکھائیں۔" (عشرہ صفحہ ۴۵)

---

[1] ملاوامل آریہ آج (۴ دسمبر ۱۹۳۳ء) تک زندہ ہے۔ (مؤلف)

[2] طبع دوم (۱۹۶۳ء) کے وقت ملاوامل بھی فوت ہو چکا ہے۔ (مؤلف)

اس اعتراض کے کئی جواب ہیں :-

الجواب الاوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس حوالہ کو "بالکل جھوٹ" قرار دینا کھلی سفاہت ہے کیونکہ کذب کی تعریف میں علم شرط ہے۔ چھوٹی سی لغت کی کتاب المنجد میں بھی لکھا ہے:-

کذب : اخبر عن الشیٔ بخلاف ما ھو مع العلم بہ (ص۶۷۴)

کہ کذب خلاف بیانی کو کہتے ہیں بشرطیکہ اس کے قائل کو علم ہو کہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ اس تعریف کی رُو سے اگر زید نے بکر کو ریلوے سٹیشن پر دیکھا اور پانچ منٹ کے بعد زید سے اس کا پتہ پوچھا جائے اور وہ ریلوے سٹیشن بتائے حالانکہ بکر پہلے منٹ میں ہی سٹیشن سے نکل کر بازار چلا گیا ہو تو بھی زید جھوٹا نہیں ہوگا کیونکہ اسے بکر کے سٹیشن چھوڑنے کا علم نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی سہو یا غلطی سے خلاف واقعہ بات کہدے تو وہ جھوٹ نہیں کہلائے گا۔ ورنہ لفظ سہو اور غلطی کا لغت میں موجود ہونا عبث محض ہے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ حضور نے ایک مرتبہ بجائے چار رکعت کے دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس وقت ایک صحابی ذوالیدین نے عرض کی کہ کیا حضور بھول گئے ہیں یا نماز کم ہوگئی ہے؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لم انس[1] ولم تقصر۔ نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے۔ تب ذوالیدین نے پھر کہا "بلٰی قد نسیت" حضور ضرور بھول گئے ہیں۔ جس پر آنحضرت نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت فرمایا انہوں نے ذوالیدین کی بات کی تصدیق کی۔ اس پر آپ نے پھر دو رکعتیں پڑھائیں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد اوّل ص۱۶۸)

صحیح مسلم میں ہے:- "عن ابی سفیان مولی ابن ابی احمد انہ قال سمعت ابا ھریرۃ یقول صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العصر فسلّم فی رکعتین فقام ذوالیدین فقال اقصرت الصلوٰۃ یا رسول اللہ ام نسیت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "کل ذالک لم یکن" فقال "قد کان بعض ذالک یا رسول اللہ" فاقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الناس فقال اصدق ذوالیدین فقالوا نعم یا رسول اللہ فاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بقی من الصلوٰۃ ثم سجد سجدتین وھو جالس بعد التسلیم" (صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۱۵) کیا "کل ذالک لم یکن" کا جواب (نعوذ باللہ) جھوٹ شمار ہوگا؟

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے "ما قصرت الصلوٰۃ وما نسیت"۔ (مؤطا امام مالکؒ) مؤلف

اب معترض پٹیالوی تو اس پر بھی واویلا مچا دیگا (کہ نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان "نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے" میں "بالکل جھوٹ" کہا ہے (العیاذ باللہ من ھذا) لیکن ہم ایسے شخص کو بتائیں گے کہ یہ کذب نہیں یہ محض سہو ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو حالاتِ بشریہ سہو بالکل بالا کر دیتا تو دنیا میں ان کی الوہیت کا سکہ جم جاتا۔ اسلئے ایسے معمولی سہو میں کوئی حرج نہیں۔ اس نسیان یا ذہول وقتی کو کذب بیانی سے تعبیر کرنا حماقت اور نادانی ہے۔

زیرِ بحث حوالہ کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (جو قریباً اسّی[1] کتب کے مصنّف ہیں) کے سہو کی وجہ سے سبقتِ قلم کے رنگ میں بخاری کا نام لکھا گیا۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبل ازیں ازالہ اوہام میں بالتصریح لکھ چکے ہیں کہ بخاری میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث موجود نہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

(۱) "میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں۔ اسی وجہ سے امامین حدیث نے ان کو نہیں لیا[1]۔ اور ابن ماجہ اور مستدرک کی حدیث ابھی معلوم ہو چکی ہے کہ عیسیٰ ہی مہدی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ ہم اس طرح پر تطبیق دیں کہ جو شخص عیسیٰ کے نام سے آنے والا احادیث میں لکھا گیا ہے اپنے وقت کا وہی مہدی اور وہی امام ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بعد کوئی اور مہدی بھی آوے۔ اور یہی مذہب حضرت اسمٰعیل بخاری کا بھی ہے کیونکہ اگر ان کا بجز اس کے کوئی اور اعتقاد ہوتا تو ضرور وہ اپنی حدیث میں ظاہر فرماتے۔ لیکن وہ صرف اسی قدر کہہ کر چُپ کر گئے کہ ابن مریم تم میں اُتریگا جو تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہی ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ امام وقت ایک ہی ہو سکتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۲۵ طبع سوم)

(۲) "اگر مہدی کا آنا مسیح ابن مریم کے زمانہ کے لیئے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور مسیح کے سلسلہ ظہور میں داخل ہوتا تو وہ بزرگ شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد اسمٰعیل صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنی صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے لیکن جس حالت میں انہوں نے اس زمانہ کا تمام

---

[1] یہی مضمون حمامۃ البشریٰ صفحہ ۲۲ پر بھی درج ہے۔ (مؤلف)

نقشہ کھینچ کر آگے رکھ دیا اور حصر کے طور پر دعویٰ کر کے بتلا دیا کہ فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہوگا لیکن امام محمد مہدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کی رُو سے ان حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو مسیح کے آنے کے ساتھ مہدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھہرا رہی ہیں۔" (ازالہ اوہام ص۲۱۵)

ہر دو اقتباس واضح کر رہے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس زور سے اس امر کو بیان کیا ہے کہ مہدی کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ اب اگر شہادۃ القرآن میں حضورؑ نے بخاری کا حوالہ تحریر فرمایا ہے تو یقیناً یہ سہو ہے۔ اس کو جھوٹ قرار دینا محض ضد اور عناد کا نتیجہ ہے وبس۔

الجوابُ الثانی - ھذا خلیفۃ اللہ المھدی کے حوالہ کے لئے بخاری کی بجائے ابو نعیم اور تلخیص المتشابہ ملاحظہ ہوں۔ جہاں حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مذکور ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ ص۳۶۶ پر بھی اس کو درج کیا ہے۔ نیز علامہ سندی نے ھذا خلیفۃ اللہ المھدی والی روایت پر لکھا ہے:۔

"کذا ذکرہ السیوطی وفی الزوائد ھذا اسناد صحیح رجالہ ثقات ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین۔"

(حاشیہ ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۲۶۹)

ترجمہ۔ "سیوطیؒ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ پھر امام حاکم اپنی مستدرک میں اس روایت کو لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے۔"

ناظرین خدارا غور فرمائیں کہ حدیث صحیح ہے۔ متعدد کتب میں مذکور ہے بلکہ امام حاکم کی رائے کے مطابق تو علیٰ شرط الشیخین صحیح ہے۔ اب اگر حضرت اقدسؑ سے بجائے مستدرک، ابو نعیم، تلخیص المتشابہ، حجج الکرامہ، اور دوسری کتب کے بخاری کا لفظ لکھا گیا تو کیا یہ جھوٹ ہے دھوکہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو محض سبقتِ قلم ہے جسے جھوٹ سے تعبیر کرنا سخت غلطی ہے۔ اگر محض حوالہ کی

غلطی ہی کا نام جھوٹ ہے تو پہلے تو معترض پٹیالوی ان حوالجات کو کذب بیانیاں تسلیم کرے جو اس کی کتاب میں متعدد مقامات پر غلط طور پر درج ہیں اور ہم نے بھی بعض مقامات پر ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے لیکن اس نے اس رسالہ کے دیباچہ طبع دوم میں اس قسم کی غلطیوں کو محض سہو قرار دیا ہے۔

الجوابُ الثالث۔ علامہ سعدالدین تفتازانی، ملا خسرو، ملا عبدالحکیم تینوں نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ حدیث یَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ بَعْدِیْ الخ امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ (تلویح۔ شرح توضیح جلد ا صفحہ ۲۷۱)

دیکھئے تینوں بزرگ پے در پے ایک حدیث کو بخاری شریف سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ بخاری میں موجود نہیں ہے۔ کیا معترض پٹیالوی اور اس کے دیوبندی ہمنواؤں کو اس بات کا حوصلہ ہے کہ وہ اہلسنت کے ان بزرگوں کو محض حوالہ کی غلطی کے باعث کاذب اور مفتری قرار دیں؟ لیکن اگر یہ بات درست نہیں تو پھر میں کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کیوں اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر رہے ہو۔ اور کیوں وہ قدم اُٹھا رہے ہو جو ہلاکت کی طرف لیجاتا ہے؟

الجوابُ الرابع۔ اس سے بھی عجیب تر وہ واقعہ ہے جو حضرت امام ابن الربیع سے پیش آیا۔ حافظ ملا علی صاحب قاری لکھتے ہیں:۔

"حدیث خیر السودان ثلاثۃ لقمان وبلال ومهجع مولیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رواہ البخاری فی صحیحہ عن واثلۃ بن الاسقع بہ مرفوعاً کذا ذکرہ ابن الربیع لکن **قول البخاری سہو قلم** اما من الناسخ او من المصنف فان الحدیث لیس من البخاری والذی فی المقاصد انما ھو رواہ الحاکم۔" (موضوعات کبیر صفحہ ۴۴)

کہ حدیث "خیر السودان ثلاثۃ" کے متعلق امام ابن الربیع نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (امام ملا علی قاری کہتے ہیں) لیکن بخاری کی طرف یہ بات منسوب کرنا سہو قلم ہے۔ خواہ وہ ناقل سے سرزد ہوا یا معنف سے کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ المقاصد میں مذکور ہوا اس

حدیث کو صرف حاکم نے روایت کیا ہے۔"

معزز قارئین! آپ خدارا غور فرماویں کہ امام ابن الربیع ایسا متبحر اور محدث "انسان خیر السودان ثلاثة" کو بخاری کی روایت قرار دیتا ہے حالانکہ وہ بخاری میں نہیں ہے لیکن کوئی متقی انسان اس کو کذب بیانی سے تعبیر نہیں کر سکتا بلکہ اسے سہو قلم ہی قرار دیگا۔ جیسا کہ امام ملا علی قاری نے لکھا ہے۔

اس جگہ یہ بھی ایک لطیف مشابہت ہے کہ امام ابن الربیع نے بھی اس حدیث کو بخاری کی روایت ذکر کیا اور وہ حاکم کی روایت تھی۔ اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قلم سے هذا خليفة الله المهدی کو بخاری سے منسوب کیا گیا۔ لیکن وہ امام حاکم کی روایت ثابت ہوئی۔

الغرض ہر چہار جوابات کی موجودگی میں هذا خليفة الله المهدی کو محض بخاری کا نام لے دینے پر کذب بیانی قرار دینا خطرناک دھوکہ دہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ محض سبقت قلم ہے جیسا کہ خود حضور علیہ السلام کے حوالجات سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی بخاری میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث موجود نہیں۔ فاندفع الاشکال بحذافیرہ۔

(۱۳) اس نمبر میں معترض نے اپنی کور باطنی سے جس کذب بیانی کا حضرت پر الزام لگایا ہے وہ اس کے الفاظ میں ہی یوں لکھا ہے:-

"اربعین ۳ صفحہ ۹ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب میں اور مولوی اسمٰعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مریگا" یہ بھی محض سفید جھوٹ ہے۔ ہر دو مولوی صاحبان کی تصانیف میں یہ بات کہیں درج نہیں ہے۔ کوئی مرزائی ثابت کرے۔" (عشرہ صفحہ ۹)

الجواب - افسوس کہ یہ لوگ مغالطہ دہی کو شیر مادر کی طرح سمجھتے ہیں اور انکو اللہ تعالیٰ کی سزا کا ذرہ بھر خوف نہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم میں علماء کو مباہلہ کے لئے دعوت دی جن میں مولوی غلام دستگیر قصوری کا نام بھی درج ہے (صفحہ ۷) اس نے

اس دعوت کے بعد ایک کتاب لکھی جس کا نام فتح رحمانی ہے اس کے صـ۲۶ و صـ۲۷ پر گزشتہ زمانے کے ایک مہدی کاذب کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد مولوی غلام دستگیر نے لکھا ہے کہ :-

"اللّٰھم یا ذا الجلال والاکرام یا مالک الملک جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غارت کیا (جو اُن کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجاء اس فقیر قصوری کان اللہ لہ کی ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق رفیق فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کا بنا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ بِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ۔ اٰمین"

پھر صـ۲۶ کے حاشیہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے اتباع کے متعلق لکھا ہے :-

"تبًا لہ ولاتباعہ" یعنے اس کے لئے اور اس کے پیروؤں کے لئے ہلاکت ہو۔

ناظرین کرام! غور فرماویں کہ کس قدر دیدہ دلیری ہے۔ قصوری کی کتاب موجود ہے (اگرچہ نایاب ہے میں نے خود یہ چھوٹی سی کتاب اڑھائی روپے میں خریدی ہے) اس کی بددعا موجود ہے۔ اور پھر اس نے اس دعا کے فیصلہ کے لئے ایک نظیر زمانہ سابق کی بھی پیش کر کے لکھ دیا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مرزا صاحبؑ کی ہلاکت قطعی ہے لیکن پھر بھی معترض پٹیالوی حضرت اقدسؑ کے بیان کو "سفید جھوٹ" کہہ رہا ہے ؎ تفو بر تو اے چرخ گردوں[1] تفو۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود غلام دستگیر قصوری کی کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرما دیا ہے۔ چنانچہ حضور نے اس کے لئے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صـ۳۳۰ پر فتح رحمانی مطبوعہ مطبع احمدی لدھیانہ ۱۳۱۵ھ ہجری کے صـ۲۶ و صـ۲۷ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے جو ہم اُوپر درج کر چکے ہیں۔ کیا انصاف اور دیانتداری کا تقاضا نہ تھا کہ منکر پٹیالوی اگر خدا سے نہیں تو دنیا سے ہی شرم کرتا اور اس قدر صریح مغالطہ دہی سے کام نہ لیتا ۔ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۔

---

[1] اس گردوں سے مراد مکذبین کا تارِ عنکبوت جیسے بھی کمزور خود ساختہ گردوں ہوتا ہے۔ (مؤلف)

مولوی اسمٰعیل علی گڑھی

مولوی اسمٰعیل صاحب علی گڑھی نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بد دعا کی اور ایک رسالہ میں اسکو درج کیا۔ لیکن وہ رسالہ ابھی طبع ہی ہو رہا تھا کہ ملک الموت نے اسمٰعیل کو قبضہ میں کر لیا اور وہ اس لعنت کا شکار ہو گیا جو اس نے خدا کے فرستادہ پر کی تھی۔ اس کے مرنے نے اس کے تمام حامیوں پر موت وارد کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے طباعت رسالہ کے دوران میں ہی اس بد دعا کو اڑا دیا۔ بعض کے حاشیہ پر وہ طبع ہو گئی اور باقی سے مٹا دی گئی۔ اس ناگہانی موت کے بعد ان کاغذات کو تلف کر دیا گیا جن پر وہ طبع ہوئی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص نے اس رسالہ کے بعض کاغذ اسی اثناء میں حضور کے پاس بھیج دیئے۔ جس کی بناء پر حضور نے مختلف کتب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ مولوی اسمٰعیل علی گڑھ والے نے میرے خلاف بد دعا کی تھی۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی میں حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

"مولوی اسمٰعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بد دعا کی تھی۔ پھر بعد اس بد دعا کے جلد مر گیا اور اس کی بد دعا اُسی پر پڑ گئی۔" (حاشیہ صفحہ ۲۳۰)

اس حقیقت کو چھپانے کے لئے معترض نے اس کو "سفید جھوٹ" قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مخالفین نے حضرت اقدس علیہ السلام کی حیات میں یہ سوال حضور علیہ السلام کے سامنے پیش نہیں کیا؟ صرف یہی وجہ تھی کہ ان کو حقیقت معلوم تھی۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے مسجد مبارک قادیان میں شہادت دی تھی کہ میں نے وہ مطبوعہ کاغذات دیکھے تھے۔ ان کا سائز رسالہ فتح اسلام کے سائز کے برابر تھا۔ اس میں اسمٰعیل علیگڑھی کی بد دعا درج تھی جس کے بعد جلد ہی وہ مر گیا۔

یوں بھی منصف مزاج ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ اگر یہ جھوٹ تھا، خلاف واقعہ تھا تو

اس کے لئے کونسی ضرورت مجبور کر رہی تھی۔ کیا حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت صرف اسمٰعیل علی گڑھی کی موت کے ذکر سے ہی وابستہ تھی؟ ہرگز نہیں۔ پس سچ یہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل نے اپنے رسالہ میں بددعا کی لیکن وہ جلد مر گیا۔ اسلئے اس کو حاشیہ پر سے اُڑا دیا گیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مخالفین نے حضرتؑ کے بار بار تحریر فرمانے پر بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

(۴) اس نمبر میں معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹ سے ایک عبارت نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے:۔

"اس عبارت میں چھ فقرے ہیں جو سب کے سب جھوٹے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ۱۳۰۰ برس سے یہ چلا آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مکرّر نزول کے بعد شریعت محمدی پر عمل کریں گے پھر معلوم نہیں کہ اس کے خلاف مرزا صاحب نے کس کتاب سے یہ فقرے نقل کر دیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سؤر کھائیں گے اور شراب پئیں گے۔ کیا کوئی مرزائی بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب جھوٹ باتوں کا مجموعہ اور محض ہرزہ سرائی ہے۔" (عشرہ صفحہ ۲۹)

الجواب ۔ (الف) یہ بات ایک غلط بیانی ہے کہ تیرہ سو (۱۳۰۰) برس سے مسلمان حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے منتظر رہے ہیں۔ جن کی وفات کو قرآن مجید نے مفصلاً ذکر کر دیا ہے اور جن کا دائرۂ تبلیغ صرف اسرائیل کا گھرانہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ بھلا کون عقلمند مسلمان اس کا انتظار کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کو مسیح موعود کی انتظار تھی لیکن نہ اسرائیلی مسیح کی بلکہ محمدی مسیح کی جس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری) وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ مسیحؑ کی جسمانی زندگی اور جسمانی نزول کا خیال تو نصاریٰ کا اعتقاد ہے۔ جس کو فیج اعوج کے مسلمان کہلانے والوں نے اختیار کر لیا ہے۔ اور اسی بڑی غلطی کو دُور کرنا مسیح موعود کے فرائض میں سے تھا اور اسی کی تشریح میں حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹ کی متذکرہ عبارت ہے۔

(ب) معترض کی عبارت میں لفظ "مکرّر نزول" قابل غور ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے تو ان کا نزول ہوا تھا تب ہی تو دوسری آمد کو مکرر نزول

سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سے اور کچھ نہیں تو نزول کے معنے کھل جاتے ہیں یعنے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک شخص اِس دنیا میں عورت کے پیٹ سے پیدا ہو تب بھی اس کی بعثت کو نزول سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اِس میں اُن لوگوں کا جواب ہے جو لفظ نزول کی وجہ سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے لیے آسمان پر نگاہ لگائے بیٹھے ہیں۔

(ج) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو مثیل مسیح قرار دیا ہے اسلیئے یہ بات تو عقلاً بھی محال ہے کہ آپ مسیح علیہ السلام کی مذمت کریں۔ چنانچہ یہ بات ان حوالجات سے بھی ثابت ہے جو کسی دوسری جگہ مذکور ہیں کہ حضور حضرت مسیح علیہ السلام کو نہایت پاک، متقی، پارسا اور برگزیدہ رسول یقین کرتے ہیں۔ اسلیئے حقیقۃ الوحی کی عبارت سے یہ استدلال بالبداہت باطل ہے اور خلاف منشاء متکلم ہے۔

(د) ہم بھی مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے قائل ہیں اور دوسرے فرقے بھی۔ ہمارے نزدیک وہ موعود اُمّت محمدیہ کا ہی ایک فرد تھا جو آچکا لیکن دوسرے لوگ ہنوز اس کے انتظار میں ہیں۔ وہ اسرائیلی مسیح کے منتظر ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس عبارت میں اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ وہی اسرائیلی مسیح دوبارہ اُمّتِ محمدیہ میں آجائیگا۔ کیونکہ وہ ایک مستقل نبی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کا اس کی نبوّت میں کوئی دخل نہ تھا اور نہ ہوگا۔ وہ دنیا میں جس مذہب کو لے کر آیا وہ بعض امور میں بقول نصاریٰ اسلام کے مخالف ہے۔ قرآن و انجیل، مسجد اور کلیسا کا اختلاف بالکل نمایاں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب مسیح آئے گا تو وہ انجیل کے مذہب کو رواج دیگا اور اسی کی شریعت یا احکام پر دنیا کو کاربند کرے گا۔ لیکن ایسا ہونا نصوص قرآنیہ کے خلاف ہے۔ اسلیئے جس طرح آیاتِ قرآنی وفاتِ مسیح پر دلالت کر رہی ہیں ویسا ہی شریعت اسلامیہ کا عالمگیر دائمی ہونا بھی پہلے مسیح کی جسمانی آمدِ ثانی کے خلاف ہے لہذا باطل ہے۔

اِس تشریح کو سامنے رکھیئے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کو پڑھیئے اور غور فرمائیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا بیان کرنا چاہتے ہیں اور معترض پٹیالوی کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"کسی حدیث صحیح سے اس بات کا پتہ نہیں ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے جو اُمتی نہیں یعنی آپ کی پیروی سے فیضیاب نہیں۔ اور اسی جگہ سے ان لوگوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو خواہ حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں اور وہ حقیقت جو الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی تھی جو خود حضرت عیسیٰؑ کے بیان سے کھل گئی اس سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے۔ بلکہ جس آنیوالے مسیح موعودؑ کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے اس کا انہیں حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی، مگر کیا مریمؑ کا بیٹا اُمتی ہو سکتا ہے؟ کون ثابت کرے گا کہ اُس نے براہِ راست نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے درجۂ نبوت پایا تھا۔ ھذا ھو الحق وان تولّوا فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثمّ نبتھل فنجعل لعنۃ اللّٰہ علی الکٰذبین۔ اور ہزار کوشش کی جائے اور تاویل کی جائے یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے مساجد کی طرف دوڑیں گے تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا، اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا، اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف مُنہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور شراب پیئے گا اور سؤر کا گوشت کھائے گا اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھے گا۔ کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ اسلام کے لئے یہ مصیبت کا دن بھی باقی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی بھی آئے گا کہ جو مستقل نبوت کی وجہ سے آپؐ کی ختم نبوت کی مُہر کو توڑ دے گا اور آپ کی فضیلت خاتم الانبیاء ہونے کی چھین لے گا۔ اور وہ آپؐ کی پیروی سے نہیں بلکہ براہِ راست مقامِ نبوت حاصل رکھتا ہوگا اور اس کی عملی حالتیں شریعتِ محمدیہ کے مخالف ہوں گی۔ اور قرآن شریف کی صریح مخالفت کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈالے گا اور اسلام کی ہتک عزت کا موجب ہوگا۔ یقیناً سمجھو کہ خدا ہرگز ایسا نہیں

کریگا۔ بے شک حدیثوں میں مسیح موعود کے ساتھ نبی کا نام موجود ہے مگر ساتھ اس کے اُمتی کا نام بھی تو موجود ہے اور اگر موجود بھی نہ ہوتا تو مفاسد مذکورہ بالا پر نظر کر کے ماننا پڑتا کہ ہرگز ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی مستقل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آوے کیونکہ ایسے شخص کا آنا صریح طور پر ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔ اور یہ تاویل کہ پھر اس کو اُمتی بنایا جائے گا (جیسا کہ معترض پٹیالوی نے بزعم خویش تیرہ سو برس کا مذہب بتایا ہے۔ ابو العطاء) اور وہی نو مسلم نبی مسیح موعود کہلائے گا۔ یہ طریق عزّتِ اسلام سے بہت بعید ہے۔ جس حالت میں حدیثوں سے ثابت ہے کہ اسی اُمت میں سے یہود پیدا ہوں گے تو افسوس کی بات ہے کہ یہود تو پیدا ہوں اس اُمت میں سے اور مسیح باہر سے آوے۔ کیا ایک خدا ترس کے لیئے یہ ایک مشکل بات ہے کہ جیسا کہ اس کی عقل اس بات پر تسلی پکڑتی ہے کہ اس اُمت میں بعض لوگ ایسے پیدا ہوں گے جن کا نام یہود رکھا جائے گا، ایسا ہی اس اُمت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام عیسٰے اور مسیح موعود رکھا جائے گا۔ کیا ضرورت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان سے اُتارا جائے اور اُس کی مستقل نبوّت کا جامہ اُتار کر اُمتی بنایا جائے؟" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹-۳۰)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منشاء معترض پٹیالوی کی نقل کردہ عبارت سے کیا ہے؟ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

(ذ) متذکرہ صدر امور کا تعلق زیادہ تر عیسائی عقائد سے ہے اور حضرت اقدسؑ کی اس عبارت کی زد براہِ راست اگرچہ کہلانے والے مسلمانوں کے خیالات پر پڑتی ہے مگر بالواسطہ عیسائی بھی مخاطب ہیں۔ چنانچہ اسی جگہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹ کے حاشیہ پر حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کا مسئلہ عیسائیوں نے محض اپنے فائدہ کے لیئے گھڑا تھا۔ کیونکہ ان کی پہلی آمد میں ان کی خدائی کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا۔ ہر دفعہ مار کھاتے رہے، کمزوری دکھلاتے رہے۔ پس یہ عقیدہ پیش کیا گیا کہ آمدِ ثانی میں وہ خدائی کا جلوہ دکھائیں گے اور پہلی کسریں نکالیں گے۔"

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت سے مقصود یہ ہے کہ بتایا جائے کہ لئے مسلمانو جس
مسیح کے تم منتظر ہو وہ نہیں آسکتا۔ آنے والا اُمّتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد تھا اور وہ آگیا۔ سعید اور
خوش قسمت وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کو قبول کر لیا۔

ہمارے اِن بیانات سے ظاہر ہے کہ معترض پٹیالوی اِس نمبر میں بھی غلطی خوردہ ہے ورنہ
اس نے پبلک کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جو نہایت ناپاک کام ہے۔

(۵) معترض پٹیالوی نے حقیقۃ الوحی نیز جنگ مقدس صلا سے فقرات ذیل نقل
کئے ہیں:۔

"جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور
عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک
مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔
بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"

اور پھر لکھا ہے:۔

"اِن دونوں حوالوں کا مطلب یہ ہے کہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر مر جائے گا۔
لیکن اِس صاف صاف بیان کے برخلاف کشتی نوح کے صٹ پر تحریر کرتے ہیں کہ
پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ جو شخص اپنے عقیدے کی رُو سے جھوٹا ہے وہ پہلے
مرے گا"

اب دیکھ لیجئے کہاں پندرہ ماہ کا تعیّن اور کہاں جھوٹے کا سچے سے پہلے مرنا۔
یہ پچھلا فقرہ بالکل جھوٹ اسلیئے تراشا گیا ہے کہ آتھم میعاد مقررہ میں فوت
نہیں ہوا تھا۔ (کیونکہ اس نے "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرلے" کی شرط سے
فائدہ اٹھا لیا تھا۔ ابوالعطاء) اس سے پیشگوئی کے کذب پر پردہ پڑ جائے گا مگر اس
ابلہ فریبی کا شکار مرزائی ہی ہو سکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان بخشا ہے وہ
اس قسم کی چالاکی کو فوراً تاڑ لیتے ہیں" (عشرہ صفحہ ...)

الجواب الاوّل۔ معترض نے جھوٹے کے پہلے مرنے کی پیشگوئی کو "بالکل جھوٹ"

قرار دیا ہے اور کشتی نوح صفحہ ۶ پر اس کے ذکر کو چالاکی گردانا ہے اسلئے ہم اس جگہ کشتی نوح کی ساری عبارت درج کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"پیشگوئی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا تو پندرہ مہینہ میں نہیں مرے گا۔ سو اس نے عین جلسہ مباحثہ پر ستر معزز آدمیوں کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہنے سے رجوع کیا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نے پندرہ مہینہ تک اپنی خاموشی اور خوف سے اپنا رجوع ثابت کر دیا اور پیشگوئی کی بنا یہی تھی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا تھا۔ لہذا اس نے رجوع سے صرف اس قدر فائدہ اٹھایا کہ پندرہ مہینے کے بعد مرا مگر مر گیا۔ یہ اسلئے ہوا کہ پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو شخص اپنے عقیدہ کے رُو سے جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ سو وہ مجھ سے پہلے مر گیا۔"

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس عبارت میں بھی پندرہ مہینہ کا ذکر کیا ہے اسلئے یہ کہنا کہ جھوٹے کے پہلے مرنے کا ذکر محض چالاکی سے کر دیا غلط ہے۔ ہاں چونکہ اس پیشگوئی کا مفاد اور ماحصل بہرصورت یہ تھا کہ جھوٹا شخص پہلے مرے گا اور اس کے رجوع الی الحق نہ کرنے کی صورت میں تو پندرہ مہینہ کی قید اور حد لگا دی گئی تھی لیکن مطلق طور پر جھوٹے کا پہلے مرنا بھی بین السطور مذکور تھا اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مطلق حصہ کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ پندرہ مہینہ کا تعین عدم رجوع الی الحق کی صورت میں تھا۔ اس نے رجوع کیا۔ (جیسا کہ مفصل فصل دہم میں مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ) اور اس شرطی حصہ سے فائدہ اٹھایا لیکن وہ مطلق موتِ کاذب کی ضمنی صورت سے بچ نہ سکا اور مر گیا۔ پس اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ اگرچہ جنگِ مقدس کے الفاظ میں عدم رجوع کی صورت میں پندرہ ماہ معین تھے لیکن جب رجوع ہوا اور عیسائی گروہ اس کا انکار کرتا رہا۔ تو ان کو سخت ذلت پہنچانے کی خاطر آتھم کا پہلے مرنا ہی پیشگوئی کا منشا رہا۔ اس کھلی حقیقت کا انکار کرنا تحکم ہے اور اس بیان کو جھوٹ قرار دینا تو صاف بے ایمانی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آتھم کی موت سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

اس کے انحفاء حق پر بہت سے انعامی اشتہارات دیئے، اس کو عدالت میں نالش کرنے کے لئے کہا۔ بالآخر محض حلف اٹھا لینے پر انحصارِ فیصلہ رکھا لیکن جب وہ ہر رنگ میں ساکت اور لاجواب رہا تو آپ نے خود ہی اعلان فرما دیا:۔

(الف) "خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ مَیں بس نہیں کروں گا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں ہاں اس نے اپنی اس عادت اور سُنّت کے موافق جو اس کی پاک کتابوں میں مندرج ہے آتھم صاحب کی نسبت تاخیر ڈال دی کیونکہ مجرموں کے لئے خدا کی کتابوں میں یہ ازلی وعدہ ہے جس کا تخلّف روا نہیں کہ خوفناک ہونے کی حالت میں ان کو کسی قدر مہلت دی جاتی ہے اور پھر اصرار کے بعد پکڑے جاتے ہیں ..... اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا انحفاء کر کے دنیا کو دھوکا دینا چاہا۔ لیکن ہم اس مؤخر الذکر شق کی نسبت ابھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نشان کو ایک عجیب طور پر دکھلانے کا ارادہ کیا ہے جس سے دنیا کی آنکھ کھلے اور تاریکی دُور ہو۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں۔ مگر اس وقت اور گھڑی کا علم جب دیا جائے گا تب اس کو شائع کر دیا جائے گا۔"

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱)

(ب) "تاہم یہ کنارہ کشی آتھم کی بے سُود ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ نادان پادریوں کی تمام یاوہ گوئی آتھم کی گردن پر ہے۔ اگرچہ آتھم نے نالش اور قسم سے پہلو تہی کر کے اپنے اس طریق سے صاف بتلا دیا کہ ضرور اس نے رجوع بحق کیا۔ اور تین حملوں کے طرزِ وقوع سے بھی جن کا وہ مدعی تھا کھلے طور پر بتلا دیا کہ وہ حملے انسانی حملے نہیں تھے مگر پھر بھی آتھم اس جرم

سے بَری نہیں ہے کہ اس نے حق کو علانیہ طور پر زبان سے ظاہر نہیں کیا۔" (رسالہ ضیاء الحق مطبوعہ مئی ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۹)

اس قسم کی اور بھی بہت سی عبارتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جب آتھم نے نالش کرنے اور حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس طرح عوام پر حق کو مشتبہ کرنا چاہا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی جلد موت اور ہلاکت کا اعلان فرما دیا۔ اندریں صورت کشتی نوح صفحہ ۶ کی عبارت کو "جھوٹ" قرار دینا نہایت درجہ کی خبث باطنی ہے۔ فرض کرلو کہ جنگ مقدس کی عبارت میں یہ صراحت نہیں تھی کہ کاذب صادق سے پہلے مرے گا۔ لیکن ان پیشگوئیوں کا کیا جواب دے سکتے ہو جو اسی سلسلہ میں مختلف اشتہارات کے ذریعہ بیان کی گئیں۔ اور ان میں آتھم کی جلد موت کا اظہار کیا گیا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے:۔

"مرزا جی کی پیشگوئی ہے کہ عنقریب آتھم مرجائیگا۔" (الہامات صفحہ ۴۷)

الغرض اس نمبر میں معترض پٹیالوی نے جو جھوٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا چاہا ہے وہ محض اس کا دھوکا ہے ورنہ درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کی دونوں پیشگوئیاں موجود ہیں۔ فلا اشکال فیہ۔

(۶) منشی محمد یعقوب صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی بیماری کے وقت بہت دعائیں کیں۔ اس ذکر کے بعد منشی صاحب کے اپنے الفاظ میں اعتراض یہ ہے کہ:۔

"ان دعاؤں میں مرزا صاحب کو دعا کی قبولیت اور ان کی صحت کی بشارت بھی دو بار ملی۔ الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۲ و ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء جن میں بشارات صحت درج ہیں لیکن مولوی عبدالکریم ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مر گئے اور قبولیت دعا کی بشارات غلط ثابت ہوئیں۔ ان بشارات کے مقابلہ میں مرزا صاحب کا سفید جھوٹ (خاکش بدہن۔ مؤلف) ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۲۶ میں لکھتے ہیں کہ "ایک مخلص دوست یعنی مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اسی بیماری کاربنکل یعنی سرطان سے فوت ہو گئے تھے ان کے لیئے میں نے بہت دعا

کی تھی مگر ایک الہام بھی ان کے لیے تسلی بخش نہ تھا۔" اُوپر بجائے ایک کے دو الہاموں کے حوالے درج کر دیئے گئے ہیں۔ ان سے مقابلہ میں حقیقۃ الوحی کا بیان کتنا صاف جھوٹ ہے۔" (عشرہ ص۸۷)

الجواب۔ معترض نے اخبار الحکم کے دو نمبروں کا حوالہ دیکر صحت کے دو الہاموں کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا ان مقامات پر کوئی الہام ایسا ہے جس میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی صحت کا ذکر ہو؟ معترض خود لکھتا ہے:-

"الحکم ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۵ء صلا میں بھی مولوی صاحب (حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کی حالت اور اپنے متوحش الہامات کا ذکر کر کے الہام الٰہی کی بنا پر لکھتے ہیں کہ قضا و قدر تو ایسی ہی (مولوی صاحب کی موت کی) تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے ردّ بلا کر دیا۔ الحکم ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۵ء میں لکھا ہے کہ خود اعلیٰحضرت (مرزا صاحب) کا بہت بڑا حصّہ دعاؤں میں گزرتا ہے اور کالم ملا میں لکھا ہے کہ خدا کے مسیح کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ اور اس کالم میں ۲۲ر ستمبر کا ایک الہام بھی درج ہے جو دعا کے بعد ہوا۔ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع۔ الحکم ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۲۷ر ستمبر کو جماعت کو نصیحت کی کہ کل جنگل میں جاکر مولوی صاحب کے لئے دعا کریں اور خود بھی ۲۸ر کو صبح ہی باغ میں گئے اور کئی گھنٹہ تک تخلیہ میں دعا کی۔" (عشرہ ص۹۲،۹۱)

ہم نے مؤلف عشرہ کے اپنے الفاظ اُوپر درج کر دیئے ہیں ان میں ایک بھی ایسا الہام یا اللہ تعالیٰ کے ایسے الفاظِ وحی مذکور نہیں جنہیں مولوی صاحب کی صحت کی بشارت کہا جائے۔ بلکہ مؤلف مذکور کے الفاظ میں ہی ۱۰ر ستمبر کے الحکم میں "متوحش الہامات" کا ذکر ہے۔ طلع البدر علینا کا حضرت مولوی صاحب کی صحت کی خبر سے کوئی علاقہ نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ تھی کہ ۲۸ر ستمبر کو سب جماعت کو جنگل میں جاکر دعا کی نصیحت کی اور خود بھی عرصہ تک دعا فرماتے رہے۔ مؤلف عشرہ کی منقولہ عبارت اس کے دعوٰی پر خود ایک زبردست تبر ہے۔

بے شک یہ درست ہے کہ حضرت مولوی صاحب کی صحت کے لیئے بہت دعائیں[1] کی گئیں علاج کئے

---

[1] عدم قبولیت دعا پر فصل ہشتم میں بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مؤلف)

گئے ۔ بلکہ حضرت اقدسؑ فرطِ محبت کے باعث بعض کشوف ذوالمحلین کی تعبیر صحت بھی فرماتے رہے مگر یہ غلط، سراسر غلط، جھوٹ اور محض افتراء ہے کہ حضرت اقدسؑ کو ایک یا دو الہام حضرت مولوی صاحب کی صحت کی بشارت پر مشتمل بھی ہوئے۔ سلسلہ احمدیہ کا سارا لٹریچر چھان مارو، تمام کتابیں پڑھ جاؤ، سب اخبارات کی ورق گردانی کر لو مگر ایک بھی ایسا الہام پیش نہ کر سکو گے جس میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی صحت کی خبر دی گئی ہو۔ اگر تم ایک الہام بھی الہامی الفاظ میں مبشر اور صحت کی خبر دینے والا ثابت کر دو تو بیحد روپیہ انعام حاصل کرو۔ مگر یاد رکھو کہ تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے ولو کان بعضکم لبعضٍ ظہیراً۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ "ایک الہام بھی اُن کے لیے تسلی بخش نہ تھا" اور معترض کا یہ دعویٰ کہ دو الہام مشتمل بر صحت اور تسلی بخش تھے سراسر غلط اور نرا جھوٹ ہے ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

بھلا اتنا ہی غور فرمائیے کہ اگر ۱۰ ستمبر یا ۲۴ ستمبر کے الحکم میں تسلی بخش الہام درج تھا تو ۲۰ ستمبر کو غیر معمولی اہتمام سے جنگل میں جا کر دعا مانگنے کا حکم کیوں دیا تھا؟ معلوم ہوا کہ معترض پٹیالوی نے اس اعتراض کرنے میں بھی دیانتداری سے کام نہیں لیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے :-

"سال گذشتہ میں یعنی ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ہمارے ایک مخلص دوست یعنی مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اسی بیماری کاربنکل یعنی سرطان سے فوت ہو گئے تھے۔ ان کے لیے بھی میں نے بہت دعا کی تھی مگر ایک بھی الہام ان کے لیے تسلی بخش نہ تھا بلکہ بار بار یہ الہام ہوتے رہے کہ کفن میں لپیٹا گیا[1]۔ ۴۷ برس کی عمر[2]۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان المنایا لا تطیش سہامہا[3] یعنی موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے۔ جب اس پر بھی دعا کی گئی تب الہام ہوا یا ایہا النّاس اعبدوا ربّکم الذی خلقکم۔ تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ یعنی

---

[1] الہام ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء ملاحظہ ہو بدر جلد ۱ نمبر ۲۳ صہ ۲۔ [2] الہام ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء مندرجہ بدر مذکور۔ [3] الہام ۹ ستمبر ۱۹۰۵ء دیکھو الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صہ ۲۔ (مؤلف)

اے لوگو! تم اس خدا کی پرستش کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے یعنی اسی کو اپنے کاموں کا کارساز سمجھو اور اس پر توکل رکھو۔ کیا تم دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ کسی کے وجود کو ایسا ضروری سمجھنا کہ اس کے مرنے سے نہایت درجہ کا ہرج ہوگا ایک شرک ہے۔ اور اس کی زندگی پر نہایت درجہ کا زور لگا دینا ایک قسم کی پرستش ہے۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس کی موت قطعی ہے۔ چنانچہ وہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بروز چہار شنبہ بوقت عصر اس فانی دنیا سے گزر گئے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۶)

ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی کی گواہی

معترض پٹیالوی نے اپنی کتاب میں ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب کی کتاب سے بہت کچھ کاسہ لیسی کی ہے اسلئے بطور الزام خصم ہم اس بارہ میں کہ آیا کوئی الہام حضرت مولوی صاحب کی صحت پر مشتمل ہوا تھا؟ ڈاکٹر عبد الحکیم کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ عبد الحکیم مرتد ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے جماعت سے خارج کر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی اس امر خاص کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ:۔

"مولوی عبد الکریم صاحب کے ایام مرض میں باوجود مخالف الہامات کے آپ بہت سے خوابات کو مبشر فرماتے رہے اور ان سے صحت وحیات کیطرف استدلال کرتے رہے۔ مجھے کبھی ایک منٹ کے واسطے بھی صحت وحیات کا خیال نہیں ہوا۔ بلکہ میں الحکم اور البدر میں وہ اقوال پڑھ کر صاف کہہ دیا کرتا تھا کہ ان میں کوئی مبشر خبر نہیں بلکہ آخری ناکامی اور مایوسی پر دلالت کرتے ہیں۔" (الذکر الحکیم نمبر ۴ صفحہ ۱)

پھر اسی ڈاکٹر عبد الحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جوابی خط میں سے حضور کے یہ الفاظ بھی شائع کئے ہیں:۔

"ہر ایک کو معلوم ہے کہ جو کچھ مولوی صاحب مرحوم کی نسبت الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوا وہ ان کی موت تھی۔ چنانچہ بار بار ان کے انجام

کی نسبت اخبارات میں یہ الہام چھپوائے گئے اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِھَامُھَا یعنی موت کے تیر نہیں ٹلیں گے۔ مبرم موت ہے۔ پھر الہام ہوا کفن میں لپیٹا گیا۔ پھر الہام ہوا ۴۷ برس کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چنانچہ پورے ۴۷ برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ الخ"

(الذکر الحکیم نمبر ۴ ص۲۲)

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی صحت یابی کی خبر پر مشتمل الہام حضرت اقدس کو کوئی نہ ہوا تھا بلکہ الہامات ظاہری الفاظ میں اس کے برخلاف متواتر موت کی خبر دے رہے تھے۔ لہٰذا معترض پٹیالوی نے حضور کے بیان مندرجہ حقیقۃ الوحی ص۲۲۶ کو جھوٹ قرار دے کر ایک ناپاک افترا کیا ہے۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

(۷) حضرت یونسؑ کے واقعہ کی حقیقت

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے :-

"جب نکاح والی پیشگوئی کے پورا ہونے سے مرزا صاحب مایوس ہو گئے اور قلبی صدمہ کے علاوہ مرزا صاحب کو اعتراضوں کی بوچھاڑ اور خوف کا خیال ہوا تو آپ آخری وقت[1] کی تصنیف تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۲ و ۱۳۳ میں لکھتے ہیں کہ نکاح کے لئے ایک شرط تھی۔ جب ان لوگوں نے شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر[2] میں پڑ گیا۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ "کیا یونس علیہ السلام کی پیشگوئی نکاح پڑھنے سے کچھ کم تھی۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ۴۰ دن تک اس قوم پر عذاب نازل ہوگا مگر عذاب نازل نہ ہوا۔ حالانکہ اس میں کسی شرط کی تصریح

---

[1] تتمہ حقیقۃ الوحی ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد حضور نے چشمہ معرفت، رسالہ پیغام صلح وغیرہ تالیف فرمائی ہیں۔ اس کو آخری وقت کی تصنیف کہنا ہی جھوٹ ہے۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضور کا وصال ہوا ہے باقی شرط کا ذکر تو اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء اور انجام آتھم ص۲۲۳ پر بھی مذکور ہے۔ کما مر و سیاتی ایضاً یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ (مؤلف) - [2] اس "یا" کی حکمت فصل دہم میں مذکور ہے۔ ۱۲

نہ تھی۔ پس وہ خدا جس نے ایسا ناطق فیصلہ منسوخ کر دیا اس پر کیا مشکل تھا کہ اس طرح نکاح کو بھی منسوخ یا کسی وقت پر ٹال دے۔" اس قول میں مرزا صاحب نے پیٹ بھر کر جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ ایک نہیں کئی جھوٹ بولے ہیں۔" (عشرہ ص۱۰۱)

الجواب۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ محمدی بیگم والی پیشگوئی پر مبسوط بحث فصل دہم میں ہوگی اور وہاں پر ہی معترض پٹیالوی کی "تحقیق لاثانی" کے بخیئے اُدھیڑے جائیں گے انشاء اللہ۔ اسلئے ہم اس جگہ اس بحث کو چھوڑتے ہیں۔ معترض نے حضرت اقدسؑ کے اس بیان کو جو حضرت یونسؑ کی پیشگوئی کے متعلق ہے جھوٹ قرار دیا ہے لہذا ہم اختصاراً اس کے اعتراضات کو درج کر کے اس پیشگوئی پر بحث کرتے ہیں۔ مگر پیشتر ازیں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے نبی قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کے مذہب کے مطابق وعیدی پیشگوئی اصلاح اور تخویف کے لئے کی جاتی ہے۔ بنا بریں اس غرض کے حاصل ہو جانے پر پیشگوئی بہر حال درست اور سچی سمجھی جائے گی۔

قوم یونسؑ پر عذاب کے لئے چالیس دن کا تعیّن

قولہ ۔"مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر چالیس دن تک عذاب نازل ہوگا محض غلط ہے۔ اس فیصلہ کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں نہ تورات و انجیل میں۔" (عشرہ ص۱۰۳)

اقول۔ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کے لئے عذاب کی پیشگوئی کی۔ عذاب نہ آیا بلکہ ٹل گیا۔ یہ نفس مضمون ہے جس پر قرآن مجید، احادیث اور تورات سب متفق ہیں۔ آخر الذکر دونوں یعنی تورات و احادیث میں چالیس دن کی تعیین بھی موجود ہے لیکن بایں ہمہ معترض کی دیدہ دلیری اور جسارت قابل داد ہے گویا ع دروغ گویم بر روئے تو، والا معاملہ ہے۔

قرآن مجید اور یونسؑ کی پیشگوئی

فرمایا۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (یونس)

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانبیاء ع) وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ - الآیات (الصافات ع) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ (القلم ع)

ترجمہ:- کیوں کوئی ایسی بستی نہ ہوئی کہ وہ نفع دینے والا ایمان لاتی ہو بجز قومِ یونس کے۔ وہ لوگ جب ایمان لائے تو ہم نے اُن پر سے دنیا میں ذلّت کا عذاب دُور کر دیا اور ان کو ایک عرصہ تک فائدہ دیا۔ یونس کو یاد کر جبکہ وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ اندھیروں میں اس نے پکارا کہ اے خدا بجز تیرے کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور میں ظالم ہوں۔ ہم نے اس کی پکار کو سنا اور اس کو غم سے نجات بخشی۔ ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ یقیناً یونسؑ رسولوں میں سے ہے۔ خیال کرو جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا۔ قرعہ پڑا تو اس کو ہی گرایا گیا۔ اے نبی! تو اپنے رب کے حکم پر صبر کر اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح مت بن۔ جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں پکارا۔ اگر اسکے رب کی نعمت اس کی دستگیری نہ کرتی تو وہ قابلِ مذمت قرار دیا جا کر میدان میں پھینک دیا جاتا۔"

اِن آیات میں حضرت یونسؑ کی ناراضگی، ان کے بھاگ جانے، مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے اور پھر قومِ یونسؑ سے عذابِ موعود کے ٹل جانے کا ذکر ہے۔ معاملہ بالکل صاف ہے کہ عذابِ موعود کے ٹل جانے پر حضرت یونسؑ ناراض ہوئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہرحال ان آیات سے حضرت یونسؑ کے وعدہ کردہ عذاب کے ٹل جانے اور پھر ان کے غضبناک ہونے کا نہایت واضح ثبوت ملتا ہے۔ اِس بات کا انکار تو وہی کر سکتا ہے جو محض ضدی ہو۔

احادیث و تفاسیر اور حضرت یونسؑ کا واقعہ

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں لکھا ہے:-

بَعَثَ اللّٰهُ يونس الى اهلِ قريته فردّوا عليه ما جاءهم به

فامتنعوا منه فلما فعلوا ذالك اوحی اللہ الیہ انی مرسل الیھم العذاب فی یوم کذا وکذا فاخرج من بین اظهرهم فاعلم قومه الذی وعد اللہ من عذابه ایاهم فقالوا ارمقوه فان خرج من بین اظهرکم فهو واللہ کائن ما وعدکم فلما کانت اللیلة التی وعدوا بالعذاب فی صبیحتها ادلج فرأه القوم فحذروا فخرجوا من القریة الی براز من ارضهم و فرقوا بین کل دابة و ولدها ثم عجوا الی اللہ و انابوا واستقالوا فاقالهم اللہ وانتظر یونس الخبر عن القریة واهلها حتی مر به مار فقال ما فعل اهل القریة قال ان نبیهم لما خرج من بین اظهرهم عرفوا انه صدقهم ما وعدهم من العذاب فخرجوا من القریة الی براز من الارض ثم فرقوا بین کل ذات ولد وولدها ثم عجوا الی اللہ وتابوا فتقبل منهم واخر عنهم العذاب فقال یونس عند ذالک لا ارجع الیهم کذابا ابدا ومضی علی وجهه۔ اخرجه ابن جریر وابن حاتم۔" (فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۷۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو ان کی بستی والوں کے لئے مبعوث فرمایا انہوں نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا اور اس پر مُصر ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ پر وحی نازل کی کہ میں ان پر فلاں دن عذاب نازل کرنے والا ہوں۔ پس تو ان کے درمیان سے نکل جا۔ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ عذاب سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ یونسؑ کو دیکھتے رہو اگر تو وہ تمہارے درمیان سے باہر نکل گیا تو سمجھو کہ اس نے جو خبر سنائی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی جب وہ رات آئی جس کی صبح ان پر عذاب آنے کا وعدہ تھا تو حضرت یونسؑ رات کے وقت نکل گئے۔ لوگ انہیں جاتا دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ سب بھی بستی سے باہر ایک کھلے میدان میں نکل آئے اور انہوں نے ہر بچّہ کو اس کی ماں سے علیحدہ کر دیا خوب

روئے پیٹے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے اور معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔

اِدھر (جنگل میں) حضرت یونسؑ بستی اور بستی والوں کے بارے میں کسی خبر کے منتظر تھے۔ ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ بستی والوں کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ان کا نبی جب ان کے درمیان سے چلا گیا تو وہ سمجھ گئے کہ اس نے عذاب کا جو وعدہ دیا تھا وہ سچا ہے پس وہ کھلے میدان میں آ گئے اور بچوں کو ماؤں سے الگ کر دیا، توبہ کی اور خدا کے حضور زاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا سن لی اور ان سے عذاب ٹال دیا۔ اس پر حضرت یونسؑ نے کہا کہ میں اب ان کی طرف کذاب ہو کر نہیں لوٹوں گا۔ چنانچہ وہ وہاں سے آگے چلے گئے۔"

(۲) اِنَّ یُوْنُسَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ قَدْ وَعَدَ قَوْمَہُ الْعَذَابَ وَاَخْبَرَھُمْ اَنَّہٗ یَأْتِیْھِمْ اِلٰی ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ۔

ترجمہ۔ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو عذاب کا وعدہ دیا اور ان کو خبر دی کہ تین دن تک ان پر عذاب آجائے گا۔" (ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۹)

(۳) وَکَانَ یُوْنُسُ قَدْ وَعَدَھُمُ الْعَذَابَ بِصُبْحِ ثَالِثَۃٍ (ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)

(۴) امام نیشاپوری لکھتے ہیں:۔

"وَقِیْلَ قَالَ لَھُمْ یُوْنُسُ اِنَّ اَجَلَکُمْ اَرْبَعُوْنَ لَیْلَۃً فَقَالُوْا اِنْ رَأَیْنَا اَسْبَابَ الْھَلَاکِ اٰمَنَّا بِکَ فَلَمَّا مَضَتْ خَمْسٌ وَثَلَاثُوْنَ اَغَامَتِ السَّمَاءُ غَیْمًا اَسْوَدَ ھَائِلًا یُدْخِنُ دُخَانًا شَدِیْدًا ثُمَّ یَھْبِطُ حَتّٰی یَغْشٰی مَدِیْنَتَھُمْ وَیَسْوَدُّ سُطُوْحُھُمْ فَلَبِسُوا الْمُسُوْحَ وَبَرَزُوْا اِلَی الصَّعِیْدِ بِاَنْفُسِھِمْ وَنِسَائِھِمْ وَصِبْیَانِھِمْ ..... وَاَظْھَرُوا الْاِیْمَانَ وَالتَّوْبَۃَ وَتَضَرَّعُوْا فَرَحِمَھُمْ وَکَشَفَ عَنْھُمْ وَکَانَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔"

(تفسیر النیشاپوری جلد ۱۱ بر حاشیہ ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہاری مدّت چالیس دن مقرر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے ہلاکت کے علامات دیکھے تو تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ جب ۳۵ دن گزر گئے تو آسمان پر سخت خوفناک سیاہ دھواں دھار بادل آیا اور اس نے ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ان کی چھتوں پر چھا گیا۔ تب انہوں نے ٹاٹ پہنے اور عورتوں بچوں سمیت میدان میں نکلے۔ اور انہوں نے ایمان و توبہ کا اظہار کیا اور زاری کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور اس عذاب کو ٹال دیا۔ یہ واقعہ بروز جمعہ عاشورا کے دن ہوا"

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت یونسؑ کو وحی ہوئی اور ان کی قوم پر مقررہ دن یا چالیس دن تک عذاب آنے کی پیشگوئی کی گئی۔ حضرت یونسؑ نے اس پیشگوئی کو اپنی قوم کے سامنے نہایت تحدّی سے پیش کیا لیکن ان لوگوں کی توبہ اور انابت کے باعث وہ عذاب دُور کر دیا گیا اور وہ لوگ عذاب سے بچ گئے۔ جس پر حضرت یونسؑ ناراض ہوئے اور بھاگ نکلے اور کہا کہ ارجع الیھم کذاباً ابداً۔ میں اب جھوٹا ہو کر ان میں نہ جاؤں گا۔ افسوس کہ اس قدر واضح روایت کی موجودگی میں کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اُف! اتنی غلط بیانی؟

انجیل اور حضرت یونسؑ کا واقعہ

اناجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا :۔

(۱) "اس زمانے کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ نینوا کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر انہیں مجرم ٹھہرائیں گے کیونکہ انہوں نے یونس کی منادی پر توبہ کر لی۔ اور دیکھو یہاں وہ ہے جو یونس سے بھی بڑا ہے۔" (متی ۱۲ / ۳۹-۴۱)

(۲) "نینوا کے لوگ اس زمانے کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر انہیں مجرم ٹھہرائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے یونس کی منادی پر توبہ کر لی۔ اور

دیکھو یہاں وہ ہے جو یونس سے بھی بڑا ہے۔" (لوقا ۱۱/۳۲)

توراۃ کا بیان

ان بیانات سے حضرت یونسؑ کے نشان اور ان کی قوم کی توبہ کا ذکر ظاہر ہے۔ توراۃ جو یہود و نصاریٰ کی مشترکہ الہامی کتاب ہے اس میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے موجود ہے۔ تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ معترض پٹیالوی نے جھوٹ بولنے کا اجارہ لے رکھا ہے۔ آپ ایک طرف اس کے دعویٰ کو پڑھئے اور دوسری طرف بائیبل کے ان الفاظ کا مطالعہ کیجئے۔ لکھا ہے:۔

"تب یوناہ (حضرت یونسؑ) خداوند کے کلام کے مطابق اُٹھ کر نینوا کو گیا اور نینوا خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا کہ اس کا احاطہ تین دن کی راہ تھی۔ اور یوناہ شہر میں داخل ہونے لگا۔ اور ایک دن کی راہ جا کے منادی کی اور کہا چالیس اور دن ہوں گے تب نینوا برباد کیا جائے گا۔ تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر اعتقاد کیا اور روزہ کی منادی کی اور سب نے چھوٹے سے بڑے تک ٹاٹ پہنا اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ کو پہنچی اور وہ اپنے تخت پر سے اُٹھا اور بادشاہی لباس کو اُتار ڈالا اور ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ اور اس کے ارکانِ دولت کے فرمان سے ایک اشتہار نینوا میں کیا گیا۔ اور اس بات کی منادی ہوئی کہ کوئی انسان یا حیوان گلہ یا رمہ کوئی چیز مطلق نہ چکھے۔ اور نہ کھائے اور نہ پیئے۔ لیکن انسان اور حیوان ٹاٹ سے ملبّس ہوں اور خدا کے حضور شدّت سے نالہ کریں۔ بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی بُری راہ سے اور اپنے اپنے ظلم سے جو اُن کے ہاتھوں میں ہے باز آئیں۔ کیا جانیں کہ خدا پھر بیگا اور پچھتائے گا اور اپنے قہر شدید سے باز آئے گا۔ تاکہ ہم لوگ ہلاک نہ ہوں اور خدا نے ان کاموں کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی بُری راہ سے باز آئے تب خدا اس بدی سے جو اُس نے کہی تھی کہ میں ان سے کرونگا پچھتا کے باز آیا اور اس نے ان سے وہ بدی نہ کی۔ پھر یوناہ اس سے نہایت ناخوش ہوا۔ اور نپٹ رنجیدہ ہو گیا۔ اور اس نے خداوند کے آگے دعا مانگی اور

کہا کہ اے خداوند میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کیا یہ میرا مقولہ نہ تھا جس وقت میں ہنوز اپنے وطن میں تھا۔ اس لیئے میں آگے سے ترسیس کو بھاگا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تو کریم اور رحیم خدا ہے جو غصہ کرنے میں دھیما ہے اور نہایت مہربان ہے اور پچھتا کے آپ کو بدی سے باز رکھتا ہے ...... تب خداوند نے فرمایا کہ تجھے اس رینڈی کے درخت پر رحم آیا جس کے لئے تو نے کچھ محنت نہ کی اور نہ تو نے اگایا۔ جو ایک ہی رات میں اُگا اور ایک ہی رات میں سوکھ گیا۔ اور کیا مجھے لازم نہ تھا کہ میں اتنے بڑے شہر نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ ہیں جو اپنے دہنے بائیں ہاتھ کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے۔ اور مویشی بھی بہت ہیں شفقت نہ کروں؟

(یوناہ نبی کی کتاب باب ۳-۴)

ناظرین کرام! قرآن مجید کا بیان، احادیث و تفاسیر کی روایات، انجیل اور تورات کا اقتباس آپ کے سامنے ہے۔ برائے خدا غور فرمائیں کہ اس قدر کھلی شہادات کے باوجود حضرت اقدس کے فرمودہ کو کذب بیانی قرار دینا کمال بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ بندگانِ خدا موت کو یاد کرو اور شدید البطش خدا کی گرفت سے ڈر جاؤ۔ اِس قدر مغالطہ دہی، اتنا افترا اور اتنی غلط بیانی؟ ع

خدا سے کچھ ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے

آسمان کا فیصلہ آپ پڑھ چکے۔ چالیس دن کا حوالہ بائیبل اور تفاسیر میں ملاحظہ کر چکے حضرت یونس کی ناراضگی پر قرآنی ارشاد تلاوت کر چکے۔ کیا ان سب کے بعد بھی کسی دوسری شہادت کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔

یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا استدلال محض نفسِ پیشگوئی اور تاخیرِ عذاب سے ہے۔ حضرت یونس نے موقت[1] عذاب کی پیشگوئی کی اور خود قوم سے علیحدہ ہو گئے مگر

---

[1] وہ چالیس۴۰ دن ہوں یا کم و بیش لیکن بائبل اور تفاسیر سے چالیس۴۰ دن کا تعین ثابت ہے۔ (مؤلف)

ان کی توبہ سے عذاب ٹل گیا۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت یونسؑ کی پیشگوئی (نعوذ باللہ) غلط نکلی اور پوری نہ ہوئی۔ اسی طرح حضرت اقدس کی پیشگوئی داماد احمد بیگ وغیرہ ہے۔ بمال نفس پیشگوئی اور عذاب کے ٹل جانے کو تو امرتسری معاند مولوی ثناء اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"ہم مانتے ہیں کہ انذاری عذاب نہ صرف ملتوی ہو جاتا ہے بلکہ مرفوع بھی ہو جاتا ہے ...... مرزا جی ہمیشہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا حوالہ دیا کرتے تھے مگر افسوس کہ اس میں بھی تجدید سے نہیں رُکتے۔ اس قصہ کا مضمون بالکل ہماری تائید[1] اور مرزا جی کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ اس آیت میں صاف اور صریح مذکور ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب ٹل گیا۔" (الہاماتِ مرزا صـ۱۲۴ حاشیہ)

الغرض ہمارے بیانات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا ہے وہ عین قرآن مجید، تفاسیر و روایات، اناجیل اور یوناہ نبی کی کتاب کے مطابق ہے۔ اس کو جھوٹ قرار دیکر معترض پٹیالوی نے اپنی کذب بیانیوں میں اضافہ کیا ہے وبس۔

قولہ :- "اسی طرح سے مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ یونس علیہ السلام کی پیشگوئی میں کوئی شرط نہ تھی صاف جھوٹ اور صریح کذب ہے۔ اول تو قطعی طور سے اس پیشگوئی کا ثبوت نہیں جیسا کہ اوپر ذکر[2] ہوا۔ پھر شرطی اور غیر شرطی کا کیا مذکور۔ اور اگر بعض روایتوں سے پیشگوئی کا حال معلوم ہوتا ہے تو شرطی ہونے[3] کا ثبوت بھی وہیں سے ملتا ہے۔ (بعد از ال کتاب شیخ زادہ

---

[1] دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ (ابوالعطاء) [2] پیشگوئی کا ثبوت اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ [3] نکاح والی پیشگوئی کے شرطی ہونے کا بھی پہلے اشتہار سے لے کر ہر جگہ ثبوت موجود ہے۔

(مؤلف)

جلد ۷ کا حوالہ دیا ہے۔ناقل) پھر کس طرح جھوٹ کہے جاتے ہیں کہ پیشگوئی میں شرط نہیں تھی" (عشرہ صد ۸۱-۸۲)

الجواب۔ اس عبارت میں اوّل تو معترض نے یہ دھوکہ دیا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کہتے ہیں کہ "یونسؑ کی پیشگوئی میں کوئی شرط نہ تھی" حالانکہ اُوپر تتمہ حقیقۃ الوحی کی جو عبارت اس نے نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ حالانکہ اس میں کسی شرط کی تصریح نہ تھی۔ مطلق شرط کا نہ ہونا (لفظاً ومراداً) اَور بات ہے۔ اور اس کی تصریح کا نہ ہونا امرِ دیگر۔ حضرت اقدسؑ نے تصریح یا لفظی ذکر و اظہار کا انکار فرمایا ہے۔ ورنہ حضورؑ تو اس وعیدی پیشگوئی کو بھی مشروط بالشرط ہی مانتے ہیں۔ کیونکہ حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے :۔

"خدا اور رسولؐ اور پہلی کتابوں کی شہادتوں کی نظیریں موجود ہیں کہ وعید کی پیشگوئی میں گو بظاہر کوئی بھی شرط نہ ہو تب بھی بوجہ خوف تاخیر ڈال دی جاتی ہے۔" (انجام آتھم صد ۳۲ حاشیہ)

پس اوّل تو معترض پٹیالوی نے یہ دھوکا دیا ہے۔

دوم پہلے مطلق پیشگوئی کا انکار تھا مگر اب بعض روایتوں سے پیشگوئی کا حال معلوم ہونے لگ گیا ہے۔ لیکن مشہور ضرب المثل کے مطابق نیش کژدم کی طرح اب بھی ٹیڑھے ہی رہے۔ کس ادا سے لکھتے ہیں کہ "شیخ زادہ" وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ہلاک ہوگے۔ جنابِ من! ہم نے روایات صحیحہ اوپر درج کر دی ہیں ان پر نگاہ کریں اور پھر سوچیں کہ "شیخ زادہ" کیا چیز اور کس حیثیت کی اس کی روایت ہے؟ ایسی غیر مستند کتب پر اعتبار اور قرآن مجید، تفاسیر، اناجیل اور تورات سے انحراف؟ ؏

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

پٹیالوی صاحب کا یہ بیان متذکرہ صدر حوالجات کی موجودگی میں ہرگز شائستہ التفات نہیں لیکن تاہم مَیں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر شرط کا اظہار پیشگوئی کے ساتھ کر دیا گیا تھا تو پھر یونسؑ کے ناراض ہو کر بھاگنے کی کیا وجہ تھی؟ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِباً۔ نیز حضرت یونسؑ کے بااصرار یہ کہنے کا کیا مطلب تھا کہ لَا اَرْجِعُ اِلَیْهِمْ کَذَّاباً؟ علاوہ ازیں قوم کے اس طرح بیقرار

اور ہلکان ہونے کی کیا وجہ تھی۔ وہ سیدھے طور پر ایمان لے آتے۔ کیونکہ پیشگوئی کے یہی الفاظ تھے کہ ایمان لاؤ گے تو بچ جاؤ گے۔ ان کا اس طرح پریشان ہو جانا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ ان کے سامنے پیشگوئی بغیر شرط ذکر ہوئی تھی۔ پھر مقام حیرت ہے کہ روایات بکثرت موجود ہوں مگر کسی معتبر روایت میں شرط کے ان الفاظ کا ذکر نہ ہو۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے ایک عقلمند یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اگرچہ اس پیشگوئی میں بھی جملہ وعیدی پیشگوئیوں کی طرح شرطِ توبہ ملحوظ تھی لیکن بظاہر لفظاً یہ شرط مذکور نہ تھی ورنہ یہ حالات پیش نہ آتے۔ اور اگر ایسی شرط پیشگوئی کے ساتھ ذکر ہوتی تو اس کا کوئی ذکر قرآن مجید، روایاتِ صحیحہ اور بائیبل میں بھی ہوتا۔ پس اس الزام میں بھی معترض پٹیالوی کی کذب بیانی ثابت ہے وھوالمراد۔

حضرت یونسؑ کی پیشگوئی اور نکاح والی پیشگوئی میں مشابہت

اگرچہ مندرجہ بالا تحریرات کے بعد اس عنوان کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ نفسِ تاخیرِ عذاب یا التوائے مطلق میں دونوں پیشگوئیاں ہم پلہ ہیں اور بالکل سراپا متقابلہ کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن چونکہ معترض پٹیالوی نے یہ عنوان ذکر کیا ہے لہذا از بسکہ ہم اختصار چاہتے ہیں تھوڑا سا ذکر ضروری ہے۔ معترض نے ان دونوں پیشگوئیوں کو غیر مماثل ثابت کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چھ امور ذکر کئے ہیں جو مع جواب اس جگہ درج ہیں۔ لکھتا ہے کہ:۔

(۱) "نکاح والی پیشگوئی قطعی اور یقینی ہے اور اس کی بنا متواتر الہامات پر رکھی گئی ہے۔ برخلاف اس کے یونسؑ علیہ السلام کی پیشگوئی کا ثبوت نہ کسی الہامی کتاب سے ملتا ہے نہ احادیثِ صحیح سے۔ اس کا ماخذ بعض ضعیف روایات ہیں۔" (عشرہ صلا)

الجواب۔ مکمل ثبوت اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) "منکوحہ آسمانی کے واپس آنے کا الہام ان الفاظ میں تھا۔ فسیکفیکھم اللّٰہ ویردّھا الیک انا کنا فاعلین۔ مگر حضرت یونسؑ کو اس طرح نہیں کہا گیا۔" (عشرہ صلا)

الجواب۔ منشی صاحب! جب شخص دو، الہامات کی زبان الگ، معاملہ علیحدہ علیحدہ تو پھر وہی الفاظ کیسے کہے جا سکتے تھے؟ کچھ تو عقل سے بھی کام لیا کریں۔ مشابہت نفس ایقاع میں ہے نہ ہر ایک جزء میں۔ اگر زید کو شیر کہا جائے تو اس کے لیے ناخن اور دُم نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مماثلت صرف جرأت و بہادری میں ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ تو شرط کے ساتھ سخت تاکید بھی ہے، تو پڑھ لیجئے وہاں بھی تاکیدی الفاظ موجود ہیں۔ اِنّی مرسل الیھم العذاب فی یوم کذا وکذا (فتح البیان) اِنَّ حرف تاکید ہے جملہ اسمیہ تاکید مزید ہے۔ فبطل ما ادعیتم۔

(۳) "مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا۔ الحق من ربک فلا تکوننّ من الممترین حضرت یونسؑ سے ایسا ارشاد نہیں ہوا۔ (عشرہ ص۲)

الجواب۔ اس کا جواب اُوپر گزر چکا ہے۔ اگر وہ پیشگوئی الحق من ربہٖ نہ تھی تو تحدی کیسے ہو سکتی تھی؟ یونس علیہ السلام کا عمل (قوم کو چھوڑ کر باہر چلے جانا اور منتظر عذاب رہنا) ان کے یقین کا گواہ ہے۔

(۴) "مرزا صاحب کے الہام میں لاتبدیل لکلمات اللّٰہ۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اس معاملہ میں اس طرح کہا کسی ضعیف روایت میں بھی مذکور نہیں۔" (عشرہ ص۲)

الجواب۔ مخالف حالات کے سامنے ہوتے ہوتے زیادہ تاکید کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ حضرت یونسؑ کے لیئے ایسی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بھلا اتنا ہی غور کر لیتے کہ قرآن مجید میں لاتبدیل لکلمات اللّٰہ الخ آیا ہے۔ الحق من ربک فلا تکوننّ من الممترین وارد ہوا ہے اور اس قسم کے الہامات حضرت یونسؑ کو نہیں ہوئے تو کیا ان کی وحی اور آنحضرتؐ کی وحی میں بلحاظ نفسِ الہام فرق ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔ بہرحال خدا کا الہام یقینی ہوتا ہے خواہ وہ ابراہیمؑ پر نازل ہو یا موسیٰؑ پر، یونسؑ پر اُترے یا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کیا جائے۔ فرق کمی بیشی یا اکملیت وغیرہ کا ہے۔ نفس یقین میں سب برابر ہیں۔ اسی مفہوم کو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے اس شعر میں ادا فرمایا ہے ؎

لہ نقل مطابق اصل۔ یہ الہام بحیثیت مجموعی نفس پیشگوئی کے متعلق ہے محض نکاح سے مخصوص کرنا مخالفین کی زیادتی ہے۔ (مؤلف)

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ؛ من بعرفان نہ کمترم ز کسے

پس حضرت یونسؑ کو ان الفاظ میں الہام نہ ہونے سے کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا۔ فتدبر

(۵) "مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر ایک مانع دُور کرنے کے بعد اس لڑکی کو انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائیگا مگر حضرت یونسؑ نے ایسا نہیں فرمایا کہ یہ پیشگوئی ہر حالت میں ضرور ہی ظہور میں آئے گی۔" (عشرہ ص۸۲)

الجواب۔ نکاح کے لئے تو "مانع دُور کرنے کے بعد" کا وقت تھا اور مانع کا دُور کرنا یعنی ہلاکت، اصرار علی الاستہزاء پر مبنی تھی اسلئے اعتراض فضول ہے۔ اگر کہو کہ اس میں یقین پایا جاتا ہے اور یونس علیہ السلام نے ایسے یقینی الفاظ نہیں کہے تو یاد رہے کہ حضرت یونسؑ کے سارے الفاظ محفوظ نہیں ہیں لیکن ان کا قول لا ارجع الیھم کذاباً صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے نہایت یقینی اور غیر مبہم الفاظ میں اس وعید کا ذکر کیا تھا۔ ہاں علامہ فخر الدین رازی کے یہ الفاظ بھی آپ کے مطالبہ کا جواب ہیں۔ لکھا ہے:۔

"انّ ذنبہ یعنی ذنب یونس کان لانّ اللّٰہ تعالیٰ وعدہ انزال الاھلاک بقومہ الذین کذبوہ فظنّ انّہ نازل لامحالۃ فلاجل ھذا الظنّ لم یصبر علیٰ دعائھم۔" (تفسیر کبیر ص۱۶۴)

کہ حضرت یونسؑ کی یہ غلطی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے ان لوگوں پر عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا جو مکذب تھے مگر انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ عذاب ضروری اور قطعی طور پر ہی نازل ہونے والا ہے انکو تبلیغ کرنا ترک کر دیا۔"

معلوم ہوا حضرت یونسؑ نے بھی اس عذاب کو قطعی اور حتمی وعید سمجھا تھا۔

(۶) "مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے نکاح پر خدا کی قسم کھائی ہے لیکن حضرت یونسؑ نے کوئی قسم نہیں کھائی۔" (عشرہ ص۸۲)

الجواب۔ قسم کھانے یا نہ کھانے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ اگر مخالف کسی بات کے ہونے سے باصرار انکار کریں تو قسم کھائی جاتی ہے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور یہی فرق ان

ؔلہ بالکل جھوٹ۔ نکاح پر نہیں بلکہ پیشگوئی کی صداقت پر۔ سو وہ پوری ہو گئی۔ (مؤلف)

دونوں پیشگوئیوں کے منکرین میں تھا۔ دیکھیئے قرآن مجید میں اصحاب القریہ کے پاس رسولوں کے جانے کا قصہ مذکور ہے۔ جتنا جتنا منکرین اپنے انکار میں شدت اختیار کرتے گئے اتنا ہی یہ رسل اپنے دعویٰ کو مؤکد اور موثوق بناتے گئے۔ حتیٰ کہ آخر کار بطور حلف کہا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ (یٰس ع) کیا اب اگر کسی رسول نے اپنے دعویٰ کو اس شدت سے یا اس رنگ میں ذکر نہیں کیا تو کیا وہ جھوٹا تھا یا اس کو اپنے دعویٰ میں شک تھا؟ ہرگز نہیں۔ یٰس ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

ناظرین! ان تمام بودے اور کمزور فقروں کو ذکر کرنے سے معترض پٹیالوی کا مطلب کیا ہے؟

وہ اس آخری نمبر میں زیادہ نمایاں ہوگیا ہے اور وہ یہ ہے۔ لکھتا ہے:-

"کوئی بھلا آدمی ایسی بات پر قسم کھا سکتا ہے جس کے وقوع کی اسے پیش از وقت خبر دی گئی ہو۔ اور اسے آسمان سے یقینی اطلاع مل چکی ہو۔" (عشرہ ص)

اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ انسان ہر یقینی بات پر بلا ضرورت قسم کھاتا رہے اسلئے انبیاء کرام کے وہ دعاوی یا وہ پیشگوئیاں جن پر ان کی قسمیں ثابت نہیں غیر یقینی قرار نہیں پا سکتیں۔ یہی حال حضرت یونسؑ کی پیشگوئی کا ہے لیکن تاہم معترض کے الفاظ سے یہ ضرور ظاہر ہوگیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس پیشگوئی کے متعلق یقینی کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپؑ کو اس کے وقوع کی پیش از وقت خبر دی گئی تھی اور آپؑ کو آسمان سے یقینی اطلاع مل چکی تھی۔

معزز قارئین! "حق بر زبان جاری" اسی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک واضح ترین صداقت ہے کہ خود ساختہ کلام یا شیطانی کلمات میں یقین تام کی طاقت نہیں ہوا کرتی۔ یہ قوت محض کلام خداوندی سے مختص ہے اور بحمد اللہ کہ دشمن بھی اس یقینی قوت کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے کلام میں پایا جانا مانتا ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً

اب ہم مکمل طور پر اس نمبر کے اعتراضات کا جواب لکھ چکے ہیں۔

(۸) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعودؑ کا عشق

اس نمبر میں معترض پٹیالوی نے تحفہ گولڑویہ کے فقرات ذیل درج کئے ہیں :-

"اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً کوئی شریر النفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے ، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئے - اور حدیبیہ کی پیشگوئی کو بار بار ذکر کرے کہ وقت اندازہ کردہ پر پوری نہ ہوئی"

(عشرہ کاملہ ص۲۳)

اور پھر لکھا ہے کہ :-

"عبارت زیر خط حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کھلا کھلا حملہ اور ناپاک الزام ہے جو قادیانی نبیؑ کاذب کے منہ سے ہی نکل سکتا ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی بقید وقت نہیں فرمائی جو اپنے وقت پر پوری نہ ہوئی ہو" (عشرہ ص۲۴)

الجواب - معترض پٹیالوی نے عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا ہے - ورنہ اس کی ضمیر بھی اس کو ملامت کرتی ہوگی - آہ ! اتنا جھوٹ اور ایسی مغالطہ دہی اور پھر مذہب کے نام پر ؟ اے زمین تو کیوں شق نہ ہو گئی - اے قلم تو کیوں نہ ٹوٹ گیا - حضرت مرزا صاحبؑ جیسا عاشق رسولؐ اور ان پر یہ ناپاک الزام ؟ ع ضدان مفترقان ای تفرق - حضرت مرزا صاحبؑ تو فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ⁂ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

پھر آپؑ نے ہی تحریر فرمایا ہے کہ :-

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمینوں کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر ، جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے

کرتے ہیں۔" (رسالہ پیغام صلح ص۱۵)

آہ! افسوس کہ آج دلائل کے میدان میں معاندین تنگ آکر افترا پردازی پر اتر آئے۔ اور جھوٹے الزام لگانے شروع کر دیئے۔ کیا دنیا کا ایک بھی عقلمند جس نے حضرتؑ کی کتب کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہو اس اعتراض کی تائید کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حضرتؑ نے اپنی زندگی اور بعثت کا مقصد بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے ؎

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفٰےؐ ؛ این است کامِ دل اگر آید میسّرم

پس یہ اعتراض احمدیت کی روح اور احمدیہ لٹریچر کے مغز کے ہی خلاف ہے۔ ایسا معترض یا تو بالکل غبی ہوگا یا پھر شریر النفس۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر پیشگوئی پوری ہوئی ہے اور جو آئندہ سے متعلق ہیں ضرور پوری ہوں گی۔ مگر یہ غلط ہے کہ ہمارے مخالفین کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ دیکھو صحاح ستہ میں ابو داؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (مشکوٰۃ المصابیح) کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ مجدّد کو مبعوث کیا کریگا یہ آنحضرتؐ کی پیشگوئی ہے اور تمہارے الفاظ کے مطابق "بقید وقت" ہے۔ مگر بتاؤ کہ کیا اس چودھویں صدی میں سے باوجود نصف صدی گزرنے کے تمہارے نزدیک یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور کوئی ایسا مجدّد کھڑا ہوا جس نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے؟ ہاں صرف حضرت **مرزا غلام احمد** صاحب علیہ السلام نے ایسا دعویٰ کیا مگر ان کو تم نے اپنی بدقسمتی سے رد کر دیا اور دوسرے مبعوث من اللہ مجدّد کو پیش نہیں کر سکتے۔ پس تمہارے دکھانے اور دکھانے کے دانت علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

صلح حدیبیہ پر اعتراض؟

معترض نے جس عبارت کو نقل کر کے حضرت اقدسؑ پر الزام لگایا ہے اسی میں اس کا جواب بھی موجود ہے کیونکہ وہاں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ واقعہ حدیبیہ کو بطور اعتراض پیش

لہ اب طبع دوم کے وقت ۸۰ برس گزرنے کے باوجود کوئی اور مدعی مجددیت پیش نہیں کیا جا سکا؟ (المؤلف)

کرنا شریر النفس کا کام ہے کیونکہ درحقیقت اس پیشگوئی پر کوئی اعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پس معترض پٹیالوی کے اس ناپاک افتراء کا ایک جواب تو حضرت کی عبارت میں ہی موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس پیشگوئی کو پوری اور درست مانتے ہیں بلکہ اعتراض کرنے والے کو شریر النفس کہتے ہیں۔

واقعۂ حدیبیہ اس جگہ مختصراً واقعۂ حدیبیہ کا ذکر ضروری ہے۔ قریباً ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رؤیا دیکھا کہ ہم مکہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ چودہ سو صحابہ کو لیکر بعزم عمرہ جانب مکہ روانہ ہو پڑے۔ راستہ میں حدیبیہ مقام پر آپؐ کو رُکنا پڑا۔ کفار سے گفت و شنید کے بعد چند شرائط پر صلح قرار پائی۔ وہ شرائط بظاہر نہایت دب کر مانی گئی تھیں لیکن حقیقتاً مشیتِ الٰہی ہی ایسی تھی۔ آپؐ اس سال بغیر عمرہ کے حدیبیہ سے ہی واپس مدینہ لوٹ آئے۔ اس پر راستہ میں الہام ہوا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح قرار دیا اور آخر صلح حدیبیہ کا ہی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد مکہ فتح ہو گیا۔

حدیبیہ کے واقعہ پر بہت سے صحابہ میں قلق و اضطراب پیدا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ تو جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرنے لگ گئے اور پھر اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ سے جا کر طالبِ جواب ہوئے اور خود فرماتے ہیں وَاللّٰہِ مَا شَکَکْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا یَوْمَئِذٍ بخدا مجھے اسلام لانے کے بعد کسی پیشگوئی کے بارے میں کبھی شک نہیں ہوا بجز اس دن کے۔ (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۰۶) بہرحال سارا قافلہ بغیر عمرہ کے مدینہ واپس ہوا۔ امام ابن القیم اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حقیقۃ الامر ان الفتح فی اللغۃ فَتْحُ الْمُغْلَقِ والصلح الذی حصل مع المشرکین بالحدیبیۃ کان مسدوداً مغلقاً حتّٰی فتحہ اللّٰہ وکان من اسباب فتحہ صدُّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم واصحابہ عَنِ البیتِ وکان فی الصورۃِ الظاھرۃِ ضَیْماً وھضماً لِلْمُسْلِمِیْنَ۔ الخ"

کہ دراصل فتح کسی بند چیز کے کھولنے کو کہتے ہیں۔ حدیبیہ میں جو صلح ہوئی وہ

محض بند اور مخفی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھولا اور اس فتح کے اسباب میں یہ بھی تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیت اللہ سے روکے گئے اور بظاہر یہ مسلمانوں کی ذلت اور شکست تھی۔" (زاد المعاد جلد اوّل ص۳۸۱)

پیشگوئی حدیبیہ پر معترض پٹیالوی کے اعتراضات کے جوابات

ان مختصر الفاظ میں واقعہ حدیبیہ کو ذکر کرنے کے بعد ہم معترض پٹیالوی کے ان اعتراضات کا جواب درج کرتے ہیں جو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متذکرہ صدر بیان پر کیئے ہیں اور وہ دو ہیں۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حضرتؑ کی عبارت میں پیشگوئی حدیبیہ کو بقید وقت تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ اندازہ کردہ وقت کے لفظ ہیں۔ یعنی رؤیا میں طواف بیت اللہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر صحابہ کو ہمراہ لیکر روانہ ہونا ثابت تا ہے کہ حضورؐ کے خیال شریف میں اس رؤیا کے پورے ہونے کا وہی وقت تھا لیکن واقعات نے بتایا کہ اس سے بعد کا سال مراد تھا۔ معترض پٹیالوی لکھتا ہے :-

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب کا حوالہ دیکر عرض کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا ہم خانہ کعبہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے۔ اس پر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہم نے کہا تو تھا مگر کیا یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوگے اور طواف کروگے۔ یعنی ہمارے خواب کا ظہور کسی وقت ضرور ہوگا۔" (عشرہ ص۴۸)

اِن الفاظ کا صاف مطلب یہ ہے کہ طواف کرنے کی رؤیا بجا ہے مگر اس میں تعین وقت نہیں تھی۔ یہ تعیین ہمارا اپنا اندازہ ہے۔ اب غور فرمائیں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبارت بالا میں "اندازہ کردہ وقت" کا لفظ لکھ دیا تو اس میں کونسی خرابی واقع ہوگئی جو تم اس کو جھوٹ قرار دیتے ہو؟ یہ تو گویا بعینہٖ وہی بات ہوئی جو حضورؐ نے کھجوروں والی جگہ

کو مقام ہجرت دیکھ کر یمامہ یا ہجر قرار دیا تھا مگر پھر مدینہ ثابت ہوا (بخاری) اس سے نہ الہام پر حرف آتا ہے نہ پیشگوئی پر اعتراض پڑتا ہے۔ پس جو ایسی صورت میں پیشگوئی پر اعتراض کرتا ہے وہ شریر النفس ہے۔

معترض کے دو اعتراض

معترض لکھتا ہے کہ:-

(۱) "یہ آپ کا خواب ہے کوئی الہامی پیشگوئی نہیں نہ اس میں کوئی وقت مقرر کیا گیا ہے، یہ خواب آپ نے صحابہ کرام سے بیان فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہی ہوتے ہیں اسلئے بعض اصحاب کو یقین ہوا کہ ہم اسی سال حج کریں گے۔" (عشرہ صفحہ ۵۸)

(۲) "جس روایت میں مدینہ شریف میں اس خواب کا دیکھا جانا بیان کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر اس خواب کی وجہ سے اختیار فرمایا ..... کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ خواب کا دیکھنا موجب سفر ہوا ہو۔ صحیح روایت تو یہی ہے کہ حدیبیہ پہنچ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خواب دیکھا۔" (عشرہ صفحہ ۵۹-۵۸)

کیا رؤیا الہامی پیشگوئی ہے؟

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ تو درست ہے کہ یہ آپ کا خواب ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ یہ الہامی پیشگوئی نہیں۔ معترض نے یہ انکار نادانی سے کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کے سجدہ کی رؤیا دیکھی اور وہ الہامی پیشگوئی تھی۔ رؤیا کو مکالمہ الٰہی کی قسم "من وراء حجاب" میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر نبیوں کے خواب الہامی پیشگوئی نہیں ہوتے تو پھر فقرہ "انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہی ہوتے ہیں" کا کیا مطلب ہے؟ لیجئے صاحب اختصار کلام کی خاطر ہم بخاری شریف کا حوالہ بتائے دیتے ہیں جہاں لکھا ہے

"رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ"

نبیوں کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ (جلد اول صفحہ ۲۷)

امام نووی اپنی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :۔

"کَانَ الْاَنْبِیَاءُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْھِمْ یُوْحیٰ اِلَیْھِمْ فِیْ مَنَامِھِمْ کَمَا یُوْحیٰ اِلَیْھِمْ فِی الْیَقْظَۃِ" (جلد ۲ صفحہ ۲۴۳)

امام ابن القیم کا قول ہے :۔

"رؤیا الانبیاء وحی فانّھا معصومۃ من الشیطان وھذا باتّفاق الامّۃ"

کہ نبیوں کی رؤیا وحی ہوتی ہے جو شیطان کے دخل سے پاک ہوتی ہے۔ اس بات پر سب امّت کا اتفاق ہے" (تغیر منازل السائرین صفحہ ۹)

پھر یہ بھی درست ہے کہ اِس خواب میں لفظاً وقت مقرر نہ کیا گیا تھا مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ عمل سے یہی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کو اس سال کے لئے خیال فرمایا تھا۔ اور بقول منشی محمد یعقوب "بعض اصحاب کو (تو) یقین ہوا کہ ہم اس سال حج کرینگے"۔ اندریں حالات معترض پٹیالوی کا اِس پیشگوئی سے ہی انکار کرنا اس کی صریح غلط بیانی ہے۔

وھو المراد۔

رؤیا کے مدینہ میں دیکھے جانے پر چودہ[۱۴] شواہد

مؤلف عشرہ کاملہ نے دعویٰ کیا ہے کہ رؤیا دیکھنے کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ وہ خواب حدیبیہ پہنچنے کے بعد دیکھی گئی ہے۔ اور یہ دعویٰ اس کے اس نمبر کے سارے بیان کی جان یا بنیاد ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دعویٰ محض غلط ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس اپنے بیان کی تائید میں مندرجہ ذیل چودہ[۱۴] ثبوت ہیں۔

اوّل ۔ علامہ جلال الدین صاحب سیوطی تحریر کرتے ہیں :۔

"رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی النوم عام الحدیبیۃ قبل خروجہ انہ یدخل مکۃ ھو واصحابہ اٰمنین ویحلقون ویقصرون فاخبر بذالک اصحابہ ففرحوا فلمّا خرجوا معہ وصدّھم الکفار بالحدیبیۃ ورجعوا شق علیھم بذالک وراب بعض المنافقین نزلت

(ای سورۃ الفتح)"

ترجمہ - حدیبیہ والے سال رسول مقبولؐ نے حدیبیہ کی طرف روانگی سے قبل رؤیا دیکھی کہ حضورؐ اور آپؐ کے اصحاب مکہ میں امن وامان سے داخل ہوئے ہیں - سر منڈواتے اور بال کترواتے ہیں - حضورؐ نے اس رؤیا کی خبر صحابہ کو دی - وہ بہت خوش ہوئے - مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ پر کفار نے ان کو روک دیا اور انہیں واپس ہونا پڑا تو یہ معاملہ ان پر بہت شاق گزرا اور بعض منافق تو اسلام کے متعلق ہی شک میں پڑ گئے تو اس وقت سورہ الفتح نازل ہوئی۔" (جلالین سورۃ الفتح صفحہ ۴۲۳)

اس حوالہ میں صاف لفظ " قبل خروجہ " موجود ہے معلوم ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رؤیا مدینہ منورہ میں ہی دیکھی تھی۔

دوم - صاحب کمالین نے عام الحدیبیۃ قبل خروجہ کے ساتھ ہی لکھا ہے :-

"ولابن جریر انہ رأی ذالک بالحدیبیۃ الاول اصح۔" (تفسیر سورۃ الفتح)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا کے متعلق دو روایات ہیں - علامہ سیوطی کی تحقیق قبل خروجہ ہے اور ابن جریر (جس سے در منثور نے ایک قول نقل کیا ہے جس کو مصنف عشرہ نے درج کیا ہے) کا خیال ہے کہ یہ رؤیا آنحضرتؐ نے حدیبیہ مقام پر دیکھی تھی مگر پہلا قول یعنی علامہ جلال الدین کی تحقیق زیادہ صحیح اور درست ہے۔

ناظرین ! معترض پٹیالوی نے محض عداوت کی راہ سے حدیبیہ والی روایت کو صحیح اور باقی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی اور پھر صاحب کمالین کا فیصلہ آپ کے سامنے ہے - آپ یہ ہی فیصلہ ہے کہ چاہے تو ان بزرگوں کی تحقیق کو ترجیح دیں اور چاہے تو حقائق کا انکار کرنے کے عادی منشی محمد یعقوب کے خیال کی پیروی کریں۔

والاول اصح واحوط۔

سوم - حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۷۶) آپ پڑھ چکے ہیں اور بخاری کے حوالہ سے معترض پٹیالوی کے الفاظ

میں یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب کا حوالہ دیکر عرض کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا ہم خانہ کعبہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے۔ اس پر حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہم نے کہا تو تھا مگر کیا یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم داخل ہوں گے؟" (عشرہ صفحہ ۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو صاف ظاہر کر رہی ہے کہ رؤیا مدینہ میں دیکھی گئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ذکر بھی فرمایا تھا اور اسی کی بناء پر عمرہ کی تیاری ہوئی تھی۔ ورنہ یہ طرز خطاب اور یہ گفتگو بالکل ناممکن ہے۔ پھر ماشکت کا مقولہ تو اور بھی بیّن دلیل ہے۔ بھلا اگر خواب مقام حدیبیہ پر رُک جانے کے بعد ہی دیکھی جاوے تو اس میں حضرت عمرؓ جیسے راسخ الاعتقاد مومن کے لئے شک کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ پس یہ گفتگو اور یہ مقولہ اس امر پر زبردست دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رؤیا مدینہ شریف میں ہی دیکھی تھی وھوا لمراد۔

چہارم۔ عمرہ سے رُک جانے پر صحابہ کرام کی جو پیکر اطاعت اور مجسم تسلیم و رضا تھے یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اٹھو اور قربانیاں ذبح کر کے سر منڈوا دو۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ ما قام منھم رجل" ان میں سے کوئی بھی تعمیل ارشاد کے لئے نہ اٹھا۔ حضورؐ نے یہ حکم تین دفعہ دیا مگر پھر بھی فرط غم کے باعث اُن میں سے کوئی نہ اٹھا۔ حضورؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور اس امر کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ حضور خود جا کر میدان میں قربانی ذبح کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ تب سب لوگوں نے قربانیوں کو ذبح کیا۔ (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۷۶)

یہ واقعہ صحابہ کرام کے قلق واضطراب اور سراسیمگی کا واضح منظر ہے۔ یہ صاف دلیل ہے کہ ان کو صرف رؤیا کی بناء پر یہ غم تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد صدق اللہ رسولہ الرؤیا کے متعلق امام ابن القیم لکھتے ہیں:۔

" اخبر سبحانہ انہ صدق رسولہ رؤیاہ فی دخولھم المسجد آمنین وانہ سیکون ولابد ولکن لم یکن قد آن وقت ذالک

فی ھذا العام واللہ سبحانہٗ علم من مصلحۃ تاخیرہ الیٰ وقتہ مالم تعلموا انتم فانتم احببتم استعجال ذالک والرب تعالیٰ یعلم من مصلحۃ التاخیر۔"

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خبر دی ہے کہ اللہ کے رسول کی رؤیا بیت الحرام میں امن کے ساتھ داخل ہونے کے متعلق ضرور سچی ہے اور وہ عنقریب ضرور پوری ہو گی لیکن ابھی اس سال ہی اس کا وقت نہیں آیا تھا دوسرے وقت تک اس کی تاخیر کی مصلحت تم نہیں جانتے اللہ خوب جانتا ہے۔ اسلئے تم تو اس کو جلد چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تاخیر میں ڈال دیا۔" (زاد المعاد جلد اول ص۳۸)

یہ بیان اور خصوصاً فقرہ "احببتم استعجال ذالک" اس امر پر پختہ دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رؤیا مدینہ منورہ میں ہی دیکھی اور پٹیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ آنحضرت نے یہ خواب حدیبیہ کے مقام پر دیکھی تھی غلط بات ہے۔

پنجم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا ہے :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں کعبہ شریف کا طواف کرتا ہوں۔ ہنوز مکہ شریف فتح نہ ہوا تھا کہ آنحضور علیہ السلام نے شوقیہ بطور خود سفر کی تیاری کر دی۔ جب بمقام حدیبیہ قریب مکہ کے پہنچے تو کفار مکہ نے داخل مکہ ہونے سے روکا۔ آخر کار معاہدہ ہوا کہ آئندہ سال ہم مسلمان آویں گے۔" (رسالہ الہامات مرزا ص۴۳)

یہ اُردو عبارت بھی صاف بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہی خواب دیکھا اور اسی کی بناء پر شوقیہ حضور عمرہ کے لئے روانہ ہو پڑے اور اس سفر کی تیاری اسی خواب کے پورا کرنے کے لئے تھی۔

ششم۔ شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

" بدانکہ آنحضرت صلعم بعد از دیدن ایں خواب بتہیہ اسباب سفر مشغول شد و یاراں را خبر کرد کہ بعمرہ مے روم۔" (مدارج النبوت ص۲۱۲ مطبوعہ کانپور)

ہفتم۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:۔

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی فی المنام انہ دخل مکۃ ھو واصحابہ اٰمنین ..... واخبر بذالک اصحابہ ففرحوا ثم اخبر اصحابہ انہ یرید الخروج للعمرۃ .... وکان المسلمون لا یشکون فی دخولھم مکۃ وطوافھم بالبیت ذالک العام للرؤیا التی رأھا النبی فلما رأوا الصلح دخلھم من ذالک امر عظیم" (روح البیان جلد ۹ صفحہ ۵۵)

ہشتم۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی فی المنام **وھو بالمدینۃ** قبل ان یخرج الی الحدیبیۃ انہ یدخل المسجد الحرام ھو واصحابہ اٰمنین" (تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۱۹۲)

نہم۔ "روی ان رسول اللہ **رأی قبل خروجہ** الی الحدیبیۃ **کانہ** ھو واصحابہ قد دخلوا مکۃ اٰمنین" (مدارک التنزیل جلد ۴ صفحہ ۱۶۶)

دھم۔ "انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رأی فی المنام قبل الحدیبیۃ" (جامع البیان صفحہ ۴۳۶)

یازدھم۔ "رأی **قبل خروجہ** الی الحدیبیۃ" (ابو سعود بر حاشیہ کبیر جلد ۷ صفحہ ۶۶۶)

دوازدھم۔ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی فی المنام **بالمدینۃ** قبل ان یخرج الی الحدیبیۃ" (معالم التنزیل صفحہ ۲۳۲)

سیزدھم۔ علامہ قنوی مجاہد کے اس قول کو رد کرتے ہوئے جو معترض پٹیالوی نے بنا پر تحقیق قرار دیا ہے فرماتے ہیں:۔

"ھٰذہ الرؤیا قبل خروجہ الی الحدیبیۃ وقال مجاھد کانت بالحدیبیۃ والاول ھو الاصح" (قنوی علی البیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

چہاردھم۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:۔

"رأی رسول اللہ فی المنام قبل خروجہ الی الحدیبیۃ .... وقیل رأی وھو فی الحدیبیۃ والاول اصح" (روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

ان چودہ ثبوتوں کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ قریباً تمام مفسر اس بیان پر

متفق ہیں کہ یہ رؤیا مدینہ میں ہوئی اور حدیبیہ کی روانگی سے پہلے ہوئی۔ محققین نے حدیبیہ والے قول کی پُرزور تردید کی ہے۔ پس عقل اور نقل بالاتفاق اسی امر کی تائید کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے اور جسے معترض پٹیالوی نے اپنی نادانی اور جہالت کے ماتحت جھوٹ شمار کیا تھا۔ ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

(۹) رسالہ الخطاب الملیح کی گنگوہی صاحب کی طرف نسبت

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:۔

"مرزا صاحب کا سفید جھوٹ ملاحظہ ہو ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۹ پر لکھتے ہیں "جواب شبہات الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح جو مولوی رشید احمد گنگوہی کی خرافات کا مجموعہ ہے"۔ اس عنوان کے تحت اس رسالہ کو تصنیف حضرت مولانا صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کر کے ان کی شان میں بہت کچھ بکواس مارا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ رسالہ مصنفہ حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہے۔" (عشرہ ص۸۶)

الجوابُ الاوّل حضرت مسیح موعودؑ کے عنوانِ فوق میں یہ ذکر ہرگز نہیں ہے کہ یہ رسالہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ہے اور ان کے نام پر شائع ہوا ہے۔ بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ الخطاب الملیح میں مولوی گنگوہی کے شبہات اور خرافات درج ہیں۔ ان کا جواب دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بڑے آدمی کی باتوں کو دوسرے اپنے نام سے بلکہ اس کی تحریر کو بھی اپنے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خود ایک آدمی مصلحتاً اپنی تحریر دوسرے کو اشاعت کے لئے دے دے۔ بنا بریں الخطاب الملیح کے شبہات کو مولوی گنگوہی سے منسوب کرنا کیونکر غلط اور جھوٹ[۱] ہو گیا؟ جبکہ اشرف علی صاحب تھانوی نے مولوی گنگوہی کی تحریر کو ہی اپنے نام پر شائع کر دیا ہے۔ پٹیالوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شائع کرنے والا اور راقم مضمون الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی رسالہ الخطاب الملیح کے آخری صفحہ پر مولوی گنگوہی کے یہ الفاظ مرقوم ہیں:۔

---

[۱] جھوٹ اور پھر اس قدر فصیح اردو میں؟ (ابو العطاء)

"مرزا غلام احمد قادیانی کے کلمات و دعاوی جہاں تک مجھے معلوم ہوئے بے شک موجب فسق ہیں اور وہ قطعاً فاسق و ضال و مضل اور داخل فرقہائے مبتدعہ و اہل اہوا ء ہے۔ اس سے اور اس کے پیروان سے ملنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اور یہ جو لوگ اس کی تکفیر کرتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی" [مہر]

اندریں حالات اگر الخطاب الملیح کے شبہات کو مولوی گنگوہی کے شبہات قرار دیا گیا یا اس تحریر کو روایاتِ صحیحہ کی بناء پر گنگوہی کی تحریر لکھا گیا تو اس کو جھوٹ قرار دینا یقیناً بڑا ہی مکروہ فعل ہے، حق پر پردہ ڈالنا ہے اور صریح کذب بیانی ہے۔

الجوابُ الثانی۔ فرض کرلو کہ یہ رسالہ خود تھانوی صاحب نے ہی لکھا۔ اس کے لکھنے میں گنگوہی صاحب کا کچھ بھی تعلق نہ ہو پھر بھی حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کو "سفید جھوٹ" قرار دینا اپنی گندی فطرت کا اظہار کرنا ہے کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے بنی الامیر المدینۃ کہ بادشاہ نے اس شہر کو بنایا" حالانکہ بنانے والے کارندے ہوتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ تھانوی صاحب گنگوہی صاحب کے شاگرد اور مرید اور بقول خود اُن سے ہی فیضیافتہ ہیں پس قاعدہ عام کے ماتحت اگر ایسا لکھ دیا گیا تو اس میں حرج کونسا لازم آتا ہے؟ دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

"ہم اسی رسالہ الہاماتِ مرزا کے اندر اس رسالہ (آئینہ حق نما مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) کے جواب میں کسی ایرے غیرے کو مخاطب نہ کریں گے بلکہ براہِ راست حکیم صاحب (حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح الاوّل) کا نام لیں گے۔ کیونکہ عام قانون بنی الامیر المدینۃ کے علاوہ یہاں خاص وجہ بھی ہے۔" (الہاماتِ مرزا ص۴)

اگر اسی لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تھانوی صاحب کی بجائے گنگوہی صاحب سے اِس رسالہ کو منسوب کر دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ پس اِس نمبر میں معترض نے جو کذب بیانی کا الزام لگایا ہے یہ سراسر غلط ہے۔ وھو المطلوب۔

(۱۰) بائبل کے چار سو نبیوں کی پیشگوئی

معترض پٹیالوی لکھتا ہے :-

" مرزا صاحب کی دروغ بیانیوں سے آسمانی کتابیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ چنانچہ اس نمبر میں بائبل اور قرآن کریم کے متعلق مرزا صاحب کے دو جھوٹ بیان کئے جاتے ہیں۔

(الف) رسالہ ضرورۃ الامام ۳۲ پر لکھتے ہیں :-

"بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ... نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا اور انہوں نے الہام کے ذریعہ جو ایک سفید جن کا کرتب تھا ایک بادشاہ کی فتح کی پیشگوئی کی۔ آخر وہ بادشاہ بڑی ذلت سے اس لڑائی میں مارا گیا اور بڑی شکست ہوئی" اس واقعہ کو نہ صرف ضرورۃ الامام میں بلکہ اور کئی جگہ تقریر دلپذیر وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی جھوٹے الہام ہو جاتے ہیں ....
مرزا صاحب نے محض بائبل میں لکھا ہے تحریر کر دیا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں دیا اور جھوٹ لکھنے کے لئے ان کی یہی عادت تھی کہ قرآن مجید میں یوں لکھا ہے، حدیث میں یوں آیا ہے، بائبل سے ایسا ظاہر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ لکھ دیا کرتے تھے۔ حوالہ نہیں دیتے تھے۔ ورنہ اصل عبارت دیکھ کر فوراً ان کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا۔

اب بائبل میں اس واقعہ کو تلاش کیا جائے تو کتاب سلاطین اوّل باب ۱۶ تا ۲۱ میں اس طرح سے لکھا ہے کہ یہ ... شخص بعل بت کے پجاری تھے۔ جو اس وقت کی اصطلاحِ مروجہ کی رُو سے بعل کے نبی کہلاتے تھے۔ بادشاہِ وقت کو جو بعل پرست تھا کسی دشمن سے مقابلہ پیش آیا اس نے ان نبیوں سے دریافت کیا تو انہوں نے پیشگوئی کر دی کہ تو اس دشمن پر فتحیاب ہوگا۔ ان کے مقابلہ میں ایک سچا نبی بھی اس زمانہ میں تھا اس نے اللہ تعالیٰ

بے خبر پاکر اس بادشاہ سے کہا کہ تو شکست کھا کر مارا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اس حقانی نبی نے کہا تھا۔ اور ان چار سو پجاریوں کا قول غلط نکلا جس کو مرزا صاحب ۔۔ یہ نبیوں کا الہام بتاتے ہیں" (عشرہ ص)

الجواب (الف) ہم نے معترض کی ساری عبارت نقل کر دی ہے تا اس کا اعتراض واضح طور پر سامنے آجائے۔ معترض نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بائیبل اور قرآن مجید کے متعلق جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے۔ اس حصۂ الف میں بائیبل والے جھوٹ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت اقدس کی عبارت جو اس نے ضرورۃ الامام سے نقل کی ہے اس کا آخری حصہ ترک کر دیا ہے۔ ہم محققین کی خاطر سب سے پہلے ضرورۃ الامام سے مکمل عبارت پیش کرتے ہیں۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا اور انہوں نے الہام کے ذریعہ سے جو ایک سفید جن کا کرتب تھا ایک بادشاہ کی فتح کی پیشگوئی کی۔ آخر وہ بادشاہ بڑی ذلت سے مارا گیا اور بڑی شکست ہوئی۔ اور ایک پیغمبر جس کو حضرت جبرائیل سے الہام ملا تھا اس نے یہی خبر دی کہ بادشاہ مارا جائے گا اور کتے اس کا گوشت کھائیں گے اور بڑی شکست ہوگی۔ سو یہ خبر سچ نکلی مگر ان چار سو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی"

(ضرورۃ الامام ص۱۸-۱۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر کی صداقت کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اس عبارت کی بناء پر معترض پٹیالوی کے اعتراضات کے پیش نظر مندرجہ ذیل امور کا ثبوت ہمارے ذمہ آتا ہے۔ اول کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس بیان کا حوالہ دیا ہے؟ دوم کیا یہ واقعہ بائیبل میں موجود ہے؟ سوم کیا یہ ۔۔ نبی بعل کے پجاری تھے؟ کیا ان کو از روئے بائیبل نبی قرار دینا غلطی ہے؟

ان امور ثلاثہ کے ذکر سے قبل یہ تو ظاہر ہی ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس نے خود بائیبل کے حوالہ سے ایک پیغمبر کا ذکر فرمایا ہے جو جبرائیل کی معرفت الہام یافتہ تھا۔ ان امور ثلاثہ کے

اثبات کے بعد ہم مختصراً اس امر پر بھی بحث کریں گے کہ کیا حضرت اقدسؑ نے اس واقعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ" انبیاء علیہم السلام کو بھی جھوٹے الہام ہو جاتے ہیں ؟"

امرِ اوّل کا ثبوت

معترض پٹیالوی نے حسبِ عادت بطور ریاوہ گوئی لکھ دیا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام عادۃً جھوٹ لکھنے کے لئے حوالہ کا ذکر نہیں کیا کرتے تا کہ اصل عبارت دیکھ کر فوراً ان کا جھوٹ نہ ظاہر ہو جائے اور پھر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ" نہ صرف ضرورۃ الامام میں بلکہ اور کئی جگہ تقریر لیذیر مث وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے" یہ دعویٰ کرتا ہے کہ :-

> " مرزا صاحب نے محض ' بائیبل میں لکھا ہے ' تحریر کر دیا مگر کوئی حوالہ نہیں دیا ۔"

گویا منکر پٹیالوی نے تمام کتب کو جن میں حضرتؑ نے " اسی طرح لکھا ہے" چھان مارا ہے لیکن کسی جگہ بقول اس کے حضرتؑ نے اس بیان کا حوالہ نہیں دیا۔

ناظرین کرام ! آپ اس پٹیالوی اکذب کی فریب کاری اور تحدّی کو دیکھئے اور اس ژاژ خائی اور شرارت پر نگاہ ڈالیئے۔ جو وہ ناواقفوں کی گمراہی کے لئے اختیار کر رہا ہے اور ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور کتاب ازالہ اوہام کی حسب ذیل سطور پڑھیئے۔ لکھا ہے :-

> " مجموعہ تورات میں سے سلاطین اوّل باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست آئی ۔ الخ" (ص۲۵ طبع سوم)

اور پھر قرآنی آیت لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی تلاوت کیجئے - بھائیو ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت واضح طور پر سلاطین ۱ - باب ۲۲ کا حوالہ دیا ہے - اس سارے باب میں یہ قصہ مذکور ہے مگر اکذب پٹیالوی کہتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اس کا کہیں حوالہ نہیں دیا اور نہ وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں - ہم نے حضرتؑ کی کتاب سے امرِ اوّل کا اثبات کر دیا - اس کے ساتھ ہی

معترض پٹیالوی کا کھلا جھوٹ ثابت ہو گیا۔

امر دوم کا اثبات

دوسری بات ثبوت طلب یہ تھی کہ کیا حضرت کی تحریر کے مطابق واقعہ بائبل میں موجود ہے؟ سو اس کے لئے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں لکھا ہے:۔

"تیسرے سال ایسا ہوا کہ یہوداہ کا بادشاہ یہوسفط شاہ اسرائیل کے یہاں اُتر آیا۔ تب شاہ اسرائیل نے اپنے ملازموں سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ رامات جلعاد ہمارا ہے۔ کیا ہم چپکے رہیں اور شاہ ارم کے ہاتھ سے پھر نہ لے لیں۔ پھر اس نے یہوسفط سے کہا کیا میرے ساتھ لڑنے کو تو رامات جلعاد پر چڑھیگا؟ سو یہوسفط نے شاہ اسرائیل کو جواب دیا۔ جیسا تو ہے ویسا میں ہوں۔ جیسے تیرے لوگ ویسے میرے لوگ۔ جیسے تیرے گھوڑے ویسے میرے گھوڑے۔ اور یہوسفط نے شاہِ اسرائیل سے کہا آج کے دن خداوند کی مرضی الہام سے دریافت کیجئے۔ تب شاہ اسرائیل نے اس روز نبیوں کو جو قریب چار سو آدمی کے تھے اکٹھا کیا اور ان سے پوچھا میں رامات جلعاد پر لڑنے چڑھوں یا اس سے باز رہوں۔ وہ بولے چڑھ جا کہ خداوند اسے بادشاہ کے قبضے میں کر دے گا۔ پھر یہوسفط بولا ان کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے کہ ہم اس سے پوچھیں؟ تب شاہ اسرائیل نے یہوسفط سے کہا کہ ایک شخص املہ کا بیٹا میکایاہ تو ہے اس سے ہم خداوند کی مشورت پوچھ سکتے ہیں لیکن میں اس سے دشمنی رکھتا ہوں کیونکہ وہ میرے حق میں نیکی کی نہیں بلکہ بدی کی پیش خبری کرتا ہے۔ (آخر میکایاہ کو بلایا جاتا ہے۔ ناقل) ..... تب شاہ نے اسے فرمایا میکایاہ ہم لڑنے کو رامات جلعاد پر چڑھیں یا اس سے باز رہیں۔ اس نے جواب میں کہا۔ جا اور کامیاب ہو کہ خداوند اسے شاہ کے قبضے میں کر دے گا۔ پھر شاہ نے اسے کہا میں کتنے مرتبے تجھے قسم دیکے جتاؤں کہ تو مجھ سے کچھ نہ کہے۔ مگر خداوند کے نام سے وہی جو سچ ہے۔ تب

وہ بولا مَیں نے سارے اسرائیل کو اُن بھیڑوں کی مانند جو بے چوپان ہوں پہاڑوں پر بھٹکتے ہوئے دیکھا اور خداوند نے فرمایا کہ ان کا کوئی آقا نہیں۔ سو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر سلامت چلا جائے۔ تب شاہ اسرائیل نے یہوسفط سے کہا کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ یہ میرے حق میں نیکی کی نہیں بلکہ بدی کی پیش خبری کرے گا۔ پھر اس نے کہا کہ اسلیئے کہ تم خداوند کے سخن کو سُنو مَیں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور آسمانی سارا لشکر اُس کے آس پاس داہنے ہاتھ اور اسکے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ اور خداوند نے فرمایا کہ اخی اب (شاہ اسرائیل) کو کون ترغیب دیگا تا کہ وہ چڑھ جائے اور رامات جلعاد کے سامنے کھیت آئے۔ تب ایک اِس طرح سے بولا اور ایک اُس طرح سے۔ اسوقت ایک رُوح نکل کے خداوند کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور بولی کہ مَیں اسے ترغیب دوں گی۔ پھر خداوند نے فرمایا کس طرح سے؟ وہ بولی مَیں روانہ ہوں گی اور جھوٹی روح بن کے اسکے سارے نبیوں کے مُنہ میں پڑوں گی۔ اور وہ بولا تو اسے ترغیب دے گی اور غالب بھی ہو گی۔ روانہ ہو اور ایسا کر۔ سو دیکھ خداوند نے تیرے اُن سب نبیوں کے مُنہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے اور خداوند ہی نے تیری بابت بُری خبر دی ہے۔ الخ" (سلاطین کی کتاب ۱ باب ۲۲)

آگے اس باب کے آخری حصہ میں بادشاہ کے مرنے کا تفصیل سے ذکر آتا ہے۔

معزز قارئین! آپ اس بات پر ذرا غور فرمائیں گے تو آپ کو اقرار کرنا پڑے گا کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے بعینہٖ اسی طرح بائیبل میں موجود ہے۔ شاہ اسرائیل کے چار سو نبی شیطانی الہام سے اس کی فتح کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ ایک پیغمبر میکایاہ روح القدس کے ذریعہ اس کی ہلاکت کا الہام سُناتا ہے۔ آخر وہ بادشاہ ذلت سے مارا جاتا ہے اور چار سو نبی کی پیشگوئی غلط ہوتی ہے اور ایک پیغمبر کی خبر درست ثابت ہوتی ہے گویا حضرت اقدسؑ کے بیان کی حرف بحرف تائید موجود ہے۔

حقیقت اور واقعیت تو یہ ہے لیکن پٹیالوی الکذب لکھتا ہے :۔

"مرزا صاحب کے اس بیان میں صداقت کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ یہ محض دھوکا ہے۔ اور صرف یہ ایک واقعہ ہی مرزا صاحب کے کذب کی صریح دلیل ہے۔" (عشرہ صفحہ ۸۶)

حضرات! خدارا انصاف کریں اور بتائیں کہ کیا پٹیالوی کا یہ بیان درست ہے؟ کیا واقعی حضرت مرزا صاحبؑ کے بیان میں صداقت کا ذرہ نہیں؟ کیا سچ مچ وہ دھوکا ہے؟ کیا حقیقتاً وہ مرزا صاحب کے کذب کی دلیل ہے؟ میں تو حیران ہوں کہ پٹیالوی ایسے کذاب کے لیئے لغت میں کونسا لفظ ہے جو اس قدر کذب بیانی میں بیباک ہے کہ اس کو چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کی مثال بھی پورے طور پر ادا نہیں کرتی۔ آہ! ان لوگوں نے دیانت کو چھوڑ کر حق کی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگایا مگر کیا خدا کے کام کو عاجز مخلوق روک سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ؎

غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ÷ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

امر سوم کا ثبوت

معترض پٹیالوی نے آخر الامر بائیبل کے حوالہ سے ایک واقعہ ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہ چار سو نبی جن کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے۔ درحقیقت بعل کے پجاری تھے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ معترض نے اس بیان میں بھی صریح دھوکا دیا ہے۔ جن چار سو نبیوں کا حضرت اقدسؑ نے ذکر فرمایا ہے وہ اور ہیں۔ اور جن بعل کے پجاریوں کا ذکر معترض پٹیالوی نے کیا ہے وہ اور ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کے ثابت ہو جانے پر معترض پٹیالوی کے مزید کئی جھوٹ ثابت ہو جائیں گے۔ ہمارے دعویٰ کے ثبوت حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ جس واقعہ کو معترض پٹیالوی نے ذکر کیا ہے اس کا حوالہ اس نے سلاطین ۱ باب ۱۶ تا ۲۱ لکھا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس کے لیئے آپؑ نے سلاطین ۱ باب ۲۲ کا حوالہ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر فرمودہ حوالہ کی عبارت تو اوپر گزر چکی ہے اب اگر منکر پٹیالوی کا حوالہ (باب ۱۶ تا ۲۱)

بھی درست ہے تو معلوم ہوا کہ واقعہ دو ہیں اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لہذا بعل کے پجاری اور چار سو نبی الگ الگ ہیں۔

دوم۔ دونوں قسم کے نبیوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ لکھا ہے :-

(الف) "ایلیاہ نے ان لوگوں کو کہا خداوند کے نبیوں میں سے میں ہاں میں ہی اکیلا باقی ہوں۔ پر بعل کے نبی چار سو پچاس آدمی ہیں۔" (۱سلاطین ۱۸/۲۲)

(ب) "تب شاہ اسرائیل نے اس روز نبیوں کو جو قریب چار سو آدمی کے تھے اکٹھا کیا" (۱سلاطین ۲۲/۶)

یہ اختلاف بھی بتاتا ہے کہ بعل کے نبی اور تھے اور بائیسویں باب والے نبی اور تھے۔

سوم۔ سلاطین باب ۲۲ میں جن نبیوں کا ذکر ہے ان کا مقابلہ میکایاہ نبی سے کئی سال بعد ہوا لیکن باب ۱۸ میں بعل کے جن نبیوں کا ذکر ہے ان کا مقابلہ باب بائیسویں کے واقعہ سے تین سال قبل ایلیاہ نبی کے ساتھ ہوا تھا۔ لکھا ہے :-

"جب ان سب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ اوندھے منہ گرے اور بولے خداوند وہی خدا ہے۔ خداوند وہی خدا ہے۔ ایلیاہ نے انہیں کہا بعل کے نبیوں کو پکڑ لو کہ ان میں سے ایک بھی جانے نہ پائے۔ سو انہوں نے انہیں پکڑا اور ایلیاہ ان کو وادی قیسون میں لایا اور انہیں قتل کیا۔" (سلاطین ۱ ۱۸/۴۰)

پس معلوم ہوا کہ بعل کے نبیوں کا قضیہ حضرت ایلیاہ کے سامنے واقع ہوا اور انہوں نے وادی قیسون میں ان کو قتل کر دیا۔ اب اس کے تین سال بعد کے حالات باب ۲۲ میں مذکور ہیں اور وہاں یہ چار سو نبیوں کی ایک بات کا ذکر ہے۔ اور یہ نبی وہ ہیں جن کو اسرائیلی (یہودی) بادشاہ "خداوند کے نبی" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ یہ دونوں بیانات بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ بعل کے نبیوں کا ذکر بھی بائیبل میں ہے مگر یہ کہنا صریح مغالطہ ہے کہ باب ۲۲ کے چار سو نبی بھی بعل کے پجاری تھے۔

ناظرین! اِن حالات کی روشنی میں آپ کو اِس بات کے فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی کہ معترض پٹیالوی نے کس قدر خیانت سے کام لیا ہے اور پھر تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ خود خائن ہو کر "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والی بات کر رہا ہے۔ الزام حضرت اقدسؑ پر لگا رہا ہے اور اپنی یہ حالت ہے۔ سچ ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ٭ میلش اندر طعنہ پاکاں رود !

اب ہم امورِ ثلاثہ کے ثبوت سے فارغ ہو چکے۔ اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس واقعہ سے کیا استدلال فرمایا ہے؟

انبیاء علیہم السلام اور الہام شیطانی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس واقعہ کے ذکر کرنے سے صرف اِس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ شیطانی الہام بھی ہوتا ہے۔ اور اس سے کون عقلمند انکار کر سکتا ہے۔ مگر قرآن مجید کی اصطلاح والے نبیوں کو اس سے محفوظ و مصئون کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:-

"واضح ہو کہ شیطانی الہامات ہونا حق ہے اور بعض ناتمام سالک لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جس کو اضغاث احلام کہتے ہیں۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک انسان کا تزکیۂ نفس پورے اور کامل طور پر نہ ہو تب تک اس کو شیطانی الہام ہو سکتا ہے اور وہ آیت عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ کے نیچے آ سکتا ہے مگر پاکوں کو شیطانی وسوسہ پر بلا توقف مطلع کیا جاتا ہے"

(ضرورۃ الامام صفحہ ۱۲)

آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ کے ماتحت تفسیر جلالین میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ سورۃ النجم کے پڑھتے وقت شیطان نے فقرہ "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری کر دیا تھا۔ پھر جبرائیل نے اس کا ازالہ کیا۔ (صہ ۲۸۲)
دوسرے انبیاء کرام[1] پر اگر کوئی ایسا القاء ہو تو فوراً اس کا ازالہ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس واقعہ کا ذکر ایک خاص سلسلہ میں ارقام فرمایا ہے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم اس جگہ ان صاحبوں (عبدالحق غزنوی و محی الدین صاحب لکھو والے) کے الہامات کی نسبت کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے کہ الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دیکر کسی بات کے استکشاف کے لیئے بطور استخارہ یا استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے۔ تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اور در اصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ الخ ایسا ہی انجیل میں بھی لکھا ہے کہ شیطان اپنی شکل نوری فرشتوں کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آجاتا ہے۔ دیکھو خط دوم قرنتیان باب ۱۱ آیت ۱۴۔ اور مجموعہ تورات سے سلاطین اول باب ۲۲ آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے الخ" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۵ طبع دوم)

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہلِ بائیبل پر حجت کے لیئے بائیبل کا حوالہ ذکر فرمایا ہے۔ بیشک آیت الا اذا تمنّٰی کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ اور عام طور پر

---

[1] ہم اس کے قائل نہیں۔ بلکہ اسے منافق طبع لوگوں کی شرارت مانتے ہیں۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ ان کا شیطان بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ فلا یأمرہٗ الّا بخیرٍ۔ (مصنف)

مفسرین نے یہی معنے لکھے ہیں۔ اِن معنوں کی رُو سے مندرجہ بالا استدلال نہایت قطعی ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں اس کے ایک اَور زیادہ لطیف معنی بھی موجود ہیں۔ بہرحال حضرت ؑ کے اس بیان پر کہ بعض لوگوں کو شیطانی الہام بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ غزنوی عبدالحق اور محی الدین کو ہوئے قرآن مجید کا اشارہ اور تورات و انجیل کی تصریح موجود ہے۔ فلا اعتراض۔

تورات کے چار سَو نبی

واقعہ کی تصحیح نقل کے بعد ہم یہ بھی لکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جن انبیاء کے متعلق سلاطین ۱ باب ۲۲ میں ذکر ہے وہ قرآن مجید کی شرعی اصطلاح کے مطابق نبی نہ تھے بلکہ بائیبل کے عام محاورہ کی رُو سے ان کو نبی کہا گیا ہے۔ قرآنی انبیاء کی شان میں تو حضرت مسیح موعودؑ کے یہ الفاظ ہیں کہ ان کی وحی میں اگر شیطان دخل دینا بھی چاہے تو وہ دخل "بلا توقف نکالا جاتا ہے"۔ لیکن تورات سے ان نبیوں کا جو حال ثابت ہے وہ یہ ہے کہ وہ اخیر وقت تک اپنی بات پر بضد رہے۔ بلکہ ان میں سے ایک نے میکایاہ نبی کی راستگوئی پر اس کو ایک تھپڑ بھی مار دیا۔ (دیکھو سلاطین ۱ ۲۲/۲۴)

پس حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ کے مطابق یہ چار سو نبی قرآنی اصطلاح میں نبی نہ تھے۔ بلکہ ضرورۃ الامام صـ۱۲ کی تشریح کے مطابق "ناتمام سالک" اور تزکیہ نفس میں ادھورے اور ناقص انسان تھے۔ پھر ضرورۃ الامام کے زیر بحث حوالہ سے بھی ان کی حیثیت بہت معمولی ثابت ہوتی ہے۔ وہ عرب کے کاہنوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ ضرورۃ الامام صـ۱ سے بھی یہی ثابت ہے۔

پس اس واقعہ کو پیش کر کے "انبیاء علیہم السلام پر جھوٹے الہام" کے استدلال کا حضرت مسیح موعودؑ پر الزام لگانا خود ایک ناپاک الزام ہے۔

خود بائیبل کے مفسر بھی ان چار سو نبیوں کو بعل کے نبیوں سے الگ اور بالکل معمولی خواب بین تسلیم کرتے ہیں۔ امریکہ کے بعض پادریوں نے ایک تفسیر شائع کی ہے اس میں لکھا ہے :۔

"یہ چار سو نبی یہوواہ کے نام پر نبوت کرتے تھے۔ مگر اس موقع پر وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کا پہلے کہنا کہ ان چار سو کے سوائے کوئی اَور بھی یہوواہ کا نبی

ہے ظاہر کرتا ہے کہ وہ یہوواہ کے نبی تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ چارسو نبی جن کا ذکر باب ۲۲ میں ہے وہ اَور تھے۔ اور جو بعل کے نبی تھے وہ اَور تھے، ان کا ذکر باب ۱۸ میں ہے۔ ان کی تعداد چارسو پچاس تھی۔ بعل کے نبی اپنی نبوت بعل کے نام پر کرتے تھے۔ لیکن اوّل الذکر نبیوں نے جو نبوت کی اس میں انہوں نے خدا کا نام لیا ہے اور بادشاہ نے بھی ان کی نسبت یہی کہا ہے کہ کیا خداوند کا کوئی اَور نبی بھی ہے۔ جن نبیوں کو محاورۂ تورات میں کاذب کہا گیا ہے وہ بھی دراصل کاذب اور مفتری علی اللہ نہ تھے۔" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

اِس قسم کے تذکرے ڈکشنری آف کرائسٹ اینڈ گاسپل جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۳، طالمود سنیڈریم حصہ ۳۰، جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۰ میں بھی موجود ہیں۔

اِن بیانات سے ظاہر ہوگیا کہ جن چارسو نبیوں پر شیطانی الہام کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ زیادہ سے زیادہ محدثیت کے مقام پر تھے، بائیبل کے عام محاورہ میں ان کو نبی کہا گیا ہے، جو حقیقت پر محمول نہیں اور نہ ہی قرآنی اصطلاح میں وہ نبی کہلانے کے مستحق تھے۔ یہ اصلیت ہمارے حضرتؑ کے حوالجات سے بھی ثابت ہے۔ تورات کے مفسر بھی اِسی پر صاد کرتے ہیں، واقعات بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ ان صورتِ حالات میں معترض پٹیالوی کا جھوٹ اور افتراء خود اس کے گلے کا ہار ہوگیا۔ وللّٰہ الحمد اوّلاً و آخراً۔

(ب) معترض پٹیالوی نے اپنے اس دسویں نمبر کے حصہ ب میں جو اعتراض کیا ہے وہ اس کے الفاظ میں ہی مختصراً یہ ہے:۔

"ازالہ اوہام صفحہ ۳۴۳[1] میں مرزا صاحب نے اس امر پر بحث کی ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا۔ اس کا ثبوت قرآن شریف کی آیت ذیل سے دیتے ہیں۔ او ترقیٰ فی السماء قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا

---

[1] یہ صفحہ کس ایڈیشن کا ہے؟ کیونکہ چھوٹے سائز کا صفحہ ۲۲۴ اور بڑے کا صفحہ ۲۵۶ ہے۔ (ابوالعطاء)

.... ترجمہ میں تصرّف[1] کے علاوہ مرزا صاحب نے یہاں ایک بڑا بھاری دھوکا دیا ہے۔ اور کلام الٰہی میں چوری کی ناپاک کوشش کی ہے کیونکہ قرآن کریم کی اصل آیت کا ایک جزو[2] ہی حذف کر دیا جو اس آیت کی جان[3] ہے اصلی آیت سورہ بنی اسرائیل کے دسویں رکوع میں اس طرح پر ہے۔ او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیّک حتّٰی تنزّل علینا کتاباً نقرؤہٗ قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولاً آیت کا وہ حصّہ جس پر خط کھینچا گیا ہے مرزا صاحب نے دانستہ چھپا لیا اور اپنی کتاب ازالہ اوہام میں درج نہیں کیا۔" (عشرہ مبشرہ)

الجواب۔ (الف) اگر محض ایک حصّہ آیت کا حذف "بھاری دھوکا" اور "کلام الٰہی میں چوری کی ناپاک کوشش" کہلاتا ہے تو بتایئے کہ آپ نے جتنا حصّہ درج کیا اور اسے آیت قرار دیا ہے اس میں سے پوری آیت کا ایک حصّہ" او یکون لک بیت من زخرف" دانستہ چھپا کر آپ نے بھاری دھوکا دیا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ نہیں کیونکہ ساری آیت کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ صرف محل استدلال حصّہ کو بطور استشہاد ذکر کر سکتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ پھر آپ نے اس تیز زبانی سے کیوں کام لیا۔ کیا حضرت مرزا صاحب کے متعلق یہی خیال نہ کر سکتے تھے؟ منشی صاحب! آپ نے محض ایک حصّہ کے عدم ذکر کو "بھاری دھوکا" قرار دیا۔ خدا تعالیٰ نے یہ الزام آپ پر ہی ثابت کر دیا۔ کیا اب بھی اِنّی مُھِینٌ مَن اراد اھانتک کے الہام میں شبہ ہے؟

(ب) تم خود تسلیم کر چکے ہو کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ازالہ اوہام کے صفحہ مذکورہ پر بحث یہ کی ہے کہ:-

---

[1] تصرّف نہیں بلکہ اس کو ترجمہ تفسیری کہتے ہیں۔ مؤلف۔ [2] ایک جزو تم نے بھی حذف کر دیا ہے کیونکہ پوری آیت یوں ہے او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیّک حتّٰی تنزّل علینا کتاباً نقرؤہٗ قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولاً۔ قرآن مجید کھول کر دیکھ لیجئے۔ ضرورت کے مطابق آیت کا حصّہ نقل ہو سکتا ہے۔ (ابو العطاء) [3] قرآن مجید کا ہر ہر لفظ جان ہے۔ (مؤلف)

"جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا۔ اس کا ثبوت قرآن شریف کی آیت ذیل سے دیتے ہیں۔" (عشرہ صفحہ)

اب سوال یہ ہے کہ جب موضوع بحث صرف اس قدر تھا کہ "جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا" تو اس صورت میں آیت کا ایک حصہ جو اس موضوع سے بالذات متعلق نہیں اس کو چھوڑ دیا جائے تو کیا دنیا کا کوئی بھی شریف انسان اسے "بھاری دھوکہ" کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ حصہ ولن نؤمن لرقیک حتّٰی تنزّل علینا کتٰباً نقرؤہٗ براہِ راست اس موضوع بحث کی تائید یا تردید نہیں کرتا بلکہ یہ تو کفار کی طرف سے آسمان پر جانے کی صورت میں مزید شرط یا فرع ہے۔ اس لیئے حضرت اقدسؑ نے صرف حصہ مطلوبہ کو ذکر کر دیا۔ حضرت امام بخاری کا بھی یہی اسلوب ہے۔ پھر دیکھیئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلویؒ کا بھی یہی طریق ہے۔ لکھا ہے:۔

(۱) "باید دانست کہ در مثل وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اصل آنست کہ جواب شرط محذوف باشد۔" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۵)

(۲) "واؤ در مواضع بسیار تو کید وصلت باشد نہ برائے عطف اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ۔" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۹)

پہلے اور دوسرے دونوں حوالوں میں مختلف مقامات کی آیات کے ٹکڑوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور زیر بحث مضمون سے غیر متعلق حصہ کو ترک کر دیا ہے۔ کیا معترض پٹیالوی کے نزدیک حضرت شاہ صاحب نے نعوذ باللہ "بھاری دھوکہ" دیا ہے اور کلام الٰہی میں یہودی کی ناپاک کوشش کی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت مرزا صاحبؑ پر اعتراض کیوں؟ میں معترض پٹیالوی سے پھر پوچھتا ہوں کہ کیا خود آپ نے اعتراض کرتے وقت اسی مقام پر آیت کے حصہ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ کو دانستہ چھپا کر بھاری دھوکہ دیا ہے؟ ع

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

(ج) ازالہ اوہام میں جو دعویٰ تھا اس کے اثبات کے لئے جتنا حصہ ضروری النقل تھا وہ وہاں درج کر دیا گیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی حصہ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور اگر معترض پٹیالوی کی تہ اذخائی درست ہوتی تو چاہیئے تھا کہ حضرتؑ کی کسی تحریر یا کسی کتاب میں اس حصہ کا ذکر نہ ہوتا۔ لیکن واقعات اس کے برخلاف ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ازالہ اوہام میں محض مقام کی مناسبت سے یہ حصہ رہ گیا ہے۔ کیونکہ دوسری متعدد کتب میں اس کا ذکر موجود ہے۔ بطور نمونہ دو مقام درج ذیل ہیں :۔

(۱) "ہاں مکہ کے لوگوں نے یہ نشان مانگا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سونے کا ہو جائے اور اس کے ارد گرد نہریں بھی جاری ہوں۔ اور نیز یہ کہ آپ ان کے دیکھتے ہوئے آسمان پر چڑھ جائیں اور دیکھتے دیکھتے آسمان پر سے اُتر آئیں اور خدا کی کتاب ساتھ لادیں اور وہ اس کو ہاتھ میں لیکر ٹٹول بھی لیں تب ایمان لائیں گے۔ اس درخواست میں اگرچہ جہالت تھی لیکن میاں عبدالحق کی طرح ایذا دینے والی شرارت نہ تھی ..... قرآن شریف میں اقتراحی نشانوں کے مانگنے والوں کو یہ جواب دیا گیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا یعنی خدا کی شان اس تہمت سے پاک ہے کہ کسی اس کے رسول یا نبی یا ملہم کو یہ قدرت حاصل ہو کہ جو الوہیت کے متعلق خارق عادت کام ہیں ان کو وہ اپنی قدرت سے دکھلائے۔ اور فرمایا کہ ان کو کہدے کہ میں تو صرف آدمیوں میں سے ایک رسول ہوں۔ جو اپنی طرف سے کسی کام کے کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔" (تحفہ غزنویہ صفحہ ۹)

(۲) "آپ سے کفار قریش نے تمام تر اصرار یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ آپ ہمارے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لیکر آسمان سے اُتریں تو ہم سب ایمان لے آویں گے اور ان کو یہ جواب ملا تھا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

بَشَراً رَّسُوْلاً یعنی مَیں ایک بشر ہوں اور خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وعدہ کے برخلاف کسی بشر کو آسمان پر چڑھا دے۔" (لیکچر سیالکوٹ ص۲۳)

یہ بیانات بھی معترض پٹیالوی کی کھلی کھلی تردید ہیں۔ اے کاش کہ حق کی دشمنی ان لوگوں کو اتنا ذلیل نہ کرتی۔

(د) جس شخص نے ایک دفعہ بھی ازالہ اوہام کے اس مقام کو دیکھا ہوگا وہ معترض پٹیالوی کی افسوسناک حرکات پر رنجیدہ ہوگا۔ کیونکہ ازالہ اوہام کے اس موقع پر عبارت ترجمہ میں قریباً اڑھائی انچ بیاض (خالی جگہ) ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر متذکرہ صدر وجوہات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی آیت کے ایک حصہ کا حذف اور اس کے ترجمہ کا ترک ہو جانا محض سہوِ کاتب ہے اس کو کذب بیانی سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔

حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتَابًا نَّقْرَؤُہٗ کی تفسیر

ہم سطور بالا میں معترض پٹیالوی کے دعویٰ کی بفضلہٖ تعالیٰ ہر رنگ میں تردید کر چکے ہیں۔ اب آخر میں اس کی علمی قابلیت ملاحظہ ہو۔

حدیث صحیح میں لکھا ہے کہ تفسیر بالرّائے کرنا (یعنی بجائے اس کے کہ انسان اپنی رائے کو قرآن مجید کے مطابق بنائے آیاتِ قرآنی کو مروڑ کر اپنی رائے کے ماتحت کر دے) سخت گناہ ہے' ایسا شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ معترض پٹیالوی عنوان کی آیت کی تفسیر کس شانِ بے دردی سے کرتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"ان (کفار) کی صرف ایک درخواست نمبر۶ ایسی تھی جو منظور ہو سکتی تھی یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر چڑھنا۔ مگر کفار کو اس سے بھی طلبِ حق مقصود نہ تھا اور نہ ایمان لانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر جا چکے ہیں۔ اسلئے اس کے ساتھ ہی یہ شرط لگا دی جس پر خط کھینچا گیا ہے۔ اور یہی وہ شرط ہے جسے مرزا صاحب نے حذف کر دیا ہے اور اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔ یہ کیسی

---

[1] اس الزام کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے۔ (مؤلف)

بے معنی درخواست تھی کہ کفار پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اِس امر کے طالب تھے کہ ہم کو بھی صاحب کتاب رسول بنا دے۔ جو کسی حالت میں قابلِ منظوری نہ تھی۔ اس لیئے جواب دلوا دیا گیا کہ بے وقوفو! میں تو خود ایک بشر اور رسول ہوں۔ کیا مجھ میں خدائی طاقتیں بھی ہیں جو تم کو بھی اپنے جیسا رسول بنا دوں۔" (عشرہ صفحہ ۹۰-۹۱)

قارئینِ کرام! اِن نکاتِ تفسیریہ کو پڑھیئے اور سر دھنیئے۔ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ایسے ایسے "واقفِ اسرار" بھی احمدیت کی تردید میں اپنے آپ کو "تیس مار خاں" سمجھتے ہیں ؎

بُت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

مجھے یقین ہے کہ اس فقرہ کی یہ تشریح کفارِ عرب کے وہم میں بھی نہ آئی ہوگی۔ آج اگر وہ لوگ زندہ ہوتے تو منشی محمد یعقوب کو اپنا سردار تسلیم کرتے۔ اچھا! ان کے لیئے یہی خوشی کافی ہے کہ ابھی دنیا میں ایسے سپوت موجود ہیں جو ع

پدر نتواند پسر تمام کند

کے حقیقی مصداق ہیں۔

گستاخی معاف! مؤلف صاحب عشرہ کاملہ! آپ پہلے تو لکھ چکے ہیں کہ "مرید ہی گواہ ہوسکتے ہیں" (عشرہ صفحہ ۸) مگر اب یہ کیا فرما رہے ہیں کہ "وہ جانتے تھے کہ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم آسمان پر جا چکے ہیں" کیا یہ کفار آنحضرت ؐ کے مرید تھے؟ ابھی ایک ہی فصل میں اتنا تہافت؟ سوچیئے تناقض اس کو کہتے ہیں۔ سچ ہے:-

ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً

ہاں لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجئے کہ کفار کے اس علم اور جاننے کا ثبوت کہاں ہے ؟ غور کریں گے تو پتہ لگے گا کہ بے حوالہ بات کرنا اسے کہتے ہیں۔

آپ نے تنزّل علینا کتاباً کا جدید ترجمہ اور نئی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ :-

"کفار پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اس امر کے طالب تھے کہ ہم کو صاحبِ کتاب رسول بنا دے۔"

ہم تو حیران ہیں کہ اس حرکت کا نام حماقت رکھیں یا اسے شرارت سمجھیں۔ دھوکہ دہی پر محمول کریں یا "کم علم" ہونے کا عملی ثبوت سمجھیں۔ خیر ہم کچھ بھی نام نہیں رکھتے، یہ ناظرین کا اپنا کام ہے۔

گویا وہ کفار جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری اور کاذب سمجھ رہے ہیں آپؐ کی صداقت کی دلیل کے طور پر یہ معجزہ مانگ رہے ہیں کہ تو خود ہم کو صاحبِ کتاب رسول بنا دے ؟ افسوس ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

کیا وہ یہ چاہتے تھے کہ بزعم خویش ہم بھی مفتری بن جائیں ؟

اگر مؤلّف عشرہ اس آیت پر ہی غور کر لیتے تو کفار کا قول "نقرؤہ" (ہم اس کتاب کو پڑھ لیں) ان کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ صاحبِ کتاب رسول بننے کے خواہاں ہوتے تو بجائے "نقرؤہ" کے "یوحی الینا" لفظ بولتے۔ یعنی وہ کتاب ہماری طرف بطور وحی آتی۔ پھر جب وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم صاحبِ کتاب رسول بن جائیں تو نقرؤہ کے کیا معنی تھے ؟ نیز ان کا اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے اقرار کا کیا مطلب ہے ؟

اے کاش کہ اگر منشی صاحب تاریخ و حدیث سے ناواقف تھے تو اسلوبِ قرآنِ مجید پر ہی توجہ فرماتے۔ مگر افسوس کہ "کم علمی" ہر چہار طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ سچ ہے ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

ممکن ہے کہ آپ کو تنزّل علینا (ہم پر نازل کرے) کی ترکیب سے دھوکا لگا ہو اسلئے ہم بتائے دیتے ہیں کہ اس سے مراد براہِ راست الہاماً نازل کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی طرف بالواسطہ بھیجنا یا لے آنا بھی ہوتا ہے۔ آیاتِ ذیل ملاحظہ ہوں :-

(۱) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (النحل ع۶)

(۲) قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ الآیۃ (آل عمران ع۹)

(۳) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء ع۱)

(۴) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام ع۱۴)

(۵) قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ (بقرہ ع۱۱)

بالآخر ہم دو تفاسیر سے اس حصۂ آیت کے معنی بھی نقل کر دیتے ہیں تا غیر احمدی اصحاب بھی اس نئے "دُکم علم" مفسّر کی داد دے سکیں۔

(۱) تفسیر کبیر میں لکھا ہے :-

"قالوا ولن نؤمن لرقیّک ای لن نؤمن لاجل رقیّک حتّٰی تنزّل علینا کتاباً من السماء فیہ تصدیقک قال عبداللہ بن امیّۃ لن نؤمن حتّٰی تضع علی السماء سلماً ثم ترقٰی فیہ وانا انظر حتّٰی تأتیہا ثم تأتی معک بصکٍّ منشورٍ معہ اربعۃ من الملٰئکۃ یشھدون لک ان الامر کما تقول۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۶۶)

گویا انہوں نے اس فقرہ میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ تو اپنے ساتھ آسمان پر سے ایک کتاب لاوے۔ اور یہ سارا واقعہ ہمارے روبرو ہو۔ تب ہم یقین کریں گے کہ تو خدا کا فرستادہ ہے اور تجھے رسول تسلیم کریں گے۔

(۲) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے:-

"ہم تیرے اوپر چڑھنے کو بھی باور نہ کریں گے جب تک تو اوپر سے بنی بنائی ایک کتاب ہمارے پاس نہ لادے جس کو ہم بچشم خود پڑھیں۔ اس میں تیری رسالت کی تصدیق ہو۔" (تفسیر ثنائی جلد ۵ ص۳۵)

اب ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تمام الزامات کی حقیقت واضح کر چکے ہیں جو مؤلف عشرۂ کاملہ نے اپنی جہالت یا شرارت کے ماتحت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر "دس جھوٹ" کے عنوان کے ماتحت لگائے تھے۔ اس فصل کے آخر میں معترض نے مختصراً معراج کا ذکر کیا ہے۔ ناظرین اس کے جواب کے لئے فصل یازدہم (متفرقات) زیر عنوان "معراج" ملاحظہ فرمائیں۔ اس فصل میں جن امور کو معترض نے بطور اعتراض پیش کیا تھا ان کا واضح جواب دیتے ہوئے ہم نے اس کی اپنی غلط بیانیوں کو بھی واشگاف کر دیا ہے۔ آہ! آج یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقدس انسان پر افتراء پردازی کر رہے ہیں، اور اس کو گالیاں دینا کارِ ثواب یقین کئے بیٹھے ہیں۔ مگر کل ان کو بتا دے گا کہ ہم نے غلطی کی ہے سہ

پاک دل پر بدگمانی ہے یہ شقوت کا نشاں
اب تو آنکھیں بند ہیں دیکھیں گے پھر انجام کار

حد سے کیوں بڑھتے ہو لوگو! کچھ کرو خوفِ خدا
کیا نہیں تم دیکھتے نصرت خدا کی بار بار
ایک بدکردار کی تائید میں اتنے نشاں
کیوں دکھاتا ہے وہ کیا ہے بدکنوں کا رشتہ دار

(حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے فرمایا ہے "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے"۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کامل اور مقبول بندے بھی چند علامات کے ذریعہ شناخت کئے جاتے ہیں جو اُن کے پھلوں کے طور پر ہوتی ہیں۔ درخت کا بے ثمر رہ جانا ممکن ہے لیکن کسی مقبول بارگاہِ ایزدی کا ان علاماتِ خاصہ سے محروم رہ جانا محال، ناممکن اور ممتنع ہے۔ انہی علامات میں سے ایک بہت بڑی علامت جو اُن کے تعلق باللہ پر برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتی ہے اُن کی دعاؤں کا قبول ہونا ہے۔

بلاشبہ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ بلحاظ ربّ اپنے ہر ایک بندہ کی اضطراری دعا سُنتا ہے لیکن خدا کے پیاروں کو اس بارہ میں اس قدر کثرت حاصل ہوتی ہے جو مرتبۂ خارقِ عادت تک پہنچ جاتی ہے اور باعتبار کمیت وکیفیت ان کی دعاؤں کی قبولیت بے نظیر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کو اس باب میں ایک اور امتیاز بخشا جاتا ہے اور

وہ یہ کہ اگرچہ عام اوقات میں ان کی ہر دُعا کا بعینہٖ قبول کیا جانا ضروری نہیں بلکہ بعض اوقات الٰہی مصلحتوں کے ماتحت ان کی دعا اس رنگ میں پُوری نہیں ہوتی لیکن جب کبھی دشمنوں سے اس خصوص میں ان کا مقابلہ ہو تو ہمیشہ ان کی ہی سُنی جائے گی اور ان کے مخالف ناکام، نامراد اور مردُود کیے جائیں گے۔ ابتداء سے سنّتِ الٰہی اسی طرح پہ جاری ہے کبھی ایسا نہیں ہُوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ ایک برگزیدۂ حق کے مقابلہ پر اہلِ باطل نے دعا کی ہو اور وہ ذلیل نہ ہوئے ہوں۔ عقلاً بھی جب طوفان کے وقت دو میں سے صرف ایک کشتی کو بچایا جا سکتا ہو کیونکہ دونوں کا آپس میں مقابلہ ہے تو اُسی کو ترجیح دی جائے گی جس میں عادل و منصف بادشاہ بیٹھا ہے۔ دوسری کشتی جو بدمعاشوں یا معمولی انسانوں کی ہے اسے غرق ہونے کے لئے سمندر کی لہروں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ بلعم جو اپنی ولایت کا دم مارتا تھا جب وہ موسیٰؑ ایسے جلیل الشان مقرب الٰہی سے دعا میں مقابل ہُوا تو فنا کر دیا گیا، اُسے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا اور موسیٰؑ کی ہی سُنی گئی۔ تمام انبیاء اور خاصانِ حق کا یہی حال ہے۔ اس خصوصیت کا ہر جگہ نمایاں ظہور نظر آتا ہے۔ اسی کا نام معجزۂ استجابت دعا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جو مادہ پرستی میں ازمنہ سابقہ سے بہت آگے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے تعلقات کو محض افسانہ اور داستانِ پارینہ قرار دیا جاتا ہے۔ الٰہیات کو بچوں اور اَن پڑھوں کی باتیں بتایا جاتا ہے۔ دلوں سے یقین اُٹھ چکا ہے۔ ایمان کے دعاوی ہیں مگر بے حقیقت۔ ذاتِ باری پر ایک زندہ اور کامل یقین پیدا کرانے کے لئے نشانات، چمکتے ہوئے معجزات، دلائلِ عقلیہ، براہینِ ساطعہ کے علاوہ آپ نے قبولیّتِ دُعا کا اعجازی نشان بھی پیش فرمایا۔ یہ وہ آسمانی حربہ تھا جس نے شک وشبہات کے تمام پردوں کو تار تار کر دیا اور ظلمت و تاریکی کو نور سے بدل دیا۔ یہ وہ آبحیات تھا جس نے لاکھوں مُردوں کو زندہ کر دیا اور بے شمار اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان اور گونگوں کو گویائی بخشی۔ اس مسیحائے زماں پر خدا کی بے شمار برکتیں نازل ہوں، اس کے آنے سے ایک عالم زندہ ہو گیا۔ افسوس اُن پر جو ہنوز وادیٔ ظلمت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ نور کے متلاشی تھے، نور ان کے لئے چمکا۔ پر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ پانی کیلئے

بے قرار تھے، چشمۂ شیریں ان کے لئے جاری ہوا مگر انہوں نے اس طرف کا رُخ نہ کیا آہ!
اب ان کے لئے رونا اور دانت پیسنا ہوگا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

معترض پٹیالوی لکھتا ہے :-

"اپنی دعاؤں کی قبولیت کا مرزا صاحب کو بڑا بھاری دعویٰ تھا۔ اور نہ صرف دعویٰ بلکہ اس کو اپنا معجزہ بتلایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور مرزائیوں کے نزدیک ان کا صاحب معجزہ استجابتِ دعا ہونا مسلّمہ ہے۔" (عشرہ ص۹۱)

ہمیں اس جگہ معترض کی اِس تحریر سے بکلّی اتفاق ہے۔ بے شک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منجانب اللہ یہ معجزہ عطا کیا گیا ہے۔ تبھی تو اہلِ دنیا اس میں آپؑ کے مقابلہ سے عاجز و مبہوت رہ گئے۔

مصنّف عشرہ نے اِس فصل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض دعاؤں پر بحث کی ہے لیکن ان سے پہلے ایک ضمنی اعتراض بھی کیا ہے۔ لہٰذا ہم پہلے اس اعتراض کا جواب لکھتے ہیں بعد ازاں نمبروار دعاؤں کے متعلق گفتگو کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قادیان، جماعتِ احمدیہ اور طاعون کی پیشگوئی

معترض مذکور لکھتا ہے :-

"مرزا صاحب نے بڑے زور شور سے متحدّیانہ پیشگوئی کی تھی کہ قادیان میں ہرگز طاعون نہ ہوگا۔" (دافع البلاء ص۶ و ۷) اور پھر پیشگوئی کی تھی۔ کہ میرے مرید طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ (کشتی نوح ص۲) لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مرزا صاحب کی یہ دونوں شیخیاں بھی دوسری پیشگوئیوں کی طرح بالکل غلط اور جھوٹ ثابت ہوئیں۔" (عشرہ ص۹۰)

الجواب۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود نامسعود کے علماء کی اس شرارت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ قرآن مجید کو سُنتے اور اس میں تحریف کرکے دوسروں کو بدظن اور متنفر کرتے تھے۔ فرمایا یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرۃ

سلف پیشگوئیوں کے متعلق ان کے مایۂ ناز اعتراضات کی حقیقت فصل نوہم میں مذکور ہے۔ (ابو العطاء)

بٹیالوی معاندنے اِس اعتراض میں اگر اُن کے کان نہیں کترے تو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے میں توحَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ مطابقت کی ہے۔ کیوں نہ ہو مسیح وقت کے دشمن جو ہوئے۔

ناظرینِ کرام! آپ منشی محمد یعقوب کے مندرجہ بالا اعتراض کی کذب آفرینی کا اسی سے اندازہ کرلیں کہ اِن دونوں حوالوں میں اس نے بیہودیانہ تحریف سے کام لیا ہے۔ یہ "بالکل غلط اور جھوٹ" ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے دافع البلاء میں پیشگوئی کی تھی کہ "قادیان میں ہرگز طاعون نہ ہوگا" ایسا ہی یہ تحریر بھی مغالطہ آمیز ہے کہ کشتی نوح میں حضورؑ نے لکھا ہے کہ "میرے مرید طاعون سے محفوظ رہینگے"۔ ہم اپنے اِس دعویٰ کے ثبوت میں دافع البلاء اور کشتی نوح کے اقتباسات درج ذیل کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں :-

(الف) "طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون سخت بربادی بخش ہے جس کا نام طاعون جارف ہے یعنے جھاڑو دینے والی۔ جس سے لوگ جابجا بھاگتے ہیں اور کتوں کی طرح مرتے ہیں۔ یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے۔ پس اس کلام الٰہی میں یہ وعدہ ہے کہ یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہیں ہوگی۔" (دافع البلاء ص۵)

(ب) "ہم دعوے سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔" (حوالہ مذکور)

(ج) "میری دعا قبول کرکے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا۔ خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے۔" (دافع البلاء ص۱۰)

(د) "کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر طور پر ہو جائے جو بربادی بخش نہ

ہو اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔" (دافع البلاء مث)

معزز قارئین! ان عبارات کو پڑھیے اور معترض پٹیالوی کے خود تراشیدہ الفاظ "قادیان میں ہرگز طاعون نہ ہوگا" کا مقابلہ کیجیے۔ ع۔ افسوس اللہ خاتمہ ہی کر دیا تحریف کا۔

اب ذرا کشتی نوح مٹ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہوگا۔ تا وہ قوموں میں فرق کرکے دکھلا دے۔ لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں ہے اس کے لئے مت دلگیر ہو۔ یہ حکم الٰہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اپنے نفس کے لئے اور ان سب کے لئے جو ہمارے گھر کی چار دیواری میں رہتے ہیں ٹیکہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ ...... اس نے مجھے مخاطب کرکے یہ بھی فرما دیا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی جس سے لوگ کتوں کی طرح مریں اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائیں۔ اور عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ مگر ایسے لوگ ان میں سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے۔ مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً و مقابلۃً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔" (کشتی نوح مٹ)

اس اقتباس کو پڑھ کر مصنف عشرہ کی یہودیانہ تحریف آنکھوں کے آگے پھر جاتی ہے

کہ بات کیا ہوتی ہے اور یہ لوگ کس رنگ میں پیش کرتے ہیں مسیح الزماںؑ نے سچ فرمایا ہے سہ

پھر دوبارہ آ گئی احبار میں رسم یہود ٭ پھر مسیح وقت کے دشمن ہوئے یہ جبّہ دار

معترض پٹیالوی کی دونوں بیان کردہ پیشگوئیاں اس رنگ میں ثابت نہیں ہوسکتیں جس طرز میں اس نے ان کا ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی ثابت کرسکتا ہے تو ہم اس کے لیئے اسکو چیلنج کرتے ہیں۔

دافع البلاء اور کشتی نوح کے اِن حوالجات سے مندرجہ ذیل امور مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) قادیان میں طاعون جارف یا بربادی افگن نہ پڑے گی۔

(۲) قادیان کی یہ حفاظت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا اور حضورؑ کے اکرام کا نتیجہ ہے۔

(۳) انسانی برداشت کی حد تک قادیان میں طاعون پڑ سکتی ہے۔

(۴) حضرت مسیح موعودؑ اور حضورؑ کی چار دیواری کے اندر رہنے والے سب لوگ اور حضورؑ کے کامل پیرو علی الاطلاق طاعون سے محفوظ رہیں گے۔

(۵) جماعت کے لوگ نسبتاً زیادہ محفوظ رہیں گے۔ ہاں ناقص پیرو وغیرہ طاعون کا نشانہ ہوسکتے ہیں۔ ہر عقلمند انسان اِن پانچوں نتائج سے اتفاق کرے گا۔ واقعات شاہد ہیں کہ یہ امورِ خمسہ روزِ روشن کی طرح پورے ہوئے۔ قادیان میں حضرتؑ کی دعا کے باعث کبھی بھی بربادی افگن یا طاعون جارف نہیں آئی۔ ہاں بعض اموات ہوئی ہیں جو انسانی برداشت کی حد کے اندر اور شاذو نادر تھیں۔ اسی معمولی تعداد کو محض قادیان کی نسبت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "طاعون زور پر تھا" (حقیقۃ الوحی ص۲۴۰) قرار دیا ہے۔ کیونکہ زور کا لفظ نسبتی ہے اور قادیان کے لیئے ان چند اموات سے زیادہ زور متصوّر نہ تھا اسلیئے حضورؑ نے اسی کو زور تحریر فرمایا ہے۔ بعض نادان اپنی کم فہمی سے اسی کو موردِ اعتراض بنا لیا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام طاعون سے بالکل محفوظ رہے۔ حضورؑ کے مکان کے سب لوگ جو قریباً یکصد نفوس بلکہ اس سے بھی زیادہ تھے کلی طور پر محفوظ رہے۔ حتّٰی کہ اس مکان میں ایک چوہا تک نہ مرا۔ آپؑ کے کامل پیرو سب کے سب بچائے

گئے۔ ہاں بعض کمزور[1] مومن طاعون سے فوت بھی ہو گئے۔ یہ تمام واقعات پیشگوئی کے حصے اور اس کے مؤید ہیں۔ اس پیشگوئی کو غلط اور جھوٹ قرار دینا سراسر غلط بیانی ہے۔

طاعون کے متعلق بائیبل[2] اور احادیث[3] میں پیشگوئی تھی کہ وہ مسیح موعود کے وقت بطور نشان نمودار ہو گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے آنے سے پہلے کشفی طور پر اس کے سیاہ پودے دیکھے اور طاعون کے ظہور کی پیشگوئی کی اور پھر اپنی ذات، چار دیواری والوں اور کامل مریدوں کی قطعی حفاظت کا اعلان فرمایا۔ قادیان کے برباد ہونے سے محفوظ رہنے کی پیشگوئی فرمائی۔ واقعات نے ان تمام باتوں کی تصدیق کر دی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ ابھی تک اپنے تعصب میں اندھے ہو رہے ہیں۔

اس پیشگوئی کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے مقابلۃً دعا کرنے کے لیے علماء کو للکارا اور سب پر مُہرِ خاموشی لگ گئی۔ پٹیالوی معترض بھی تسلیم کرتا ہے کہ:-

"مرزا صاحب تو صرف[4] طاعون کی دعا کے متعلق اپنے مخالفین علماء کو للکارتے تھے کہ تم کافر ہو اسلیئے تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔" (عشرہ صـ۹۹)

کتنی زبردست یقینی طاقت ہے۔ طاعون طوفانِ نوح کی طرح ملک میں تباہی ڈال رہی ہے مگر ایک کمزور انسان جسے اس کے مخالف کذاب، دجال اور مفتری (العیاذ باللہ) قرار دیتے تھے پکارتا ہے کہ میں اور میرے کامل متبعین اس طوفان میں بچائے جائیں گے میری چار دیواری کے اندر والے محفوظ و مصئون رہیں گے۔ اور پھر میری بستی کے ہندو، سکھ اور غیر احمدی بھی نسبتاً حفاظت میں ہوں گے۔ یہ آواز عجیب اور حیرت افزا تھی لیکن زمانہ نے

---

[1] معترض نے لکھا ہے کہ "مریدوں پر طاعون کا زور ہوا" یہ اسکے منجملہ کذبات میں سے ایک صریح افترا ہے۔ اسکا جواب ہم صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین سے ہی دے سکتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ کا اشتہار دربارہ ہمدردی مریض طاعون یا ہدایات کا اس سے کوئی جوڑ نہیں۔ وہ تو اکّے دُکّے مریض اور شہید کے لئے جاری ہوئے تھے اور عمومی حکم تھے "زور" کے دعوی کیلئے ثبوت چاہیئے [2] متی مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔ رسالہ مکاشفات یوحنا [3] مسلم نزول عیسیٰ [4] صرف کہنا جھوٹ ہے۔ حضرتؑ نے تو ہر دعا میں مقابلہ کیلئے للکارا ہے کما سیأتی۔ (مؤلف)

بتا دیا کہ سچی آواز حق اور وہ منادی یقیناً راستباز تھا جس نے فرمایا تھا ؎

واللہ ہمچو کشتیٔ نوحم زکردگار ٭ بے قسمت آنکہ دور بماند زلنگرم

آؤ میں اس سے بھی عجیب تر ماجرا سناؤں۔ سنو وہ مقدس انسان جہاں اپنی بستی کے طاعون جارف سے بچاؤ کا اعلان کرتا ہے وہاں پر نہایت ہی پُر جلال اور شوکت سے بھرے ہوئے الفاظ میں لکھتا ہے :۔

"میرا یہی نشان ہے کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں، خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔"

(دافع البلاء صا ۱۸)

کیا کوئی اس کے مقابل پر کھڑا ہوا؟ کیا کسی کو تاب مقاومت ہوئی؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اے انصاف کے دلدادہ لوگو اور حق پرستی کے دعویدارو! خدا کے واسطے غور کرو کیا یہ کذابوں کے حالات ہوا کرتے ہیں؟ کیا مفتری ایسی ہیبت اور جلال کے مجسمہ ہوتے ہیں؟ کیا ان کی باتیں اسی طرح پوری ہوا کرتی ہیں؟ بھائیو! تم دن اور رات میں فرق کرنا جانتے ہو کاذب اور صادق مشابہ نہیں ہو سکتے۔ طاعون کا نشان ایک کھلا کھلا نشان ہے قیامت کے دن پہلی اُمتیں تم کو ملزم کریں گی کیونکہ تم نے وہ نشانات دیکھے کہ اگر وہ اُن کے زمانہ میں ہوتے تو وہ ہلاک نہ ہوتیں۔ طاعون ہر رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زبردست نشان ہے۔ اے کاش ہمارے مخالف بصیرت سے کام لیں۔ خوب فرمایا ؎

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کیلئے
تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار
(درثمین)

اس ضمنی اعتراض اور غلط بیانی کا جواب دینے کے بعد ہم اس فصل کے "اصلی اعتراضات" کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معترض نے بخیالِ خویش چند دعاؤں کا ذکر کیا ہے اور پھر

دعویٰ کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معجزہ استجابتِ دعا غلط ہے تفصیلی بحث سے قبل اجمالاً مسئلہ دعا کے متعلق کچھ لکھنا ضروری ہے۔ تا ہر قسم کی غلط فہمی دُور ہو جائے۔

دُعا کیا چیز ہے؟

بندہ عاجزانہ حالت میں اپنی ضروریات اور حاجات کو بدرگاہِ رب العالمین پیش کرتا ہے۔ اپنی کمزوری، بے بسی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتا ہے۔ نہایت رقت آمیز اور جاذب کلمات کے ساتھ خداوند کے رحم کو جوش میں لاتا ہے۔ درد بھرے دل کے ساتھ قضاءِ حوائج کے لیے ملتجی ہوتا ہے ارحم الراحمین اپنے بندہ کی دُعا کو سُنتا ہے اور اپنی شانِ الوہیت کے شایان اس کو قبول کرتا ہے۔ پس دُعا کیا ہے؟ ایک بندہ کی عجز و نیاز اور فروتنی کا مظاہرہ اور امداد خداوندی کے لیئے بیقرار التجا کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شانِ جبروت و کبریائی کے مناسب اس کو قبول یا ردّ فرماتا ہے۔

دُعا کی منظوری اور مقابلہ

بندہ کا یہ حق نہیں کہ کہے کہ میری ہر دعا منظور ہونی چاہیئے یا فلاں دعا کیوں منظور نہیں ہوئی۔ ع رموزِ مملکت را خسرواں دانند۔ بطور حق کے کسی بھی انسان کی دعا کی منظوری ضروری نہیں خداوند مالک ہے اور بندے ناچیز مخلوق۔ اس کی شانِ قہاریت اور سطوت کے آگے کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں لیکن اس کے رحم نے تقاضا کیا کہ اس کے پیاروں کو خاص نشان دیا جائے۔ چنانچہ اس کی قدیم سے یہی سنت رہی ہے کہ جب دشمن اسکے مقبولوں کو مردود اور مخذول ثابت کرنے کے لئے بذریعہ دعا ان کا مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ ضرور اپنے مقبولوں کی سُنتا ہے۔ مباہلہ کی صورت میں وہ ہمیشہ صادق کی تائید میں غیر معمولی خوارق ظاہر فرماتا ہے۔ جیسا کہ آیت قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (آل عمران ع) سے واضح ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام دشمن آپ کے بعد بھی جیتے رہے۔ مگر

جس شخص نے بذریعہ دُعا آپ کی ہلاکت چاہی اور اس کو آپ کے کذب کی دلیل بتایا جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل نے بددعا کی تھی اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا کَاذِباً فَاَحِنْہُ فِی ھٰذَا الْمَوْطِنِ تو وہ ضرور آپؐ کے سامنے ہلاک ہوا۔ نصاریٰ نجران کے متعلق حضورؐ نے فرمایا:۔

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الْھَلَاکَ تَدَلّٰی عَلٰی اَھْلِ نَجْرَانَ وَلَوْ لَاعَنُوْا لَمُسِخُوْا قِرَدَۃً وَّخَنَازِیْرَ وَلَاضْطَرَمَ عَلَیْھِمُ الْوَادِیْ نَاراً وَلَاسْتَاْصَلَ اللّٰہُ نَجْرَانَ وَاَھْلَہٗ حَتّٰی الطَّیْرَ عَلٰی رُؤُسِ الشَّجَرِ وَلَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَی النَّصَارٰی کُلِّھِمْ حَتّٰی یَھْلَکُوْا۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۹)

یعنی اگر یہ مباہلہ کرتے تو یقیناً سال سے پہلے پہلے ہلاک ہوجاتے۔ بہرحال یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے کہ مقابلۃً صرف مقبولوں کی دعا سُنی جاتی ہے۔ اگرچہ عام اوقات میں انکی بھی بعض دعائیں ان ظاہری صورت میں پُوری نہیں ہوتیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف فرمایا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن ع) مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ تمہاری مطلوبہ صورت کو ہی پُورا کرنا ضروری نہیں۔ کفار کو مخاطب کرکے فرمایا فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ۔ الآیۃ (الانعام ع) تم مصیبت اور دُکھ کے وقت صرف اللہ کو پکارتے ہو۔ اور اگر وہ چاہے تو اس مصیبت کو دُور کر دے مگر بعد میں پھر تم شرک میں مبتلا ہوجاتے ہو۔ گویا انتہائی عاجزی کی دعا کا قبول کرنا بھی مشیت ایزدی کے ماتحت ہے۔ مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ ع۱۹) کہ ہم ضرور خوف، بھوک، نقصان مال وجان اور اتلاف ثمرات کے ذریعہ تمہاری آزمائش کریں گے صبر کرنے والوں کو بشارت دیدو۔

ان آیات پر یکجائی نظر کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کسی دعا میں دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو ضرور صادقین کی دُعا سُنی جاتی ہے اور جس طرح وہ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح ظاہر فرماتا ہے۔ مگر عام حالات میں ان کی بھی بعض دعاؤں کو بصورت ظاہر مسترد فرماتا ہے تا اہل دنیا پر ان کی خوئے تسلیم ورضا کا بھی اظہار ہو۔

کیا نبی کی ہر دعا بعینہٖ منظور ہوتی ہے؟

انبیائے کرام اپنے کارہائے نمایاں

اور نشانات کے لحاظ سے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ عوام کی ذہنیت کے پیش نظر اس بات کا
غالب خطرہ ہوتا ہے کہ ان کو جامۂ الوہیت پہنا دیا جائے گا۔ اس کے انسداد کے لئے علاوہ
دیگر ذرائع کے مصلحت الٰہی اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ ان کی غیر مقابلہ کی بعض دعاؤں کو بھی ظاہر
پر پورا نہیں کیا جاتا۔ تا ان کی عبودیت مشتبہ ہو کر ان کو ذاتی طور پر صاحب اقتدار نہ یقین کیا جائے
اس کی مثالیں سب نبیوں میں موجود ہیں۔ بطور مثال عرض ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کی نجات
کے لئے دعا کی اور وعدۂ الٰہی یاد دلا کر کہا رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ
وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ (ہود ع) مگر اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کو غرق ہونے سے نہیں بچایا،
بلکہ حضرت نوحؑ سے کہا فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ
مِنَ الْجَاھِلِیْنَ (ہود ع) حضرت نوحؑ کی دعا کے متعلق مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار
میں شائع کیا ہے:-

"غور سے دیکھو کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا اُن کے سامنے پانی میں غرق ہو گیا۔
جس کے بچاؤ کے لئے حضرت نوح نے خدا سے بھی دعا مانگی مگر کچھ
فائدہ نہ ہوا۔" (اہلحدیث ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۲ء ص۴ کالم ۲)

خود معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:-

"حضرت نوح علیہ السلام نے لفظ اہل کے عام معنے سمجھ کر اپنے بیٹے کے
بچائے جانے کی درخواست کی تھی لیکن اس کے اعمال غیر صالح ہونے کی وجہ
سے اللہ تعالیٰ نے اسے اُن کے اہل سے خارج فرما دیا۔" (تحقیق لاثانی ص۱۲۱)

اور تو اور سیدالانبیاء فخر المرسلین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:-

اِنِّیْ سَاَلْتُ اللّٰہَ فِیْھَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِیْ اثْنَتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَۃً۔

ترجمہ۔ میں نے اس نماز میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو تو
مجھے دیدیں اور ایک منع کر دی یعنی دو دعائیں منظور ہو گئیں اور ایک ظاہری
طور پر نامنظور۔"

جو دعا نامنظور ہوئی وہ یہ تھی۔ فرمایا:-

"سَأَلْتُهُ اَنْ لَا یُذِیْقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْهَا"
مَیں نے اللہ سے دعا کی کہ میری اُمّت کے لوگ ایک دوسرے سے نبرد آزما نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کو نامنظور فرمایا۔" (جامع ترمذی باب الفتن جلد۲ صفحہ۴۲)
اس حدیث کے بعد والی حدیث میں نامنظوری کی وجہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں:۔
"اِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ"
کہ میرے رب نے فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مَیں جب ایک قطعی اور مبرم فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ ردّ نہیں ہو سکتا"
صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا:۔
"اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَأْذَنْ لِیْ۔"
کہ مَیں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ مَیں اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار کروں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔" (مسلم کتاب الجنائز جلد اوّل صفحہ ۳۵۹ مطبوعہ مصر)
ترمذی شریف میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنِّیْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ وَهِیَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا" (ترمذی جلد۲ صفحہ۲)
ترجمہ۔ ہر نبی کی ضرور ہی ایک دُعا مقبول ہوتی ہے۔ مَیں نے اپنی وہ دعا اپنی اُمّت کی شفاعت کی خاطر مخفی رکھی ہے۔ اور وہ دعا اگر اللہ نے چاہا تو ہر اُس شخص کے حق میں مقبول ہو گی جو شرک سے بکلّی مجتنب ہو گا۔"
اس حدیث سے بھی بطور مفہوم مخالف ثابت ہے کہ نبی کی ہر دعا کا ظاہری صورت میں قبول ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔
"لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ اَیْ مُجَابَةٌ اَلْبَتَّةَ وَهُوَ عَلٰی یَقِیْنٍ مِنْ اِجَابَتِهَا وَبَقِیَّةُ دَعْوَاتِهِمْ عَلٰی رَجَاءِ اِجَابَتِهَا" (مجمع البحار جلد۱ صفحہ۲۳۸)

ناظرین کرام! ان بیانات کا نتیجہ نہایت واضح ہے۔ قرآن مجید کی آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کے الفاظ ہیں اور نہایت غیر مبہم الفاظ ہیں۔ ان میں کوئی معاند یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ دیکھو انبیاء کی ہتک کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم تو قرآن مجید اور حدیث نبوی کے متبع ہیں۔ بلاشبہ نبی کا مقام بارگاہِ ایزدی میں بہت ہی بلند ہے مگر ہم آیاتِ قرآنیہ اور ارشاداتِ نبویہ کو کس طرح چھپا سکتے ہیں۔ ان کی رُو سے بہرحال یہ ماننا پڑیگا کہ نبی کی ہر دعا کا منظور ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر کسی نبی کی بلا مقابلہ دعا کو اللہ تعالیٰ کسی مصلحتِ خاص کے ماتحت مسترد فرمائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام غزالیؒ نے ایک کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" تصنیف فرمائی ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ "علم الکلام" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں:-

"کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور ان کے قبول ہونے کا بھی یقین تھا مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا۔" (علم الکلام ص۳)

تفسیر سراج المنیر میں لکھا ہے:-

"اِنَّ اِجَابَةَ دُعَاءِ الْاَنْبِيَاءِ غَالِبَةٌ لَا لَازِمَةٌ فَقَدْ يَتَخَلَّفُ لِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِخِلَافِهٖ كَمَا فِىْ دُعَاءِ اِبْرَاهِيْمَ فِىْ حَقِّ اَبِيْهِ وَكَمَا فِىْ دُعَاءِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فِىْ قَوْلِهٖ سَاَلْتُهٗ اَنْ لَا يُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَاْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا" (سراج المنیر جلد ۱ ص۱۱۴)

ترجمہ: نبیوں کی دعا کی قبولیت اکثر اور غالب ہوتی ہے لازمی نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ قضاء الٰہی اس کے برخلاف ہوتی ہے اور وہ دعا تخلف ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا جو اُن کے باپ کے حق میں تھی یا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں ہوا۔ چنانچہ آپؐ کا قول ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مسلمان بعض بعض سے جنگ کو نہ چکھیں یعنی ان میں خانہ جنگی نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو منظور نہ فرمایا۔"

طوالتِ کلام کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ہر دُعا ضرور قبول ہوتی ہے
قبولیت کی صورتیں

شاید یہ عنوان آپ کو عجیب معلوم ہو گا۔ اور ایسا ہی آپ گزشتہ بیان میں عدم قبولیت دعا کے ساتھ "ظاہری صورت" کی قید پڑھ کر بھی متعجب ہوں گے لیکن درحقیقت یہ تعجب کی بات نہیں۔ اصلیت یہی ہے کہ کوئی بھی دعا جو درد دل اور جذب پر مشتمل ہو رد نہیں ہو سکتی خواہ اس کا کرنے والا نبی ہو یا ولی۔ کس طرح ممکن ہے کہ ارحم الراحمین خدا بندہ کی گریہ وزاری اور آہ و بکا کو محض رائگاں جانے دے لیکن با ایں ہمہ یہ بھی درست ہے کہ ہر دعا اپنی ظاہری صورت پر پوری ہونی ضروری نہیں۔ ان دونوں بیانات میں تطبیق سمجھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث غور سے پڑھیے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:۔

"مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا اللّٰهَ بِدُعَاءٍ اِلَّا اسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِمَّا اَنْ يُعَجَّلَ لَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِمَّا اَنْ يُدَخَّرَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يُكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ بِقَدْرِ مَا دَعَا۔"

ترجمہ۔ کوئی بندہ اللہ سے کوئی دعا نہیں کرتا مگر وہ اس کے لئے منظور کی جاتی ہے پس یا تو وہ مطلوب اس کو جلد دنیا میں دیا جاتا ہے یا وہ اس دعا کرنے والے کے لئے آخرت میں بطور ذخیرہ جمع کی جاتی ہے یا پھر اس کے گناہ بقدر دعا معاف کر دیئے جاتے ہیں۔" (ترمذی ابواب الدعوات جلد ۲ صفحہ ۲)

گویا دعا تو ہر ایک منظور ہوتی ہے مگر اس منظوری کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی وہ چیز بعینہٖ دیدی جاتی ہے اور کبھی اس دعا کی منظوری کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ آخرت میں اجر ملے گا۔ یا بندہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ بہرحال اس صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا کہ کوئی بھی دعا رد نہیں ہوتی بالکل درست ہے۔ اور ظاہری صورت کو زیر نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ انبیاء کرام کی بعض دعائیں بھی شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتیں بھی ٹھیک ہے۔ ولولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔

اس حدیث کے ماتحت ہم اسی امر کے قائل ہیں کہ ہر ایک دعا مقبول ہوتی ہے لیکن جس طرح

ماں کا پیارا بچہ سانپ کے پکڑنے یا آگ سے کھیلنے کے لئے روتا ہے، ماں باوجود انتہائی پیار و محبت کے اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ اس کے کھیلنے کیلئے دوسرے کھلونے دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض دعاؤں کو جو عام اوقات میں ہوتی ہیں اپنی مصلحت کے ماتحت دوسرے رنگ میں پُورا کر دیتا ہے اور ظاہری صورت میں پورا نہیں کرتا۔ ہماری اس تحریر میں جہاں جہاں یہ ذکر ہے کہ انبیاء کی بعض دعائیں بھی پوری ہونی ضروری نہیں یا پوری نہیں ہوئیں وہاں ان کا ظاہری صورت اور مطلوبہ رنگ میں نہ پورا ہونا ہی مراد ہیں۔ ورنہ بلحاظ حقیقت خدا کے پیاروں کی ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ تدبّر فیہ فانّہ بحثٌ لطیفٌ۔

حضرت مسیح موعودؑ اور قبولیتِ دُعا

اس جگہ مناسب ہے کہ تفصیلی بحث سے قبل ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند تحریرات درج کریں تا ظاہر ہو کہ اس باب میں حضورؑ کا کیا مذہب اور کیا دعویٰ تھا۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "مومن پر خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کی درخواستیں گو کیسے ہی مشکل کاموں کے متعلق ہوں اکثر بپایۂ اجابت پہنچتی ہیں اور دراصل ولایت کی حقیقت یہی ہے جو ایسا قرب اور وجاہت حاصل ہو جائے جو بہ نسبت اوروں کے بہت دُعائیں قبول ہوں کیونکہ ولی خدا کا دوست ہوتا ہے اور خالص دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستیں اس کی قبول کی جائیں"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۴۲)

(ب) "یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دُعائیں منظور ہوتی ہیں۔ بلکہ بڑا معجزہ ان کا استجابتِ دعا ہی ہے۔ جب ان کے دلوں میں کسی مصیبت کے وقت شدّت سے بیقراری ہوتی ہے اور اس شدید بیقراری کی حالت میں وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں تو خدا ان کی سُنتا ہے اور اس وقت ان کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خدا ایک مخفی خزانہ کی طرح ہے۔ کامل مقبولوں کے ذریعہ سے وہ اپنا چہرہ دکھلاتا ہے۔ خدا کے نشان بھی ظاہر

ہوتے ہیں۔ جب اس کے مقبول ستائے جاتے ہیں اور جب حد سے زیادہ ان کو دُکھ دیا جاتا ہے تو سمجھو کہ خدا کا نشان قریب ہے بلکہ دروازہ پر کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ کوئی اپنے پیارے بیٹے سے ایسی محبت نہیں کریگا جیسا کہ خدا ان لوگوں سے کرتا ہے۔ جو دل وجان سے اس کے ہو جاتے ہیں وہ ان کے لئے عجائبات کام دکھلاتا ہے اور ایسی اپنی قوت دکھلاتا ہے کہ جیسا ایک سوتا ہوا شیر جاگ اُٹھتا ہے۔ خدا مخفی ہے اور اس کے ظاہر کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ وہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے اور اس کا چہرہ دکھلانے والی یہی قوم ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خیال کہ مقبولین کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے یہ سراسر غلط ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ مقبولین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا دوستانہ معاملہ ہے کبھی وہ ان کی دعائیں قبول کر لیتا ہے اور کبھی وہ اپنی مشیت ان سے منواتا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ دوستی میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض وقت ایک دوست اپنے دوست کی بات کو مانتا ہے اور اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور پھر دوسرا وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اپنی بات اس سے منوانا چاہتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن شریف میں مومنوں کی استجابت دعا کا وعدہ کرتا ہے اور فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اور دوسری جگہ اپنی نازل کردہ قضاء و قدر پر خوش اور راضی رہنے کی تعلیم کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○ پس ان دونوں آیتوں کو ایک جگہ پڑھنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ دعاؤں کے بارے میں کیا سنت اللہ ہے اور رب اور عبد کا کیا باہمی تعلق ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹-۲۰)

(ج) "بعض نادان یہ اعتراض بار بار پیش کرتے ہیں کہ محبوبانِ الٰہی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک دعا ان کی سنی جاتی ہے اور جس میں یہ علامت نہیں پائی جاتی وہ محبوبانِ الٰہی میں سے نہیں ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ مُنہ سے تو ایک بات نکال لیتے ہیں مگر اعتراض کرنے کے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ایسے جاہلانہ اعتراض خدا تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک نبی کی یہ مراد تھی کہ تمام کفار ان کے زمانے کے جو اُن کی مخالفت پر کھڑے تھے مسلمان ہو جائیں مگر یہ مراد ان کی پوری نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی کیا تُو اس غم سے اپنے تئیں ہلاک کر لیگا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لئے اس قدر جانکاہی اور سوز و گداز سے دعا کرتے تھے کہ اندیشہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غم سے خود ہلاک نہ ہو جائیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے اس قدر غم نہ کر اور اس قدر اپنے دل کو دردوں کا نشانہ مت بنا کیونکہ یہ لوگ ایمان سے لاپرواہ ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد اور ہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۷۱)

(د) "مَیں کثرتِ قبولیتِ دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔" (ضرورۃ الامام ص۲۶)

(ذ) "مقبولوں کی قبولیت کثرتِ استجابتِ دعا سے شناخت کی جاتی ہے یعنی ان کی اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں نہ یہ کہ سب کی سب قبول ہوتی ہیں۔ پس جب تک کہ رجوع کرنے والوں کی تعداد کثرت کی مقدار تک نہ پہنچے تب تک قبولیت کا پتہ نہیں لگ سکتا اور کثرت کی پوری حقیقت اور عظمت اسوقت بخوبی ظاہر ہوتی ہے جبکہ مومن کامل مستجاب الدعوات کا اس کے غیر سے مقابلہ کیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ ایک بدباطن

نکتہ چین کی نظر میں وہ کثرت بھی قلت کی صورت میں نظر آوے۔ سو درحقیقت کثرتِ استجابت دعا ایک نسبتی امر ہے جس کی صحیح اور یقینی اور قطعی تشخیص جو منکر کے منہ کو بند کرنیوالی ہو مقابلہ سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔" (آسمانی فیصلہ صلا طبع سوم)

(ں) "یاد رہے کہ خدا کے بندوں کی مقبولیت پہچاننے کے لئے دعا کا قبول ہونا بھی ایک بڑا نشان ہے بلکہ استجابتِ دعا کی مانند اور کوئی بھی نشان نہیں کیونکہ استجابتِ دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بندہ کو جناب الٰہی میں قدر اور عزت ہے۔ اگرچہ دعا کا قبول ہو جانا ہر جگہ لازمی امر نہیں کبھی کبھی خدائے عزوجل اپنی مرضی بھی اختیار کرتا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ مقبولین حضرتِ عزت کے لئے یہ بھی ایک نشان ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے کثرت سے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کوئی استجابتِ دعا کے مرتبہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

(حقیقۃ الوحی صلا ۳۲۱)

(ن) "سنتِ الٰہیہ اسی طرح پر واقع ہے کہ خدا اُن کی سُنتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ خدا ان کی دُعا کو رد نہیں کرتا اور کبھی ان کی عبودیت ثابت کرنے کے لیئے دعا سُنی نہیں جاتی تا جاہلوں کی نظر میں خدا کے شریک نہ ٹھہر جائیں۔" (حقیقۃ الوحی صلا ۱۸)

(س) "خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ کے ذریعہ سے تین نعمتیں اپنے کامل بندہ کو عطا فرماتا ہے۔ اوّل اس کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اور قبولیت سے اطلاع دی جاتی ہے۔ دوم اس کو خدا تعالیٰ بہت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے سوم اس پر قرآن شریف کے بہت سے علوم حکمیہ بذریعہ الہام کھولے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس عاجز کا مکذب ہو کر پھر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ہنر مجھ میں پایا جاتا ہے میں اس کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ ان تینوں باتوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرے ..... مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔ مکذبین کے دلوں پر خدا

کی لعنت ہے۔ خدا ان کو نہ قرآن کا نور دکھلائیگا نہ بالمقابل
دعا کی استجابت جو اعلام قبل از وقت کے ساتھ ہو اور نہ امورِ
غیبیہ پر اطلاع دیگا۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۹ حاشیہ)

ناظرین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان عبارتوں سے قبولیتِ دُعا کی حقیقت، اِس بارہ میں آیاتِ قرآنی کی رہنمائی، حضور کا مذہب، اور پھر معجزہ استجابت دعا کا دعویٰ واضح طور پر ثابت ہیں۔ حضرت کے نزدیک آیاتِ قرآنی اور واقعاتِ صحیحہ کی روشنی میں ہر دعا کا منظور ہونا ضروری نہیں بلکہ بعض دعائیں ذاتِ باری کا استغناء اور ولی و نبی کی عبودیت ثابت کرنے کی غرض سے بھی مسترد ہو جاتی ہیں۔ ہاں نسبتاً ان کی دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اور اگر دشمنوں سے مقابلہ ہو تو پھر تو صرف انہی کی دعا سُنی جاتی ہے اور مخالفین کی دعا ان کے مُنہ پر ماری جاتی ہے۔ (وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ) ان کے استجابتِ دعا کے معجزہ کا کامل ظہور مقابلہ کے وقت ہی ہوتا ہے اور حضرت اقدسؑ نے اسی صورت میں زبردست تحدّی کی ہے اور مخالفین نے اس مقابلہ سے قطعی گریز کر کے حضرتؑ کی صداقت پر ایک اور مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِاُولِی الْاَبْصَارِ۔

ہمارے محوّلہ بالا بیانات میں معترض پٹیالوی کی فصل ہشتم کا اصولی جواب موجود ہے۔ وہ جو اعتراض حضرت اقدسؑ کے ابطال کی خاطر کرتا ہے وہ حضورؑ پر نہیں بلکہ نعوذ باللہ سب انبیاء پر عائد ہوتا ہے اور یہی اعتراض کی بطالت کا زبردست ثبوت ہے یہی وہ منہاجِ نبوت ہے جس کی رُو سے حضورؑ کی صداقت پرکھنے کے لیے مخالفین کو چیلنج دیا جاتا رہا اور اب بھی دیا جاتا ہے مگر وہ اِس طرف رُخ نہیں کرتے حضورؑ نے خوب فرمایا ؎

انبیاء کے طور پر حجت ہوئی ان پر تمام ٭ انکے جو حملے ہیں ان میں سب نبی ہیں حصہ دار

قبولیتِ دُعا اور معترض پٹیالوی

معترض نے خود اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے :-

"قرآن شریف میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لیکن ہزاروں لاکھوں دعائیں ہیں جو قبول نہیں ہوتیں ..... دعاؤں کی فلاسفی سے غالباً آپ بے خبر نہیں ہوں گے کیونکہ آپ

قاضی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ سوالوں اور دعاؤں کا قبول کرنا یا نہ کرنا مالکِ حقیقی اور حکیم لم یزلی کی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب بیمار سے پوچھتے ہیں کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے تو کھالو۔ بیمار کسی خاص شے کا نام لیتا ہے مگر وہ ڈاکٹر کی رائے میں اس کے لئے مضر ہے تو اس سے منع کر کے وہ دوسری غذا تجویز کرتے ہیں۔" (تحقیق لاثانی ص۱۷)

جب حقیقت یہ ہے تو پھر اس فصل کے اعتراضات کی ضرورت کیا تھی؟ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ آپ محض مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

اب ہم معترض پٹیالوی کے پیش کردہ واقعات پر نمبروار بحث کرتے ہیں۔

(۱) حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے لئے دعا

مصنّف عشرہ لکھتے ہیں:۔

"مولوی عبدالکریم سیالکوٹی مرزائی مشن کے دستِ راست تھے۔ جو بمرض کاربنکل پھوڑا بیمار ہوئے۔ ان کے علاج کے لئے جیسا کہ چاہیئے تھا سخت کوشش کی گئی اور علاج کے علاوہ دعائیں تو اتنی کی گئیں کہ غالباً مرزا صاحب نے کسی دوسرے امر کے لئے نہیں کی ہونگی۔" (عشرہ ص۹۲)

پھر لکھا ہے:۔

"مگر افسوس کہ مرزا صاحب کی ریشبانہ روز کی سب دعائیں ردّ ہو گئیں اور ۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مولوی صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے۔" (عشرہ ص۹۳)

الجواب ۱:۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر آئے ہیں ہر دعا کا بصورتِ مطلوبہ منظور ہونا ضروری نہیں۔ بے شک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے لئے بہت دعائیں کیں لیکن مولوی صاحبؓ کی وفات سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے حضورؑ کو ان کی موت کے قضاءِ مبرم ہونے کی اطلاع دیدی تھی اور حضورؑ نے دعا کرنا بند کر دیا تھا۔ حضورؑ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان کے لئے میں نے بہت دعا کی تھی۔ مگر ایک بھی الہام ان کے لئے تسلی بخش نہ تھا بلکہ بار بار یہ الہام ہوتے رہے کہ کفن میں لپیٹا گیا ' ۴۷ برس کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انّ المنایا لا تطیش

سہا مجھا۔ یعنی موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے۔ جب اس پر بھی دعا کی گئی
تب الہام ہوا یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔
تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا۔ یعنے اے لوگو! تم اس خدا کی پرستش کرو
جس نے تمہیں پیدا کیا ہے یعنی اسی کو اپنے کاموں کا کارساز سمجھو اور اسی پر
توکل رکھو۔ کیا تم دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ کسی
کے وجود کو ایسا ضروری سمجھنا کہ اس کے مرنے سے نہایت درجہ کا حرج ہوگا
ایک شرک ہے۔ اور اس کی زندگی پر نہایت درجہ زور لگا دینا ایک قسم کی
پرستش ہے۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس کی موت
قطعی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۲۷)

کیا کوئی عقلمند اس بات کو حقیقتاً دعا کا رد کرنا کہہ سکتا ہے اور پھر اس سے حضرت اقدس کے کاذب ہونے کا استدلال کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حضرت نے دعا کی اور بہت دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ قضاء بہر صورت اٹل ہے۔ دعا کے جواب میں الہام ہو گیا جس نے اپنی صداقت پر واقعات سے مہر کر دی۔ پس اس صورت میں اس دعا کو حضرت کے خلاف پیش کرنا نادانی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حضور کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتا دیا کہ یہ قضاء مبرم ہے اور حضور نے اس وقت دعا کرنی چھوڑ دی۔

الجواب ملے۔ صحیح ترمذی کی حدیث اوپر درج ہو چکی ہے۔ دعا کی قبولیت کی مختلف صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولانا عبدالکریم کی صحت کے لئے جو بکثرت دعائیں کیں اگرچہ ان پر حضور کو الہاماً جواب مل گیا اور بالآخر آپ نے سلسلۂ دعا کو بند بھی کر دیا لیکن تاہم حضور کی وہ "شبانہ روز دعائیں" رائگاں نہیں گئیں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ درد جو ان (حضرت مولوی عبدالکریم) کے لئے دعا کرنے میں میرے
دل پر وارد ہوا تھا خدا نے اس کو فراموش نہ کیا اور چاہا کہ اس ناکامی کا ایک
اور کامیابی کے ساتھ تدارک کرے اسلئے اس نشان کے لئے سیٹھ عبدالرحمٰن
کو منتخب کر لیا۔ اگرچہ خدا نے عبدالکریم کو ہم سے لے لیا تو عبدالرحمٰن کو دوبارہ

ہمیں دیدیا۔ وہی مرض ان کے دامنگیر ہوگئی۔ آخر وہ اسی بندہ کی دعاؤں سے شفایاب ہوگئے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ میرا صدہا مرتبہ تجربہ ہے کہ خدا ایسا رحیم وکریم ہے کہ جب اپنی مصلحت سے ایک دعا کو منظور نہیں کرتا تو اس کے عوض میں کوئی اور دعا منظور کرلیتا ہے جو اس کے مثل ہوتی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۲)

اندریں صورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کو مردود قرار دینا شرافت اور انسانیت کو بٹہ لگانا ہے۔ اے لوگو! خدا تعالیٰ کی سزا سے ڈر جاؤ اور صادقوں کو کاذب مت ٹھہراؤ۔ پھر اسی سلسلہ میں معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب کے ملہم نے استنے دنوں تک ناحق ان کو بھٹکایا۔ یہاں تک کہ اسی اثناء میں دو تین بار قبولیت دعا اور صحت کی بشارتیں بھی ہوئیں۔ کئی الہام مایوسی بخش بھی تھے۔ کیا یہ صریح طور پر ابن صیاد کے الہاموں کی مثال نہیں جن میں کچھ جھوٹ کچھ سچ کی آمیزش ہوا کرتی تھی۔" (عشرہ صفحہ ۹۳)

ہم حضرت مولوی صاحب مرحومؓ کی صحت کے متعلق ادعاء الہام پر مفصل بحث کر چکے ہیں اور انعامی چیلنج دے چکے ہیں۔ معترض لکھتا ہے کہ "کئی الہام مایوسی بخش تھے" مگر حقیقت یہ ہے کہ الہامات میں سے ایک الہام بھی مولوی صاحبؓ کی صحت کی بشارت نہ دیتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اس بارہ میں جس قدر الہامات ہوئے سب حضرت مولوی صاحب کی وفات کی خبر دے رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یاد رہے کہ میرے نشانوں کو سن کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی عادت ہے کہ ابوجہلی مادہ کے جوش سے انکار کے لئے کچے حیلے پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ بھی انہوں نے یہی عادت دکھلائی۔ اور محض افتراء کے طور پر اپنے پرچہ اہلحدیث ۸ر فروری ۱۹۰۶ء میں میری نسبت یہ لکھ دیا ہے کہ مولوی عبدالکریم کے صحتیاب ہونے کی نسبت جو ان کو الہام ہوا تھا کہ وہ ضرور صحتیاب ہو جائے گا مگر آخر وہ فوت ہو گیا۔ اس افتراء کا ہم کیا جواب

دیں بجز اس کے کہ لعنة اللہ علی الکاذبین۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ہمیں بتا دیں کہ اگر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے صحتیاب ہونے کی نسبت الہام مذکورہ بالا ہو چکا تھا تو پھر یہ الہامات مندرجہ ذیل جو پرچہ اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہو چکے ہیں کس کی نسبت تھے۔ یعنے کفن میں لپیٹا گیا۔ ۴۷ برس کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس نے اچھا ہونا ہی نہ تھا۔ ان المنایا لا تطیش سھامھا۔ یعنے موتوں کے تیر ٹل نہیں سکتے۔ واضح ہو کہ یہ سب الہام مولوی عبدالکریم صاحب کی نسبت تھے۔ ہاں ایک خواب[1] میں انکو دیکھا تھا کہ وہ صحتیاب ہیں۔ مگر خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ اور تعبیر کی کتابوں کو دیکھ لو خوابوں کی تعبیر میں کبھی موت سے مراد صحت اور کبھی صحت سے مراد موت ہوتی ہے۔ اور کئی مرتبہ خواب میں ایک شخص کی موت دیکھی جاتی ہے اور اس کی تعبیر زیادت عمر ہوتی ہے۔ یہ ہے حال ان مولویوں کا جو بڑے دیانت دار کہلاتے ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶)

اب اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ ان بیانات سے معترض کا یہ الزام بھی باطل ہو گیا کہ نعوذ باللہ حضرت اقدس کے الہامات میں سچ اور جھوٹ ہر دو کی آمیزش ہوتی تھی۔ کیونکہ امر متنازع فیہ میں الہامات واضح طور پر حضرت مولوی صاحبؓ کی وفات پر دلالت کر رہے ہیں اور اس کے خلاف ایک بھی الہام نہیں پس ابن صیاد کو حضرت مسیح موعودؑ سے کچھ نسبت نہیں۔ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

چونکہ معترض بار بار ابن صیاد کا ذکر کرتا ہے اسلیئے اس جگہ یہ بتا دینا مناسب ہو گا کہ ابن صیاد کا اعتراف آمیزش ہی اس کی بطالت کا گواہ ہے۔ درحقیقت وہ محض

---

[1] خواب تعبیر طلب ہوتی ہے۔ اس کی تعبیر واقعات سے کی جاتی ہے۔ آنحضرتؐ نے رؤیا میں حضرت عائشہؓ کو دیکھا۔ جبرائیل نے کہا یہ تیری بیوی ہو گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں ان یکن من عند اللہ یمضہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہو گی تو پوری ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس خواب سے استنباط بشارت کیا تھا جس پر معترض ضد کر رہا ہے حالانکہ الہامات اور واقعات نے اس کی صحیح تعبیر بتا دی اور حضرتؑ نے اس کی تصریح فرما دی۔ ھل بقی بعد ذالک موضع شک؟ (مصنف)

ایک کاہن تھا۔ دعویٰ نبوت کجا اور کہانت کجا۔ ع شتّان ما بین ھا تفرق!
اسی لئے مصنّف نبراس شرح عقائد نسفی لکھتے ہیں :۔

"انما یمتنع الخارق عن المتنبی اذا اوجب التخلیط ولا تخلیط ھنا لاعترافہ بانہ کاھن یأتیہ من الجن مخبر صادق وکاذب" (ص۴۳۲)

کہ خارق کا ظہور دعویٰ نبوت کا ذب کے مرتکب سے ممتنع ہے جبکہ وہاں شبہ پڑ جانے کا موقع ہو لیکن اس جگہ (ابن صیاد کے بارہ میں) کوئی اشتباہ نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ اس نے خود اعتراف کر لیا ہے کہ میں کاہن ہوں اور میرے پاس جن آتا ہے جو سچا بھی ہوتا ہے اور جھوٹا بھی۔"

(۲) صاحبزادہ مرزا مبارک احمد مرحوم کے لئے دعا

معترض پٹیالوی لکھتا ہے کہ :۔

"مرزا صاحب کا لڑکا مبارک احمد سخت بیمار ہوا۔ اس کی نسبت الہام ہوا قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔ یعنی یہ دعا قبول ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے میاں موصوف کو شفا دی (میگزین ستمبر ۱۹۰۷ء الہام ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء مندرجہ البشریٰ ص۱۳۲ جلد دوم) اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ صاحبزادہ مبارک احمد حسب وعدہ الٰہی دسویں یوم راضی اور تندرست ہو گیا (بدر ص۲۵) لیکن میگزین اکتوبر ۱۹۰۷ء سے ظاہر ہے کہ میاں مبارک احمد کا ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو انتقال ہو گیا اور قبولیت دعا کا الہام صریح غلط ثابت ہوا۔ کیا یہ وعدہ رحمانی تھا یا القائے شیطانی؟" (عشرہ ص۹۲)

ناظرین کرام! ہم نے معترض کے اعتراض کو ہو بہو نقل کر دیا ہے۔ اس نے حاشیہ پر درثمین کا بھی حوالہ دیا ہے اسلئے ضروری ہے کہ "درثمین" میں سے وہ حوالہ بھی مکمل نقل کر دیا جائے۔ ذیل میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے لوح مزار کے اشعار اور عبارت جو مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمائی درثمین سے درج کی جاتی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں ؎

---

[1] نیز دیکھو درثمین حاشیہ ص۹۲۔

"جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اُسے بلایا
بُلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

نثر: "مَیں جو غلام احمد نام خدا کا مسیح موعود ہوں مبارک احمد جس کا اُوپر ذکر ہے میرا لڑکا تھا۔ وہ بتاریخ ۱۴ر شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء بروز دوشنبہ بوقتِ نمازِ صبح وفات پا کر الہامی پیشگوئی کے موافق اپنے خدا کو جا ملا کیونکہ خدا نے میری زبان پر اس کی نسبت فرمایا[1] تھا کہ وہ خدا کے ہاتھ سے دنیا میں آیا ہے اور چھوٹی عمر میں ہی خدا کی طرف واپس جائیگا" (درثمین ص۹۷ طبع پنجم)

الجواب: معترض پٹیالوی کا اعتراض اور درثمین کی یہ عبارت ملانے سے اصلیت کُھل جاتی ہے۔ ہم "نودن کا بُخار ٹوٹ گیا" والے الہام پر کسی گزشتہ فصل میں بحث کر چکے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اب صرف قبولیتِ دعا کا سوال تھا اور وہ بھی ان دو تحریروں پر یکجائی نظر کرنے سے خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ صاحبزادہ مبارک احمد کے متعلق الہاماً بتلایا گیا تھا کہ یہ جلد فوت ہو جائے گا۔ اسلئے اس کا بچپن میں فوت ہو جانا بھی الٰہی نوشتہ تھا۔ اور پھر اس کے دلگداز مرض اور متواتر بخار کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی منظور فرماتے ہوئے کہا "قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔" یہ الہام جیسا کہ معترض کے اعتراض میں مسطور ہے ۲۲ر اگست ۱۹۰۷ء کا ہے اور پھر یہ بھی وہاں ہی درج ہے کہ "صاحبزادہ مبارک احمد حسب وعدۂ الٰہی دسویں یوم راضی اور تندرست ہو گیا۔" (عشرہ ص۹۳) گویا قبولیتِ دُعا پر جو الہام "نو دن کا بخار ٹوٹ گیا" ہوا تھا حرف بحرف پُورا ہو گیا۔ قبولیتِ دُعا کا سوال حل ہو گیا۔ اب وہ پہلا الہام کہ

---

[1] الہام انی اسقط من اللہ واصیبہ کیلئے دیکھو تریاق القلوب ص۴۱ و البشریٰ جلد۲ ص۵۵ (ابو العطاء)

جلد فوت ہو جائے گا اور چھوٹی عمر میں ہی خدا کی طرف واپس جائے گا بھی پورا ہونا ضرور تھا۔ چنانچہ بخار ٹوٹنے اور تندرست ہو جانے کے قریباً دو ہفتہ بعد صاحبزادہ موصوف پر مرض کا ناگہانی حملہ ہوا اور وہ ۱۶ ستمبر کو اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ گویا قبولیتِ دعا کا الہام بھی پورا ہو گیا اور "انی اسقط من اللہ و اصیبہ" بھی صادق ثابت ہو گیا۔ یا انصاف ناظرین! بتائیے کیا یہ صورتِ حالات خشیتِ الٰہی رکھنے والے کے لیے آسمانی کلام کی سچائی کا زبردست ثبوت نہیں؟ کیا یہ موقع اعتراض کرنے کا تھا یا خدا کے اولوالعزم پیغمبر سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی راستبازی پر گواہی دینے کا؟ اے سچائی کے مخالفو! تم کب آنکھیں کھولو گے اور اس ہیرے کو شناخت کرو گے؟

(۳) تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ مسیح موعودؑ کے لیے دعا

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:۔

"ضمیمہ انجام آتھم ص۲۱[1] میں لکھتے ہیں کہ خدا اس مہدی کی تصدیق کرے گا اور دور دور سے اس کے دوست جمع کرے گا جن کا شمار اہلِ بدر کے شمار کے برابر ہوگا یعنی تین سو تیرہ ہوں گے۔ اور ان کے نام بقید مسکن وخصلت چھپی ہوئی کتاب میں درج ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ کسی شخص کو پہلے اس سے یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس چھپی ہوئی کتاب ہو جس میں اس کے دوستوں کے نام ہوں لیکن میں پہلے اس سے بھی آئینہ کمالاتِ اسلام میں تین سو نام درج کر چکا ہوں اور اب دوبارہ اتمام حجت کے لیے تین سو تیرہ نام ذیل میں درج کرتا ہوں تا کہ ہر ایک منصف سمجھ لے کہ یہ پیشگوئی بھی میرے ہی حق میں پوری ہوئی ہے اور بموجب منشاء حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلتِ صدق وصفا رکھتے ہیں اور حسبِ مراتب جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی رضا کی راہوں میں ثابت قدم کرے۔" آخری دعا کے لئے دیکھنا یہ ہے کہ قبول ہوئی یا نہیں۔ جن لوگوں کے لئے یہ دعا تھی اور جن کے لئے

---

[1] غلط۔ صفحہ ۲۱ نہیں بلکہ ۴۱ ہے۔ (مؤلف)

پہلے سے لکھ دیا تھا کہ یہ تمام اصحاب خصلت صدق وصفا رکھتے ہیں ان میں سے کئی آدمی جیسے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں وغیرہ مرزا صاحب سے پھر گئے۔ اور نہ صرف پھر ہی گئے بلکہ مرزا صاحب کی مخالفت میں عمر بھر کوشش کرتے رہے۔ خواجہ کمال الدین، مولوی محمد احسن، مولوی عبداللہ خاں، مولوی محمد علی وغیرہ لاہوری پارٹی والے مرزا صاحب کی رسالت کے منکر اور قادیانی پارٹی کی نظر میں خارج از میرزائیت ہیں[1]۔ اسلئے جہاں مرزا صاحب کی یہ دعا نا مقبول ٹھہری وہاں یہ (۳۱۳) والا ڈھکوسلا بھی باطل ثابت ہوا۔ اور کم از کم جو پیشگوئی مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی تھی اس کی رُو سے مرزا صاحب مہدی ثابت نہ ہوئے۔" (عشرہ ۹۴)

الجواب ۔ اس اعتراض کی کئی شاخیں ہیں اسلئے سب سے پہلے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ کیا یہ تین سو تیرہ اصحاب والی پیشگوئی ڈھکوسلہ ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کا حوالہ اسی جگہ درج فرمایا ہے، مگر معترض پٹیالوی کی دیانت نے اجازت نہ دی کہ تین سطریں پہلے بھی درج کرے تاکہ حوالہ بھی نقل ہو جائے۔ اب وہ عبارت ہم درج کرتے ہیں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"شیخ علی حمزہ بن علی ملک الطوسی اپنی کتاب جواہر الاسرار میں جو ۸۴۰ھ ہجری میں تالیف ہوئی تھی مہدی موعود کے بارے میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہیں۔ در اربعین آمدہ است کہ خروج مہدی از قریہ کدعہ باشد قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ الْمَھْدِیُّ مِنْ قَرْیَۃٍ یُقَالُ لَھَا کَدْعَۃُ وَیُصَدِّقُہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَجْمَعُ اَصْحَابَہٗ مِنْ اَقْصَی الْبِلَادِ عَلٰی عِدَّۃِ اَھْلِ بَدْرٍ بِثَلَاثِ مِائَۃٍ وَثَلَاثَۃَ عَشَرَ رَجُلًا وَمَعَہٗ صَحِیْفَۃٌ مَخْتُوْمَۃٌ (اے مطبوعۃ) فِیْھَا عَدَدُ اَصْحَابِہٖ بِاَسْمَائِھِمْ وَبِلَادِھِمْ وَخِلَالِھِمْ۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۴۰-۴۱)

معلوم ہوا یہ حدیث تو موجود ہے ڈھکوسلہ نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود

---

[1] یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ہم لاہوری پارٹی والوں کو احمدی ہی کہتے ہیں۔ نیز وہ بھی حضرت مسیح موعود کو ظلی نبی اور ظلی رسول مانتے ہیں۔ ہاں مخالفین سے ڈر کر یا غلط فہمی سے ظلی نبی کی تشریح محض محدثیت کرتے ہیں۔ پورے طور پر نہیں مگر ہیچ کا آخر کند دعویٰ محبت بیرم (مؤلف)

ہدیٔ معہود کے اصحاب کی اس وقت تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی جن کے نام ضمیمہ انجام آتھم کے ان صفحات میں مع ان کے مسکن کے طبع شدہ ہیں۔ اسلئے پیشگوئی کے پورا ہوجانے میں تو کوئی کلام نہیں۔ آیئے اب اعتراض کی دوسری شاخ کا جواب دیں۔

یاد رہے کہ ان لوگوں میں سے بعض کا بعد میں منحرف یا مخالف ہوجانا بھی پیشگوئی میں قادح نہیں۔ دیکھئے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حسب ذیل پیشگوئی ہے:-

"اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہُوا فاران ہی کے پہاڑوں سے وہ جلوہ گر ہُوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔ ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔" (استثناء ۳۳: ۲-۳)

سب مسلمان مانتے ہیں کہ اس میں دس ہزار قدوسیوں سے مراد وہ دس ہزار اصحاب ہیں جو فتح مکہ کے دن حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ حالانکہ رسول مقبولؐ کے بعد خلافت صدیقی میں ان میں سے کئی مرتد ہوگئے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث آتی ہے کہ قیامت کے روز بہت سے لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائیگا تو میں (نبی کریمؐ) کہوں گا اُصَيْحَابِي اُصَيْحَابِي۔ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب دیا جائیگا اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں پیدا کی تھیں وہ تیری جُدائی کے بعد ارتداد اختیار کر چکے تھے۔

کیا ان حالات کے باوجود کوئی مسلمان یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ نعوذ باللہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس پیشگوئی کے مصداق نہیں؟ ہرگز نہیں!

اور دیکھئے قرآن مجید نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت مطابق پیشگوئی تورات اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ع ۴) قرار دی ہے یعنی وہ دشمنوں پر بوجھل اور آپس میں بہت نرم اور رحیم ہیں۔ مگر کیا کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان خونریز جنگیں ہوئیں جن میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے۔ ایک جنگ صفین کے متعلق ہی لکھا ہے کہ اس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے؟ لیکن کیا پھر یہ تسلیم کر لینا جائز ہوگا کہ نعوذ باللہ وہ پیشگوئی آنحضرت

کے حق میں پوری نہیں ہوئی؟ ہرگز نہیں! بھلا جب قرآن مجید اس کو پورا قرار دیتا ہے تو کون مسلمان اس کا منکر ہو سکتا ہے؟

اِن واقعات اور ایسے دیگر حالات سے ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے لئے یہ تو ضروری ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت ہے تو جن کے متعلق ہے ان کے حالات موجودہ سے مطابق ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سارے لوگ پھر ہمیشہ اسی حالت اخلاص و عقیدت پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پیشگوئیوں کی جب کا فردوں، منافقوں بلکہ حیوانات و جمادات تک سے تصدیق کرا دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کل بننے والا منافق آج اپنی حالتِ ایمانی میں پیشگوئی کی سچائی کا ذریعہ نہ بن سکے۔ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ اور حضرت اقدسؑ کا تین سو تیرہ والی پیشگوئی کو اپنے اصحاب پر چسپاں کرنا بعینہٖ دس ہزار قدوسیوں والی پیشگوئی کی طرح ہے۔ بعد میں اگر ان میں سے کوئی مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ اِن معنوں کی مصدق وہ حدیث بھی ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایک فاجر کے ذریعہ بھی کرا دیتا ہے۔

پس اگر اِن تین سو تیرہ اصحاب میں سے بعد میں کوئی شخص لغزش کھا جاتا ہے تو اس سے نفسِ پیشگوئی پر کوئی حرف نہ آئے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی حالتِ موجودہ پر فقرہ "یہ تمام اصحاب خصلتِ صدق و صفا رکھتے ہیں" چسپاں کیا ہے اور اسی ظاہری حالت کے لحاظ سے حضورؑ نے اس پیشگوئی کا ان کو مصداق قرار دیا ہے۔ چنانچہ "جس کو اللہ بہتر جانتا ہے" کا فقرہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ گویا یہ پیشگوئی اسوقت کے لحاظ سے اور ان لوگوں کی ظاہری حالت کے لحاظ سے تھی۔ اور اِس صورت میں اس کے پورا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ باقی ان میں سے بعض کا بعد میں مرتد ہو جانا یہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ بھی آپؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اپنے اصحاب میں سے بعض مخلصین کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:۔

"عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثناء اس شخص کے کہ بعد اس کے خدا تعالیٰ اس کو ردّ

کرڈے خاص طور سے محبت رکھو۔ اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ
اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اسکو اپنا
ایک عضو سمجھو" (ازالہ اوہام ۳۲۹ طبع سوم)

پھر بلعم بن باعور کا واقعہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قرب میں لَو شِئنَا لَرَفَعنٰہُ
کا مصداق ہو چکا تھا مگر پھر اعمالِ بد کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا۔ میر عباس علی
لدھیانوی کے ذکر میں حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس کے حالات سے یہ تجربہ ہوا کہ اگر کسی شخص کی نسبت خوشنودی
کا بھی الہام ہو تو بسا اوقات خوشنودی بھی کسی خاص وقت
تک ہوتی ہے۔ یعنی جب تک کہ کوئی خوشنودی کے کام کرے
جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں کافروں پر جابجا غضب ظاہر فرماتا
ہے اور جب ان میں سے کوئی مومن ہو جاتا ہے تو معاً وہ غضب رحمت
کے ساتھ بدل جاتا ہے اور اسی طرح کبھی رحمت غضب کے ساتھ بدل
جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص بہشتیوں کے
اعمال بجا لاتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور بہشت میں ایک بالشت کا
فرق رہ جاتا ہے اور در اصل قضاء و قدر میں وہ جہنمی ہوتا ہے تو آخرکار
کوئی ایسا عمل یا کوئی ایسا عقیدہ اس سے سرزد ہو جاتا ہے کہ وہ جہنم میں
ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص بہشتی ہوتا ہے اور جہنمیوں کے عمل
کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جہنم میں صرف ایک بالشت کا فرق
رہ جاتا ہے آخرکار اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے اور پھر وہ نیک عمل
بجا لانا شروع کرتا ہے اور اسی پر اس کی موت ہوتی ہے اور بہشت
میں داخل کیا جاتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ۲۹)

الغرض ۳۱۳ کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے بعد عبدالحکیم وغیرہ کا مرتد ہو جانا اور
ان کی حالت کا بدل جانا عقلاً و شرعاً ناممکن نہ تھا بلکہ حضرت اقدسؑ کی بعض پیشگوئیوں کے
پیش نظر ایسا ہونا ضروری تھا سو ہو گیا۔ یہاں تک تو ہم نے پیشگوئی کے متعلق بحث کی ہے
اب اصل سوال کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی دعا" اللہ تعالیٰ سب کو اپنی رضا کی راہوں

میں ثابت قدم کرے" کے مطابق وہ سب لوگ کیوں ثابت قدم نہ رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب اور اس کے ثمرات کے اظہار میں جبر کا دخل نہیں، بلکہ زیادہ تر انسان کی ذاتی روحانیت اور مجاہدات کا اثر ہے۔ اگر وہ شخص جس کے لئے کوئی نبی دعا کرتا ہے اپنے اندر جوہرِ قابل نہیں رکھتا اور مذہب کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں تو وہ دعا کسی دوسرے رنگ میں پوری ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے لئے دعائیں کیں مگر پھر بھی بعض مرتد ہو گئے۔ حضورؐ کے کاتبِ وحی عبداللہ بن ابی سرح نے بھی ارتداد اختیار کیا۔ پھر حضورؐ کفار کے لئے دستِ بدعا رہے۔ جب لوگ گھروں میں آرام کی نیند سوتے تھے تو تمام انبیاء کا سردارؐ غاروں میں اُن کی بھلائی و بہبودی کے لئے پروردگارِ عالم سے دعائیں مانگتا تھا۔ وہ جب اس کو گالیاں دیتے تو وہ معصوم انکو دعا دیتا۔ حضورؐ کی شبانہ روز دعائیں رنگ لائیں اور کثیر حصّہ ایمان لے آیا مگر جن پر شقاوت کی مُہر لگ چکی تھی وہ آخر تک مخالفت پر ہی کمربستہ رہے۔ اس سوز و گداز کو ہی دیکھ کر خداوند جلّ وعلا نے فرمایا تھا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ کہ گویا تو اپنی جان کو اس غم میں ہلاک کر لیگا کہ یہ لوگ کیوں مسلمان نہیں ہوتے۔ منافق نماز ول میں آتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا اھدنا الصراط المستقیم اور دیگر ادعیہ میں اُن کو شریک کرتے تھے مگر وہ خالی کے خالی چلے جاتے تھے بلکہ ان کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہوتا تھا حتیٰ کہ ارحم الراحمین نے فرمایا اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (سورہ توبہ ع) کہ اے نبی! اگر تو ان کے لئے ستّر دفعہ بھی استغفار کرے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں تاثیر نہیں تھی؟ حضورؐ کا استغفار بے اثر ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ ان لوگوں میں قوتِ جذب نہیں تھی۔ پھر دیکھئے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے جو مومن تھے ان کی راست بیانی اور اعترافِ جرم پر عتاب نازل ہوتا ہے مگر منافق آتے ہیں، اپنے عذرات پیش کرتے ہیں، حضورؐ اُن کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بخاری کتاب المغازی جلد ۳ صفحہ ۱۲۲) کیا یہ استغفار ان کے لئے مفید ہوا؟ ہرگز نہیں۔!

ان سب واقعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس واقعیت کو سمجھنے کے لیے یوں خیال فرمائیں کہ نبی کی دعا ایک بارش کی طرح ہے۔ اب اگر زمین میں استعداد ہی نہ ہو تو وہ بنجر رہے گی۔ ہاں اگر اس میں نشو ونما کی قوتیں ہوں تو اس بارش سے روئیدگی اُگ آئے گی اور ہر حصۂ زمین اپنی مخفی استعدادوں کو ظاہر کرے گا۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ان اصحاب کے لیے "ثابت قدمی" کی دعا فرمائی۔ دعا اپنی ذات میں قبول ہوگئی مگر اس سے وہی لوگ حصہ پا سکتے ہیں جن میں مادۂ قبولیت تھا۔ سورج کا طلوع روشنی اور چمک کو نمودار کرتا ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن آفتاب کی اس تابانی و ضوء فشانی سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو چشمِ بینا رکھتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے بھی اگر کوئی بدقسمتی اور اپنی غلطی سے آنکھیں کھو بیٹھے تو پھر بھی وہ نور سے محروم ہو جائے گا۔ یہی حال حضرتؑ کی اس دعا کا ہے۔ اس کے نفسِ تاثیر میں کوئی کلام نہیں مگر اس سے وہی حصہ پانے والے ہوئے جن کو نورانی آنکھیں اور بصیرت والی فطرت نصیب ہوئی۔ ان میں سے جو بعد میں اپنے دل کے کواڑ کو بند کر بیٹھے وہ بھی نور کی بجائے تاریکی میں گھر گئے اور فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ کا مصداق بن گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اے نبی (علیہ السلام) جس قدر تو عقدِ ہمت اور کامل توجہ اور سوز و گداز اور اپنی روح کو مشقت میں ڈالنے سے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرتا ہے تیری دعاؤں کے پُر تاثیر ہونے میں کچھ کمی نہیں ہے لیکن شرطِ قبولیت دعا یہ ہے کہ جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے سخت متعصب اور لاپروا اور گندی فطرت کا انسان نہ ہو ورنہ دعا قبول نہیں ہوگی۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۲۶)

الغرض اس نمبر میں بھی معترض پٹیالوی نے جو اعتراض کیا تھا وہ ہر طرح سے باطل ہے۔ قرآن مجید کی آیات، سُنَنِ الٰہیہ اور احادیث نبویؐ اس کے خلاف ہیں۔ اور عقلِ انسانی بھی

اس کو دھکے دیتی ہے کہ چونکہ ایک مرتبہ نبی نے دعا کر دی ہے اب خواہ کچھ کرتے رہو تم بہر حال نیک ہو۔ نہیں نہیں بلکہ تم کو خود بھی تقویٰ اور نیکی پر قائم رہنا ضروری ہے۔ دعاؤں کی تاثیر کا انکار نہیں لیکن ع کہ "بد پرہیز بیمار ئے نہ بیند روئے صحت را" کے سچ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ الآن اندفع الاشکال بحذافیرہ۔

(۴) سیّد امیر شاہ کے لڑکے کے لئے دُعا

معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"سیّد امیر شاہ رسالدار میجر سے پانصد روپیہ پیشگی لے کر ان کے بیٹا ہونے کی دُعا کی جس کی میعاد ۱۵ر اگست ۱۸۸۸ء کو ختم ہوئی مگر یہ قیمتی دعا بھی مردُود و نامقبول ہوئی۔ مرزا صاحب کا خط ۱۵ر اگست ۱۸۸۸ء مندرجہ عصائے موسیٰ ۴۲"

(عشرہ ص۹۲)

الجواب:۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خط کا حوالہ معترض پٹیالوی نے عصائے موسیٰ ص۴۲ درج کیا ہے۔ یہ ایک معاند منکر کی کتاب ہے۔ دوسرے اس میں بھی خط مذکور نہیں بلکہ ایک مخالفِ حق شخص نے چند ادھورے فقرے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے منسوب کئے ہیں۔ مکمل خط درج نہیں کیا تا اس کا سیاق و سباق معلوم ہو سکے اور نہ ہی خط کا عکس شائع کیا ہے تا اس کی اصلیت پر دلیل قائم ہو سکے۔ پس اوّل تو مکذب پٹیالوی کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

۲۔ "سیّد امیر شاہ صاحب مذکور سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پانصد روپیہ پیشگی لے کر دعا کی" یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے روپیہ مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے بطور خود بھیج دیا تھا۔ لیجئے عصائے موسیٰ والا آپ کا پیش کردہ گواہ کہتا ہے:۔

"رسالدار صاحب نے اپنی حسنِ ظنی و فراخدلی سے پانسو روپیہ بھی۔۔ ۔۔۔۔ پیشگی دیدیا!" (عصائے موسیٰ ص۴۲)

پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُس سے روپیہ مانگا نہیں بلکہ اُس نے خود اپنی حسن ظنی کے طور پر بھیج دیا تھا۔

۳۔ قبولیت دعا کے فلسفہ پر ہم ابتداء میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سیّد امیر شاہ رسالدار کے لئے دعا کی لیکن رسالدار مذکور اپنی شتابکاری

نیز قضاء مبرم ہونے کی وجہ سے محروم رہا۔ حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یُسْتَجَابُ لِاَحَدِکُمْ مَالَمْ یَعْجَلْ یَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ (رواہ البیہقی وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ) کہ جب انسان جلد بازی کرے گا تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ یعنی جب وہ یہ کہنے لگ پڑے کہ میں نے (یا فلاں نے میرے لئے) دعا کی مگر وہ قبول نہ ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ اس دعا کو نہیں سنتا۔ اس جگہ بھی سید امیر شاہ صاحب اپنی جلد بازی کے باعث محروم رہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دولتمند مسلمانوں کو اسلام کے لئے تحریکِ چندہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

”میں تمام امراء کی خدمت میں بطور عام اعلان کے لکھتا ہوں کہ اگر ان کو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وہ اپنے مقاصد اور مہمات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ تا میں ان مقاصد کے پورے ہونے کے لئے دعا کروں۔ اور اس بات کو تصریح سے لکھ بھیجیں کہ وہ مطلب پورا ہونے کے وقت کہاں تک ہمیں اسلام کی راہ میں مالی مدد دیں گے۔ اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں پختہ اور حتمی وعدہ کر لیا ہے کہ ضرور وہ اس قدر مدد دیں گے۔ اگر ایسا خط کسی صاحب کی طرف سے مجھ کو پہنچا تو میں اس کے لئے دعا کروں گا۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر مبرم نہ ہو ضرور خدا تعالیٰ میری دعا سنے گا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ سے اطلاع دے گا۔“ (ضرورۃ الامام صفحہ ۳۰)

گویا ایسے لوگوں کے لئے دعا کے مقبول ہونے کا اسی وقت تک وعدہ ہے جبتک کہ وہ مصیبت تقدیر مبرم نہ ہو۔ پس سید امیر شاہ والا معاملہ ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ سید امیر شاہ مذکور کی شتابکاری پر حضرتؑ نے اس کا روپیہ واپس کرنے کیلئے لکھا مگر اس نے واپس لینے سے بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

”جس وقت ایسی شتابکاری آپ لوگوں کی محسوس کی گئی تو بڑی جد کے ساتھ حضرت اقدسؑ نے ان مبالغ کے واپس کرنے کے لئے سید امیر شاہ صاحب کو تحریر کیا تھا لیکن اس نے واپس نہ لئے۔“ (آیات الرحمٰن بجواب عشرۂ کاملہ مولوی ۴۹)

پس معترض کا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

(۵) ملکہ معظمہ کو دعوت اسلام اور نشان

معترض پٹیالوی لکھتا ہے :۔

"رسالہ تحفہ قیصریہ میں جو مسلمانوں کی نسبت طرح طرح کے الزام[1] اتہام لگا کر اور اپنی جماعت کی وفاداری جتلا کر عجیب و غریب لفاظیوں اور رنگ آمیزیوں سے اور عاجزانہ ادب کے ساتھ ملکہ معظمہ کے حضور میں کھڑے ہو کر عرض کی گئی تھی کہ وہ اسلام قبول کریں یہ عرض بھی نامنظور ہوئی۔ حضور ملکہ معظمہ کو ایک سال کے اندر نشان آسمانی دکھانے کے لئے بھی لکھا تھا۔ اگر وہ پسند کریں۔ مگر انہوں نے ادھر توجہ بھی نہ کی۔" (عشرہ ص۹۶)

الجواب۔ ملکہ معظمہ نے نشان نہ دیکھنا چاہا اور نہ توجہ کی تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی۔ رسول اور نبی کا فرض پیغام پہنچا دینا ہے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہِ ایران کو خط لکھا اس نے پھاڑ دیا اور اس طرف توجہ بھی نہ کی۔ تو کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت میں فرق آگیا تھا؟۔ ہرگز نہیں ؎

نہ ہو بے وقر ترکِ سجدۂ ابلیس سے آدم
عدو کی سرکشی سے ذوق کب رتبہ ہو کم میرا

ہاں کسریٰ نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پھاڑا اور اسلام سے انحراف کیا اس لئے آہستہ آہستہ اس کی سلطنت پھاڑ دی گئی۔ حضور ملکہ معظمہ نے اگرچہ اسلام قبول نہ کیا لیکن خط کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام ہوا ؎

سلطنتِ برطانیہ تا ہشت سال
بعد ازاں ایام ضعف و اختلال

---

[1] اس رسالہ میں مسلمانوں کے عقیدۂ خونی مہدی کا بھی ذکر ہے کیا یہ اتہام ہے؟ حجج الکرامہ میں مہدی الدم کا لفظ پڑھ کر جواب دیں۔ (ابوالعطاء)

آج اس ضعف و اختلال کو محسوس کرنا کچھ مشکل نہیں۔ حالات روزمرہ بسرعت تغیر پذیر ہو رہے ہیں۔[1]

رسالہ تحفۂ قیصریہ میں حضورؑ نے ملکہ معظمہ کو دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کریں اور اس کے لئے جلسۂ جشن جوبلی میں دعا بھی کی گئی۔ یہ درست ہے۔ پھر انہوں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا۔ اس کا جواب ہم اعتراض ۳ کے جواب میں مفصل لکھ چکے ہیں۔ ایسی دعاؤں کی تاثیر کے لئے اس شخص کی استعداد اور توجہ کا بھی بہت دخل ہوتا ہے جس کیلئے دعا کی گئی ہے۔ ہمارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مظلومیت کے عالم میں دعا کی تھی۔ منشی محمد یعقوب پٹیالوی لکھتے ہیں:۔

"جنگِ اُحد میں جب لشکرِ اسلامی کو کچھ چشم زخم پہنچا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی سر مبارک پر ضرب آئی اور دندانِ مبارک شہید ہوئے اس وقت صحابہ نے عرض کیا کہ حضور حد ہو گئی ہے۔ اب تو کفار کے حق میں دعا فرمادیں۔ حضور رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ وَاھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یا اللہ میری قوم پر بخشش کر اور اس کو ہدایت دے۔ یہ لوگ میری دعوتِ اسلام کی قدر نہیں جانتے۔" (عشرہ ص۱۲۳)

مگر ساری قوم کے لوگ مسلمان نہ ہوئے اور جو ہوئے اُن میں سے بھی سارے کے سارے اعلیٰ درجہ کے نہ تھے۔ اس میں ہمارے سید و مولیٰ کی دعا پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی۔ بلکہ یہ ان لوگوں کے فطرتی نقص کی دلیل ہے۔ پس اگر ملکہ معظمہ مسلمان نہ ہوئی تو اس میں حضرت مرزا صاحبؑ کی دعا پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

افسوس! یہ لوگ جنہیں بادشاہوں کو تبلیغ کرنے کی توفیق تو کجا اپنے ضلع کے حاکم کو بھی اسلام کا پیغام پہنچانے کی جرأت نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر معترض ہیں کہ آپؑ نے نہایت ادب و احترام سے کیوں ملکہ معظمہ کو پیغام پہنچایا۔ یہ خوشامد اور چاپلوسی ہے۔

ہم اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے ملکہ معظمہ کو جو پیغام دیا اس میں اس کے واجب اکرام کو مدنظر رکھا ہے اور نرم لہجہ میں گفتگو کی ہے لیکن یہ امر قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ

---

[1] آج (طبع ثانی کے وقت) ۱۹۶۲ء میں سلطنتِ برطانیہ کے مقبوضات کا بیشتر حصہ آزاد ہو چکا ہے۔ (مؤلف)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا تھا تو ساتھ ہی تاکید فرمائی

قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔ (طٰہٰ ع ۲)

کہ اُس کو نرم بات کہنا ۔ اگر فرعون ایسے جابر، ظالم اور سرکش بادشاہ کو مخاطب ہوتے ہوئے بھی رفق و ملاطفت ضروری ہے تو پھر ملکہ معظمہ جیسی محسنہ اور رعایا پرور ملکہ سے خطاب کرتے وقت کیوں نرمی ضروری نہیں؟ جاہل اور نادان اس نرمی کو خوشامد اور چاپلوسی کہہ سکتا ہے ۔ مگر درحقیقت یہ اخلاق کا ضروری حصہ ہے اور خدا وند تعالیٰ کا حکم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے اِذَا جَآءَکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کا اکرام و اعزاز کرو ۔ اس جگہ تو مخاطب ملکہ معظمہ تھی جو خود ہندوستان کی حکمران تھی ۔ پھر کیوں نہ اس کا اعزاز و اکرام کیا جاتا ۔

غور طلب یہ امر ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ملکہ معظمہ کو دعوت اسلام دیتے ہوئے برعایتِ ادب حقیقت کو ظاہر کرنے میں کوتاہی کی ؟ ہرگز نہیں ! بطور نمونہ مندرجہ ذیل فقرات ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) " تو اس خوشی کے وقت میں جو شصت سالہ جوبلی کا وقت ہے یسوع کے چھوڑنے کے لئے کوشش کر ۔ " (عشرہ صفحہ ۹۵ بحوالہ تحفہ قیصریہ)

(۲) " اس (خدا) نے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ اکیلا اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے جس کی مانند اور کوئی نہیں ۔ " (تحفہ قیصریہ صفحہ ۱)

(۳) " کاش ہماری محسنہ ملکہ معظمہ کو اس آسمان کے خدا کی طرف خیال آجائے جس سے اس زمانہ میں عیسائی مذہب بے خبر ہے ۔ " (صفحہ ۲ ر ر)

(۴) " اسی طرح قرآن عمیق حکمتوں سے پُر ہے اور ہر ایک تعلیم میں انجیل کی نسبت حقیقی نیکی کے سکھلانے کے لئے آگے قدم رکھتا ہے ۔ بالخصوص سچے اور غیر متغیر خدا کے دیکھنے کا چراغ تو قرآن ہی کے ہاتھ میں ہے ۔ اگر وہ دنیا میں نہ آیا ہوتا تو خدا جانے دنیا میں مخلوق پرستی کا عدد کس نمبر تک پہنچ جاتا ۔ " (صفحہ ۲۴)

(۵) " ہماری محسنہ قیصرہ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر اس کا خاتمہ کر ۔ " (بحوالہ عشرہ صفحہ ۹۵)

اِن فقرات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس ادب کے

ہوتے ہوئے پیغام اسلام پہنچانے میں وہ کام کیا جو کروڑوں انسانوں سے نہ ہوسکا، بلکہ بادشاہوں سے بھی۔ ادب کا لحاظ قرآن مجید اور حدیث کی رُو سے ضروری تھا۔ اور صحابہ کرام کا بھی اُسوۂ حسنہ یہی ہے۔ چنانچہ جب مسلمان پہلی مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ میں گئے تو وہاں کے عیسائی بادشاہ کے متعلق انہوں نے حسب ذیل فقرات کہے تھے :-

انّ قومنا بغوا علینا وارادوا فتنتنا عن دیننا فخرجنا الیٰ دیارك و اخترناك علیٰ من سواك ورغبنا فی جوارك ورجونا ان لا نظلم عندك ایھا الملك۔

یعنی ہم نے آپ کی پناہ لی ہے اور باقی بادشاہوں پر آپ کو ترجیح دی ہے ہمیں امید ہے کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ ہوگا اے بادشاہ"

(المحاضرات للخضری جلد ا صنہ)

لطیفہ ضرب المثل ہے۔ خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار۔ معترض پٹیالوی کا بھی یہی طریق ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اعتراض کیا ہے :-

"چھ زبانوں میں ایک ہی دعا کے الفاظ کو ادا کرنا کیا فضول اور نمائشی کارروائی نہیں ہے۔ کیا مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کسی زبان سے[1] ناواقف ہونے کا بھی خیال تھا؟" (حاشیہ صہ عشرہ کاملہ)

اجی صاحب! اللہ تعالیٰ کی ناواقفی کا سوال نہیں بلکہ مختلف زبانیں بولنے والوں کے علم کی خاطر مختلف لوگوں نے مختلف زبانوں میں اس تقریر کا ترجمہ پڑھ کر سنایا۔ وہ تقریر خالی دعا نہیں ہے۔ بلکہ شکریہ وغیرہ پر بھی مشتمل مضمون ہے جس میں چند دعائیہ فقرے بھی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "جلسہ احباب" کے جلی عنوان سے اس تقریب کی تفصیل بذریعہ اشتہار شائع فرمائی تھی۔ اس میں حضور نے لکھا ہے :-

"اور وہ تقریر جو دعا اور شکر گزاری جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند میں سنائی گئی جس پر لوگوں نے بڑی خوشی سے آمین کے نعرے مارے وہ چھ زبانوں میں بیان کی گئی تا ہمارے پنجاب کے ملک میں جس قدر مسلمان کسی زبان میں دسترس رکھتے ہیں ان تمام زبانوں سے شکر ادا ہو۔ ان میں سے ایک اردو میں تقریر تھی جو شکر اور دعا پر مشتمل تھی جو عام

---

[1] گویا تمہارے نزدیک بھی خدا تعالیٰ سب زبانوں کو جانتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے مگر پھر بھی اس کی کیا وجہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ انگریزی فارسی یا اردو میں الہام کر دیتا ہے تو تم شور مچا دیتے ہو؟ (ابو العطاء)

جلسہ میں سُنائی گئی۔ اور پھر عربی اور فارسی اور انگریزی اور پنجابی اور پشتو میں تقریریں قلمبند ہو کر پڑھی گئیں۔ اُردو میں اسلئے کہ وہ عدالت کی بولی اور شاہی تجویز کے موافق دفتروں میں رواج یافتہ ہے اور عربی میں اسلئے کہ وہ خدا کی بولی ہے جس سے دنیا کی تمام زبانیں نکلیں اور جو امّ الالسنہ اور دنیا کی تمام زبانوں کی ماں ہے جس میں خدا کی آخری کتاب قرآن شریف خلقت کی ہدایت کیلئے آیا ہے اور فارسی میں اسلئے کہ وہ گزشتہ اسلامی بادشاہوں کی یادگار رہے جنہوں نے اس ملک میں قریباً سات سو برس تک فرمانروائی کی۔ اور انگریزی میں اسلئے کہ وہ ہماری جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند اور اسکے معزّز ارکان کی زبان ہے جس کے عدل اور احسان کے ہم شکر گزار ہیں اور پنجابی میں اسلئے کہ وہ ہماری مادری زبان ہے جس میں شکر کرنا واجب ہے۔ اور پشتو میں اسلئے کہ وہ ہماری زبان اور فارسی زبان میں ایک برزخ اور سرحدی اقبال کا نشان ہے۔" (اشتہار ۲۲ جون ۱۸۹۷ء)

سمجھدار لوگ تو اس دلیل کو مان جائیں گے مگر ان کا کیا علاج ہے جو مذکرہ صدر مثل کے مصداق ہوں؟ بہر حال یہ بھی اعتراض باطل اور محض مغالطہ ہے۔

(۶) مولوی محمد حسین بٹالوی کی ذلّت کا اشتہار

الجواب۔ چونکہ معترض نے یہی اعتراض بعینہٖ فصل دہم کے نمبر ۵ میں بھی کیا ہے اسلئے اس کا مفصّل جواب اُسی جگہ لکھا جائیگا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) رسالہ نشان کی دُعا

الجواب۔ تکرار سے بچنے کے لئے اس کا جواب فصل دہم کے نمبر ۶ میں درج کیا گیا ہے۔

(۹،۸) ڈاکٹر عبد الحکیم کے متعلق دُعا

اس کا جواب بھی فصل دہم کے نمبر ۹ میں مفصّل مسطور ہے۔

(۱۰) مولوی ثناء اللہ کے متعلق دُعا

اسی اعتراض کو معترض نے فصل دہم کے آخری نمبر میں دہرایا ہے اسلئے ہم نے بھی ہر دو جگہ کے اعتراضات کو ملا کر فصل دہم کے نمبر ۱۰ میں اس کا مفصّل جواب دیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ناظرین کرام! اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کامیابی حضور کی دعاؤں ہی کے طفیل ہوئی ہے۔ اس قدر عظیم الشان مخالفت کے

باوجود جماعت احمدیہ کا روز افزوں ترقی کرنا حضورؑ کی شبینہ دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔ حضورؑ کی اولاد، قادیان کی ترقی، ملکی حوادث، جماعت احمدیہ کی ترقی، غرض کوئی حصہ نہیں جس میں آپؑ کی دعاؤں کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک ایک احمدی اور قادیان کی سرزمین کا ایک ایک چپہ، اس بات کا گواہ ہے کہ خدا نے اس کس مپرسی میں چھوڑے ہوئے انسان کی دعاؤں کو سُنا اور اس کو نوازا۔ حضورؑ کی دعاؤں کا صدق اور قبولیت حضورؑ کی ذات اور اس تمام بابرگ و بار سلسلہ سے عیاں ہے۔ اے کاش ہمارے بھائی غور و فکر سے کام لیں۔ حضرتؑ نے کیا عجیب فرمایا ہے ؎

ذلّت ہیں چاہتے یہاں اکرام ہوتا ہے ۔۔۔ کیا مفتری کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے
اے قوم کے سرآمدہ اے حامیانِ دیں ۔۔۔ سوچو کہ کیوں خدا تمہیں دیتا مدد نہیں
تم میں نہ رحم ہے نہ عدالت نہ اتقاء ۔۔۔ پس اس سبب سے ساتھ تمہارے خدا نہیں

(درثمین)

فصلِ نہم ۹

فصلِ ۱۵

"مرزا صاحب کے معتقدات ایمانیہ اور انکی تعلیم و اخلاق"

ما مسلمانیم از فضلِ خدا | مصطفٰے ما را امام و پیشوا
اندریں دیں آمدہ از مادریم | ہم بریں از دارِ دنیا بگذریم

(حضرت مسیح موعودؑ)

جب دنیا میں تاریکی، لامذہبیت، الحاد اور بداعتقادی کا زور ہو جاتا ہے اور لوگوں کی زبانوں پر تو ایمان کا لفظ ہوتا ہے مگر دل اس نور سے بے نور ہو جاتے ہیں تب خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تا وہ اُن کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرے لیکن یہ ایک حیرت زا واقعہ ہے کہ اُس زمانہ کے لوگ آنے والے موعود کو اپنے پیمانہ سے ناپنا چاہتے ہیں اور اپنے عقائد کو اُس کی صداقت کی کسوٹی قرار دیتے ہیں۔ اور جونہی وہ کوئی آسمانی صداقت پیش کرتا ہے تو یہ اُس کے برخلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تمام انبیاء سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ ہر نبی کی بعثت پر منکرین نے یہی جواب دیا کہ یہ رسول کیونکر سچا ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی تعلیمات، عقائد اور اعمال ہمارے اور ہمارے آباء کے خلاف ہیں۔ بلکہ وہ لوگ اپنے علم پر متکبر ہو گئے اور اسی کی بناء پر انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ فرمایا فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ[1] (المؤمن ع)

علماء کے امام مہدی کے مخالف ہونے کی پیشگوئیاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مصلح دوراں ہو کر آئے۔ اب اگر یہ لوگ یا ان کے علماء آپ پر یہ اعتراض نہ کرتے تو مقامِ تعجب تھا لیکن

---

[1] ترجمہ۔ وہ لوگ (نبی کے منکر علماء) اپنے علم پر مغرور ہو گئے۔

اس میں کوئی استعجاب نہیں کہ انہوں نے حضورؑ کے عقائد کو الحاد سے منسوب کیا اور آپؑ کی تعلیم کو اور اخلاق کو مخالفِ اسلام و سنّتِ خیر الانامؐ قرار دیا۔ اوّل تو اس لئے کہ ضروری تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی دیگر مصلحین کی طرح مخالفین و معاندین کی طرف سے یہ طعنے سننے پڑتے۔ خدا کے قدیم اور ثابت شدہ عام قانون کا یہی اقتضاء تھا۔ دوسرے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خصوصیّت سے پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ علماء وقت آپؑ کے سخت دشمن ہوں گے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانہ میں علماء کی حالت بایں الفاظ بیان فرمائی ہے عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم) کہ وہ رُوئے زمین پر بدترین مخلوق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ علماء کی یہ زبوں حالی اُسی وقت سے متعلق ہوسکتی ہے جب اُمّت پر نہایت تاریک بادل اور ظلمت فتن گھٹائیں چھا رہی ہوں، اور یہی وقت مسیح اور مہدی کی آمد کا ہے۔ گویا اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے مخالف مولویوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے اور اسی حدیث نبویؐ سے استنباط کرکے نیز اپنے کشوف کی بناء پر اولیاء اُمّت نے صراحتًا لکھا ہے کہ جب حضرت امام مہدی ظاہر ہوں گے تو اُس وقت کے مولوی اور علماء اس کے سخت مخالف ہوجائیں گے۔

(۱) حضرت مجدّد الف ثانی مہدی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

”نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات او را علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسلام از کمال دقّت وغموض ماخذ انکار نمایند و مخالفِ کتاب و سُنّت دانند۔“ (مکتوباتِ امام ربّانی جلد ۲ ص۱۰۷)

(۲) اقترابُ الساعۃ میں لکھا ہے:۔

”یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہوگا کہ اگر وہ آگئے سارے مقلد بھائی انکے جانی دشمن بن جائیں گے۔ ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے۔ کہیں گے یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے۔“ (اقترابُ الساعۃ ص۲۲۴)

(۳) حضرت شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں:۔

”اِذَا خَرَجَ هٰذَا الْاِمَامُ الْمَهْدِیُّ فَلَيْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً۔“ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۲۴۲)

کہ جب امام مہدی پیدا ہوں گے تو علماء و فقہاء ان کے سخت جانی دشمن ہونگے۔“

(۴) نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے :-

"چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاءِ سنت و اماتتِ بدعت فرماید علماء وقت کہ خوگرِ تقلیدِ فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں مرد خانہ برانداز دین وملتِ ما است و بمخالفت برخیزند و بحسب عادتِ خود بتکفیر و تضلیل وے کنند" (حجج الکرامہ ص۳۶۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو حکَم قرار دیکر بظاہر فرما دیا تھا کہ صحیح عقائد وہی ہوں گے جو مسیح موعود پیش کرے گا۔ درست تعلیم وہی ہو گی جسے وہ مہدی معہود لائے گا۔ افسوس یہ لوگ مسیح موعود کے لئے چشم براہ تھے۔ چودھویں صدی کا سر اس کی تاریخ بتاتے تھے۔ لیکن جب وہ معہود ظاہر ہؤا تو یہی لوگ اوّل الاعداء بن گئے۔ گویا یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ کا مصداق بن گئے۔ نعم ما قال السیّد المسیح الموعودؑ ؎

یا وہ دن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دین ‏ مہدیٔ موعود حق اب جلد ہو گا آشکار

پھر وہ دن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی ‏ سب سے اوّل ہو گئے منکر یہی دیں کے منار

معترض پٹیالوی نے فصل ہذا کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ :-

"فصل ہذا میں عام اعتقاداتِ اسلامیہ کے متعلق مرزا صاحب کے خیالات کا اظہار مزید کیا جاتا ہے۔ جس سے ناظرین پر روشن ہو جائے گا کہ مرزا صاحب کس قسم کے اسلام کو مانتے تھے اور ان کے اخلاق کہاں تک اسلامی اخلاق کہلانے کے مستحق تھے" (عشرہ ص۱۰)

گویا بالفاظِ دیگر متذکرۃ الصدر پیشگوئی کی پوری پوری تصدیق کی ہے نیز قرآن کریم کے ارشاد يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ (کہ اس احمدؐ کو لوگ اسلام کی طرف بلائیں گے) کی بھی تائید کی ہے۔ (سورۃ الصف)

اس فصل میں اگرچہ عام طور پر پامال شدہ اور پچھلے ہی اعتراضات کو دُہرایا ہے لیکن تاہم ان کے زور دینے کے باعث ضروری ہے کہ اس کے جواب کو زیادہ تفصیل سے ذکر کیا جائے۔ اس فصل کے دس فقرات میں متعدد اعتراضات مذکور ہیں اسلئے ہر فقرہ کے نیچے اعتراض کو قولہ کے ساتھ ذکر کرکے اقول لکھ کر اس کا جواب دیا جائے گا۔

فقرہ اوّل "توحید و ذاتِ باری اور مشرکانہ اقوال"

(۱) **قولہ**:- "قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلاثۃ۔ وہ لوگ ضرور کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ اس آیت میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی بیخکنی مقصود تھی لیکن مرزا صاحب پاک توحید کے ساتھ پاک تثلیث کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "ان دونوں محبتوں کے کمال سے جو خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر نر و مادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبتِ الٰہی کی آگ سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ اس کا نام پاک تثلیث ہے اسلیئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن اللہ کے ہے۔" (عشرہ صنا۔ توضیح المرام ص۴۲)

اقول۔ معترض پٹیالوی نے اس اعتراض میں بے ذوقی کے علاوہ سخت خیانت سے کام لیا ہے۔ جلی فقرات کو علامت " " میں رکھ کر اس نے یہ جتلانا چاہا ہے کہ یہ عبارت بعینہٖ حضرت مرزا صاحبؑ کی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔ فرمایا:-

"اُوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت قوی ایمان سے ملی ہوئی ہے جو اوّل بندہ کے دل میں بارادۂ الٰہی پیدا ہو کر ربِّ قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہے ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر الٰہی محبت کے چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کی ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ سو اس درجہ کے انسان کی روحانی پیدائش اسوقت سے سمجھی جاتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے ارادۂ خاص سے اس میں اس طور کی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اس مقام اور اس مرتبہ کی محبت میں بطور استعارہ یہ

کہنا بے جا نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے بھری ہوئی روح اس انسانی روح کو جو بارادۂ الٰہی اب محبت سے بھر گئی ہے ایک نیا تولد بخشتی ہے۔ اسی وجہ سے اس محبت سے بھری ہوئی روح کو خدا تعالیٰ کی روح سے جو نافخ المحبت ہے استعارہ کے طور پر ابنیت کا علاقہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کے لئے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت ہے حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر ٹھیرایا ہے۔" (توضیح مرام صفحہ ۲۱-۲۲)

ناظرین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے۔ کیا اس میں حضرت مسیح موعودؑ نے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث الوہیت کی تصدیق کی ہے یا تردید؟ حضورؑ نے اُن لوگوں کو "ناپاک طبیعتوں" کے خطاب سے مخاطب کیا ہے جو انسان کو درجۂ الوہیت سے متصف قرار دیں اور مشرکانہ خیال رکھیں۔ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ معترض پٹیالوی اسی کو حضرت کا شرک بتا رہا ہے گویا ع "دزدے کہ بکف چراغ دارد" والی بات ہے۔

اس اقتباس کے نقل کرنے کے بعد اگرچہ ضرورت نہیں ہے تاہم مزید توضیح کے لئے لکھتا ہوں کہ غور کرو جس چیز کو قرآن مجید نے لعنت اور کفر کا موجب قرار دیا ہے وہ تمہارے لفظوں میں ہی یہ ہے کہ "خدا تین میں سے ایک ہے" کا اعتقاد رکھا جائے یعنی تین خدا مساوی مانے جائیں۔ کیا اُوپر کی عبارت سے کوئی موٹی عقل کا انسان بھی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحبؑ تین خداؤں کے قائل ہیں؟ حاشا وکلا۔

حضرتؑ نے اپنی تحریر میں تین محبتوں کا ذکر کر کے اس کا نام پاک **تثلیث** قرار دیا ہے۔ اس لفظ کو موجب اعتراض گردانا اور بھی جہالت کا مظاہرہ ہے۔ کیونکہ لفظ تثلیث کے لغوی معنے صرف اس قدر ہیں کہ تین بیان کرنا۔ عیسائیوں نے اس لفظ

کو اپنی اصطلاح میں تین خداؤں کے لئے مخصوص کر دیا۔ چونکہ خدا ایک ہی ہے اسلئے نصاریٰ کی اصطلاح غلط ہے۔ ہاں لیکن ان یصطلح کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بندہ کی ابتدائی محبت' اللہ تعالیٰ کی محبت' پھر ان کے مجموعہ سے ایک تیسری اور خاص محبت' ان تینوں کے مجموعہ کو پاک تثلیث قرار دیا تو اس میں کیا حرج لازم آیا۔ بلکہ اگر غور کیا جاتا تو یہ نصاریٰ کے خیال باطل پر ایک کاری ضرب ہے۔ اتنا تو سوچو کہ کیا ہم محض اسلئے ایک لفظ کو چھوڑ دیں اور اس کے لغوی مفہوم کو مدنظر رکھ کر ایک اصطلاح نہ قائم کریں۔ کہ نصاریٰ اس لفظ کو ایک غلط مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو "مقدس باپ" اور "پاک بیٹا" کا لفظ بھی ترک کر دیں کیونکہ عیسائی تثلیث کے ماتحت ہی خدا کو مقدس باپ اور مسیح کو مقام ابنیت کے لحاظ سے پاک بیٹا کہتے ہیں۔ کیا ہم یہ لفظ چھوڑ دیں گے اور اسکے عام مفہوم میں استعمال نہ کریں گے؟ پھر میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید نے صرف تین خداؤں ہی کی تردید نہیں کی بلکہ فرقہ ثانویہ کا بھی رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں۔ فرمایا لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ (النحل ع) تم دو خدا مت بناؤ۔ کیا فرقہ ثانویہ کے خیال کے مطابق ہم آئندہ "پاک جوڑا" کا لفظ بھی ترک کر دیں؟ پھر کیا قرآن مجید سے "ازواج مطہرہ" جس کے معنی ہیں "پاک جوڑے" اس کو بھی خارج کر دیا جائے گا؟ غرض پٹیالوی صاحب نے یہ اعتراض کر کے درحقیقت کمال ناواقفی کا ثبوت دیا ہے۔ ہم ایسے معترضین کو بتانا چاہتے ہیں کہ لفظی نزاع کی بجائے حقیقت پر غور کیا کریں۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری بعض علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مختصر مگر صاف لفظوں میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں ایک نئی تثلیث قائم ہوئی ہے جو عیسائیوں کی تثلیث سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ کسی طرح نہیں چاہتے کہ کسی قومی کام میں مل کر کام کریں۔" (اخبار اہلحدیث ۵ اپریل ۱۹۱۲ء صلا کالم ۲)

کیا اس "نئی تثلیث" سے مراد نئے تین خداؤں کا تقرر ہے جو کسی قومی کام میں مل کر کام نہیں کرنا چاہتے؟ خدارا ذرا انصاف سے کام لو۔ حضرت مرزا صاحب کی عداوت

تم کو دین و دنیا میں ذلیل و رسوا کر رہی ہے۔ کیا اب بھی یہی کہتے جاؤ گے کہ حضرت مرزا صاحب نے لفظ **پاک تثلیث** میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی تصدیق کی ہے؟

ان لوگوں کے اس قدر کھلے جھوٹ اور افتراء کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ یوم الجزاء کو بالکل بھول چکے ہیں اور خدا کا خوف ان کے نزدیک محض ایک وہم ہے۔ آہ وہ مقدس انسان جو برطانیہ کی ملکہ معظمہ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے لکھتا ہے:-

> "اس نے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ اکیلا اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے جس کی مانند اور کوئی نہیں۔
>
> (تحفہ قیصریہ ص۱ طبع سوم)

اُس پر یہ اتہام باندھا گیا کہ وہ نصاریٰ کے مشرکانہ عقیدۂ تثلیث کا مؤید تھا۔ ع

اللہ اکبر یہ خیال ان کا کس قدر ہے نابکار

(۲) **قولہ** :- "مرزا صاحب نے ایسے گندے عقائد (تثلیث) کی پاک اور ناپاک دو قسمیں بنا دی ہیں تو مرزائیوں میں پاک جھوٹ، پاک شرک، پاک جوئے وغیرہ کا بھی ضرور رواج ہونا چاہیئے۔" (عشرہ ص۱۰۱)

اقول ۔ تثلیث کے معنے تین بیان کرنا یا تین قرار دینے کے ہیں جیسا کہ اُوپر عرض ہو چکا ہے۔ گویا یہ عدد ہے، اس کے ساتھ جیسا معدود لگاؤ ویسا ہی یہ عدد بن جائے گا۔ یہی حال ایک دو اور باقی اعداد کا ہے۔ خدا ایک ہے اور توحید پاک ہے۔ مگر ایک بُت یا ایک سُور کو ہم پاک نہیں مان سکتے ہیں۔ اسی طرح تین خداؤں کا عقیدہ ناپاک ہے۔ لیکن تین رسول یا تین وتر پاک ہیں۔ اہلِ انطاکیہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے پہلے دو رسول بھیجے۔ پھر فرمایا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یٰس ع۲) کہ تیسرے رسول کو بھیج کر ان کو زیادہ معزز کر دیا۔ معلوم ہوا کہ عدد کی پاکیزگی و ناپاکی معدود کی طہارت و عدم طہارت پر منحصر ہے۔ اب معترض کی امثلہ اور لفظ "پاک تثلیث" میں فرق نمایاں ہو گیا۔ تثلیث عدد ہے اور عدد کے بیان کرنے کا لفظ۔ لیکن جھوٹ، شرک، جوا ایسے نہیں ہیں بلکہ فی ذاتہ بُرے ہیں۔ اعداد میں سے کوئی عدد اپنی ذات میں نہ بُرا ہے نہ پاک۔ اندریں صورت "مرزائیوں" کو ایسا مشورہ

دینے والے کو اپنی دماغی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ ولیس۔

(۳) قولہ:- "قرآن شریف فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ مگر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر ہیں۔ عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس کی تاریں بھی ہیں" (توضیح المرام ص۸۵۔ عشرہ ص۱۱)

اقول:- آیئے! ہم پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ دیکھیں۔ حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:-

"اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھلانے کے لئے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج۔ اور لاانتہا طول اور عرض رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجودِ اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحۂ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالَم نام ہے۔" (توضیح مرام ص۸۵)

اب غور فرمایئے کیا یہ تمثیل جو تخیل اور فرض کے طور پر ہے قابلِ اعتراض تھی؟ حالانکہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان اعضاء سے مراد حقیقی اعضاء نہیں بلکہ ان مختلف عالموں اور جہانوں کو بمنزلہ اعضاء قرار دیا گیا ہے جو مختلف کرہ جات وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ تمثیل تو ویسی ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ الآیۃ (نور ع۵) کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی ہے جس میں چراغ ہو۔ اور چراغ پھر شیشہ میں ہو۔ جو چمکیلے ستارہ کی مانند ہے۔ الخ کیا پہلے نادانوں نے اس آیت قرآنی پر بھی اعتراض کر کے اپنی جہالت کا ثبوت نہ دیا تھا؟ پھر کیا ضرور تھا کہ معترض پٹیالوی بھی اسی گروہ میں شامل ہو جاتا؟

بے شک کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مانند نہیں۔ یہی حضرت مرزا صاحبؑ کا مذہب

ہے جیسا کہ اُوپر بحوالہ تحفہ قیصریہ ذکر ہو چکا ہے۔ ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

"وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ اور وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔" (الوصیت ص)

لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ بالا عبارت میں کسی چیز کو خدا کی مانند قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فبطل ما کانوا یأفکون۔

رؤیت باری تعالیٰ پر بحث

(۴) قولہ: "قرآن شریف فرماتا ہے لا یدرکہ الابصار۔ آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں" (صاحب الہام لوگوں سے) خدا قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ پر سے جو نورِ محض ہے اُتار دیتا ہے الخ" (عشرہ ص)

اقول: اگر آپ آیت پوری پڑھ لیتے تو آپ کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (الانعام ع)

آنکھیں ذاتِ باری کا خود ادراک نہیں کر سکتیں، ہاں وہ آنکھوں کو ادراک تک پہنچاتا ہے کیونکہ وہ لطیف و خبیر ہے۔ گویا یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک انسانی وسعت اور طاقت سے باہر ہے۔ ہاں جب خدا خود ادراک کروانا چاہتا ہے تو پھر ممکن ہوتا ہے۔ یعنی ہر آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی لیکن جس آنکھ کو خدا اپنا وجود دکھلانا چاہے وہ دیکھ سکتی ہے اور صاحبِ الہام لوگوں کو خدا اپنا نوری وجود دکھلاتا ہے تا وہ اس کی ہستی کے عینی گواہ بن سکیں۔ پس اوّل تو آیت کے اگلے حصہ میں ہی اعتراض کا جواب ہے۔ دوم آیت قرآنی میں ادراک کی نفی ہے رؤیت اور دیدار کی نفی نہیں۔ ادراک کے کیا معنے ہیں؟ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:-

---

[1] آیت میں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ہے۔ (مؤلف)

"اِس آیت (لا تدرکہ الابصار) کے یہ معنی ہیں کہ آنکھیں پورے طور پر اور جملہ اطراف سے خدا کا احاطہ نہیں کر سکتیں جیسے کہ جسم کو دیکھنے سے اس کی ہر خصوصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ویسے خدا کا ٹھیک ٹھیک احاطہ آنکھوں کی استعداد سے باہر ہے۔" (علم الکلام صـ۲۴)

پھر نبراس میں لکھا ہے:-

"لَا نُسَلِّمُ اَنَّ الْاِدْرَاکَ هُوَ الرُّؤْيَةُ مُطْلَقًا بَلْ هُوَ الرُّؤْيَةُ عَلٰى وَجْهِ الْاِحَاطَةِ يُقَالُ رَاَيْتُ الْهِلَالَ وَمَا اَدْرَكْتُهٗ لِلْغَيْمِ فَالْمَنْفِيُّ هُوَ الرُّؤْيَةُ عَلٰى وَجْهِ الْاِحَاطَةِ لَا الرُّؤْيَةُ الْمُطْلَقَةُ۔" (شرح لشرح العقائد صـ۲۵۱)

یعنی ادراک کلی احاطہ والی رؤیت کو کہتے ہیں۔ مطلق دیکھنے کو ادراک نہیں کہتے۔ بلاشبہ آنکھیں اِن معنوں سے ذاتِ باری کا ادراک نہیں کر سکتیں اسی لئے حضرت مرزا صاحبؑ کی عبارت میں "کسی قدر پردہ" کا لفظ موجود ہے۔ اِس جواب کو بالفاظِ دیگر یوں سمجھ سکتے ہیں کہ آیت میں احاطہ والی رویت کا انکار ہے اور حضرت مرزا صاحبؑ کی تحریر میں رؤیتِ جزوی کا اقرار ہے۔ فلا تعارض بینہما۔

سوم۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں آنکھوں سے مراد ظاہری آنکھیں ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان میں روحانی آنکھیں مراد ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو ایک لطیف اور وراء الوریٰ ہستی ہے اس کو ظاہری محدود آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن روحانی آنکھوں سے دیدار ضروری ہے جو صاحبِ الہام لوگوں کو ہوتا ہے۔ قرآن مجید خود ایک دوسری جگہ فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل ع۸) جو اِس جہان میں اندھا ہے وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ اِس جگہ اعمیٰ سے مراد ظاہری آنکھوں سے محروم نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اِس دنیا میں بصیرت کی آنکھ سے خدا کو نہیں دیکھتا وہ مراد ہے۔ گویا خدا کو دیکھنے والی آنکھیں اِسی دنیا میں ملتی ہیں۔ اِسی لئے دوزخیوں کو کہا جائیگا اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ

فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (الحدید ع۲)

اندریں صورت حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت توعین آیت قرآنی کا ترجمہ ہے۔
جس پر محض جہالت سے اعتراض کر دیا گیا ہے۔ افسوس ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

چہارم۔ اگر یہ درست ہے کہ صاحب الہام لوگ خدا کو کسی رنگ میں بھی نہیں دیکھ سکتے تو پھر بتلائیے کہ ان حوالجات اور ان کے کہنے والوں کے متعلق آپ کیا فتویٰ دینگے؟

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَتَانِیَ اللَّیْلَۃَ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ (ترمذی جلد ۲ ص۱۵۵) کہ میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔"

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّہٗ مَرَّتَیْنِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَمَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ (زرقانی جلد ۶ ص۱۱۷) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھوں کے ساتھ ایک دفعہ دل کے ساتھ۔"

(۳) قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الْاَشْعَرِیُّ وَجَمَاعَۃٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ اَنَّہٗ رَاَی اللّٰہَ بِبَصَرِہٖ وَعَیْنَیْ رَاْسِہٖ (الشفا لقاضی عیاض ص۱۹۰) امام ابوالحسن اشعری اور ایک جماعت کا قول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی نظر اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہی فرمایا جو اُمت کے سارے بزرگ کہتے رہے ہیں۔ اس پر اعتراض کرنا گویا سب حقائق کا انکار کرنا ہے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت مذکورہ میں "جو نور محض ہے" صاف بتا رہا ہے کہ حضرتؑ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں کہ اس کی جسمانی شکل میں اس کو دیکھا جائے۔ بلکہ یہ دیدار اور زیارت نورانی ہے جس کا سب اہل علم اقرار کرتے ہیں تفصیل کے لئے نبراس کا باب "رؤیۃ اللہ تعالیٰ" ملاحظہ کریں جہاں طویل بحث کر کے آخر یہی ثابت کیا گیا ہے:۔

ھٰذَا مُشْعِرٌ بِاِمْکَانِ الرُّؤْیَۃِ فِی الدُّنْیَا وَلِھٰذَا اِخْتَلَفَ الصَّحَابَۃُ

فِی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رَاٰی رَبَّہٗ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ اَمْ لَا وَالْاِخْتِلَافُ فِی الْوُقُوْعِ دَلِیْلٌ عَلَی الْاِمْکَانِ وَ اَمَّا الرُّؤْیَۃُ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ حُکِیَتْ عَنْ کَثِیْرٍ مِّنَ السَّلَفِ وَلَا خَفَاءَ فِی اَنَّھَا نَوْعُ مُشَاھَدَۃٍ بِالْقَلْبِ دُوْنَ الْعَیْنِ (نبراس ۲۱)

پس معترض کا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

الہام ربنا عاج پر اعتراض کا جواب

(۵) قولہ: "ربنا عاج کے متعلق لکھا کہ معنے معلوم نہیں۔ سنو عاج کے معنے ہاتھی دانت۔ استخوانِ فیل۔ گوبر وغیرہ۔ اب مرزائی صاحبان کی مرضی ہے کہ اس الہام کی رُو سے اپنے خدا کو ہاتھی دانت کا سمجھ لیں یا گوبر گنیش ع بریں عقل و ایماں تفاخر کنید" (ملخصاً عشرہ ص۱۰۱)

اقول: مصنف عشرہ نے ابتداء کتاب میں اپنے "کم علم" ہونے کا اقرار کیا ہے۔ ہماری دانست میں اگر وہ ایسا اقرار نہ بھی کرتے تب بھی ان کی کم علمی نہایت عُریاں تھی لیکن اس قسم کے اعتراضات سے جہاں ان کی کم علمی بلکہ عدم علم (جہل) کا ثبوت ملتا ہے وہاں شرارت بھی ظاہر ہے معترض پٹیالوی اس جگہ حضرتؑ کا الہام براہین احمدیہ ص۵۵۵ سے بایں الفاظ نقل کرتا ہے:

اغفر وارحم من السماء ربنا عاج

اور پھر عاج کے ایسے گندے معنے کرتا ہے۔ کیا مغفرت اور رحم کا قرینہ اس کی عقل کی رہنمائی نہ کر سکا کہ اس جگہ کیا معنے کرنے چاہئیں۔ کیا پھر ایسی عقل پر ماتم نہ کرنا چاہیے؟

میرے بھائیو! ہم کس بنا پر آریوں اور عیسائیوں کو مکر، کید وغیرہ کے معنے فریب کرنے میں مجرم گردانتے ہیں جبکہ منکر پٹیالوی ایسی قماش کے لوگ ربنا عاج کے معنوں میں اپنی گندی فطرت کا ثبوت دیتے ہیں؟ کسی نے خوب کہا ہے اَلْاِنَاءُ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ صاف بات تھی کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی نسبت وارد ہوا ہے اس کے وہی معنے کرنے چاہئیں جو اسکے

شایانِ شان ہوں ۔ قرآن مجید میں خدا کے ہاتھوں (یَدَاہُ مَبۡسُوۡطَتَانِ) اور چہرہ کا ذکر آیا ہے ۔ اگر کوئی نادان اس سے ہمارے ہاتھوں کی طرح کے ہاتھ مراد لے تو ہم اُسے بے وقوف ہی کہیں گے ۔ کیونکہ خدا کے ہاتھ اُسی کی شان کے مطابق ہیں ۔ اسی طرح اس کا سمیع و بصیر ہونا بھی اپنے رنگ میں ہے ۔ اسی طرح لفظ عاج کے معنے بھی اللہ کی شان کے مناسب ہی کرنے چاہئیں ۔

بے شک اس لفظ کے معنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر نہیں فرمائے بلکہ حضور نے براہین احمدیہ کے زمانہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کے معنے مجھ پر نہیں کھلے ۔ یہ بیان اگرچہ حضرت اقدسؑ کی صداقت کا درخشندہ ثبوت ہے ۔ مگر جن لوگوں کے دلوں پر پردے ہیں اُن کے لئے یہ بھی قابل اعتراض ہے ۔ ایسے لوگوں کی آگاہی کے لئے اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ مقطعات قرآنی کے متعلق تفاسیر میں لکھا ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں یہ صرف اللہ کو ہی پتہ ہے ۔ مثلاً امام رازی کی تفسیر کبیر میں لکھا ہے :-

"فی قولہ تعالیٰ الٓمّٓ وما یجری مجراہ من الفواتح قولان احدھما ان ھٰذا علمٌ مستورٌ وسرٌّ محجوبٌ استأثر اللہ تبارک و تعالیٰ بہٖ قال ابوبکر الصدیق فی کلّ کتاب سرٌّ وسرّہ فی القراٰن اوائل السور" (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۲)

کہ مقطعات کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ مخفی علم اور پوشیدہ راز ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں اللہ کا بھید ہوتا ہے اور اس کا راز قرآن میں سورتوں کے ابتدائی الفاظ ہیں "

پھر نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں :-

"لا بُعد فی تکلّم اللہ تعالیٰ بکلام مفید فی نفسہٖ لا سبیل لاحدٍ الیٰ معرفتہ الیست فواتح السور من ھٰذا القبیل وھل یجوز لاحدٍ ان یقول انّہ کلام غیر مفید وھل لاحد سبیل الیٰ ادراکہٖ" (السراج الوھاج شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۶۲)

ترجمہ "یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی عبارت میں کلام کرے جو فی ذاتہٖ مفید ہو لیکن کوئی نہ سمجھ سکے ۔ کیا سورتوں کے پہلے الفاظ مقطعات اسی طرز کے

نہیں؟ کیا کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ان کو غیر مفید بتائے یا پھر
ان کا علم حاصل کر سکے؟"

پس معترضین کے لئے یہ تو ہرگز گنجائش نہیں کہ وہ عاج کے لفظ کے معنے نہ کھلنے کی وجہ سے اعتراض کریں۔ آئیے اب ہم یہ بتائیں کہ عاج کے معنے از روئے لغت کیا ہیں؟ الہام مذکور میں اس کے معنے گو برایا ہاتھی دانت کرنا کسی بھس بھرے دماغ کا ہی کام ہے! از روئے لغت عاج۔ کے دو معنے ہو سکتے ہیں کیونکہ اسے عَاجٍ اور عاجٌّ پڑھا جاسکتا ہے

(۱) لفظ عاجٍ اسم فاعل ہے۔ اس کا مادہ عَجُوۃ ہے جس کے معنے ہیں:۔

"شیر یکر طفل یتیم را خورانند" (منتہی الارب)

پس ربّنا عاجٍ کے معنے ہوں گے۔ ہمارا رب وہ ہے جو ہماری یتیمی کی حالت میں بھی خالص دودھ پلانے والا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان دنوں جبکہ ایمان ثریا پر جا چکا تھا اور زمینی کنوئیں (علماء و صوفیاء) بھی خشک ہو چکے تھے اور ہم کس مپرسی کی حالت میں تھے ہمارے رب نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور آسمانی دودھ سے بہرہ یاب فرمایا۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے حضرتؑ نے فرمایا ہے ؎

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار

الہام الٰہی "آسمان سے بہت دودھ اترا ہے محفوظ رکھو" (تذکرہ ص۶۵۳) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) لفظ عاجٌّ اسم فاعل ہے۔ اس کا مادہ عَجٌّ ہے جس کے متعلق صراح اور منتہی الارب میں لکھا ہے:۔

"عجّ۔ عجّاً و عجیجاً برداشت آواز را و بانگ کرد۔ منہ الحدیث اَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ یعنی برداشتن آواز را و قربان کردن ہدیہ را۔"

پس ربّنا عاجٌّ کے معنے ہوں گے کہ ہمارا خدا آواز بلند کرنے والا ہے یعنی اس کے احکام کا ہی غلبہ ہوگا۔ اسی مفہوم میں حضرتؑ نے فرمایا ؎

ہمچو اصوات السماء جاء المسیح جاء المسیح ❊ نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا کہ رتبنا عاجؑ کے کیسے واضح معنے ہیں مگر جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ غیر واضح مفہوم کو لے کر فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ خیبھم اللہ فی سعیہم۔

ذاتِ باری کی تصویر کے اعتراض کا جواب

(۶) قولہ۔ حقیقۃ الوحی ص۲۵ میں لکھتے ہیں:۔

"پس روحانی طور پر انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ وہ اس قدر صفائی حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کی تصویر اس میں کھینچی جاوے۔"

توضیح المرام ص۷۵ میں حضرت جبرائیل کی نسبت لکھتے ہیں کہ:۔

"وہ خدا سے سانس کی ہوا یا آنکھ کے نور کی طرح نسبت رکھتا ہے اور خدا کی جنبش کے ساتھ ہی وہ بھی جنبش میں آجاتا ہے جیسا کہ اصل کی جنبش سے سایہ کا ہلنا طبعی طور پر ضروری امر ہے ...... تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے نام سے موسوم کرنا چاہیئے۔ محب صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے۔"

ناظرین! خدا تعالیٰ کی عکسی تصویر محب کے دل پر گزشتہ تیرہ سو سال میں مرزا صاحب کے سوائے اور کسی نے کبھی نہیں کھینچی تھی۔ مرزا صاحب نے اپنی عکسی تصویر اتروا کر مریدوں میں تقسیم کروائی۔ بجائے اس کے اپنے دل پر سے خدا کی تصویر کا عکس کیوں نہ اتروا لیا۔ تاکہ تمام لوگ اللہ میاں کی زیارت تو ان آنکھوں سے کر لیتے جس سے از ابتدائے آفرینش محروم ہیں..... بچہ بچہ جانتا ہے کہ تصویر ہمیشہ خارجی و مادی وجود کی ہوتی ہے خواہ دستی ہو یا عکسی۔ غیر مادی وجود کی تصویر بنانی ناممکن ہے..... جب اللہ کا جسم ہی نہیں تو تصویر کیسی؟ حضرت جبرائیل کو خدا کا سانس یا خدا کی آنکھ کا نور یا خدا کے جسم کا سایہ بتانا اور اس پر اعتقاد رکھنا مرزا صاحب اور ان کی اُمت کو ہی مبارک ہو مسلمان تو ان مشرکانہ عقائد سے سخت بیزار ہیں۔" (عشرہ ص۱۰۱)

اقول۔ (الف) معترض پٹیالوی کے اعتراض کی بنیاد جن دو حوالوں پر ہے ان کے پیش کرنے میں اس نے یہودیانہ کتر و بیونت سے کام لیا ہے اسلیئے ہم پہلے اصل حوالجات نقل کرتے ہیں۔ حقیقۃ الوحی کا مکمل حوالہ حسب ذیل ہے۔ حضرت فرماتے ہیں :۔

"روحانی طور پر انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ وہ اس قدر صفائی حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کی تصویر اس میں کھینچی جائے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی مَیں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ تصویر ایک چیز کی اصل صورت کی خلیفہ ہوتی ہے یعنی جانشین۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس جس موقع پر اصل صورت میں اعضاء واقع ہوتے ہیں اور خط و خال ہوتے ہیں۔ اسی اسی موقع پر تصویر میں بھی ہوتے ہیں۔ اور حدیث شریف نیز توراۃ میں بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ پس صورت سے مراد یہی روحانی تشابہ ہے" (صفحہ ۳۵)

توضیح مرام کا حوالہ۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے القاء یا ملکہ وحی کے عطا کرنے کے لئے بھی کوئی مخلوق خدا تعالیٰ کے الہامی اور روحانی ارادہ کو بمنصۂ ظہور لانے کے لئے ایک عضو کی طرح بن کر خدمت بجا لاوے جیسا کہ جسمانی ارادوں کے پورا کرنے کے لئے بجا لا رہے ہیں۔ سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جبریل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو بہ تبعیت حرکت اس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آجاتا ہے یعنی جب خدا تعالیٰ محبت کرنے والے دل کی طرف محبت کے ساتھ رجوع کرتا ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ بالا جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے جبریل کو بھی جو سانس کی ہوا یا آنکھ کے نور کی طرح خدا تعالیٰ سے نسبت رکھتا ہے اس طرف ساتھ ہی

حرکت کرنی پڑتی ہے یا یوں کہو کہ خدا تعالیٰ کی جنبش کے ساتھ ہی
وہ بھی بلا اختیار و بلا ارادہ اسی طور سے جنبش میں آجاتا ہے
کہ جیسا اصل کی جنبش سے سایہ کا ہلنا طبعی طور پر ضروری امر ہے
پس جب جبریلی نور خدا تعالیٰ کی کشش اور تحریک اور
نفخہ روحانیہ سے جنبش میں آجاتا ہے تو معاً اس کی ایک
عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا
چاہیئے۔ محب صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے اور
اس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھیر جاتی ہے۔ تب یہ قوۃ
خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی اور اس کے
عجائبات کے دیکھنے کے لئے آنکھوں کا قائم مقام ہو جاتی ہے اور
اس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کے لئے ایک ایسی محرک حرارت
کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر
چلاتی ہے" (صفحہ ۷۹)

قارئین کرام! آپ غور فرما دیں کہ کیا ان عبارتوں میں خدا تعالیٰ کی
تصویر بن جانے کا ذکر ہے۔ توضیح المرام کے حوالہ میں معترض نے ایک سطر چھوڑ کر
دھوکہ دیا تھا مکمل حوالہ پڑھنے سے صاف نکل جاتا ہے کہ اس جگہ جبریلی نور کی عکسی
تصویر کا ذکر ہے اور وہ بھی صرف روح القدس کے معنوں میں حقیقۃ الوحی کے
حوالہ میں روحانی تصویر کا ذکر ہے۔ اس کی تشریح کرنے کے بعد صاف لکھا ہے
کہ صورت سے مراد روحانی تشابہ ہے۔ کیا روحانی تشابہ کا ذکر غلط ہے
یا شرک ہے؟ بہر حال معترض پٹیالوی نے حقیقۃ الوحی اور توضیح المرام کے حوالہ
سے جو اتہام باندھا ہے سراسر غلط ہے سے

خشت اول چوں نہد معمار کج ﷺ تا ثریا مے رود دیوار کج

(ب) بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک لطیف وجود ہے جو حدود و قیود اور تحیز و
تجسم سے بالا ہے اسلیئے اس کی جسمانی تصویر ناممکن محض ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات
کے لحاظ سے ایک روحانی تصور ضروری ہے جس کو انسانی عقل سمجھ سکے۔ لا یکلف اللہ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ غیر مادی وجود کی جسمانی تصویر ناممکن ہے لیکن روحانی اور تمثیلی تصویر ممکن ہے۔ مثلاً وفاداری، محبت اور غضب غیر مادی چیزیں ہیں، مگر روزمرہ محاورات میں بولا جاتا ہے۔ فلاں شخص پیکرِ وفا اور تصویرِ محبت ہے یا مجسّم غضب ہے تصویر سے مراد روحانی اور تمثیلی تصویر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے بھی ایسے روحانی تصور کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں بلکہ تمام الہامی کتابیں اس پر متفق ہیں دیکھیے

(۱) تورات میں لکھا ہے :۔

"تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنائیں"۔
(پیدائش ۱/۲۶)

(۲) قرآن مجید میں ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ میں زمین میں اپنا قائم مقام بنانیوالا ہوں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنا مظہر بنایا"۔ (مجموعہ فتاوی حصہ دوم صـ۲۷)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ (بقرہ ع ۱۶) تم اللہ تعالیٰ کا رنگ پیدا کرو، اس میں رنگین ہو جاؤ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا رنگ کس کا ہو سکتا ہے"۔

(۳) حدیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ پھر تاکیداً فرمایا تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔

کیا ان حوالجات کی موجودگی میں کوئی دیانتدار شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے؟

(ج) آج ہمارے مخالف محض لفظ تصویر، اور وہ بھی روحانی تصویر، پر اس طرح معترض ہو رہے ہیں کیا ان کو یاد نہیں کہ اسلام کے نادان مخالف قرآن مجید اور حدیث پر بھی یہی اعتراض کرتے رہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) خدا کی انگلیاں بھی ہیں، حدیث میں ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کہ مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہوتا ہے۔

(۲) اس کے ہاتھ بھی ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے یَدٰهُ مَبْسُوْطَتَانِ (مائدہ ع۹) یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح ع۱) وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ (زمر ع۷) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (ذاریات ع۳) یعنے اسکے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ خدا کا ہاتھ مومنوں کے ہاتھوں پر ہے۔ سب آسمان اس دن اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوتے ہونگے۔ ہم نے زمینوں کو ہاتھوں سے بنایا اور ہم وسیع کرنیوالے ہیں۔

(۳) اس کا چہرہ بھی ہے۔ فرمایا کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص ع۹) ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرہ کے۔

(۴) اس کے پاؤں بھی ہیں حَتّٰی یَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهٗ اَوْ رِجْلَهٗ یہاں تک کہ جہنم میں خدا تعالیٰ اپنا قدم یا پاؤں رکھیگا۔ (البخاری و مسلم مشکوٰۃ ص۵۰۳)

(۵) اس کی پنڈلی بھی ہے یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (القلم ع۲) جس دن خدا کی پنڈلی[1] ننگی کی جائے گی۔

کیا ہم اور غیر احمدی علماء اسلام کے ان مخالفین کو یہی جواب نہیں دیا کرتے کہ یہ محض استعارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ وغیرہ اس کی شان کے مناسب ہیں۔ پھر کیا آج یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اگر ہاتھ پیر روحانی ہو سکتے ہیں تو تصویر بھی روحانی ہو سکتی ہے؟

(د) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جبریل کو خدا کا سانس یا اس کی آنکھ کا نور یا اس کے جسم کا سایہ نہیں لکھا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ہاں حضرتؑ نے اتنا تحریر فرمایا ہے کہ جبریل اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیّت کا کامل مطیع ہے اور اپنے ارادہ اور اختیار کے بغیر محض منشاء الٰہی سے ہی حرکت کرتا ہے اور "بہ تبعیت حرکت اس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آجاتا ہے۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس صداقت کو تمثیلاً یوں ظاہر فرمایا کہ جس طرح انسان کے اعضاء میں کلّی توافق ہوتا ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوتے ہی ہاتھوں میں

---

[1] یہ ترجمہ غیر احمدیوں کے نزدیک ہے۔ اصل ترجمہ اس آیت کا یہ ہے۔ جس دن سخت گھبراہٹ ہوگی۔ یہ عربی کا محاورہ ہے۔ (مؤلف)

حرکت پیدا ہو جاتی ہے یا سانس کے آتے ہی ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے یا جدھر آنکھ دیکھتی ہے اُدھر ہی آنکھ کا نور بلا ارادہ کام میں لگ جاتا ہے یا جدھر انسان چلتا ہے اُس طرف اُس کا سایہ بھی حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ تمام مثالیں اطاعتِ تامہ کے اظہار کے لئے انسانی مشاہدات کے مطابق دی گئی ہیں۔ اِن کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جبریل خدا کا سانس، اس کی آنکھ کا نور، یا اس کے جسم کا سایہ ہے۔ حاشا وکلا۔ اصل عبارت آپ کے سامنے ہے۔ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں معترض نے اپنی نقل کردہ عبارت میں خیانت سے الفاظ کو ادل بدل کر دیا ہے اسلیئے ہم نے حوالہ اصل الفاظ میں درج کر دیا ہے۔

معترض "خدا کے سایہ" کو مشرکانہ عقیدہ بتاتا ہے حالانکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔ سب لوگ کہتے ہیں اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ بادشاہ خدا کا سایہ ہے۔ کیا اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک جسم ہے اور اس کا یہ بادشاہ سایہ ہے؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا فرماتا ہے کہ سات آدمی میرے سایہ میں ہوں گے اُس دن جب میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ سَبْعَةٌ تَحْتَ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ اللّٰہِ تو کیا اِس سے یہ مراد ہے کہ خدا مجسّم ہے اور اس کا سایہ دیوار کے سایہ کی طرح ہوگا؟ اُردو زبان میں "سایۂ عاطفت" کہتے ہیں، کیا عاطفت کوئی مجسّم چیز ہے؟

نیز یاد رکھنا چاہیئے کہ سایہ کا لفظ متابعت کے لئے استعارۃً مستعمل ہوتا ہے۔ ضرب المثل ہے هُوَ اَطْوَعُ لَکَ مِنْ ظِلِّکَ وہ تیرے سایہ سے بھی زیادہ تیرا مطیع ہے۔ پس اوّل تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں جبریل کو خدا کا سایہ لکھا نہیں لیکن اگر ہوتا تب بھی قابلِ اعتراض نہ تھا کیونکہ اسکے یہی معنے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری طرح متابعت کرتا ہے۔ اور خود قرآن مجید کہتا ہے وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (تحریم ع۱) کہ فرشتے وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے۔ جبریل اُن میں سے مقدم ہے۔ اسلیئے بخاری شریف میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ الْعَبْدَ نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا

فَاَحِبَّهُ فَیُحِبُّهُ جِبْرِیْلُ فَیُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِیْ اَھْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّهُ اَھْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ"

ترجمہ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو وہ جبریل کو کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ وہ اس شخص سے محبت کرتا ہے۔ پھر جبریل آسمان والوں میں منادی کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس اہل السماء اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لئے زمین میں قبولیت رکھی جاتی ہے۔" (بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے لئے سب سے پہلے تحریک جبریل کو کرتا ہے۔ پھر وہ دیگر ملائک اور نیک ارواح میں اس کی محبت کا اعلان کرتا ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اگر اسی مفہوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے رنگ میں ادا فرمایا تو اس پر یہ لوگ سیخ پا ہو رہے ہیں۔ درحقیقت ان کا بھی قصور نہیں۔ کیونکہ علم روحانیت سے یہ لوگ خالی ہیں اسلئے ہر آسمانی صداقت پر محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

(ز) مجھے ہرگز شبہ نہیں کہ معترض کے الفاظ "اپنے دل پر سے خدا کی تصویر کا عکس ہی کیوں نہ اتروا لیا" کو کوئی سمجھدار انسان قابل التفات قرار دے سکتا ہے۔ روحانی تصویر اور دل میں، پھر اس کا عکس اتار کر ظاہری فوٹو بنا کر خدا کی تصویر بنا دی جائے، یہ مقولہ یقیناً حماقتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی موقع کیلئے سعدی مرحوم فرما گئے ہیں ع

جواب جاہلاں باشد خموشی

حضرت مسیح موعودؑ کا حکم اپنے فوٹو کے متعلق

ہاں معترض نے اس ضمن میں ایک بات لکھی ہے اسکی تردید ضروری ہے اور وہ یہ کہ:۔

"مرزا صاحب نے اپنی عکسی تصویر اتروا کر مریدوں میں تقسیم کروائی۔" (عشرہ صفحہ ۱۰۲)

معترض پٹیالوی نے اِس بیان میں بھی غلط بیانی کو شیرِ مادر سمجھا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی تصویر اُتروا کر مریدوں میں ہرگز تقسیم نہیں کی۔ ہاں حضورؑ نے ایک ضرورت شرعی کے لئے تصویر اُتروائی ہے۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکمل بیان درج ذیل کرتا ہوں حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بُت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ میں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے۔ اور مجھ سے زیادہ بُت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آجکل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں جو اس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے اور اکثر ان کے محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزارہا کوس کے فاصلہ کے مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اُس مُلک کے اہلِ فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو انہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اور اپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کو غور سے دیکھا اور علمِ فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔ اور امریکہ کی ایک عورت نے میری تصویر کو دیکھ کر کہا کہ یہ یسوع یعنے عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پس اس غرض[1] سے اور اس حد تک میں نے اس طریق کے جاری ہونے میں مصلحتاً خاموشی اختیار کی و اِنّما الاعمال بالنّیّات۔ اور میرا مذہب یہ نہیں ہے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ملوکِ عجم کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ بغیر مُہر کوئی خط نہیں پڑھتے اس پر حضورؐ نے مہر تیار کروالی۔ (مؤلف)

کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جن حضرت سلیمانؑ کے لئے تصویریں بناتے تھے[1] اور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں[2] جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک پارچہ ریشمی پر جبرئیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی[3] اور پانی میں بعض پتھروں پر جانوروں کی تصویریں قدرتی طور پر چھپ جاتی ہیں۔ اور یہ آلہ جس کے ذریعہ سے اب تصویر لی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اور یہ نہایت ضروری آلہ ہے جس کے ذریعہ سے بعض امراض کی تشخیص ہو سکتی ہے۔ ایک اور آلہ تصویر کا نکلا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی تمام ہڈیوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور وجع المفاصل و نقرس وغیرہ امراض کی تشخیص کے لئے اس آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچتے ہیں اور مرض کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی فوٹو کے ذریعہ سے بہت سے علمی فوائد ظہور میں آئے ہیں۔ چنانچہ بعض انگریزوں نے فوٹو کے ذریعہ سے دنیا کے کل جانداروں یہاں تک کہ طرح طرح کی ٹڈیوں کی تصویریں اور ہر ایک قسم کے پرند اور چرند کی تصویریں اپنی کتابوں میں چھاپ دی ہیں جس سے علمی ترقی ہوئی ہے۔ پس کیا گمان ہو سکتا ہے کہ وہ خدا جو علم کی ترغیب دیتا ہے وہ ایسے آلہ کا استعمال کرنا حرام قرار دے جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے امراض کی تشخیص ہوتی ہے اور اہلِ فراست کے لئے ہدایت پانے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام جہالتیں ہیں جو پھیل گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے مولوی چہرہ شاہی

---

[1] یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب۔ الآیۃ (سبا ع۲) مؤلف

[2] ملاحظہ ہو الانوار المحمدیۃ از مواہب لدنیہ صفحہ ۳۴۹ و صفحہ ۳۵۰ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۱۲ھ۔ (مؤلف)

[3] بخاری کتاب الرؤیا۔ (مؤلف)

سکّے کے روپیہ اور دونیاں اور چونیاں اور اٹھنیاں اپنی جیبوں اور گھروں میں سے کیوں باہر نہیں پھینکتے۔ کیا ان سکوں پر تصویریں نہیں؟ افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کر کے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقع دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے مؤید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھہرتے اور اہل فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں لیکن بااین ہمہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنا لیں۔ کیونکہ اسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں۔ اسلئے میں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک ان کے لئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دستکش رہیں۔ بعض صاحبوں کے میں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے میں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کے لئے کام کرنا اور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جا بجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں اور نصاریٰ میں پیدا ہو گئیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ جو شخص میرے نصائح کو عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرا سچا پیرو ہے وہ اس حکم کے بعد ایسے کاموں سے دستکش رہے گا۔ ورنہ وہ میری ہدایتوں کے برخلاف اپنے تئیں چلاتا ہے اور شریعت کی راہ میں گستاخی سے قدم رکھتا ہے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۴-۱۹۵)

اس طویل اقتباس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا مذہب در بارہ حرمت تصویر اس کے دلائل از رُوئے قرآن وحدیث و واقعات، نیز اپنے فوٹو کی غرض اور جماعت احمدیہ کے لیئے اس باب میں ضروری ہدایات درج فرمادی ہیں۔ کوئی شخص اس کو پڑھنے کے بعد انصافاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فوٹو پر اعتراض نہیں کرسکتا وھوالمراد۔

معترض پٹیالوی نے فقرۂ اوّل میں جس قدر باتیں درج کی تھیں ان کا جواب ہم لکھ چکے ہیں۔ معترض کا منشاء ان اعتراضات سے یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) حضرت مسیح موعودؑ کے عقائد مشرکانہ تھے اسلیئے تفصیلی جواب کے آخر میں ہم حضرت اقدسؑ کی ایک عبارت بھی پیش کردیتے ہیں۔ حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"اے سُننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُس کے ہو جاؤ۔ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سُنتا ہے جیسا کہ وہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سُنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اُس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دُور ہونے کے اور دُور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثّل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کرسکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔" (رسالہ الوصیت صفحہ ۹)

نیز فرمایا ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں ۔۔۔ دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں ۔۔۔ خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب ۔۔۔ کیوں نہیں لوگو! تمہیں خوفِ عقاب
(درثمین)

فقرہ دوم - نبوّت کا دعوےٰ

اِس نمبر میں معترض پٹیالوی نے اِس فرسودہ اعتراض کو دُہرایا ہے کہ پہلے حضرت مرزا صاحبؑ نے دعویٰ نبوّت سے انکار کیا ہے اور بعد ازاں صراحتاً دعویٰ نبوّت فرما دیا۔ ہم اِس اعتراض کا جواب فصل اوّل اور فصل چہارم میں بالتفصیل عرض کر چکے ہیں اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مختصر یوں کہ انکار اُس نبوّت کا ہے اور تھا جو شریعت والی اور بغیر اتباعِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو۔ اقرار اُس نبوّت کا ہے اور تھا جو غیر تشریعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلّی نبوّت ہے۔ چنانچہ اِس قسم نبوّت کو اُمّت میں بالاتفاق جاری مانا گیا ہے تفصیل کیلئے دیکھو فصل دوازدہم باب دوم۔

اب ہم اِس فقرہ کے بعض اعتراضات کا **قولہ و اقول** کے طرز پر مسلسل جواب لکھتے ہیں:-

(۷) **قولہ** "مرزا صاحب کی تصانیف و الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ شروع سے ہی موجود تھے" (عشرہ صـ۱۰۲)

اقول- حق بر زبان جاری۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں۔

(۸) **قولہ**- "مرزا صاحب نے نہ صرف مسیح موعود اور نبی ہونے کا ہی دعویٰ کیا بلکہ ہر ایک نبی کے وجود اور کمال کے مظہر بن بیٹھے اور اس کے ساتھ ڈھکوسلہ یہ لگا دیا کہ متابعت تامہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے یہ درجہ حاصل ہوا ہے" (عشرہ صـ۱۰۳)

اقول- جب خدا تعالیٰ کسی کو مقاماتِ رفعت عطا کرے تو وہ ان کے اظہار میں معذور ہے۔ خوب فرمایا سہ

حکم است ز آسماں بزمیں میرسانمش
گر بشنوم نہ گویمش آنرا کجا برم

(حضرت مسیح موعودؑ)

"ڈھکوسلہ" کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے ہر انعام ربانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ نہیں کر دیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ع) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (نساء ع) اے رسول! تو کہدے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو محبوب کبریا بن جاؤ گے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرے گا وہ منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جائے گا جو نبی، صدیق، شہید اور صالح ہیں اور یہ بہترین ساتھی ہیں۔ حدیث میں رسول پاکؐ بھی فرماتے ہیں لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو اُن کے لئے بھی بجز میری متابعت کے چارۂ کار نہ ہوتا۔ اس حدیث اور آیت قرآنی کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ شانِ موسوی اور شانِ عیسوی کے مالک حضورؐ کے غلاموں اور خدام میں ہیں[1]۔ نعم ما قال المسیح الموعود فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیح ناصری شد از دمِ او بیشمار

(درثمین فارسی)

اخبار اہلحدیث بھی لکھتا ہے ؎

غلامی آپؐ کی ہے بادشاہی ملک عقبیٰ کی
اطاعت آپؐ کی سرمایہ ہے عیشِ مخلّد کا (اہلحدیث ۲۲ر جولائی ۱۹۱۲ء)

---

[1] جناب مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کا مدح نبوی میں شعر ہے ؎
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے ÷ کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار (قصائد قاسمی مطبوعہ مجتبائی صفحہ)

بہرکیف حضرت مرزا صاحبؑ کا اعتراف متابعت قابلِ اعتراض نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے۔ ناظرین کرام! اس جگہ اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ معترض پٹیالوی نے تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ہمیشہ یہی کہا کہ:-

"متابعتِ تامہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے یہ درجہ حاصل ہوا ہے"

کیونکہ ابھی عنقریب وہ یہ الزام لگائے گا کہ (نعوذ باللہ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کا دعویٰ کیا ہے۔ وبینھما بونٌ بعیدٌ۔

(۹) قولہ :- "فرقہ قادیانی کے پیشوائے موجودہ یعنی مرزا صاحب کے پسر مرزا محمود احمد (ایدہ اللہ بنصرہ) نے تو نبوت کو ایسا عام اور ایسا ارزاں کردیا کہ ان کے مسلمات کی رُو سے تمام ایسے کذاب اور مفتری جنہوں نے گزشتہ ۱۳۰۰ سال میں دعویٰ نبوت کیا سچے نبی ٹھہرتے ہیں" (عشرہ صفحہ ۱۰۳ حاشیہ)

اقول :- محض افترا ہے۔ بھلا اگر ہمارے مسلمات کی رُو سے ان میں کوئی ایک نبی بھی سچا ثابت ہوتا تو ہم کیوں نہ اُس کی تصدیق کرتے۔ ہمارا کوئی ایسا مسئلہ عقیدہ نہیں جو کسی جھوٹے کو سچا ثابت کرسکے۔ ہاں ہمارے اصول اور قرآن مجید کے اصول کے مطابق جو نبی سچا ٹھہرتا ہے ہم اس کو سچا مانتے ہیں وإلّا فلا۔ ہم نبوت کو نہ ارزاں کرسکتے ہیں نہ گراں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے بس کی بات ہے۔ فرمایا اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام ع ۱۵) کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں رسالت رکھے۔" یہ ٹھیکہ تو اُن لوگوں نے لے رکھا ہے جو کہتے ہیں کہ ہنوز دنیا میں فسق و فجور کا دور باقی ہے ظلمت کا غلبہ ترقی پر ہے۔ گویا دنیا کو نبوت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آگئی۔ لیکن بایں ہمہ وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اب کسی قسم کا نبی نہ آئے گا۔ بقول خود گویا انہوں نے نبوت کو گراں کر رکھا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَھُمۡ مَّعِیۡشَتَھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا (زخرف ع ۳)

کر کیا یہ لوگ خود رحمتِ ربانی کو تقسیم کرنے والے ہیں؟ ہم نے تو خود ان کی زندگی کے سامان ان میں تقسیم کئے ہیں۔

(۱۰) **قولہ:** "نبوت کے بارہ میں آپ کی امت کے دو فریق لاہوری اور قادیانی بن گئے ہیں۔ اول الذکر انکو نبی نہیں مانتے اور ابتدائی اقوال سے سند پکڑتے ہیں" (عشرہ صفحہ ۱۰۲)

اقول۔ ان کا محض "ابتدائی اقوال" سے سند پکڑنا اور باقی حصۂ اقوال کو ترک کر دینا ہی ان کے غلط کار ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (بقرۃ ع) کہ کیا تم ایک حصۂ کتاب کو مانتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو؟ جو تم میں سے ایسا کرے گا وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوگا"

یوں اختلاف بالذات موجب قدح نہیں مسلمان کہلانے والوں کے تہتر فرقے ہوگئے۔ کیا اس سے آنحضرتؐ کی صداقت پر اعتراض ہوسکتا ہے؟ حضرت مسیح ناصری کے بعد مختلف فرقے ہوگئے تھے شیعہ وسنی کا تنازع تیرہ سو برس سے آرہا ہے۔ پس اختلاف فی ذاتہٖ اعتراض کے قابل نہیں۔

مزید برآں لاہوری فریق (غیر مبایعین) کا یہ اختلاف تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ایک اور دلیل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں بھی ان کے کچھ ماننے والوں نے یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ نبی نہ تھے صرف ایک ولی تھے۔ یہ لوگ فرقہ عنانیہ کے نام سے موسوم تھے۔ ان کا قول تھا:۔

"اِنَّهٗ كَانَ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ نَبِيًّا"

(اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین مصنفہ امام فخر الدین رازی مطبوعہ مصر صفحہ ۸۳)

کہ حضرت مسیح اولیاء اللہ میں سے تھے نبی نہ تھے۔"

فرقہ عنانیہ کا یہی عقیدہ کتاب الملل والنحل للشہرستانی برحاشیہ الفصل فی الملل والنحل لابن حزم جلد ۲ صفحہ ۵۵ مطبوعہ مصر میں بھی درج ہے۔

پس معترض کا یہ اعتراض تو ایک دلیلِ صداقت ہے۔ اے کاش لوگ تدبر سے کام لیں۔!

(۱۱) **قولہ:** "ہم صرف اس قدر لکھنا چاہتے ہیں کہ جھوٹے نبیوں کا اس اُمت میں حسب پیشگوئی مخبرِ صادق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ پچھلے زمانہ میں بھی ہوتے رہے۔" (عشرہ صلا)

اقول: (الف) کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف جھوٹوں کی ہی بشارت دی ہے؟ کیا اُمتِ مرحومہ کے خیرِ اُمت ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ اس میں تفرق و تشتت کے انتہائی عالَم میں بھی دجّال اور جھوٹے نبی ہی آئیں گے؟ حضور سرورِ کائنات نے تو آنے والے مسیح موعود کو چار مرتبہ نبی اللہ کہہ کر سچّوں کی بھی خبر دی تھی مگر قوم اس سے غافل ہے۔

(ب) شارحینِ حدیث لکھ چکے ہیں کہ وہ تعداد تیس یا ستائیس پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی شرح میں حدیث یُبْعَثُ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ کے ماتحت لکھا ہے:۔

"ھٰذَا الْحَدِیْثُ ظَھَرَ صِدْقُہٗ فَاِنَّہٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْاٰنَ لَبَلَغَ ھٰذَا الْعَدَدَ وَیَعْرِفُ ذٰلِکَ مَنْ یُطَالِعُ التَّوَارِیْخَ وَلَوْلَا الْاِطَالَۃُ لَفَعَلْنَا ذٰلِکَ"

(اکمال الاکمال جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ مصر)

ترجمہ۔ اس حدیث کی صداقت ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کا شمار کیا جاوے جنہوں نے حضورؐ کے زمانہ سے لیکر آج تک جھوٹے دعاوی نبوت کئے ہیں تو وہ اس عدد تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو تاریخ کا مطالعہ رکھتا ہے۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم ان کو بالتفصیل ذکر کرتے۔"

اس تحریر کا راقم ۸۲۸ھ ہجری میں فوت ہوا ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے:۔

"بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجود دجالین کذابین دریں اُمت فرمودہ

بود واقع شود" (حجج الکرامہ ۲۲۹)

پس اب اسی حدیث کو بطور سند پیش کرتے رہنا مناسب نہیں۔ کیا آپ لوگوں کے دجالوں کا سلسلہ کہیں منقطع ہو کر کوئی سچا اور صادق مصلح بھی پیدا ہو گا یا نہیں؟

(ج) قرآن مجید سچے اور جھوٹے نبی کے لئے مابہ الامتیاز پیش کرتا ہے۔ پس اس کو معیار بنا کر فیصلہ کر سکتے ہو۔ منہاج نبوت اور علامات صادقین جس مدعی پر چسپاں ہوں، اس کو جھوٹا کہنا، تقویٰ کا طریق نہیں۔ دیکھو تم نے خود انجیل کے یہ الفاظ درج کئے ہیں کہ مسیح نے کہا "بہت جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔" (عشرہ ص۱۰۱) کیا اگر ایک پادری یہی آیت پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف استدلال کرے تو وہ حق بجانب ہو گا؟ ہرگز نہیں! کیونکہ جہاں مسیحؑ نے جھوٹے نبیوں کی خبر دی ہے وہاں سچے نبیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً وہ نبی کی آمد کی خبر، نیز مثیلِ مسیح (نبی اللہ) کی آمد کی بشارت دی ہے، بعینہٖ اسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف کذابوں کی خبر دی ہے تو دوسری طرف سچے نبی اللہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

(د) ہمیں ان لوگوں پر تعجب ہے جو وقت کی نزاکت، امتِ محمدیہ کے حالات کے اقتضاء کو پس پشت ڈال کر خدا کے سچے نبی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب پر کمربستہ ہیں۔ کیا صدی کا شروع مجددِ دین کا مقتضی نہ تھا؟ کیا غیر مذاہب کی یورشیں اور اسلام کی بےکسی پکار پکار کر مصلحِ ربانی کا مطالبہ نہ کر رہی تھی؟ اے قوم! کیا تو موسم خزاں کے بعد بہار اور رات کے بعد دن کے طلوع کی منتظر نہیں ہوتی؟ کیا ظلمت کا انتہا نور کے وجود کو نہیں چاہتا۔ پھر کیوں ان حالات میں آنے والے کو تم دجال کہتے ہو اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو؟ سنو۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر قادیان فرماتا ہے:-

"یہ لوگ اب تک آسمانی گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ خدا کے نشانوں کو نہیں دیکھتے۔ امتِ ضعیفہ کی ضرورت پر نظر نہیں ڈالتے۔ صلیبی غلبہ کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ہر روز ارتداد کا گرم بازار دیکھ کر ان کے دل نہیں کانپتے۔

اور جب ان کو کہا جائے کہ عین ضرورت کے وقت میں، عین صدی کے سر پر، عین غلبۂ صلیب کے ایام میں، یہ مجدد آیا۔ جس کا نام ان معنوں سے مسیح موعود ہے کہ جو اسی صلیبی فتنہ کے وقت میں ظاہر ہوا تو کہتے ہیں کہ حدیثوں میں ہے کہ اِس اُمت میں تیس[۳۰] دجال آویں گے کہ تا اُمّت کا اچھی طرح خاتمہ کر دیں۔ کیا خوب عقیدہ ہے ۔ اے نادانو! کیا اِس اُمّت کی ایسی ہی پھوٹی ہوئی قسمت، اور ایسے ہی بدطالع ہیں کہ ان کے حصّہ میں تیس[۳۰] دجال ہی رہ گئے۔ دجال تو تیس[۳۰] مگر طوفانِ صلیب کے فرو کرنے کے لئے ایک بھی مجدد نہ آ سکا۔ زہے قسمت۔ خدا نے پہلی اُمتوں کے لئے تو پے در پے نبی اور رسول بھیجے لیکن جب اِس اُمّت کی نوبت آئی تو اس کو تیس[۳۰] دجال کی خوشخبری سُنائی گئی۔ اور پھر یہ بھی ثابت شدہ پیشگوئی ہے کہ آخرکار اِس اُمّت کے علماء بھی یہودی بن جائیں گے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اب تک لاکھوں آدمی مرتد ہو چکے جنہوں نے دینِ اسلام کو ترک کر دیا۔ پس کیا اِس درجہ کی ضلالت تک ابھی خدا خوش نہ ہوا اور اس کے دل کو سیری نہ ہوئی جب تک اس نے خود اسی اُمّت میں سے صدی کے سر پر ایک دجال بھیج نہ دیا۔ خوب اُمّت مرحومہ ہے جس کے حق میں یہ عنایات ہیں ۔ اور پھر یہ کہ باوجودیکہ اُس دجال کے مارنے کے لئے مومنوں کے سجدات میں ناک گھس گئے۔ لاکھوں دعائیں اور تدبیریں اس کی ہلاکت اور تباہی کے لئے کی گئیں مگر خدا نہیں سُنتا، مُنہ پھیر لیتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے یہ دجال برابر تیس[۳۰] برس سے

ترقی کر رہا ہے اور دنیا میں آسمان کے نور کی طرح پھیلتا
جاتا ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اُمت نہایت
ہی بدقسمت ہے اور خدا کا پختہ ارادہ ہے کہ اس کو
ہلاک کر دے۔ یہ کیسی موردِ غضبِ الٰہی ہے کہ ایک تو
دجال کے قبضہ میں دی گئی اور اب تک سچے مسیح اور
مہدی کا نہ آسمان پر کچھ پتہ ملتا ہے نہ زمین پر۔ ہزار
چیخیں بھی مارو وہ دونو گم شدہ جواب بھی نہیں دیتے
کہ زندہ ہیں یا مُردہ اور کدھر ہیں اور کہاں ہیں۔ نبیوں
کے مقرر کردہ وقت بھی گزر گئے اور اُمت کو عیسائی
مذہب نے کھا لیا۔ مگر نہ خدا کو رحم آیا اور نہ مہدی اور
مسیح کے دل نرم ہوئے۔" (نزول المسیح ص۴۲-۴۳)

اے بھائیو! آسمان اور زمین کے تغیرات پر نگاہ کرو، اسلام کی حالت
پر نظر کرو، اور پھر اکیلے ہو کر اور دل کر غور کرو کہ کیا یہ دجال کے آنے کا
وقت تھا یا مسیح کے آنے کا؟ تو آپ کا دل بے ساختہ پکار اُٹھے گا کہ اگر
کسی مسیح نے آنا ہے، کسی مہدی کا ظہور ضروری ہے تو اس کا یہی وقت
ہے۔ پس زمانہ شاہد ہے کہ حضرت مرزا صاحب جھوٹے نبیوں والی پیشگوئی
کے مصداق نہیں۔ خوب فرمایا ہے

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

(۱۲) **قولہ**: "اناجیل میں مسیح نے لکھا ہے کہ میرے بعد جھوٹے نبی اور جھوٹے
مسیح آئیں گے۔" (ملخصاً عشرہ ص۱۰)

اقول۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

اوّل۔ انجیل محرف مبدل ہے۔ وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ ہمارے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو اس کو اس کے ماننے والوں پر بطور حجت
الزاماً پیش فرمایا کرتے تھے۔

دوم۔ اناجیل کی اپنی گواہی موجود ہے کہ وہ جھوٹے مسیح حضرت مسیح سے بعد قریب ہی ہو چکے ہیں۔ اس کے لئے عبارتِ ذیل ملاحظہ فرماویں :۔

"تم نے سُنا ہے کہ مخالفِ مسیح آنے والا ہے۔ اس کے موافق اب بھی بہت سے مخالفِ مسیح پیدا ہو گئے ہیں۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ یہ اخیر وقت ہے۔ وہ نکلے تو ہم ہی میں سے مگر ہم میں سے تھے نہیں" (۱۔یوحنا ۲/۱۸۔۱۹)

"بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں"

(۱۔یوحنا ۴/۱)

سوم۔ معترض کے ذکر کردہ حوالہ میں جو مرقس ۱۳/۲۴ اور لوقا ۱۷/۲۶۔۳۱ وغیرہ سے منقول ہے صاف لکھا ہے کہ سچے مسیح نے بھی آنا ہے اور اس کے آنے کی جو علامات لکھی تھیں وہ یعنی عذاب، لڑائیاں، سورج اور چاند کا گرہن سب پوری ہو کر حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت پر دلیل بن گئی ہیں۔ پس یہ حوالہ بھی ہمارے مخالف نہیں۔ ہاں اس جگہ اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ انجیل نویسوں کی سادہ لوحی سے یہ لکھا گیا ہے کہ عذاب پہلے آئیں گے اور مسیح بعد میں آئے گا۔ مگر یہ خیال از رُوئے عقل و نقل مردود ہے۔ عقلاً پہلے اتمام حجت یا اجرائے فرمان ہونا چاہیئے اور پھر مستحقینِ عذاب کو ہلاک کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا۔ کہ ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کر لیں۔" (بنی اسرائیل ع ۲) نیز فرمایا ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ (انعام ع ۱۶) کہ ہم بستیوں کو ایسی حالت میں ہلاک کرنے والے نہیں کہ وہ غافل ہوں۔" گویا عذاب کے آنے سے پہلے نبی اور رسول کا آنا ضروری ہے اور یہ سچے نبی کی علامت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں یہ علامت واضح طور پر پائی جاتی ہے۔ آپؑ کا دعویٰ عالمگیر ہے اور عالمگیر

عذاب طاعون، زلازل، قحط، وبائیں، انفلوئنزا، ہفت سالہ جنگ اور دیگر تغیرات آپ کے دعوے کے بعد پورے زور سے نمودار ہوئے تا انجیل و قرآن مجید کی شہادت کے مطابق آپ کی راستبازی پر گواہ ہوں۔ سورج چاند کے گرہن کو انجیلی حوالہ میں مسیح کی آمدِ ثانی کی دلیل بتایا گیا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے پر ۱۳۱۱ھ میں ظاہر ہو گیا۔ اس کی تفصیل فصل دوازدہم میں ملاحظہ ہو۔

اس جگہ اشارتاً یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیحؑ کی اس آمد سے ان کی جسمانی آمد مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خود حضرت مسیحؑ یہود کے آسمانی نوشتوں کے الفاظ "ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا" (ملاکی ۴/۵) کی تاویل میں فرما چکے ہیں کہ:۔

"ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی (حضرت یحییٰؑ) ہے۔ جس کے کان سُننے کے ہوں وہ سُن لے" (متی ۱۱/۱۴)

لہٰذا اب آسمان پر جا کر خود دوبارہ اسی جسم سے آجائیں تو ان کا سابقہ فیصلہ غلط اور یہود کا دعویٰ برحق ہو گا (نعوذ باللہ) پس آنے والا آچکا مگر افسوس ان پر جو تاحال ٹکٹکی باندھے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیا کبھی کوئی آسمان سے اُترا ہے جو اَب اُترے گا ؎

مر کو بیٹھو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں

عمرِ دنیا سے بھی اب تو آگیا ہفتم ہزار

(۱۴) قولہ:۔ "مرزا صاحب کے اشعار ہیں ؎

ہست او خیر الرسل خیر الانام	ہر نبوت را برو شد اختتام
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال	لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

(عشرہ ص۱۰)

اقول۔ معترض کا مطلب ان اشعار کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کو بند مانا ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریعی نبوت کو بند مانا ہے

جیسا کہ متعدد حوالجات درج ہو چکے ہیں۔ لیکن اس جگہ ان اشعار میں جہاں نبوّت کے اختتام کا ذکر ہے وہاں پر ذاتِ نبوی پر ہر کمال کے ختم ہو جانے کا بھی ذکر ہے۔ شجاعت، عفّت، حلم، بردباری، طہارت، راستبازی، ایفاء، رحم وکرم۔ غرض ہر کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم مانا گیا ہے۔ جو معنے ان کمالات کے ختم ہونے کے ہیں وہی نبوّت کے اختتام کے ہیں۔ یعنے ہر کمال بتمامہ حضورؐ کی ذات میں پایا جاتا تھا اور ہر وصف اور خلق کا انتہائی درجہ آپؐ نے اس حد تک حاصل فرمایا ہے کہ اس سے زیادتی متصوّر نہیں ہو سکتی۔ یہ معنے ہرگز نہیں کہ آئندہ کے لئے ہر صفت کو اور ہر کمال کو آپؐ نے بند کر دیا ہے۔ اب نہ حلم ہے، نہ رحم ہے، نہ شجاعت ہے۔ یاد رہے کہ یہی حال نبوّت کے ختم ہونے کا ہے۔ نبوّت کے مدارج میں سے سب سے بلند تر مرتبہ حضورؐ نے حاصل کیا جس سے آگے بڑھنے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اس کے متعلق ہم تفصیلاً تو ختم نبوت کے ماتحت فصل دوازدہم میں بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اس جگہ صرف ایک حوالہ درج کر دیتے ہیں جس سے "ہر نبوّت را بروشد اختتام" کا مفہوم واضح ہو جائے۔

اہلحدیث کا نامہ نگار لکھتا ہے:۔

"شرک وبدعت یہاں کے لوگوں پر ختم ہے۔ گویا اس منحوس نام نے یہیں (چھاؤنی مرار) مسلمانوں میں نشوونما پائی ہے۔" (اہلحدیث ۲۷ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۲)

(۱۴) **قولہ:** "حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ" جو مسلمان کسی مدعیٔ نبوّت سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں شک ہے۔ دیکھو خیرات الحسان مطبوعہ مصر ۱۰۱ھ۔" (عشرہ ص ۱۰)

اقول۔ قطع نظر اس سوال کے کہ خود حضرت امام اعظمؒ اور دیگر بزرگانِ اسلام غیر تشریعی نبوّت کے قائل تھے۔ (جیسا کہ فصل دواز دہم میں مذکور ہے) ہم ایک لمحہ کے لئے ایسا غلط فتویٰ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ایسی عظیم ہستی سے منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ فتویٰ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح اس قابل نہیں کہ اس کو حضرت امام اعظمؒ کا فتویٰ کہا جائے۔ بلحاظ درایت یہ نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ اس میں خلافِ عقل بات کہی گئی ہے۔ کیا معجزہ کا مطالبہ اس مدعی کی صداقت کے متعلق رجحانِ خیال پر ہی مبنی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بسا اوقات انسان محض دوسرے کو عاجز ثابت کرنے یا لوگوں پر اس کے کذب کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کرتا ہے کیا ایسے شخص کو امام اعظمؒ جو فتویٰ تکفیر سے کوسوں دُور تھے محض مطالبہ پر کافر قرار دیں گے؟ لا ولا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (بقرہ ع ۳۵) کہ خدا سورج کو مشرق سے لاتا ہے اگر تو سچا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ۔ کیا نعوذ باللہ حضرت ابراہیم کو وحدانیتِ الٰہی میں شبہ تھا؟ ہرگز نہیں معلوم ہوا مطالبۂ معجزہ شبہ کی بنا پر ہی نہیں ہوا کرتا۔

اہل سُنّت والجماعت کے عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی اور نبراس میں اس بات پر مفصّل بحث کی گئی ہے کہ جو مدعیٔ نبوت معجزہ دکھا سکے وہ نبی ہوگا۔ جھوٹے نبی کو اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز یہ شانِ امتیازی عطا نہیں فرماتا۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:۔

"أَجْمَعَ الْمُحَقِّقُوْنَ عَلَى أَنَّ ظُهُوْرَ الْخَارِقِ عَنِ الْمُتَنَبِّيْ وَهُوَ الْكَاذِبُ فِيْ دَعْوَى النُّبُوَّةِ مُحَالٌ لِأَنَّ دَلَالَةَ الْمُعْجِزَةِ عَلَى الصِّدْقِ قَطْعِيَّةٌ"

(نبراس صـ۴۴۳)

ترجمہ محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ کاذب مدعیٔ نبوت سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ معجزہ تو اس کے صدق پر دلالت قطعیہ ہے۔"

بلحاظِ روایت بھی یہ فتویٰ شائستۂ اعتناد نہیں۔ لوگوں نے حضرت امام اعظمؒ کی طرف فتاوے تو رہے ایک طرف کتابوں کی کتابیں لکھ کر ان سے منسوب کر دی ہیں نیز بہت سے غلط عقائد ان کی طرف سے بیان کر دیئے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے :-

"جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہی مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب (امام ابوحنیفہؒ) کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے .... امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔"
(سیرۃ النعمان حصّہ دوم صے)

سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں :-

"یہ فرقے جن بزرگوں کو اپنا بانی اور امام سمجھتے ہیں یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد صحیح اسناد کے رو سے ان کی کوئی تصنیف عقائد میں ثابت نہیں ہے۔"
(رسالہ اہلسنّت والجماعت ص۳۲)

مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری نے لکھا ہے کہ :-

"ہمارے پاس ناقابلِ تردید ثبوت اس امر کے موجود ہیں کہ جو عقائد امام ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ فی الحقیقت ان کے عقائد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بھی اُن کی طرف اسی طرح غلط طور پر منسوب ہو گئے ہیں جس طرح بعض دوسرے ائمہ کرام کی طرف بعض غلط مسائل۔" (اخبار منار ۱۹ ارچ ۱۹۲۵ء صا)

پس جو الفاظ معترض پٹیالوی نے محض مغالطہ کی خاطر حضرت امام اعظمؒ سے منسوب کئے ہیں وہ اُن کے نہیں ہیں لہٰذا ان پر مبنی اعتراض بھی باطل ہوگیا وھوالمطلوب۔

فقرہ سوم۔ ملائکہ کے وجود سے انکار

(۱۵) قولہ۔ "مرزا صاحب ملائکہ کے وجود فی الخارج کے منکر ہیں اور ان کو ستاروں کی ارواح مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملائکہ زمین پر کبھی نہیں آتے۔" (عشرہ صفحہ ۱۰۶)

اقول۔ معترض پٹیالوی نے اس بیان میں صریح مغالطہ دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود ملائکہ کو مانتے ہیں اور انہیں معترض کے مفہوم کے مطابق ہرگز ہرگز ارواحِ کواکب نہیں مانتے۔ ہاں یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ حضورؑ کے نزدیک ازروئے قرآن مجید و احادیث ان کے اصلی وجود کے ساتھ ان کا زمین پر نزول نہیں ہوتا۔ معترض نے چونکہ رسالہ توضیح مرام کے بعض حوالجات کو غلط طور پر ذکر کیا ہے اس لئے پہلے ہم اسی رسالہ کے اقتباسات درج کرتے ہیں۔ حضرتؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور بجز اس کے ماننے کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا۔"

(توضیح مرام صفحہ ۲۷ طبع دوم)

(ب) "فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو اُن کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ اُن کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا

ہے وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۔ (سورہ صافات ع ۵) پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے مطابق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوسِ فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق ارواحِ کواکب سے ان کو نامزد کریں یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائکۃ اللہ کا ان کو لقب دیں درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے۔ اور بحکمتِ کاملہ خداوند تعالےٰ زمین کی ہر ایک مستعد چیز کو اس کے کمالِ مطلوب تک پہنچانے کیلئے یہ روحانیات خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ ظاہری خدمات بھی بجا لاتے ہیں اور باطنی بھی۔" (توضیح المرام صلا۳۲-۳)

(ج) "محققینِ اہلِ اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اُترتے ہیں۔ اور یہ خیال بداہت باطل بھی ہے۔" (توضیح مرام ص۲۹)

(د) "اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری وہ نفوسِ طیّبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے۔" (توضیح مرام ص۲۷)

(ذ) "ملائک اِس معنے سے ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ ملاک اجرام سماویہ اور ملاک اجسام الارض ہیں۔ یعنی ان کے قیام اور بقاء کے لئے روح کی طرح ہیں۔ اور نیز اس معنے سے بھی ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں"

(توضیح مرام حاشیہ صلا۳)

اِن اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملائک کے اقراری ہیں اور اُن کی ہستی کو اسی طرح پر مانتے ہیں جس طرح قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان کے روح کواکب ہونے کے صرف یہ معنے ہیں کہ وہ باذنہٖ تعالیٰ ان پر مدبّر ہیں۔ نیز آیات قرآنی کی روشنی میں حضرت اقدسؑ کا مذہب یہ ہے کہ فرشتوں کا زمین پر اپنے شخصی اور اصلی وجود کے ساتھ نزول نہیں ہوتا بلکہ تمثلی طور پر ہوتا ہے۔ کیا یہ فرشتوں کے وجود سے انکار ہے جیسا کہ معترض نے عنوان قائم کیا ہے۔ اس قدر صاف عبارت کی موجودگی میں اتنی غلط بیانی شاید منشی محمد یعقوب کو ہی زیب دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اِس باب میں بعض دیگر حوالجات حسب ذیل ہیں۔ فرمایا:-

(۱) "فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالےٰ کے ارادہ سے باہر ماننا پڑتا ہے۔ اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کر رہی ہیں۔ پس جبکہ یہ قانون ضروری اور مسلّم ہے تو پھر جبرائیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے؟"

(چشمہ معرفت صلا۱۴۷ حاشیہ)

(۲) "وَاَعْتَقِدُ اَنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً مُقَرَّبِيْنَ لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ لَا يَنْزِلُ اَحَدٌ مِّنْ مَّقَامِهٖ

وَلَا يَرْقٰی وَ نُزُوْلُهُمُ الَّذِیْ قَدْ جَاءَ فِی الْقُرْاٰنِ لَيْسَ كَنُزُوْلِ الْاِنْسَانِ مِنَ الْاَعْلٰی اِلَی الْاَسْفَلِ وَلَا صُعُوْدُهُمْ كَصُعُوْدِ النَّاسِ مِنَ الْاَسْفَلِ اِلَی الْاَعْلٰی لِاَنَّ فِیْ نُزُوْلِ الْاِنْسَانِ تَحَوُّلًا مِنَ الْمَكَانِ وَرَائِحَةً مِنْ شِقِّ الْاَنْفُسِ وَاللُّغُوْبِ وَلَا يَمَسُّهُمْ لَغَبٌ وَلَا شِقٌّ وَلَا يَتَطَرَّقُ اِلَيْهِمْ تَغَيُّرٌ فَلَا تَقِيْسُوْا نُزُوْلَهُمْ وَ صُعُوْدَهُمْ بِاَشْيَاءَ اُخْرٰی بَلْ نُزُوْلُهُمْ وَ صُعُوْدُهُمْ بِصِبْغِ نُزُوْلِ اللّٰهِ وَ صُعُوْدِهٖ مِنَ الْعَرْشِ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْيَا“

ترجمہ۔ میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے جس سے ترقی و تنزل نہیں کرسکتے۔ قرآن مجید میں ان کے جس نزول کا ذکر ہے وہ انسان کے نزول وصعود کی طرح نہیں کہ اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر کی طرف ہو۔ کیونکہ انسان کے نزول میں انتقال مکانی نیز تکان وغیرہ ہوتی ہے لیکن فرشتوں کو تعب و مشقت نہیں نیز ان پر کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ پس تم ان کے نزول اور صعود کو دوسری چیزوں پر قیاس مت کرو۔ ہاں ان کا نزول اور صعود اسی رنگ پر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے سماء الدنیا پر نزول[1] فرماتا ہے۔“ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۰۲)

(۳) حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

”اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور جبریل کے

---

[1] حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں دنیا کے قریب والے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کون استغفار کرتا ہے کہ میں اس کو بخشوں۔ (ابوالعطاء)

وجود کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے اور جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رُو سے ملائک کے اجرام سماوی سے خادمانہ تعلقات پائے جاتے ہیں یا جو جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اسی کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہے سے

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است "

(ازالہ اوہام ص۱۷۸ طبع سوم)

ہر سہ حوالجات اپنے بیان میں نہایت واضح ہیں۔ ہم زیادہ حوالجات درج کرتے مگر اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ معترض پٹیالوی خود تسلیم کرتا ہے کہ :۔

" مرزا صاحب یوں بھی رقمطراز ہیں کہ سے

از ملائکۂ و از خبر ہائے معاد	آنچہ گفت آں مرسلِ ربِّ العباد
آں ہمہ از حضرتِ احدیت است	منکرِ آں مستحقِ لعنت است

(عشرہ ص۱۱)

اس اقرار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالہ سے معترض نے اپنے اعتراض کو خود باطل کر دیا ہے۔

ملائکہ اور تاثیرات کواکب

ہم مندرجہ بالا سطور میں ملائکہ کے ارواحِ کواکب ہونے کا مفہوم واضح کر چکے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو کواکب پر مدبّر و منتظم قرار دیا ہے۔ ملائکہ کی تاثیرات کو سب مذاہب مانتے ہیں لیکن وہ تاثیر بالذات نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے ہوتی ہے حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

"یَحْسَبُوْنَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُؤَثِّرَاتٍ بِذَاتِھَا وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا ھُوَ۔

کہ لوگ سورج، چاند اور ستاروں کو مؤثر بالذات خیال کرتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ درحقیقت سوائے ذاتِ باری کے کوئی مؤثر نہیں۔"

(توضیح مرام ص۳)

ارواح الکواکب کے اعتراض پر ایک دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے۔ یہ تحریر معترض کے تمام "پیچیدہ اور ژولیدہ بیان" کے لئے کلیدِ اعظم کا حکم رکھتی ہے وہ عبارت یہ ہے:۔

"ومن اعتراضاتھم انھم قالوا ان ھٰذا الرجل یحسب الملائکۃ ارواح الشمس والقمر والنجوم اما الجواب فاعلم انھم قد اخطئوا فی ھٰذا واللّٰہ یعلم انی لا اجعل ارواح النجوم ملائکۃ بل اعلم من ربی ان الملائکۃ مدبرات للشمس والقمر والنجوم وکل ما فی السماء والارض وقد قال اللّٰہ تعالٰی وَاِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ وقال وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ومثل تلک الاٰیات کثیرۃ فی القراٰن فطوبٰی للمتدبرین۔" (حمامۃ البشریٰ ص۴)

ترجمہ۔ مخالفین کے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ شخص سورج، چاند اور ستاروں کی ارواح کو ملائکہ قرار دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس میں سخت غلطی کی ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ میں ارواح النجوم کو ملائکہ نہیں ٹھہراتا بلکہ مجھے اللہ نے بتلایا ہے کہ ملائکہ سورج، چاند، ستاروں اور زمین کے ذرہ ذرہ پر مدبر ہیں جیسا کہ وہ قرآن پاک میں فرما چکا کہ ہر نفس پر نگران ہے۔ نیز فرمایا کہ قسم ہے تدبیر کرنے والی جماعتوں کی وغیرہ وغیرہ۔ مبارک وہ جو غور کریں۔"

ایک تیسری جگہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے:۔

"یہ ستارے فقط زینت کے لئے نہیں ہیں جیسا کہ عوام خیال کرتے ہیں بلکہ ان میں تاثیرات ہیں جیسا کہ آیت وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا

بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا سے یعنی حِفْظًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔
یعنی نظامِ دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے۔ اسی قسم کا
دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے۔ جس کو الوہیت کے
اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروتِ ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں
بطور مُردہ ہیں۔ یہ چیزیں بجز اذنِ الٰہی کچھ نہیں کر سکتیں۔ ان
کی تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ پس واقعی اور صحیح امر یہی ہے
کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں جن کا زمین پر اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس
انسان سے زیادہ تر کوئی دنیا میں جاہل نہیں کہ جو بنفشہ اور نیلوفر اور تربد
اور سقمونیا اور خیار شنبر کی تاثیرات کا تو قائل ہے مگر ان ستاروں کی
تاثیرات کا منکر ہے جو قدرت کے ہاتھ کے اوّل درجہ پر تجلّی گاہ اور
مظہر العجائب ہیں۔ جن کی نسبت خود خدا تعالیٰ نے حِفْظًا کا لفظ استعمال
کیا ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں
داخل کرتے ہیں۔ نہیں جانتے جو دنیا میں خدا تعالےٰ کا قانونِ قدرت یہی
ہے جو کوئی چیز اس نے لغو اور بے فائدہ اور بے تاثیر پیدا نہیں کی جبکہ
وہ فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تو اب بتلاؤ
کہ سماء الدنیا کو لاکھوں ستاروں سے پُر کر دینا انسان کو اس سے
کیا فائدہ ہے؟" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۱ حاشیہ طبع اوّل)

ناظرین کرام! سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا اقتباسات
سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؑ نے فرشتوں کا وجود تسلیم کیا ہے اور اسی صورت میں
تسلیم کیا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان کو ستاروں کی ارواح نہیں بلکہ ان پر
اور کائنات کے ہر ذرہ پر باذنِ الٰہی مدبّر مانا ہے۔ فرشتے دنیا میں نازل ہوتے ہیں مگر
اپنے تمثلی وجود کے ساتھ نہ کہ حقیقی وجود کے ساتھ۔

چنانچہ نزولِ وحی کی صورتوں میں سے فرشتوں کے ذریعہ وحی کے ذکر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:۔

"یأتِی الْمَلَکُ اَحْیَانًا فِیْ مِثْلِ صَلْصَلَۃِ الْجَرَسِ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ مَا قَالَ وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ وَیَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ اَحْیَانًا رَجُلًا فَیُکَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا یَقُوْلُ۔

(بخاری باب ذکر الملائکۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

کہ فرشتہ کا آنا کبھی تو گھنٹی کی آواز کے تمثل سے ہوتا ہے۔ جب یہ حالت جاتی رہتی ہے تو میں اس کے قول کو محفوظ کر لیتا ہوں اور یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ وہ انسان کے تمثل میں آتا ہے۔ میں اس کی بات کو ساتھ ساتھ یاد کر لیتا ہوں۔"

گویا ہر صورت فرشتہ کا نزول دربارہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی ہی مانا ہے اور یہی مذہب تمام محققین کا ہے اور اسی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت اُنے شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوت سے جبرائیل کے تمثلی نزول کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے:۔

"خدا تعالیٰ الشیخ بزرگ عبد الحق محدّث کو جزاء خیر دیوے کیونکہ انہوں نے بصدق دل قبول کر لیا کہ جبرائیل علیہ السلام بذاتِ خود نازل نہیں ہوتا بلکہ ایک تمثلی وجود انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتا ہے اور جبرائیل اپنے مقام آسمان میں ثابت اور برقرار ہے۔ یہ وہی عقیدہ اس عاجز کا ہے جس پر حال کے کوربا طن نام کے علماء کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ افسوس کہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ اس بات پر تمام مفسّرین نے اور نیز صحابہ نے بھی اتفاق کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی دیا ہے۔ اور ایک بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ اپنے اصلی اور حقیقی وجود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو خود یہ غیر ممکن تھا کیونکہ ان کا حقیقی

وجود تو مشرق مغرب میں پھیلا ہوا ہے اور اُن کے بازو آسمانوں کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر وہ مکّہ یا مدینہ میں کیونکر سما سکتے تھے؟"

(دافع الوساوس صفحہ ۱۲۲)

الغرض مؤلّف عشرہ نے اس فقرہ میں بھی جس بات کو حضرت سے منسوب کیا ہے وہ غلط ہے۔ حضرت کا مذہب یہی ہے کہ ملائکہ موجود ہیں، ان کے روحانی وجود ہیں کبھی کبھی بطور تمثل وہ دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ ستاروں وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت مدبّر ہیں۔ ھٰذا ھو الحق الذی فیہ یمترون۔

اہلسنّت والجماعت کے نزدیک ملائک اور تاثیرِ نجوم

ملائکہ کے متعلق محققین اہلسنّت کا وہی مذہب ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ والنازعات کی آیت وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کے متعلق تمام مفسّرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ کمالین میں لکھا ہے:۔

"لَمْ یَخْتَلِفِ السَّلَفُ فِیْ ھٰذَا الْاَخِیْرِ (یعنی وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا) اَنَّ الْمُرَادَ بِھَا الْمَلَائِکَۃُ۔" (حاشیہ جلالین مجتبائی صفحہ ۴۸۵)

گویا یہ تسلیم کر لیا کہ ملائکہ مدبّرات ہیں۔ ہاں جس طرح حضرت نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان کا مدبّر ہونا بحکمِ الٰہی ہے اس حاشیہ پر بھی لکھا ہے:۔

"اِنَّ اِسْنَادَ التَّدْبِیْرِ اِلَی الْمَلَائِکَۃِ مَجَازٌ وَالْمُدَبِّرُ حَقِیْقَۃً ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَھُمْ اَسْبَابٌ عَادِیَۃٌ مَظْھَرٌ لِلتَّدْبِیْرِ۔" (حوالہ مذکور)

یعنی فرشتوں کا مدبّر ہونا مجازاً ہے کیونکہ حقیقی مدبّر تو محض اللہ تعالیٰ ہے، فرشتے تو تدبیر کا مظہر اور اسباب ہیں۔"

تمام تفاسیر اسی مضمون پر متفق ہیں۔ اہلسنّت والجماعت کی مشہور کتاب نبراس میں بھی لکھا ہے:۔

۱؎ بخاری میں ہے انہ رأی جبریل لہ ست مائۃ جناح جبرائیل کے چھ سو پر ہیں۔ (بخاری ذکر الملائکہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

(الف) اَمَّا الْقَوْلُ بِاَنَّ الْکَوَاکِبَ اَسْبَابٌ وَعَلَامَاتٌ بِتَسْخِیْرِ الْوَاجِبِ تَعَالٰی فَلَا کُفْرَ بَلْ قَدِ اعْتَرَفَ بِهٖ الْمُحَقِّقُوْنَ کَالْاِمَامِ الْغَزَالِیْ وَصَاحِبِ الْفُتُوْحَاتِ۔

یعنی یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر کے ماتحت ستارے اسباب و علامات ہیں ہرگز کفر نہیں بلکہ یہ وہ بات ہے جس کا محققین نے اعتراف کیا ہے جن میں امام غزالی اور فتوحات کے مصنف بھی ہیں۔" (نبراس مطبوعہ میرٹھ ص۱۹۲)

(ب) " قَدْ صَرَّحَ الشَّیْخُ الْاَکْبَرُ فِی الْفُتُوْحَاتِ فِیْ مَوَاضِعَ کَثِیْرَةٍ بِاَنَّ حَرَکَاتِ الْاَفْلَاکِ وَالْکَوَاکِبِ وَاَوْضَاعَهَا مُؤَثِّرَاتٌ اَوْ عَلَامَاتٌ بِاِذْنِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ فِی الْعَنَاصِرِ وَقَالَ لَوْ عَرَفَ الْجُهَّالُ الْمُنْکِرُوْنَ لِهٰذَا الْعِلْمِ قَوْلَهٗ تَعَالٰی وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ لَمَا قَالُوْا شَیْئًا مِمَّا قَالُوْهُ الخ"

ترجمہ۔ فتوحاتِ مکیہ کے متعدد مقامات پر شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے تصریح فرمائی ہے کہ آسمانوں اور ستاروں کی حرکات اور ان کی وضع کی ضرور تاثیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے یہ عناصر میں مؤثر ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر اس علم کے جاہل[1] منکروں کو اللہ تعالیٰ کے قول والنجوم مسخّرات بامرہ کا علم ہوتا تو وہ ایسے اعتراض نہ کرتے۔" (حاشیہ نبراس ص۲۸۰)

ناظرین کرام! ان بیانات سے ظاہر ہے کہ محقق مسلمان ستاروں کی بحکم الٰہی تاثیر کے قائل ہیں اور فرشتوں کو باذنِ الٰہی مدبّر مانتے ہیں۔ للہ غور فرمادیں کہ کیا یہ وہی بات نہیں جسکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکر کیا اور معترض پٹیالوی اس پر اعتراض کرتا ہے؟ اتقوا اللہ! اتقوا اللہ!!

افسوسناک دھوکا اگرچہ صداقت کے دشمن ہمیشہ ہی غلط بیانی، دروغ بافی اور مغالطہ دہی سے کام لیتے رہے ہیں۔ فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا

[1] مؤلف عشرہ غور سے پڑھیں۔ (ابوالعطاء)

نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ لیکن معترض پٹیالوی کے جس دھوکا کا ہم اس جگہ ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت ہی شرمناک ہے۔ پہلے یہود نے تحریف سے کام لیا اور رد ہ داندۂ درگاہ ہو بیت ہو گئے۔ آسمانی نوشتوں کے ماتحت مقدر تھا کہ اُمّتِ مرحومہ کے بعض افراد بھی اپنی بدعملی کی وجہ سے اس لعنت سے حصہ لیں گے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے ڈرایا تھا لیکن آہ! یہ قوم اس مرض میں مبتلا ہو ہی گئی۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رقمطراز ہیں:۔

(الف) "بالجملہ اگر نمونۂ یہود خواہی کہ ببینی علماءِ سُوء کہ طالبِ دنیا باشند الخ"

(الفوز الکبیر صفحہ ۱)

(ب) "بحکم حدیث صحیح لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ ازیں آفات ہیچ چیز نیست، مگر امروز قومے مرتکب آنند و معتقد مثل آں۔" (الفوز الکبیر صفحہ ۶)

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے تجربہ کی بناء پر خاص اہلحدیث علماء کے متعلق لکھا ہے:۔

"قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے۔" (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۹)

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے مصلح اعظم نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

چوں شمارا شد یہود اندر کتاب پاک نام
پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہر یہود

منشی محمد یعقوب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک سراسر غلط الزام بایں الفاظ لگایا ہے:۔

"مرزا صاحب آنجہانی نے اپنی نام نہاد تحقیقات کے ڈھکوسلوں کے سامنے تعلیم قرآن شریف اور تعلیم دین کو کیسا عاجز خیال کیا ہے کہ بلا شرط ہتھیار ڈال کر دینی کامیابی سے ہی منکر ہو گئے۔" (عشرہ حاشیہ صفحہ ۱)

پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب دینی تعلیم کی کامیابی سے اِن لفظوں میں انکار بھی فرما چکے

ہیں کہ "مگر اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہن کی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے دینی کامیابی کی اُمید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔" ازالہ ۲۷ (عشرہ ۱۰)

ناظرین کرام! ان جلی قلم الفاظ کو پیش کر کے معترض پٹیالوی نے مخلوقِ خدا کو خطرناک دھوکا دینا چاہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کا اقتباس پیش کرنے میں اس نے تحریف کے لحاظ سے یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اور دینی کامیابی سے انکار؟ یہ بات سراسر ناممکن ہے۔ حضورؑ ہی نے تو اس یاس انگیز زمانہ میں قوتِ بالا سے بھرپور ہو کر فرمایا ہے ؎

اِک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا

اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

(درثمین اُردو)

پھر طریق کامیابی کے متعلق فرمایا:-

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست

باز مے آید اگر آید ازیں رہ بالیقیں

(درثمین فارسی)

پس یہ کیسے ممکن تھا کہ حضورؑ جو دینی کامیابی کا مجسّم یقین تھے اس کامیابی کی امید کو بھی "بھاری غلطی" قرار دیں؟ درحقیقت بات یہ ہے کہ پٹیالوی صاحب نے ازالہ اوہام کی منقولہ عبارت میں تین خیانتوں سے کام لیا ہے۔ اوّل صفحہ کا حوالہ غلط دیا ہے یعنی بجائے ۲۶ کے ۲۷ لکھا ہے۔ دوم عبارت میں سے الفاظ "ایسے عقیدوں کے ساتھ" عمداً حذف کر دیئے ہیں۔ سوم سیاقِ عبارت کے خلاف مفہوم کا استدلال کیا ہے۔ میں منصف مزاج ناظرین کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل الفاظ درج کرتا ہوں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ عقیدہ کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر چلا گیا تھا قرآن شریف اور احادیث صحیحہ

سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ صرف بیہودہ اور بے اصل اور متناقض روایات پر اس کی بنیاد معلوم ہوتی ہے مگر اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے الخ" (ازالہ اوہام طبع اول ص۲۶۸ طبع سوم ص۱۱۱)

معزز قارئین! خدارا بتلائیں کہ کیا یہ حوالہ قرآنی تعلیم اور دینی کامیابی کے متعلق ہے یا صرف حیاتِ مسیح بجسدہ العنصری کے خلافِ عقل ہونے کی تصریح پر دال ہے؟ معترض پٹیالوی نے ایسا شرمناک دھوکہ دیکر آسمانی لعنت کو خریدا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اب بھی توبہ کرلے۔

ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں اور واقعات اس کے شاہد ہیں کہ عیسائیت کے ہمہ گیر جال سے بچاؤ کا حربہ قرآنی تعلیم کے ماتحت محض وفاتِ مسیح کا عقیدہ ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو کفارہ کے زہریلے مادہ کا تریاق اور الوہیتِ مسیحؑ کے مسموم پروپیگنڈا کا واحد علاج ہے۔ بخدا آج اسلام کی زندگی عیسائیت پر غلبۂ محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری مسیح ناصریؑ کی موت پر منحصر ہے۔ حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ رکھ کر تم ہرگز نصاریٰ پر غالب نہیں آسکتے۔ قرآن مجید اس کے مخالف ہے، احادیث اس کے خلاف ہیں۔ افسوس تم پر جو حضرت خیر البشرؐ کے نام لیوا ہو کر عیسائیوں کے ہمنوا بن رہے ہو۔ نِعمَ ما قال المسیح الموعودؑ ؎

ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را
مسیحِ ناصریؑ را تا قیامت زندہ مے فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نداداند ایں فضیلت را

فقرہ چہارم "قرآن و حدیث پر مرزا صاحب کا ایمان"

اِس فقرہ میں معترض پٹیالوی نے چند نہایت بھونڈے اعتراض کئے ہیں۔ ہم ان کا ذکر کرنے سے پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں حضورؑ کا اس بارہ میں اعتقاد درج کرتے ہیں۔ حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے:-

(الف) "تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس اُن لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس قدر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے الخ" (کشتی نوح صفحہ ۲۴)

(ب) "تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدمزادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب

ہے۔ اور کسی کے لیئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ
نبی ہمیشہ کے لیئے زندہ ہے۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۳)

(ج) "وَنَعْتَقِدُ اَنَّ كُلَّ اٰيَةِ الْقُرْاٰنِ بَحْرٌ مَوَّاجٌ مَمْلُوْءٌ مِنْ
دَقَائِقِ الْهُدٰى وَبَاطِلٌ مَا يُعَارِضُهٗ وَيُخَالِفُ بَيَانَهٗ مِنْ
قِصَصٍ وَعُلُوْمِ الدُّنْيَا وَالْعُقْبٰى" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸)

ترجمہ۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ہر آیت ہدایت کی باریکیوں
سے پُر موجیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ دنیا کے قصص یا علوم جو اِس عالم یا
آخرت کے متعلق ہیں اور قرآن پاک کے معارض اور مخالف ہیں وہ سب
باطل اور غلط ہیں۔"

(د) "جاننا چاہیئے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا جو ہر ایک قوم اور ہر ایک
اہلِ زبان پر روشن ہو سکتا ہے جس کو پیش کر کے ہم ہر ایک ملک کے آدمی
کو خواہ وہ ہندی ہو یا پارسی یا یوروپین یا امریکن یا کسی اور ملک کا ہو
ملزم و ساکت و لاجواب کر سکتے ہیں۔ وہ غیر محدود معارف و حقائق و علوم
حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اُس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے
ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لیئے مسلح سپاہیوں
کی طرح کھڑے ہیں اگر قرآن شریف اپنے حقائق و دقائق کے لحاظ سے
ایک محدود چیز ہوتی تو ہرگز وہ معجزہ تامہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ فقط بلاغت و
فصاحت ایسا امر نہیں ہے جس کی اعجازی کیفیت ہر ایک خواندہ ناخواندہ کو معلوم
ہو جائے کھلا کھلا اعجاز اس کا تو یہی ہے کہ وہ غیر محدود معارف و دقائق
اپنے اندر رکھتا ہے۔ جو شخص قرآن شریف کے اِس اعجاز کو نہیں مانتا وہ علم
قرآن سے سخت بے نصیب ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِذٰلِكَ الْاِعْجَازِ
فَوَاللّٰهِ مَا قَدَرَ الْقُرْاٰنَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَمَا عَرَفَ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ
وَمَا وَقَّرَ الرَّسُوْلَ حَقَّ تَوْقِيْرِهٖ۔ اے بندگانِ خدا! یقیناً یاد رکھو کہ

قرآن شریف میں غیر محدود معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر ایک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے اور ہر ایک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے۔" (ازالہ اوہام ص۱۲۰-۱۲۱ طبع پنجم)

(ذ) "بہرحال احادیث کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اُٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔ اور جب تک قرآن اور سنّت اُن کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیئے کہ احادیثِ نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترکِ فعل، مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق کے لئے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو۔ اور اگر کسی طرح وہ تعارض دُور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو[1] کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے۔ اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اس کا مصدق ہے۔" (کشتی نوح ص۶۰)

یہ پانچ اقتباسات صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن مجید پر کیسا ایمان رکھتے تھے اور کس طرح اس کے بحرِ بے پایاں ہونے کے مدعی تھے اور دنیا کی نجات اور تمام صداقتوں کے قیام کا انحصار اس سے مختص بتاتے تھے۔ نیز حدیث رسول اللہ کا آپ کے نزدیک کیا مرتبہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول قرآن پاک

---

[1] چنانچہ حضرت نے اپنے الہام کی رُو سے بھی اسی بناء پر بعض جعلی احادیث کو غلط ٹھہرایا ہے جن کے متعلق معترض نے بھی اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ حدیث نبوی ہی نہیں۔ (ابوالعطاء)

کے مطابق ہے اسلئے جو حدیث مخالفِ قرآن ہو سمجھو وہ آپؐ کا فرمان نہیں۔ آنحضرتؐ کے ارشاد کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ مصنفِ عشرہ نے بھی اِن الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

اقتدا ئے قولِ او در جانِ ماست ۔ ہر چہ زو ثابت شود ایمانِ ماست

(درثمین فارسی)

ناظرین کرام! ہمارے اِس مختصر بیان سے آپ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ تا قرآن مجید کی عزّت قائم ہو، اس کی عظمت کا سکّہ دنیا میں جاری رہے۔ مگر افسوس کہ معترض پٹیالوی اِس ضمن میں بھی غلط بیانی سے باز نہیں آیا۔ اب ہم ذیل میں اس کی باتوں کا جواب لکھتے ہیں۔

(۱) **قولہ** ۔ "مرزا صاحب ازالہ اوہام ص۷۰۶ میں ایک مجہول الاحوال شخص کی زبانی کسی مجذوب کا ۳۰-۴۰ سال پیشتر کا کشف بیان کر کے لکھتے ہیں کہ میں قرآن کی غلطیاں نکالنے کے لئے آیا ہوں جو تفسیروں کی وجہ سے واقعہ ہو گئی ہیں۔ پھر آگے چل کر اسی ازالہ اوہام ص۷۲۷ میں لکھتے ہیں کہ "قرآن زمین سے اٹھ گیا تھا میں قرآن کو آسمان پر سے لایا ہوں" قرآن شریف کا زمین سے اُٹھ جانا اور اس میں غلطیوں کا ہونا نصِ قرآنی اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ کے قطعی برخلاف ہے۔" (عشرہ ص۱۱۱)

اقول ۔ (الف) یہ کشف بزرگ گلاب شاہ مجذوب کا ہے جو ضلع لدھیانہ میں نہایت متقی، پارسا اور ولی اللہ مشہور تھے۔ انہوں نے اپنے ایک دوست میاں کریم بخش صاحب صالح موحد سے اس کا ذکر کیا اور علامات بتا کر فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور اب قادیان میں عیسیٰ جوان ہو گیا ہے۔ وہ جب دعویٰ کرے گا تو مولوی اس کے مخالف ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ میاں کریم بخش کو "مجہول الاحوال" کہنا بدترین

ؔ اِس کشف کا ذکر بڑے اور چھوٹے سائز کی کتاب پر ص۷۰۶ و ص۷۰۷ سے علی الترتیب شروع ہوتا ہے۔ عشرہ کا حوالہ غلط ہے۔ ایسا ہی ص۷۲۷ کا حوالہ بھی غلط ہے۔ (ابو العطاء)

بد دیانتی ہے۔ اس کے گاؤں (جمال پور) کے پچاس سے زائد معززین کی جن میں ہندو اور دوسرے مسلمان شامل ہیں۔ گواہیاں شائع شدہ ہیں کہ وہ ایک نہایت راستباز، پاک طینت اور پکا نمازی ہے۔ ہاں اُس صاحبِ کشف بزرگ کا فقرہ جسے معترض نے اندرونی بغض کے ماتحت حضرت کا فقرہ ظاہر کیا ہے یہ ہے :-

"عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالیگا اور قرآن کی رُو سے فیصلہ کرے گا اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کرینگے۔ پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے۔ تب مَیں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں؟ قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہو گئیں الخ" (ازالہ اوہام ص۷۰۸)

گویا نہ اُس بزرگ نے فرمایا اور نہ حضرت کو دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی غلطی ہے اور اس کو دُور کرنے کے لیے حضرت آئے ہیں بلکہ تفسیروں کی غلطیاں مراد ہیں۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ موجودہ وقت میں قرآنِ پاک کی تفاسیر کے ذریعہ قرآن مجید پر بہت بڑا ظلم کیا گیا ہے اور اس کی تعلیمات کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیثیت از رُوئے احادیث حَکَمٌ عدل ہے۔ ان کا ہی کام تھا کہ ان تفسیری اغلاط کا ازالہ فرماویں۔ ایسے دعویٰ میں کیا جُرم ہے۔ اور اس کام کے کرنے میں جو مسیح موعود کا فرضِ منصبی ہے کیا الزام ہے؟ تدبّر و تفکّر!

اسی بناء پر مَیں کہتا ہوں کہ حضرت اقدس کا قرآن مجید کے وہ معانی بیان فرمانا جو علماءِ وقت کے خیال کے خلاف ہیں قابلِ تعجب نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں یہ پہلے سے مقدر تھا کہ علماءِ وقت مہدی معہود اور مسیح الزمان کے متعلق کہیں گے کہ اس نے ہمارے دین کو بگاڑ دیا ہے۔ اب اگر آنے والا موعود ان کہلانے والے مولویوں کا سراپا نقشِ ثانی ہوتا تو بھلا وہ کب ایسا کہتے؟ پس معترض کا یہ اعتراض کہ مرزا صاحب علماء سُوء کے مخالف معنے کرتے ہیں درست ہے اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ مسیح موعود کا انہی تفسیری اغلاط کو دُور کرنے کے لیے آنا

مقرر تھا۔ حضورؑ نے خود تحریر فرمایا ہے :-

"خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے۔" (برکات الدعا صہ ۱۹)

(ب) یہ درست ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید زمین پر سے اُٹھ گیا تھا اور میں اُسے لایا ہوں۔ لیکن اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر نہیں فرما دیا تھا کہ:

یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ - الحدیث (مشکوٰۃ کتاب العلم)

"کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب اسلام کا فقط نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن مجید اُٹھ جائے گا، اس کے صرف الفاظ رہ جائیں گے۔"

پھر دوسری روایت میں ہے :-

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ۔

(بخاری کتاب التفسیر)

"یعنی ایک فارسی الاصل انسان ایسا ہوگا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی جا چکا ہوگا تو وہ اسے واپس لے آئے گا۔"

گویا یہ بتایا ہے کہ ایمان، اسلام اور قرآن مجید کو آخری زمانہ میں واپس لانے والا، اس کی تعلیمات کو از سرِ نو تازہ کرنے والا، دینِ اسلام کی تجدید کرنے والا ایک مرد فارسی الاصل ہوگا۔ پھر بعض احادیثِ صحاح میں اس موعود کا حلیہ گندمی رنگ اور سیدھے بال قرار دیا ہے۔ نعم ما قال المسیح الموعود ؏

رنگم چو گندم است و بمو فرق بیّن است
زاں ساں کہ آمد است در اخبارِ سرورم

(درثمین فارسی)

(ج) ہم یہ بتا چکے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے کہ ایک زمانہ میں قرآن مجید اُٹھ جائے گا یعنی اس کا مغز اور اس پر عمل مفقود ہو جائے گا۔ اب یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے یا نہیں؟ بغرض اختصار صرف دوؔ حوالجات پیش ہیں۔

اوّل۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری شائع کرتے ہیں:۔

"سچی بات یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اُٹھ چکا ہے فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں مگر وَاللہِ دل سے اسے معمولی اور بہت معمولی اور بیکار کتاب جانتے ہیں۔"

(اخبار اہلحدیث ۱۴ جون ۱۹۱۲ء ص۶)

دوؔم۔ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

"اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس اُمّت کے بدتر ان کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں[1]۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔"

(اقتراب الساعۃ ص۱۲)

ہر دو اقتباس زمانہ کی حالت اور قرآن مجید کے اُٹھ جانے کا کھُلا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ کیا ان حالات کے بعد بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بروقت مبعوث ہونا آپؑ کے دعویٰ کی زبردست دلیل نہیں؟ بتاؤ اگر اُمّت کے امراض اور اسکی کمزوریوں کے لیئے حضرت احمد نبی اللہ مسیحا نہیں تو اور کون ہے؟

(د) نادان معترض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حفاظتِ قرآن کے لیئے کھڑے ہونے کو آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ کے مخالف بتاتے ہیں۔ حالانکہ آپؑ کی بعثت تو خود اسی وعدۂ الٰہی کا نتیجہ تھی۔ جب مخالفینِ اسلام بلکہ بعض مسلمان

---

[1] وہ مولوی جو بدذات فرقہ "مولویاں" پر شور مچایا کرتے ہیں ان الفاظ کو آنکھیں کھول کر پڑھیں (ابو العطاء)

کہلانے والوں نے بھی خیال کیا کہ اب اسلام چند دن کا مہمان ہے۔ اور دشمنانِ اسلام نے ہر طرف سے حملے شروع کر دیئے تب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ حفاظت کے ماتحت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۹۲۷ء میں (ہردوار) گروکل کانگڑی کی مذہبی کانفرنس پر ایک آریہ پنڈت نے میرے لیکچر کے بعد مجھے کہا کہ اگر احمدیہ جماعت نہ ہوتی تو ہم مسلمانوں کو کھا جاتے۔ مَیں نے کہا یہی تو اسلام کی سچائی کا ثبوت ہے کہ جب آپ لوگوں نے ایسا خیال کیا تو جھٹ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ حفاظت کے مطابق اپنے مقدس بندے کو کھڑا کر دیا۔ الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عین ضرورت کے وقت قرآن پاک کی حفاظت کے لیئے کھڑا ہونا اسلام کی صداقت کا درخشندہ ثبوت ہے۔ اے کاش ہمارے مخالف عقل سے کام لیں۔

(۲) **قولہ** "کشف کی حالت میں آپ کو اِنَّا انزلناہ قریباً من القادیان بھی قرآن میں لکھا ہُوا نظر آیا۔ مگر قرآن اس تحریف سے ابھی پاک ہے"

(عشرہ ص۱۱۱)

اقول۔ (الف) جب آپ اس کو کشفی حالت کا ایک واقعہ مانتے ہیں تو تحریف کا سوال ہی کیا ہوا؟ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ کشف سونے کے کنگن اپنے ہاتھوں میں دیکھے تو کیا واقعی ظاہر میں آپؐ نے سونا پہن لیا تھا؟ یا آپؐ نے جنگِ اُحد کے شہید صحابہ کو گائیوں کی شکل میں دیکھا (مسلم باب الرؤیا) تو کیا وہ فی الواقع گائیں تھے؟ حضرت یوسفؑ نے سورج چاند کو اپنے لئے سربسجود دیکھا کیا فی الواقع انہوں نے سجدہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ الغرض کشف کو ظاہر پر محمول کر کے اعتراض کرنا تو دو غلطی ہے۔

(ب) قرآن میں ہونے کا مفہوم سمجھنے کے لیئے امام قرطبی کا قول ملاحظہ فرمائیے لکھا ہے:-

"اِنَّ مِنَ الْاَحْکَامِ مَا یُؤْخَذُ تَفْصِیْلُہٗ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ کَالْوُضُوْءِ وَمِنْھَا مَا یُؤْخَذُ تَاْصِیْلُہٗ دُوْنَ تَفْصِیْلِہٖ کَالصَّلٰوۃِ وَمِنْھَا مَا

أُصُلَ أَصْلُهُ كَذَالِكَ الْكِتَابِ عَلَى أَصْلِيَّةِ السُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وَ
كَذَالِكَ الْقِيَاسُ الصَّحِيْحُ فَكُلُّ مَا يُقْتَبَسُ مِنْ هٰذِهِ الْأُصُوْلِ تَفْصِيْلاً
فَهُوَ مَاخُوْذٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَأْصِيْلاً " (فتح الباری جلد ۵ ص۱۳۱)

ترجمہ۔ بعض احکام تفصیلاً قرآن مجید سے ماخوذ ہیں جیسے وضوء، بعض صرف اصولاً ماخوذ ہیں جیسے نماز۔ اور بعض وہ ہیں جن کی اصلیت کو کتاب اللہ سے اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ سُنّت اور اجماع یا قیاس صحیح۔ ان ہر سہ طریق پر جو بات بھی مستنبط ہوگی وہ بلحاظ اصل قرآن مجید سے ہی ماخوذ قرار پائیگی "

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جو بات بذریعہ قیاس صحیح قرآن مجید سے ماخوذ ہو وہ بھی " مِن کِتَابِ اللّٰہِ " کا ہی حکم رکھتی ہے۔ اندریں صورت اِنَّا انزلناہ قریباً من القادیان کا اعتراض نہایت بے محل ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک مضمون "بخاری مسلم کتاب اللہ میں داخل ہیں" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس میں آنحضرت ؐ کے الفاظ "لا قضین بینکما بکتاب اللّٰہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

" اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ کرنے پر حلف کی۔ مگر حکم جو کیا وہ قرآن کا حکم نہیں ہے بلکہ حدیث کا ہے۔ ثابت ہوا کہ زمانہ رسالت ہی میں کتاب اللہ بول کر شریعت اللہ ہر دو نوں سے مراد لی جاتی تھی " (اہلحدیث ۴ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء صـ۳)

اس قدر عمومیت کے پیش نظر معاندین کا یہ اعتراض نہایت ہی رکیک اور بیہودہ ہے۔

(۳) **قولہ** " جب آپ (حضرت مرزا صاحبؑ) کی اس روش (سخت الفاظی) پر اعتراض ہوا تو جواب دیا کہ قرآن شریف میں بھی ایسی گندی گالیاں موجود ہیں۔ حاشیہ صـ۲۶-۲۷[1] ازالہ اوہام۔ گویا مرزا صاحب اپنے طرز کلام کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں " (عشرہ صـ۱۱)

---

[1] حوالہ صحیح نہیں ہے۔ (مؤلف)

اقول۔ بٹالوی صاحب نے اس اعتراض میں بھی خیانت سے کام لیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے جو کچھ ازالہ اوہام میں لکھا ہے وہ صرف اس قدر ہے۔ فرمایا:۔

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مَیں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دھوکا کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیانِ واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے...... دشنام اور سبّ اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلافِ واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور اگر ہر ایک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پُر ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلّت اور بُت پرستوں کی حقارت اور انکے بارہ میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سننے سے بُت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصّہ کی حالت کو بہت تحریک کی ہو گی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفارِ مکّہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ معترض کے مَن گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے؟ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شَرُّ البَرِیَّۃ قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کی رُو سے دشنام دہی میں داخل نہ ہو گا؟" (ازالہ اوہام صلا طبع سوم)

پھر حضورؑ نے اسی مضمون (دشنام اور امرِ واقعہ میں فرق) کے متعلق مزید وضاحت کے لئے آیت فَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ الخ (سورۃ قلم) کے ماتحت رقم فرمایا ہے:۔

"ان کی چرب زبانی کا خیال مت کرو۔ یہ شخص جو مداہنہ کا خواستگار ہے، جھوٹی قسمیں کھانے والا اور ضعیف الرائے اور ذلیل آدمی ہے، دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور سخن چینی سے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والا اور نیکی کی راہوں سے روکنے والا، زناکار اور باایں ہمہ نہایت درجہ کا بدخلق، اور ان سب عیبوں کے بعد ولدالزنا بھی ہے عنقریب ہم اس کے اس ناک پر جو سؤر کی طرح بہت لمبا ہو گیا ہے داغ لگا دیں گے۔ یعنی ناک سے مراد رسوم اور ننگ و ناموس کی پابندی ہے جو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ (اے خدائے قادرِ مطلق! ہماری قوم کے بعض لمبی ناک والوں کی ناک پر استرا رکھ) اب کیوں حضرت مولوی صاحب کیا آپ کے نزدیک اِن جامع لفظوں سے کوئی گالی باہر رہ گئی ہے؟"

(حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۱۲ طبع سوم)

ہردو اقتباس واضح کر رہے ہیں کہ یہ فقرات محض بطور الزام خصم لکھے گئے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ نہ حضرتؑ کے کلام میں کوئی گالی ہے نہ قرآن مجید میں۔ ہاں قرآن مجید تاریکی کے وقت آیا اسے لوگوں کے حالات بتانے کے لیئے اصلیت کو واضح کرنا ضروری تھا۔ یہی حال حضرتؑ کے کلام کا ہے۔ نادان ہے وہ شخص جو امر واقعہ کو گالی قرار دیکر اعتراض شروع کر دے۔

فقرہ پنجم حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے معجزات کے متعلق

ہم پانچویں فصل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے متعلق تفصیلی بحث کر چکے ہیں اس جگہ اس بحث کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی ذات اور بعض دیگر امور کے متعلق گفتگو کرنا ضروری ہے۔ معترض نے دس صفحات اس بیان میں سیاہ کر دیئے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے مسیح علیہ السلام کو گالیاں دی ہیں، حضرت مریم صدیقہ پر اتہام لگایا ہے، اور مسیحی معجزات کو اس رنگ میں نہیں مانا جس رنگ میں ماننے پر

الوہیت مسیح فوراً ثابت ہو جائے۔ (معجزاتِ عیسوی کے متعلق مفصّل بحث گزر چکی ہے)

حضرت مسیح علیہ السّلام کی شان کے متعلّق دسؔ عبارتیں

حضرت مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں جو الزام معترض پٹیالوی نے لگایا ہے وہ ادنے تدبر سے باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ بھلا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپکو مثیلِ مسیح کہتے ہیں تو پھر حضرت مسیح کو گالیاں کیسے دے سکتے ہیں اور اُن کی طرف بُری باتیں کیونکر منسوب کر سکتے ہیں۔ یہ بات عقلِ انسانی کے خلاف ہے۔

حضرت کے حوالجات اور تحریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کا ہی اعلان ہے۔ بطور نمونہ دسؔ حوالہ جات درجِ ذیل ہیں :-

(۱) "ہم اِس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوّت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو اُن کی شانِ بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکا کھانے والا اور جھوٹا ہے۔" (ایّام الصلح صٓ ٹائیٹل پیج)

(۲) "ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے اُن کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔" (کتاب البریہ صٓ ۹۳)

(۳) "حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ٹھہراتے رہے۔ خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بے شک ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔" (جنگِ مقدس صٓ ۵)

(۴) "حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک خدا کا پیارا نبی تھا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔" (مجموعہ اشتہارات مرتبہ مفتی محمد صادق صاحب صٓ ۹۲)

(۵) "اور اگر یہ اعتراض ہے کہ کسی نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو اس کا جواب بھی یہی کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں۔ بعض عبارات جو اپنے محل پر چسپاں ہیں وہ بہ نیتِ توہین نہیں بلکہ بتائیدِ توحید ہیں۔ و انما الاعمال بالنیات۔ اور تمہارے جیسے عقل والوں نے صاحبِ تقویۃ الایمان کو بھی اسی خیال سے کافر کہا تھا کہ بعض کلمات اُن کو اس کتاب میں ایسے معلوم ہوئے کہ گویا وہ انبیاء کی توہین کرتا ہے اور چوہڑوں اور چماروں کو اُن کے برابر جانتا ہے۔ ہماری طرح اُن کا بھی یہی جواب تھا کہ انما الاعمال بالنیات۔"

(انوار الاسلام صفحہ ۲۴)

(۶) "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تائیداتِ الٰہیہ بھی شامل تھیں اور فراستِ صحیحہ کے لئے کافی ذخیرہ تھا کہ یہود اُن کو شناخت کر لیتے اور اُن پر ایمان لاتے مگر وہ دن بدن شرارت میں بڑھتے گئے اور وہ نور جو صادق میں ہوتا ہے وہ ضرور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ میں مشاہدہ کر لیا تھا۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۷)

(۷) "میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۵)

(۸) "گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیحِ محمدی مسیحِ موسوی سے افضل ہے لیکن تاہم میں مسیح بن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۵)

(۹) "اس (مسیح ناصری) کو خدا تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کیا اور اس میں مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی اور اس میں اور مسیح میں بشدت اتصال کیا گیا گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۴)

(۱۰) "موسیٰؑ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں۔ اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں مسیح بن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۵ تقطیع خورد)

ان دسؔ حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو کس قدر پاک، مطہر اور راستباز نبی مانتے ہیں۔ خود حضرتؑ کا ان کے مثیل ہونے کا دعویدار ہونا بھی بتاتا ہے کہ حضورؑ نے ان کو کوئی گالی نہیں دی اور نہ دے سکتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے الزامی جوابات

معترض پٹیالوی نے انجام آتھم وغیرہ کتب سے بعض الزامی جوابات نقل کرکے اعتراض کیا ہے کہ دیکھو مرزا صاحبؑ حضرت عیسیٰؑ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حالانکہ اسی موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (انجام آتھم صفحہ ۱۳)

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس بات کو ناظرین یاد رکھیں کہ عیسائی مذہب کے ذکر میں ہمیں اسی طرز سے کلام کرنا ضروری تھا جیسا کہ وہ ہمارے مقابل پر کرتے ہیں عیسائی لوگ درحقیقت ہمارے اس عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے جو اپنے تئیں صرف بندہ اور نبی کہتے تھے اور پہلے نبیوں کو راستباز جانتے تھے اور آنے والے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ اور آنحضرتؐ کے بارہ میں پیشگوئی کی تھی۔ بلکہ ایک

شخص یسوع نام کو مانتے ہیں جس کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو بٹ مار وغیرہ ناموں سے یاد کرتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت مکذب تھا اور اس نے یہ بھی پیشگوئی کی تھی کہ میرے بعد سب جھوٹے ہی آئیں گے۔ سو آپ خوب جانتے ہیں کہ قرآن شریف نے ایسے شخص پر ایمان لانے کے لئے ہمیں تعلیم نہیں دی۔" (آریہ دھرم ٹائیٹل پیج آخری)

ایک تیسری جگہ فرمایا:۔

"ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ پس اسی طرح اس مردار اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات کے لئے مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صٌ)

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پادریوں کی ان گالیوں، بدزبانیوں، اور ایذارسانیوں سے تنگ آکر جو وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختیار کر رہے تھے، یسوع کے متعلق عیسائیوں کے اپنے خیالات یا ان کے مسلّمات کو پیش کر دیا ہے تا وہ اپنی اس ناپاک روش سے باز آجائیں۔ حضرتؑ نے یسوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق صاف فرما دیا ہے:۔

"هٰذَا مَا كَتَبْنَا مِنَ الْاَنَاجِيْلِ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِلْزَامِ وَاِنَّا نُكْرِمُ الْمَسِيْحَ وَنَعْلَمُ اَنَّهٗ كَانَ تَقِيًّا وَّمِنَ الْاَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ"

(ترغیب المؤمنین ص۱۹ حاشیہ)

ترجمہ۔ ہم نے یہ سب باتیں از رُوئے اناجیل بطور الزام خصم لکھی ہیں۔
ورنہ ہم تو مسیح کی عزّت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ
پارسا اور برگزیدہ نبیوں میں سے تھے۔"

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ لکھا وہ محض تورات وانا جیل کے بیانات کی بناء پر، عیسائی مسلّمات کے مطابق لکھا۔ لیکن وہ بھی کب؟ جب اس ناپاک گروہ نے تمام معصوموں کے سردار اور پاکیزگی کے مجسّمہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناقابلِ برداشت اتہام باندھے۔ بھائیو! کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ السلام) کا یہی جرم ہے کہ آپؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کے لیئے غیرتِ دینی کے باعث نصاریٰ کے سامنے ان کے مسلّمات کو ذکر کر دیا؟ کیا تم اسی بنا پر شور مچا رہے ہو؟ ویلٌ لکم ولما تکتبون۔ اے کاش تم میں سیّدنا وحبیبنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور محبّت ہوتی تو جانتے کہ وہ کس قدر قیمتی ہیرا ہے۔ اسی کو خدا تعالےٰ نے ہمیشہ کے لیئے زندہ رکھا اور اسی کا فیضان اُمتوں کی نجات کا ذریعہ ہوگا۔ بیشک تم کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے۔ لیکن ذرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن الفاظ پُرہیبت الفاظ اور رعب و شوکت سے لبریز الفاظ کو تو پڑھو۔ فرمایا:۔

"اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو کہ وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گزر گیا۔ اب وہ زمانہ آ گیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمد عربیؐ جس کو گالیاں دی گئیں، جس کے نام کی بے عزّتی کی گئی، جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اِس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں۔ وہی سچّا اور سچّوں کا سردار ہے اس کے قبول میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاجِ عزّت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک مَیں ہوں۔ جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے

غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا۔ اے نادانو! تم کفر کہو یا کچھ کہو تمہاری تکفیر کی اس شخص کو کیا پرواہ ہے جو خدا کے حکم کے موافق دین کی خدمت میں مشغول ہے اور اپنے پر خدا کی عنایات کو بارش کی طرح دیکھتا ہے۔ وہ خدا جو مریم کے بیٹے کے دل پر اُترا تھا وہی میرے دل پر بھی اُترا ہے مگر اپنی تجلّی میں اس سے زیادہ۔ وہ بھی بشر تھا اور میں بھی بشر ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صـ۲۷۴)

الزامی جوابات میں علماء اہلسنت کے دس حوالے

جناب مولوی آل حسن صاحب اپنی کتاب استفسار میں لکھتے ہیں:-

(۱) "حضرت عیسٰی نے کونسا مرتبہ درشت گوئی کا اُٹھا رکھا جو یہودیوں کے خطاب میں ان کی کفریات پر نہیں کیا۔" (استفسار صـ۴۱۷)

(۲) "حضرت عیسٰی کا معجزہ احیائے میت کا بعضے بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا کہ اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔" (" صـ۳۳۶)

(۳) "اشعیا اور ارمیا اور عیسٰی علیہم السلام کی سی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر۔" (" صـ۳۳۶)

(۴) "کلیۃً یہ بات ہے کہ اکثر پیشگوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہی ہیں جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ۔" (" صـ۱۳۳)

(۵) "یسوع نے کہا کہ لومڑیوں کے لئے گھر ہیں اور پرندوں کے لئے بسیرے ہیں۔ پر میرے لئے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ دیکھو یہ شاعرانہ مبالغہ ہے اور صریح دنیا کی تنگی سے شکایت کرنا کہ اقبح ترین ہے۔" (" صـ۳۴۹)

(۶) "حضرت عیسٰی ایک انجیر کے درخت پر صرف اس جہت سے کہ اس میں پھل نہ تھا، خفا ہوئے پس جمادات پر خفا ہونا عقلاً کمال جہالت

کی بات ہے۔" (صفحہ ۱۴)

(۷) "حضرت عیسیٰ نے یہودیوں کو حد سے زیادہ جو گالیاں دیں تو ظلم کیا۔" (صفحہ ۱۹)

(۸) "تربیت حضرت عیسیٰ کی از رُوئے حکمت کے بہت ہی ناقص ٹھہری" (صفحہ ۱)

ان کے علاوہ ایک بزرگ مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی مرحوم گزرے ہیں انہوں نے ایک کتاب ازالۃ الاوھام نامی تالیف کی ہے اس کے دو حوالے حسب ذیل ہیں:۔

(۹) "ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند، و مال خود مے خورانیدند، و زنانِ فاحشہ پاہا آنجناب را مے بوسیدند و آنجناب مرثا و مریم را دوست مے داشت، و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطا مے فرمودند۔" (صفحہ ۲۷)

(۱۰) "زہے پاکیزگی، فرزندانِ یعقوب علیہ السلام، کہ فرزندِ کلاں بکنیزک پدر ہمبستر شدند، دختر زنِ دوم زوجۂ پسر را در آغوش کرد۔ گو در وقت زنا کہ بقصد بود ندانست کہ زوجۂ پسرِ من ست و قبل از اطلاع این معنی کہ او حاملہ از من ست بحکم سوختنِ آں فرمودند، و یعقوب علیہ السلام سزا داچہ ذکر ملامت و زجر ہم بصاحبزادہ والا تبار و آں زنِ نیکوکار نکردند، و در اولادِ ہمیں فارض کہ از شکم تامار نیکو شعار برآمد داوٗد وسلیمان و مسیح اند۔" (صفحہ ۳۵)

ناظرین کرام! آپ اِن حوالجات کو پڑھیں اور بتائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے زیادہ کیا لکھا ہے؟ اب اگر مصنف عشرہ یا دوسرے علماء سُوء کی نظر میں حضور قابلِ الزام ہیں تو پھر مولوی رحمت اللہ صاحب اور مولوی آل حسن صاحب پر کیوں یہی فتوے نہیں لگایا جاتا؟ مصنّف عشرہ کو دیو بند سے خاص نسبت معلوم ہوتی ہے اسلیئے ہم ذیل میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند کا بیان بھی درج کرتے ہیں۔

الزامی جوابات اور بانیٔ مدرسہ دیوبند

آپ نے ایک جگہ بڑی وضاحت سے تحریر فرمایا ہے کہ:-

"اگر قدر شناسوں سے حد سے گزر جانے والے بڑھ جایا کریں، اور قدر شناس دشمن سمجھے جایا کریں تو نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے محب، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمت حضرت کے دشمن ہونے چاہئیں۔ غور کرکے اگر دیکھیں مُفرِط فی المحبۃ اس کا محبّ نہیں ہوتا جس کی محبت کا مدعی ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محبّ ہوتا ہے۔ نصاریٰ جو دعویٰ محبتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبّت نہیں کرتے۔ کیونکہ دارومدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسےٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو پُوجتے ہیں اور اسی سے محبّت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔ ایسے ہی شیعہ بھی اپنی خیالی تصویر سے محبّت کرتے ہیں۔ ائمہ اہلبیت سے محبّت نہیں کرتے۔ اس محبت پر محبّانِ قدر شناس کو دشمنِ اہلبیت سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا نصاریٰ بزعم خود رسول اللہ صلعم اور ان کی اُمّت کو دشمنِ عیسےٰؑ سمجھتے ہیں۔"

(رسالہ ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۴۴-۲۴۵)

اس عبارت میں الزامی جوابات کا جواز جس رنگ اور جس طریق سے مذکور ہے اسی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اختیار فرمایا ہے۔ جناب مولانا کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰؑ کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) ایک حقیقی صورت جو اسلامی عقائد میں نبی اور رسول کی ہے (۲) دوسری خیالی تصویر جو عیسائی خیالات میں خدا کا بیٹا ہونے کی ہے۔ بلاشبہ یہ سچ ہے کہ یسوع کوئی علیحدہ وجود نہ تھا لیکن درحقیقت مندرجہ بالا تشریح کی موجودگی میں ہم نصاریٰ کے پیش کردہ یسوعؑ کو حضرت

مسیح کی حقیقی صورت نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو ان کی خیالی تصویر ہی کہیں گے اور اندریں صورت اگر بعد وضاحت اس خیالی تصویر پر اعتراض کیا جاوے تو وہ اعتراض اہلِ دانش کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نہ ہوگا تا اس سے توہینِ انبیاء کی شق پیدا کی جاوے۔ اس تصریح کے ساتھ مولانا موصوف نے ایک جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق لکھا ہے :۔

"اہلِ سند جو تمام ولایتوں کے لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں ان میں کا بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے بیٹی نہیں دیتا جس طرح حضرت امیر نے اپنی دخترِ مطہرہ کو حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا۔ آپ بھی دیکھتے رہے اور صاحبزادے بھی۔ پھر صاحبزادوں میں ایک وہ بھی تھے کہ جنہوں نے تیس ۳۰ ہزار فوج جرّار کا مقابلہ کیا۔ حالانکہ وہ زمانہ ضعیفی اور تحمّل کا تھا اور بہن کے نکاح کے وقت عین شباب تھا۔"

(ہدیۃ الشیعہ ص۱۲۷ مطبوعہ مطبع ہاشمی)

یہ عبارت ناگوار ہے لیکن اہلِ دیوبند کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ جو جواب وہ اس الزامی عبارت کا دے سکتے ہیں وہی جواب ہمارا ہے۔

معترض پٹیالوی لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ پر جب اس باب میں اعتراض ہوا تو یہ کہہ دیا کہ :۔

"یہ اعتراض بائیبل کی بناء پر کئے گئے ہیں۔ بھلے آدمی بائیبل تو محرّف ہے اس کے بیان سے سند پکڑنے کی آپ کو کیوں ضرورت پیش آئی جبکہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے۔" (عشرہ ص۱۱۳)

صاف ظاہر ہے کہ حضرتؑ نے ان اعتراضات کو بطور الزامِ خصم پیش کر کے بائیبل کو سند نہیں پکڑا اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزگی کا انکار فرمایا ہے بلکہ نصاریٰ کو اُن کے مزعومہ نقشہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یسوع پر ان اعتراضات کی وہی ضرورت تھی جو مولانا محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند کو مندرجہ بالا عبارت کی

تھی۔ ہمارے حضرتؑ نے تو اپنے رسالہ فتح مسیح میں صاف تحریر فرمادیا ہے :۔

(الف) "ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح (پادری) کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے۔" (صلہ)

(ب) "ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا، نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔" (صلہ)

حضرت مسیح کی بن باپ ولادت

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بکثرت تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے محض قدرت الٰہیہ سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

(الف) "اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّقْطَعَ دَابِرَھُمْ وَیُجِیْحَ بُنْیَانَھُمْ وَیُحْکِمَ ذِلَّتَھُمْ وَخِذْلَانَھُمْ فَاَوَّلُ مَا فَعَلَ لِھٰذِہِ الْاِرَادَۃِ ھُوَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ بِالْقُدْرَۃِ الْمُجَرَّدَۃِ فَکَانَ عِیْسٰی اِرْھَاصاً لِنَبِیِّنَا ۔" (مواھب الرحمٰن صلہ)

ترجمہ۔ اللہ نے ارادہ کیا کہ یہود کی جڑھ کاٹ دے اور ان کی ذلت و رسوائی کو پختہ کرے سو اس نے اس کے لئے پہلی بات یہ کی کہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ محض قدرت سے پیدا کیا۔ پس حضرت عیسیٰؑ ہمارے نبی کے لئے ارہاص تھے۔"

(ب) "وَکَذٰلِکَ تَوَلَّدَ عِیْسٰی مِنْ دُوْنِ الْاَبِ ۔" (مواھب الرحمٰن صلہ)

ترجمہ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔"

پھر حضورؑ اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"عَجِبْتُ كُلَّ الْعَجَبِ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ الَّتِيْ هِيَ لِنُبُوَّةِ نَبِيِّنَا كَالْعَلَامَاتِ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّ عِيْسٰى تَوَلَّدَ مِنْ نُطْفَةِ يُوْسُفَ اٰبِيْهِ وَلَا يَفْهَمُوْنَ الْحَقِيْقَةَ مِنَ الْجَهَلَاتِ۔" (مواہب الرحمٰن ص۷۲)

ترجمہ۔ مجھے ان لوگوں پر بہت تعجب ہے جو ان آیات پر غور نہیں کرتے حالانکہ یہ ہمارے نبی کریمؐ کی نبوت کی علامات ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے باپ یوسف نجّار کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جہالتوں کے باعث حقیقت کو نہیں سمجھتے[1]۔"

اِن اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضورؑ کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ ایک مقام پر حضرت مریم صدیقہ کے ذکر میں فرمایا:۔

"بعض افرادِ اُمّت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی۔ تب اس کے رحم میں عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اور عیسےٰ اس سے پیدا ہوا۔" (کشتی نوح ص۴۷ طبع کلاں)

گویا حضرت مریم کی پارسائی اور حضرت مسیحؑ کی بے باپ ولادت پر آپؑ اعتقاد رکھتے تھے۔ اِس واضح صداقت کے بعد آپ پٹیالوی صاحب کی دیانت ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب بھی یہودیوں کی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو زانیہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز تعلقات کی پیدائش سمجھتے تھے۔" (عشرہ ص۱۱)

ناظرین کرام! ہم حضرتؑ کے الفاظ اُوپر درج کر چکے ہیں۔ معترض نے اِس عبارت میں حضرتؑ کا نام لے کر درحقیقت اپنی یہودیت کا ثبوت دیا ہے۔ مریم صدیقہ کو ملزم گردانا نیز حضرتؑ کے کلام میں خیانت اور تحریف کی۔ سچ ہے تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ حضرت مسیح کو تو

---

[1] یہ الفاظ اہلِ پیغام اور ان کے امیر کے لئے بھی قابلِ غور ہیں۔ (مؤلّف)

علیہ السلام نے کشتی نوح ص۱۶ پر لکھا ہے :۔

"مسیح تو میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں کیونکہ یا پنچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اس قدر، بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں۔"

حضرتؑ نے مسیحؑ کے بھائی اور بہنوں کے لئے کتاب " اپاسٹولک ریکارڈس مصنفہ پادری جان ایلن گائلز مطبوعہ لنڈن ص۱۵۹ء" کا حاشیہ میں حوالہ بھی دیا ہے لیکن چونکہ اس عبارت "میں حقیقی ہمشیروں" کا لفظ آ گیا ہے اسلئے معترض کہتا ہے کہ حضرتؑ کے نزدیک مسیح کی ولادت ناجائز تعلقات کا نتیجہ تھی۔ افسوس ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

معترض کی آنکھ نے صرف ایک لفظ حقیقی دیکھا لیکن اس کی تشریح "یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں" پر غور نہ کیا۔ اور فقرہ "پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں" پر بھی تدبر نہ کیا کہ ان میں صاف بتایا گیا ہے کہ ان کا حقیقی ہونا مجازی یا محض روحانی (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ) کے بالمقابل ہے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان سب کا ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں تھی۔ افسوس کہ معترض نے حضرتؑ کے لفظ مریم بتول کو بھی مدنظر نہ رکھا۔ بات یہ ہے کہ انہیں تو اعتراض سے غرض ہے اور مخلوقِ خدا کو دھوکہ دینا مدنظر۔

ایام الصلح کے حوالہ میں خیانت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے افغان قوم کی بنی اسرائیل سے مشابہتوں کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے :۔

" ان (افغانوں) کے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلا تکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔ حضرت مریم صدیقہؓ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے

پھرنا اس اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے۔ مگر خوانینِ سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ حتٰی کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے۔"

(ایام الصلح اردو ص۶۶ حاشیہ)

صاف ظاہر ہے کہ اس عبارت میں حضرت مریم علیہا السلام پر کوئی الزام نہیں لگایا گیا بلکہ یہودی اور افغانوں میں ایک تمدنی مشارکت کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حضرت مریم صدیقہؓ کا یوسف کے ساتھ قبل نکاح صرف پھرنا درج ہے۔

اگر معترض دیانتدار ہوتا تو اس واضح بیان پر اعتراض نہ کرتا لیکن اس کی فطرت نے جب اس صاف عبارت میں کوئی پہلو مخلوق کی گمراہی کا نہ پایا تو اس نے از راہِ خیانت عبارت کو ہی بدل دیا اور اس نے حضرتؑ کی کتاب ایام الصلح ص۶۵ سے حسب ذیل عبارت منسوب کردی، نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"افغان یہودیوں کی طرح نسبت اور نکاح میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ لڑکیوں کو اپنے منسوبوں کے ساتھ ملاقات اور اختلاط کرنے میں مضائقہ نہیں ہوتا۔ مثلاً مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ اختلاط کرنا اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگانا اس رسم کی بڑی سچی شہادت ہے۔ اور بعضے پہاڑی خوانین کے قبیلوں میں لڑکیوں کا اپنے منسوب لڑکوں کے ساتھ اس قدر اختلاط پایا جاتا ہے کہ نصف سے زیادہ لڑکیاں نکاح سے پہلے ہی حاملہ ہو جاتی ہیں۔"

اور پھر بطور نتیجہ خود لکھا ہے:۔

"مریم اپنے منسوب یوسف نجّار کے ساتھ قبل از نکاح اختلاط کرتی تھی اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگایا کرتی تھی اور **قوم افاغنہ کی طرح قبل از نکاح ہی حاملہ ہو گئی تھی۔"** (عشرہ ص۱۱۴)

ناظرین! خدارا بتلائیے کہ معترض کے نتیجہ کا آخری جلی قلم فقرہ اس کے منقولہ حوالہ

ایام الصلح میں بھی کہاں مذکور ہے ؟ ایام الصلح کی اس عبارت کے سیاق الکلام میں افغان قوم کا بنی اسرائیل ہونا ثابت کرنا مدنظر ہے مگر معترض اس سے مریم صدیقہ کا قبل از نکاح یوسف سے حاملہ ہونا بتلاتا ہے سہ

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

اس اقتباس میں صرف اسرائیلی رواج کا ذکر ہے اور اس کی مثال میں تاریخی واقعہ حضرت مریم اور یوسف نجار کا قبل نکاح پھرنا مذکور ہے۔ ایسی عورت کے معمولی ساتھ پھرنے کو (جسے ایام الصلح کی اس عبارت میں بھی صدیقہ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے) زنا یا بدفعلی پر محمول کرنا اپنی خباثت کا ثبوت دینا ہے۔

ممکن ہے کہ معترض پٹیالوی نے ایام الصلح فارسی کی عبارت کو سامنے رکھ کر یہ غلط بیانی کی ہو تو اوّل تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نہیں ہے بلکہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ہے جیسا کہ ٹائیٹل پیج صلہ پر مذکور ہے۔ دوم جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل کتاب اُردو میں مطبوعہ موجود ہے تو فارسی کو پھر اپنی اُردو میں بیان کر کے دھوکہ دینا کہاں تک روا ہے؟۔ اتنی زحمت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟۔ سوم فارسی عبارت میں لفظ اختلاط ہے جو عام ہے۔ اس جگہ اصل کے لحاظ سے اس کے معنی صرف "حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا" کے ہوں گے۔ الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت میں کوئی ایسا جملہ نہیں جس میں حضرت مریم پر زد پڑتی ہو۔ یہ صرف معترض پٹیالوی کی یہودیت نوازی ہے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ حضرت مریم کے یوسف کے ساتھ پھرنے کا ثبوت کیا ہے تو لیجئے ابن الاثیر کی مشہور تاریخی کتاب **الکامل** کی عبارت پڑھ لیجئے لکھا ہے :-

"قَدْ ذَكَرْنَا حَالَ مَرْيَمَ فِيْ خِدْمَةِ الْكَنِيْسَةِ وَكَانَتْ هِيَ وَابْنُ عَمِّهَا يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ مَاثَانَ النَّجَّارُ يَلِيَانِ خِدْمَةَ الْكَنِيْسَةِ وَكَانَ يُوْسُفُ حَكِيْمًا نَجَّارًا يَعْمَلُ بِيَدَيْهِ وَيَتَصَدَّقُ بِذَالِكَ وَقَالَتِ النَّصَارٰى

اِنَّ مَرْيَمَ كَانَ قَدْ تَزَوَّجَهَا يُوْسُفُ ابْنُ عَمِّهَا اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَقْرَبْهَا اِلَّا بَعْدَ رَفْعِ الْمَسِيْحِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَكَانَتْ مَرْيَمُ اِذَا نَفِدَ مَاءُهَا وَمَاءُ يُوْسُفَ بْنِ عَمِّهَا اَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قُلَّتَهٗ وَانْطَلَقَ اِلَى الْمَغَارَةِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَاءُ يَسْتَعْذِبَانِ مِنْهُ ثُمَّ يَرْجِعَانِ اِلَى الْكَنِيْسَةِ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ لَقِيَهَا فِيْهِ جِبْرَائِيْلُ نَفِدَ مَاءُهَا فَقَالَتْ لِيُوْسُفَ لِيَذْهَبَ مَعَهَا اِلَى الْمَاءِ فَقَالَ عِنْدِيْ مِنَ الْمَاءِ مَا يَكْفِيْنِيْ اِلٰى غَدٍ فَاَخَذَتْ قُلَّتَهَا وَانْطَلَقَتْ وَحْدَهَا حَتّٰى دَخَلَتِ الْمَغَارَةَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِيْلَ۔ الخ"

ترجمہ۔ ہم حضرت مریم کے گرجا کی خدمت کرنے کا ذکر کر چکے ہیں۔ وہ اور ان کا چچیرا بھائی یوسف نجار اس کے لئے مقرر تھے۔ یوسف حکیم اور ترکھان تھا۔ ہاتھوں سے کام کر کے صدقہ کر دیتا تھا۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ مریم سے یوسف نے نکاح کر لیا تھا لیکن حضرت مسیح کے رفع کے بعد وہ ان کے قریب گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ ہاں جب یوسف اور مریم کے مشکیزے کا پانی ختم ہو جاتا تھا تو دونوں اپنا اپنا مشکیزہ لیتے اور غار میں جا کر شیریں پانی لاتے اور گرجا میں واپس آ جایا کرتے لیکن جب وہ دن آیا جس میں جبرائیل مریم سے ملے ہیں تو صرف مریم کا پانی ختم ہوا اور اس نے یوسف کو پانی تک ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے کہا کہ میرے پاس کل تک کے لئے پانی ہے لہذا مریم نے اپنا مشکیزہ لیا اور اکیلی ہی چلی گئیں، یہاں تک کہ غار میں پہنچ گئیں اور وہاں ان سے جبرائیل ملے۔"

(تاریخ کامل جلد اول صفحہ ۱۲۱)

ناظرین کرام! آپ اس حوالہ پر غور فرماویں اور معترض پٹیالوی کی باطل پرستی پہ ماتم کریں۔!

یسوع کی دادیاں نانیاں

ضمیمہ انجام آتھم میں یسوع کے ذکر پر لکھا ہے:-

"آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا"

ہم اُوپر مفصل بتا چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ تحریر الزامی طور پر بائیبل کے بیانات کے لحاظ سے ہے۔ یعنی از رُوئے عقائد و مسلّماتِ نصاریٰ یہ بات درج ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ صراحتاً فرمایا :-

"ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لیکر حوّا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں، اور نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے انکے خداصاحب کی پیدائش میں تین زناکار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے۔"

(ست بچن حاشیہ صفحہ ۱۶۵)

پھر فرمایا :-

"یسوع کی بعض نانیوں اور دادیوں کی جو حالت بائیبل سے ثابت ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ان میں سے تین جو مشہور و معروف ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ بت سبع، راحاب، تمر" (الحکم ۱۲ر فروری ۱۹۰۲ء)

بعض لوگ اِس موقع پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر یہ بیان بطور الزامِ خصم از رُوئے بائیبل ہے تو بتاؤ بائیبل میں ان عورتوں کے زناکار ہونے کا کہاں ذکر ہے؟ سو اس کے لیئے بھی مَیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر پیش کرتا ہوں تا اس سے ایک طرف جس طرح یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بات حضرت اقدسؑ کے اپنے مسلّمات میں سے نہیں تھی بلکہ حضورؑ نے محض بطور الزام نصاریٰ لکھی تھی ویسے ہی دوسری طرف یہ بھی پتہ لگ جائے کہ ایسا ذکر کہاں مذکور ہے؟ حضرتؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"عجیب تر یہ کہ یہ کفارہ یسوع کی دادیوں اور نانیوں کو بھی بدکاری سے نہ بچا سکا۔ حالانکہ ان کی بدکاریوں سے یسوع کے گوہرِ فطرت پر داغ لگتا تھا اور یہ دادیاں نانیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تین ہیں۔ چنانچہ یسوع کی ایک

بزرگ نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی یعنی راحاب کسبی یعنی کنجری تھی۔ دیکھو یشوع ۲-۱ اور دوسری نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی اس کا نام تمر ہے۔ یہ خانگی بدکار عورتوں کی طرح حرامکار تھی۔ دیکھو پیدائش ۳۸-۱۶ تا ۳۰ اور ایک نانی یسوع صاحب کی جو ایک رشتہ سے دادی بھی تھی بنت سبلع کے نام سے موسوم ہے۔ یہ وہی پاکدامن تھی جس نے داؤد کے ساتھ زنا کیا تھا۔ دیکھو ۲ سموئیل ۱۱-۲۔" (ست بچن ص ۱۹۵)

ناظرین! اس اقتباس سے آپ کو خوب معلوم ہو چکا ہے کہ حضرتؑ نے یہ بیان بائیبل کے مسلمات کے لحاظ سے لکھا ہے اور حوالہ دیکر لکھا ہے جیسا کہ مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر بھی لکھ چکے ہیں۔ پس اب بھی اس کو الزامی جواب نہ سمجھنا بلکہ عقیدہ قرار دینا پرلے درجہ کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔

پٹیالوی صاحب کی شرمناک خیانت

مصنّف عشرہ کاملہ نے دیگر بہتانات کے ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک بڑا بہتان یہ باندھا ہے کہ حضورؑ سے منسوب کر کے حسب ذیل عبارت لکھی ہے:-

"یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کس طرح پر وہ (حضرت عیسٰیؑ) نامحرم جوان عورتوں سے ملتا تھا اور کس طرح ایک بازاری عورت سے عطر ملوا تا تھا۔ وہ ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ اور جب استاد کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اُسے عاق کر دیا۔ الحکم ۲۱ر فروری ۱۹۰۲ء" (عشرہ کاملہ ص ۱۱۵)

قارئین کرام! قطع نظر اس سے کہ اخبار "الحکم" کے اس پرچہ کے "کلمات طیبات" کا رُوئے سخن ایک عیسائی کی طرف ہے اور ساری گفتگو از روئے بائیبل ہے نیز ان عبارتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بجائے عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد ہے۔ ہم معترض پٹیالوی کی خیانت کو قابلِ نظرانداز نہیں سمجھتے۔ ناظرین کرام! آپ معترض کے الفاظ کو زیرِ نظر رکھ کر اخبار الحکم میں سے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:-

"ایک یہودی نے یسوع کی سوانحمری لکھی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ یسوع ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا اور اپنے استاد کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اُسے عاق کر دیا۔"

(الحکم مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۳ کالم ۲)

اُف! اتنی تحریف اور ایسا جھوٹ! ع اللہ اللہ خاتمہ ہی کر دیا تحریف کا۔

ہمارے حضرتؑ نے ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا ہے:۔

"ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ (حضرت مسیحؑ) عاشق ہو گئے تھے لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابلِ اعتبار نہیں آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے۔ خبیث ہیں وہ لوگ جو آپؑ پر تہمتیں لگاتے ہیں۔" (اعجازِ احمدی صفحہ ۲۵)

معترض کے ڈر اور غلط استدلال

(۱) معترض پٹیالوی لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب "مسلمانوں کے ڈر سے دکھلانے کے لئے اس طرح بھی لکھتے ہیں ؎

معجزاتِ انبیاءِ سابقیں ÷ آنچہ در قرآں بیانش بالیقیں

بر ہمہ از جان و دل ایمانِ ماست ÷ ہر کہ انکارے کند از اشقیاست

(عشرہ صفحہ ۱۱۹)

گویا تسلیم کر لیا کہ حضرت اقدسؑ حضرت مسیحؑ کے معجزات کو قرآن مجید کے بیان کے مطابق مانتے تھے۔ مسلمانوں کا ڈر یا ان کو دکھلاوے کی بھی ایک ہی کہی۔ مسیحؑ کی موت کا اعلان کرتے ہوئے نہ ڈرے، دعویٰ نبوت کرتے وقت ڈر پیدا نہ ہوا، جماعت کو غیر احمدی مکذبین سے بکلی منقطع کرتے وقت ڈر یا دکھلاوے کا خیال نہ آیا۔ صرف حضرت مسیحؑ کے معجزات کے لیئے ان کا ڈر ہو سکتا تھا۔ العجب ثم العجب۔

(۲) معترض حضرت مسیح موعودؑ کے فقرہ "مَیں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیحؑ تو شرابی تھا" سے استدلال کرتا ہے کہ حضرتؑ کے نزدیک مسیح ناصری شرابی

تھے۔ قارئین کرام! یہ کتنا غلط استدلال ہے۔ ایک ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ یہ طرزِ کلام الزاماً ہوا کرتا ہے اور "لوگ ٹھٹھا کرکے یہ نہ کہیں" تو صاف بتا رہا ہے کہ یہ محض لوگوں کا خیال ہے حضرتؑ کا اپنا خیال نہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ بعض حوالجات کی بنا دپر اس کو انجیل سے ماخوذ خیال کیا جا سکتا ہے۔

فقرہ ششم "مرزا صاحبؑ کی اخلاقی حالت"

علماء کو گالیاں دینے کے الزام کا جواب

اس ذیل میں معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے علماء کو گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے:۔

"علماء اسلام نے چونکہ مرزا صاحب کے دعووں کو نہ مانا بلکہ لوگوں کو ان کی چالاکیوں اور خلافِ شرع تعلیم سے آگاہ کر دیا اسلئے مرزا صاحب ان کے بہت ہی خلاف تھے اور ان کو نہایت غلیظ گالیوں اور گندہ الفاظ سے یاد کیا کرتے۔ ممکن ہے کہ بالمقابل بھی کسی نے ترکی بترکی خطاب کیا ہو..... یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عام طور پر سخت کلامی اور درشتیٔ تحریر کی ابتداء مرزا صاحب کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔" (عشرہ صفحہ ۱۲۶)

ابتداء کس نے کی؟

پٹیالوی صاحب نے اس عبارت میں دو دعوے کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرتؑ نے علماء کو گالیاں دیں۔ دوم یہ کہ ان گالیوں میں ابتداء آپ ہی کی طرف سے ہوئی۔ گالیوں کی حقیقت بتانے سے قبل اس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ اس باب میں ابتداء کس کی طرف سے ہوئی کیونکہ معترض کا اپنا مسلّم اصول ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس کتاب (عشرہ کاملہ) میں ناظرین بعض جگہ ایسے الفاظ بھی دیکھیں گے جو سنجیدگی و متانت کی رُو سے قابلِ اعتراض اور غیر مانوس معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے متعلق صرف اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ ایسے الفاظ کا

استعمال الزامی طور پر مرزا صاحب کی تصانیف و تقاریر سے ہی کیا گیا ہے اور اپنی طرف سے کسی جگہ زیادتی و سبقت نہیں کی گئی۔ (عشرہ ص۱۵)

اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ابتداء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ علماء کی طرف سے ہوئی تو کیا معترض پٹیالوی کے "سبقت" والے قانون کے مطابق اس کا یہ اعتراض خود بخود باطل نہ ہو جائے گا؟ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:۔

"تمام مخالفوں کی نسبت میرا یہی دستور رہا ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی مخالف کی نسبت اس کی بدگوئی سے پہلے خود بدزبانی میں سبقت کی ہو۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجّال رکھا اور میرے پر فتویٰ کفر لکھوا کر صدہا پنجاب و ہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں اور مجھے یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دیا اور میرا نام کذّاب، مفسد، دجّال، مفتری، مکّار، ٹھگ، فاسق، فاجر، خائن رکھا تب خدا نے میرے دل میں ڈالا کہ صحتِ نیّت کے ساتھ اِن تحریروں کی مدافعت کروں۔ میں نفسانی جوش سے کسی کا دشمن نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک سے بھلائی کروں مگر جب کوئی حد سے بڑھ جائے تو میں کیا کروں۔ میرا انصاف خدا کے پاس ہے۔ اِن سب مولوی لوگوں نے مجھے دُکھ دیا اور حد سے زیادہ دُکھ دیا اور ہر ایک بات میں ہنسی اور ٹھٹھا کا نشانہ بنایا۔ پس میں بجز اس کے کیا کہوں یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲)

کھلا چیلنج

ناظرین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ میں نے سخت زبانی میں کبھی اور کسی کے متعلق ابتداء نہیں کی۔ جب کبھی ایسا ہوا بطور مدافعت ہوا۔ معترض کہتا ہے کہ "سخت کلامی و درشتی کی ابتداء مرزا صاحب کی طرف سے ہی ہوتی تھی"۔ اب فیصلہ کا طریق بالکل آسان ہے اور وہ یہ کہ واقعات کے

رُو سے ہمارے مخالف کسی ایک مولوی وغیرہ کے متعلق حضرتؑ کے سخت الفاظ پیش کریں جس نے ان الفاظ سے پہلے بدزبانی نہ کی بلکہ بدزبانی میں حد سے بڑھ نہ گیا ہو۔ مخالفین کو ہماری طرف سے یہ کُھلا چیلنج ہےؔ۔ مگر وہ ہرگز اِس طریق سے فیصلہ کے لئے تیار نہ ہونگے وہ زبانی ہزار باتیں بنائیں مگر واقعات کے لحاظ سے حضرتؑ کی طرف سے سخت الفاظ کی ابتداء ثابت کرنا ناممکن، محال اور ممتنع ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی گواہی

کس نے ابتداء کی اور کون اَلْبَادِیُ اَظْلَمُ کا مصداق ہے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ:۔

"مرزا صاحب کے دعویٔ مسیحیت پر سب سے اوّل مخالف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اُٹھے۔ جنہوں نے مرزا صاحب کے اقوال کو یکجا کر کے علماء کرام سے اُن کے برخلاف ایک فتویٰ لیا جو اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں چھاپا مگر حق یہ ہے کہ بعد اس فتویٰ کے مرزا صاحب نے بجائے دبنے کے اپنے خیالات اور مقالات میں جو ترقی کی ان کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ جن خیالات پر علماء نے دیا تھا وہ کچھ بھی حقیقت نہ رکھتے تھے۔"

(رسالہ تاریخ مرزا صفحہ ۲۷)

مولویوں نے فتویٔ کفر وغیرہ میں ابتداء کی اور ان خیالات پر فتوے دیئے جنکی مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ سخت زبانی میں **ابتداء کرنے والے علماء ہی تھے۔** پس معترض کے اپنے **اصولِ سبقت** کے لحاظ سے یہ اعتراض باطل ہے۔

ؔ قارئین کرام! یہ واضح چیلنج آج سے چونتیس۳۴ برس قبل شائع کیا گیا تھا مگر کسی شخص کو اِس طریق سے فیصلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ہم آج پھر اسے دُہراتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو اِس منصفانہ طریق پر فیصلہ کرے؟ (خاکسار ابوالعطاء جالندھری۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۸ء)

گالی اور اظہارِ واقعہ میں فرق

سخت کلامی کی دو قسمیں ہیں۔ اگر اس سے محض دوسرے کی دلآزاری مقصود ہو نیز وہ کلام کذب ہو تو اُسے **گالی** کہتے ہیں لیکن اگر بوقتِ ضرورت مناسب الفاظ میں کسی حقیقت کا اظہار کیا جائے تو یہ امرِ واقعہ کہلائے گا۔ ہم اس فرق کے متعلق پیشتر ازیں بھی لکھ چکے ہیں۔ انبیاء اور خدا کے برگزیدہ بندے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں تو اگرچہ وہ سبقت نہ کریں لیکن حالات کے ماتحت ان کو مجبوراً لوگوں کی اندرونی و بیرونی امراض کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ وہ ایک ہمدرد طبیب کی طرح روحانی مریضوں کو ان کے مرض سے آگاہ کرتے ہیں۔ ناواقف سمجھتے ہیں کہ ہم کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نئی اور جھوٹی تہذیب کے دلدادہ لوگ سب نبیوں پر قریباً اسی قسم کا الزام لگاتے ہیں۔ ایک دوسری صورت اظہارِ امرِ واقعہ کی وہ ہے جو روزمرہ عدالتوں میں پیش آتی ہے۔ جج ایک مجرم کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اس پر فردِ جرم لگانے اور اس کے جرم کا اظہار کرنے پر مجبور ہے۔ نبی دنیا میں جج ہو کر آتا ہے۔ بشیر اور نذیر ہونا اسی کا ہم معنی ہے۔ اس کا کام ہے کہ دنیا کے لوگوں پر راستی سے **عدالت** کرے۔ مسیح موعود کے لئے حَکَمًا عَدْلًا کا لفظ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ **گالی** اور **امرِ واقعہ** میں فرق ہے۔ مرسلین و انبیاء کی "سخت کلامی" دوسری شق میں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

> "مَیں نے اس (سعد اللہ لدھیانوی) کی بدزبانی پر بہت صبر کیا اور اپنے تئیں روکا کیا لیکن جب وہ حد سے گزر گیا اور اس کے اندرونی گند کا پُل ٹوٹ گیا تب مَیں نے نیک نیتی سے اس کے حق میں وہ الفاظ استعمال کئے جو محل پر چسپاں تھے۔ اگرچہ وہ الفاظ جیسا کہ مذکورہ بالا الفاظ میں مندرج ہیں بظاہر کسی قدر سخت ہیں مگر وہ دشنام دہی کی قسم میں سے نہیں ہیں بلکہ واقعات کے مطابق ہیں اور عین ضرورت کے وقت لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک نبی حلیم تھا مگر ان سب کو واقعات کے مطابق ایسے

الفاظ اپنے دشمنوں کی نسبت استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ انجیل میں کسقدر نرم تعلیم کا دعوٰی کیا گیا ہے تاہم انہی انجیلوں میں فقیہوں' فریسیوں' اور یہودیوں کے علماء کی نسبت یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ وہ مکار ہیں' فریبی ہیں' مفسد ہیں' سانپوں کے بچے ہیں' بھیڑیئے ہیں' اور ناپاک طبع' اور خراب اندرون ہیں اور کنجریاں ان سے پہلے بہشت میں جائیں گی۔ ایسا ہی قرآن شریف میں زنیم وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ جو لفظ محل پر چسپاں ہو وہ دشنام دہی میں داخل نہیں اور کسی نبی نے سخت گوئی میں سبقت نہیں کی بلکہ جس وقت بدطینت کافروں کی بدگوئی انتہاء تک پہنچ گئی تب خدا کے اذن سے یا اس کی وحی سے وہ الفاظ انہوں نے استعمال کئے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰-۲۱)

معترض پٹیالوی بھی اس فرق سے متفق ہے تب ہی تو اس نے قرآن مجید کی سخت کلامی کو جواباً پیش کرنے پر لکھا ہے :-

"گویا مرزا صاحب اپنے طرزِ کلام کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔"

(عشرہ صفحہ ۱۱۱)

جس سے ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک خدا تعالٰے کا ایسے الفاظ مثل شَرُّ الْبَرِيَّةِ اور أُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ فرمانا گالی نہیں بلکہ اظہارِ واقعہ کے طور پر ہے۔ فاندفع الاشکال۔

محدثین کی شہادت

میں اُوپر لکھ چکا ہوں کہ نبیوں کا اپنے منکرین اور مکذبین کے امراضِ روحانی کا اظہار کرنا گالی نہیں۔ بلکہ ان کا فیصلہ اور حقیقت کا بیان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی تائید کے لئے محدثین کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں کسی مسلمان کے عیب کا غائبانہ ذکر کرنا غیبت ہے مگر جناب عفان کہتے ہیں :-

"كُنَّا عِنْدَ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِثَبْتٍ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ اغْتَبْتَهُ فَقَالَ اِسْمٰعِيْلُ مَا اغْتَابَهُ وَلٰكِنَّهُ حَكَمَ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ - (مسلم شریف جلد اوّل مطبوعہ مصر ص۱۶)

کہ ہم امام اسمٰعیل بن علیہ کے پاس تھے، ایک آدمی نے کسی سے روایت بیان کی۔ مَیں نے کہہ دیا کہ یہ راوی تو ثقہ نہیں۔ اُس آدمی نے کہا کہ تو نے اس کی غیبت کی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا نہیں اس نے اُس کی غیبت نہیں کی بلکہ اِس نے تو حُکم لگایا ہے کہ وہ شخص قابلِ اعتبار نہیں"

ناظرین کرام! گویا حُکم لگانے اور غیبت میں فرق ہے۔ مَیں کہتا ہوں اسی طرح انبیاء و ماموریں کی ضرورت کے وقت کی سختی اظہارِ امرِ واقعہ ہوتی ہے گالی نہیں ہوتی

علماء کی حالت اور حدیث نبویؐ

ان دو **اصولی جوابات** کے بعد کہ حضرت ؑ نے جو کچھ تحریر فرمایا مدافعت کے رنگ میں تحریر فرمایا اور عین ضرورت کے وقت موقع پر چسپاں ہونے والے الفاظ میں بیان فرمایا۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن علماء کی خاطر معترض پٹیالوی جیبیں بجیں ہوتے ہیں ان کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا اُمتِ محمدیہ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم) جب ان کے علماء **بدترین مخلوق** ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اور اس وصف والے علماء وہی ہو سکتے ہیں جو مسیح موعود کے مخالف ہوں گے۔ کیونکہ وہی وقت ہے جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا فقط نقش باقی رہ جانا مقدر ہے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود مبعوث ہو چکے ہیں اسلیئے ان کے مخالف علماء، انہیں گالیاں دینے والے علماء اس حدیث کا واقعی مصداق ہیں۔ ان کے متعلق رسول پاکؐ کے الفاظ

یہ ہیں کہ آسمان کے نیچے جس قدر مخلوق ہے وہ اس سے بدتر ہیں، گویا ہر چیز سے بدتر ہیں۔ اِس حدیث کو مدّنظر رکھ کر بآسانی سمجھ آسکتا ہے کہ ان علماءِ سُوء کے حق میں مسیح وقت نے جو کچھ فرمایا ہے وہ درحقیقت رسولِ کریمؐ کے ارشاد کی نرم سی تفسیر ہے معترض صاحب کے نزدیک اگر یہ اظہارِ واقعہ گالیاں ہیں تو پھر وہ اِس حدیث کا کیا نام رکھیں گے؟

ہاں علماء کی حالتِ زبوں کے متعلق ہمارا ہی یہ عقیدہ نہیں بلکہ مخالف موافق سب کا یہی یقین ہے۔ چند حوالجات گزر چکے ہیں بعض یہ ہیں:۔

(۱) "اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماءِ سُوء کہ طالبِ دنیا باشند۔" (الفوز الکبیر صفحہ)

(۲) "افسوس ہے اُن مولویوں پر جن کو ہم ہادی، رہبر، ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں ان میں یہ نفسانیت، یہ شیطنت بھری ہوئی ہے تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیئے۔" (اہلحدیث ۱۷ر نومبر ۱۹۱۱ء)

(۳) "آجکل کے تھرڈ کلاس کے مولوی جو ذرہ ذرہ بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دیدیا کرتے ہیں سو ان کی بابت بہت عرصہ ہؤا فیصلہ ہو چکا ہے ؎

هَلْ اَفْسَدَ النَّاسَ اِلَّا الْمُلُوْكُ ۔۔۔ وَعُلَمَاءُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(اہلحدیث ۷ر جون ۱۹۱۲ء)

(۴) "اس زمانہ میں اکثر واعظینِ اہلحدیث مقلدین میں جاکر اپنی طمع و لالچ کی غرض سے حسبِ منشاءِ عوام الناس وعظ گوئی کرتے ہیں۔" (اہلحدیث ۲۴ر مئی ۱۹۱۲ء)

(۵) ؎

"مولوی اب طالبِ دُنیا سے جیفہ ہو گئے ۔۔۔ وارثِ علمِ پیمبر کا پتہ لگتا نہیں"

(اہلحدیث ۳۱ر مئی ۱۹۱۲ء)

(۶) "علماء اِس اُمّت کے بدتران کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۲)

ایسے بیانات صاف بتا رہے ہیں کہ علماء کی حالت یقیناً متذکرہ صدر حدیث کی مصداق ہو چکی ہے۔ صاحبِ انصاف غور کریں کہ ایسے علماء کے پوست کندہ حالات کو ظاہر

کرنے کے لئے اگر مصلح دوران ضرورت کے وقت بعض الفاظ استعمال کرے تو کیا وہ قابلِ اعتراض ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

سخت الفاظ کے مخاطب صرف علماءِ سُوء ہیں

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اگرچہ مزید توضیح کی ضرورت نہیں لیکن ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے چند اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ حضرتؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں، انصارِ دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدموں پر چل رہے ہیں۔ مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے۔ راستباز علماء اس سے باہر ہیں۔ صرف خائن مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں کے وجود سے رہائی بخشے۔ کیونکہ اسلام پر اب نازک وقت ہے اور یہ نادان دوست اسلام پر ٹھٹھا اور ہنسی کرانا چاہتے ہیں۔" (اشتہار ۱۷ دسمبر ۱۸۹۲ء بعنوان قیامت کی نشانی ص۸ ملحقہ آئینہ کمالاتِ اسلام)

(۲) "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ هَتْكِ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُهَذَّبِیْنَ سَوَاءٌ كَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ اَوِ الْاٰرِیَةِ۔"

ترجمہ۔ ہم صالح علماء کی ہتک اور شرفاء کی توہین سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔" (لجۃ النور ص۲۶)

(۳) علماء کے ذکر پر فرمایا:۔

"لَیْسَ كَلَامُنَا هٰذَا فِیْ اَخْیَارِهِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِهِمْ" (الہدیٰ ص۱)

یعنی ہمارا یہ کلام شریر علماء کے متعلق ہے نیک علماء مستثنیٰ ہیں۔"

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان سخت الفاظ کے مخاطب محض علماءِ سُوء ہیں و بس۔

معترض پٹیالوی کی گالیوں پر ایک نظر

اس ضمن میں معترض نے بلا حوالہ بعض

الفاظ نقل کرکے ان کا شکوہ کیا ہے۔ اس اعتراض کا عام جواب ہم لکھ چکے ہیں معترض کا یہ کہنا کہ "مولوی ثناء اللہ امرتسری کو زبانی گالیاں دیں" یہ سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ محمد صدیق اور محمد ابراہیم امرتسری ثناء اللہ کے "چار آنہ والے گواہ" ہیں۔ جن کی بات بجوئے نیزد کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولوی عبدالحق غزنوی کی بدزبانی جب حد سے بڑھ گئی تھی تب حضرتؑ نے بطور امر واقعہ اسے مکذب علماء کے سردار کے طور پر رئیس الدجالین لکھا ہے معترض نے سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق "کانا دجال" کے حوالہ سے جو نظم درج کی ہے اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر کا حوالہ نہیں دیا۔ "کانا دجال" تو ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کی تصنیف ہے جس میں علاوہ ازیں اور بھی غلط بیانیاں ہیں۔ یوں سعد اللہ کے متعلق حضرتؑ کی کتب میں جو بعض سخت الفاظ نظر آتے ہیں ان کے ذکر پر حضرتؑ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:-

"سعد اللہ کی نسبت میری کتابوں میں بعض سخت لفظ پاؤ گے اور تعجب کرو گے کہ اس قدر سختی اس کی نسبت کیوں اختیار کی گئی مگر یہ تعجب اسوقت فی الفور دُور ہو جاویگا جب اس کی گندی نظم[1] اور نثر کو دیکھو گے۔ وہ بدقسمت اس قدر گندہ زبانی اور دشنام دہی میں بڑھ گیا تھا کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ بدزبانی کی ہو بلکہ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ جس قدر خدا کے نبی دنیا میں آتے ہیں ان سب کے مقابل پر کوئی ایسا گندہ زبان دشمن ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ سعد اللہ تھا الخ"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰)

سعد اللہ مذکور کی بدزبانیوں سے ہر شریف نالاں تھا۔ ان دنوں ڈاکٹر علامہ اقبال سکاچ مشن سکول سیالکوٹ میں پڑھتے تھے۔ آپ نے اسی زمانہ میں سعد اللہ کو مخاطب کرکے ایک برجستہ نظم کہی تھی جو اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

---

[1] اس کی گندی نظم کے نمونہ کے لئے مولوی ثناء اللہ کا رسالہ "الہامات مرزا" صفحہ ۲۰ تا ۲۲ ملاحظہ ہو۔ (مؤلف)

واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی — خوب ہوگی مہتروں میں قدردانی آپ کی
بیت ساری آپ کی بیت الخلاء سے کم نہیں — ہے پسند خاکروباں شعر خوانی آپ کی

ساری نظم کے لئے ملاحظہ ہو (آئینہ حق نما صفحہ ۱)

الغرض سعد اللہ اور اس کی قماش کے بعض دوسرے بدزبان جن کے حق میں حضرت نے بعض سخت الفاظ لکھے ہیں وہ اس کے مستحق تھے۔ ایسے ہی موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے حلیم الطبع بزرگ نے ایک کافر کو کہہ دیا تھا "اُمْصُصْ بَظْرَ اللّٰاتِ" کہ جا لات کی شرمگاہ چوستا رہ (زاد المعاد صفحہ ۲۷۸ جلد اوّل) اب کیا حضرت ابوبکرؓ بداخلاق تھے؟ ہرگز نہیں۔ پس پٹیالوی صاحب کا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

آنحضرتؐ کا خُلقِ عظیم اور مخالفین پر بدعا

خُلقِ عظیم کے ماتحت ضروری ہے کہ ہر استعداد کو اُس کے موقع پر ظاہر کیا جائے۔ صاحبِ خُلقِ عظیمؐ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ ان کفار و منافقین پر سختی کر۔ پھر آپؐ کے مُنہ سے کہلوایا وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ۔ (القلم ع) معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ کہنا خُلقِ عظیم کے منافی نہیں۔ کیونکہ خُلقِ عظیم غیرت جیسی اعلیٰ صفت کو تباہ کر دینے کا نام نہیں۔ پھر باموقع بددعا کرنا بھی خُلقِ عظیم کے منافی نہیں۔ حضرت نوحؑ نے بددعا کی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ اے خدا! زمین پر کسی کافر کو بھی نہ چھوڑ دوسرے انبیاء بھی بددعائیں کرتے رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بددعائیں کی ہیں۔ رِعل و ذکوان قبیلوں کے خلاف حضورؐ عرصہ تک روزانہ بددعا فرماتے رہے۔ لکھا ہے:۔

"دَعَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيْهِمْ شَهْرًا فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ۔"

(بخاری کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ)

کہ حضور مہینہ بھر ان کے خلاف صبح کی نماز میں بددعا کرتے رہے۔

یہ تمام حقائق ہیں جن کا انکار ناممکن محض ہے۔ مگر منشی محمد یعقوب لکھتے ہیں:۔
"سخت سے سخت موقع پر بھی کسی کے لئے بد دعا نہیں فرماتے
تھے۔ (عشرہ صفحہ ۱۲۱)

فقرہ ہفتم۔ ایفائے عہد اور حصول زر

اس عنوان کے ماتحت معترض نے براہین احمدیہ کی عدم تکمیل اور اس کی قیمت کے روپوں کا ذکر کیا ہے۔ معمولی سی بات کو بہت طول دیا ہے۔ براہین احمدیہ کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے اس صورت میں مکمل نہ ہوسکنے کو خلاف وعدہ نہیں کہا کرتے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب کو شروع فرمایا اُس وقت حضورؑ مامور نہ تھے اور حضورؑ کا ارادہ اس کے متعلق یہی تھا:۔
"کہ صداقت اسلام پر ایک کتاب لکھی جائے گی جس میں تین سو دلائل حقانیت اسلام پر ہوں گے۔ اور یہ کتاب ایک اشتہار، ایک مقدمہ اور چار فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔" (عشرہ صفحہ ۱۳۲)

لیکن بعد میں حضورؑ منجانب اللہ مامور ہوگئے اسلیئے حضورؑ نے براہین احمدیہ حصہ چہارم کے آخری صفحہ پر بعنوان "**ہم اور ہماری کتاب**" صاف لکھ دیا:۔
"ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اُس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی پھر بعد اس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو

پہنچانے کا ارادہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوارِ حقیّتِ اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمامِ حجّت کے لئے کافی ہیں۔" (براہین حصہ چہارم ٹائٹیل آخری)

گویا اب حالات بدل گئے اور مشیتِ ایزدی نے حضرتؑ کے ارادہ کو دوسری طرف پھیر دیا۔ اسی موقع کے لئے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا یہ مقولہ ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ کہ پختہ ارادوں کے فسخ ہو جانے سے ہی میں نے اپنے رب کو شناخت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے جاتے ہیں اور اپنے ہمراہ قربانیاں بھی لے جاتے ہیں۔ عمرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَيْتُ۔"

(مشکوٰۃ کتاب الحج)

کہ اگر مجھے اس معاملہ کی پہلے خبر ہوتی تو میں قربانی نہ لاتا۔"

گویا حالات کے بدلنے سے پروگرام بدل جایا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات بدل گئے اسلئے براہین احمدیہ بھی اس صورت میں مکمل نہ ہو سکی جس طرح حضورؑ پہلے ارادہ رکھتے تھے۔ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ شاہد ہے کہ انبیاء کرام کے بہت سے ارادے ظاہری طور پر پورے نہیں ہوا کرتے۔ اس کا نام خلافِ وعدہ رکھنا غلطی ہے۔

تین سَو دلائل کے متعلق حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثباتِ حقیّتِ اسلام کے لئے تین سو دلائل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہو کہ یہ دو قسم کے دلائل (علمی تعلیمات اور زندہ معجزات۔ ناقل) ہزارہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا۔"

(دیباچہ براہین پنجم ص۵)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقانیتِ اسلام کے متعلق بلحاظ اعلیٰ و اکمل تعلیمات اور زندہ معجزات قریباً اسیؔ کتب تصنیف فرمائی ہیں اور ان تمام دلائل کو بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ گویا وہ ارادہ اس رنگ میں پورا ہو گیا۔

افسوس کہ یہ لوگ جو قرآن محکم کی آیات میں بھی نسخ کے قائل ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک حکم دیکر پھر اس کو بدل دیا۔ تورات، زبور اور انجیل خدا کا کلام تھیں مگر قرآن مجید کے ذریعہ ان سب کو منسوخ کر دیا گیا۔ اتنی سی بات پر معترض ہوئے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے براہین احمدیہ کی تکمیل کے متعلق جو ارادہ ظاہر فرمایا تھا اسی طرح کیوں نہ ہوا۔ افسوس!

روایات میں لکھا ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کل آؤ میں تم کو خبر دوں گا لیکن دس پندرہ دن گزر گئے اور اس بارہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی جس سے قریش نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو خلافِ وعدہ کا الزام دیا اور یہ بات آپ پر بہت شاق گزری۔ تمام مفسرین اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ کے وقت انشاء اللہ نہ کہا تھا اسلئے ایسا ہو گیا۔ ہم اس واقعہ کی صحت کے متعلق اس جگہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن سب غیر احمدی علماء اسکو درست مانتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر کمالین کے الفاظ ہیں:-

"عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَتِ الْيَهُودُ لِقُرَيْشٍ اِسْئَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَعَنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِي الْقَرْنَيْنِ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ ائْتُونِي غَدًا أُخْبِرْكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَأَبْطَأَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتّٰى شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ" (برحاشیہ جلالین مجتبائی صفحہ ۲۴۲)

کیا معترض پٹیالوی اور اس کے ہمنوا کہیں گے کہ (نعوذ باللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ وعدہ کیا؟ اگر یہ خلافِ وعدہ نہیں اور یقیناً نہیں کیونکہ اس کا سرانجام پانا اللہ کی مشیت پر موقوف تھا تو پھر براہین احمدیہ کی تکمیل کا ارادہ ظاہر کرنے میں حضرت اقدسؑ پر خلافِ وعدہ کرنے کا الزام کیونکر عائد ہو سکتا ہے؟

حضرت جبریلؑ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرتے ہیں کہ میں رات کو ضرور آؤں گا لیکن رات گزر جاتی ہے اور وہ نہیں آتے۔ پھر جب دوسرے وقت آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيَ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ" (مشکوٰۃ باب التصاویر صفحہ ۳۸۵)

کہ آپ نے گزشتہ رات آنے کا وعدہ کیا تھا مگر نہ آئے؟ اس نے کہا وعدہ تو ٹھیک کیا تھا لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے جہاں کتا یا صورت (بت وغیرہ) ہو"

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ جبریلؑ نے خلاف وعدہ کیا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ ایک نئی صورتِ حالات پیدا ہو گئی تھی۔ اسی طرح حضرت اقدس پر بھی براہین احمدیہ کے متعلق اعتراض کرنا بددیانتی ہے بالخصوص جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرما دیا ہے:۔

"ہم اپنے گزشتہ اشتہاروں میں لکھ چکے ہیں اور اب بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیفِ کتاب بوجہ الہاماتِ الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جزو تک ضرور پہنچے بلکہ جس طور سے خدا تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کو انجام دے گا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے۔" (اشتہار واجب الاظہار ستمبر ۱۸۸۶ء)

براہین احمدیہ کا صرف کچھ حصہ شائع ہونے اور اس کا زیادہ تر حصہ شائع نہ ہو سکنے کی نسبت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک پرانا رؤیا خود براہین ہی میں شائع ہوا اور شائع بھی اس کے تیسرے حصہ میں ۱۸۸۲ء میں ہوا تھا۔ جس کے بعد چوتھا حصہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ اس رؤیا سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کا صرف کچھ حصہ شائع ہوگا اور بیشتر حصہ اس کتاب کی صورت

میں شائع نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی اَور صورت میں اور کسی اَور وقت میں شائع ہوگا۔ وہ رؤیا یہ ہے۔ حضرتؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اِس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء عیسوی میں یعنی اسی زمانہ کے قریب جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصّہ میں ہنوز تحصیلِ علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اُس وقت اِس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اِس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کے تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرتِ مقدس نبویؐ کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت صلعم نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجنابؐ کا ہاتھ مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مُردہ[1] کہ جو دروازے سے باہر پڑا تھا۔ آنحضرت کے معجزے سے زندہ ہوکر اس عاجز کے پیچھے آکھڑا ہوا[2]۔

---

[1] یہ مُردہ دینِ اسلام ہے جیسا کہ اِس خواب کے آخر میں حضورؑ فرماتے ہیں جو دینِ اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی" (مؤلف) [2] آپؑ کے پیچھے آکھڑا ہونے سے مراد آپؑ کا اسلام کی حمایت میں دشمنانِ اسلام کے مقابل پر معرکہ آرا ہونا اور آپؑ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کا اسلام کی حمایت کروانا ہے۔ (مؤلف)

اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک[1] قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش میں نے اُس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہو گئی۔ اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرتؐ کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارہ تھی۔ تب اسی نور کے مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی والحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ وہ خواب ہے کہ تقریباً دو سو آدمی کو اُنہیں دنوں میں سُنائی گئی تھی جن میں سے پچاس یا کم و بیش ہندو بھی ہیں کہ جو اکثر اُن میں سے ابھی تک صحیح و سلامت ہیں۔ اور وہ تمام لوگ خوب جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں براہین احمدیہ کی تالیف کا ابھی نام و نشان نہ تھا اور نہ یہ مرکوز خاطر تھا کہ کوئی دینی کتاب بنا کر اس کے استحکام اور سچائی ظاہر کرنے کے لئے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب وہ باتیں جن پر

---

[1] براہین کا شائع شدہ حصہ اس کتاب میں سے گویا ایک قاش ہی ہے اور باقی قاشیں آپ کے دامن میں ڈالی جانے کے معنے اور اور حصص تو ہیں اور دوسری تصانیف کے ذریعہ سے ان کا آپ کے ہاتھ سے اور آپ کے جانشینوں کے ہاتھ سے اس کا شائع ہونا ہے۔ (مؤلف)

خواب دلالت کرتی ہے کسی قدر پوری ہوگئیں اور جس قطبیت کے اسم سے اس وقت کی خواب میں کتاب کو موسوم کیا گیا تھا اسی قطبیت کو اب مخالفوں کے مقابلہ پر بوعدۂ انعام کثیر پیش کرکے حجت اسلام اُن پر پوری کی گئی ہے۔ اور جس قدر اجزا اس خواب کے ابھی تک ظہور میں نہیں آئے اُن کے ظہور کا سب کو منتظر رہنا چاہیئے کہ آسمانی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸ لغایت صفحہ ۲۵۰ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

براہین کی پیشگی رقوم کی واپسی

اب سوال صرف پیشگی رقوم کا رہ جاتا ہے۔ یعنی جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں ان کا روپیہ کیوں واپس نہ کیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خریداروں کے لئے دو۲ مرتبہ سے زائد اشتہار دیا کہ جو جو لوگ اپنی قیمتیں واپس لینا چاہتے ہیں وہ وصول شدہ کتاب واپس بھیج کر قیمت منگوالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:-

"چار حصے اس کتاب کے جو طبع ہو چکے تھے کچھ تو مختلف قیمتوں پر فروخت کئے گئے تھے اور کچھ مفت تقسیم کئے گئے تھے۔ پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔

(دیباچہ براہین پنجم صفحہ ۷)

معترض پٹیالوی نے بھی حضرتؑ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

"اکثر براہین کا حصہ مفت تقسیم ہوا ہے اور بعض سے پانچ روپیہ

لہ الحمد ﷲ کہ اس خواب کے باقی اجزاء بھی لفظاً لفظاً پورے ہو کر لوگوں کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے۔

لہ اسلئے کہ بعض لوگ تو احمدی بھی ہوگئے تھے جو اپنا مال و جان حضورؑ کے اشارہ پر قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ (مؤلف)

اور بعض سے آٹھ آنہ تک قیمت لی گئی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جن سے دس روپے لیئے گئے۔ اور جن سے پچیس روپے لیئے گئے ہوں وہ تو صرف چند ہی انسان ہیں۔" (عشرہ ص۱۳۵ بحوالہ ایام الصلح)

بس اب جہاں تک قیمت کا سوال ہے وہ بھی قابلِ اعتراض نہیں۔ جن لوگوں نے قیمتیں دیں ان میں سے حضرتؑ کے دعویٰ ماموریت کے بعد بعض حضورؑ کے مرید ہو گئے جن کا سارا مال حضورؑ پر نثار تھا اور بعض مخالف، سو انہوں نے اپنی قیمتیں بھی واپس لیں اور گالیاں بھی دیں۔ ممکن ہے کوئی شخص ایسا بھی ہو جو حضورؑ کا مرید نہ ہو لیکن اپنا روپیہ بھی واپس نہ لینا چاہے۔ بہر حال قیمت کی عدم ادائیگی یا واپسی کے متعلق سوال سراسر باطل ہے اور اس سے زیادہ حماقت یہ ہے کہ معترض لکھتا ہے کہ:۔

"کُل شائع شدہ اور فروخت شدہ کتابوں کی تعداد اور کُل وصول شدہ رقم کی فہرست شائع کرتے اور اس کے ساتھ تفصیل دیتے کہ کس قدر کتابیں مفت گئیں اور کس قدر رقیمت پر، کتنے لوگوں نے کتابیں واپس کر کے قیمت واپس لی۔ اور کتنے لوگوں کا کتنا روپیہ امانتاً باقی رہ گیا اور وہ کس مصرف میں آیا۔" (عشرہ ص۱۳۶)

گویا حضرت مرزا صاحبؑ آپ کے ملازم تھے۔ بندۂ خدا! نہ تم کتاب لینے والوں میں، اور نہ قیمت دینے والوں میں۔ جن کی قیمتیں تھیں وہ واپس لے چکے یا حضورؑ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے عام اعلان ہے کہ اگر کسی نے حضور علیہ السلام کو براہین کی پیشگی قیمت دی تھی تو وہ اپنا ثبوت دے کر، کتاب واپس کر کے آج بھی قیمت واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اب صرف مصنف عشرہ کی قماش کے لوگ ہیں جو بلا سوچے سمجھے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مانتے ہیں کہ حضورؑ نے قیمت واپس لینے والوں کے لیئے دو تین مرتبہ اشتہار دیا (عشرہ ص۱۳۵) حضورؑ نے اپنے اشتہار زیر عنوان "براہین احمدیہ اور اس کے خریدار"

میں صاف طور پر لکھا ہے :-

"ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا ان کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرما دیں اور میں اُن کا روپیہ واپس کرنے کے لیئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا کہ تا چاروں حصّے کتاب کے لے کر روپیہ ان کے حوالے کرے - اور میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں - کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لیئے قیامت میں پکڑا جائے - اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدارِ کتاب فوت ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا ۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۳۵)

جماعت احمدیہ کا روپیہ، ان کے چندے سے جو سراج منیر اور بعض دوسری کتابوں وغیرہ کے لیئے ہوتے اُن کا حساب معترض بٹیالوی سے کیا تعلق رکھتا ہے اس پر اُسے معترض ہونے کا کیا حق ہے ؟ افرادِ جماعت احمدیہ اپنے مقدس ہادی اور پاک امام کی راہ میں مال کیا جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے - چنانچہ سرزمین کابل شاہد ہے کہ حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف رضی اللہ عنہ، حضرت مولوی عبد الرحمن صاحب شہیدؓ، حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہیدؓ اور دیگر شہداء نے اپنے خون سے اس کی تصدیق کر دی ہے - احمدیوں نے اپنے آقا کے حکم پر مال دیئے، اور

لاکھوں تک دیئے، اور دیتے ہیں۔ تا تبلیغِ دین ہو، اشاعتِ سلسلہ ہو۔ اور مہمانوں کی مہمان نوازی کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس پر تمہیں اعتراض کیوں ہے؟

بالآخر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر لوگ جو تاریکی میں پیدا ہوتے اور اسی میں مر جاتے ہیں خدا کے نبیوں پر مالی معاملات میں بھی زبانِ طعن دراز کیا کرتے ہیں۔ رسولِ مقبول کو بھی غنیمتوں کی تقسیم میں مطعون کیا گیا۔ غیر تو غیر ایک نوجوان انصاری نے بھی ناسمجھی سے کہہ دیا تھا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا کہ اللہ تعالےٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے آپؐ قریش کو اموال دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔" (بخاری باب الخمس)

پس معترض پٹیالوی کا یہ اعتراض بھی کوئی نیا نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ مخالفینِ حق کا نہایت کمینہ ہتھیار ہے مگر آخر حق کی ہی فتح ہوتی ہے، ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی ہوگی۔

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی نظمیں

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ قبلہ احمدیت کی حلقہ بگوشی سے پہلے سلسلہ کے سخت مخالف تھے۔ چونکہ شاعر تھے اسلئے انہوں نے احمدیت اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف چند نظمیں بھی لکھی تھیں۔ جو ان دنوں مخالف اخبارات میں شائع ہوئیں۔ معترض پٹیالوی نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر ان نظموں کو "مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب دہلوی کے چند اشعار" لکھ کر درج کیا ہے۔ حالانکہ دورانِ مخالفت کی باتوں کو ان کے ایمان لانے اور بیعت کرنے نے خود بخود باطل کر دیا تھا۔ اور انصاف کا تقاضا تھا کہ ان غلط باتوں کی پھر اشاعت نہ کی جاتی۔ بالخصوص جبکہ حضرت میر صاحب مرحومؓ نے ان تمام باتوں کی تردید میں اشتہار بھی شائع کر دیا تھا جو درج

ذیل ہے :-

"اعلان"

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ

چونکہ یہ عاجز عرصہ تین سال سے عزیزم مرزا غلام احمد صاحب پر بدگمان تھا لہذا وقتاً فوقتاً نفس و شیطان نے خدا جانے کیا کیا ان کے حق میں مجھ سے کہلوایا جس پر آج مجھ کو افسوس ہے۔ اگرچہ اِس عرصہ میں کئی بار میرے دل نے مجھے شرمندہ بھی کیا لیکن اس کے اظہار کا یہ وقت مقدر تھا۔ باعث اِس تحریر کا یہ ہے کہ ایک شخص نے میرزا صاحب کو خط لکھا کہ مَیں تم سے موافقت کیونکر کروں، تمہارے رشتہ دار (یعنی یہ عاجز) تم سے برگشتہ و بدگمان ہیں۔ اِس کو سُنکر مجھے سخت ندامت ہوئی، اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنے گناہوں کے علاوہ دوسروں کے نہ ماننے کے وبال میں نہ پکڑا جاؤں۔ لہذا یہ اشتہار دے کر مَیں بری الذمہ ہوتا ہوں۔ مَیں نے جو کچھ مرزا صاحب کو فقط اپنی غلط فہمیوں کے سبب سے کہا، نہایت بُرا کیا، اب میں توبہ کرتا ہوں اور اس توبہ کا اعلان اسلیئے دیتا ہوں کہ میری پَیروی کے سبب سے کوئی وبال میں نہ پڑے۔ اب سب لوگ جان لیں کہ مجھے کسی طرح کی بدگمانی میرزا صاحب پر نہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ اِس کے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تقریر کو چھپواوے اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہے تو مَیں عنداللہ بَری ہوں۔ اور اگر کبھی مَیں نے میرزا صاحب کی شکایت کی یا کسی دوست سے آپ کی نسبت کچھ کہا ہو تو اس سے

اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی مانگتا ہوں۔

المعــــــــــلن

میر ناصر نواب نقشہ نویس دہلی ؎ (تبلیغ رسالت جلد ۱ صٹ)

اِس اعلان کے بعد ان نظموں کو شائع کر کے دھوکا دینا پرلے درجہ کی کمینگی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسولِ پاک کے خلاف کس قدر زور لگایا حتیٰ کہ تلوار لیکر آپ کے قتل کے لیئے چل کھڑے ہوئے، مگر جب وہ تائب ہو گئے سب گناہ دُھل گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (یوسف ع) میں حضرت یوسف علیہ السلام کو چور کہا لیکن جب توبہ کی تو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ سے مخاطب ہوئے۔

حضرت میر صاحب موصوف رضی اللہ عنہ کی ان نظموں کو محض حضور علیہ السلام کے رشتہ دار ہونے کے باعث حجّت ٹھہرانا اس وقت بھی غلط تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو لہب کے حالات پر غور کرو اور پھر بتاؤ کہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ یہ لوگ گھر کے بھیدی تھے اسلیئے ایمان نہ لائے؟ لیکن حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے جب خود سابقہ خیالات کی تردید کر دی ہے اور توبہ کر لی اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور پورے اخلاص و فدائیت سے زندگی گزاری تو کیا پھر بھی اُن کے سابقہ اشعار کو بیان کرنا بددیانتی نہیں ہے؟

کفارِ عرب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہی عذر پیش کیا کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ دار جو آپ سے زیادہ واقف ہیں وہ ایمان نہیں لاتے۔ لکھا ہے:-

"وَيَقُوْلُ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا وَتَمْلِكُوْا بِهَا الْعَرَبَ وَيَدِيْنُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ فَاِذَا اٰمَنْتُمْ كُنْتُمْ مُلُوْكًا فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ لَهَبٍ وَرَاءَهٗ يَقُوْلُ لَا تُطِيْعُوْهُ فَاِنَّهٗ صَابِئٌ كَذَّابٌ فَيَرُدُّوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَقْبَحَ الرَّدِّ وَيُؤْذُوْنَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ اُسْرَتُكَ وَعَشِيْرَتُكَ اَعْلَمُ بِكَ حَيْثُ لَمْ يَتَّبِعُوْكَ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَيَقُوْلُ

اَللّٰھُمَّ لَوْ شِئْتَ لَمْ یَکُوْنُوْا ھٰکَذَا۔ (زاد المعاد جلد ۱ ص)

ترجمہ۔ آنحضرتؐ قبائل کے پاس جا کر کہتے کہ کلمۂ توحید پر ایمان لاؤ تم کامیاب ہو جاؤ گے اور عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے اطاعت گزار ہو جائیں گے۔ اگر تم ایمان لاؤ گے تو جنّت میں بادشاہ ہو گے! ابولہب (حضورؐ کا چچا) آپؐ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا تھا کہ اس کی اطاعت نہ کرنا یہ تو بے دین اور کذاب ہے۔ پس قبائل آنحضرتؐ کی دعوت کو بُری طرح ردّ کر دیتے اور کہتے کہ تیرے خاندان اور قبیلہ کے لوگ چونکہ تجھ سے خوب واقف ہیں، وہ گھر کے بھیدی ہیں اسلئے وہ تیری پیروی نہیں کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی دعوت الی اللہ کرتے رہتے اور کہتے اے خدا! اگر تُو چاہے تو یہ ایسے نہ ہوں۔"

اس تاریخی شہادت سے ظاہر ہے کہ پہلے بھی بعض نادانوں نے یہی اعتراض کیا تھا مگر وہ باطل پر تھے۔ اسی طرح آج کے یہ معترض بھی باطل پر ہیں۔ ابولہب نے توبہ نہ کی اور ان الزامات کی تردید نہ کی۔ لیکن قبلہ میر صاحب احمدیت میں نہایت اخلاص، عقیدت اور جاں سپاری سے داخل ہوئے اور خدمات سلسلہ بجا لا کر اُن تمام باتوں کی تلافی فرما دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ کیا یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل ہے یا محلِ اعتراض؟ تدبّر!

فقرہ ہشتم "مرزا صاحب کا توکّل علی اللہ"

(۱) معترض پٹیالوی لکھتا ہے:-

"نکاح کے متعلق کس زور شور سے الہام ہیں جن میں شک اور شبہ کو دخل بھی نہیں ہو سکتا لیکن ان الہامات کے ساتھ خارجی اور دنیاوی تدابیر سے بھی مرزا صاحب بے فکر نہ تھے۔" (عشرہ ص ۱۳)

اس کے بعد چند خطوط کا تذکرہ کیا ہے جو حضرتؑ نے مرزا احمد بیگ صاحب وغیرہ

کو لکھے اور اس رشتہ کے لیئے کوشش کی۔ گویا الہامی وعدہ کے بعد کوشش خلافِ توکّل ہے۔

الجواب - الٰہی وعدہ کے باوجود بھی کوشش کرنا توکّل کے مخالف نہیں۔ ہاں اپنی تدبیر اور کوشش کو کارگر اور اصل ذریعۂ کامیابی سمجھنا توکّل کے منافی ہے اسلام کا توکّل یہی ہے کہ تم ساری تدبیروں سے کام لو مگر نتیجہ پھر خدا کے فضل سے سمجھو، نہ اپنی تدبیر سے۔ ورنہ کیا جب نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح، کامیابی اور غلبہ کے وعدے مل جاتے ہیں تو وہ تبلیغ بند کر دیتے ہیں یا جنگ کے لیے سامان نہیں کرتے؟ ایک طرف اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح کی بشارت دیتا ہے اور دوسری طرف وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ[1] کا بھی حکم دیتا ہے۔ معلوم ہوا محض کوشش توکّل کے خلاف نہیں بلکہ یہ عین توکّل ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے جب کنعان میں مقابلہ سے انکار کیا تو انہیں کہا گیا۔ اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (مائدہ ع) یعنی تم ان پر داخل ہو جاؤ، مقابلہ کرو، تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر توکّل کرو، اگر تم مومن ہو۔ معلوم ہوا کہ وعدۂ الٰہی، مومنوں کی کوشش، اور پھر توکّل ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے مخالف سمجھنا غلطی ہے۔ پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود ع) کہ ہر جاندار کا رزق مجھ پر ہے۔ تو کیا اب منشی محمد یعقوب کو گرداوری وغیرہ کر کے روزی وغیرہ کمانے کی ضرورت نہ ہوگی، اور کیا کام کرنا اس وعدہ کے تحت توکّل کے خلاف ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متذکرہ بالا اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:۔

"افسوس کہ یہ لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔ انبار در انبار ان کے دامن

---

[1] یعنی کفار کے لیئے پوری طاقت اور گھوڑوں کی مضبوطی و مرابطت سے تیاری کرو۔ (انفال ع)

میں جھوٹ کی نجاست ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ عیسائی کہا کرتے تھے کہ اگر آنحضرتؐ کے لئے قرآن شریف میں فتح کی پیشگوئی کی گئی تھی تو آپؐ نے جنگیں کیوں کیں اور دشمنوں کو حیلوں تدبیروں سے قتل کیوں کیا؟ آج اسی قسم کے اعتراض یہ لوگ پیش کر رہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے انکے تالیف قلوب کے لئے حیلوں سے کیوں کوشش کی گئی اور کیوں احمد بیگ کی طرف ایسے خط لکھے گئے؟ مگر افسوس کہ یہ دونوں یعنی عیسائی اور یہ نئے یہودی یہ نہیں سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں جائز کوشش کو حرام نہیں کیا گیا۔ جس شخص کو خدا یہ خبر دے کہ فلاں بیمار اچھا ہو جائے گا اس کو منع نہیں ہے کہ وہ دوا بھی کرے کیونکہ شاید دوا کے ذریعہ سے اچھا ہونا مقدر ہو۔ غرض ایسی کوشش کرنا نہ عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک ممنوع ہے نہ اسلام میں۔" (اعجاز احمدی [11])

(۲) قولہ:۔ "اس رشتہ کے ضمن میں ہی اپنی پہلی بیوی اور دو بیٹوں سے قطع تعلق کی دھمکی دی بلکہ بیٹوں کو عاق کر دیا اور بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی۔" (ملخصاً عشرہ منہ ۱۴۰۔ مہ ۱۴۱)

الجواب:۔ قرآن مجید کا حکم ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ہود ع) کہ ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تم کو بھی آگ چھوئے گی۔" اسلئے ایسے رشتہ دار جو دینی معاندت پر کمربستہ ہوں ان سے علیحدگی ضروری ہے۔ باپ کو بیٹے زیادہ پیارے ہوتے ہیں لیکن اگر وہ عاق کر دے یا اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو سمجھنا پڑے گا کہ یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی۔ یہی حال اس جگہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا سلطان احمد صاحب اور اس کی دونوں والدہ کے "دینی مقابلہ" اور "دینی مخالفت" کے باعث انہیں مشروط طور پر سزا دینے کا اعلان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا سلطان احمد

صاحب کو بالآخر توبہ کی توفیق بخشی اور وہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ بہرحال اُس وقت حضرت ؑ نے اُن کی حالت کے متعلق اشتہار نصرتِ دین میں لکھا تھا کہ :-

"میری مخالفت پر کمر باندھی اور قولی اور فعلی طور پر اس مخالفت کو کمال تک پہنچایا اور میرے دینی مخالفوں کو مدد دی اور اسلام کی ہتک بدل و جان منظور رکھی۔ سو چونکہ اس نے دونوں طور کے گناہوں کو اپنے اندر جمع کیا۔ اپنے خدا کا تعلق بھی توڑ دیا اور اپنے باپ کا بھی اور ایسا ہی اُس کی دونوں والدہ نے کیا۔ سو جبکہ انہوں نے کوئی تعلق مجھ سے باقی نہ رکھا اسلئے مَیں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۱)

(۳) **قولہ** "اپنے لڑکے فضل احمد کو مجبور کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ الخ" (عشرہ)

الجواب - اس کی وجہ تو وہی تھی جو اُوپر مذکور ہو چکی ہے۔ یوں شریعت اسلامیہ میں باپ یا ماں کو اختیار ہے کہ دینی حالات کے مناسب بیٹے کی بیوی کو طلاق دلوا دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل ؑ کو کہہ کر اُن کی بیوی کو طلاق دلوا دی تھی۔ (بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۱۴۷) حضرت عمر ؓ نے ابنِ عمر کو کہا تھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ کتاب الطلاق) ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ؐ سے کہا کہ میری والدہ مجھے بیوی کے طلاق دینے کا حکم دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر طلاق دیدو۔ کیونکہ الوالد اوسط ابواب الجنۃ۔ پس حالات کے پیش نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسا کرنا ہرگز قابلِ اعتراض نہ تھا۔

(۴) **قولہ** "شریعت کی رُو سے عاق بیٹا محروم الارث نہیں ہو سکتا۔" (عشرہ صفحہ ۱۱۱)

الجواب - معترض نے اس دعویٰ کے لئے کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی اسلئے شائستہ اعتناد نہیں۔ دراصل عاق قرار دینا اس بات کا مترادف ہے کہ میں شدید دینی اختلاف کے باعث اپنی جائیداد سے حصہ نہیں دینا چاہتا۔ جس طرح زندگی میں جائیداد کو باپ تقسیم کرتا ہے اسی طرح دینی مخاصمت کی بناء پر بیٹے کو اس سے محروم بھی قرار دے سکتا ہے۔ فقہاء بھی اختلافِ دین کو محروم الارث ہونے کا ایک سبب تسلیم کرچکے ہیں

(۵) **قولہ** "کیا انبیاء کرام اور بزرگانِ دینِ اسلام میں کوئی ایسی مثال موجود ہے کہ کسی نے ایک عورت کے نکاح کے لئے ایسے پاپڑ بیلے ہوں ؟" (عشرہ ص۱۴۲ حاشیہ)

الجواب - "پاپڑ بیلنے" کا تو وہی اعتراض ہے جو سب مخالفینِ اسلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ کیا آریہ اور عیسائی معاند بعینہٖ یہی لفظ نہیں لکھتے۔ نہ اس جگہ کوئی قابلِ اعتراض بات ہے نہ وہاں تھی۔ نکاح کے متعلق ایک پیشگوئی تھی جس کا ذکر فصل دہم میں موجود ہے۔ یہ ایک نشان ہے جو اپنی قہری تجلّی کے ساتھ پورا ہوا اور شرط کے مطابق پیشگوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ معترضین کی آنکھیں کھولے آمین۔

(۶) **قولہ** "احادیثِ صحیحہ سے واضح ہے کہ نبیوں کا مال کسی کی میراث نہیں ہوتا" (عشرہ ص۱۴۲)

الجواب - معترض نے اس جگہ بھی خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اس نے حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ کو تو نقل کردیا مگر اس کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ، حضرت عمرؓ اور ایک گروہ صحابہ کی جو تفسیر "یُرِیْدُ بِذَالِکَ نَفْسَہٗ" مذکور تھی اس کو حذف کر دیا۔ (دیکھو بخاری باب فرض الخمس جلد ۲ ص۱۱۱ مصری)

پس اس کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ ان احادیث میں خاص رسول کریم

کی ذات مراد ہے۔ یہ تخصیص حضرت عائشہؓ اور عمرؓ ایسے صحابہؓ نے بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اس قانون سے خاص حضورؐ کی ذات ہی مراد تھی۔

دوم۔ عام معنوں کے لحاظ سے یہ آیت قرآنی وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ (النمل ع ۲) کے مخالف ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے تھے۔ وارث ہونے والا بھی نبی ہے اور جس کی وراثت ہے وہ بھی نبی ہے۔

سوم۔ عقلاً یہ ایک ظلم ہے کہ زید اور عام مومنین کے بیٹے تو انکی جائیداد کے وارث ہوں مگر نبیوں کا بیٹا ہونا بھی کوئی جرم ہے جو انسان ان کی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ نبیوں کے اموال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ذاتی، قومی۔ قومی اموال قوم و مذہب کی ایک امانت اُن کے سپرد ہوتی ہے۔ اُن اموال کی وارث ان کی اولاد جسمانی نہیں ہو سکتی بلکہ روحانی اولاد یعنی ان کی اُمت اور اُن کا خلیفہ ان اموال میں ان کا جانشین ہوگا۔ ہاں اگر کسی نبی کی ذاتی یا جدی جائیداد موجود ہو تو وہ اس کی نسل میں ضرور وراثۃً تقسیم ہوگی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ذاتی جائیداد نہ تھی اسلئے آپؐ نے اپنی وراثت کے جاری ہونے سے انکار فرمایا۔ حضرت داؤدؑ کی ذاتی جائیداد تھی اسلئے سلیمانؑ ان کے وارث ہوئے۔ نفس وراثت کو منافیٔ نبوت سمجھنا عقل و نقل کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔ چونکہ حضرت اقدسؑ کی جدی جائیداد موجود تھی اسلئے ان اموال میں حضورؑ کی وراثت ہو سکتی تھی اور ہوئی۔ ہاں جو قومی اموال تھے ان میں ساری جماعت اور خلیفۂ وقت حضورؑ کا جانشین ہے فلا اعتراض۔

فقرہ نہم "مرزا صاحبؑ اور تصوف"

منشی محمد یعقوب لکھتے ہیں :-

"یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تصوّف اور شریعت دو متغائر امور نہیں۔
تصوّف عینِ شریعت ہے اور شریعت عینِ تصوّف۔" (عشرہ ص۱۴۳)

یہ درست ہے لیکن اگر تم بھی اس کو مانتے تو اس عنوان کی کیا ضرورت تھی؟ کیا شریعت کے ضمن میں یہ اعتراض نہ ہوسکتے تھے۔ اس ضمن میں معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ کیا ہے لیکن بالعموم حضرت اقدس کی طرف خود تراشیدہ باتیں یا از خود الزام منسوب کرکے ان صفحات کو سیاہ کیا ہے جن کا جواب صرف لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ہے۔ تاہم قولہ و اقول کے طریق پر جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) **قولہ**۔ "مرزا صاحب اور ان کے مرید عام مسلمانوں کی طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ مانتے ہیں" (عشرہ ص۱۴۳)

اقول۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ اور حضرت مسیحؑ کے متعلق جو تم نے الزام لگائے تھے وہ بھی باطل ہیں۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ جماعت احمدیہ حضرت جنید کو تو بزرگ مانے لیکن نبیوں کی ہتک کرے؟

(۲) **قولہ**۔ "اپنی تصویر اتروا کر مریدوں کے پاس فروخت کی۔ گویا ایسے شرک کو رواج دیا جو ۱۳۰۰ برس سے بند کیا جا چکا تھا"

اقول۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ صریح جھوٹ ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۳) **قولہ**۔ "کیا کوئی مثال ہے کہ مرزا صاحب کو کسی لغزش پر ان کے خدا نے تنبیہ کی ہو" (عشرہ ص۱۴۴)

اقول۔ یہ مطالبہ معترض نے حضرت جنیدؒ کے اس واقعہ پر کیا ہے کہ ایک بار انہوں نے کسی بیمار کے لئے شفاء کی دعا کی۔ ہاتفِ غیب سے آواز آئی "اے جنید! خدا اور اس کے بندے کے درمیان تیرا کیا کام؟

تو دخل مت دے۔" (عشرہ ص۱۴۴)

جواباً واضح رہے کہ معترض کا یہ مطالبہ احمدیہ لٹریچر سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"سردار نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا لڑکا عبدالرحیم خان ایک شدید محرقہ تپ کی بیماری سے بیمار ہوگیا تھا اور کوئی صورت جانبری کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ گویا مُردہ کے حکم میں تھا۔ اس وقت مَیں نے اس کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم کی طرح ہے۔ تب مَیں نے جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ یا الٰہی! مَیں اس کے لئے شفاعت کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ یعنے کس کی مجال ہے کہ بغیر اذن الٰہی کے کسی کی شفاعت کرسکے؟ تب مَیں خاموش ہوگیا۔ بعد اس کے بغیر توقف کے یہ الہام ہوا اِنَّکَ اَنْتَ الْمُجَازُ یعنے تجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی۔ تب مَیں نے بہت تضرع اور ابتہال سے دعا کرنی شروع کی تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور لڑکا گویا قبر میں سے نکل کر باہر آیا۔"

(حقیقۃ الوحی ص۲۱۹)

ہم اس واقعہ کو لغزش سے تعبیر نہیں کرسکتے لیکن حضرت جنیدؒ کے قصّہ سے بالکل مشابہ ہے۔

(۴) اس فقرۂ مُبہم کے آخر میں معترض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کھانے پہ اور آپؑ کے پاس ہزاروں روپوں کے آنے پر اعتراض کیا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ جو ایسے مہدی کے قائل ہیں کہ وہ روپوں سے اُن کے گھر بھر دے گا' روپیہ کا اعتراض کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفاظتِ

اسلام کے لیئے مامور کیا۔ اس لیئے ساری جماعت کا نظام آپ کے سپرد تھا اور آپؑ اس روپیہ کو اشاعتِ اسلام میں خرچ فرماتے تھے' اس میں اعتراض کیا ہے ؟ اچھے کھانے منع نہیں ہیں' صحابہ نے کھائے' نبیوں نے کھائے۔ اچھے مکانوں میں رہتے رہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ یاد کرو جو " **بِغَیْرِ حِسَابٍ** " کے مصداق تھے۔ درحقیقت یہ باتیں قابلِ اعتراض نہ تھیں بلکہ شریعت کے لحاظ سے جائز اور بعض صورتوں میں ضروری تھیں۔ تاکہ شریعت کے متعلق جو افراط وتفریط کی راہ اختیار کی گئی ہے اس کو دُور کیا جائے۔ آپ لوگ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے پس خوردہ کے عادی ہیں۔ مولوی صاحب کی ایک تحریر جو انہوں نے ایک شیعہ کے جواب میں لکھی گئی ہے ملاحظہ کرلیں۔ لکھتے ہیں :-

> " اچھا صاحب ! سُنیئے پلاؤ قورمہ کھانا' نوار کے پلنگ پر سونا' وغیرہ تو **قرآن مجید سے بھی ثابت ہے**۔ غور سے سُنیئے اگر آپ کے قرآن میں نہ ہو تو صحیفہ عثمانیہ میں ملاحظہ کیجیئے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ
>
> .... اے نبی (علیہ السلام) ! تم کہہ دو کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت اور پاکیزہ رزق کس نے حرام کئے ہیں؟ تم یہ بھی کہہ دو کہ دنیا میں تو یہ مومنوں کے لیئے مشترک ہیں آخرت میں خاص انہی کے لیئے ہونگے "۔ (اخبار اہلحدیث ۹ر فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲)

جب شریعت ہی عینِ تصوّف ہے تو اس شرعی اجازت بلکہ مستحب کے بعد' عمدہ کھانے یا عمدہ لباس کو حسبِ استطاعت استعمال کرنے سے

رُکنا یقیناً اسلامی تصوّف نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار مومن سے کہا تھا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثَرُ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی نعمت کا نشان اس کے بندے پر نمایاں ہو۔

الغرض اس زمانہ میں تصوّف اور شریعت کی صحیح راہ بتانے والا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اور آپؑ نے اپنے قول اور عمل سے اس کا بہترین نمونہ قائم کیا ہے۔ جس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو پاکیزہ اور مطہر بنا دیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی مُطَاعِہٖ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا۔

فقرہ دہم۔ "بہشتی مقبرہ"

(ا) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی وحی اور ایماء کے ماتحت جماعتِ احمدیہ کے صاحبِ تقویٰ، ایثار پیشہ اور صلحاء کے لئے ایک بہشتی مقبرہ تجویز فرمایا۔ یہ قبرستان آسمانی بشارتوں کے باعث مومنین کی نظر میں خاص وقعت رکھتا ہے لیکن کافر اور منافق اس انتظام پر معترض ہیں۔ پٹیالوی صاحب کے لئے تو یہ امر سوہانِ روح بن رہا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے پاس کتنا کس روپیہ آتا ہے حالانکہ روپیہ دینے یا لینے والے جانیں، تمہیں بے جا دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں، اسے ضرورت ہے کہ افترا کرے۔ چنانچہ معترض لکھتا ہے:۔

"سنہ ۱۹۰۶ء میں اس مقبرہ پر تین ہزار روپیہ صرف کیا اور سنہ ۱۹۰۷ء کے لئے گیارہ ہزار کا مطالبہ ہوا۔ اور صاف لفظوں میں اعلان کیا گیا کہ جو کوئی اس مقبرہ میں مدفون ہوگا بہشتی ہو جائے گا۔ اب غور کا مقام ہے کہ کیا اس اعلان سے کُل انبیاءِ کرام خصوصاً حضرت محمد مصطفےٰ

صلے اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین' اور صحابہ کرام کی سخت تکذیب و توہین نہیں ہوتی؟ کہ صرف دسواں حصّہ جائداد دے کر جو وہاں دفن ہوا بہشتی ہوگیا۔ خواہ اعمال کی کچھ ہی حالت ہو" (عشرہ ص۱۴۴)

ناظرین کرام! اس عبارت میں معترض نے ایک نہایت ناپاک افتراء کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس مقبرہ میں دفن ہونے والا صرف دسواں حصّہ دینے سے بہشتی بن جائے گا خواہ اس کے اعمال کی کچھ ہی حالت ہو۔ گویا وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی نظر میں تقویٰ اور طہارت کی تو کوئی قدر نہیں صرف مال کا دسواں حصّہ لے کر آپؑ اس مقبرہ میں دفن کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ الوصیّۃ میں جہاں اس مقبرہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں تحریر کیا ہے:۔

(الف) "تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو' اور محرّمات سے پرہیز کرتا ہو اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو' سچا اور صاف مسلمان ہو۔ (۴) ہر ایک صالح جو اس کی کوئی بھی جائیداد نہیں' اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا' اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔" (ص۲۰)

(ب) "یاد رہے کہ صرف یہ کافی نہ ہوگا کہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کا دسواں حصّہ دیا جاوے بلکہ ضروری ہوگا کہ ایسا وصیّت کرنے والا جہاں تک

اس کے لئے ممکن ہے پابند احکام اسلام ہو، اور تقویٰ طہارت کے امور میں کوشش کرنے والا ہو۔ اور مسلمان خدا کو ایک جاننے والا، اور اس کے رسولؐ پر سچا ایمان لانے والا ہو اور نیز حقوقِ عباد غصب کرنے والا نہ ہو۔"

(الوصیت ص۲۲)

ہر دو اقتباس واضح طور پر معترض کی تردید کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اعلان فرماتے ہیں کہ اوّلین شرط تقویٰ و طہارت اور اعمال صالح ہے۔ اگر کوئی خادم دین ہو خواہ اس کی جائداد نہ بھی ہو وہ بھی اس جگہ دفن ہو سکتا ہے اور صرف دسواں حصّہ دے دینا ہرگز کافی نہیں لیکن معترض پٹیالوی کس جرأت، بے باکی، بلکہ بے حیائی سے کذب بیانی کر رہا ہے کہ وصیت کنندہ صرف دسواں حصّہ دیدے خواہ اس کے اعمال کی کچھ ہی حالت ہو۔ اُف! اتنا جھوٹ۔

(۲) احادیث نبویہ میں مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے جنّت کے درجات ان سے بیان کرے گا۔ يُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ (مسلم باب ذکر الدجال جلد۲ ص۴۰۱) اس پیشگوئی کو اللہ تعالیٰ نے عملاً بہشتی مقبرہ سے پورا کر دیا ہے۔ اس انتظام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تصدیق مطلوب ہے نہ کہ حضورؐ کی تکذیب۔ ان بزرگوں کی اس میں توہین کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ، بالخصوص اہل بدر کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ تم کچھ کرو، اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ یعنی تم اب بہرحال نیک کام کرو گے؟ گویا وہ جنّتی تھے (بخاری کتاب المغازی جلد۳ ص۵) پھر خاص دس صحابہ کو آپؐ نے جنّت کی بشارت دی جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ لکھا ہے "عَشَرَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ فِي الْجَنَّةِ اَبُوْبَكْرٍ

فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ۔ الحدیث (معجم صغیر طبرانی ص۱۳)

پھر خود حضورؐ نے ایک قبرستان جنّۃ البقیع (اُردو میں بہشتی مقبرہ) تجویز فرمایا اور صحابہ کو کہا۔ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ۔ (بخاری کتاب الجنائز) کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو جس کی نیک ثنا کرو گے وہ جنتی ہو گا۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کا عام اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورہ توبہ ع۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید کر ان کو جنت دے دی ہے۔

ناظرین کرام! ان تمام حقائق کی موجودگی میں بہشتی مقبرہ پر اعتراض کرنا یا اسے انبیاء و صلحاء کی توہین بتانا اپنی سفاہت کا اظہار کرنا ہے۔ بہشتی مقبرہ تو گزشتہ آسمانی اعلانات کا عملی مظاہرہ ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین، اس کے رسولؐ پر کامل یقین، تمام ایمانیات پر پختہ یقین ہو، اعمالِ صالحہ کے لیئے زبردست رغبت پائی جاوے تب انسان اِس مادہ پرستی کے زمانہ میں اِس مسلسل قربانی کی توفیق پا سکتا ہے۔ مبارک ہیں وے جو اِس راز کو سمجھیں اور عملاً اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى والی آیت کا ثبوت دیں۔

(۳) معترض لکھتا ہے کہ:۔

> "الوصیۃ میں مرزا صاحب نے دفن ہونے والوں کے لئے متقی ہونے کی بھی شرط لگائی ہے۔ لیکن یہ محض ایک چال ہے۔ ورنہ متقی ہونے کی تحقیقات ہوتی بھی بوقت واصلات چندہ یا دفن ہونے سے پہلے ضروری تھی۔"
>
> (عشرہ ص۱۴۸ حاشیہ)

باانصاف ناظرین! معترض کی اس عبارت اور اس کے پہلے اعتراض کو ملا کر غور کریں تو آپ کو اس کی بددیانتی نہایت بھونڈی صورت میں متجسّم نظر آجائے گی۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ "متقی ہونے کی بھی شرط لگائی ہے" وہ اس کو جیال قرار دیتا ہے۔ کیونکہ متقی ہونے کی تحقیقات نہیں ہوتی بخدا یہ اس کا اس جگہ دوسرا ناپاک جھوٹ ہے۔ ہمارے ہاں بہشتی مقبرہ کا ایک باقاعدہ صیغہ ہے۔ جب کوئی شخص وصیّت لکھتا ہے تو اس صیغہ کے افسر کی طرف سے اس کی دینی حالت کے تفحص کے لئے بعض دوسرے معزّز اور متقی احباب سے پرائیویٹ طور پر حلفیہ شہادت لی جاتی ہے اور ایک مطبوعہ فارم پُر کرایا جاتا ہے جس کا نمونہ اس طرز کا ہوتا ہے:۔

نمونہ تصدیقی فارم متعلقہ حالات موصیان بہشتی مقبرہ

"مسمّی[1] (یہاں موصی کا نام ہوتا ہے) متقی ہے اور محرمات سے پرہیز کرتا ہے۔ اور کوئی شرک اور کوئی بدعت کا کام نہیں کرتا اور سچا اور صاف مسلمان ہے۔ اور جہاں تک اس کے لئے ممکن ہے پابندِ احکامِ اسلام ہے۔ اور تقویٰ و طہارت کے امور میں کوشش کرنے والا اور اس کے رسولؐ پر سچا ایمان لانے والا ہے اور نیز حقوقِ عباد غصب کرنے والا نہیں۔ مثلاً رشوت خور نہیں۔ لین دین کے بارے میں بدمعاملہ نہیں۔ امانت میں خائن نہیں۔ اپنے کاروبار میں دیانتدارانہ رویّہ رکھتا ہے۔

---

[1] خواتین کی وصیّت کے فارم کے صیغے اور ضمیریں مؤنث ہوتی ہیں۔ (مؤلّف)

اور اپنی بیوی یا بیویوں سے عدل کا معاملہ کرتا ہے۔"

اس شہادت میں وصیت کنندہ کی خاص دینی خدمات کا بھی اندراج ہوتا ہے۔ اس فارم کی تصدیق کرنے والا لکھتا ہے کہ:۔

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے علم میں جہاں تک میں نے غور کیا ہے مندرجہ بالا باتیں مستثنیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔"

اس فارم کے مکمل ہو کر آنے کے بعد اس کی وصیت منظور کر کے اس سے چندہ لینا شروع کیا جاتا ہے اور بعد ازاں بھی اخیر وقت تک اُسکے تقویٰ کی نگرانی کی جاتی ہے۔ اگر حالت دگرگوں ہو تو ایسے موصی کی وصیت منسوخ کر دی جاتی ہے۔ پس اس انتظام پر اعتراض کرنا یا تو بہت بڑی غلط فہمی ہے یا انتہائی مغالطہ دہی۔

اب ہم بفضل اللہ پٹیالوی صاحب کے ان اعتراضات کا مکمل جواب لکھ چکے جو اس نے اس فصل میں کئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر مقدسوں کی مثالیں پیش کرنے کا مقصد

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت ہے اس میں انسانوں کی سب ضروریات کا حل پیش کر دیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر انسانوں کا ہر قول اور ہر علم پرکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کامل نمونہ ہیں جو انسانی اعمال اور افعال کیلئے محک اور معیار ہیں جو عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کے مطابق ہو اور جو قول اور عقیدہ قرآن مجید کی نصوص کے موافق ہو۔ اسکے حق اور درست ہونے میں کوئی شک نہیں مسلمانوں نے ہمیشہ کتاب اللہ اور رسول اللہ کو اپنے قول و فعل کے لئے معیار تسلیم کیا ہے۔

معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق پر، آپ کے اقوال پر اور آپ کے افعال پر جس قدر بھی اعتراض کئے ہیں ہم نے انکے جوابات میں مختلف مقامات پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے قول کو بطور حجّت پیش کیا ہے، انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ امّت کے اقوال سے سند لی ہے ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقائد پر اعتراضات کی تردید میں کتاب اللہ کی آیات کو پیش کیا ہے، نیز احادیث کو بطور سند ذکر کیا ہے، حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے افعال کو بطور دلیل اور مثال بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری غرض اس اسلوب بیان سے یہ ہے کہ تا مخالفین ان مقدسوں اور بزرگوں کے اقوال و اعمال کی مثالوں سے فیصلہ کر سکیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے قول و فعل پر اعتراض درست قرار دیا جائیگا تو ان بزرگوں کے قول و فعل پر بھی وہ اعتراض وارد ہوگا اور جب یہ مسلّم ہے کہ ان بزرگوں کا قول اور ان کا فعل صحیح اور درست تھا تو لازماً ماننا پڑیگا کہ آج کے معترضین کے حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات بھی غلط اور نادرست ہیں۔ ہماری مراد ان مثالوں کے پیش کرنے سے ہرگز یہ نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے کہ ہم ان بزرگوں کے قول و فعل پر کوئی تنقید کر رہے ہیں۔

ہمیں اس وضاحت کی اسلئے ضرورت پیش آئی تا بعض ہوشیار علماء ان مثالوں کے پیش کرنے پر عوام کو یہ نہ کہہ دیں کہ دیکھو یہ احمدی تو اپنے امام کی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات اور ہمسری کا دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مدّنظر صرف اعتراض کا دفاع ہوتا ہے نہ کچھ اور۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسری یا مساوات کا دعویٰ تو کلمۂ کفر ہے۔

اس سلسلہ میں اخبار صدقِ جدید لکھنؤ کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب کا مندرجہ ذیل بیان خاص توجہ سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"ظاہر ہے کہ آج اُمت کے کسی عامی کے عمل سے کوئی سوال کیا جائے گا تو وہ سند میں اکابرِ اُمت یا خود سرورِ کائناتؐ ہی کی مثال پیش کرے گا اور اس کے سوا کس چیز سے سہارا ڈھونڈے گا۔ اگر اس کے معنی دعوئ مساوات اور ہمسری کے ہیں تو پھر تقلید، اتباع، پیروی کس کو کہیں گے۔ اور ان کے لئے کوئی لفظ کہاں سے لایا جائیگا۔ عجیب مصیبت ہے کہ اپنی ذاتی رائے سے کوئی عمل کر گزریئے تو طعنہ اکابر سے بے نیازی، آزادی، بے قیدی، خود رائی کا سنیئے اور اگر سند بزرگوں سے لائیے تو الزام یہ سنیئے کہ زبان سے دعوئ مساوات رکھتا ہے اور اپنے آپکو ان کا ہم پلّہ ٹھہراتا ہے۔" (صدق جدید لکھنؤ ۲ نومبر ۱۹۶۲ء صہ۲) ؂

پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جواب

اے فقیہو عالمو مجھ کو سمجھ آتا نہیں
یہ نشانِ صدق پاکر پھر یہ کیں اور یہ نقار (حضرت مسیح موعودؑ)

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ تام کا ثبوت انبیاء کے ذریعہ دیا جاتا ہے۔ ان کی پیشگوئیاں ایک طرف ذات باری کے علیم کل ہونے پر زبردست گواہ ہوتی ہیں، اور دوسری طرف نبیوں کی صداقت کا بیّن ثبوت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (الجن ع۲) علم غیب میری ذات سے مخصوص ہے۔ مَیں اپنے غیب پر بجز برگزیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ پیشگوئیاں نبیوں کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہیں۔ اور ہر نبی اس ثبوت کے ذریعہ اپنی سچائی کا اعلان کرتا رہا ہے۔ غلطی پر ہے وہ شخص جو لکھتا ہے کہ:-

"پیشگوئی کرنا انسانی طاقت سے باہر نہیں۔ اور یہ امر انبیاء کرام اور عام لوگوں میں مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نبی نے کبھی اپنی کسی پیشگوئی کو اپنے صدق و کذب کا معیار قرار نہیں دیا۔" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۴۶)

کیونکہ قرآن مجید الٰہی غیب کا چابی بردار صرف انبیاء کو قرار دیتا ہے اور اُنکے غیر کے لئے اللہ کے غیب کے پانے کا راستہ مسدود بتاتا ہے۔ مگر معترض پٹیالوی اس کو "عام لوگوں" کی ایک مشترکہ جائداد بتاتا ہے۔ العجب!

مومن آلِ فرعون کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَإِن يَكُ صَادِقًا

يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ (المومن ع۴) کہ اگر یہ رسول سچا ہے تو پھر اسکی پیشگوئیوں میں سے بعض ضرور تم کو پہنچ جائیں گی۔ گویا پیشگوئیوں کو علامت صدق قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کا سرسری مطالعہ کرنے والے بھی جانتے ہیں کہ ہر نبی اپنے دشمنوں کو پیشگوئیاں سناکر، اپنی کامیابی اور ان کی بربادی کا آسمانی وعدہ بتاکر کہتا رہا ہے۔ وَانْتَظِرُوْا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔ ہم دونوں فریق انتظار کرتے ہیں جو غیب سے ظاہر ہوگا وہ ہمارے صدق یا کذب کا گواہ ہوگا۔

کفار کا مقولہ متی ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین کہ اگر تم سچے ہو تو یہ پیشگوئی کب پوری ہوگی، قرآن مجید میں بکرات ومرات دُہرایا گیا ہے۔ مگر کسی ایک جگہ بھی یہ جواب نہیں دیا گیا کہ نادانو! ہم نے کب ان پیشگوئیوں کو "معیار صدق وکذب" بتایا ہے جو تم بار بار ان کنتم صادقین کہہ رہے ہو؟

قرآن مجید کا یہ اسلوبِ کلام صاف بتا رہا ہے کہ پیشگوئی معیارِ صدق وکذب ہے، اور انبیاء اور ان کے متبعین ان کو بطور معیارِ صداقت پیش کرتے رہے ہیں۔ فطرت انسانی بھی اسی کی مؤید ہے۔ حتی کہ ایک جگہ معترض بٹیالوی نے بھی لکھا ہے:۔

"جس مدعی کی ایک پیشگوئی بھی غلط ثابت ہو وہ کاذب اور مفتری علی اللہ ہے۔" (تحقیق ص۱۵۸)

جب ایک پیشگوئی کا غلط ہونا مدعئ نبوت کے کذب کی دلیل ہے تو گویا تم نے خود مان لیا کہ نہ پورا ہونا دلیلِ کذب اور پورا ہو جانا دلیلِ صدق ہے۔ ع حق برزبان جاری۔

یاد رکھو پیشگوئی کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے مصفیٰ غیب بجز نبیوں کے کسی پر کھولا نہیں جاتا۔ ایسے امور غیبیہ جو عظیم الشان اور فوق العادت بشارت یا انذار پر مشتمل ہوں صرف رسولوں پر ہی ظاہر کئے جاتے ہیں تاکہ انکی سچائی پر گواہ ہوں۔

یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ پیشگوئیاں ہر نبی کو دی جاتی ہیں اور وہ ان کے ذریعہ اہلِ انصاف لوگوں پر اپنے دعویٰ کے متعلق اتمام حجت کرتا ہے اور مومنوں کے لئے اس کے نشانات بہت واضح ہوتے ہیں۔ لیکن منکرین اور کفار کی نظر میں انبیاء کی کوئی پیشگوئی سچی نہیں ہوتی، ان کا کوئی نشان ان پر انکی راستبازی کو عیاں کرنیوالا نہیں ٹھہرتا،

اور وہ ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ (الانعام ع ۴) کہ اس کی کوئی پیشگوئی تو سچی نکلتی۔ کوئی نشان تو پورا ہوتا۔ سچ ہے۔ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت کیلئے معقولیت، معقولی دلائل اور زمانہ کی حالت کو پیش کیا مگر لوگوں نے انکار کیا۔ آپ نے نشانات اور معجزات کے ذریعہ سے اتمام حجت کی مگر وہ اپنی تکذیب پر مصر رہے۔ حضرت کی پیشگوئیاں ہزاروں کی تعداد میں اور ہر رنگ میں پوری ہوئیں۔ آپ کی ذات، کاموں اور عمر کے متعلق، اپنی اولاد کی پیدائش ترقی اور دیگر حالات کے متعلق، اپنے گھروالوں کے متعلق، دوستوں کے متعلق، خاندان، چار دیواری، شہر، صوبہ، ملک اور دنیا کے متعلق۔ الغرض ہر حصہ کے متعلق آپ نے پیشگوئیاں فرمائیں اور وہ پوری ہو کر مومنوں کیلئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوئیں۔ لیکن فرزندانِ تاریکی کی سنت کے مطابق آپ کے مخالفین نے بھی اس بارہ میں بہت شور مچایا ہے۔ معترض پٹیالوی لکھتا ہے:-

"اس فصل میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی متحدیانہ پیشگوئیوں کی کیا حقیقت ہے۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۰)

ظاہر ہے کہ مکذب ہو کر "پیشگوئیوں کی حقیقت" سے آگاہی کا دعویٰ بہت بے جوڑ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اس فصل میں پیشگوئیوں پر چند اعتراض کئے ہیں۔ ہم ان کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے حسب وعدہ پیشگوئیوں کی پڑتال کے متعلق قرآن مجید، نصوص حدیثیہ اور واقعات کی رو سے چند معیار اختصاراً ذکر کرتے ہیں۔

پیشگوئیوں کے دس ۱۰ معیار و اصول

پہلا معیار ظاہر ہے کہ پیشگوئی کی غرض ایمان پیدا کرنا ہے۔ نبی کا کام کشتِ دل میں تخم ایمان کا بونا ہے۔ اور اس تخم ریزی کے متعدد طرق میں سے ایک طریق پیشگوئی بھی ہے۔ یاد رہے کہ ایمان وہی مقبول ہے جو "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کا مصداق ہو۔ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اس جگہ ایمانیات کفار اور منکرین

کے سامنے سورج کی طرح متجلی نہیں ہوتیں۔کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر اُن کو ایمان کا کوئی ثواب یا اجر نہیں مل سکتا۔چنانچہ سورج پر ایمان لانا شرعی طور پر ثواب کا مستحق نہیں بناتا۔پس پہلا معیار تو یہ ہے کہ کوئی پیشگوئی ایسے طور پر پوری نہیں ہوسکتی جو منکرین کو "یومنون بالغیب" کے دائرہ سے باہر لے جائے اور نہ ہی کسی مکذّب کا حق ہے کہ اپنی کمزور آنکھوں کے باعث حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے متعلق ایسا مطالبہ کرے کیونکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے۔ اس کے انبیاء کے عام دستور کے مخالف ہے۔

دوسرا معیار

نبی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔بشیر، نذیر۔اسی کے مطابق اس کی پیشگوئیوں کے بھی دو حصے ہوتے ہیں۔ جو حصہ بشارتوں پر مشتمل ہوتا ہے وہ اصطلاحاً وعدہ کہلاتا ہے۔اور جو حصہ انذار پر مبنی ہوتا ہے اُسے اصطلاحی طور پر وعید کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وعدہ ہو یا وعید ہر دو قسم کی پیشگوئیاں اپنے مرکزی نقطہ (ایمان پیدا کرنا) کے گرد ہی چکر لگاتی ہیں۔ وعدہ میں خوشخبری کے ذریعہ ایمان پروری کی جاتی ہے۔اور وعید میں منکرین کو خوف دلاکر رجوع اور انابت الی اللہ کے لئے متوجہ کیا جاتا ہے۔

اب اگر اس وعید کے ظہور پذیر ہونے سے قبل ہی یہ غرض پوری ہو جائے۔ تو اس وعید کا ٹل جانا ہی سنت الٰہی ہے اور اس سے نفسِ پیشگوئی پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:۔

وَالْاَصْلُ فِیْ ھٰذَا عَلٰی مَا قَالَ الْوَاحِدِیُّ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَجُوْزُ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعِیْدَ وَاِنِ امْتَنَعَ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِھٰذَا وَرَدَتِ السُّنَّۃُ فِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی عَمَلِہٖ ثَوَابًا فَھُوَ مُنْجِزٌ لَہٗ وَمَنْ اَوْعَدَہٗ عَلٰی عَمَلِہٖ عِقَابًا فَھُوَ بِالْخِیَارِ وَمِنْ اَدْعِیَۃِ الْاَئِمَّۃِ الصَّادِقِیْنَ یَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفَا وَاِذَا تَوَعَّدَ عَفَا وَقَدِ افْتَخَرَتِ الْعَرَبُ بِخُلْفِ الْوَعِیْدِ وَلَمْ تَعُدَّہٗ نَقْصًا کَمَا یَدُلُّ عَلَیْہِ قَوْلُہٗ ۔

وَإِنِّي إِذَا أَوْعَدْتُهُ أَوْ وَعَدْتُهُ
لَمُخْلِفُ إِيعَادِي وَمُنْجِزُ مَوْعِدِي

(تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مصر)

ترجمہ :- اس بحث میں مسلّم اصل وہی ہے جو علامہ واحدی نے ذکر کیا ہے یعنے اللہ تعالیٰ وعید کا خلاف کر لیتا ہے اگرچہ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ سنت سے بھی یہی ثابت ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو ثواب کا وعدہ دے تو وہ اُس کو ضرور پورا کرتا ہے۔ ہاں اگر کسی کو اس کے عمل پر سزا کا وعید کرے تو اُسے اختیار ہے۔ ائمہ صادقین ان لفظوں میں دُعا کیا کرتے تھے کہ اے وہ ذات جب وعدہ کرے تو ایفا کرے اور جب وعید کرے تو درگذر فرمائے۔ پھر عرب بھی خلاف وعید پر فخر کیا کرتے ہیں۔ وہ اس کو نقص نہیں سمجھتے۔ شاعر کہتا ہے۔ میں جب اس سے وعید اور وعدہ کرتا ہوں تو وہ وعدہ پورا کر دیتا ہوں لیکن وعید پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف کرتا ہوں۔"

پس دوسرا معیار یہ ہے کہ حالات کے ماتحت نفس وعید کے ٹل جانے کا امکان ہے۔

تیسرا معیار چونکہ اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود انذاری پیشگوئیوں اور عذابوں سے توجہ الی اللہ پیدا کرنا ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ سب کی سب شرطِ توبہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں۔ خواہ وہ شرط الفاظ پیشگوئی میں صراحتاً مذکور ہو یا نہ مذکور ہو۔ بہرحال مراد ہوگی۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں :-

"إِنَّ الْوَعْدَ حَقٌّ عَلَيْهِ وَالْوَعِيدَ حَقٌّ لَهُ وَمَنْ أَسْقَطَ حَقَّ نَفْسِهِ فَقَدْ أَتَى بِالْجُودِ وَالْكَرَمِ وَمَنْ أَسْقَطَ حَقَّ غَيْرِهِ فَذَالِكَ هُوَ اللُّؤْمُ فَظَهَرَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْوَعْدِ وَالْوَعِيدِ وَبَطَلَ قِيَاسُكَ وَإِنَّمَا ذَكَرْتُ هَذَا الشِّعْرَ لِإِيضَاحِ هَذَا الْفَرْقِ فَأَمَّا قَوْلُكَ لَوْ لَمْ يَفْعَلْ لَصَارَ كَاذِبًا وَمُكَذِّبًا نَفْسَهُ فَجَوَابُهُ أَنَّ هَذَا إِنَّمَا يَلْزَمُ لَوْ كَانَ الْوَعِيدُ ثَابِتًا جَزْمًا مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ وَعِنْدِي جَمِيعُ الْوَعِيدَاتِ مَشْرُوطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِهِ دُخُولُ الْكَذِبِ فِي كَلَامِ اللهِ تَعَالَى" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- وعدہ اللہ پر حق ہے اور وعید اس کا حق ہے۔ جو شخص اپنے نفس کے حق کو ساقط کر دیتا ہے وہ تو اپنی سخاوت اور کرم کا ثبوت دیتا ہے۔ ہاں جو غیر کے حق کو گراتا ہے تو یہ کمینگی ہے۔ پس وعدہ اور وعید میں فرق ظاہر ہو گیا اور تمہارا قیاس باطل ٹھہرا۔ میں نے یہ شعر اس فرق کی وضاحت کے لئے ذکر کیا ہے۔ باقی تیرا یہ کہنا کہ اگر خدا تعالیٰ وعید کو پورا نہ کرے تو وہ کاذب ہوگا اور اپنی بات کا خود مکذّب ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اُسوقت لازم آتی جب ہر وعید بغیر شرط کے قطعی طور پر ثابت ہوتا۔ حالانکہ میرے نزدیک سب وعید عدم العفو کے ساتھ مشروط ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ وعید کو ترک کر دے تو اس سے اس کے کلام میں کذب لازم نہیں آتا۔" پھر مُسلّم الثبوت میں لکھا ہے۔ اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ کہ اللہ کی کلام میں ہر وعید مقیّد ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۸)

علّامہ ابو الفضل تحریر فرماتے ہیں:-

"اِنَّ آیَاتِ الْوَعْدِ مُطْلَقَۃٌ وَآیَاتُ الْوَعِیْدِ وَاِنْ وَرَدَتْ مُطْلَقَۃً لٰکِنَّھَا مُقَیَّدَۃٌ حُذِفَ قَیْدُھَا لِمَزِیْدِ التَّخْوِیْفِ" (تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)

ترجمہ:- تحقیق وعدہ کی آیات بغیر شرط مطلق ہوتی ہیں۔ اور وعید والے الہامات اگرچہ ان کے ساتھ شرط مذکور نہ ہو تاہم وہ مقید ہوتے ہیں۔ ان کی قید اور شرط زیادہ خوف دلانے کی خاطر حذف کر دی جاتی ہے۔"

پس تیسرا معیار یہ ہے کہ ہر وعیدی پیشگوئی مشروط ہوتی ہے۔

چوتھا معیار

پیشگوئی یا امر غیب کے ظہور سے قبل اس کا پورے طور پر سمجھ آنا ضروری نہیں۔

الف۔ معترض پٹیالوی خود لکھتا ہے کہ:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا کہ آپ کی ہجرت گاہ وہ زمین ہوگی جس میں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ مکہ معظمہ میں رہ کر آپ کا خیال اس زمین کے متعلق یمامہ کی طرف گیا۔ کیونکہ وہاں بھی کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا فَذَھَبَ وَھْلِیْ اِلَی الْیَمَامَۃِ

میرا خیال یمامہ کی طرف گیا۔ مگر بعد میں مدینہ ثابت ہوا۔" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۹۲)

(ب) معترض پٹیالوی کا اقرار ہے:۔

"طولِ الیدین (لمبے ہاتھوں والی) عرب کے مجازی محاورہ میں سخی عورت کو کہتے ہیں۔ ازواج مطہرات نے لفظی معنے کے ماتحت اسکی حقیقت سمجھی اور ہاتھ ناپے۔ مگر آنحضرت کے سامنے نہیں بلکہ بطور خود۔ لیکن واقعہ یہ ہوا کہ مراد اِس سے مجازی معنے تھے۔" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۹۲)

(ج) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ آيَاتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا۔ (النمل آیت ۹۴)

کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے وہ تم کو اپنے نشان دکھائے گا۔ تب تم ان کو پہچان سکو گے۔

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ قبل ظہور پیشگوئی کی پوری معرفت نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ ایلیاء کی آمد کی پیشگوئی تھی۔ یہود اس کی حقیقت نہ سمجھ سکے۔ تا وقتیکہ حضرت مسیح نے اس کی تعبیر بعثتِ یحییٰؑ سے نہ فرمائی۔ مگر پھر بھی یہود اسکے قائل نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات و انجیل میں پیشگوئیاں ہیں۔ مگر یہود و نصاریٰ ان کی حقیقت کو سمجھنے سے ہنوز قاصر ہیں۔

(د) مولوی محمد حسین بٹالوی نے لکھا ہے کہ:۔

"اس مقام میں ایسی تفصیلوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن میں سید الملہمین خاتم المرسلین کا بعض الہامات (غیر متعلق بہ تکلیف و تبلیغ) کی مراد سمجھنے میں اشتباہ و شک پایا جاتا ہے ...... ان دونوں الہاموں (اُرِیْتُکِ فِی الْمَنَام۔ ذھب وَھلی ـــــ ناقل) کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں۔) معنے سمجھنے میں سید الملہمین و خاتم المرسلین

لہ یہ بخاری کی مشہور حدیث اسرعکن لحوقاً بی اطولکن یداً کا ذکر ہے۔ جس میں ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے تھے۔ معترض کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ آنحضرت کے سامنے نہیں ہوا۔ محض بے ثبوت ہے۔ الفاظ حدیث حضور کے سامنے ناپنے کی تائید کرتے ہیں۔ (مؤلف)

کو شک و اشتباہ واقع ہوُا اور الہام دوم کے معنے سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی مخالف نکلا۔" (رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲۹۱)

(ذ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ :۔

(۱) "صاف ظاہر ہے کہ جب پیشگوئی ظہور میں آجائے اور اپنے ظہور سے اپنے معنے آپ کھول دے اور ان معنوں کو پیشگوئی . . . . . کے الفاظ کے آگے رکھ کر بدیہی طور پر معلوم ہو کہ وہی سچے ہیں تو پھر ان میں نکتہ چینی کرنا ایمانداری نہیں ہے۔" (ضمیمہ براہین پنجم صفحہ ۸۶)

(۲) "اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو۔ اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے۔ اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہونا ہے۔ وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے۔ کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دئیے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔" (ضمیمہ براہین پنجم صفحہ ۹۰)

پس چوتھا معیار یہ ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پیشتر بعض دفعہ اس کی پوری حقیقت عام مومنین، صحابہ، اور نبی پر بھی منکشف نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی صحیح تفسیر وہی ہوتی ہے جو واقعات سے ثابت ہو۔

پانچواں معیار عذاب کی پیشگوئی طغیان و سرکشی کی بناء پر ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ قوم یا فرد جس کے حق میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اس زیادتی اور ظلم سے باز آجائے۔ جو بناءِ پیشگوئی ہے۔ تو لازماً اس پیشگوئی کا ظہور معرضِ تعویق میں پڑ جائے گا۔ اور جتنا جتنا رجوع ثابت ہو گا۔ اتنا اتنا ہی وُہ اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ یاد رہے کہ اس ضمن میں ایمان دو ۲ قسم کا ہو سکتا ہے۔

(۱) حقیقی اور مستقل ایمان (۲) عارضی اور ناقص ایمان۔ ہر دو صورتوں میں موعود عذاب ٹل جاتا ہے۔ ہاں مؤخر الذکر صورت میں جب دوبارہ شرارت ثابت ہو جائے تو وُہ پھر ماخوذ ہو جاتے ہیں۔

پہلی صورت کی مثال میں قرآن پاک نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو پیش فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (یونس ع) کیوں نہ بستیوں کے لوگ ایسے ہوئے کہ وہ ایمان لے آتے تا اُن کا ایمان اُن کو نفع دیتا بجز قوم یونسؑ کے۔ وہ جب ایمان لائے تو ہم نے اُن سے دُنیا کی زندگی میں رُسوا کن عذاب دُور کر کے ان کو ایک عرصہ تک فائدہ پہنچایا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کے متعلق ہم گذشتہ اوراق میں بحث کر چکے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا ہے:-

"رُوِيَ أَنَّ يُونُسَ وَعَدَهُمُ الْعَذَابَ وَغَابَ عَنْهُمْ" (تفسیر القرآن ۲۰۴)

کہ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو عذاب کی پیشگوئی بتلائی اور اُن کے پاس سے چلے گئے"۔ پھر بطور عقیدہ و واقعہ بھی مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"ہم مانتے ہیں کہ انذاری عذاب نہ صرف ملتوی ہو جاتا ہے بلکہ مرفوع بھی ہو جاتا ہے۔ . . . . . حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب ٹل گیا۔ لیکن کب ٹلا؟ جب وہ ایمان لے آئے"۔ (رسالہ اہلحدیث ۱۳-۱۲-۱۵ء)

معترض نے لکھا ہے کہ:-

"نص قرآنی سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور اس ایمان لانے سے ہی عذاب کا ان سے ہٹایا جانا ثابت ہے"۔ (تحقیق ۱۳۴)

عارضی اور ناقص ایمان کی مثال

بہت سے نادان بغرض مغالطہ دہی کہا کرتے ہیں کہ حقیقی ایمان سے تو عذاب ٹل جاتا ہے اور اس سے وعیدی پیشگوئی کی صداقت میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوتا۔ لیکن عارضی اور ناقص ایمان سے عذاب نہیں ٹل سکتا۔ اور اگر ایسی صورت میں بھی عذاب ٹل جائے تو پیشگوئی کا کاذب ہونا لازمی ہے۔ سو یاد رہے کہ چونکہ ایمان اور کفر کی سزائے کامل کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ یہ دُنیا دار العمل ہے۔ اس لئے اس جگہ سزا، عذاب اور وعید صرف اسی بناء پر مترتب ہوتا ہے کہ وہ شخص ظلم و

تعدی میں حد سے بڑھ جاتا ہے اور اپنی سرکشی و طغیانی کے ذریعہ فتنہ برپا کر دیتا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی آیت فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (عنکبوت) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"فِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى لَطِيْفَةٍ وَهِيَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ عَلٰى مُجَرَّدِ وُجُوْدِ الظُّلْمِ وَاِلَّا لَعَذَّبَ مَنْ ظَلَمَ وَتَابَ فَاِنَّ الظُّلْمَ وُجِدَ مِنْهُ وَاِنَّمَا يُعَذِّبُ عَلَى الْاِصْرَارِ عَلَى الظُّلْمِ" (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۶۵۱)

یعنے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں صرف ظلم پر اصرار کرنے پر عذاب دیتا ہے۔ اب جس طرح حقیقی ایمان لانا اس کے جرم اور بناءِ پیشگوئی کی مستقل تلافی کر دیتا ہے، اسی طرح عارضی و وقتی ایمان بھی اس شرارت کا ایک حد تک سدّباب کر دیتا ہے۔ آیت وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون بھی اس جگہ زیرِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والے کفار کو بھی عذاب نہیں دیتا۔ اس لئے پہلی صورت میں اس کو مستقل فائدہ پہنچتا ہے۔ اور دوسری صورت میں بھی عارضی فائدہ (عذاب دنیا سے بچ جانا) ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرعونیوں کے ذکر میں فرماتا ہے کہ جب ان پر عذاب آتا تھا۔ تو حضرت موسیٰؑ سے کہتے تھے۔ یَا اَیُّھَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ اِنَّنَا لَمُھْتَدُوْنَ کہ اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر ہم ہدایت پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِذَا ھُمْ یَنْکُثُوْنَ (زخرف ع۵) کہ جب ہم اُن سے عذاب دُور کر دیتے ہیں۔ تو وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں۔" فرعونیوں نے اسی طرح آٹھ نو دفعہ جھوٹے وعدے کئے اور جعلی رجوع کا اظہار کیا۔ مگر ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ اُن سے عذاب ٹالتا رہا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کی سنت ہے کہ وہ ادنےٰ رجوع کا بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ سورۃ الدخان میں فرمایا ہے کہ عذاب دخان کیوقت کفار درخواست کریں گے رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ۔ اے خدا! اس عذاب کو ٹال دے۔ ہم ایمان لے آئیں گے۔ فرمایا اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَائِدُوْنَ (دخان ع۱) ہم عذاب تو ضرور کچھ عرصہ کے لئے ٹال دینگے۔ مگر یہ

غلط ہے کہ تم مومن بن جاؤ گے۔ کیونکہ تم تو پھر شرارتوں کی طرف عود کرو گے۔"
ہر دو مثالوں سے واضح ہے کہ عارضی اور ناقص ایمان پر بھی اللہ تعالیٰ وعدہ عذاب بلکہ عذاب میں التواء[1] کر دیتا ہے۔
پس پانچواں معیار یہ ہے کہ حقیقی اور کامل ایمان کے علاوہ بسا اوقات ناقص اور عارضی ایمان سے بھی وعید میں التواء ہو جاتا ہے۔

چھٹا معیار

وعید کی پیشگوئی خواہ معیّن قوم و شخص، یا معیّن وقت، کیلئے ہو۔ اس میں فی الجملہ تخلف ممکن ہے۔ یعنے اس وعید کا معیّن قوم یا معیّن وقت کے لئے ہونا شرائط تخلف کے تحقق کے باوجود اس کو ضروری الوقوع نہیں بنا دیتا، بلکہ پھر بھی اس کا ٹلنا جائز ہوتا ہے۔ اِس بیان کی اسلئے ضرورت پیش آئی کہ معترض پٹیالوی نے تحقیق لاثانی میں خلف الوعید کے مسئلہ میں ہتھیار ڈال کر اِس صورت پر خاص زور دیا ہے کہ معین وعید ٹل نہیں سکتا۔ بلکہ ایک جگہ تو لکھا ہے:۔

"ایسا خلف وعید منجانب اللہ وقوع میں آنا صریح تذلیل و تکذیب رسول ہے۔" (تحقیق لاثانی صہ۱۱)

حالانکہ یہ بھی سراسر باطل ہے۔ وعید اس معین قوم یا شخص کی توبہ و رجوع پر ہی ٹلا کرتا ہے اسلئے اس میں رسول کی تکذیب و تذلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ تو محض وہم باطل ہے۔
حضرت یونسؑ کے واقعہ کے معیّن مُدت اور معیّن قوم کے متعلق ہونے کے متعلق ہم ذِکر کر چکے ہیں۔ چند حوالجات اور ملاحظہ ہوں۔ لکھا ہے:۔
(۱) وَقِيلَ قَالَ لَهُمْ يُونُسُ إِنَّ أَجَلَكُمْ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً فَقَالُوا إِنْ رَأَيْنَا أَسْبَابَ

---

[1] معترض پٹیالوی مسئلہ خلف الوعید کے متعلق لکھتا ہے:۔
"وہ ایک علمی بحث ہے جس میں متکلمین کا اختلاف رائے بھی رہا ہے۔ چونکہ اس رسالہ کا یہ مقصود نہیں۔ اسلئے ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔" (تحقیق صہ۱۰۹) ایک دوسری جگہ عجیب ارشاد ہو۔ لکھتے ہیں:۔ "عالمانہ بحثیں اور علمی نکات تحریر کرنے کی نہ خاکسار مؤلف کو قابلیت ہے۔ نہ اس رسالہ کا مُدعا۔" (تحقیق صہ۱۳۰) کیا اسی قابلیت پر کتاب کو لاجواب بتا رہے تھے؟ ابو العطاء

الْهَلَاكِ آمَنَّا بِكَ - یونسؑ نے ان سے کہا کہ تمہاری میعاد چالیس راتوں تک ہے۔ انہوں نے کہا۔ اگر ہم ہلاکت کی علامات دیکھیں گے۔ تو تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ (تفسیر کشاف النصف الاوّل ص۵۹۹)

(۲) اِنَّ یُوْنُسَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بُعِثَ اِلٰی نِیْنَوٰی مِنَ الْمَوْصَلِ فَکَذَّبُوْہُ وَاَصَرُّوْا عَلَیْہِ فَوَعَدَھُمْ بِالْعَذَابِ اِلٰی ثَلَاثِیْنَ وَقِیْلَ اَرْبَعِیْنَ۔ یونسؑ کو موصل سے نینوی بھیجا گیا۔ اہلِ نینوی نے اُن کی تکذیب کی اور اسپر اصرار کیا۔ تب یونسؑ نے ان سے تیس یا چالیس راتوں (علی اختلاف الروایۃ) میں عذاب آنے کا وعدہ کیا۔" (قنوی علی البیضاوی جلد ۴ ص۱۸۶)

(۳) وَکَانَ یُوْنُسُ قَالَ لَھُمْ اِنَّ اَجَلَکُمْ اَرْبَعُوْنَ لَیْلَۃً"۔ حضرت یونسؑ نے اُن سے کہا کہ تمہاری میعاد چالیس رات تک ہے۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۴۲)

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَغَیْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَ یُوْنُسَ اِلٰی اَھْلِ نِیْنَوٰی وَھِیَ اَرْضُ الْمَوْصَلِ فَکَذَّبُوْہُ فَوَعَدَھُمْ بِنُزُوْلِ الْعَذَابِ فِیْ وَقْتٍ مُّعَیَّنٍ وَخَرَجَ عَنْھُمْ مُغَاضِباً۔ حضرت ابن مسعود وغیرہ سے روایت ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے علاقۂ موصل کے شہر نینوی کی طرف حضرت یونسؑ کو بھیجا۔ اہلِ قریہ نے اُنکو جھٹلایا۔ تب یونسؑ نے اُنہیں معین وقت میں نزولِ عذاب کا وعید کیا۔ اور ناراض ہوکر چلے گئے۔" (فتح الباری جلد ۶ ص۳۲۵)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت یونس علیہ السّلام کی پیشگوئی معین وقت کے لئے تھی اور پھر عذاب نہ آیا۔ پس معترض کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ معین وقت والی پیشگوئی میں التواء نہیں ہوتا۔ پس صحیح معیار یہی ہے کہ توبہ اور رجوع سے معین عذاب بھی ٹل جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا ایک واقع یوں منقول ہے:۔

"اِنَّ قَصَّاراً مَرَّ عَلٰی عیسٰی علیہ السلام مَعَ جَمَاعَۃٍ مِنَ الْحَوَارِیِّیْنَ فَقَالَ لَھُمْ عیسٰی اُحْضُرُوْا جَنَازَۃَ ھٰذَا الرَّجُلِ وَقْتَ الظُّھْرِ فَلَمْ یَمُتْ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَقَالَ اَلَمْ تُخْبِرْنِیْ بِمَوْتِ ھٰذَا الْقَصَّارِ فَقَالَ نَعَمْ وَ لٰکِنْ تَصَدَّقَ بَعْدَ ذَالِکَ بِثَلَاثَۃِ اَرْغِفَۃٍ فَنَجَا مِنَ الْمَوْتِ"۔

کہ حضرت عیسیٰؑ اور حواریوں کی جماعت کے پاس سے ایک دھوبی گذرا حضرت مسیحؑ نے کہا کہ آج ظہر کے وقت اسکے جنازہ پر حاضر ہو جاؤ۔ لیکن وُہ دھوبی نہ مُرا۔ جب جبریلؑ آئے تو حضرت مسیحؑ نے پُوچھا کہ کیا تُو نے مجھے اس دھوبی کی مَوت کی خبر نہ دی تھی۔ اُس نے کہا کہ خبر تو دی تھی لیکن اُس نے بعد ازاں تین روٹیاں صدقہ کر دیں اور مَوت سے نجات پا گیا۔" (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مصر)

ساتواں معیار بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص کے حق میں پیشگوئی ہوتی ہے، اُس کے حق میں پُوری نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے بیٹے یا خلیفہ وجانشین کے ہاتھوں پُوری ہوتی ہے۔ دراصل یہ بھی اس پیشگوئی کا پُورا ہونا ہی ہوتا ہے۔

(الف) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَلْبَارِحَۃَ اِذْ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ حَتّٰی وُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ قَالَ ابوھریرۃ فَذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنْتُمْ تَنْتَثِلُوْنَھَا" (بخاری کتاب الرؤیا جلد ۴)

کہ مَیں سو رہا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں، یہاں تک کہ وُہ میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول پاک تو تشریف لے گئے۔ اَب تم (اے صحابہ) ان خزانوں کو جمع کرتے ہو!"

(ب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے ان کو آپ نے خود پھُونک مار کر اُڑا دیا۔ اور حضور نے اس سے دو کذاب مدعیانِ نبوت مراد لئے (بخاری کتاب الرؤیا) ان میں سے ایک مسیلمہ کذاب آپ کے پاس آیا۔ تو آپؐ نے اسے فرمایا:۔

"لَئِنْ اَدْبَرْتَ لَیَعْقِرَنَّکَ اللّٰہُ وَ اِنِّیْ لَاَرَاکَ الَّذِیْ اُرِیْتُ فِیْکَ مَا اُرِیْتُ۔ الحدیث (مسلم باب رؤیا النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

کہ اگر تُو نے دینِ حق سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ تجھ کو تباہ کردے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ تُو وُہی ہے جس کے متعلق مَیں نے رؤیا دیکھی ہے۔"

پھر سونے کے کنگنوں کی رؤیا روایت میں درج ہے۔ گویا مسیلمہ کی ہلاکت اس رؤیا کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہونی چاہیئے تھی لیکن وہ خلافتِ صدیقیہ میں ہلاک ہُوا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ :۔

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا اثر مسیلمہ پر یہ ہُوا تھا کہ آپ کے بعد مَرا۔ مگر آخر کار چُونکہ بے نیلِ مرام مَرا۔ اس لئے دُعا کی صحت میں شک نہیں۔" (رسالہ مرقع قادیانی ماہ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۸)

(ج) تاریخ الخمیس میں لکھا ہے :۔

"وَقَالَ السُّهَيْلُ قَالَ أَهْلُ التَّعْبِيْرِ رَأَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ أَسِيْدَ بْنَ أَبِي الْعِيْصِ وَالِيًا عَلَىٰ مَكَّةَ مُسْلِمًا فَمَاتَ عَلَى الْكُفْرِ وَكَانَتِ الرُّؤْيَا لِوَلَدِهٖ عَتَّابٍ أَسْلَمَ۔" (جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

سہیل کہتے ہیں کہ اہلِ تعبیر نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے اسید کو مکّہ کا والی اُسکے مسلمان ہونے کی حالت میں دیکھا تھا لیکن وہ کُفر ہی کی حالت میں مَر گیا۔ اور یہ رؤیا اُسکے بیٹے عتاب کے حق میں پُوری ہوئی جو اسلام لایا۔"

ان واقعات اور ایسا ہی ابوجہل کے ہاتھ میں جنّت کا انگوری خوشہ دیکھنے سے اسکے بیٹے عکرمہ کا اسلام لانا مراد ہونے سے واضح ہے کہ بعض دفعہ پیشگوئیوں میں ذکر کردہ شخص سے مُراد اس کا بیٹا یا جانشین بھی ہوتا ہے۔ وَھُوَ المُراد۔

آٹھواں معیار

نبی کی ساری پیشگوئیوں کا اس کی زندگی میں پُورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (المؤمن ع ۸) کہ اے نبی ہو سکتا ہے کہ ہم ان وعدوں کو جو ان کفار سے کئے جا رہے ہیں تیری زندگی میں پُورا کر دیں۔ یا پھر تجھے وفات دے دیں۔ اور بعد ازاں ان بعض کو پورا کریں۔

نواں معیار

بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے کہ پیشگوئی کے وقتِ ظہور یا اسکے مصداق اشخاص کے سمجھنے کے متعلق غلطی ہو جاتی ہے، یا خدا تعالیٰ کا وعدہ کسی شرط کی وجہ سے ایک قوم کی بجائے دُوسری کے حق میں پُورا ہوتا ہے۔ رسول

مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ والی رؤیا کو حدیبیہ والے سال کے لئے اندازہ فرمایا۔ اور قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر حضور حج کی نیت سے چل کھڑے ہوئے۔ لیکن علم الٰہی میں اسکے پورا ہونے کا وقت آئندہ سال تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی موجود الوقت نسل کو لیکر فتح کنعان کیلئے روانہ ہوتے ہیں اور بار بار اُن کو اُدۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ سُناتے ہیں یعنی یہ زمین اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے، تم اسمیں داخل ہو جاؤ۔ (المائدۃ ع۴) مگر واقعات نے بتایا کہ کنعان کی فتح کا وعدہ دوسری نسل کیلئے تھا۔ چنانچہ وہ نسل اسی جنگل میں بھٹک کر مرگئی۔ اور دوسری نسل نے اس ملک کو فتح کیا اور اُن کے ذریعہ سے وعدہ پورا ہوا۔

دسواں معیار

بعض دفعہ پیشگوئی کو کلیۃً بھی منسوخ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ آیت مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا (البقرۃ ع۱۳) کا ایک مفاد یہ بھی ہے۔ اور آیت وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ (النحل ع۱۴) نیز وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (یوسف ع۳) بھی اس مفہوم کی مؤید ہیں۔

پیشگوئیوں کے متعلق معیار اور اصول تو بہت ہیں۔ لیکن اس جگہ اختصار کی خاطر اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اب معترض پٹیالوی کی پیش کردہ پیشگوئیوں پر اس کے اعتراضات کے جواب لکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

آتھم والی پیشگوئی

پہلے نمبر پر معترض پٹیالوی نے آتھم والی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتا ہے:۔

"مسٹر عبداللہ آتھم عیسائی سے جون ۱۸۹۳ء میں مباحثہ ہونے کے بعد آپ نے ایک کتاب بنام جنگ مقدس لکھی تھی" (عشرہ صفحہ ۱۵۱)

ناظرین! جس شخص کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ جنگ مقدس کیا چیز ہے کیا وہ بھی حق رکھتا ہے کہ اس کے حوالہ سے کوئی اعتراض کرے؟ جنگ مقدس حضرت نے مباحثہ کے بعد نہیں لکھی بلکہ جنگ مقدس وہ رسالہ ہے جسمیں فریقین، حضرت اقدس اور پادری

آتھم، کے پرچہ جاتِ مباحثہ بالمقابل درج کئے گئے ہیں۔ درحقیقت معترض نے کسی سے سُن کر یہ لکھ دیا ہے۔ اسے "نقل را عقل باید" کا مقولہ یاد رکھنا چاہیئے۔

پھر معترض نے پیشگوئی کو اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

"اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وُہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنے فی دن ایک مہینہ لے کر یعنے ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اُس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۱)

پھر ہاویہ کی تشریح کیلئے حضرت اقدسؑ کے حسب ذیل الفاظ پیش کئے ہیں:۔

"وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے۔ وُہ پندرہ ماہ کے اندر آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے، تو مَیں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کیلئے تیار ہوں۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۱)

آخر پر اپنے الفاظ میں خلاصہ یوں درج کیا ہے:۔

"مطلب صاف ہے کہ اگر آتھم رجوع الی الحق نہ کریگا تو بسزائے موت پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ یعنی مَر جائے گا۔ اور اگر رجوع الی الحق کرلے گا۔ یعنے عیسائیت پر قائم نہ رہے گا۔ اور اس کے افعال و اقوال سے رجوع الی الحق ثابت ہوگا۔ تو اِس سزا سے بچ رہے گا۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۲)

گویا معترض بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی مشرطی تھی اور رجوع الی الحق کی صورت میں اس کی موت کا ملتوی ہوجانا خود پیشگوئی کا حصّہ تھا۔ اب معترض پٹیالوی کا ایک اور اقرار بھی پڑھ لیجئے۔ لکھتا ہے کہ:۔

"جب آتھم میعاد کے اندر فوت نہ ہوا۔ تو مرزا صاحب نے جھٹ اشتہار دے دیا کہ اُس نے دِل میں رجوع الی الحق کرلیا تھا اسلئے مَوت سے بچ گیا۔ اس مضمون کو انہوں نے بلیسیوں کتابوں اور

رسالوں میں لکھا ہے۔" (عشرہ صـ۱۵۲)

پھر لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے "ایک اشتہار دے دیا کہ مسٹر آتھم اگر قسم کھاویں کہ انہوں نے رجوع الی الحق نہیں کیا تو دو ہزار پھر لکھا کہ چار ہزار روپیہ انعام لیں۔" (عشرہ صـ۱۵۳)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کیا ہے۔ اگر یہ بات غلط ہے اور فی الواقع وہ عیسائیت پر پورے دل سے قائم رہا ہے۔ تو وہ اس کے متعلق حلفیہ شہادت دے اور انعام لے۔ اگر بعد ازاں جلد آسمانی عذاب سے تباہ نہ ہو تو تم مجھے کذاب سمجھو۔ مگر آتھم اس قدر سراسیمہ ہو چکا تھا کہ اُس نے اِس طرف کا رُخ بھی نہ کیا اور صاف انکار کر دیا۔ ہاں اُس نے جو اقرار کیا، وُہ یہ تھا کہ مرزا صاحب نے نیزوں اور تلواروں سے مسلح آدمی میرے قتل کے لئے بھیجے، سدھائے ہوئے سانپ شہر بہ شہر میرے پیچھے بھاگتے پھرے۔ چنانچہ وُہ امرتسر کو چھوڑ لُدھیانہ، اور پھر وہاں سے فیروزپور چلا گیا۔ تاکہ کسی طرح اُسے اِس عذاب سے نجات ملے۔ مگر کہاں؟ وہاں بھی اس کو وُہی نظارے نظر آتے تھے اور ایک غیر معمولی ہیبت اُس کے قلب پر طاری ہو گئی۔ اور اُس نے رجوع الی الحق کر لیا۔ تب وُہ اس عرصہ میں ہلاکت سے بچ رہا۔ لیکن بعد مُدّت وُہ اس رجوع پر قائم نہ رہا۔ بلکہ جیسا کہ معترض پٹیالوی نے لکھا ہے کہ :-

"آتھم رجوع سے بالکل انکاری تھا۔" (عشرہ صـ۱۵۴)

آتھم نے انکار کیا، اور اپنے خوفزدہ ہونے کی وجہ ان حملوں کو قرار دیا۔ اسکے جواب میں رجوع الی الحق کی قلبی کیفیت کے ثابت کرنے کے لئے حضرت اقدسؑ نے دو طور سے اس پر اتمام حجت کی۔ اوّل اس طرح کہ آپ نے اُسے کہا کہ تم (آتھم) اس تخویف اور ان حملوں کے بارہ میں مجھ پر نالش کرو۔ دوم یہ کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے رجوع الی الحق نہیں کیا۔ جب وہ ان دونوں طریق سے فیصلہ کیلئے تیار نہ ہوا۔ اور نہ ہی اُس نے اپنے رجوع الی الحق کا کھلا کھلا اعتراف کیا۔ تو حضرت نے اس کے متعلق اللہ تعالےٰ سے خبر پا کر شائع فرمایا۔

(الف) "ضرور تھا کہ وُہ کامل عذاب اُس وقت تک تھما رہے جبتک کہ وُہ (آتھم) بیباکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت

کے اسباب پیدا کرے۔" (انوار الاسلام ص۶)

(ب) "وہ بڑا مادہ یہ جو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قدر مہلت دی گئی ہے" (انوار الاسلام ص۶)

(ج) "اور یاد رہے کہ مسٹر عبداللہ آتھم میں کامل عذاب (موت) کی بنیادی اینٹ رکھ دی گئی ہے۔ اور وہ عنقریب بعض تحریکات سے ظہور میں آجائیگی۔ خدا تعالیٰ کے تمام کام اعتدال اور رحم سے ہیں اور کینہ در انسان کی طرح خواہ نخواہ جلد باز نہیں" (انوار الاسلام ص۱۰)

(د) "اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو ہونا تھا، وہ سب ہو چکا اور آگے کچھ نہیں۔ کیونکہ آئندہ کے لئے الہام میں یہ بشارتیں ہیں۔ نُمَزِّقُ الْاَعْدَاءَ کُلَّ مُمَزَّقٍ ہم دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ یعنی اپنی حجت کامل طور پر اُن پر پوری کر دیں گے" (انوار الاسلام ص۱۵)

(ذ) "اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفا کر کے دُنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک ہیں، دُور نہیں" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ ص۱۱)

(س) "یہ کنارہ کشی (یعنی آتھم کا قسم سے انکار کرنا) بے سود ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ نادان پادریوں کی تمام یاوہ گوئی آتھم کی گردن پر ہے۔ اگرچہ آتھم نے نالش اور قسم سے پہلو تہی کر کے اپنے اس طریق سے صاف بتلا دیا ہے کہ ضرور اُس نے رجوع بحق کیا اور تین حملوں کے طرز وقوع سے بھی (جن کا وُہ مدعی تھا۔ ناقل) بتلا دیا کہ وُہ حملے انسانی حملے نہیں تھے۔ مگر

پھر بھی آتھم اس جرم سے بری نہیں کہ اُس نے حق کو علانیہ طور پہ زبان سے ظاہر نہیں کیا۔" (رسالہ ضیاء الحق مطبوعہ مئی ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۵-۱۶)

چنانچہ ان پیشگوئیوں کے مطابق مسٹر آتھم ۲۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو فیروز پور میں لقمۂ اجل ہو گئے۔

اتنی واضح پیشگوئی اور اس صفائی سے پوری ہو۔ لیکن پھر بھی معاندین اعتراض ہی کرتے جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ حضرت نے خوب فرمایا ؎

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہین بیشمار

رجوع الی الحق

ظاہر ہے کہ رجوع کا تعلق قلب کے ساتھ ہے۔ اور دراصل رجوع دل کا ہی ہوتا ہے۔ زبان کا رجوع حقیقی رجوع نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ جب محض زبان کا رجوع عذاب کی تاخیر کا موجب ہو سکتا ہے جیسا کہ پانچویں معیار کے ضمن میں اُوپر مذکور ہو چکا ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ قلبی رجوع سے تاخیرِ عذاب نہ ہو۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ قلبی طور پر آتھم کے رجوع کا کیا ثبوت ہے؟ سو یاد رہے کہ اوّلاً اس تمام عرصہ میں اس کا اسلام کی مخالفت، بانیٔ اسلام کے خلاف دریدہ دہنی اور عیسائیت کی غالیانہ حمایت سے اجتناب اسکے قلبی رجوع کا زبردست ثبوت ہے۔ دوم اس کا امرتسر، لدھیانہ، فیروزپور میں تین حملوں کا اقرار خود اُس کے قلبی خوف کا شاہد ہے۔ سوم اُس کا نالش سے انکار اُسکے قلبی رجوع کا زبردست ثبوت ہے۔ چہارم اُس کا حلف سے انحراف بھی اس دعویٰ کی کھلی تصدیق ہے۔ پنجم پھر اس کا اس اخفاء کے بعد حضرت کی پیشگوئی کے مطابق بہت جلد مر جانا بھی آسمانی شہادت ہے کہ اس نے یقیناً رجوع کیا تھا جس کو چھپانے کے باعث جلد مر گیا۔ ششم میدانِ مناظرہ امرتسر میں پیشگوئی سُنتے ہی اُس کا مرعوب ہو کر انکار کرنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) دجال نہیں لکھا، حالانکہ وُہ اندرونہ بائیبل میں ایسا لکھ چکا تھا، پیشگوئی کی عظیم الشان ہیبت کا ثبوت ہے۔

اِن قرائن ستّہ سے عیاں ہے کہ آتھم نے یقیناً رجوع الی الحق کیا تھا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے کہ :-

(۱) " ہم مانتے ہیں کہ آتھم کو موت کا اندیشہ ہوا ہوگا اور یقیناً ہوا ہوگا۔ اور اس خوف سے اُس نے ہر ایک تدبیر سے کام لیا" (رسالہ الہامات مرزا صلا)

(۲) " آتھم نے رجوع کیا۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے اور بقول مرزا صاحب اُس کے رجوع بحق ہونے کے معنے یہ ہیں کہ اُس کے دِل پر خوف غالب ہوا جس کی وجہ سے وہ بھاگا پھرا" (رسالہ الہامات مرزا صلا)

گویا امرتسری معاند کو بھی مسلّم ہے کہ آتھم کو یقیناً موت کا اندیشہ ہوا۔ نیز یہ کہ اس کا رجوع ایک مشہور امر ہے۔ ہاں اسے اور معترض پٹیالوی کو اگر انکار ہے تو زبانی رجوع سے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ " آتھم علی الاعلان اس حق کی طرف رجوع کرتا جس کے لئے مرزا صاحب کا اُس سے مناظرہ ہوا تھا" (رسالہ الہامات مرزا صلا)

پھر " رجوع بھی محسوس نہیں ہوا اور آتھم موت سے بچ بھی رہا" (" صلا)

اب سوال یہ ہے کہ کیا جماعت احمدیہ نے آتھم کے "علی الاعلان رجوع" کا دعویٰ کیا۔ یا اُس کے رجوع کو ظاہری و زبانی قرار دیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ الہام کی بناء پر اُس کے قلبی رجوع کا دعویٰ کیا گیا تھا اور اسی کا ثبوت دیا گیا تھا۔ آتھم کے عمل اور اللہ تعالیٰ کے فعل نے اس پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔ اس کا علی الاعلان رجوع نہ کرنا، بلکہ قلبی رجوع کا بھی بعد اختتامِ مدت انکار کر دینا ہی تو اسکی جلد موت کا موجب ہوا تھا۔ کما مرّ۔

مطالبہ حلف کا معاملہ

بائیبل کی تعلیم کے مطابق حضرت اقدس نے آتھم سے قسم کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ ہر معاملہ کا آخری فیصلہ قسم سے ہونا چاہیئے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو قسم سے انکار کرتا ہے وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ (یرمیاہ ۱۲/۱۶-۱۷) پھر خود خدا کی قسم، پولوس کی قسم، نبیوں کی قسمیں، اور حواریوں کی قسموں کو یاد دلا کر اُسے کہا گیا تھا کہ قسم کھائے مگر درحقیقت آتھم مر چکا تھا اسلئے اُس نے قسم نہ کھائی، اور نہ میدانِ مقابلہ میں آیا۔

دوسرے یا وہ گو پادری ہنری مارٹن وغیرہ نے اشتہارات میں ژاژ خائی کی۔[1] ہاں پادریوں کے خیر اندیش وکیل دشمنانِ اسلام مولوی صاحبان نے اُن کا حقِ نمک خوب ادا کیا اور کہا کہ اُس سے مطالبہ حلف درست نہیں۔ معترض پٹیالوی بھی لکھتا ہے کہ آتھم نے کہا تھا کہ میں "عدالت میں حلف کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ مرزا صاحب مجھ پر دعویٰ کریں۔" (عشرہ ص۱۵۴) کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ حملے آتھم پر ہوں، سانپ اُس پر چھوڑے جائیں، اور دعویٰ حضرت مرزا صاحب کریں۔ کیا دجالیت کسی اور چیز کا نام ہے؟ مولوی ثناء اللہ نے اس کا غیر مسلم ہونا بتا کر ہی اس کو قسم سے بری کر دیا۔ کیا عجیب انداز میں لکھتے ہیں:-

"مرزا جی کو آتھم پر قسم دینے کا حق ہی کیا تھا۔ کوئی آیت یا حدیث اِس بارے میں ہے کہ کوئی کافر اگر اپنے نفس پر التزام کفر کرے اور اسلام سے انکاری ہو تو اس کو قسم دینی چاہیئے۔" (رسالہ الہامات مرزا ص۱۶)

گویا آیت و حدیث آتھم پر حجت تھی؟ صاف بات تھی کہ آتھم ایک گواہی کے اخفاء کا مرتکب ہو رہا تھا اُس کو اس کے متعلق حلف دی گئی تھی۔ اور حلف شرعاً اِسی غرض سے جاری ہے تا کاذب کو مؤاخذہ خداوندی میں لایا جاوے۔ خیر ان مولویوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ مولوی ثناء اللہ نے لکھا ہے:-

"ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ مرزا جی کی ایک سالہ پیشگوئی کی تیغ سے جو قسم کھانے پر اس کے پیچھے لعنت کے طوق کی طرح ڈال کر لوگوں کی توجہ کامل ایک سال تک پھیرنی چاہتے تھے۔ وُہ اس سے بچتا تھا۔ وُہ بھی آخر ڈپٹی رہ چکا تھا۔ .... اگر مرزا جی صرف قسم کی بابت اُسے کہتے تو شائد انجیل متی باب ۵ کی کوئی تاویل سوچ کر وہ قسم کھا جاتا۔" (رسالہ الہامات ص۲۷)

---

[1] دیکھو رسالہ الہامات ص۱۶۔ یہی وُہ اشتہار ہے جس کو معترض پٹیالوی نے آتھم سے منسوب کر کے عیسائیت میں جواز قسم کو جواز خنزیر کی مثال بتایا ہے۔ (ابوالعطاء)

معاملہ صاف ہوگیا کہ درحقیقت آتھم قسم کو ناجائز سمجھ کر انکار نہ کرتا تھا۔ بلکہ "لعنت کے طوق" سے ڈرتا تھا۔ اور اُس کے باقی عذرات کہ ہمارے مذہب میں قسم جائز نہیں، عدالت میں تم دعویٰ کرو، وغیرہ وغیرہ۔ پر پشہ کے برابر وقعت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جانتے ہو کہ جس لعنت کے طوق سے آتھم ڈرتا تھا۔ وہ ایک سال (بعد از قسم) کے بجائے آخری اشتہار سے سات ماہ کے اندر ہی اُس کے گلے کا ہار بن گیا۔ اور خدا کے مسیحا کی بات روز روشن کی طرح پوری ہوگئی۔ الحمد للہ۔

"زبردست اعتراض" یعنی رجوع اور ہاویہ؟

معترض پٹیالوی نے ایک دُوسرے مُنکر کی کتاب **النجم الثاقب** صہ ۲۳ کے حوالہ سے اعتراض کیا ہے۔ اور اس کو "زبردست اعتراض" ٹھہرا کر جواب کا مطالبہ کیا ہے۔ اعتراض کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"مضمون صاف ہے کہ اگر آتھم رجوع الی الحق نہ کرے تو ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ یعنے اگر رجوع کرے گا تو ہاویہ کی سزا سے بچ جائے گا۔ رجوع الی الحق اور سزائے ہاویہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے آتھم کے بھاگے پھرنے اور سراسیمہ ہونے کا نام رجوع الی الحق بھی رکھا ہے اور ہاویہ میں گرنا بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ رجوع اور ہاویہ کا جمع ہونا تو الہام کی رُو سے ناممکن ہے۔ بیچارہ آتھم اگر رجوع کرچکا تو پھر ہاویہ اس پر کہاں سے آگیا؟ یا تو رجوع ہی کرتا یا ہاویہ میں گرتا؟" (عشرہ صہ ۱۵۳)

الجواب الاوّل:- معترض نے رجوع اور ہاویہ کو از رُوئے الہام دو نہ جمع ہوسکنے والی چیزیں بتایا ہے۔ ہم اس حصہ میں معترض کی ضرور تصدیق کرتے بشرطیکہ وہ دیانتداری سے کام لیتا۔ یہ درست ہے کہ پیشگوئی کے لفظ ہاویہ اور رجوع حضرت کی تشریح کے مطابق ممتنع الاجتماع ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اس جگہ

ہاویہ سے کیا مراد ہے ؟ حضرت کی طرف سے جو تشریح جنگ مقدس کے آخری صفحات میں مندرج ہے وہ کیا ہے ؟ سو یاد رہے کہ اس جگہ ہاویہ کے معنے موت کئے گئے ہیں ۔ معترض پٹیالوی نے جنگ مقدس صفحہ ۱۸۹ کا حوالہ یوں نقل کیا ہے کہ :۔

"وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے، وہ پندرہ ماہ کے اندر آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں ۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۱ نیز الہامات صفحہ ۵)

گویا اصل الفاظ میں جس ہاویہ کا ذکر ہے وہ سزائے موت کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ یہ ہاویہ رجوع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا ۔ آتھم کا رجوع ثابت ہو گیا اور وہ اس ہاویہ (موت) میں اس مدت میں نہ گرا ۔ فلا تعارض بینھما۔

الجواب الثانی :۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارتوں میں اس اشکال کا جواب بصراحت موجود ہے ۔ چنانچہ انوار الاسلام کے جو حوالجات اس باب میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے نقل کئے ہیں ۔ ان میں بھی لکھا ہے ۔

(الف) "اگر تم ایک طرف ہماری پیشگوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اُس کے مصائب کو جانچو جو اُس پر وارد ہوئے ۔ تو تمہیں کچھ بھی اس بات میں شک نہیں رہے گا کہ وہ بیشک ہاویہ میں گرا ، ضرور گرا ۔ اور اُسکے دل پر وہ رنج اور غم اور بدحواسی وارد ہوئی جس کو ہم آگ کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے ۔ ہاں اعلیٰ نتیجہ ہاویہ کا جو ہم نے سمجھا اور ہماری تشریحی عبارات میں درج ہے یعنی موت وہ ابھی تک حقیقی طور پر وارد نہیں ہوئی ۔"

(ب) "جس طرز سے مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ اُس کے دامنگیر ہو گیا ، اور ہول اور خوف نے اُس کے دل کو پکڑ لیا یہی اصل ہاویہ تھا ۔ اور سزائے موت اسکے کمال کیلئے ہے ۔" (الہامات صفحہ ۲۲ و ۲۳)

گویا ہاویہ میں پڑنے کے دو نتیجے ہیں۔ ادنیٰ نتیجہ مسلسل گھبراہٹ اور سراسیمگی۔ اعلیٰ نتیجہ موت۔ اگر وہ کامل رجوع کرتا، تو ہر دو قسم کے ہاویہ سے محفوظ رہتا۔ لیکن چونکہ اس نے صرف ناقص رجوع کیا۔ اس لئے وہ ہاویہ کے انتہائی نتیجہ سے تو بچ رہا لیکن ادنیٰ نتیجہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ **الغرض** جب ہاویہ دو سزاؤں پر مشتمل ہو اور جو سزا رجوع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اس کی تشریح موت کے لفظ سے کردی گئی تھی۔ تو اب اس اعتراض کے معنے ہی کیا ہوئے۔ اور پھر اسکو زبردست اعتراض کہنا تو اور بھی غلطی ہے۔

الجواب الثالث:۔ فرض کرلو کہ ہاویہ سے مراد جنگ مقدس میں بھی محض ہم وغم اور گھبراہٹ ہے جس میں آتھم پڑا رہا۔ اس کا دوسرا کوئی اثر مقدر نہ تھا، پھر بھی یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ اندریں صورت لفظ رجوع سے مراد کامل رجوع ہوگا یعنے آتھم علی الاعلان رجوع کرتا، اور اسلام کو قبول کرتا، تو اس صورت میں وہ اس ہاویہ سے بچایا جاتا۔ ہاویہ سے مراد صرف غم وہم ہے۔ مگر رجوع سے مراد "محسوس رجوع" ہے۔ اب چونکہ آتھم نے کامل رجوع نہ کیا۔ اس لئے اس ہاویہ میں گرا۔ بہرحال کوئی تناقض نہیں۔

الجواب الرابع:۔ رجوع الی الحق ایک ایسا لفظ ہے جس کے متعدد اور متفاوت المراتب مدارج ہیں۔ الحق سے مراد اسلام ہے اور رجوع الی الحق کے معنے بقول منشی محمد یعقوب صاحب "عیسائیت پر قائم نہ رہنا" ہیں۔ اب عیسائیت پر قائم نہ رہنے یا اسلام کیطرف توجہ کرنے کی مختلف صورتیں ہیں (۱) قلبی۔ جیسا کہ یکتم ایمانہ (المؤمن ع) سے مستنبط ہے۔ (۲) ظاہری۔ جیسا کہ بعض منافق اسلام کا اظہار کرتے ہیں مگر اندر سے عیسائی وغیرہ ہی ہوتے ہیں۔ آیت قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون) اسپر گواہ ہے۔ (۳) حقیقی۔ جیسا کہ سچ مچ کے مؤمن ہوا کرتے ہیں۔ ان کا دل اور زبان، قلب اور جوارح یکساں شہادتِ ایمانی دیتے ہیں۔ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اسی پر دال ہے۔

آتھم نے ان اقسام میں سے صرف اوّل الذکر صورت والا رجوع کیا تھا۔ چونکہ اس کا

رجوع ناقص تھا۔ اسلئے جسقدر وہ اسلام کی طرف لوٹا یا جسقدر اُس نے عیسائیت سے بد اعتقادی اختیار کی، اسی قدر اس کو ہاویہ سے بچایا گیا۔ فلا اشکال فیہ۔

ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ رجوع الی الحق اور ہاویہ ہر دو کی دو دو حیثیتیں ہیں۔ جس حیثیت سے ان کا اجتماع محال بتایا گیا ہے۔ اس حیثیت سے اجتماع نہیں ہوا۔ اور جس حیثیت سے ان کا اجتماع واقع ہوا ہے۔ وہ ان کے ناممکن الاجتماع ہونے والی حیثیت سے الگ ہے۔ سچ ہے۔ لولا الحیثیات لبطلت الحکمۃ۔ کیا پٹیالوی صاحب یا اُن کے ہمنوا ان جوابات پر دیانت و امانت کے ساتھ غور کریں گے۔ اور آتھم والی پیشگوئی پر جو اسلام و احمدیت کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے ایمان لائیں گے؟ کشتی نوح کے فقرہ "ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مریگا" پر اعتراض کا جواب فصل پنجم میں گزر چکا ہے۔

محمدی بیگم والی پیشگوئی

معترض پٹیالوی نے اس فصل کے نمبر ۲-۳-۴ میں مختلف عنوانات سے محمدی بیگم والی پیشگوئی کو ذکر کیا ہے، اور پھر اسی پیشگوئی کے متعلق عشرہ کاملہ کے متعدد مقامات کے علاوہ ایک علیحدہ کتاب بنام "تحقیق لاثانی" بھی شائع کی ہے۔ اس ثانی الذکر کتاب میں انہی حوالجات کو بار بار ذکر کر کے اور سخت زبانی اختیار کر کے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ مَیں نے اس کے اعتراضات کو بار بار اور مخلی بالطبع ہو کر پڑھا کہ ان میں کونسی ایسی بات ہے جسپر مکذب پٹیالوی کو ناز ہو سکتا ہے۔ لیکن اسکی یہ طویل عبارتیں محض "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ثابت ہوئیں۔ ہم اس پیشگوئی کے متعلق بعض اعتراضات کے جواب فصل ہشتم و نہم وغیرہ میں بھی درج کر چکے ہیں۔ اس جگہ نفس پیشگوئی کے متعلق قدرے تفصیل سے بحث کرنی مطلوب ہے۔

معترض نے ان ہر سہ نمبروں میں حضرت کے حوالجات سے لکھا ہے ~~کہ اگر~~ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی تو میں ایسا ایسا ہونگا۔ اور پھر خود ہی لکھ دیا ہے کہ پیشگوئی پوری نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی پیشگوئی

ایسی نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو۔ اوران پوری ہونے والی پیشگوئیوں میں سے ایک جلیل القدر اور عظیم الشان پیشگوئی درباره مرزا احمد بیگ وغیرہ ہے۔ پس یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور نہایت آب وتاب سے پوری ہوئی، مگر اس کا کیا علاج کہ منکرین ہمیشہ سے آنکھیں بند کر کے بکتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ اس رسول کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے:۔

"میری کسی پیشگوئی کے خلاف ہونے کی نسبت کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔ حالانکہ ایک بھی پیشگوئی جھوٹی نہیں نکلی بلکہ تمام پیشگوئیاں صفائی سے پوری ہوگئیں۔ شرطی پیشگوئیاں شرط کے موافق پوری ہوئیں اور ہونگی۔ اور جو پیشگوئیاں بغیر شرط کے تھیں جیسا کہ لیکھرام کی نسبت پیشگوئی، وہ اسی طرح پوری ہوگئیں۔ یہ تو میری پیشگوئیوں کی واقعی حقیقت ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۵)

ہم اسی یقین وبصیرت پر قائم ہیں، اور علی وجہ التحقیق قائم ہیں۔ پس عشرہ میں مندرجہ ہر سہ نمبر کے اعتراضات باطل اور بے بنیاد ہیں۔

پیشگوئی کے الفاظ اس پیشگوئی پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پیشتر حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اور حضور کی عبارات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

(الف) "ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی، اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا۔ جس کا نام محمود احمد ہوگا اور اپنے کاموں میں اولو العزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے تا خداتعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو اعجوبہ قدرت دکھلاوے۔ اگر وہ قبول کریں تو برکت اور

رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کر دیوے جو نزدیک چلی آتی ہیں۔ لیکن اگر وہ رد کریں تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبہ کرے۔" (اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء و تحقیق لاثانی صفحہ ۲۵)

(ب) "عربی الہام اس بارے میں یہ ہے۔ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا وَکَانُوا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ وَیَرُدُّهَا اِلَیْكَ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ اَنْتَ مَعِیَ وَاَنَا مَعَكَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔" (اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

(ج) "خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے، کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے، اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا، تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا۔ اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی۔"
(حاشیہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء مطبوعہ بار دوم ریاض ہند پریس)

(د) "رَأَیْتُ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ وَاَثَرُ الْبُکَاءِ عَلٰی وَجْهِهَا فَقُلْتُ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ وَالْمُصِیْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَیْكِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ کِلَابٌ مُّتَعَدِّدَةٌ۔" (تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء حاشیہ)

ترجمہ۔ میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو رویا میں دیکھا اور رونے کے آثار اُسکے چہرہ پر تھے۔ میں نے کہا اے عورت توبہ کر توبہ کر ورنہ بلا تیری اولاد پر پڑے گی۔ اور ایک عظیم مصیبت تجھ پر نازل ہوگی۔ ایک شخص مر جائیگا۔ اور اس کی طرف سے بہت سے کُتے باقی رہ جائیں گے۔"

(ذ) "قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ رَأَیْتُ عِصْیَانَهُمْ وَطُغْیَانَهُمْ فَسَوْفَ اَضْرِبُهُمْ

بِاَنْوَاعِ الْاٰفَاتِ اُبِيْدُهُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوَاتِ وَسَتَنْظُرُ مَا اَفْعَلُ بِهِمْ وَكُنَّا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَادِرِيْنَ۔ اِنِّيْ اَجْعَلُ نِسَاءَهُمْ اَرَامِلَ وَاَبْنَاءَهُمْ يَتَامٰى وَبُيُوْتَهُمْ خَرِبَةً لِيَذُوْقُوْا طَعْمَ مَا قَالُوْا وَمَا كَسَبُوْا وَلٰكِنْ لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَ يَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ اِنَّ لَعْنَتِيْ نَازِلَةٌ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى جُدْرَانِ بُيُوْتِهِمْ وَعَلٰى صَغِيْرِهِمْ وَكَبِيْرِهِمْ وَنِسَاءِهِمْ وَرِجَالِهِمْ وَنَزِيْلِهِمْ الَّذِيْ دَخَلَ اَبْوَابَهُمْ وَكُلُّهُمْ كَانُوْا مَلْعُوْنِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَبَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ فَاُولٰئِكَ مِنَ الْمَرْحُوْمِيْنَ۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے ان لوگوں (احمد بیگ اور اس کے متعلّقین) کی نافرمانی اور سرکشی کو دیکھا۔ مَیں عنقریب اُن پر مختلف آفات لاؤنگا۔ مَیں اُنکو آسمانوں کے نیچے سے تباہ و برباد کردُونگا۔ اور تُو دیکھے گا کہ مَیں اُن سے کیا کرتا ہوں۔ ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ مَیں اُنکی عورتوں کو بیوہ، اُن کے لڑکوں کو یتیم، اور اُن کے گھروں کو ویران کردُونگا تاکہ وہ اپنی باتوں اور افعال کا مزہ چکھیں۔ لیکن مَیں اُنکو یکدفعہ ہلاک نہ کرونگا، بلکہ آہستہ آہستہ اور تھوڑے تھوڑے کر کے، تاکہ وہ رجُوع کر سکیں اور توبہ کرنیوالے بن جائیں۔ یقیناً میری لعنت اُن پر نازل ہوگی۔ اور اُن کے گھروں کی دیواروں پر، اُن کے چھوٹے، بڑے، مرد، عورتوں۔ اور مہمانوں پر بھی، جو اُنکے دروازوں میں داخل ہوں، لعنت پڑے گی۔ اور وہ سب ملعون ہونگے۔ بجُز اُن کے جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔ اور ان لوگوں سے قطع تعلقات کر کے اُن کی مجلسوں سے دُور رہیں۔ سو ایسے لوگ خدا کی رحمت کے نیچے ہونگے۔"

ناظرین! یہ پانچ اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اپنے الفاظ میں آپ کے سامنے ہیں۔ حضرت اقدس نے اِس پیشگوئی کو بیسیوں مقامات پر ذکر کیا ہے۔

جن میں سے بہت سے حوالجات کو مختلف پیرایوں میں حسب منشاء تحریف کر کے معترض پٹیالوی نے تحقیق لاثانی کے ایک سو صفحات میں درج کیا ہے۔ لیکن ان سب کا مفاد وُہی ہے جو اُوپر والے بنیادی حوالجات میں مذکور ہے۔ ان حوالجات سے جو امور ثابت ہیں۔ وُہ حسب ذیل ہیں:۔

اوّل۔ یہ پیشگوئی محض بطور نشان ہے۔ اور اس نشان کے دو پہلو ہیں۔ اگر وہ رشتہ کرنا قبول کریں تو رحمت کا نشان دیا جائیگا ورنہ عذاب اور بلاؤں کا نشان۔

دوم۔ بلاؤں کی صورت میں ان کے گھر کی عام بربادی، ویرانی اور خاندان کی تباہ حالی کے علاوہ، مرزا احمد بیگ کسی دُوسری جگہ رشتہ کرنے کے بعد تین سال بلکہ اس سے قریب عرصہ میں مرجائے گا اور اس کا داماد عرصہ اڑھائی برس میں مرجائیگا۔

سوم۔ نکاح کا ہونا ان ہلاکتوں کے بعد اور ان پر موقوف ہے۔ یعنی جبتک یہ موتیں وقوع پذیر نہ ہو جائیں نکاح کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

چہارم۔ احمد بیگ، اس کے داماد، کی موت نیز اس کے اقارب کی بربادی، تکذیب و استہزاء کے نتیجہ میں ہوگی۔ جو انہوں نے اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اختیار کر رکھی تھی۔ جیسا کہ فقرہ کذّبوا بآیاتنا وکانوا بہا یستھزءون سے واضح ہے۔

پنجم۔ بناء پیشگوئی تکذیب ہے لیکن تاہم ان کو توبہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ الہام توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبك اس پر شاہد ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام کے الفاظ "قلیلاً قلیلاً لعلھم یرجعون ویکونون من التوابین" اس پر محکم نص ہیں۔ یعنی عذاب کے آہستہ آنے میں منشاء الٰہی یہی ہے کہ تا وُہ توبہ کر کے رجوع کریں۔ گویا پیشگوئی مشروط بعدم التوبہ ہے۔

ششم۔ محمدی بیگم کی نانی پر مصیبت آئے گی۔ اور اس سارے قصہ میں بطور نتیجہ صرف ایک شخص مرد (احمد بیگ) کی موت واقع ہوگی۔ اور اس پیشگوئی کا ظہور ایسے رنگ میں ہوگا کہ بہت سے منکرین اعتراض کے لئے لب کشائی کریں گے جیسا کہ

الہام يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ سے عیاں ہے۔

مجھے یقین ہی کہ جو شخص ایک چھپلتی ہوئی نظر بھی متذکرہ صدر حوالجات پر ڈالے گا۔ وہ ان نتائج ستہ سے ثلج قلب کے ساتھ متفق ہوگا۔ ان نتائج کے دو حصے بہت ہی اہم ہیں۔ یعنے ان ہر دو (خسر اور داماد) کی ہلاکت کا شرطی ہونا، اور نکاح کا ان کی موت کے وقوع پر موقوف ہونا۔ اگر کوئی مخالف ان دو باتوں کو تسلیم کرلے، تو پھر اُسے اس عظیم الشان نشان کے خلاف مُنہ کھولنے کی جُرأت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میں ان دو باتوں کے متعلق حوالجات بالا کے علاوہ ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔

پیشگوئی شرطی ہے!

ہمارے اس دعویٰ کے دو حصے ہیں۔

(الف) احمد بیگ اور اُسکے داماد کی موت شرطی ہے۔

(ب) محمدی بیگم کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے نکاح میں آنا بھی شرطی ہے اور وہ احمد بیگ اور سلطان محمد (داماد احمد بیگ) کی موت پر موقوف ہے۔

اس دعویٰ کے پہلے حصہ کے مندرجہ ذیل ثبوت ہیں۔

ثبوت اوّل۔ اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے:۔

"یہ الہام جو شرطی طور پر مکتوب الیہ کی موت فوت پر دلالت کرتا تھا، ہم کو بالطبع اسکی اشاعت سے کراہت تھی۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صلا حاشیہ)

ثبوت دوم۔ الہام توبی توبی فان البلاء علٰی عقبك جو تمہ اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت کو عدم توبہ کی شرط کے ساتھ مشروط بتایا گیا ہے۔

ثبوت سوم۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۹ کے الفاظ لعلھم یرجعون ویکونون من التوابین سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کی موت عدم توبہ کی صورت میں مقدر تھی۔

ثبوت چہارم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور ایک کلیہ فرمایا ہے۔" وما کان الھام فی ھذہ المقدمۃ الّا کان معہ شرط کما قرءت علیك فی التذکرۃ

السابقة۔" (انجام آتھم ص۲۲۳) اس پیشگوئی کے متعلق کوئی الہام ایسا نہیں کہ اسکے ساتھ شرط نہ ہو۔ جیساکہ میں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں۔"

ثبوت پنجم۔ اس پیشگوئی کا نفس مضمون ہی اس کے شرطی ہونے کا گواہ ہے۔ کیونکہ وعیدی پیشگوئیاں سب کی سب مشروط ہُوا کرتی ہیں۔ کمامرّ۔

ثبوت ششم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بیان مصنّف "تحقیق لاثانی" نے نقل کیا ہے۔ ہم اس کا متعلق حصّہ اس جگہ درج کرتے ہیں۔ فرمایا:-

"اس لڑکی کے باپ کے مرنے، اور خاوند کے مرنے، کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور شرط توبہ اور رجوع الی اللہ کی تھی۔ لڑکی کے باپ نے توبہ نہ کی۔ اس لئے وہ بیاہ کے بعد چھ مہینوں کے اندر مرگیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جُزو پوری ہوگئی، اس کا خوف اُسکے خاندان پر پڑا۔ اور خصوصاً شوہر پر پڑا جو پیشگوئی کا ایک جز تھا، انہوں نے توبہ کی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی آئے۔ اس لئے خُدا نے اس کو مہلت دی۔" (تحقیق لاثانی صہ)

اِن حوالجات سے ظاہر ہے کہ محمدی بیگم کے باپ اور خاوند کی موت کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور یقیناً شرطی تھی۔

معترض پٹیالوی اور پیشگوئی کا شرطی ہونا

معترض نے اپنے سارے بیانات میں زور دیا ہے کہ کسی طرح یہ پیشگوئی شرطی ثابت نہ ہو سکے۔ چنانچہ ہم ذیل میں اس کی عبارات کو نقل کر دیتے ہیں۔ لکھا ہے:-

قولہ (۱) "پیشگوئی نکاح کے ساتھ کوئی شرط نہ تھی۔ اشتہارات ۱۰ جولائی اور ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کو دیکھو اور غور کرو کہ کونسی شرط ان میں درج ہے۔ اور اسے وعیدی[1] پیشگوئی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ جس جملہ توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبک کو شرط بنایا جاتا ہے۔ نکاح کے متعلق اس کا ذکر مرزا صاحب کے

---

[1] گویا آپ شرطی پیشگوئی اور وعیدی پیشگوئی کو ایک ہی سمجھتے ہیں! مؤلف۔

رسالہ انجام آتھم ص۲۱۳ میں ہے۔ جو پیشگوئی نکاح کی میعاد گزر جانے سے اڑہائی سال بعد طبع ہوا۔" (تحقیق ص۸۲)

اقول۔ ناظرین! آپ ان حوالجات کو پڑھیں جو ہم نے اُوپر اشتہار ۱۰ جولائی اور ۱۵ جولائی اور آئینہ کمالات اسلام سے درج کئے ہیں۔ اور پھر معترض پٹیالوی کی راست گوئی کی داد دیں۔ آہ! جو شخص اس قدر خیانت سے کام لے رہا ہو کہ الہام توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبک کو میعاد نکاح کے بعد، اور انجام آتھم میں ہی طبع شدہ الہام بتلاتا ہے اور اس بناء پر پیشگوئی کے شرطی ہونے سے منکر ہے، وہ بھی اپنی ان باتوں کو "تحقیق لاثانی" قرار دے رہا ہے۔ بلحاظ کذب بیانی واقعی یہ لاثانی تحقیق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الہام مذکور صریح شرط ہے۔ اور وہ اشتہار ۱۵ جولائی (تتمہ اشتہار دس جولائی ۱۸۸۸ء) میں شائع ہوچکا ہے۔ اس کی اشاعت بعد میعاد بتانا کھلی بددیانتی ہے۔

قولہ۔ (۲) "اگر توبی توبی کو شرط مانا جاوے، تو معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے مُلہم نے ان کو فریب دے کر ذلیل کیا کہ ادھر تو نکاح کے قطعی اور حتمی وعدے کرتا رہا۔ مگر مخالفوں کو شرط کا فائدہ دے کر آسمان پر پڑھایا ہوا نکاح زمین پر ادھیڑ دیا"۔ ... (تحقیق ص۱۳۴)

اقول۔ جب توبی توبی شرط ہے اور نکاح اور اسکے حتمی وعدوں کیلئے ہی شرط ہو تو اس میں فریب کیسا اور ذلیل کرنا چہ معنی دارد؟ اگر حالات اس شرط کے مطابق پیدا ہوجاتے اور پھر وہ مشروط وعدے ظاہری طور پر پورے نہ ہوتے تو بیشک آپکو اعتراض کا حق ہوتا۔ مگر اب تو صریح ظلم ہے۔

قولہ۔ (۳) "ان حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب وقوعِ نکاح پر کتنا زور دیتے تھے۔ مگر یہ ان کی چالاکی ہے کہ انہی کتابوں میں دوسری جگہ ایسی عبارتیں بھی لکھ جاتے تھے کہ جو پیشگوئی کے غلط ہونے پر ان کے کذب کی پردہ پوشی کا کام دیں۔" (تحقیق ص۱۴۸)

اقول۔ ناظرین! یہ ایک دشمن کے الفاظ ہیں۔ "ایسی عبارتوں" سے اُس کی مُراد شرط کا تذکرہ ہے۔ جو حضرت نے اپنی کتابوں میں فرمایا ہے جن میں وقوعِ نکاح پر زور دیا ہے۔

پس اس اقرار کے باوجود معترض پٹیالوی کا ان" ایسی عبارتوں" کو چھوڑ کر صرف "وقوع نکاح" پر زور دینا گویا حضرت کی کلام میں تحریف کرنا اور صرف لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کہنے والے کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ کیا ایسے لوگ بھی محقق کہلا سکتے ہیں؟

انجام آتھم ص۳۱ کے حاشیہ کے تذکرہ کے بعد معترض لکھتا ہے :-

(۴) **قولہ**۔ "اب غور کرنے سے ظاہر ہے کہ تُوْبِیْ تُوْبِیْ والی شرط اگر تھی، تو صرف اڑھائی سالہ پیشگوئی کے متعلق تھی۔ بعد میں جب دوبارہ پیشگوئی کی کہ سلطان محمد کا مرنا میری حیات میں تقدیر مبرم ہے اور اسکی بیوہ کا مجھ سے نکاح ہونا اٹل ہے۔ اسکے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی۔" (تحقیق ص۱۱۹)

اقول۔ گویا سلطان محمد کی موت کے لئے تو شرط کا ہونا تسلیم کر لیا۔ ہاں اب انجام آتھم کے حاشیہ کی عبارت کو "دوبارہ پیشگوئی" قرار دے کر اسے بلاشرط قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ خود باطل ہے۔ حضرت نے نفسِ پیشگوئی کو تقدیرِ مُبْرَم قرار دیا ہے۔ مگر اس تقدیرِ مُبرم کے حل کرنے کے لئے ساتھ ہی لکھ دیا ہے :-

"اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اسے بیباک کر دیوے۔" (تحقیق ص۱۱۷)

گویا جسے پٹیالوی صاحب نے اپنی کم علمی کے باعث دوبارہ پیشگوئی سمجھ کر بلاشرط بتایا تھا اس کو خود اس کی منقولہ عبارت میں سلطان محمد کی بیباکی سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ اور اس جگہ تقدیر مبرم کا یہی مطلب ہے۔ ورنہ مطلق تقدیر مبرم کے لئے شرط کا ذکر غیر مناسب ہے۔ خود معترض پٹیالوی نے بھی حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رضی اللہ عنہ کے مکتوب ۲۱ کے ترجمہ میں لکھا ہے :-

"دوسری (تقدیر) وہ جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ کے ہی پاس ہے، اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی شکل رکھتی ہے۔ اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیّد قدس سرہٗ کا قول بھی (یعنے در قضائے مبرم ہیچ کس را

مجال نیست کہ تبدیل بدہد، مگر مرا، کہ اگر خواہم آنجا ہم تصرف کنم۔ ابوالعطاء)
اس دُوسری قسم پر ہی موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضاء پر جو درحقیقت مبرم ہے" (تحقیق صفحہ ۱۶۴)
گویا معترض کے نزدیک تقدیر مبرم کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل درحقیقت مبرم۔ دوّم بلحاظ شکل مبرم۔ اور مؤخر الذکر قسم میں از رُوئے قول سیّد عبد القادر صاحبؒ تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جب حقیقت یہ ہے، تو پھر اس کا یہ لکھنا کہ:۔

"مرد میدان بن کر سامنے آؤ، اور حضرت موصوف کے اقوال سے تقدیر مبرم کا بدل جانا ثابت کر دو تو ہم بھری مجلس میں آپ کے ہم عقیدہ ہونے کو تیار ہیں"۔ (تحقیق صفحہ ۱۶۹)

اگر خبط یا "مجذوبانہ بڑ" نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ تقدیر مبرم کے ایک حصہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ علامہ یافعی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ درج کئے ہیں۔ فرمایا:۔

"اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ"
(روض الریاحین برحاشیہ قصص الانبیاء صفحہ ۲۶۴)

ترجمہ۔ صدقہ یقیناً اس قضاء مبرم کو ٹال دیتا ہے جو آسمان سے نازل ہونیوالی ہو"۔

علاوہ ازیں ہم نے اس کیلئے سید عبد القادر صاحبؒ جیلانی کے الفاظ "در قضائے مبرم ہیچ کس را مجال الخ" بھی پیش کر دئے ہیں۔ معترض کہتا ہے کہ تقدیر مبرم کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک تقدیر مبرم جو بظاہر تقدیر مبرم ہے مگر علم الٰہی میں تقدیر معلّق ہی ہے۔ دُوسری تقدیر مبرم جو درحقیقت تقدیر مبرم ہے۔ اور پہلی تقدیر مبرم میں تبدیلی ممکن ہے۔
الغرض معترض نے ہمارے دعوے کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انجام آتھم کے حاشیہ مذکورہ بالا میں سلطان محمد کی موت کو تقدیر مبرم بتلانا، اور ساتھ ہی شرط کا ذکر فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ یہ تقدیر مبرم محض ظاہری شکل میں ہے ورنہ درحقیقت تقدیر مبرم نہیں۔ بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ معترض پٹیالوی کے

ہر چہار حوالجات صاف بتا رہے ہیں کہ سلطان محمد اور اسکے خسر احمد بیگ کی موت کی پیشگوئی شرطی تھی، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ وھو المطلوب۔

نکاح، احمد بیگ اور سلطان محمد کی موت پر موقوف تھا!

ہمارا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا از روئے پیشگوئی صرف اسی صورت میں مقدر ہے جب احمد بیگ اور اس کا داماد پہلے موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں۔ اس دعویٰ کا ثبوت حسب ذیل ہے :۔

(الف) حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کریگا، وہ روزِ نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا۔ اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی"۔ (تبلیغ رسالت جلد ا صہ۱۶)

گویا حضورؑ نے نکاح کو آخری مرحلہ قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ حضور علیہ السلام نے لکھا ہے :۔

"اِنَّهُ یَرُدُّ بِنْتَ اَحْمَدَ اِلَیَّ بَعْدَ اِهْلَاکِ الْمَانِعِیْنَ وَکَانَ أَصْلُ الْمَقْصُوْدِ الْاِهْلَاکُ وَتَعْلَمُ اَنَّهُ هُوَ الْمِلَاکُ"۔ (انجام آتھم بحوالہ تحقیق صہ۵۸)

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ احمد بیگ کی لڑکی کو تمام روکنے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد میری طرف لائیگا۔ پیشگوئی میں اصل مقصود ہلاکت ہے اور تو جانتا ہے کہ اسی پر مدار ہے"۔

(ب) حضرت اقدسؑ تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

"یَمُوْتُ بَعْلُهَا وَاَبُوْهَا اِلٰی ثَلَاثِ سَنَةٍ مِنْ یَوْمِ النِّکَاحِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَیْكَ بَعْدَ مَوْتِهِمَا وَلَا یَکُوْنُ اَحَدُهُمَا مِنَ الْعَاصِمِیْنَ"۔ (کرامات الصادقین آخری سرورق)

ترجمہ:۔ "اس کا خاوند اور والد نکاح کے دن سے تین سال کے اندر مر جائیں گے۔ اور پھر اس لڑکی کو ان دونوں کی موت کے بعد ہم تیری طرف لائیں گے۔ اور ان میں سے کوئی اسے روک نہ سکے گا"۔

صاف ظاہر ہے کہ جب تک ہر دو موتیں واقع نہ ہو لیں وہ لڑکی حضرت کے نکاح میں

نہیں آسکتی۔ "سب روکوں کے ہٹا دینے" کی بھی تعیین ہوگئی۔ یعنے جب یہ دونوں مرجائیں گے، پھر کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔

(ج) ہمارے اس دعوے کی تصدیق مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی کی ہے۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "ان میں سے مرزا احمد[1] بیگ اور اسکے داماد[2] کی موت اور اسکی لڑکی[3] کے نکاح والی پیشگوئی مسلمانوں سے خاص تعلق رکھتی ہے۔" (رسالہ نکاح مرزا صـ۳)

(۲) "پہلی پیشگوئی متعلقہ موت مرزا سلطان محمد در اصل تمہید تھی۔ اصل پیشگوئی نکاح منکوحہ کے متعلق تھی۔" (رسالہ تاریخ مرزا صـ۳۲)

(۳) "ایک اور صاحب (سلطان محمد) بھی جن کی موت کے بعد مرزا صاحب نے انکی بیوی سے نکاح کرنا تھا۔ جس کی مدت حسب شہادۃ القرآن مرزا صاحب ۲۰۔ اگست ۱۸۹۳ء[1] کو پوری ہوگئی ہے۔ نہیں مرے۔" (رسالہ الہامات مرزا صـ۲۸ طبع ششم)

مولوی صاحب کی ہر سہ عبارتیں نہایت واضح ہیں۔ بالخصوص آخری اقتباس میں تو صاف اقرار ہے کہ حضرت کا نکاح محمدی بیگم سے نہیں ہوا تھا بلکہ سلطان محمد کی موت کے بعد ہونا تھا۔ ع حق بر زبان جاری

ناظرین کرام! ہم اختصارِ کلام کی خاطر ان تین ثبوتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ بہر حال یہ امر ثابت ہے کہ مسماۃ محمدی بیگم کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں آنا ان دونوں کی موت کے بعد تھا۔ اور یہی پیشگوئی کے الفاظ میں ہے اور یہی حضرت نے رقم فرمایا۔ اور دشمنانِ احمدیت کو بھی یہی مسلّم ہے۔ وَھُوَ المراد۔

واقعات

آئیے اب واقعات پر نظر کریں۔ سو مرزا احمد بیگ اور اسکے اقارب نے اس پیشگوئی کو سنکر بجائے خشیت الٰہی اختیار کرنے کے اور بھی سرکشی اختیار کرلی۔ اور یہ رشتہ بھی ۷۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو دوسری جگہ کردیا۔ (تحقیق صـ۱۰۲) اس نکاح کے بعد پیشگوئی کے مطابق احمد بیگ کو تین سال بلکہ قریب عرصہ میں مرجانا چاہیئے تھا چنانچہ وہ چھٹے مہینے ہی مرگیا۔ معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

---

[1] ۱۸۶۳ء نہیں، ۱۸۹۴ء چاہیئے تھا۔ مؤلف

"احمد بیگ والد محمدی بیگم کی نسبت پیشگوئی تھی کہ تین سال تک فوت ہوگا۔ جو چھ ماہ بعد مرگیا" (تحقیق ص۲۷)

گویا پیشگوئی کا پہلا حصہ نہایت صاف اور واضح طور پر پورا ہوا۔ جس پر منکرین کو بھی گنجائش انکار نہیں بجز اس کے کہ وہ اسے سحر یا نجوم سے تعبیر کریں۔ چنانچہ مکفر بٹالوی نے انہی دنوں رسالہ اشاعۃ السنۃ میں لکھا تھا کہ:۔

"اگرچہ یہ پیشگوئی تو پوری ہوگئی۔ مگر یہ الہام سے نہیں بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی" (منقول از اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

مرزا احمد بیگ کی موت تو چھٹے مہینے میں واقع ہوئی۔ مگر دراصل نکاح کے فوراً بعد ہی اس خاندان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ خود محمدی بیگم کی نانی اور دو چچیاں مرگئیں۔ (تحقیق ص۱۵) لیکن احمد بیگ کی موت نے تو انکی کمر بالکل توڑ دی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت کو عجز و نیاز کے خطوط لکھے اور توبہ اور رجوع سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پیشگوئی کا دوسرا حصہ (سلطان محمد کی موت) معرض التوا میں پڑ گیا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب تک سلطان محمد کی موت واقع نہ ہولیتی، محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا نہ پیشگوئی کا منشاء ہے، نہ حضرت نے ایسا لکھا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ پیشگوئی کے تین بڑے حصے تھے۔ (۱) احمد بیگ کی موت۔ (۲) سلطان محمد کی موت۔ (۳) محمدی بیگم کا نکاح۔ آخر الذکر مرحلہ ان دونوں واقعات کے بعد اور ان پر موقوف ہے۔ اسلئے جبتک دونوں موتیں واقع نہ ہوجائیں۔ محمدی بیگم کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ظاہر ہے کہ ان دونوں کی موت عدم توبہ کی شرط سے مشروط تھی۔

جیسا کہ ہم بالتفصیل لکھ چکے ہیں۔ مرزا احمد بیگ نے خوف سے کام نہ لیا۔ اس لئے وہ بہت جلد موت کے منہ میں چلا گیا۔ اس کی موت نے طبعی طور پر سلطان محمد اور دوسرے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا۔ اس لئے سلطان محمد کی موت ملتوی ہوگئی جیسا کہ ایسے حالات میں اللہ تعالےٰ کی سنت ہے۔

احمد بیگ کی موت پر اعتراض کا جواب

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب شہادۃ القرآن صد ۸۱ پر اس پیشگوئی کے حسب ذیل چھ اجزاء ذکر فرمائے ہیں:-

"(۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔
(۲) اور پھر داماد اُس کا جو اُسکی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔
(۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔
(۴) اور پھر یہ کہ وُہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایّام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔ (۵) اور پھر یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پُورے ہونے تک فوت نہ ہو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اِس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔" (تحقیق صد ۲۷)

یہ اجزاء پیشگوئی کے ابتداء سے آخر تک پروگرام پر مشتمل ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہو کہ جب پیشگوئی کی گئی۔ اُسوقت مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کا نکاح کسی جگہ نہ ہُوا تھا حضرت نے فرمایا کہ احمد بیگ نکاح کرنے تک زندہ رہیگا۔ جیسا کہ جزء ۳ میں مذکور ہے۔ چنانچہ وُہ زندہ رہا۔ پھر حضرت نے لکھا ہے کہ وُہ بعد نکاح تین سال کے اندر مرجائے گا۔ چنانچہ وُہ بعد نکاح چھٹے مہینے مرگیا۔ گویا جہانتک اس پیشگوئی کا تعلّق احمد بیگ سے تھا، وُہ اسکی سرکشی کے باعث کُھلم کُھلا پُورا ہو گیا۔ لیکن مشہور ہے کہ خُوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار۔ چنانچہ معترض پٹیالوی ان اجزاء کو نقل کرکے لکھتا ہے:-

(۱) "جس شخص (احمد بیگ) نے اپنے داماد کی مَوت اور اپنی بیٹی کا بیوہ ہونا دیکھ کر مَرنا تھا۔ اور جس نے محمدی بیگم کے نکاح ثانی تک زندہ رہنا تھا...... اُس کی موت مرزا صاحب کے مرتّبہ پروگرام کے صریحاً برخلاف واقعہ ہوئی۔" (تحقیق صد ۱۵۲)

(۲) "احمد بیگ نے اپنے داماد کی موت دیکھ کر مَرنا تھا۔ اسلئے یہ مرگِ اتفاقیہ دلیلِ صداقت نہیں ہوسکتی۔" (تحقیق صد ۱۵۲ء)

ناظرین کرام! انصاف فرمائیں کہ کیا حضرت کے پروگرام میں احمد بیگ کا

محمدی بیگم کے "نکاح ثانی" تک زندہ رہنا مذکور ہے؟ کوئی لفظ ایسا موجود ہے؟ حاشا وکلا۔ ہرگز نہیں۔ شہادۃ القرآن ۲۲ستمبر ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے جب کہ احمد بیگ مرچکا تھا۔ حضرت اقدس نے اس جگہ پیشگوئی کو محض اسکے اجزاء کے لحاظ کر ذکر فرمایا ہے، نہ یہ کہ اُسوقت پیشگوئی کی تھی۔ اصل پیشگوئی تو ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی۔ پس پٹیالوی صاحب کا یہ صریح دھوکہ ہے۔ ہم اسے چیلنج کرتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر سے ثابت کرے کہ احمد بیگ محمدی بیگم کے نکاح ثانی تک زندہ رہیگا۔ لیکن وُہ اور اُسکے سب مددگار ایسا ہرگز ثابت نہیں کرسکتے۔ حضرت نے تو نکاح کو "بعدَ مَوْتِہَا" (احمد بیگ اور سلطان محمد کی موت کے بعد) قرار دیا ہے (تحقیق صہ ۴۵) سو ظاہر ہے کہ احمد بیگ کی مَوت حضرت کے مجوزہ پروگرام کے مطابق واقع ہوئی ہے اور اس پر اعتراض کرنا بہت بڑی غباوت یا شقاوت کا نتیجہ ہے۔

اِس ضمن میں ایک سوال یہ بھی کیا گیا ہے کہ احمد بیگ کی موت سلطان محمد کے بعد ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ سلطان محمد کے لئے عرصہ اڑھائی سال مقرر تھا۔ اور احمد بیگ کے لئے تین سال۔ (تحقیق صہ ۳۸ حاشیہ) اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ میعادیں انتہائی میعادیں ہیں۔ اِن کے اندر اندر جب بھی ان کی موت واقع ہو جائے، پیشگوئی کے مطابق ہوگی۔ جیساکہ غُلِبَتِ الرُّومُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔ (الروم ع۱) کی پیشگوئی کے لئے زیادہ سے زیادہ نو سال مقرر تھے۔ باقی تین اور اڑھائی کا فرق اُس وقت قابلِ اعتراض ہوتا جب احمد بیگ کے لئے محض تین سال مقرر ہوتے۔ مگر یہ غلط ہے کیوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے احمد بیگ کی مَوت کے لئے انتہائی مدت بے شک تین سال فرمائی ہے۔ مگر ساتھ ہی لکھا ہے:۔

(۱) "تین سال کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا۔" (اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

(۲) حضرت نے احمد بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

"اس صورت میں تم پر مصائب نازل ہوں گے۔ جن کا نتیجہ تمہاری موت ہوگا۔ پس تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے۔ بلکہ تمہاری موت قریب ہے۔" (تحقیق لاثانی صـ۱۳)

(۳) بحوالہ آئینہ کمالات اسلام پٹیالوی صاحب نے پیشگوئی کی تیسری جزء ان الفاظ میں نقل کی ہے:۔

"سوم۔ پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی مرنا۔" (تحقیق صـ۳۶)

ان تینوں حوالجات میں احمد بیگ کی موت کو قریب عرصہ میں بتایا گیا ہے۔ ہاں اگر وہ شوخیوں میں غیر معمولی اضافہ نہ کرلیتا، تو موجودہ حالت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ اسکو تین سال کی مہلت دی جاسکتی تھی۔ پس یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

نکاح نہ ہونے پر اعتراض کا جواب

ناظرین کرام! ہم ثابت کر آئے ہیں کہ محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا اسی صورت میں مقدر تھا جب دونوں موتیں واقع ہو جاتیں لیکن چونکہ سلطان محمد پر موت وارد نہ ہوئی، اس لئے موجودہ حالات میں نکاح کا اعتراض محض لغو ہے۔ یہ کہنا کہ وہ نکاح آسمان پر پڑھا گیا، خدا نے پڑھا اس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ کیا "خدا کا نکاح کرنا" ملاں کے نکاح سے بھی کمزور ہے؟ یہ سب اعتراض محض نادانی سے پیدا ہوتے ہیں، جبکہ اس نکاح کے وقوع و ظہور کیلئے ایک شرط تھی یعنے سلطان محمد کی موت۔ اور یہ شرط متحقق نہ ہوئی، تو پھر نکاح کس طرح ہو سکتا تھا۔ دیکھئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

"إِنَّ اللّٰهَ زَوَّجَنِيْ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ وَكُلْثُوْمَ أُخْتَ مُوْسٰى وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ هَنِيْـئًا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔" (روایت طبرانی و حاکم۔ دیکھو تفسیر فتح البیان جلد ۷ صـ۹۹)

کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح حضرت مریمؑ۔ کلثومؑ۔ اور فرعون کی بیوی سے کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! پھر آپ کو مبارک ہو۔"

معزز قارئین! ہم اس حدیث کو بالکل حق سمجھتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ باوجود

"ان اللہ زوجنی" فرمانے کے ان نکاحوں کا ظہور اس دُنیا میں نہیں ہوا۔ اور نہ ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وہ عورتیں فوت ہو چکی تھیں۔ ہاں آخرت میں جب موت والی روک درمیان نہ ہوگی، ان نکاحوں کا ظہور ہو جائیگا۔ اسی طرح حضرت اقدس سے محمدی بیگم کے نکاح کے ظہور کیلئے ایک شرط تھی، یعنے سلطان محمد کی موت۔ اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب تک یہ شرط پوری نہ ہوتی، اور جبتک یہ روک دُور نہ ہوتی تو وہ حضرت کے نکاح میں نہ آسکتی تھی۔ پس نکاح کا اعتراض غلط اور بے محل ہے۔

مرزا سلطان محمد کی عدمِ موت کا جواب

اس عظیم الشان پیشگوئی میں سے اگر کوئی حصّہ دشمنوں کے اعتراض کا نشانہ بن سکتا ہے تو وہ صرف سلطان محمد کے نہ مرنے کا حصّہ ہے۔ بے شک یہ درست ہے کہ سلطان محمد نہیں مرا۔ لیکن فقط نہ مرنا تو موجب اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جبکہ ظاہر ہے کہ یہ وعیدی پیشگوئی ہے۔ اور پھر اس موت کیلئے عدم توبہ کی شرط بھی موجود ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ یہ موت اس لئے ٹل گئی کہ ان لوگوں نے شرط سے فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا ہے:۔

(۱) "احمد بیگ کے مرنے سے بڑا خوف اُس کے اقارب پر غالب آگیا۔ یہانتک کہ بعض نے اُن میں سے میری طرف عجز و نیاز کے ساتھ خط بھی لکھے کہ دُعا کرو۔ پس خدا نے اُن کے اس خوف اور اس قدر عجز و نیاز کی وجہ سے پیشگوئی کے وقوع میں تاخیر ڈال دی۔" (حقیقت الوحی صفحہ ۱۸۵ نیز رسالہ الہامات مؤلفہ مولوی ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۱۹)

(۲) "اس کا داماد جو اڑھائی سال کے اندر فوت نہ ہوا تو اس کی یہی وجہ تھی جو اس عبرت انگیز واقعہ کے بعد، جو احمد بیگ اُسکے خسر کی وفات تھی؛ ایک شدید خوف اور حزن اُس کے دل پر وارد ہو گیا۔ اور نہ صرف اُسکے دل پر بلکہ اُسکے تمام متعلّقین کو اس خوف اور حزن نے گھیر لیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب دو آدمیوں کی موت ایک ہی پیشگوئی میں بیان کی گئی ہو۔ اور ایک ان میں سے میعاد کے اندر مر جائے تو وہ جو دُوسرا باقی ہے اُس کی

بھی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔" (اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

ناظرین! اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اگر یہ دعویٰ ثابت ہو جائے کہ فی الواقع مرزا سلطان محمد نے اس شرط کے مطابق رجوع اور خوف سے فائدہ اٹھا کر مہلت حاصل کی ہے تو کیا معترض کا یہ اعتراض کچھ وزن رکھتا ہے؟ پیشگوئیوں کے اصول ۳، ۴، ۵ پر نظر کریں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شرط کی تصریح کر دینے پر غور کریں، اور پھر بتائیں کہ کیا ضرور نہ تھا کہ ان حالات میں سلطان محمد موت سے بچ جاتا؟ بالخصوص جب کہ اس پیشگوئی کی بناء ہی ان لوگوں کی شرارت اور سرکشی تھی۔

پیشگوئی کی بناء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:-

"ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور میرے اقارب ہیں کیا مرد، اور کیا عورت، مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکّار اور دکاندار خیال کرتے ہیں۔ اور بعض نشانوں کو دیکھ کر بھی قائل نہیں ہوتے۔" (تتمہ اشتہار دس جولائی ۱۸۸۸ء)

خود پٹیالوی صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ:

"مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کی بنیاد بھی تکذیب ہی ہے جیسا کہ نکاحِ آسمانی کی پیشگوئی کے متعلق ان کا پہلا الہام ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِیْ وَکَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ الخ پس اگر پیشگوئی وعید کی ہی مان لی جائے۔ تو بھی اس کی بناء تکذیبِ رسول قادیانی پر تھی۔" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۱۱)

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کی بناء نفس پرستی وغیرہ پر نہ تھی، بلکہ محض تکذیب و استہزاء کی سزا کے طور پر تھی۔ اور یہ وعیدی پیشگوئی تھی۔ کیونکہ انذار اور عذاب کی پیشگوئی کا ہی نام وعیدی پیشگوئی ہوتا ہے۔

پھر معترض پٹیالوی ایک اور جگہ لکھتا ہے:-

"بفرضِ محال یہ پیشگوئی اگر سلطان محمد کے حق میں وعید کی تھی تو توبہ، استغفار، صدقہ، رجوع الی الحق سے ٹل سکتی تھی۔ مگر

سلطان محمد کے متعلق ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں۔ محض مرزا صاحب کا زبانی دعویٰ ہے۔" (تحقیق ص۱۸۲)

گویا یہ طے ہو چکا ہے کہ وعیدی پیشگوئی توبہ و استغفار سے ٹل جایا کرتی ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ پیشگوئی وعیدی تھی۔ سو اظہر من الشمس ہے کہ یہ سلطان محمد کی موت پر مشتمل تھی، اور موت کی پیشگوئی کو ہی وعیدی کہا کرتے ہیں پس معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ اب ہمارے ذمّے صرف یہ ثبوت دینا باقی ہے کہ فی الواقع سلطان محمد نے توبہ و استغفار اور رجوع الی الحق سے کام لیا ہے۔ لیجئے اب اسکے ثبوت بھی ذیل میں ملاحظہ فرمالیجئے:۔

ثبوتِ اوّل۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بکرات و مرات اس امر کی اشاعت فرمائی کہ ان لوگوں نے توبہ اور عاجزی کے خطوط لکھے ہیں اور ان پر خوف طاری ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:۔

"احمد بیگ میعاد کے اندر فوت ہو گیا اور اُس کا فوت ہونا اُسکے داماد اور تمام عزیزوں کیلئے سخت ہم و غم کا موجب ہوا۔ چنانچہ ان لوگوں کی طرف سے توبہ اور رجوع کے خط اور پیغام بھی آئے۔" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ)

کیا مرزا سلطان محمد یا اُس کے اقارب نے کبھی اس دعویٰ کی تردید کی؟ ہرگز نہیں۔ پس جب کہ علی الاعلان اور سب مخالفین کے سامنے یہ دعویٰ کیا گیا اور مدّعا علیہم کیطرف سے انکار نہ ہوا۔ تو پھر اس کی صداقت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

ثبوتِ دوم۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مخالفین کو پُر زور الفاظ میں چیلنج کیا اور لکھا کہ:۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اُس کی موت تجاوز کرے تو مَیں جھوٹا ہوں۔ ورنہ اے نادانو! صادقوں کو جھوٹا مت ٹھہراؤ۔ . . . . . اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اُس سے تھمی رہے جب تک کہ وُہ گھڑی آجائے کہ اُس کو بے باک کر دیوے۔ سو اگر

جلدی کرنا ہے تو اٹھو اور اُسکو بے باک اور مکذب بناؤ، اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔" (انجام آتھم ص۳۲ حاشیہ)

اِس تحدّی کے بعد حضور علیہ السلام قریباً بارہ برس زندہ رہے۔ مگر کسی کے لئے ممکن نہ ہو سکا کہ وہ اس سے تکذیب کا اشتہار دلاتا۔ معلوم ہوا اُس نے اِس "تکذیب و استہزاء" کو چھوڑ دیا تھا جو بناءِ پیشگوئی تھی۔

حضرت کے فقرہ "پھر جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے الخ" سے ظاہر ہے کہ یہ اشتہار جس کے بعد اُسکی موت مقررہ میعاد میں ہونے والی تھی حضرت کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ لہٰذا اخبار اہلحدیث ۱۴۔ مارچ ۱۹۲۴ء کا شائع کردہ خط کہ "مَیں نہ پیشگوئی سے ڈرا" اس چیلنج کا جواب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسپر تو مشہور ضرب المثل ع مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلۂ خود باید زد، صادق آتی ہے۔ اِس انکار کی وہی مثال ہے کہ فرعونیوں پر جب عذاب آتا تو وہ عاجزی کرتے۔ اور جب جاتا رہتا تو پھر اکڑ جاتے۔ مرزا سلطان محمد کا حضرت کی زندگی میں حضور کے دعویٰ خوف و توبہ کا انکار نہ کرنا، بلکہ اس چیلنج پر باوجود مخالفین کی انگیخت کے خاموشی اختیار کرنا، حالانکہ انکی منکوحہ کا اس طرح برملا ذکر ہوتا تھا۔ انکے خوف کا کھلا کھلا ثبوت ہے۔ ۱۹۲۴ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے پٹی جاکر جس طرح اس سے یہ خط لکھوایا ہے۔ وہ خود اسکے خوفزدہ ہونے کا ثبوت ہے۔ فتدبر۔

ثبوت سوم۔ مرزا سلطان محمد نے ۱۹۱۳ء میں ایک صاحب کے نام حسب ذیل خط لکھا ہے۔ وھو ھذا۔ (از انبالہ چھاؤنی ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء)

برادرم سلمہٗ! السّلام علیکم

نوازشنامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ مَیں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک، بزرگ، اسلام کا خدمتگذار، شریف النفس، خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ انبالہ چھاؤنی ۲/۱۲ ۲۱

نیازمند سلطان محمد از انبالہ رسالہ ۹ "[1]

---

[1] اس خط کا عکس بھی شائع ہو چکا ہے۔ (ابو العطاء)

یہ خط ۱۹۱۳ء کا ہے جس میں مرزا سلطان محمد صاحب کا صاف اقرار ہے کہ میں اب بھی حضرت مرزا صاحب کو نیک اور بزرگ سمجھتا ہوں اور پہلے بھی سمجھتا تھا۔

ناظرین! آپ ان حالات پر نگاہ کریں جو اس پیشگوئی سے پہلے ان لوگوں کے تھے۔ اور تصوّر کریں کہ یہ الفاظ وُہ شخص لکھتا ہے جس کی بیوی کے متعلق یہ پیشگوئی ہے تو آپ کو یقین کرنا پڑے گا کہ یہ شخص بے شک توبہ و رجوع کر چکا تھا۔ اس خط کی اصلیّت کو مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی تسلیم کیا ہے اور خود معترض پٹیالوی نے بھی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"مرزا سلطان محمد کا ایک خط شائع کرتے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ میں مرزا صاحب قادیانی کو بزرگ جانتا ہوں۔ اس خط کو اس دعوٰی کی سند پیش کیا کرتے ہیں کہ سلطان محمد دل سے مرزا صاحب کا معتقد ہو گیا تھا، اس لئے نہ مرا۔ اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کے اپنے بیانات کے سامنے یہ تحریر کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ممکن ہے مخالف نے بطور استہزاء یا معمولی اخلاقی نرمی سے یہ فقرہ لکھ دیا ہو" (الہامات صفحہ ۶۶)

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے :-

"آپ نے مرزا سلطان محمد شوہر محمدی بیگم کا خط مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء نقل کیا ہے جس میں اس نے مرزا صاحب کی نسبت عام مصالحانہ خیالات ظاہر کئے ہیں" (تحقیق صفحہ ۱۶۱)

ظاہر ہے کہ یہ خط، اور اس کے الفاظ، نہ استہزاء ہیں، نہ عام مصالحانہ خیالات ہیں۔ کیونکہ لکھنے والا وہ شخص ہے جس کی بیوی کا یہ قصّہ ہے۔ بہر حال اصلیّتِ خط مسلّم ہے۔ ہاں معترض پٹیالوی نے لکھا ہے کہ ۱۹۱۳ء میں خط لکھا اور موت سے پہلے ہی کیوں بچ گیا۔ (تحقیق صفحہ ۱۷۴)

ارے بندۂ خدا! ۱۹۱۳ء کا خط تو خود پہلے زمانہ کے خوف کا ثبوت ہے۔ نیز

اسی خط میں لکھا ہوا ہے کہ مَیں پہلے بھی حضرت مرزا صاحب کو نیک اور بزرگ سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس کا وُہ تفصیلی بیان بھی جو اُس نے ہمارے محترم دوست جناب حافظ جمال احمد صاحب مبلغ مارشیس[1] کے سامنے پٹی میں دیا تھا، اس پر شاہد ہے۔ جس میں اس نے کہا ہے:۔

"مَیں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہو گا۔ میرے دِل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے، اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے، مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا، تا مَیں کسی طرح مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اور وُہ روپیہ مَیں لیتا، تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وُہی ایمان اور اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔"

(الفضل ۹/۱۳ جون ۱۹۲۱ء)

پس مرزا سلطان محمد صاحب کا رجوع واضح اور بیّن ہے۔ لہذا اِس اہم پیشگوئی کے کسی حصّے پر بھی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بصیرت کی نظر سے دیکھنے والوں کیلئے یہ صداقتِ حضرت احمدؑ پر ایک واضح دلیل ہے۔

نکاح فسخ ہوگیا، یا تاخیر میں پڑ گیا

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"جب ان لوگوں نے شرط کو پُورا کر دیا۔ اور داماد احمد بیگ پر خوف طاری ہوگیا اور اُس نے توبہ کی۔ تو نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔" (تحقیق ص۱۱۵ بحوالہ تتمہ حقیقۃ الوحی)

اس فقرہ پر عام معاندین تمسخر کیا کرتے ہیں کہ اس میں دو رنگی ہے۔ حالانکہ بات یہ ہے کہ حضرت اقدس نے انجام آتھم ص۳۲ پر چیلنج کیا تھا کہ سلطان محمد سے تکذیب کا

---

[1] طبع ثانی کے وقت حضرت حافظ صاحبؓ فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کرتے ہوئے غریب الوطنی میں مارشیس میں ہی وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بڑے مخلص دوست اور نیک بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔ (ابو العطاء)

اشتہار دلاؤ الخ- اب عقلاً دو صورتیں ممکن تھیں۔ (۱) لوگ اشتہار دلا دیتے۔ (۲) لوگ اشتہار نہ دلا سکتے۔ اگر صورت اوّل واقع ہوتی تو اس کا مرنا یقینی تھا، اور اندریں صورت اسکی موت کے بعد محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا ضروری اور لازمی تھا۔ اور اگر اشتہار نہ دلا سکتے تو پھر سلطان محمد کی عدم موت کے باعث نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ پس فسخ یا تاخیر دو رنگی کے لئے نہیں بلکہ اُس تحدّی کی وجہ سے ہی، جس کا پُورا کرنا یا نہ کرنا مخالفین کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کھول دیا گیا کہ سلطان محمد کی طرف سے تکذیب کا اشتہار ہرگز شائع نہ ہو سکے گا۔ تو حضور ؑ نے صرف ایک پہلو کا ذکر فرمایا۔ وَھُوَ ھٰذَا۔ فرمایا:-

"یونس کی قوم کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔ کوئی شرط نہ تھی مگر پھر بھی توبہ و استغفار سے وہ عذاب ٹل گیا۔ اور یہاں تو صاف تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ آگیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جائیں گی۔ اور احمد بیگ کی مَوت سے خوف اُن پر چھا گیا۔ اُس نے پیشگوئی کے ایک حصّہ کو ٹال دیا۔" (اخبار بدر ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

ہاں اس جگہ معترض پٹیالوی نے ایک اور سوال کیا ہے۔ اور وُہ یہ کہ شرط کو پُورا کر دینے سے نکاح کا فسخ ہو جانا کیسے واقع ہوا۔ شرط پوری ہونے سے تو نکاح ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر یہ اعتراض بھی دھوکہ ہے۔ کیونکہ سلطان محمد کی موت اور محمدی بیگم کے نکاح کے لئے علیحدہ علیحدہ شرط ہے۔ جیسا کہ ہم تفصیلاً لکھ چکے ہیں۔ محمدی بیگم کے نکاح کے لئے سلطان محمد کی مَوت کی شرط ہے۔ جو پوری نہ ہوئی۔ اور سلطان محمد کے مَوت سے بچنے کے لئے توبہ شرط ہے اور سلطان محمد نے مَوت سے بچنے کی اس شرط کو پُورا کر دیا اور موت سے بچ گیا۔ لہذا آخری مرحلہ کی شرط متحقق نہ ہوئی۔ پس معلوم ہو گیا کہ حضرت نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۳ میں جس شرط کے پُورا ہونے کا ذکر فرمایا ہے وُہ سلطان محمد کے بچنے کے نتیجہ پر منتج تھی، اور وُہ نتیجہ پیدا ہو گیا۔ لہذا معترض کا اس جگہ اِذَا وُجِدَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ کا مضحکہ خیز قول لکھنا

اپنی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ البتہ محمدی بیگم کے حضرت کے نکاح میں آنے کے لئے جو شرط تھی یعنے سلطان محمد کی موت۔ وُہ چونکہ واقع نہ ہوئی۔ لہذا وُہ نکاح وقوع پذیر نہ ہوا۔ فاندفع الاشکال۔

الہام میں سلطان محمد کی عدم موت کا ذکر

اِس وعیدی پیشگوئی کا آخری انجام جو الہاماً بتایا جا چکا تھا وُہ ان لفظوں میں مذکور ہے۔ یَمُوْتُ وَ یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ۔ (تتمہ اشتہار دس جولائی ۱۸۸۸ء) سب جانتے ہیں کہ یموت واحد کا صیغہ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ایک شخص مرے گا۔ اور اُسکی طرف سے کُتے باقی رہ جائیں گے۔ یعنے موت صرف احمد بیگ کی ہوگی۔ یہی مقدّر تھا۔ گویا الہام میں سلطان محمد کے شرطِ وعید سے فائدہ اُٹھانے کا اشارہ کیا گیا تھا جسے واقعات نے کھول دیا ہے۔ پیشگوئی کے ان الفاظ پر غور کرنے سے بہت سے حقائق سامنے آجاتے ہیں۔ مخالفین کی مخالفت کا پہلے سے ذکر موجود ہے۔

اس پیشگوئی کے قیمتی ثمرات

ذیل میں مَیں اُن لوگوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس پیشگوئی کے متعلقین میں سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں:۔

(۱) مرزا احمد بیگ کی اہلیہ صاحبہ (۲) مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ (۳) عنایت بیگم صاحبہ دختر مرزا احمد بیگ (۴) سردار بیگم صاحبہ دختر مرزا احمد بیگ (۵) مرزا محمد احسن بیگ داماد مرزا احمد بیگ (۶) مرزا محمود بیگ پوتا مرزا احمد بیگ (۷) دختر مرزا نظام الدین۔ اہلیہ صاحبہ مرزا سلطان احمد صاحب رئیس۔ (۸) مرزا گل محمد صاحب پسر مرزا نظام الدین صاحب (۹) اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (۱۰) محمود بیگم صاحبہ دختر مرزا احمد بیگ۔

اِن لوگوں کا احمدیت کی حلقہ بگوشی کو قبول کر لینا ایک متدین انسان کی نگاہ میں حضرت اقدس کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ ہمارے مخالفین کو ذرا تدبّر سے کام لینا چاہیئے کہ یہ کیا بات ہے کہ جن لوگوں، اور جس خاندان کے متعلق یہ پیشگوئی ہے وُہ تو احمدی ہو گئے۔ اور معترضین ابھی تک اعتراض ہی کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام! بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے ہر طرح سے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت اقدسؑ کی یہ پیشگوئی بھی دیگر شرطی پیشگوئیوں کی طرح اپنی شرائط کے مطابق پوری ہو چکی ہے اور حضرت کی صداقت کا ایک زبردست نشان ہے۔ وھو المطلوب۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ذلت کی پیشگوئی

پانچویں نمبر پر معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء کا ایک اقتباس دیا ہے جس میں لکھا ہے کہ:-

"اگر تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے، تو میں عاجزی سے دُعا کرتا ہوں کہ ان ۱۳ مہینوں میں شیخ محمد حسین، جعفر زٹلی، اور تبتی مذکور کو ذلت کی مار سے دُنیا میں رُسوا کر اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کا مصداق کر" (عشرہ ۱۵ص)

اگرچہ اشتہار مذکور میں یہ الفاظ بعینہٖ موجود نہیں ہیں لیکن یہ درست ہے کہ اس اشتہار میں حضرت اقدس نے ان تینوں کو ایک فریق قرار دے کر، جس کی عزت و ذلت مولوی محمد حسین کی عزت و ذلت پر موقوف تھی، یہ الہام اور دُعا شائع کی ہے کہ اُن پر "۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ ۔ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت" پڑے۔ چنانچہ وہ ذلت کی سخت مار پڑ گئی۔ پٹیالوی صاحب کا یہ لکھنا کہ "میعاد گزر گئی اور میرزا صاحب کے یہ تینوں مخالفین بفضلہٖ تعالیٰ بخیر و عافیت" رہے سخت مغالطہ دہی ہے۔ جب پیشگوئی ہی موت کی نہ تھی، بلکہ ذلت کی تھی۔ تو پھر "بخیر و عافیت" رہنے کا کیا ذکر؟ کہنا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس فریق پر کوئی ذلت نہیں پڑی۔ مگر یہ بات معترض بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

اب ہم اس پیشگوئی کی صداقت کے اثبات کے لئے مختصراً مولوی محمد حسین کی پانچ ذلتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلی ذلت

مولوی محمد حسین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف علماءِ ہند سے فتویٰ لے کر آپ کو ذلیل کرنا چاہا تھا۔ وہ لوگ چونکہ پہلے سے ہی حضرت اقدس کے مخالف تھے اسلئے اُن کے فتویٰ سے ہمارے حضرت پر تو کوئی زد نہیں پڑ سکتی تھی۔ ہاں مولوی محمد حسین صاحب کی ذلت کا سامان یوں پیدا ہو گیا کہ ادھر مندرجہ بالا

مقررہ میعاد میں ہندوستان کے نامی علماء نے اپنے خیال والے مہدی کے منکر پر فتویٰ کفر لگایا۔ اور اِدھر مولوی محمد حسین نے انگریزی میں حکومت پر ظاہر کرنے کیلئے لکھا کہ مَیں مہدی قرشی کا مُنکر ہوں۔ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے :-

"شیخ محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السُّنّۃ کی بعض خفیہ تحریریں ہمارے ہاتھ آگئی ہیں جن میں وُہ گورنمنٹ کے سامنے زمین لینے کی طمع سے یہ بیان کرتا ہے کہ جس مہدی قرشی کی لوگوں کو انتظار ہے۔ جو اُنکے زعم میں خلیفہ ظاہر و باطن ہوگا۔ اس مہدی کے بارے میں جسقدر حدیثیں ہیں، وُہ سب موضوع، اور غلط، اور نادرست ہیں۔ یعنے مَیں اُن کو نہیں مانتا۔ (دیکھو محمد حسین کی فہرست انگریزی مورخہ ۱۴ راکتوبر ۱۸۹۴ء) جس کو ابھی محمد حسین نے پوشیدہ طور پر شائع کیا ہے۔ اور گورنمنٹ عالیہ انگریزی کو یہ جتلانا چاہا ہے کہ مَیں اس مہدی کے آنے سے مُنکر ہوں۔ سو محمد حسین کا یہ وُہ عقیدہ ہے جس کے لئے ان مولویوں سے فتویٰ طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس عقیدہ والے کو کافر اور کذّاب اور دجّال اور مُفتری قرار دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کو اپنے ہاتھوں سے پُورا کیا۔ الخ" (اشتہار ۷ رجنوری ۱۸۹۹ء)

معترض پٹیالوی کا غلط عذر

معترض پٹیالوی اس واقعہ کے متعلق لکھتا ہے :-

(۱) "میعاد ختم ہونے پر آئی تو مرزا صاحب نے بہت حیلے کئے۔ ایک غیر معلوم شخص کی معرفت علماء سے فتویٰ حاصل کیا کہ حضرت مہدی کا مُنکر کافر ہے۔ اور ۷ رجنوری ۱۸۹۹ء کو اشتہار شائع کر دیا۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۷)

(۲) "عام طور پر جس مہدی کا آنا مانا جاتا ہے۔ اس سے آپ (حضرت اقدس) بھی منکر ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب بھی۔ پس اس طرح اگر یہ ذلت ہے، تو دونوں کو پہنچتی ہے۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۸)

الجواب۔ ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء کو پیشگوئی ہوتی ہے کہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۰ء تک مولوی محمد حسین بٹالوی کو ذلت پہنچے گی۔ اور اس عرصہ میں ایک ذلت اس پر پڑ جاتی ہے۔ اور ۷ر جنوری ۱۸۹۹ء کے اشتہار میں اس کا ذکر بھی ہو جاتا ہے۔ گویا میعاد کے ختم ہونے سے ایک برس پیشتر پیشگوئی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ مگر پٹیالوی منکر اسے میعاد کے خاتمہ پر (نعوذ باللہ) حضرت کا حیلہ قرار دیتا ہے۔ کیا ان دروغ بافیوں سے حق چھپ سکتا ہے؟ علماء نے فتویٰ دیا ہے فتویٰ کے ساتھ فتویٰ حاصل کرنے والے کے معلوم یا غیر معلوم ہونے کا کیا تعلق ہے؟ فتویٰ تو نفس استفتاء پر ہوتا ہے خواہ اسے زید پیش کرے خواہ بکر۔ باقی یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اس ذلت میں بٹالوی کے شریک ہیں، دو وجہ سے غلط ہے۔ (۱) اوّل حضرت تو شروع سے ہی ایسے مہدی کی آمد کے علانیہ منکر تھے مگر شیخ بٹالوی مسلمانوں کو کچھ کہتا تھا اور گورنمنٹ سے کچھ۔ (۲) دوم وہ علماء بٹالوی کے ہم مذہب تھے حضرت اقدس کے تو پہلے ہی مخالف تھے۔ اور بٹالوی نے حضرت کے خلاف ان سے ہی اوائل میں فتویٰ کفر لیا تھا۔ اب وہی علماء محمد حسین کے خلاف فتویٰ کفر دے رہے ہیں۔ کیا ذلت کے سر سینگ ہوا کرتے ہیں؟

دوسری ذلّت

اشتہار ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین کی ذلت کی پیشگوئی شائع کرتے وقت اپنا الہام "اُعَجِّبُ لِاَمْرِی" پھر شائع فرمایا تھا۔ اس الہام کے متعلق مولوی محمد حسین نے کہا کہ یہ الہام غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں عَجِبَ کا صلہ لام نہیں آتا۔ اس کے بالمقابل حضرت اقدس نے احادیث اور لغتِ عرب سے اس کا ثبوت دے دیا کہ عربی زبان میں عَجِبَ کا صلہ لام آتا ہے۔ جس پر مولوی محمد حسین بٹالوی کی بہت ذلت ہوئی۔ جس طرح پہلی ذلت اخلاقی و مذہبی تھی، یہ ذلت علمی تھی۔

معترض پٹیالوی لکھتا ہے۔ "عَجِبْتُ لَہٗ والی تقریر سے مولوی محمد حسین صاحب کو انکار ہے۔" (عشرہ صفحہ ۱۵۸) منکر امرتسری نے لکھا تھا کہ "لام کے انکار والی بات کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔" (الہامات صفحہ ۸۲)

ناظرین کرام! اگرچہ ایسے شخص کیلئے بجز آسمانی فیصلہ کے کوئی طریق نہیں جو

بات کہہ کر موقعہ پر جھوٹ بول دے۔ اور پھر اسکے خیال میں اسکے باوجود وہ "مُتّقی" بھی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ثبوت کیلئے ہر دو مکذبین کے کلام میں ہی دلیل رکھ دی ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا ایک خط مورخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۰۲ء (یعنے پیشگوئی سے پُورے چار سال بعد جبکہ اس ذلّت سے اُن کا ناک میں دم آگیا تھا۔ مؤلف) شائع کیا ہے۔ اس میں شیخ بٹالوی لکھتا ہے:۔

"مَیں نے یہ نہیں کہا تھا کہ عَجِبَ کا صلہ لام کبھی نہیں آتا۔ حدیث مشکوٰۃ عَجِبْنَا لَهٗ يَسْئَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ مجھے بھول نہیں گئی[1] مَیں نے کہا تھا کہ قرآن میں عَجِبَ کا صلہ مِنْ آیا ہے۔ قَالُوْا أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ابوسعید" (الہامات ص۸۳)

افسوس کہ اس کذّاب بٹالوی کو جھوٹ لکھنے وقت یہ بھی سمجھ نہ آیا کہ اگر آپنے عَجِبَ کا صلہ لام آنے کا انکار نہیں کیا تھا۔ تو یہ کہنے کا کیا مطلب اور کونسا موقعہ تھا کہ "قرآن میں عَجِبَ کا صلہ مِنْ آیا ہے"؟ کیا کسی نے اس کا انکار کیا تھا؟ آپ کا حضرت کے الہام "أَتَعْجَبُ لِاَمْرِيْ" پر اعتراض کرتے ہوئے اتنا ہی تسلیم کرنا عقلمندوں کیلئے کافی ہے۔ سچ ہے۔ اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ۔

معترض پٹیالوی نے اس موقع پر مزید لکھا ہے کہ:۔

"مرزا صاحب کی غلطیوں کا ایک طومار مولوی محمد حسین اور مولوی ثناء اللہ صاحبان اور دیگر علماء نے شائع کر دیا ہے، ایک عجبت لہٗ پر ہی اکتفاء نہیں کی۔" (عشرہ ص۱۵۸)

گویا ان دونوں مولوی صاحبان نے حضرت کی دیگر "غلطیوں" کے ذیل میں "عجبت لہٗ" والی تقریر کو بھی غلط قرار دیا ہے۔ اب بھی آپکا یہی کہتے جانا کہ محمد حسین کو اس واقعہ سے انکار ہے یقیناً بہت بڑا مغالطہ ہے۔ پس یہ واقعہ مولوی محمد حسین کی دُوسری ذلّت ہُوئی۔

تیسری ذِلّت

۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء کی پیشگوئی کے بعد مورخہ ۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور نے محمد حسین سے ایک اقرار نامہ لیا کہ وہ آئندہ حضرت اقدس کو دجال، کافر اور کذاب نہیں کہیگا اور قادیان کو چھوٹے کاف سے

---

[1] یہ حدیث آپ کو اب کہاں بھول سکتی ہے۔ اسی کو تو حضرت نے پیش کر کے آپ کی ذلّت کا اعلان کیا تھا۔ (مؤلف)

نہیں لکھے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اقرار نامہ اسکے اپنے سابقہ فتووں کے پیش نظر اسکی بہت بڑی ذلت تھی اور حضرت کی پیشگوئی کا ثبوت۔ اِسپر معترض پٹیالوی نے لکھا ہے کہ :-

"مقدمہ گورداسپور میں مرزا صاحب اور مولوی صاحب دونوں سے یکساں نمونہ کے اقرار نامجات داخل کرائے گئے تھے" (عشرہ ص ۱۵۸)

گویا اسکے نزدیک یہ واقعہ درست ہے۔ اب ناظرین غور فرمالیں کہ کیا اس اقرار نامہ میں اس شخص کی ذلت ہے، یا نہیں جس نے سارا زور مار کر علماء ہند و پنجاب سے حضرت کو کافر اور دجّال لکھوایا تھا کہ وُہ اب خود اپنی قلم سے لکھ رہا ہے کہ میں ان کو کافر و دجال نہ کہوں گا۔ باقی رہا یہ سوال کہ حضرت نے بھی ایسے اقرار نامہ پر دستخط کئے تھے۔ سو ظاہر ہے کہ حضرت نے کسی کو کافر یا دجال کہنے میں ابتداء نہیں کی۔ ہاں جب ایک شخص نے ابتداء کر کے اپنے کُفر یا دجّالیت کا ثبوت دے دیا، اور ایسا کہنے کی ضرورت بھی پیش آئی، تو حضرت نے اسکے فتوٰی کو دُہراتے ہُوئے ایسا کہا تھا۔ اِسلئے حضرت کا ایسا اقرار حضور کے مشن کے خلاف نہ تھا۔ اور وحی الٰہی کے ایماء کے ماتحت حضور کو آئندہ موت وغیرہ کی پیشگوئیوں کے متعلق یہی ہدایت تھی۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ ہمیں بھی آئندہ مَوت اور ذلّت کی پیشگوئی کرنے سے روکا گیا ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری کارروائی خود اس وقت سے پہلے ختم ہو چکی تھی کہ جب ڈوئی صاحب کے نوٹس میں ایسا لکھا گیا۔"

(اشتہار "ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پُورا ہونا")

پس اس اقرار نامہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دستخط کرنا مولوی محمد حسین بٹالوی کی اخلاقی ذلّت کو چُھپا نہیں سکتا۔

چوتھی ذلّت اسی متذکرہ صدر مقدمہ میں جس کا ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء کو فیصلہ ہُوا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حضرت اقدس کے متعلق (Discharge) ڈِسچارج کا لفظ لکھا تھا۔ یعنی حضور کو بری کیا گیا۔ مگر مولوی محمد حسین نے یہ دعوٰی کر کے کہ اس کا ترجمہ بری کرنا نہیں ہے اپنی پردہ دری کرائی اُور ذلیل ہُوا۔ یہ ذِلّت بھی اس کے

غرورِ علمی کو توڑنے والی تھی۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔

معترض پٹیالوی اس واقعہ کو تسلیم کرکے کہتا ہے کہ "مرزا صاحب باوجود الہامی تفہیم کے بیسیوں الہامی الفاظ کے معنے غلط کرواتے تھے۔" حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اسکی کوئی نظیر تو پیش کی ہوتی۔ الہامی تفہیم ہو اور پھر لفظی معنے میں غلطی ہو؟ یہ محض جھوٹ ہے۔ ہاں پیشگوئیوں کے متعلق اور ان کے مصداق میں انبیاء کرام سے اجتہادی غلطی ہوتی رہی ہے۔ جیساکہ اصولوں کے ضمن میں شروع فصل میں مذکور ہو چکا ہے۔ مگر نبیوں کی اجتہادی غلطی سے بٹالوی صاحب کی تعلّی کو کیا نسبت؟ یہاں تو بٹالوی اس مقدمہ میں ذلیل ہو کر اس لفظ کا غلط ترجمہ کرکے حضرت کو بدنام کرنا چاہتا تھا۔ سو خود ذلّت کا نشانہ بن گیا۔

معترض کا فقرہ :- "مولوی محمد حسین کا لفظ ڈسچارج کا ترجمہ بھی کوئی ذلّت نہیں"۔ (عشرہ ص۵۸) قابل توجہ ہے۔ گویا سب کچھ ہوتا جائے مگر ان صاحبوں کی عزّت میں فرق نہیں آتا۔

پانچویں ذِلّت

گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر مولوی محمد حسین بٹالوی نے چند مربعے زمین لے لی۔ یہ خود ایک عالم انسان کے لئے ذلّت ہے کہ زمین کی خاطر ایسے قبیح افعال کا ارتکاب کرے۔ حدیث میں لکھا ہے کہ جس گھر میں ہل داخل ہو جاتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری اس حدیث کو اس زمینداری سے متعلق بتاتے ہیں، جو فاتح قوم اختیار کرلے۔ (الہامات ص۸۶) لیکن کیا ایک ایسے عالم دین اور ایڈوکیٹ موحدین کے لئے زمین کی طرف جھک جانا باعثِ ذلّت نہیں ہے جو اپنے آپ کو دین کے دفاع کا واحد ذمہ دار سمجھتا تھا؟ ضرور ہے! سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کا خاندان زمیندار تھا، تاکہ ابوداؤد کی روایت "حَارِث حَرّاث" کے آپ مصداق ٹھہریں، لیکن حضور علیہ السلام نے اس زمینداری سے مُنہ پھیر کر مشغلۂ علم و دینداری اختیار فرمایا۔ محمد حسین بٹالوی ایک عالم تھا، غیر زمیندار تھا، اُس نے علمی مشاغل سے انحراف اختیار کرکے کھیتی باڑی پر قناعت کی۔ یہ صُورت اسکے لئے بہرحال ذلّت ہے۔ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ ہُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ ہُوَ خَیۡرٌ پر بھی غور فرمائیں۔

ناظرینِ کرام! ہم کہاں تک ان ذلّتوں کو ذکر کریں جو اس عرصہ میں مولوی محمد حسین پر نازل ہوئیں۔ یہ پانچ ذلّتیں تو وہ ہیں جن کا ذکر مؤلف عشرہ نے بھی کیا ہے۔ اس لئے ہم بھی

فی الحال انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور جس رنگ میں مولوی مذکور اپنی اولاد کی طرف سے ذلیل ہوا وُہ خود ایک طویل داستان ہے۔ اسلئے ہم اسے چھوڑتے ہیں۔ لیکن مَیں اس جگہ اس حلفیہ شہادت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب کی وفات سے چند دن بیشتر جب کہ خاکسار راقم الحروف اور دیگر بہت سے احمدی طلبہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے ان کی مسجد واقع بٹالہ میں ملے تھے تو انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا پہلے آپ کی بہت عزّت ہوتی تھی اور اب نہیں ہے؟" نہایت غصّہ کے لہجہ میں کہا تھا کہ "نہ میری پہلے کبھی عزّت ہوئی نہ اب ہے؟" یہ مرزا صاحب نے یُوں ہی لکھ دیا ہے کہ پہلے میری عزّت ہوتی تھی اور اب مَیں ذلیل ہو گیا ہوں۔ سچ ہے۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ۔

مولوی محمد حسین صاحب سے میری پہلی مُلاقات

خاکسار خادم ابو العطاء چاہتا ہے کہ اب طبع ثانی کے وقت اس جگہ اس پہلی ایمان افروز ملاقات کا تذکرہ بھی کر دے جو اسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ بات یُوں ہوئی کہ مجھے مدرسہ احمدیہ کے تعلیمی زمانہ کے اوائل سے ہی یہ خیال تھا کہ مَیں سلسلہ احمدیہ کے پُرانے معاندین سے اُن کی موت سے پہلے پہلے ضرور ملاقات کر لوں۔ ۱۹۱۸/۱۹۱۹ء کی بات ہے کہ مَیں مدرسہ احمدیہ قادیان کی تیسری یا چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ابھی قادیان میں ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کو بٹالہ ریلوے سٹیشن سے اُتر کر پیدل یا یکّوں وغیرہ کے ذریعہ دار الامان پہنچنا پڑتا تھا۔ جلسہ سالانہ حسب دستور دسمبر کے مہینہ میں ہوتا تھا جو خاصی سردی کا مہینہ ہے۔ احباب جو بستر ہمراہ لاتے تھے انہیں قادیان تک پہنچانے کے لئے گڈوں کا انتظام ہوتا تھا۔ ان بستروں کے انتظامِ ترسیل و حفاظت، نیز مہمانوں کے بٹالہ میں ٹھہرانے، اور ان کے استقبال کے لئے مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کا ایک گروہ ہمارے استاد حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل (حال امیر جماعت احمدیہ قادیان) کی سرکردگی میں بٹالہ جایا کرتا تھا۔ سالہا سال تک مجھے بھی اس خدمت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ ۱۹۱۸ء یا

۱۹۱۹ کی بات ہے کہ ہم طلبہ نے، جن کی تعداد بارہ یا تیرہ تھی، ایک دن صبح کی فراغت کے وقت حضرت مولوی صاحب سے اجازت لی اور ریلوے سٹیشن کے قریب والی اپنی قیام گاہ (سرائے) سے شہر بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو ملنے چلے گئے۔ اُنکے گھر سے کچھ فاصلہ پر ہمیں مولوی صاحب موصوف کا ایک شاگرد جس نے اپنا نام نذیر احمد بتایا تھا مل گیا۔ وہ بھی طالب علم تھا۔ اُسے ہم سے کچھ اُنس ہوگیا۔ وہ ہمیں مولوی محمد حسین صاحب کے گھر لے گیا۔ اُس نے ہم سے راستہ میں ہی کہہ دیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے جاتے ہی بتا دیا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں تو مولوی صاحب فوراً ناراض ہو جائیں گے اور تمہیں گفتگو کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔ آجکل مولوی صاحب جلد ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسلئے یہ نہ بتانا کہ تم قادیان سے آئے ہو۔ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے آبائی ضلع کا ذکر کر دے گا۔ جب ہم مولوی صاحب کے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہ لکھنے میں مصروف تھے۔ چارپائی پر بیٹھے تھے، اُن کے سامنے بنچ پڑے تھے۔ ہم ایک ایک کرکے اندر داخل ہوئے، سلام کہتے۔ مولوی صاحب دائیں ہاتھ کی دو اُنگلیوں سے مصافحہ کرتے قلم اُن کے ہاتھ میں تھی۔ سلام کے جواب کے ساتھ ہی ہر ایک سے پُوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو؟ ہر ایک طالبعلم طے شدہ سکیم کے مطابق بتلا دیتا کہ میں مثلاً گجرات کے ضلع کا رہنے والا ہوں میں فیروزپور کے ضلع کا ہوں۔ اتنا کہہ کر وہ جھٹ آگے جا کر بنچ پر بیٹھ جاتا۔ اپنے سب ساتھیوں میں غالباً عمر میں بھی مَیں سب سے چھوٹا تھا اور کمرہ میں داخل ہونے میں بھی سب سے پیچھے تھا۔ مَیں یُونہی داخل ہوُا اور سلام اور مصافحہ کے بعد آگے بڑھ کر بیٹھنے لگا، تو آپ نے پُوچھا کہاں سے آئے ہو؟ مَیں نے کہا کہ مَیں ضلع جالندھر کا رہنے والا ہوں۔ یہ کہا اور جھٹ بنچ پر بیٹھ گیا۔ مجھے جو جگہ ملی، وہ مولوی صاحب کے قریب تر تھی۔ آپ نے مجھ سے دُوسرا سوال کر دیا کہ کیا کام کرتے ہو؟ مَیں نے کہا کہ پڑھتا ہوں۔ انہوں نے تیسرا سوال پُوچھا کہ کہاں پڑھتے ہو؟ مَیں نے کہا کہ قادیان میں پڑھتا ہوں۔ میرا یہ جواب دینا تھا کہ مولوی صاحب کا رنگ بدل گیا اور ناراضگی کے آثار اُن کے چہرہ پر نمایاں ہوگئے۔ نذیر احمد جو ہمیں ساتھ لایا تھا۔ میری

طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ مگر میں غلط بیانی کس طرح کر سکتا تھا؟

اب مولوی صاحب نے ناراضگی سے اور تحقیر آمیز انداز میں پوچھا کہ "تم میں سے کوئی مولوی سرور شاہ کو جانتا ہے"۔ میں نے قریب ہونے کے باعث فوراً کہہ دیا کہ وہ ہمارے اُستاد ہیں ہم سب اُن کو جانتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تم میں سے کوئی مجھے بھی جانتا ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں آپکا خوب ذکر فرمایا ہے ہم سب آپکو جانتے ہیں۔ کہنے لگے کہ نہیں میری مُراد یہ ہے کہ کوئی ایسا بھی ہے جسے میں بھی جانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ خود ہی بتا سکتے ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ مولوی صاحب کہنے لگے کہ تم ذرا بیٹھو میں یہ خط لکھ رہا ہوں مجھے مولوی سرور شاہ صاحب کا ایک خط آیا ہے یہ اس کا جواب ہے۔ لکھ کر تمہیں سُناتا ہوں۔ انہوں نے اپنا جواب مکمل کیا، پھر اسکی نقل کی۔ بعد ازاں ایک نقل مجھے دی اور دوسری ہمارے ساتھی مولوی ناصر الدین صاحب کو دی تاکہ مقابلہ کر لیا جائے۔ اور فرمانے لگے کہ تم پڑھتے جاؤ میں تمہیں سمجھاتا جاؤں گا۔

واقعہ یُوں ہُوا تھا کہ استاذنا المکرم حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس سال افسر جلسہ سالانہ تھے۔ آپنے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو خط لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ :-

مولوی صاحب! آپ نے کہا تھا کہ میں نے ہی مرزا صاحب کو اُونچا کیا ہے اور میں ہی ان کو گراؤں گا۔ آپ نے اس سلسلہ میں انتہائی کوشش کر لی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر بھی اب دس گیارہ برس بیت چکے ہیں۔ گویا آپ کو مخالفت میں پُورا زور لگانے کا لمبا اور کُھلا موقعہ مل گیا ہے۔ اب ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو قادیان میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ ہے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے قادیان تشریف لاکر آخری عمر میں یہ دیکھ جائیں کہ جس مسیح موعودؑ کو آپ گرانا چاہتے تھے، آج اس کی کتنی قبولیت ہو چکی ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے اپنے

خط میں مولوی محمد حسین صاحب کو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ اگر آپ آنا منظور کریں گے تو مَیں موٹر کار بھجوا دوں گا۔ جس پر آپ چکر لگا کر واپس جا سکیں گے۔

اِس لطیف اور ایمان افروز مکتوب کے جواب میں مولوی محمد حسین صاحب نے جو کچھ لکھا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

مَیں آپ کی اِس دعوت کو منظور نہیں کر سکتا اور نہ ہی مَیں قادیان آنے کے لئے تیار ہوں۔ حدیث میں ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔ باقی آپ کا یہ استدلال کہ چونکہ مرزا صاحب کے ماننے والے بڑھ گئے ہیں اسلئے وُہ سچے مسیح موعود ہیں اسلئے غلط ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں تو ساری دُنیا کے لوگوں کا مسلمان ہو جانا لازمی ہے۔ اور ابھی تک تو قادیان میں بھی ہندو اور سکھ موجود ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے جوابی خط میں "مرزائی" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اسکی تشریح میں کہا کہ مرزا صاحب کو ہم احمد نہیں مانتے، اِسلئے ان کے پیروؤں کو احمدی نہیں کہہ سکتے البتہ ان کو مرزا مانتے ہیں اس لئے ان کے ماننے والوں کو مرزائی کہیں گے۔ اُن سے کہا گیا کہ مرزے تو دُنیا میں ہزاروں ہیں۔ اس سے تو کوئی تعیین نہیں ہوتی۔ کہنے لگے آگے چلو۔ جب مولوی صاحب نے کہا کہ مسیح کے آنے پر سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ تو مَیں نے کہا کہ کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر قوت قدسیہ کے مالک ہونگے؟ آنحضرتؐ کی بعثت پر چودہ سو برس گذرنے کے باوجود تو سارے لوگ مسلمان نہیں ہوئے؟ نیز قرآن مجید میں تو لکھا ہے۔ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ کہ قیامت کے دن تک یہودی مغلوب رہیں گے۔ اگر اُن کا وجود ہی نہ ہوگا تو وُہ مغلوب کیسے ہونگے؟ مولوی صاحب نے جھنجھلا کر فرمایا: تمہیں قادیان میں قرآن درست نہیں پڑھایا جاتا۔ آیت میں محذوف ہے جس کا تم کو پتہ نہیں۔ مَیں نے کہا آپ بتا دیں کہ وُہ کیا محذوف ہے؟

کہنے لگے کہ آیت میں لفظ "ما دامو اھُوداً او نصارٰی" محذوف ہے یعنی جب تک یہودی یہودی رہیں گے وہ مغلوب رہیں گے اور جب تک عیسائی عیسائی رہیں گے وہ غالب ہونگے۔ مَیں نے پھر کہا کہ جناب اس محذوف سے بھی بات نہیں بن سکتی کیونکہ آیت میں صاف طور پر "اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" لکھا ہے۔ پس آپ کے معنوں کے رو سے یہودیوں اور عیسائیوں کا قیامت تک رہنا ضروری ہے۔ میرے اس بیان پر مولوی صاحب بالکل بے قابو ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب تم چلے جاؤ۔ مَیں نے کھانا کھانا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم نے سٹیشن پر جا کر کھانا کھانا ہے، آپ یہ ایک مسئلہ تو حل فرما دیں۔ ناراض ہو کر کہنے لگے کہ تم لوگوں کے دماغ سمجھنے کے قابل نہیں، تمہیں ثناء اللہ ہی سمجھائے گا۔ یہ کہا اور آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مَیں نے کہا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب تو اپنے اخبار اہلحدیث میں آپ کے متعلق بھی بہت کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ ہاں وہ ہے تو میرا شاگرد مگر ہے نافرمان! مَیں نے کہا کہ ایسے نافرمان شاگردوں کی طرف ہمیں نہ بھیجیں خود سمجھائیں۔ کہنے لگے کہ تم لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آخر مولوی صاحب نے ہمیں نکال کر اندر سے کُنڈی بند کر لی۔ اور ہم خوشی خوشی اپنی قیامگاہ پر آ گئے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی قبر

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ ان کی زندگی میں جو ہُوا، اس کی تفصیل کے لئے حضرت میر قاسم علی صاحبؓ مرحوم ایڈیٹر فاروق قادیان کا رسالہ "بطالوی کا انجام" قابل دید مرقع ہے۔ مگر اسلئے کہ بات ادھوری نہ رہ جائے مَیں مولوی صاحب کی قبر کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا ؎

هُمْ یَذْکُرُوْنَکَ لَاعِنِیْنَ وَذِکْرُنَا
فِی الصَّالِحَاتِ یُعَدُّ بَعْدَ فَنَاءٖ (انجام آتھم ص۲۷۵)

کہ آئندہ لوگ تجھے لعنت سے یاد کریں گے اور ہمارا ذکر مرنے کے بعد بھی

صالحات میں شمار ہوگا۔"

واقعہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد مولوی صاحب ایسی جگہ دفن کئے گئے جو ناقابلِ ذکر ہے۔ اور اب تقسیم ملک کے بعد تو شہر بٹالہ کے مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو جانے کے باعث، اُن کی قبر بالکل بے نام ونشان ہوگئی ہے۔ مجھے پاکستان سے قادیان جانے کا متعدد بار موقعہ ملا ہے۔ مَیں نے ایک مرتبہ بٹالہ جاکر خاص کوشش اور بڑی مشکل سے مولوی صاحب کی قبر کی جگہ کا پتہ لگایا تھا۔

اُدھر قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزار بہشتی مقبرہ میں ہے اور جماعت احمدیہ کی خاصی تعداد قادیان میں موجود ہے۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان بدستور قائم ہے اور تبلیغ و تربیت کا سلسلہ پُوری شوکت سے جاری ہے۔ اور سالانہ جلسہ کے ایام میں آج بھی دُور دراز سے سینکڑوں لوگ قادیان پہنچتے ہیں اور ہر وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبر پر اسلام کی ترقی اور آپ کے درجات کی بلندی کیلئے دُعائیں ہو رہی ہیں۔

اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر آج کے رُوحانی نظارہ کا مولوی محمد حسین کی قبر کی موجودہ زبوں حالی سے موازنہ کیا جائے تو آج بھی اللہ تعالےٰ کی قدرت کا غیر معمولی نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ اے کاش لوگ آنکھیں کھولیں!

سہ سالہ نشان کی پیشگوئی

معترض پٹیالوی نے چھٹے نمبر پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار ۱۵ر نومبر ۱۸۹۹ء سے یہ دُعا نقل کی ہے کہ:۔

"اگر مَیں تیری جناب میں مستجاب الدعوات ہوں تو ایسا کر کہ جنوری ۱۹۰۰ء سے اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک میرے لئے کوئی اور نشان دکھلا اور اپنے بندے کے لئے گواہی دے . . . . ان تین سال میں جو اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک ختم ہو جائیں گے۔ کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو۔"

اور پھر لکھا ہے کہ "یہ تین سال بھی خالی گزر گئے۔ اور کوئی نشان آسمانی جو

انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو نہیں دکھایا گیا۔" (عشرہ صفحہ ۱۶۰)

ناظرین کرام! ہمیں اپنی طرف سے اس اعتراض کے جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عشرہ کاملہ طبع دوم کے حاشیہ پر معترض نے لکھ دیا ہے کہ:۔

"البتہ ایک رسالہ بنام اعجاز احمدی مرزا صاحب نے لکھ کر مولوی ثناء اللہ کے پاس ضرور بھیجا۔ اور لکھا کہ اس کا جواب ۲۰ یوم کے اندر اندر لکھ کر بھیجو۔ اس سے پیشگوئی سہ سالہ پوری ہوگئی۔" (حاشیہ صفحہ ۱۶۰ عشرہ)

اعجاز احمدی کے متعلق ہم فصل پنجم میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دُعا کو قبول فرما کر حضور کو وُہ نشان دیا۔ جس نے دشمنوں کو عاجز و لاجواب کر دیا۔ ہاں اگر محض بیس یوم کی وجہ سے آپ کو اس کے معجزہ ہونے میں شک ہے۔ تو حضرت امام غزالی کے یہ الفاظ پڑھ لو۔ تحریر فرمایا کہ :۔

"اگر کوئی نبی یُوں کہے کہ میری صداقت کی علامت یہ ہے کہ مَیں اپنی انگلی کو حرکت دیتا ہوں اور اس وقت تم اپنی انگلیوں کو حرکت نہیں دے سکو گے۔ حالانکہ دُوسرے وقتوں میں تم سے ہر ایک یہ کام کر سکتا ہے۔ اور جب دیکھا گیا تو ایسا ہی ہؤا۔ یعنی اس نبی نے اپنی انگلی کو حرکت دے دی اور دوسرے لوگ نہ دے سکے۔ تو کیا اسکو معجزہ نہیں کہا جائیگا؟ ضرور کہا جائیگا۔" (علم الکلام صفحہ ۱۰۲ از تجرۃ الاقتصاد)

عیسٰی پرستی کا ستون کس طرح ٹوٹا؟

ساتویں نمبر پر معترض نے اخبار بدر ۱۹ر جولائی ۱۹۰۶ء سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

"میرا کام جس کیلئے مَیں اس میدان میں کھڑا ہوں۔ یہی ہے کہ عیسٰی پرستی کے ستون کو توڑ دوں، اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت اور شان دُنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آوے تو مَیں جھُوٹا ہوں۔ پس دُنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے، وہ انجام کو کیوں

نہیں دیکھتی۔ اگر مَیں نے اسلام کی حمایت میں وُہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود مہدی معہود کو کرنا چاہیئے تو پھر مَیں سچا ہوں۔ اور اگر کچھ نہ ہُوا اور مرگیا، تو پھر سب گواہ رہیں کہ مَیں جھُوٹا ہوں۔" (عشرہ صفحہ۱۶)

اِس عبارت کو نقل کر کے معترض کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوُا بلکہ اسلامی ملکوں کی حالت اور بھی ابتر ہوگئی ہے۔

الجواب ۱ حضرت اقدس نے اس عبارت میں دعویٰ فرمایا ہے کہ مَیں وُہی کام کروں گا جو مسیح موعود کے لئے کرنا ضروری ہے، اور وہ کسرِ **صلیب** ہے۔ سو سب سے پہلے یہ یاد رکھیئے کہ مسیح موعود کا کسرِ صلیب کرنا کن معنوں سے ہے؟ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں، ایک حوالہ درج کرتا ہوں۔ لکھا ہے:۔

"فُتِحَ لِیْ ھُنَا مَعْنًی مِنَ الْفَیْضِ الْاِلٰھِیِّ وَھُوَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ کَسْرِ الصَّلِیْبِ اِظْھَارُ کِذْبِ النَّصَارٰی حَیْثُ ادَّعَوْا اَنَّ الْیَھُوْدَ صَلَبُوْا عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَشَبٍ فَاَخْبَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْعَزِیْزِ بِکِذْبِھِمْ وَ اِفْتِرَائِھِمْ۔" (عمدۃ القاری فی شرح البخاری جلد ۵ صفحہ ۵۴۴ مطبوعہ مصر)

"یعنے شارح فرماتے ہیں کہ مجھے کسرِ **صلیب** کے معنے الہاماً بتائے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مسیح موعود آکر نصاریٰ کے اس کذب کا خوب اظہار کر دے گا، جو وُہ کہتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر مار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بھی اُن کے کذب اور جھُوٹ کی خبر دی ہے۔"

بات صاف ہے کہ حضرت اقدسؑ نے مسیح موعود کا مفوضہ کام کرنا تھا اور وہ کسرِ **صلیب** ہے، یعنے مسیح کی **صلیبی موت کا ابطال**۔ پھر یہ امر بھی اظہر من الشمس ہے کہ جس رنگ میں حضرت نے کسرِ صلیب کی ہے وُہ قرآن مجید کی روشنی میں بےنظیر و بےمثال ہے۔ لہٰذا اعتراض باطل ہے۔

الجواب ۲ اگر مکذب نے اس اقتباس سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت کا دعویٰ یہ ہے کہ میری زندگی میں سب لوگ مسلمان ہوجائیں گے تو یہ خود اسکی غلطی ہے۔ اس عبارت کا

یہ مطلب نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

(۱) "اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان (انبیاء) کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور جس راستبازی کو دُنیا میں وُہ پھیلانا چاہتے ہیں، اس کی تخمریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل انہی کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔" (الوصیّت صہ)

(۲) "مَیں نہیں کہہ سکتا کہ پُورے طور پر ترقی اسلام کی میری زندگی میں ہو گی، یا میرے بعد۔ ہاں میں خیال کرتا ہوں کہ پُوری ترقی دین کی کسی نبی کی حین حیات میں نہیں ہوئی۔ بلکہ انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھلا دیا۔ اور پھر بعد اُن کے ترقیاں ظہور میں آئیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے لئے اور ہر ایک اسود اور احمر کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ مگر آپ کی حیات میں احمر یعنے یورپ کی قوم کو تو اسلام سے کچھ بھی حصّہ نہ ملا۔ ایک بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور جو اسود تھے اُن میں سے صرف جزیرۂ عرب میں اسلام پھیلا۔ اور مکّہ کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ سو مَیں خیال کرتا ہوں کہ میری نسبت بھی ایسا ہی ہو گا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم صہ۱۹۳)

(۳) "یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اَب زندہ موجود ہیں، وُہ تمام مَریں گے۔ اور کوئی اُن میں سے عیسےٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھیگا۔ اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وُہ بھی مَرے گی۔ اور اُن میں سے کوئی آدمی عیسےٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مَرے گی، اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خُدا اُن کے دِلوں میں گھبراہٹ ڈالیگا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا، اور دُنیا دُوسرے رنگ میں آگئی، مگر مریم کا بیٹا عیسےٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یکدفعہ

اِس عقیدہ سے بیزار ہو جاویں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پُوری نہیں ہوگی کہ عیسٰے کے انتظار کرنے والے، کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اِس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے۔ اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وُہ تخم بویا گیا اور اب بڑھے گا، اور پھُولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ نے اِسلام کے کامل غلبہ کے لئے تین صدیاں مقرر فرمائی ہیں اور اپنے آپکو تخم ریزی کرنے والا قرار دیا ہے۔ آثار سے بھی ظاہر ہے کہ خُدا کے یہ نوشتے یقیناً پُورے ہونگے۔ بہرحال معترض کا اعتراض باطل ہے۔

الجواب ۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ اور پھر بخاری شریف میں بھی لکھا ہے۔ لَنْ یَقْبِضَهٗ حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَآءَ (جلد ۳ صفحہ ۱۳۶) اللہ تعالیٰ آپؐ کو وفات نہ دے گا۔ جب تک کہ ٹیڑھے دینوں کو درست نہ کر دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ۔ میں وُہ الماحی ہوں جسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کُفر کو مٹا دیگا۔ کیا سارا کُفر مٹ گیا؟

زرقانی میں لکھا ہے:۔

"فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ اُسْتُشْكِلَ بِاَنَّهٗ مَا انْمَحٰی مِنْ جَمِیْعِ الْبِلَادِ وَاُجِیْبَ بِحَمْلِهٖ عَلَى الْاَغْلَبِ اَوْ عَلٰی جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ اَوْ اَنَّهٗ یُمْحٰی بِسَبَبِهٖ اَوَّلًا فَاَوَّلًا اِلٰی اَنْ یَضْمَحِلَّ فِیْ زَمَنِ عِیْسٰی" (زرقانی شرح موطا جلد ۴۔ صفحہ ۲۵۰)

"یعنے فتح الباری میں اشکال پیش کیا گیا ہے کہ ہنوز کفر سب شہروں سے تو محو نہیں ہوُا۔ اسکے تین جواب ہیں۔ (۱) کفر کا اکثری محو مُراد ہے۔ (۲) صرف جزیرہ عرب مُراد تھا۔ (۳) آنحضرتؐ کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ کفر مٹ رہا ہے۔ یہانتک کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ (تین صدیوں) میں بالکل مضمحل ہو جائے گا۔"

ناظرین! ظاہر ہے کہ اس قسم کے انتہائی مواعید کا ظہور تدریجاً ہوا کرتا ہے اور پیشگوئی کا صدق بلحاظ انجام ظاہر ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ (الانبیاء ع) بھی تدریجی غلبہ کی شہادت دے رہی ہے۔ ہمارے حضرت نے بھی تحریر فرمایا ہے:-

"خدا تعالیٰ مجھے یوسف قرار دے کر یہ اشارہ فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی میں ایسا ہی کروں گا۔ اسلام اور غیر اسلام میں روحانی غذا کا قحط ڈال دوں گا، اور روحانی زندگی کے ڈھونڈنے والے بجز اس سلسلہ کے کسی جگہ آرام نہ پائیں گے، اور ہر فرقہ سے آسمانی برکتیں چھین لی جائیں گی۔ اور اس بندۂ درگاہ پر جو بول رہا ہے' ہر ایک نشان کا انعام ہوگا۔ پس وہ لوگ جو اس روحانی موت سے بچنا چاہیں گے، وہ اسی بندۂ حضرت عالی کی طرف رجوع کریں گے۔" (نصرۃ الحق صفحہ ۷۸، ۷۹)

الجواب ۲۴ مندرجہ بالا اقتباس میں حضرت نے فرمایا کہ "اگر کچھ نہ ہوا، اور مر گیا تو سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔" اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت کی زندگی میں اس کام کی تکمیل مقدر نہ تھی بلکہ "کچھ ہونا" مقدر تھا۔ چنانچہ دنیا گواہ ہے کہ حضرت اقدس نے عیسائیت کے خلاف کس قدر لٹریچر چھوڑا ہے، اور کس طرح سے صلیبی ستون کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ نشانات، معجزات، اور معقولات کے ساتھ عیسائیوں کو ساکت کر دیا، حتیٰ کہ آج غیر احمدی علماء اور مناظر بھی اس چشمہ سے حاصل کر کے نصاریٰ کا مقابلہ کرتے اور اسی مقدس انسان کے دلائل کے شرمندۂ احسان ہیں۔ افسوس اُن پر جو ژرف نگاہی سے کام نہ لیں۔ اور خواہ مخواہ اعتراض کر دیں۔ جاؤ کسی پادری سے کہو کہ احمدیوں کے ساتھ بحث کرو۔ تو اوّل تو وہ صاف انکار کر دیگا، اگر وہ صاف انکار نہ بھی کرے، تو حیل و حجت سے ضرور کام لے گا۔ یہ میرا ذاتی تجربہ بھی ہے[1]۔ الغرض حضرت اقدس کے اس اقتباس پر

---

[1] طبع ثانی ۱۹۶۳ء) سے ڈیڑھ سال قبل سے میں سلسلہ احمدیہ کا ایک ادنیٰ خادم، ماہنامہ الفرقان میں پاکستان و ہندوستان کے جملہ پادریوں کو حضرت مسیح کی صلیبی موت کے بارے میں تحریری مناظرہ کے لئے مسلسل چیلنج دے رہا ہوں، مگر کسی پادری کو اسے قبول کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ کیا یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کاسر الصلیب ہونے کا واضح ثبوت نہیں۔ تفصیل کے لئے الفرقان دسمبر ۱۹۶۲ء و جون ۱۹۶۳ء ملاحظہ فرمائیں۔ (مؤلف)

کسی رنگ سے بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ وھو المطلوب۔

دعوئ نبوت اس آٹھویں نمبر پر پٹیالوی صاحب نے پھر وہی بات پیش کردی ہے کہ حضرت نے پہلے دعوئ نبوت کو کفر قرار دیا۔ اور پھر خود دعویٰ کر دیا۔ ہم اس کا جواب گذشتہ فصول میں مفصل لکھ آئے ہیں۔ یعنے حضرت نے شریعت والی نبوت کا دعویٰ جو قرآن کو منسوخ کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے کلمہ کو بیکار کردے، کفر قرار دیا ہے۔ حضرت نے اخیر دم تک اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں فرمایا۔ ہاں غیر تشریعی نبوّت کا دعویٰ ہے جسے ظلّی نبوّت قرار دیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی میں حاصل ہوتی ہے، اس کو آپ نے کبھی کفر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی علو مرتبت کی دلیل ہے۔ فلا اعتراض۔

ڈاکٹر عبد الحکیم کے متعلق پیشگوئی نویں نمبر پر معترض پٹیالوی نے ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد کے متعلق پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ نیز اسکی پیشگوئی دربارہ حضرت اقدس کو بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ڈاکٹر عبد الحکیم کے متعلق تحریر فرمایا ہے:-

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں، اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔
رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَکَاذِبٍ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَصَادِقٍ۔ (عشرہ ۱۶۲)"

یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ دُنیا کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقبول کون ثابت ہوا۔ اور کس کو قبولیت حاصل ہوئی اور ہو رہی ہے۔ عبد الحکیم کا الہام تھا اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی رسالت کے الہام نازل ہوتے تھے۔ اب بتاؤ کس کی رسالت مانی گئی، اور کس کو رسُول تسلیم کیا گیا۔ اور کون راندۂ درگاہ ہوگیا؟ کیا عبد الحکیم پٹیالوی کو رسُول ماننے والا ایک فرد بھی رُوئے زمین پر موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ماننے والے دُنیا کے تمام ممالک میں

موجود ہیں اور روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ اب سوچو کہ کون غالب آیا؟ کیا عبدالحکیم نے اپنی مزورانہ کارروائیوں سے اِس سلسلہ کو مٹا دیا؟ عبدالحکیم سِل سے عرصہ تک مسلول رہ کر زاویۂ عدم میں مخفی ہو گیا اور فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار (سَیفِ مَسلُول) کا نشانہ بن گیا۔ اور صادق اور کاذب میں کھلا کھلا فرق ہو گیا۔ حضرت کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی

ڈاکٹر پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کئی پیشگوئیاں دربارہ موت کیں۔ مگر کب؟ جب حضرت اقدسؑ نے اپنے رسالہ الوصیّت دسمبر ۱۹۰۵ء میں پہلے لکھ دیا تھا کہ:۔

"خدائے عزّوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے اور اِس بارے میں اُس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔" (الوصیّت صؔ۲)

گویا جب حضرت نے یہ شائع کیا تو عبدالحکیم کے شیطان نے بھی اُس کو القاء کرنے شروع کر دئے۔ چنانچہ اوّلاً اُس نے لکھا کہ حضرت کی وفات کی میعاد تین سال ہے (عشرہ صؔ۱۶۳)

پھر لکھا کہ:۔ "جولائی ۱۹۰۶ء سے ۱۴ ماہ تک مرزا مرجائیگا" (عشرہ صؔ۱۶۴)

مصنّف عشرہ کہتے ہیں کہ:۔ "اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک اور الہام شائع کیا کہ مرزا ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک مرجائے گا" (عشرہ صؔ۱۶۴)

گویا معترض پٹیالوی نے ڈاکٹر عبدالحکیم کے تین الہامات کا ذکر کیا ہے۔ پہلے اُس نے حضرت کی وفات کیلئے تین ۳ سال اور ۱۴ مہینے اور پھر ۴ اگست تک کی پیشگوئی کی۔ اور یہ سب تغیّر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شائع ہونے والے الہامات کو دیکھ کر کیا جاتا رہا۔ معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:۔

"ڈاکٹر صاحب کی پیشگوئیوں کے مطابق مرزا صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مقام لاہور انتقال کیا۔" (عشرہ صؔ۱۶۴)

ہمیں معترض کی پیش کردہ ترتیبِ پیشگوئیوں کے ساتھ اتفاق ہے لیکن یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال مُرتد پٹیالوی کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوا صریح

جھوٹ ہے۔ کیونکہ مُرتد مذکور نے ان ہر سہ پیشگوئیوں پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ ان سب کے اخیر پر حضرت کی وفات کا دن بھی مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ڈاکٹر عبدالحکیم کا خط ہے۔ جو پیسہ اخبار اور اہلحدیث میں شائع ہوا اور وہ یہ ہے:۔

"مکرم بندہ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ"۔ میرے الہامات جدیدہ جو مرزا غلام احمد کے متعلق ہیں۔ اپنے اخبار میں شائع فرما کر ممنون فرماویں

(۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

(۲) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃُ الآرا عورت مرجائے گی۔ والسّلام

خاکسار عبدالحکیم خاں۔ ایم۔ بی پٹیالہ ۸ مئی ۱۹۰۸ء"

(روزانہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم ۲)

(۲) مولوی ثناء اللہ امرتسری نے لکھا تھا کہ:۔

"آہ! ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمارا اس خبر کے شائع کرنے سے دل دُکھتا ہے مگر کیا کریں واقعات کا اظہار ہے۔ ہمارا ماتھا تو اُسی وقت اس بد خبر کے سُننے کے لئے ٹھنکا تھا جب مرزا صاحب نے اپنا آخری وصیت نامہ شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ مجھے وحی الہٰی نے متنبہ کر دیا ہے کہ جلدی وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ کہیں گے جس کم جہاں پاک۔ لیکن تاہم ہم قانونِ خداوندی دیمد ھمر ف طخیا نھم پر نظر ڈال کر ایسے جلدی کے متوقع نہ تھے جتنی جلدی کی خبر ہم کو آج ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پٹیالوی نے سُنائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: "مرزا قادیانی کے متعلق میرے الہامات ذیل . . . شائع فرما کر ممنون فرماویں (۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔ (۲) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآرا عورت مرجائے گی۔" (اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

ہم اس جگہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی یاوہ گوئی کو نظرانداز کرتے ہوئے اصل مضمون

کے متعلق یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مُرتد مذکور نے مورخہ ۸ رمئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدسؑ کی وفات کا دن ۴ر اگست ۱۹۰۸ء مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرما چکا تھا کہ میں اسکو جھوٹا کرونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت کا وصال ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کی بجائے ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو ہوگیا۔ اور عبدالحکیم کی بات غلط ثابت ہوگئی۔ ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی اتنی واضح طور پر جھوٹی نکلی کہ مولوی ثناءاللہ ایسے معاند کو بھی لکھنا پڑا کہ:-

"ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسپر بس کرتے یعنے چودہ ماہیہ پر۔ اور پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیساکہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ رمئی کے اہلحدیث میں ان کے الہامات درج ہیں کہ ۲۱ ساون یعنے ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو مرزا مریگا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ۲۷ر کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے کہ ۲۱ ساون کو کی بجائے ۲۱ ساون تک ہوتا تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہیہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے۔ اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کر دیتے، تو آج یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا" (اہلحدیث ۱۲ر جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

یہ شہادت جو احمدیت کے بدترین معاند کی ہے، صاف بتا رہی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی غلط، جھوٹ اور باطل ثابت ہوئی ہے۔ افسوس کہ معترض پٹیالوی ہنوز یہی کہہ رہا ہے کہ حضرت اقدس کا انتقال ڈاکٹر مذکور کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوا۔

ضروری نوٹ معترض پٹیالوی نے اس جگہ مرتد پٹیالوی کی آخری اور تمام پہلی پیشگوئیوں کی ناسخ یعنے ۴ر اگست کو والی پیشگوئی کا ذکر نہیں کیا۔ جو ایک صریح اور کھلی خیانت ہے۔ کیا تحقیق کی یہی راہ ہوا کرتی ہے؟

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب ہونے کا اعلان کیا۔ جس پر ڈاکٹر مرتد نے اپنے الہامات سنانے شروع کئے۔ جب اُس نے چودہ ماہیہ پیشگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بتلایا کہ اگرچہ آپ کی موت کا زمانہ آچکا ہے

لیکن میں بہرحال عبدالحکیم کو جھوٹا کرونگا اور تیری عمر کو بڑھا دُونگا۔ (تبصرہ ۵ر نومبر)
گویا یہ عمر کا بڑھانا۔ اور اِس طرح عبدالحکیم کو جھوٹا ثابت کرنا اسی صورت میں مقدّر تھا کہ جب وُہ اپنی اس چودہ ماہیہ پیشگوئی پر قائم رہتا۔ گویا بالکل وَیَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (آل عمران ع۱۳)
والی پیشگوئی کی مثال ہے۔ یاد رہے کہ اصل مقصد عبدالحکیم کو جھوٹا کرنا تھا۔ تین سال اور چودہ ماہ کی پیشگوئی کے بعد اُس نے ۴ر اگست تک والی پیشگوئی کردی۔ جس کو حضرت اقدسؑ نے بھی اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں ذکر فرمایا ہے، اور بالمقابل عبدالحکیم کی ناکامی کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم اپنی اس "۴ر اگست تک" والی پیشگوئی پر بھی قائم نہ رہا۔ اُس نے جھٹ ۱۵ر مئی کو "۴ر اگست تک" کی بجائے "۴ر اگست کو" کی پیشگوئی کردی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُس کو ہر طرح سے جھوٹا کر دیا۔ وَهُوَ الْمُرَاد۔

ناظرین کرام! اِس تفصیل سے آپ پر ظاہر ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی تھی وُہ ہُوبہو پُوری ہُوئی۔ لیکن ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی باطل اور محض دروغ ثابت ہوئی۔ اَلْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ کا نظارہ دُنیا نے دیکھ لیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ[1]

مولوی ثناءُ اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

معترض پٹیالوی نے پیشگوئیوں پر اعتراضات کے سلسلہ میں اس فصل کے دسویں نمبر پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ "آخری فیصلہ" کو ذکر کیا ہے[2]۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مورخہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" شائع فرمایا تھا۔ یہ اشتہار اس مسلسل مقابلہ

---

[1] عبدالحکیم کی پیشگوئی کے سلسلے میں جناب میر قاسم علی صاحب مرحوم ایڈیٹر فاروق قادیان کا رسالہ "بلیغ ثانی" قابلِ دید ہے۔ (مؤلف)

[2] ہمارے مندرجہ ذیل بیانات میں معترض پٹیالوی کے اعتراضات کے علاوہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے رسالہ "فیصلہ مرزا" کا بھی مکمل جواب شامل ہے۔ (ابوالعطاء)

کی آخری کڑی تھی۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی ابتدا سے آپ کے اور علماء بالخصوص مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے درمیان جاری تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور آپ کا طریق کار ہُوبہو نبیوں کی زندگی اور اُن کا طریق کار تھا۔ آپ نے منہاج نبوّت کے مطابق اپنے معاندین پر منقولی و معقولی دلائل سے اتمام حجت کرنے کے بعد اُن کو مباہلہ کی بھی دعوت دی۔ آپ نے شروع ۱۸۹۷ء میں اپنی کتاب انجام آتھم میں ہندوستان بھر کے علماء و مشائخ کو نام بنام دعوتِ مباہلہ دی اور لکھا:۔

"مَیں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دُعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے کہ جب تمام وُہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں، ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو مَیں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وُہ ہزار ہوں یا دو ہزار" (ص۶۹)

بالآخر علماء کو برانگیختہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اُس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور توہین چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔ اور اے مومنو! برائے خدا تم سب کہو۔ آمین" (ص۶۷)

ان ہر دو عبارتوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنی صداقت پر یقینِ تام اور مباہلہ کے ذریعہ سے فیصلہ کرنے کی زبردست تحدی عیاں ہے اور یہ خود حضورؑ کی سچائی پر برہان قاطع ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ (الجمعہ ع۱) یعنی جو لوگ جھوٹے طور پر خدا کے دوست ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں وُہ کبھی موت کی خواہش نہیں کر سکتے اور نہ میدان مباہلہ میں آ سکتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عمل سطور فوق سے ظاہر ہے۔ ایک دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے حضور

دُعا کرتے ہُوئے فرماتے ہیں ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سماء | اے رحیم و مہربان و رہنماء
ایکہ میداری تو بر دلہا نظر | ایکہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر | گر تو دیدہ استی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کُن منِ بدکار را | شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا بباد | ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر
آتش افشاں بردر و دیوارِ من | دُشمنم باش و تبہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی | قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ | کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از رُوئے محبت کار کُن | اندکے افشائے آں اسرار کُن

(حقیقۃ المہدی صلہ)

جن علماء اور سجادہ نشینوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم میں دعوتِ مباہلہ دی۔ اُن میں سے بعض سعید الفطرت تو توبہ کر کے حلقہ بگوشانِ احمدیت میں داخل ہوگئے۔ اس جگہ خصوصیت سے حضرت میاں غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں شریف قابلِ ذکر ہیں۔ باقی لوگوں نے وُہی وطیرہ اختیار کیا جو ہمیشہ سے باطل پرست اختیار کرتے آئے ہیں۔ بیشک ان لوگوں نے تکذیب و تکفیر کے شور سے ایک کہرام برپا کردیا۔ مگر ان اصحابِ فشل[1] اور اربابِ جُبن کو آسمانی بانی کے حامل، یقینِ الٰہی کے مجسمہ، خدا کے جری، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل آکر مباہلہ کرنے کا یارا نہ ہُوا۔ اہلِ ایمان نے پھر ایک مرتبہ قرآنی صداقت وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (بقرہ ع[11]) کا ظہور ہوتے مشاہدہ کر لیا۔ علماء کا یہ گریز انکی بطالت کا زبردست گواہ ہے۔ خود مولوی ثناء اللہ صاحب آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

"اگر آرزو موت کی نہ کریں، تو ثابت ہو جائیگا کہ ان کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ صرف خواہشِ نفسانی کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور ہم ابھی سے کہے دیتے

---

[1] حضرت کے الہام انت من ماؤنا وھم من فشل (انجام آتھم ۵۵) کیطرف اشارہ ہے۔ (ابو العطاء)

ہیں کہ اپنے کئے ہوئے بد اعمال کی وجہ سے جن کی سزا بھگتنا ان کو بھی یقینی ہو۔ ہرگز کبھی موت کی خواہش نہ کریں گے۔ باوجود اس بد اعمالی اور جسارت کے دعویٰ نجات کیسا بڑا ظلم ہے۔" (تفسیر ثنائی جلد ا صفحہ ۹)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جن کا انجام آتھم کی دعوتِ مباہلہ میں بلائے گئے لوگوں میں سے گیارھواں نمبر تھا۔ ایک حیلہ جو انسان ہیں اور اپنے واقفوں میں فرار کے لحاظ سے "رَوغان الثعلب" اور تلون مزاجی میں "تلون الحِرباء" کے وصف سے مشہور ہیں[1]۔ چنانچہ فتنہ ارتداد ملکانہ کے زمانہ میں جب آپ کو اسلام کے نام پر دعوتِ عمل دی گئی تو آپ نے ہندو مسلم اتحاد کا بہانہ کرکے گریز اختیار کیا تھا۔ اسوقت معز ز اخبار مشرق گورکھپور نے خوب لکھا تھا کہ:۔

"ہمعصر وکیل امرتسر نے مولانا ثناء اللہ صاحب کی حرکت پر اظہار تاسف کیا ہے کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کیلئے بیقرار ہیں اور کہتے ہیں کہ گاندھی کو کیا منہ دکھلاؤ گے۔ ہماری رائے میں مولانا کو خدا کے سامنے شرمساری کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔ کیونکہ مولانا نے طبیعت اور مزاج ایسا ہی پایا ہے۔ گھڑی میں کچھ، گھڑی میں کچھ۔ بہرحال یہ کام مولاناؤں کا نہیں، خدا کا کام ہے۔ خدا نے اپنا کام ہمیشہ ایسے لوگوں سے لیا ہے جو اکثر مولانا نہ تھے مگر مولانا گر تھے۔" (مشرق ۲۹ مارچ ۱۹۲۳ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوتِ مباہلہ پر بھی خاموشی اختیار کی اور مباہلہ کیلئے تیار نہ ہوئے۔ لیکن جب مباحثہ میں دعوتِ مباہلہ ..... کا ذکر آیا تو آپ نے عوام الناس یا بالفاظِ دیگر "سَوادِ الجمہور" سے ڈر کر ظاہرداری کے طور پر مباہلہ کے لئے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ بلکہ ایک تحریر بھی لکھ دی مگر اس تحریر کا حشر وہی ہوا جو نقش بر آب کا ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباحثہ مد کے حالات کتاب اعجاز احمدی میں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ، یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴)

---

[1] طبع ثانی کے وقت مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فوت ہو چکے ہیں۔ (مؤلف)

اور پھر اس طریق فیصلہ کو منظور فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت زور دار الفاظ میں پیشگوئی فرمادی کہ :-

"اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۶)

یہ طریق فیصلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عین مراد تھی۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ اس سے قبل اربعین میں لکھ چکے تھے :-

"دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے، اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو دشمن مجھے کاٹنا چاہتا ہے، اس کا نتیجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔ میں ہر روز اس بات کے لئے چشم پُرآب ہوں کہ کوئی میدان میں نکلے اور منہاج نبوت پر مجھ سے فیصلہ کرنا چاہے۔ پھر دیکھے کہ خدا کس کے ساتھ ہے؟ مگر میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں۔ ہاں غلام دستگیر ہمارے ملک پنجاب میں کفر کے لشکر کا ایک سپاہی تھا جو کام آیا۔ اب ان لوگوں میں سے اسکے مثل بھی کوئی نکلنا محال اور غیر ممکن ہے۔ اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کریگا۔ اگر تمہارے مرد، اور تمہاری عورتیں، اور تمہارے جوان، اور تمہارے بوڑھے، اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں یہانتک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سُنے گا۔ اور نہیں رُکے گا جبتک وہ اپنے کام کو پُورا نہ کرلے۔" (اربعین ۴ صفحہ ۱۲)

لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو مباہلہ کیلئے پوری آمادگی ظاہر فرمائی۔ مگر ساتھ ہی مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے متعلق لکھا :-

"یہ تو انہوں نے اچھی تجویز نکالی۔ اب اسی پر قائم رہیں تو بات ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۳)

ناظرین کرام! آپ منتظر ہوں گے کہ مولوی ثناء اللہ کی طرف سے اس طریق پر پوری آمادگی کا اعلان ہو جائیگا۔ اور مولوی صاحب میدانِ مقابلہ میں نکل آئیں گے، لیکن نہیں۔ دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب اعجاز احمدی صہ۳۶ کی تحدّی کو نقل کرنے کے بعد کیا جواب دیتے ہیں۔ وُہ لکھتے ہیں کہ :۔

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں، نہ آپ کی طرح نبی یا رسول، یا ابن اللہ، یا الہامی ہے۔ اسلئے ایسے مقابلہ کی جُراُت نہیں کر سکتا۔ چونکہ آپ کی غرض یہ ہے کہ اگر مخاطب پہلے مر گیا تو چاندی کھری ہے۔ اور اگر خود بدولت تشریف لے گئے، خس کم جہاں پاک۔ تو بعد مرنے کے کس نے قبر پر آنا ہے۔ اسلئے آپ ایسی ویسی بیہودہ شرطیں (یعنی مباہلہ۔ ناقل) باندھتے ہیں۔ مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے اِن باتوں پر جُراُت نہیں۔ اور یہ عدم جُراُت میرے لئے عزّت ہے، (جیساکہ یہود و نصاریٰ کیلئے گریز میں اُن کے لئے عزّت تھی۔ ابو العطاء) ذلّت نہیں۔" (رسالہ الہامات مرزا صہ۱۱۶ طبع ششم)

گویا امرتسری مولوی صاحب۔ شیرِ خدا حضرت میرزا غلام احمد قادیانی کی ایک ہی دہاڑ سے لومڑی کی طرح چھپ گئے اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ ہم مولوی صاحب کے طرزِ بیان کے ثقاہت سے گرے ہوئے ہونے پر حیران نہیں۔ کیونکہ یہ اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے "رسّی جل گئی پر بل نہ گیا۔" ہم صرف قارئین کرام کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہلِ حق کے سامنے اہلِ باطل کس طرح مُنہ کی کھاتے اور چاروں شانے چت گر جاتے ہیں۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی اس کُھلی شکست سے اہلِ حدیثوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اور اپنوں بیگانوں نے سلسلہ احمدیہ کے "اوّل نمبر مخالف" کی اس بے نظیر بُزدلی پر طعن و تشنیع کی۔ مولوی صاحب آخر انسان تھے۔ اس سلسلۂ ذمائم و شتائم سے متاثر ہوئے۔ اور اپنی فطری حیلہ بازی سے قسم اُٹھانے کا نقاب اوڑھ کر سادہ لوحوں کو تسلی دینی چاہی لیکن بے سُود۔ جُوں جُوں زمانہ گذرتا گیا۔ یہ نقاب بھی عُریانی سے بدلتا گیا۔ اور دُنیا نے مولوی صاحب کی اصل شکل دیکھ کر سخت نفرت کا اظہار کیا۔ آخر لاچار اور مجبور ہو کر "مرتا کیا نہ کرتا۔" ۱۹۰۷ء

میں آپ کو لکھنا ہی پڑا۔ اور حالات کے پیشِ نظر اس تحریر میں آپ نے بزدلی کو دھونے کیلئے لفظی طور پر غیر معمولی جرأت کا اظہار کیا۔ اور لکھا کہ:۔

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے، جہاں تم پہلے صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کر کے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو۔ اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبری سے فیصلہ نہ ہو۔ سب اُمت کیلئے کافی نہیں ہو سکتا۔" (اہلحدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰)

مولوی صاحب کی یہ تعلّی مرنے والے مریض کا آخری افاقہ تھا جسے اُردو زبان میں سنبھالا لینا کہتے ہیں۔ مگر کچھ بھی ہو، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تحدّی کو منظور کیا۔ اور پورے طور پر منظور کیا۔ چنانچہ ابھی مولوی صاحب یہ سطور شائع کر کے مطمئن بھی نہ ہوئے تھے کہ جھٹ جناب ایڈیٹر صاحب اخبار بدر قادیان نے "حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے" اعلان کر دیا کہ:۔

"اس مضمون کے جواب میں مَیں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت[1] دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔" (بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

یہ اعلان کیا تھا امرتسری مُنکر کے نخلِ اُمید کیلئے بجلی تھی۔ اور اُسکے طلسم ساحری کے لئے عصائے موسیٰؑ تھا۔ اسے پڑھ کر اُس کا خون خشک ہو گیا۔ سب چالاکی اور چرب زبانی بھول گئی۔ اور جھٹ لکھ دیا کہ:۔

"مَیں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بُلایا۔ مَیں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے، مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اُس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ مَیں نے حلف اُٹھانا کہا ہے مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے مباہلہ اور ہے۔" (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴)

اس جگہ میں اُن تمام لوگوں سے جو اپنے دلوں میں خشیت اللہ رکھتے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ خدا کے مقبول بندوں کا کیا طریق ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی کامیابی اور حتمی

---

[1] یہ بشارت تھی یا مولوی صاحب کے لئے پیغامِ اجل تھا، اس کا اندازہ مولوی صاحب کے جواب سے کر لیں۔ (ابو العطاء)

فتح پر کس طرح کامل بصیرت اور یقین تام رکھتے ہیں؟ معزز قارئین! آپ نے مولوی ثناء اللہ کے اضطراب اور بے بسی کو بھی دیکھا، اسکے گریز اور بزدلی کو بھی دیکھا۔ آئیے اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ بھی پڑھیئے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

"میں ہر ایک پہلو سے منکر پر اتمام حجت چاہتا ہوں۔ یا الٰہی تو جو ہمارے کاروبار کو دیکھ رہا ہے، اور ہمارے دلوں پر تیری نظر ہے، اور تیری عمیق نگاہوں سے ہمارے اسرار پوشیدہ نہیں۔ تو ہم میں اور مخالفوں میں فیصلہ کر دے۔ اور وہ جو تیری نظر میں صادق ہے اس کو ضائع مت کر کہ صادق کے ضائع ہو جانے سے ایک جہان ضائع ہو گا۔ اے میرے قادر خدا تو نزدیک آجا۔ اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ۔ اور یہ روز کے جھگڑے قطع کر۔ ہماری زبانیں لوگوں کے سامنے ہیں۔ اور ہمارے دلوں کی حقیقت تیرے آگے منکشف ہے۔ میں کیونکر کہوں اور کیونکر میرا دل قبول کرے کہ تو صادق کو ذلت کے ساتھ قبر میں اتار دے گا۔ اور باشانہ زندگی والے کیونکر فتح پائیں گے۔ تیری ذات کی مجھے قسم ہے کہ تو ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۶-۱۷)

بھائیو! خدارا غور کرو کہ کیا یقین کا یہ بحرِ مواج اور استقلال کی یہ زبردست لہر کسی کاذب کے قلب میں پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا مفتری کا کلام اور اس کا ایک ایک لفظ نصرتِ الٰہی کے یقین کا چھلکتا ہوا پیالہ ہوا کرتا ہے؟ حاشا وکلا! ہرگز نہیں!! پھر کیا اب بھی تمہارے لئے خدا کے برگزیدہ مسیحؑ کے کلام میں شک کی گنجائش ہے؟

مولوی ثناء اللہ صاحب کے چیلنج مباہلہ (اہلحدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء) کے جواب میں ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے اس کی منظوری کا اعلان فرماتے ہوئے دو صورتوں میں سے ایک صورت کا بایں الفاظ ذکر کیا تھا۔ کہ :۔

"باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو۔ جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔" (بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس صیدِ لاغر کو چند روز اور مہلت دینا چاہتے تھے اور حقیقۃ الوحی کی طباعت کے بعد تک اسے ملتوی کرنا چاہتے تھے جیسا کہ عبارت بالا سے ظاہر ہے مگر خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے، اور جسے خوب معلوم تھا کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری آئندہ کیا طریق اختیار کریگا۔ اُس نے نہ چاہا کہ اس سلسلۂ مباہلہ کو معرضِ تعویق میں رکھا جاوے۔ کیونکہ اس کے نزدیک مولوی ثناء اللہ پر اتمامِ حجت ہو چکی تھی۔ اسلئے مشیتِ ایزدی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارادۃ التواء کو تبدیل کرواکر حضور کی طرف سے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" شائع کروادیا۔ جس میں حضور نے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی دعوتِ مباہلہ کے بالمقابل اپنی طرف سے دعائے مباہلہ شائع فرمادی گویا جھوٹے کو گھر تک پہنچادیا۔ اور اس طرح سے وہ عمارت (اتمامِ حجت کی) مکمل ہو گئی جسکی بنیاد خداوند تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی تھی۔ اور اسی کی خاطر انجام آتھم و اعجاز احمدی میں بار بار دعوتِ مباہلہ دی گئی تھی۔

قارئین کرام! آپ خدائی تصرفات پر غور کریں اور اُس کی شانِ علمِ غیب کا مطالعہ فرمائیں کہ وہ مولوی ثناء اللہ صاحب پر حجت پوری کرنے کیلئے کس طرح سے حضرت کے اپنے خیال کے برخلاف خاص تحریک سے دعائے مباہلہ شائع کرواتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:-

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اِسکی بنیاد رکھی گئی ہے۔" (بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

اِس خاص تحریک کی وجہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری اپنے اخبار ۱۹ اپریل میں سرے سے ہی منکر ہو جائیگا۔ اور کہیگا کہ میں نے تو دعوتِ مباہلہ دی ہی نہیں اور اس وقت دعائے مباہلہ کا شائع کرنا بے وقت ہوگا۔ اسلئے اسکے انکار کی اشاعت سے پہلے پہلے ہی ۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو حضرت کی طرف سے "دعائے مباہلہ" شائع کروادی۔ اور یہی حکمتِ الٰہیہ تھی کہ حقیقۃ الوحی کی اشاعت سے قبل ہی دعائے مباہلہ شائع کروادی گئی۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے جس طرح ۱۹ اپریل کے اہلحدیث میں چیلنج مباہلہ سے انکار کردیا۔ اسی طرح

حضرت اقدسؑ کی شائع کردہ دُعائے مباہلہ کے بالمقابل دُعا نہ کی تا مباہلہ منعقد ہو جاتا اور پہلے مرنے والا کاذب قرار پاتا۔ بلکہ اُس نے دُعائے مباہلہ کو ردّ کیا اور اِس طریق فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (اہلحدیث ۲۶ ر اپریل ۱۹۰۷ء) جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مباہلہ واقع نہ ہوا۔ باوجودیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۹۷ء سے متواتر کوشش کرتے رہے کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری مباہلہ کر لے۔ مگر اس نے دس سال کے عرصہ میں مختلف رنگ بدل کر آخر ۱۹۰۷ء میں کھلے طور پر انکار کر کے خدا کے فرمودہ "وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا" کی پھر ایک مرتبہ تصدیق کر دی۔ اور احمدیت کی زبردست قوّتِ رُوحانی کا عملاً اقرار کر لیا۔

اس صورت میں جبکہ وقوعِ مباہلہ کی شق درمیان میں نہ رہی، کسی فریق کا پہلے مر جانا، اسکے کذب کی دلیل نہ ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں اور پیشگوئیوں کے مطابق ۲۶ ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یومِ وصال مقرر فرما دیا۔ اور حضورؑ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ اور مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی انتہائی جدّ و جہد کے باوجود ناکامی کا مُنہ دیکھنے کیلئے زندہ رکھے گئے۔ خود مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ:۔

"آنحضرت علیہ السلام باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذّاب سے پہلے انتقال ہوئے مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا۔۔۔۔ مگر آخر کار چونکہ بے نیلِ مرام مرا۔ اِسلئے دعا کی صحت میں شک نہیں۔" (مرقع قادیانی ماہ اگست ۱۹۰۷ء)

لیکن ۲۶ ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے موقعہ کو غنیمت جان کر امرتسری مکذّب نے، جو ہر مقابلہ میں پیٹھ دکھاتا رہا ہے، شور مچانا شروع کر دیا کہ مرزا صاحبؑ کا پہلے فوت ہو جانا اُن کے کذب کی دلیل ہو۔ کیونکہ اشتہار ۱۵ اپریل بطرفہ دُعا تھی۔ اور اس کا اِس سلسلہ مباہلہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور میرا زندہ رہنا اور لمبی عمر پانا، میرے سچے ہونے کی علامت ہے۔

اشتہار ۱۵ اپریل کے دُعاء مباہلہ ہونے پر بارہ[۱۲] دلائل!

ہم اسکے اس کذب کے ابطال کیلئے ذیل میں وہ بارہ[۱۲] دلائل لکھتے ہیں جو آفتاب نیمروز

کی طرح بتائے ہیں کہ اشتہار ۱۵ اپریل دُعائے مباہلہ تھا۔

دلیل اوّل

اس اشتہار کا عنوان ہے۔ "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ"۔ اگر یہ یکطرفہ دُعا ہوتی۔ تو عنوان یُوں چاہیئے تھا۔ "مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ"۔ پس لفظ ساتھ بتا رہا ہے کہ یہ وُہ فیصلہ ہے جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا بھی دخل ہے۔ اور یہ فیصلہ بتراضیٔ فریقین ہی ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ دُعائے مباہلہ ہے۔ نیز لفظ "آخری فیصلہ" مذہبی رنگ میں مباہلہ کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی لفظ "آخری فیصلہ" اسی مفہوم میں استعمال فرمایا ہے (اربعین ۳ صـ۱۱) بلکہ اللہ تعالیٰ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے قلم سے بھی اِس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کروایا ہے۔ مولوی صاحب آیت مباہلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں، کسی علمی بات کو نہ سمجھیں، بغرض بدرا بدر باید رسانید کرد ۔ کہ آؤ ایک آخری فیصلہ بھی سُنو۔ ہم اپنے بیٹے، اور تمہارے بیٹے، اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں، اپنے بھائی بند نزدیکی، اور تمہارے بھائی بند نزدیکی بُلالیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں خدا خود فیصلہ دُنیا ہی میں کر دیگا۔ جو فریق اُس کے نزدیک جھوٹا ہوگا۔ وُہ دُنیا میں برباد اور موردِ غضب ہوگا۔"[1] (تفسیر ثنائی جلد ۲ صـ۲۴)

الغرض اس اشتہار کا عنوان صاف بتا رہا ہے کہ یہ دُعائے مباہلہ ہے۔

دلیل دوم

حضرت اقدسؑ نے لکھا ہے:۔

"بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب"

اب اگر یہ یکطرفہ دُعا تھی۔ اور یہ اشتہار محض اعلان دُعاء یکطرفہ تھا۔ تو اسے مولوی ثناء اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجنے کا کیا مطلب؟ معلوم ہُوا کہ یہ اشتہار دُعائے مباہلہ تھا۔

---

[1] معلوم ہُوا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ دُنیا میں غضب مباہلہ کرنیوالے جھوٹے منکر پر نازل ہوتا ہے۔ اگر وُہ مباہلہ سے انکار کر جائے تو دُنیا میں عذاب لازمی نہیں البتہ آخرت کا عذاب ہوگا (ابو العطاء)

دلیل سوم

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔
"میں جانتا ہوں کہ مُفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وُہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہوجاتا ہے"
یہ الفاظ اور یہ طریقِ فیصلہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اشتہار دُعائے مباہلہ ہے۔ کیونکہ یہ قانون مباہلہ ہی کی صُورت میں چسپاں ہوسکتا ہے۔ واقعات کی رُو سے بھی، مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک بھی۔ اور خود حضرت مسیح موعودؑ کا بھی یہی مذہب ہے۔ جیساکہ حضورؑ نے خود فرمایا ہے:۔

"کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سب اعداء اُن کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگئے تھے؟ بلکہ ہزاروں اعداء آپؐ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھُوٹا مباہلہ کرنے والا سچّے کی زندگی میں ہلاک ہُوا کرتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنیکے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سُنکر حیران ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وُہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی، ولی، قطب غوث کے زمانہ میں ہُوا کہ اُس کے سب اعداء مرگئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچّے کے ساتھ جو جھُوٹے مُباہلہ کرتے ہیں وُہ سچّے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں" (اخبار الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

لہٰذا ماننا پڑیگا کہ اشتہار آخری فیصلہ جو اسی قانون پر مبنی ہو اشتہار دُعائے مباہلہ ہو۔ وھوالمقصود۔

دلیل چہارم

حضرت اقدسؑ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھا ہے کہ:۔
"میں خُدا کے فضل سے اُمید کرتا ہوں کہ آپ سُنّت اللہ کے موافق مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے"
اور پھر اِس کی تشریح میں ان کی مَوت کا پہلے واقع ہوجانا اُن کی سزا بتائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سزا، جیساکہ اُوپر کے اقتباس سے عیاں ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے نزدیک

بھی اسی شخص کو ملتی ہے جو جھوٹا ہو کر سچے سے مباہلہ کرے۔ پس ثابت ہوا کہ اشتہار ۱۵ر اپریل دُعائے مباہلہ تھا۔

دلیل پنجم اِس امر کا ایک ثبوت کہ یہ اشتہار سلسلۂ مباہلہ کی ہی کڑی تھا، یہ ہے کہ حضورؑ نے اس اشتہار میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے لئے جس نوعیتِ سزا کا اعلان کیا ہے۔ وُہ بعینہٖ وُہی ہے جو قبل ازیں انجام آتھم، اعجازِ احمدی، اور اخبار بدر ۴ر اپریل میں مذکور ہُوئی ہے۔ ہم اِس جگہ ہر چہار اقتباس درج کرتے ہیں:۔

(۱) انجام آتھم میں دُعائے مباہلہ کے الفاظ جو درصُورت مباہلہ کہے جانے تھے یہ ہیں:۔

"تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں، ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کردے، اور کسی کو مجذوم، اور کسی کو مفلوج، اور کسی کو مجنون، اور کسی کو مصروع، اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر، اور کسی کی جان پر، اور کسی کی عزت پر۔" (انجام آتھم صفحہ ۶۶)

(۲) "شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کے رُو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے۔" (اعجازِ احمدی صفحہ ۱۴)

(۳) "ہم خُدا سے دُعا کریں گے کہ یہ عذاب جو جھُوٹے پر پڑے وُہ اِس طرز کا ہو کہ اس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔" (اخبار بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

(۴) "اگر وُہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خُدا کے ہاتھ سے ہے۔ جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مُہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو مَیں خدا کی طرف سے نہیں۔" (اشتہار ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء)

ہر منصف مزاج انسان ہر چہار عبارتوں کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہُوا پائیگا۔ اور اُسے ضرور ماننا پڑے گا کہ اشتہار ۱۵ر اپریل کی نوعیتِ عذاب وُہی ہے جو پہلے سلسلہ مباہلہ میں متعیّن ہو چکی ہے۔ پس اشتہار ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء بھی اسی سلسلہ کی آخری کڑی یعنی دُعائے مباہلہ ہے۔ جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نے منظور نہ کیا۔ اور مباہلہ منعقد نہ ہُوا۔

دلیل ششم حضرت اقدس ؑ نے اِس اشتہار میں تحریر فرمایا ہے:۔

"یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دُعاء کے طور پر میں نے خُدا سے فیصلہ چاہا ہے۔"

جناب مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی[1] نے تسلیم کیا ہے کہ:۔

"اس اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں طریقِ فیصلہ ایسا مذکور ہے جو متحدیانہ ہے۔" (روئداد مباحثہ لدھیانہ ص۳۱)

اب سوال یہ ہے کہ جب یہ پیشگوئی نہیں، الہام و وحی کی بناء پر خبر بھی نہیں، لیکن بایں ہمہ طریقِ فیصلہ متحدیانہ ہے۔ تو کیا اسے سوائے دُعائے مباہلہ ماننے کے "متحدیانہ طریق فیصلہ" کہا جا سکتا ہے؟ پس اس اشتہار کا پیشگوئی نہ ہونے کی صورت میں بھی متحدیانہ ہونا بتلاتا ہے کہ یہ دُعائے مباہلہ ہے۔ کیونکہ مباہلہ کر لینے کی صورت میں ہی کاذب کی مَوت کی تحدّی کی جا سکتی ہے۔

دلیل ہفتم اس اشتہار کے آخیر پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اِس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں، اور جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

یہ الفاظ بھی صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ یہ اشتہار دُعائے مباہلہ تھا۔ ورنہ نہ التماس کی ضرورت تھی، اور نہ اسکے نیچے مولوی صاحب سے کچھ لکھوانے کی ضرورت تھی۔

معلوم ہوا کہ یہ دُعا وہ دُعا تھی جس کی تکمیل مولوی ثناء اللہ صاحب کے لکھنے کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ حضرت اقدس ؑ نے فرمایا کہ آؤ اب میدان میں نکلو، تا خُدا فیصلہ کر دے۔ مگر مولوی صاحب کو "جُرأت" نہ تھی۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ یہ اشتہار دُعائے مباہلہ تھا۔

دلیل ہشتم جس طرح اشتہار کی اندرونی شہادت بتا رہی ہے کہ یہ دُعائے مباہلہ تھا۔ اسی طرح بیرونی شہادتوں سے بھی ظاہر ہے کہ یہ دُعا یکطرفہ دُعا نہ تھی۔ چنانچہ اس دُعا کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا کہ:۔

---

[1] آپ اہلِ حدیثوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبع ثانی کے وقت فوت ہو چکے ہیں۔ (مؤلف)

"اس دُعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا" (اہلحدیث ۲۶ ر اپریل ۱۹۰۷ء)

ان الفاظ سے ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے خود بھی اس اشتہار (۱۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء) کو یکطرفہ دُعا نہیں سمجھا، ورنہ منظوری نہ لینے کا اعتراض کیوں؟ اور اس کی اشاعت "بغیر منظوری" پر چیں بجبیں ہونے کی وجہ کیا؟ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب خود بھی اس اشتہار کو یکطرفہ دُعا نہ سمجھتے تھے۔

دلیل نہم مولوی ثناء اللہ صاحب اشتہار ۱۵ ر اپریل کے ذکر پر لکھتے ہیں:۔

"ایک ایسے اشد مخالف کے مقابلہ میں ایک مامور خدا فیصلہ کی صُورت شائع کرتا ہے" (روئداد مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۴۰)

گویا آپ اسے "فیصلہ کی صُورت" قرار دیتے ہیں۔ جو کہ حضرت نے شائع فرمائی۔ مگر مولوی صاحب نے اس صورتِ فیصلہ پر صاد نہ کیا لہذا اب اسے قطعی اور حتمی فیصلہ قرار دیکر اعتراض کرنا درست نہیں۔

دلیل دہم مولوی ثناء اللہ نے اس اشتہار مباہلہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"مرزائیو! کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کی طرف بلایا ہے۔ بتاؤ تو انعام لو۔ ورنہ منہاجِ نبوّت کا نام لیتے ہوئے شرم کرو" (اہلحدیث ۲۶ ر اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۶)

اب اصحاب انصاف سوچیں کہ مولوی صاحب نے ایک طرف تو اس اشتہار کو "طریق فیصلہ کی طرف بلانا" قرار دیا ہے۔ اسے یکطرفہ دُعا قرار نہیں دیا۔ دُوسری طرف اسے "منہاجِ نبوّت" کے خلاف بتلایا۔ بلکہ اس کی نظیر بتلانے پر انعام دینے تک آمادہ ہو رہے ہیں۔ اگر یہ اشتہار یکطرفہ بددعا تھی، تو کیا مولوی صاحب کے نزدیک کسی نبی نے اپنے مخالفوں پر بددُعا نہیں کی۔ حالانکہ ان کا اپنا اقرار موجود ہے کہ:۔

"اس قسم کے واقعات بیشمار ملتے ہیں جن میں حضرات انبیا علیہم السّلام نے مخالفوں پر بددُعائیں کیں، اور خدا نے قبول کر کے فیصلہ فرما دیا"
(روئداد مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۴۷)

جب نبیوں کے یکطرفہ بد دعا کرنے کے "بے شمار واقعات" ملتے ہیں تو پھر مولوی صاحب اگر اشتہار ۱۵ اپریل کو یکطرفہ بد دعا سمجھتے تو اسے "منہاج نبوت" کے خلاف کیوں قرار دیتے۔ لہذا ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک بھی اسوقت یہ اشتہار یکطرفہ دُعا نہ تھی:

اگر یہ سوال ہو کہ جب اشتہار ۱۵ اپریل دُعائے مباہلہ تھی، تو پھر بھی اسے خلاف طریق انبیاء قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی صاحب نے دُعائے مباہلہ کی صورت میں اسے اسلئے منہاجِ نبوّت کے خلاف قرار دیا تھا کہ آپ تو کبھی مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہوئے تھے۔ اور نہ ہی اُن کو مباہلہ کرنے کی جُرأت تھی۔ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں جو تعلّی کی تھی وُہ تو لوگوں کے تقاضوں سے تنگ آکر گیدڑ بھبکی تھی۔ گویا مولوی صاحب ایک طرف اپنے دِل کے انکار، اور انکار پر اصرار کو دیکھتے تھے، تو آپ کہتے تھے کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ میں مباہلہ کیلئے تیار نہیں اور مباہلہ کے نام سے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتا ہوں۔ اور ادھر حضرت مرزا صاحب مباہلہ کیلئے اصرار پر اصرار کئے جارہے ہیں۔ اسی حالتِ سراسیمگی میں آپنے اسقدر زبردستی کو خلاف منہاجِ نبوت قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپنے اِس طرح بُلانے یعنی مخالفت کے شدید انکار کے باوجود دعوتِ مباہلہ دیئے جانے، بلکہ دُعائے مباہلہ شائع کر دینے کو اپنی عقل کے مطابق خلاف منہاجِ نبوّت قرار دیا ہے۔

بہر حال مولوی صاحب کے جواب کے یہ فقرات زبردست دلیل ہیں کہ مولوی صاحب نے کم از کم اُس وقت اِس اشتہار کو یکطرفہ بد دُعا نہ سمجھا تھا:

دلیل یازدہم

مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود متعدد مقامات پر اِس اشتہار کو مباہلہ کا اشتہار لکھا ہے۔ بطور نمونہ حسب ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:-

(۱) "کرشن قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا۔"
(مرقع قادیانی جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸)

(۲) "مرزا جی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا۔"
(مرقع قادیانی دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳)

(۳) "وہ اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں چیخ اٹھا تھا کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے۔" (اہلحدیث ۱۹ جون ۱۹۰۸ء)

کیا اس قدر تصریح کے بعد بھی آج اس اشتہار کو اشتہار مباہلہ نہ ماننا دیانتداری کا خون کرنا نہیں ہے

بحث کرنا تم سے کیا حاصل اگر تم میں نہیں
رُوحِ انصاف و خدا ترسی جو ہے دیں کا شعار

دلیل دوازدہم ۱۲

اخبار اہلحدیث میں اشتہار ۱۵ اپریل پر بہت کچھ لکھنے کے بعد مولوی صاحب بطور خلاصہ اپنا جواب بایں الفاظ لکھتے ہیں:۔

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں، اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے۔" (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

یہ الفاظ کھلے طور پر اس بات کی دلیل ہیں کہ مولوی صاحب نے اسے دُعائے مباہلہ ہی سمجھا تھا۔ اور اسکی نامنظوری کو ہی علامت دانائی قرار دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے کفار مباہلہ سے گریز کر کے دانائی کا ثبوت دے چکے ہیں۔ کیونکہ مولوی صاحب اور اُن کے "دانا" قطعی طور پر جانتے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ سے مباہلہ کرنے کے بعد کاذب کی موت یقینی ہے۔ چنانچہ حضرت امام فخر الدین رازی ایک پرانے "دانا" عبد المسیح نصرانی کا قول نقل کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ:۔

"وَاللّٰہِ مَا بَاھَلَ قَوْمٌ نَبِیًّا قَطُّ فَعَاشَ کَبِیْرُھُمْ وَلَا نَبَتَ صَغِیْرُھُمْ۔"
یعنی بخدا کسی نبی سے کسی قوم نے مباہلہ نہیں کیا مگر اُن کے چھوٹے و بڑے تباہ ہو گئے۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۴۴)

بہر حال ان ایک درجن دلائل سے ثابت ہے کہ اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء دعائے مباہلہ کا اشتہار تھا۔ اب چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے بالمقابل بددعا نہ کی، بلکہ مباہلہ کرنا منظور نہ کیا۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پہلے وفات پانا اور مولوی ثناء اللہ کا زندہ رہ کر آخر ناکامی کی وفات پانا اگر کچھ ثابت کرتا ہے تو بس یہی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بروزِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے اور مولوی ثناء اللہ بقول خود مثیل مسیلمہ۔ ھل بعد ھذا الایضاح موضع شكٍّ ؟ كلّا !

مولوی ثناء اللہ صاحب کی لمبی زندگی

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اعجاز احمدی میں لکھا تھا :-

"اگر اِس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔" (اعجاز احمدی ص۳۷)

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مباہلہ نہ کرنے کی صورت میں مولوی صاحب کا زندہ رہنا ہی مقدر تھا۔ پس مباہلہ سے انکار کرکے بچ رہنا بذاتِ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حضورؑ کے الفاظ "ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔" (الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۵ء) میں بھی اشارہ تھا۔

علاوہ ازیں مولوی ثناء اللہ صاحب کے اپنے مسلّمہ معیار کے مطابق بھی اُن کی زندگی اُن کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ اہلحدیث میں لکھا ہے :-

"قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مُہلت ملتی ہے۔ سنو! مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا۔ (پ۱۶ ع۱) اور اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا (پ۴ ع۹) اور وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ۱ ع۲) وغیرہ آیات تمہارے اِس دجل کی تکذیب کرتی ہیں۔ اور سنو! بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (پ۱۷ ع۲) جن کے صاف یہی معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے، دغا باز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے، تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کرلیں۔" (اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء ص۴ حاشیہ)

---

[1] مولوی صاحب نے اپنے مضمون کے حاشیہ کے طور پر ان سطور کو نائب ایڈیٹر کی طرف سے شائع کیا ہے۔ اوّل تو یہ استدلال آیات قرآنیہ سے ہے۔ دوسرے اس معیار کے متعلق مولوی صاحب لکھ چکے ہیں "میں اسکو صحیح جانتا ہوں۔" (اہلحدیث ۳۱ر جولائی ۱۹۰۸ء) لہٰذا یہ معیار مولوی صاحب کو مندرجہ بالا الفاظ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ مولوی صاحب کہا کرتے ہیں کہ میں نے کہیں نہیں لکھا کہ "حرامزادہ کی رسّی دراز ہوتی ہے۔" لیکن الفاظ فوق اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مولوی صاحب کی موجودہ زندگی[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور مولوی ثناء اللہ کی بطالت پر بیّن دلیل ہے۔ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ اسی موقعہ پر ایک دوست نے کہا ہے ؎

کاذبوں کو عمر لمبی ملتی ہے تو نے لکھا ٭ کذب میں پکّا تھا اپنے اسلئے زندہ رہا

مَیں ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کا اشتہار ۱۵ اپریل دُعائے مباہلہ تھا، یکطرفہ دُعا نہ تھی۔ اسلئے مولوی ثناء اللہ صاحب مباہلہ سے انکار کر کے بچ گئے۔

اِس جگہ مَیں طالبانِ حق کے سامنے ایک اور طریق فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ اور وُہ یہ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کھلے اور واضح الفاظ میں (حسب عادت گول مول الفاظ میں نہیں) خدائے علیم وخبیر کو حاضر ناظر جان کر مندرجہ ذیل حلف اُٹھائیں۔ یعنی :۔

"اے علیم خدا مَیں تجھے حاضر ناظر جان کر تیرے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی کے اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء بعنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کو کبھی بھی، نہ اب نہ اس سے پہلے، اشتہارِ مباہلہ اور دُعائے مباہلہ نہیں سمجھا۔ بلکہ مَیں ہمیشہ سے ہی اس کو یکطرفہ قطعی دُعا سمجھتا رہا ہوں جس میں میری منظوری یا عدم منظوری کا کوئی دخل نہ تھا۔ اے شدید البطش اور ذو الانتقام خدا! اگر مَیں اِس قسم میں جھوٹا ہوں اور حق کو چھپانے والا۔ تو تُو مجھے ایک سال کے اندر اندر سخت عذاب میں مبتلا کر۔ آمین۔"

مَیں یقین رکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اِس حلف کیلئے تیار نہ ہونگے۔ لیکن اگر وُہ ایسا کر لیں اور سال بھر تک عذاب الٰہی کی گرفت سے بچ جائیں۔ تو ہم مان لیں گے کہ بیشک انہوں نے اس اشتہار کو دُعائے یکطرفہ ہی سمجھا تھا۔ ورنہ اب تو جیسا کہ مندرجہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے وہ صریح طور پر کذب بیانی اور مغالطہ دہی اختیار کر رہے ہیں اور اپنے سابقہ بیانات کے خلاف یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اشتہار یکطرفہ دُعا تھی۔ کیا مولوی صاحب اِس حلف کیلئے "جرأت" کرینگے[2]؟

---

[1] طبع ثانی کے وقت اُن کی ناکام موت بھی واقع ہو چکی ہے جو خود احمدیت کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔ (مؤلف)

[2] مولوی صاحب نے زندگی بھر اسکی جرأت نہیں کی۔ اب طبع دوم کے وقت تو وُہ فوت ہو گئے ہیں۔ (مؤلف)

ایک غلط استدلال کا جواب

مولوی ثناء اللہ صاحب اور اُن کے ہمنوا عام طور پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اس دُعائے مباہلہ (اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء) کے متعلق ہے۔ لہٰذا یہ دُعا منظور شدہ دُعا ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات (نعوذ باللہ) ان کے کذب کی دلیل ہے۔ اس استدلال کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ اشتہار ۱۵ اپریل دُعائے مباہلہ ہے، جیساکہ ثابت کیا جاچکا ہے، اس دُعائے مباہلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فرمانا انہی معنوں میں ہے جن معنوں میں آیت مباہلہ میں الفاظ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ہیں۔ یہ بھی خدا کا کلام ہے اور وہ بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ ان نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ دو، ہم ان جھوٹوں پر لعنت نازل کردینگے۔ حضور علیہ السّلام نے ان کو دعوت مباہلہ دی۔ اور اس یقین کے ساتھ دی کہ اگر یہ مباہلہ کرینگے تو ایک سال کے اندر اندر تباہ ہو جائیں گے۔ جیساکہ حضورؐ کے الفاظ لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى كُلِّهِمْ حَتّٰى يَهْلِكُوْا (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۵) سے ظاہر ہے۔ مگر نصاریٰ نجران نے مباہلہ سے انکار کردیا اسلئے وُہ بچ گئے۔ بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تحریک کی کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کردو۔ میں دُعا کو سُنتا ہوں یعنی اگر مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مباہلہ کیا تو وُہ ضرور پہلے مریگا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اسی یقین کے ساتھ دُعائے مباہلہ شائع کردی لیکن نصاریٰ نجران کی طرح اس جگہ بھی مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مباہلہ کرنے سے انکار کردیا اور فرار کی راہ اختیار کی اسلئے وہ بچ گیا۔ پس حضرتؑ کے اس الہام کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس وعدے کی تاکید فرمائی ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبل ازیں اپنے الفاظ میں لکھ چکے ہیں کہ:۔

> "اگر اس چیلنج پر وُہ (مولوی ثناء اللہ صاحب) مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے تو ضرور وُہ پہلے مریں گے۔"

پس الہام اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ سے بھی مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا استدلال غلط ہے۔

بدر ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء کا جواب حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا ذاتی ہے

مولوی ثناءاللہ صاحب اخبار بدر ۱۹۰۷ء سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں۔ مگر وہ جواب (دربارہ حقیقۃ الوحی) ایڈیٹر اخبار حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا ہے، حضرت اقدس کا جواب نہیں ہے۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت مفتی صاحب نے ذیل کا خط مجھے لکھا تھا جو تفہیمات ربانیہ کے پہلے ایڈیشن میں اسی وقت شائع ہو گیا تھا۔ وَھُوَ ھٰذَا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم * نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم بندہ مولوی اللہ دتا صاحب جالندھری مولوی فاضل۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے سوال کے جواب میں اتنا لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اخبار بدر مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء صہ۲ کالم نمبر اوّل میں جو نوٹ بعنوان "نقل خط بنام مولوی ثناءاللہ صاحب" شائع ہوا ہے۔ یہ مولوی ثناءاللہ امرتسری کے مطالبہ حقیقۃ الوحی کا جواب ہے جو مَیں نے خود لکھا تھا۔ اور یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدس علیہ السلام نے اسکے متعلق کوئی ہدایت نہ دی تھی۔ مَیں نے اپنی طرف سے جواب لکھ دیا تھا۔ اس بیان کی اشاعت مناسب ہے۔ تا کوئی شخص اس نوٹ کو حضرت کی طرف منسوب کرکے مغالطہ نہ دے سکے۔ والسلام۔ المرقوم۔ ار دسمبر ۱۹۳۰ء۔

خاکسار محمد صادق سابق ایڈیٹر اخبار بدر قادیان۔"

اس خط کا مضمون نہایت واضح ہے۔ خود مولوی ثناءاللہ صاحب نے بھی لکھا ہے:-

"کتاب حقیقۃ الوحی باوجود تحریری وعدے کے میرے پاس آج تک نہیں بھیجی۔ رجسٹری خط کے ذریعہ یاد دہانی کی تو جواب صاف آیا۔ جس پر آپ کے بے نور بدر کے ایڈیٹر نے کمال ایمانداری سے اپنا جواب تو شائع کر دیا۔ مگر میرے خط کا ذکر تک نہ کیا۔" (مرقع قادیانی امرتسر نومبر ۱۹۰۷ء صہ۲۲)

پس ہر صورت میں اخبار بدر ۱۳ جون کی عبارت جناب مفتی صاحب کے اپنے الفاظ ہیں حضرت اقدس کے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا وہ مفہوم لینا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصریحات بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے اپنے بیانات کے بھی خلاف ہے، درست نہیں۔ اور اگر اسی مفہوم پر اصرار ہے، تو جب اہلحدیث کسی صحابی بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی تفسیر تک کو نہیں مانتے (اہلحدیث ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء) تو جماعت احمدیہ پر اس خود ساختہ مفہوم کی بناء پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ بہر حال مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ عذر بھی تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا حلفیہ تحریری بیان

ایک اعتراض جو اس موقعہ پر مولوی صاحب کیا کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں لکھا ہو کہ اشتہار ۱۵ اپریل کو مباہلہ کہنا دھوکہ اور فریب ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ اشتہار دعائے مباہلہ نہ تھا۔

الجواب جواباً عرض ہو کہ مباہلہ کیلئے ضروری ہوتا ہو کہ فریقین بددعا کریں، مگر اسجگہ فریقین نے بددعا نہیں کی اسلئے مباہلہ واقع نہیں ہوا۔ اور آج مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب میرے ساتھ مباہلہ کے نتیجہ میں مجھ سے پہلے فوت ہو گئے، واقعی سراسر دھوکہ اور فریب ہے۔ کیونکہ جب مولوی صاحب نے بالمقابل بددعا ہی نہیں کی بلکہ اس طریق سے ہی انکار کر دیا، تو مباہلہ واقع نہ ہوا۔ ہاں اشتہار ۱۵ اپریل حضرت اقدس کی طرف سے دعائے مباہلہ ضرور تھا۔ اسی فرق کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ایک تحریری بیان کی نقل شائع کرتے ہیں جو حضور نے ۱۶ مارچ ۱۹۳۱ء کو تحریر فرما کر حافظ محمد حسن صاحب نائب ناظم انجمن اہلحدیث لاہور کے مطالبہ پر انہیں ارسال فرمایا اور وہ یہ ہے:۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کر شہادت دیتا ہوں۔ کہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر

مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر اس اعلان کے مطابق آتے۔ جو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خلاف ۱۹۰۷ء میں کیا تھا، تو وُہ ضرور ہلاک ہوتے۔ اور مجھے یہ یقین ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو مَیں نے مضمون لکھا تھا، اُس میں بھی لکھ چکا ہوں، کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے متعلق جو کچھ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا، وُہ دُعائے مباہلہ تھی۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اسکے مقابل پر دُعا نہیں کی، بلکہ اسکے مطابق فیصلہ چاہنے سے انکار کر دیا۔ وہ مباہلہ کی صورت میں تبدیل نہیں ہُوئی۔ اور مولوی صاحب عذاب سے ایک مُدّت کے لئے بچ گئے۔ میری اس تحریر کے شاہد میری کتاب "صادقوں کی روشنی" کے یہ فقرات ہیں "مگر جبکہ اسکے انکار مباہلہ سے وُہ عذاب اور طرح بدل گیا۔ تو اُس نے منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دُہرانا شروع کر دیا" نیز "اگر وُہ ایسا کرتا تو خداوند تعالیٰ اپنی قُدرت دکھاتا اور ثناء اللہ اپنی گندہ دہانیوں کا مزا چکھ لیتا" غرض میرا یہ ہمیشہ سے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا دُعائے مباہلہ تھی۔ لیکن بوجہ اسکے کہ مولوی صاحب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ وُہ دُعا، مباہلہ نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طریق کو بدل دیا۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی $\frac{۲}{۲۱}$ ۱۶"

پس مولوی ثناء اللہ صاحب کا آخری حیلہ بھی جاتا رہا۔ اور صاف کھُل گیا کہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بھی ۱۵ اپریل کے اشتہار کو دُعائے مباہلہ ہی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ایک اور عُذر کا جواب

مولوی ثناء اللہ صاحب کہہ دیا کرتے ہیں کہ مَیں نے جو اشتہار ۱۵ اپریل کو "مباہلہ کا اشتہار"، لکھا ہے تو یہ محض مرزا صاحب کے اس طریق پر ہے جس طرح انہوں نے مولوی غلام دستگیر قصوری کی یکطرفہ دُعا کو مباہلہ قرار دیا ہے۔ مولوی

ثناء اللہ کا یہ عذر لنگ عقلمندوں کی نظر میں مضحکہ خیز ہے بالخصوص اس لئے کہ مولوی صاحب نے ہماری طرف سے اُن پر اعتراض ہونے سے قبل انہوں نے کبھی یہ تصریح نہیں کی تھی، بلکہ ہمیشہ یہی لکھتے رہے کہ مباہلہ وُہ ہوتا ہے جس میں فریقین بالمقابل دُعا کریں۔ علاوہ ازیں غلام دستگیر کی دُعا کو یکطرفہ قرار دینے میں بھی مولوی صاحب کا مغالطہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وُہ بددُعا صحیح طور پر دُعاءِ مُباہلہ تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی کتاب انجام آتھم میں علماء کو دعوت مباہلہ دیتے ہوئے جن میں سے ستر ھویں نمبر پر غلام دستگیر قصوری کا نام بھی ہے صاف تحریر کر دیا تھا کہ :۔

"گواہ رہ۔ اے زمین! اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اُس شخص پر کہ اِس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے"۔ (انجام آتھم ص۶۷)

گویا حضرت کی طرف سے بددعا ہوگئی۔ بعد ازاں غلام دستگیر نے بھی اپنی کتاب فتح رحمانی ص۲۶-۲۷ مطبوعہ ۱۳۱۵ھ ہجری میں حضرت پر بددعا کی اور وہ ہلاک ہوگیا۔ پس غلام دستگیر کی ہلاکت مباہلہ سے ہوئی۔ لہذا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس اعتراض کا بخوبی قلع قمع ہوگیا جو مولوی صاحب اپنے آپکو زندہ بتا کر پیش کیا کرتے ہیں حقیقت یہی ہے کہ مولوی صاحب کی موجودہ زندگی احمدیت کا ایک نشان اور انکے لئے باعثِ حسرت ہے۔ خدا تعالےٰ چاہتا تھا کہ مولوی صاحب کو شجرِ احمدیت کی کامیابی دکھائے تا اسکی موت حسرت کی موت ہو جو دلائل کی موت کے بعد بہت بڑا عذاب ہے۔ سو اُس نے کافی مہلت دیکر یہ سارا نقشہ دکھا دیا۔ اے کاش کہ مولوی صاحب اب بھی نصیحت حاصل کریں' اور حق کو قبول کریں۔ وما علینا الا البلاغ ؎

مراد ما نصیحت بود و گفتیم ✤ حوالت با خدا کردیم و رفتیم

مولوی ثناء اللہ صاحب کی بے نیلِ مرام موت

شاعر نے درست کہا ہے ؎

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست
کہ عمرِ ما نیز جاودانی نیست

مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۵ / مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہو گئے ہیں۔ اب وہ مقابلہ جو زندگی بھر جاری رہا، وہ ختم ہو گیا۔ وُہ خداوند تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے پہنچ گئے ہیں اور ہم سب اپنے اپنے وقت پر اپنے ربّ کے حضور حاضر ہونے والے ہیں۔

دلائل و حقائق کی رُو سے سلسلۂ بحث جاری رہ سکتا ہے۔ بلا شبہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی وفات کے بعد چالیس برس کی لمبی مہلت پائی ہے اور اس عرصہ میں مولوی صاحب نے اپنا پُورا زور صرف کیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نابود ہو جائے۔ مگر دُنیا جانتی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے اس مقصد میں بالکل ناکام ہُوئے ہیں۔ ہم ذیل میں مولوی صاحب کی وفات اور اُن کی ناکامی کے تذکرہ کے لئے چند اہم اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حالاتِ وفات

(۱) مولوی عبد المجید صاحب سوہدروی اپنی کتاب سیرتِ ثنائی مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا مرحوم شہر کے مسلم رؤسا میں سے تھے، لاکھوں روپے کا سامان موجود تھا، ہزاروں روپے نقد، ہزارہا روپے کے زیورات صندوقوں میں بند تھے، ہزارہا روپیہ کا کتبخانہ تھا، پارچات کی کمی نہ تھی، مگر مولانا نے کسی چیز کو نگاہِ حسرت آمیز سے بھی نہیں دیکھا، نہ آپ کچھ اُٹھایا، نہ دُوسروں کو اُٹھانے دیا۔ اُس وقت صرف پچاس روپے آپکی جیب میں تھے اور معمولی کپڑے زیب بدن، اُسی حالت میں آپ معہ اہل وعیال مکان چھوڑ گئے، اور کسی دُوسری جگہ شب باش ہُوئے۔

آپ کا مکان کو چھوڑنا ہی تھا کہ بدمعاش لٹیرے، جو اِسی انتظار میں

گھات لگائے بیٹھے تھے، ٹوٹ پڑے، اور تمام سامان، نقدی، زیورات وغیرہ لوٹ کر لے گئے، اور اس لوٹ کھسوٹ کے بعد مکان کو بھی نذرِ آتش کر دیا۔

لٹیروں نے اسی پر بس نہ کی، بلکہ آپ کا وہ عزیز ترین کتبخانہ جس میں ہزارہا روپے کی نایاب وقیمتی کتابیں تھیں، اور جن کو آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جمع کیا، اور خریدا تھا، جلا کر خاک کر دیں۔ کتابوں کے جلنے کا صدمہ مولانا کو اکلوتے فرزند کی شہادت سے کم نہ تھا۔ یہ کتابیں حضرت کا سرمایۂ زندگی تھیں اور ان میں بعض تو اسقدر نایاب تھیں کہ انکا ملنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا تھا۔ یہ صدمۂ جانکاہ آپ کو آخری دم تک رہا، اور حقیقت میں آپ کی ناگہانی موت کا سبب یہ دو ہی صدمات تھے، ایک فرزند کی اچانک شہادت اور دوسرے بیش قیمت کتب کی سوختگی۔ چنانچہ یہ دونو صدمے تھوڑے عرصہ میں آپ کی جان لے کر رہے۔" (سیرت ثنائی صفحہ ۳۸۹، ۳۹۰)

(۲) اخبار الاعتصام لاہور لکھتا ہے:۔

"اگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر نہایت قیامتِ صغریٰ کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ فسادات کے ہلاکت خیز طوفانوں نے مولانا کی اقامت گاہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہر چند کہ وہ اپنے دیگر عزیزوں کے ہمراہ سلامتی سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا جوان اکلوتا بیٹا عطاء اللہ جس بری طرح ذبح کیا گیا اس نے ان کے قلب و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پاکستان میں تشریف لا کر مولانا کچھ عرصہ تک گوجرانوالہ میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے سرگودہا جا کر اقامت پذیر ہوئے اور وہیں چند ماہ کے بعد اپنے اللہ کے حضور تشریف لے گئے۔" (الاعتصام ۱۵ر جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۱)

سلسلہ احمدیہ کی ترقی اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی ناکامی کا اعتراف

لائل پور میں مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر المنبر (سابق المنیر) سلسلہ احمدیہ کے شدید معاند ہیں۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں کھلے بندوں اعتراف کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا، اُن میں سے اکثر تقویٰ۔ تعلق باللہ۔ دیانت۔ خلوص۔ علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی۔ مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولانا عبد الجبار غزنوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور دُوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسُوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہُوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔ اگرچہ یہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں کیلئے تکلیف دِہ ہونگے اور قادیانی اخبار اور رسائل چند دِن انہیں اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اِسکے باوجود اِس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہُوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔ تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہُوا وہاں انکا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ اور دُوسری جانب ۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اِس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔" (المنیر لائل پور ۲۳ / فروری ۱۹۵۶ء)

یہ گواہی ۱۹۵۶ء کی ہے اور آج ۱۹۶۴ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آٹھ سال کے بعد جماعت احمدیہ کا قدم بہت آگے ہے۔ اور دن بدن ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے پس مولوی ثناء اللہ صاحب کی وفات بے نَیلِ مَرام ہوئی۔ لہٰذا انکے محض چالیس سال بعد تک زندہ رہنے سے تو احمدیت کی صداقت اور بھی نمایاں ہُوئی ہے کاش لوگ غور اور تدبر سے کام لیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

فصل یازدھم

متفرق اہم سوالات کے جوابات

اِس فصل میں ہم اُن سوالات کے جواب درج کر رہے ہیں جن پر سابقہ فصول میں گفتگو نہیں ہو سکی۔ طبع ثانی کے وقت جو بعض نئے سوالات سامنے آئے ہیں ان کے جواب بھی شامل ہیں، تاہم حجم کی زیادتی کی وجہ سے اختصار کو مدّنظر رکھا گیا ہے۔

(۱) شعر اور نبوت

اعتراض۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی شاعر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یٰس ع ۵) کہ ہم نے نبی کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی اس کے مناسب ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحبؑ نے شعر کہے ہیں اسلیئے وہ نبی نہیں ہو سکتے۔

الجواب الاوّل۔ سورۂ یٰس میں ساری آیت یوں ہے:۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ (ع ۵) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی شعر اس کے مناسب حال تھا۔ یہ تو خالص نصیحت، باعثِ شرف کلام اور قرآن مبین ہے۔" آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن مجید کے شعر ہونے کی نفی ہے۔ کفار جو قرآن مجید کو شعر کہا کرتے تھے اس کی تردید کی گئی ہے۔ قریش رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیا کرتے تھے وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ (صافات ع ۲) اور کہتے

تھے کہ کیا ہم اِس دیوانہ شاعر کی وجہ سے اپنے بتوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقہ ع۲) کہ یہ قرآن مجید شاعر کا کلام نہیں۔ گویا نہ حضرت رسولِ پاک شاعر ہیں اور نہ ہی قرآن مجید شعر ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کو اصطلاحی معنوں میں کوئی جاہل سے جاہل عرب بھی شعر نہیں کہہ سکتا۔ قرآنِ پاک میں شعروں کی طرح اوزان اور بحور قطعاً نہیں ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب لوگ کن معنوں میں قرآن مجید کو شعر اور رسول مقبولؐ کو شاعر کہتے تھے؟ امام راغب اصفہانی اپنی مشہور لغت میں لفظ شعر کے نیچے لکھتے ہیں: اَلشِّعْرُ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكَذِبِ (المفردات للراغب) کہ شعر کا لفظ جھوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔" انہی معنوں میں عرب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور اسی مفہوم میں قرآنِ پاک کو شعر قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور نہ ہی قرآن مجید شعر ہے بلکہ آپؐ صادق و مصدوق ہیں اور قرآن مجید ذکر اور مقدس قانونِ شریعت ہے۔ آیت کریمہ میں قرآن مجید کے شعر ہونے کی نفی کرتے ہوئے اسے ذِكْرٌ قرار دیا گیا ہے نیز اسے قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ کہا گیا ہے۔ اس تقابل سے عیاں ہے کہ آیت میں شعر سے مراد کذب بیانی اور غلط گوئی ہے' اس کی نفی کی گئی اور یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ کوئی نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف شعر بمعنی جھوٹ منسوب کرنا خود افتراء ہے۔

الجواب الثانی - علم منطق میں شعریات اُن مقدمات اور قیاسات کو کہتے ہیں جو حقیقت پر مبنی نہ ہوں مگر مخاطب کے جذبات پر اثر انداز ہو جائیں۔ گویا ایک قسم کا مغالطہ دیکر غیر حقیقت کو حقیقت ثابت کرنے کا نام شعر ہوتا ہے جسے اُردو میں عموماً جذبات سے کھیلنا کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اِس بات سے پاک ہوتے ہیں اور ان کا لایا ہوا کلام اس قسم کے انداز سے سراسر مبرّا ہوتا ہے۔ ان کا کلام ذکر ہوتا ہے۔ اِن معنوں میں شعر نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔

مشہور منطقی عالم میر سیّد شریف لکھتے ہیں:-

"وَمَرْتَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَافِيْ اَنْ يَغْلَطَ وَ
تَعَالٰى مِنْ اَنْ يَخْلُطَ وَالشِّعْرُ وَاِنْ كَانَ مُفِيْدًا لِلْخَوَاصِّ
وَالْعَوَامِّ فَاِنَّ النَّاسَ فِيْ بَابِ الْاِقْدَامِ وَالْاِحْجَامِ اَطْوَعُ
لِلتَّخْيِيْلِ مِنْهُمْ لِلتَّصْدِيْقِ اِلَّا اَنَّ مَدَارَهٗ عَلَى الْاَكَاذِيْبِ
وَمِنْ ثَمَّةَ قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ فَلَا يَلِيْقُ بِالصَّادِقِ
الْمَصْدُوْقِ كَمَا يَشْهَدُ بِهٖ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ
وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ۔" (الحاشیۃ الکبریٰ علی شرح المطالع ص ۵)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ غلط بیانی کریں۔ یہ آپ کی شان کے منافی ہے۔ شعر اگرچہ عوام و خواص کے لئے مفید ہے کیونکہ لوگ آگے بڑھنے اور پسپا ہو جانے میں حقیقت کی نسبت تخیّل کے زیادہ تابع ہوتے ہیں مگر ایسے شعروں کا مدار جھوٹ پر ہوتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ بہترین شعر وہ ہے جو زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسا شعر صادق نبی کے شایاں نہیں جیسا کہ آیت وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ گواہی دیتی ہے۔"

یعنی آیت وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ میں شعر سے مراد پُر کذب شعر ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِن معنوں سے کوئی شعر نہیں کہا۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی نے شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

"جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اسی قسم کے برجستہ اور دلآویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سُنی تو جنہوں نے اس کو کلام الٰہی نہ مانا وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام

نہ تھا۔" (مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۷)

الجواب الثالث۔ اگر انسان غور کرے کہ شاعری ایک ملکہ ہے، ایک خداداد قابلیت ہے کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مذمّت کرتا ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس ملکہ کا بُرا استعمال ہی بُرا ہے ورنہ اچھے شعر کہنا مومن کی شان کے منافی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید نے اسے مومنوں کے لئے خدمتِ دین اور کفار سے بدلہ لینے کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ فرمایا:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ (الشعراء ع ۱۱)

ترجمہ۔ ہاں وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو مومن ہیں، اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں، ذکرِ الٰہی کرتے رہتے ہیں اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیتے ہیں۔"

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً کہ بعض شعر حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقفّٰی عبارت منافی نبوّت نہیں۔ چنانچہ خود سرورِ کائنات سے بھی بعض روایات میں بعض موزوں اور مقفّٰی عبارتیں مروی ہیں مثلاً

اِنْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ ✤ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

یہ فقرہ آپؐ نے اپنی زخمی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ (بخاری کتاب المغازی)

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق ✤ اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

(۲) حقیقتِ معراج

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے:۔

"جمہور اسلام معراج جسمانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ ..... مرزا صاحب کا معراج جسمانی سے انکار خاص طور پر اس وجہ سے ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی آسمانی زندگی سے انکاری ہیں۔ اگر معراج جسمانی کو مان لیتے تو حیات و رفع حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ان کو قائل ہونا پڑتا۔" (عشرہ صفحہ ۹)

الجواب[1]۔ معراج کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے۔ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے۔"

(ازالہ اوہام طبع سوم ص۲ حاشیہ)

گویا ہم معراج کو بیداری کا واقعہ مانتے ہیں اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی وجود اس سیر کے لئے گیا۔ ہاں جسم خاکی اسی زمین پر رہا۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اُمّتِ اسلامیہ کے ایک معتد بہ گروہ کا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، لکھا ہے:۔

"عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہؐ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نہایت اصرار سے اس کے مخالف تھیں، امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔" (سیرۃ النعمان مصنفہ شبلی جلد۲ ص۱۲)

الجواب[2]۔ معترض پٹیالوی نے اپنی "جمہوریت" کے لئے زاد المعاد کا حوالہ دیا ہے۔ زاد المعاد میں لکھا ہے:۔

"وَقَدْ نَقَلَ ابْنُ اِسْحٰقَ عَنْ عَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ اَنَّهُمَا قَالَا اِنَّمَا كَانَ الْاِسْرَاءُ بِرُوْحِهٖ وَلَمْ يُفْقَدْ جَسَدُهٗ وَنُقِلَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ نَحْوُ ذَالِكَ وَلٰكِنْ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعْلَمَ الْفَرْقُ بَيْنَ اَنْ يُّقَالَ كَانَ الْاِسْرَاءُ مَنَامًا وَبَيْنَ اَنْ يُّقَالَ كَانَ بِرُوْحِهٖ دُوْنَ جَسَدِهٖ وَبَيْنَهُمَا فَرْقٌ عَظِيْمٌ وَعَائِشَةُ وَمُعَاوِيَةُ لَمْ يَقُوْلَا كَانَ مَنَامًا وَاِنَّمَا قَالَا اُسْرِيَ بِرُوْحِهٖ وَلَمْ يُفْقَدْ جَسَدُهٗ وَفَرْقٌ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ فَاِنَّ مَا يَرَاهُ النَّائِمُ قَدْ يَكُوْنُ اَمْثَالًا مَضْرُوْبَةً لِلْمَعْلُوْمِ فِي الصُّوَرِ الْمَحْسُوْسَةِ فَيَرٰى كَاَنَّهٗ قَدْ عُرِجَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ اَوْ ذُهِبَ

بِهٖ إِلَى مَكَّةَ وَأَقْطَارِ الْأَرْضِ وَرُوْحُهٗ لَمْ تَصْعَدْ وَلَمْ تَذْهَبْ
وَإِنَّمَا مَلَكُ الرُّؤْيَا ضَرَبَ لَهُ الْمِثَالَ وَالَّذِيْنَ قَالُوْا عُرِجَ
بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَائِفَتَانِ طَائِفَةٌ قَالَتْ عُرِجَ
بِرُوْحِهٖ وَبَدَنِهٖ وَطَائِفَةٌ قَالَتْ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ وَلَمْ يُفْقَدْ بَدَنُهٗ
وَهٰؤُلَاءِ لَمْ يُرِيْدُوْا أَنَّ الْمِعْرَاجَ كَانَ مَنَامًا وَإِنَّمَا أَرَادُوْا
أَنَّ الرُّوْحَ ذَاتَهَا أُسْرِيَ بِهَا وَعُرِجَ بِهَا حَقِيْقَةً وَبَاشَرَتْ مِنْ جِنْسِ
مَا تُبَاشِرُ بَعْدَ الْمُفَارَقَةِ وَكَانَ حَالُهَا فِيْ ذٰلِكَ كَحَالِهَا بَعْدَ
الْمُفَارَقَةِ فِيْ صُعُوْدِهَا إِلَى السَّمٰوَاتِ سَمَاءً سَمَاءً حَتّٰى يُنْتَهٰى
بِهَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَتَقِفَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَأْمُرُ
فِيْهَا بِمَا يَشَاءُ ثُمَّ تَنْزِلُ إِلَى الْأَرْضِ فَالَّذِيْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ أَكْمَلُ مِمَّا يَحْصُلُ لِلرُّوْحِ
عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ وَمَعْلُوْمٌ أَنَّ هٰذَا أَمْرٌ فَوْقَ مَا يَرَاهُ النَّائِمُ لٰكِنْ
لَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَقَامِ خَرْقِ الْعَوَائِدِ
حَتّٰى شُقَّ بَطْنُهٗ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَتَأَلَّمُ بِذٰلِكَ عُرِجَ بِذَاتِ رُوْحِهِ
الْمُقَدَّسَةِ حَقِيْقَةً مِنْ غَيْرِ إِمَاتَةٍ وَمَنْ سِوَاهُ لَا يَنَالُ بِذَاتِ
رُوْحِهِ الصُّعُوْدَ إِلَى السَّمَاءِ إِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُفَارَقَةِ فَالْأَنْبِيَاءُ
إِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ أَرْوَاحُهُمْ هُنَاكَ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْأَبْدَانِ"

(زاد المعاد جلد اول صـ ۳۰۲ مطبع نظامی کانپور)

ترجمہ: ابن اسحاق مؤرخ نے حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے
کہ آنحضرتؐ کا اسراء روح کے ساتھ ہوا تھا اور حضورؐ کا جسم گم نہ ہوا تھا (بلکہ اپنی
جگہ پر موجود تھا) حضرت حسن بصری سے بھی ایسا ہی منقول ہے لیکن چاہیئے کہ اسراء
کے منامی اور بالروح ہونے میں فرق سمجھ لیا جاوے کیونکہ ان دونوں میں بڑا فرق
ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ نے اسراء کو خواب نہیں کہا صرف یہ کہا کہ

کہ وہ آنحضرتؐ کی رُوح کے ساتھ ہوا تھا۔ ان دونوں میں فرق یوں ہے کہ خُفتہ انسان محسوس صورتوں کی امثال دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ مَیں آسمان پر یا مکہ لیجایا گیا ہوں یا زمین کے کناروں پر پہنچایا گیا ہوں لیکن اس کی روح نہ اٹھائی گئی ہوتی ہے اور نہ کہیں جاتی ہے، صرف خواب کا فرشتہ وہ مثال پیدا کر دیتا ہے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے عروج کے قائل ہیں ان کے دو گروہ ہیں (۱) ایک جماعت اسے رُوح اور جسم کے ساتھ مانتی ہے (۲) دوسری جماعت اسے صرف رُوح کے ساتھ مانتی ہے۔ مؤخر الذکر جماعت کا یہ مدعا نہیں کہ معراج خواب ہے، ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضورؐ کی روح کو حقیقۃً اٹھایا گیا تھا اور اُسے وہی حالات پیش آئے تھے جو جسم چھوڑنے کے بعد آتے ہیں، اسی حالت میں وہ آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھ گئی، یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے متعلق حکم کیا اور وہ پھر زمین پر واپس آگئی۔ پس اسراء کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ہُوا وہ انتہائی حالت کا ہے، وہ سونے والے کی خواب سے بدرجہا بالا تر ہے کیونکہ حضورؐ کی اسی حالت میں خارق عادت امور ظاہر ہوئے۔ آپؐ زندہ تھے آپؐ کا بطن مبارک چیرا گیا مگر آپؐ کو درد محسوس نہ ہوئی پس حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مقدس ہی اٹھائی گئی تھی اور یہ واقعہ بغیر مرنے کے ہُوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی انسان ایسا نہیں کہ اس کی روح بغیر موت آسمان پر جا سکے۔ نبیوں کی روحیں بھی آسمان پر جسموں کو چھوڑ دینے کے بعد قرار گیر ہوئی ہیں۔"

ناظرین کرام! اس طویل اقتباس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے ایک عظیم الشان گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو **بیداری کا کشف** قرار دیا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ ہاں اس اقتباس کے آخری فقرات سے ظاہر ہے کہ جتنے بھی نبی آسمان پر مقیم ہیں وہ سب بعد موت ہی وہاں ہیں۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ معراج کی رات حضور علیہ السلام نے مسیح کو بھی حضرت یحییٰؑ کے ساتھ دوسرے آسمان پر دیکھا تھا۔

معترض نے کہا ہے کہ محض موت عیسیٰؑ کے لئے احمدی جسمانی معراج کے منکر ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ کیا حضرت عائشہؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسن بصری کے سامنے بھی قائلینِ حیاتِ مسیحؑ تھے جو انہوں نے ایسا عقیدہ ظاہر کیا؟ ہرگز نہیں! پس یہ استلزام باطل ہے۔ جسمانی معراج اور مسیحؑ کے دو ہزار برس آسمان پر زندہ رہنے میں کوئی تلازم نہیں۔ بھلا اگر جسمانی معراج جس کا عرصہ صرف ایک شب ہے آنحضرتؐ کی افضلیت کی دلیل ہے تو پھر مسیحؑ کا اتنا عرصہ جسم سمیت آسمانوں پر بیٹھے رہنا کیوں اُن کی افضلیت علی الانبیاء کی دلیل نہ ہوگا؟۔ اسلام کے یہ نادان دوست ہر رنگ میں اسلام سے دشمنی کر رہے ہیں۔

(۳) یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ

منشی محمد یعقوب صاحب نے ابن جوزی کی اس روایت کو پیش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی نیز اُن کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن ہونے کا ذکر کیا ہے ہم اس جگہ اس روایت کے متعلق تفصیلی نقد و تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے صرف اتنا بتانا ضروری ہے کہ اس کے ظاہری معنے ہرگز ہرگز درست نہیں لفظ نزول یا نزول الی الارض جسمِ خاکی سمیت آسمان سے اُترنے کو مستلزم نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ (الطلاق ع ۲) کہ ہم نے اس رسولؐ کو جو تم پر آیات اللہ کی تلاوت کرتا ہے نازل کیا ہے" آیت میں لفظ نزول بھی ہے اور اہل الدنیا کو مخاطب کر کے اِلَیْکُمْ بھی موجود ہے مگر پھر بھی آپؐ کا آسمان سے جسمِ خاکی کے ساتھ آنا مراد نہیں۔ یہی حال اس حدیث کے لفظ نزول کا ہے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کو ہی تعظیماً اور اکراماً نزول کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ہر نبی اپنی ماموریت سے پیشتر دنیا سے منقطع ہو کر بلحاظِ قربِ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے ہدایتِ خلق کے لئے بھیجتا ہے پس یہ بھیجنا ہی نزول کہلاتا ہے۔ ورنہ جس شخص کی وفات پر قرآنی نصوص قطعیۃ الدلالت ہوں اس کا آسمان سے بجسدہ العنصری آنا چہ معنی دارد؟

اس حدیث کا جملہ یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ بھی اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں ہو سکتا۔

ورنہ حسب ذیل خرابیاں لازم آئیں گی۔

اوّل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو چاک کر کے مسیح کو وہاں دفن کرنا ہوگا حالانکہ کوئی غیور مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کہو کہ اگرچہ لغت میں قبر بمعنی مقبرہ نہیں آتا مقبرہ تو موضع القبور کو کہتے ہیں لیکن ہم تاویلاً اس قبر سے مراد مقبرہ لیتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی ہمارا یہ دعویٰ ثابت ہے کہ اس فقرہ کے معنی بجز تاویل درست نہیں ہو سکتے۔ اور جب تم قبر کے معنوں میں تاویل کر سکتے ہو تو دوسرا شخص بھی قبر سے روحانی قبر مراد لے سکتا ہے۔

دوم۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) میری ہی یہ خصوصیت ہے کہ نشور کے وقت سب سے پہلے میری قبر کھولی جائیگی" اگر مسیح بھی ساتھ ہوں تو یہ خصوصیت باطل ہو جائے گی۔

سوم۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رؤیا میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ رَأَیْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حُجْرَتِیْ۔ الحدیث (مؤطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مصری) اور وہ تینوں چاند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس جگہ مدفون ہو چکے۔ اب اگر حضرت مسیحؑ بھی وہاں دفن ہوں تو حضرت عائشہؓ کی رؤیا میں خلل پیدا ہوگا

اب جب اِس حدیث کے ظاہری معنے مراد نہیں ہو سکتے تو لازماً اس کے روحانی معنے ہوں گے۔ اندریں صورت اِس جگہ برزخی قبر مراد ہوگی۔ کیونکہ ایک روحانی قبر بھی ہوتی ہے جیسا کہ ترمذی کی حدیث اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ سے ثابت ہے اور ایسا ہی آیت ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (العبس) کا بھی صریح منشاء ہے کہ ہر شخص کی قبر اللہ بناتا ہے" حالانکہ بہت سے لوگ نذرِ آتش ہو جاتے ہیں یا درندے ان کو کھا جاتے ہیں کیا ان کی قبر نہیں؟ ضرور ہے۔ اگر برزخی قبر نہ مانی جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عذابِ قبر محض مسلمانوں کے لئے ہے۔ الغرض ہر انسان کی اس کے مرنے کے بعد ایک روحانی قبر ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ نے مسیح موعودؑ کے اسی قبر میں ساتھ دفن ہونے کا ذکر فرمایا ہے تا لوگ سمجھیں کہ یہ موعود آنحضرتؐ سے الگ نہیں بلکہ ان کا ہی ظلّ ہے۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے ہمارے حضرتؑ نے فرمایا ہے:-

سَاَدْخُلُ مِنْ عِشْقِیْ بِرَوْضَۃِ قَبْرِہٖ ٭ وَمَا تَعْلَمُ ھٰذَا السِّرَّ یَا تَارِکَ الْھُدٰی

(القصائد صفحہ ۳)

کہ میں اپنے عشق نبویؐ کے باعث حضورؐ کی برزخی قبر میں حضورؐ کے ساتھ ہوں گا۔ اے ہدایت کے ترک کرنے والے تو اس بھید کو نہیں جانتا"۔

(۴) کیا نبی کا نام مفرد ہونا لازمی ہے؟

اعتراض - ہر نبی کا نام مفرد ہوتا رہا ہے کسی کا مرکب نام نہ تھا۔ مرزا صاحب کا نام مرکب ہے یعنی غلام احمد اسلئے آپ نبی نہیں ہو سکتے۔

الجواب ۱ - نبی کا نام مفرد ہونا چاہیئے کا قانون قرآن مجید یا کسی حدیث میں ہے؟ ہرگز کہیں نہیں۔ پس یہ معیار خود ساختہ ہے یا بالفاظِ دیگر قرآن مجید پر تقدم ہے۔ معیار وہ ہوتا ہے جسے خدا یا اس کا رسولؐ بیان کرے۔ یہ تو محض حضرت مسیح موعودؑ کی معاندت میں تراشا ہُوا معیار ہے۔

۲ - نبی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان سب کے نام مفرد ہی تھے کسی کا نام مرکب نہ تھا۔

۳ - حضرت اسمٰعیلؑ کا نام مرکب ہے۔ دراصل سمع ایل دو الگ الگ لفظ ہیں۔ جن کے معنے ہیں "خدا نے سن لی"۔ ابراہیم نام مرکب ہے جس کے معنے "نیک لوگوں کا باپ" ہے۔ ذوالکفل صریح مرکب ہے۔ ایسا ہی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تولدِ فرزند کی بشارت دی تو ساتھ ہی بتایا اِسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ (آل عمران ع۵) کہ اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ اب یہ نام چار لفظوں سے مرکب بتایا ہے۔ اور یہ نام بھی خدا نے رکھا ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے اس تراشیدہ قاعدہ کے ماتحت حضرت عیسیٰؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی نبوّت کا بھی انکار کر دیا جائے ؟

۴ - حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا نام بھی ایک لحاظ سے مفرد ہی ہے۔ کیونکہ غلام کا لفظ تو خاندان کے ناموں میں مشترک جزو ہے حضورؑ کا امتیازی نام احمد ہی ہے۔ الہامات میں آپؑ کو یا احمد کہہ کر خطاب کیا گیا ہے پس یہ اعتراض سراسر غلط ہے۔

(۵) نبی کے وجود سے بدشگونی لینے کا وطیرہ

معترض پٹیالوی نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود با جود کو منحوس قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی بعثت پر بنی اسرائیل نے کہا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (اعراف ع) کہ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم پر مشکلات تھیں اور تیرے بعد بھی وہی حال ہے۔ اہلِ انطاکیہ نے مرسلین کے پیغام پر جواب دیا تھا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یٰس ع) کہ ہم تو تمہارے وجود کو نہایت منحوس خیال کرتے ہیں۔ اگر تم اس دعویٰ سے باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور سخت دُکھ دیں گے۔" قریباً ہر صادق کے متعلق قوم نے اسی طرح بدشگونی لی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی معترض پٹیالوی کا یہ رویہ انوکھا نہیں ہے۔ پس اس اعتراض کا جو جواب مرسلین انطاکیہ نے دیا تھا وہی ہم دیتے ہیں کہ تمہاری یہ بدحالی اور تباہی خود تمہارے اپنے اعمال کے باعث ہے طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۞ (یٰس ع)

مَیں سمجھتا ہوں کہ اس اعتراض میں منکرینِ انبیاء ایک حد تک معذور بھی ہوتے ہیں کیونکہ نبی کی بعثت کے بعد حسب آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل ع) عذابوں کا آنا ضروری ہے اور جب تک دنیا رجوع نہ کرے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسلئے نادان اپنی شامتِ اعمال کو نبی کے سر تھوپ دیتے ہیں حالانکہ وہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے علاج کے لئے آتے ہیں۔ حضرتؑ نے خوب فرمایا ہے ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ٭ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

نیز نبیوں کو ایک جماعت بنانی ہوتی ہے، نادان اس کو لوگوں میں تفرقہ اندازی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ مصلحین کی ایک جماعت تیار کرتے ہیں اور ماہر ڈاکٹر کی طرح اُن لوگوں کو جو گندے عضو سے مشابہ ہوتے ہیں کاٹ دیتے ہیں۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کفارِ مکّہ نے یہی الزام رکھا تھا کہ اس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعہ سے یہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی تک میں تفرقہ اندازی کر رہا ہے۔ (النبراس حاشیہ ص۴۳۷) یہی اعتراض آج غیر احمدی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کرتے ہیں۔ ہر دو جگہ یہ اعتراض غلط ہے۔

(۶) مدعیٔ نبوّت کے ساتھ چند اہلِ علم

معترض پٹیالوی حضرت مولانا نور الدین اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا ہُوا لکھتا ہے کہ کاذب مدعیان کو ہمیشہ ہی چند اہلِ علم اپنے ساتھ ملانے پڑتے ہیں۔

الجواب - اوّل تو یہ اعتراض بعینہٖ وہی ہے جو نادان عیسائی اور آریہ حضرت صدیق اکبرؓ کی رفاقتِ نبویؐ پر کیا کرتے ہیں۔ دوسرے میں کہتا ہوں کہ معترض نے اس صورتِ حال کو کاذبین کی علامت بتا کر قرآن مجید کی آیت اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء ع) پر ناپاک حملہ کیا ہے۔ خداوند تعالےٰ تو اس آیت میں اہلِ علم کے ایمان لانے اور جاننے کو اس نبی کی صداقت کی دلیل بتاتا ہے۔ چنانچہ اس میں حضرت عبداللہ بن سلام کی طرف بھی اشارہ ہے جیسا کہ مفسّرین نے لکھا ہے لیکن معترض پٹیالوی عنادِ احمدیت کے باعث اسے دلیلِ کذب بتلاتا ہے۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

(۷) حضرتؑ کی وفات لاہور میں

معترض پٹیالوی نے متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ مرزا صاحب غریب الوطنی کی حالت میں لاہور میں فوت ہوئے اور اُس وقت اہلِ لاہور نے ہُلّڑ مچایا۔ الخ (عشرہ ص وغیرہ)

ہم اس کم علم معترض کو بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں اور الہامات کے مطابق حضورؑ کا لاہور میں وفات پانا تو آپؑ کی صداقت کی دلیل ہے۔ باقی لاہور کے بعض بد طینت لوگوں کی ہُلّڑ بازی ان کی بد تہذیبی کا مظہر ہے اس سے حضرت پر کیا اعتراض؟ مولوی ثناء اللہ نے بھی لکھا ہے:-

"بے شک کافروں اور حق کے مخالفوں سے حضرات انبیاء اور اولیاء علیہم السلام

سخت سے سخت بدکلامیاں، گالیاں اور بدزبانیاں سُنتے رہے۔" (الہامات ۱۲۰)

سچ ہے سہ

نہ ہوا ہے وقر ترکِ سجدۂ ابلیس سے آدم ؎ عدو کی سرکشی سے ذوق کب رُتبہ ہو کم میرا

ہاں مسافرانہ وفات تو خود اسلام میں شہادت کا حکم رکھتی ہے۔

(۸) محمد حسین بٹالوی کی ذلت کے لئے تاریخ

معترض پٹیالوی نے لکھا ہے :۔

"صفائی یہ ہے کہ حقیقۃ الوحی ص۲۳۱ پر لکھتے ہیں کہ مولوی محمد حسین اور ان کے ساتھیوں کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہ تھی۔ اس کذب بیانی کی بھی کوئی حد ہے؟" (عشرہ ص۹۶)

الجواب ۔ اس اعتراض میں بھی منشی صاحب نے دھوکہ سے کام لیا ہے۔ ہم حقیقۃ الوحی کے اصل الفاظ درج ذیل کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"جو کچھ مولوی محمد حسین اور ان کے رفقاء کی نسبت پیشگوئی خدا تعالیٰ کے الہام میں لکھی گئی تھی اس کی نسبت کوئی تاریخ مقرر نہ تھی صرف میری دعا میں اپنے الفاظ تھے۔ الہامی الفاظ نہ تھے اور صرف میری طرف سے دعا تھی کہ اتنی مدت میں ایسا ہو۔ سو خداوند تعالیٰ اپنی وحی کا پابند ہوتا ہے اس پر یہ فرض نہیں ہے کہ جو اپنی طرف سے التجا کی جائے بعینہٖ اس کو ملحوظ رکھے۔"

(حقیقۃ الوحی ص۲۳۱)

گویا حضرتؑ نے اپنی دعا میں ان کی ذلت کے لئے تین سال کی حد بندی کی تھی لیکن الفاظ الہام میں ایسی تاریخ کا تقرر نہیں اور وہ الہام اشتہار ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء میں عربی زبان میں طبع شدہ ہے۔ اس طرح گویا نہ صرف ان تین برس کے عرصہ تک مولوی محمد حسین کی ذلتیں حضرتؑ کی صداقت کا ثبوت ہیں بلکہ تا حیات ہر ذلت اس الہام کے تحت آسکتی ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں؟ یقیناً ہے پھر اس کو کذب بیانی قرار دینا کھلی بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے۔

(۹) کیا نبی اَن پڑھ ہوتا ہے؟

اعتراض ۔ نبی وہ ہوتا ہے جو کسی استاد سے کچھ نہ سیکھے۔ چونکہ مرزا صاحب نے بعض لوگوں سے

فارسی یا منطق کی چند کتابیں پڑھی ہیں اسلیئے وہ نبی نہیں ہوسکتے۔

الجواب[1] ۔ یہ معیار قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ماخوذ نہیں اسلئے قابلِ تسلیم نہیں۔

نمبر ۲ ۔ نہ سیکھنے سے اگر تو وہ امور مراد ہیں جو اُس کی نبوّت یا روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں تو درست ہے۔ اگر دنیاوی علم مراد ہو تو اس کا اس کے دعویٰ نبوّت سے عقلاً یا نقلاً کیا تعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ یہی بات زیادہ مناسب ہے کہ نبی اور مامور جس بات یعنی روحانیت کا دعویدار ہو اس میں اس کا کوئی ظاہری استاد نہ ہو اسی مفہوم کے پیشِ نظر حضرت فرماتے ہیں ؎

دِگر استاد را نامے ندانم ٭ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

نیز تحریر فرمایا :۔

"یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اس اپنے بندہ کا نام ابن مریم رکھا کیونکہ اس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا تو مُنہ دیکھا جس کے ذریعہ سے اس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوئی۔ تب وہ وجود روحانی پاکر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دیکر اپنی طرف اٹھالیا۔ اور پھر ایمان اور عرفان کے ذریعہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنسان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن اور آباد کرنے کے فکر میں لگ گیا پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کرسکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے۔ پھر اگر یہ ابن مریم

[1] قرآن مجید میں خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الامی قرار دیا گیا ہے کہ آپ ان پڑھ ہیں پس معلوم ہوا کہ باقی نبی ان پڑھ نہ تھے ورنہ یہ خصوصیت نہیں رہتی۔ (مؤلف)

نہیں تو کون ہے؟" (ازالہ اوہام ص۲۶۹ طبع سوم)

۳۔ پھر اگر مطلق تعلیم ہی منافیٔ نبوت ہے تو یہود کی اس تاریخی روایت کا کیا جواب ہے جہاں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے ایک استاد سے سبقاً سبقاً تورات پڑھی تھی؟ نیز قرآن مجید سورۃ الکہف ع۹ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کا قصہ مذکور ہے حضرت موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کی پیروی کرتا ہوں۔ ھَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ تک اسی کام میں اسی راہ پر کاربند رہے۔

ان سب سے بڑھ کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق حوالہ ہے۔ صحیح بخاری میں قبیلہ جرہم کا ذکر ہے:۔

"اِذَا كَانَ بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ وَاَنْفَسَهُمْ وَاَعْجَبَهُمْ حِيْنَ شَبَّ فَلَمَّا اَدْرَكَ زَوَّجُوْهُ امْرَاَةً مِنْهُمْ (بخاری جلد۲ ۔ باب یزفون النسلان فی المشی)

کہ قبیلہ جرہم کے کچھ گھر آبِ زمزم پر آباد ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل ان میں جوان ہوئے اور انہوں نے اُن سے ہی عربی سیکھی۔ وہ اُن لوگوں کو بہت مرغوب خاطر تھے اسلئے جب وہ بالغ ہو گئے تو انہوں نے اپنے میں سے ایک لڑکی کا ان سے نکاح کر دیا۔"

اس میں صاف ذکر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے قبیلہ جرہم سے عربی سیکھی تھی۔ گویا تعلیم و تعلّم اور معلّم کی بھی واضح تصریح ہے۔ کیا اب حضرت اسمٰعیلؑ کی نبوت سے بھی انکار کرو گے؟

؎ نیک ظن کرنا طریقِ صالحانِ قوم ہے ٭ لیک سو پردے میں ہوں ان سے نہیں ہوں آشکار

(مسیح موعودؑ)

(۱۰) منکرینِ مسیح موعودؑ کے کفر کا سوال

سوال۔ مرزا صاحب نے آکر مسلمانوں کو کافر بنا دیا۔ کیا مرزا صاحب کو ماننے کے بغیر اسلام نامکمل ہے؟ (عشرہ)

الجواب ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو کسی کو کافر نہیں بنایا ۔ جو لوگ خود کافر بن گئے وہی کافر ہیں مسلمان کہلانے والوں کی حالت کے متعلق ہم گزشتہ فصلوں میں حوالجات درج کر چکے ہیں ۔ رسالہ "آسمانی کڑاک" کے دیباچہ میں بھی لکھا ہے :۔

"آج دین و مذہب مصائب کے نرغے میں ہے ، گلشنِ اسلام پامالِ خزاں ہونے کو ہے ۔ دنیاوی ابتلا ء کا سلسلہ ، منازل ترقی پر ہے ، مسلمان صعوبتوں اور کلفتوں کے آماجگاہ بنے ہوئے اطمینان و طمانیتِ قلبی سے محروم پڑے ہیں ، حوادث و سوانح ، مصائب و آلام کے ہدف بنے ہوئے ہیں ۔ دنیا ان کے تباہ و برباد ، نیست و نابود کرنے میں ساعی و کوشاں ہے ۔ ان کی مخالفت ، معاندت ، اور مخاصمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی ۔ غرضیکہ ہر سمت ، ہر جہت ، ہر طرف سے ان پر مصائب کے ابر ٹوٹ پڑے ہیں .... مصائب و آلام مذہب سن کر ان (مسلمانوں) کے قلوب بے قرار اور ان کی چشم اشکبار نہیں ہوتیں ۔ کمالِ اسلام کا زوال ، اور نورِ اسلام کا انقطاع ہوتا ہے مگر یہ آنکھ نہیں کھولتے ، ان کی جیتوں نہیں بگڑتی اور ان کے تیور میلے نہیں ہوتے ۔ سہ

وائے بر ما وائے بر حالِ ما ✲ کفر دارد عار بر اسلامِ ما

(کڑاک آسمانی صلہ)

جب حالات یہ ہیں کہ کفر بھی اس اسلام سے عار کرتا ہے تو پھر حضرت پر کیا الزام ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو کافر قرار دیدیا ہے ؟ کیا تم حالات پر غور نہیں کرتے ، کیا یہ زمانہ پکار پکار کر ایک مصلح کو نہیں چاہتا ؟ دینِ اسلام بے شک مکمل ہے لیکن مسلمان کہلانے والے اس کو مکمل صورت میں پیش نہیں کر رہے ۔ اسلئے ضرورت ہے کہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جو اس زمانہ میں خدا کا قرنا ہیں ایمان لا دیں اور اسلام کی اصل صورت کو ملاحظہ کریں ۔ غور کرو کہ اگر آج ایک نام نہاد مسلمان شخص کہے کہ میں سب کچھ مانتا ہوں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نہیں مانتا تو کیا تم اس کو حقیقی مسلمان کہو گے ؟ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ کو نبی قرار دیا ہے اور قرآن مجید ہی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت ہے

اس لیئے ان کا ماننا بھی قرآن کے ماننے میں شامل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی بشارت دی اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے میں مسیح موعود کے ظاہر ہونے پر مسیح موعودؑ کا ماننا بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتؑ کے لئے نشانات و معجزات دکھلائے اسلیئے خدا تعالیٰ پر ایمان کے ضمن میں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔ دراصل حضرت مرزا صاحب پر ایمان لانے کو ضروری ماننے سے اسلام میں نقص لازم نہیں آتا بلکہ اس کی خوبی نمایاں ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسا زندہ مذہب ہے جو ہر زمانہ میں اپنا پھل دیتا ہے۔

یوں حضرت مرزا صاحب نبی ہیں۔ ایک نبی کا انکار درحقیقت سب انبیاء کا انکار ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں زیر آیت كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ لکھا ہے:-

" فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ قَالَ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِنَّمَا هُوَ رَسُوْلٌ وَاحِدٌ وَكَذَالِكَ بَاقِي الْقِصَصِ قُلْتُ لِأَنَّ دِيْنَ الرُّسُلِ وَاحِدٌ وَإِنَّ الْآخِرَ مِنْهُمْ جَاءَ بِمَا جَاءَ بِهِ الْأَوَّلُ فَمَنْ كَذَّبَ وَاحِدًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَذَّبَ جَمِيْعَهُمْ " (خازن جلد ۳ صفحہ ۳۲۵)

کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ نوحؑ کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ انہوں نے نوحؑ کو جھٹلایا تھا اور وہ ایک رسول تھا۔ ایسا ہی قرآن مجید کے باقی نبیوں کے بیان میں بھی اسی طرح مذکور ہے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ تمام نبیوں کا دین ایک ہی ہے۔ ان میں سے بعد میں آنے والا بھی وہی پیغام اور مشن لیکر آتا ہے جو پہلے کا تھا۔ پس نبیوں میں سے کسی ایک کو جھٹلانے والا درحقیقت جملہ نبیوں کا مکذّب قرار پاتا ہے۔"

یہ بات ایک واضح حقیقت ہے کہ جب سب نبی ایک ہی مشن لیکر آتے ہیں اور ہر ایک کی سچائی یکساں دلائل سے ثابت ہوتی ہے اور ہر ایک کی صداقت کے لئے آسمانی نشانات ظاہر ہوتے ہیں تو پھر آج کے نبی کی تکذیب کرنے والا اگر پہلے کسی نبی کے وقت میں پیدا ہوتا تو وہ یقیناً اس کی بھی تکذیب کرتا۔

کفر و اسلام کا اصل معاملہ تو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، وہی دلوں کا جاننے والا

ہے۔ البتہ ظاہر کے لحاظ سے ماننے والے کو مومن کہیں گے اور نہ ماننے والے کو منکر نبی کی
کو کافر نہیں بناتا۔ نبی کی مثال آفتاب کی ہوتی ہے جس کے طلوع سے خولصورت اور بدصورت
میں امتیاز ہو جاتا ہے مگر سورج کسی کو خولصورت یا بدصورت نہیں بناتا۔ باقی رہا سزا اور
جہنم کا معاملہ سو یہ اتمام حجت سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک کسی شخص پر اتمام حجت نہ ہو اس
سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اور اتمام حجت ہونے کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے جو دلوں کے
سب راز جانتا ہے۔ اسلئے ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ ہر انکار کرنے والے پر اتمام حجت
ہو چکی ہے اور وہ مستوجب سزا ہے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری کے چند اعتراضات کے جواب

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے رسالہ "تعلیمات مرزا" میں جو اعتراضات بڑے
طمطراق سے شائع کئے تھے اور انہیں لاجواب قرار دیا تھا ئیں نے اللہ تعالیٰ کے فضل
سے اُن کے رسالہ کا مکمل جواب اپنی کتاب تجلیات رحمانیہ میں پورے بسط کے ساتھ
دیا ہے جو ۱۹۳۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کے چند
مایۂ ناز اعتراضات مع جوابات اس جگہ بھی اس سلسلہ میں درج کر دیئے جائیں۔ ان اعتراضات
کا تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ سے ہے۔

(۱) مسیح موعودؑ اور غلبۂ اسلام

مولوی ثناء اللہ صاحب نے براہین احمدیہ جلد ۴ صفحہ ۴۹۹
اور چشمۂ معرفت صفحہ ۸۳ کے حوالہ سے دو عبارتیں
نقل کی ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسلام کو غلبہ دیا جائے گا اور تمام قومیں گویا ایک ہی
قوم کی طرح ہو جائیں گی۔ ان عبارتوں کے بعد آپ کے اعتراض کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"ناظرین کیا ایسا ہو گیا کہ تمام اقوام دنیا اس مدعی مسیح موعود کے
وقت میں ایک ہی قوم بن گئیں ؟ فیصلہ با انصاف ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔"

(تعلیمات مرزا صفحہ ۱۴)

الجواب فیصلہ بالکل آسان ہے "مسیح موعود کے زمانہ" میں وحدت مذہبی ہونی

معتقد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے مولوی صاحب نے یہی ثابت کیا ہے۔
اب حل طلب امر یہ ہے کہ "مسیح موعود کے وقت" سے کتنا عرصہ مراد ہے اور کیا حضرت
مسیح موعود علیہ السلام نے جن کی تحریر پر مولوی صاحب کے اعتراض کی بناء ہے اس غلبہ کیلئے
کوئی مدت مقرر کی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) "مسیح موعود کا زمانہ اس حد تک ہے جس حد تک اس کے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے یا پھر دیکھنے والوں کے دیکھنے والے دنیا میں پائے جائیں گے اور اس کی تعلیم پر قائم رہیں گے۔ غرض قرون ثلاثہ کا ہونا برعایت منہاج نبوت ضروری ہے۔" (تریاق القلوب طبع دوم ص۲۳)

(۲) "میں نہیں کہہ سکتا کہ پورے طور پر ترقی اسلام کی میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد میں۔ ہاں میں خیال کرتا ہوں کہ پوری ترقی دین کی کسی نبی کی عین حیات میں نہیں ہوئی بلکہ انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھلایا اور پھر بعد ان کے ترقیاں ظہور میں آئیں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور ہر اسود و احمر کے لئے مبعوث ہوئے تھے مگر آپ کی حیات میں احمر یعنی یورپ کی قوم کو تو اسلام سے کچھ بھی حصہ نہ ملا۔ ایک بھی مسلمان نہیں ہوا اور جو اسود تھے ان میں سے صرف جزیرہ عرب میں اسلام پھیلا اور مکہ کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ سو میں خیال کرتا ہوں کہ میری نسبت بھی ایسا ہی ہوگا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بار بار یہ وحی ہو چکی ہے۔ وَ اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ۔ اس سے مجھے یہی امید ہے کہ کوئی حصہ کامیابی کا میری زندگی میں ظہور میں آئے گا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۹ طبع ۱۹۲۲ء)

(۳) "خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن (نبیوں) کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو دنیا میں وہ پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے

ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل اُنہی کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔
بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی اپنے ساتھ
رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقعہ دیتا ہے۔ اور
جب وہ ہنسی اور ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا
دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد
جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔" (الوصیت ص۵)

(۴) "یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہ اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ
موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے
اُترتے نہ دیکھے گا۔ اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور
اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتا نہیں دیکھے گا۔ اور
پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں
دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ
کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک
آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے
اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار
کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس
جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک
ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخمریزی کرنے کے لئے آیا ہوں سو میرے
ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو
روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۵)

ان عبارتوں سے واضح ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح موعود کے
زمانہ میں جس وحدت قومی کا ذکر فرمایا ہے اور غلبۂ اسلام کے ظہور کا جو وقت بتایا
ہے اس کے لئے حضورؑ نے خود ہی تین صدیاں مقرر کی ہیں لہٰذا اس سے قبل اس کی تکذیب

کرنا سراسر جہالت ہے۔

جماعت احمدیہ کی ترقی بتا رہی ہے کہ یقیناً تین صدیوں کے اندر اندر یہ تمام امور پورے طور پر ظہور پذیر ہو جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اے کاش ہمارے مخالفوں کو روحانی طور پر اتنی ہی بصیرت مل جاتی جس سے وہ ظاہری دنیا میں بڑے چھوٹے سے بیج میں پتے، شاخیں اور تنے دیکھ سکتے ہیں تو وہ جماعت احمدیہ کے مستقبل کو دوربین آنکھ سے دیکھتے۔ آیت قرآنی اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ہمارے دعویٰ پر شاہد ناطق ہے۔

(۱۲) مسیح موعود اور اونٹ

قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں نئی نئی سواریوں کی وجہ سے اونٹوں کی قدر نہ رہے گی اور ان سے سعی (تیز دوڑانے) کی خدمت نہ لی جایا کرے گی کیونکہ اونٹ سے تیز رفتار سواریاں نکل آئیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس واقعہ کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب شہادۃ القرآن اور اعجاز احمدی کی دو عبارتیں نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

"احمدی دوستو! مکہ مدینہ کے درمیان مرزا صاحب کی زندگی میں یا بعد ان کے ریل جاری ہوئی؟ کیا راجپوتانہ، بلوچستان، مارواڑ، سندھ، عرب، مصر اور سوڈان وغیرہ ممالک میں اونٹ بیکار ہو گئے؟" (تعلیمات صفحہ ۱۹)

الجواب۔ احادیث نبویہ میں کسی خاص ملک کا نام نہیں آیا بلکہ عام پیشگوئی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس پیشگوئی کو مطلق ہی قرار دیا ہے۔ کسی ملک سے مخصوص نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ:۔

(۱) "قرآن شریف اور احادیث اور پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ اس کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جو آگ سے چلے گی اور انہی دنوں میں اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ اور یہ آخری حصہ کی حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ سو وہ سواری ریل ہے جو پیدا ہو گئی۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۲۲)

(۲) "اسی طرح ایک نئی سواری جس کی طرف قرآن شریف اور حدیثوں میں اشارہ تھا وہ بھی ظہور میں آگئی۔ یعنی سواری ریل جو اونٹوں کے قائم مقام ہو گئی۔"

(ضمیمہ براہین پنجم صلا۱۳۲)

اِن اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مطلق اونٹوں کی بیکاری کی پیشگوئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مطلق طور پر ہی اس کا پورا ہونا مراد لیا ہے۔

لہٰذا مولوی صاحب کا مخصوص ملک کے متعلق استفسار در حقیقت پیشگوئی کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبادات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ عام طور پر غیر احمدیوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا کیا گیا ہے کہ مسیح موعودؑ کے وقت اونٹ کلیۃً بیکار اور رائیگاں ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ مفہوم صریح طور پر آیات قرآنیہ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کے برخلاف ہے۔ اونٹ خدا کی ایک مخلوق ہے اور بہرحال ایک کارآمد چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فرمایا تو اس کا مطلب بکلّی متروک ہونا نہیں تھا۔ چنانچہ اسی لئے حضور علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا فرما کر اس ترک کی تشریح فرما دی کہ تیز رفتاری میں متروک ہو گا۔ چنانچہ اب دیکھ لو کہ تیز رفتاری کے لئے اونٹ استعمال نہیں ہوتے بلکہ جہاں تیز رفتاری منظور ہوتی ہے وہاں پر سائیکل، موٹر سائیکل، موٹر کاریں، ریل اور ہوائی جہازوں وغیرہ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اونٹوں کا استعمال جہاں بھی ہے قریباً باربرداری کے لئے رہ گیا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نمایاں طور پر پوری ہو گئی۔ مکہ اور مدینہ میں بھی بکثرت موٹریں اور بسیں جاری ہیں۔ عام طور پر حاجی موٹروں پر سفر کرتے ہیں۔ راجپوتانہ، بلوچستان، مارواڑ اور سندھ وغیرہ میں بھی تیز رفتاری کے لئے ریل یا موٹر ہی مستعمل ہوتی ہے۔ بلکہ ان علاقوں میں اکثر باربرداری بھی ریلوں کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ ہاں اونٹوں کی نسل کا موجود رہنا اور ان سے بھی باربرداری کا کام لینا نہ پیشگوئی کے خلاف ہے اور نہ ہی اس بناء پر اعتراض ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جائے ظہور ہندوستان ہے اسلئے اس پیشگوئی کا ظہور بھی پہلے وہاں سے دیکھنا چاہیئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ دنیا کی مسافت کا بیشتر اور اکثر حصہ اونٹوں کے بغیر طے ہوتا ہے اور تیز رفتاری میں تو اونٹ بالکل متروک ہو چکے ہیں حتیٰ کہ اب مشہور بادیۃ الشام بھی موٹروں کے ذریعہ ہی عبور کیا جاتا ہے۔ عراق، شام، فلسطین اور دیگر بلاد عربیہ میں بھی ریل اور موٹر کا رواج غالب ہو چکا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید صاحب اپنے سفرنامہ "پاکستانی مسافر یورپ میں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں :-

"پھر اس پر بھی غور فرمائیے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ یہ قیمتی اور گابھن اونٹنی یعنی قیمتی اونٹ جو بہت کارآمد ہے معطل ہو جائیگی، ہوتی جارہی ہے کہ نہیں۔ اب کہاں وہ حاجیوں کے قافلے جو قطار اندر قطار جدہ سے چل کر کٹھن منزلوں کے بعد مکہ اور مدینہ پہنچتے تھے۔ اب تو ریگستانِ عرب میں قیمتی سے قیمتی موٹر چلتا ہے۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ اونٹ کی افادیت ختم ہو جائیگی۔ یہ جانور بھی ریگستانوں میں نابید ہو جائیگا۔ یہ حالات ہیں جو قیامت کے قریب ظاہر ہو رہے ہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء)

کیا اب بھی کوئی خدا ترس شخص کہہ سکتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا زمانہ نہیں آیا اور اونٹوں سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی ؟

(۱۳) مکہ مدینہ کے درمیان ریل اور مولوی صاحب کی خیانت

اگرچہ مولوی صاحب نے اپنی کتاب تعلیمات میں وعدہ کیا تھا کہ ہم ان (حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات کو۔ ناقل) کو بلا تاویل و تحریف اصلی صورت میں پیش کرتے ہیں۔" (ص۱۶) مگر افسوس کہ انہوں نے خاص وعدہ کے باوجود اہلحدیثوں کے "خصوصی عیب" سے اجتناب اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ جہاں مولوی صاحب نے اعجاز احمدی کی عبارت درج کی ہے وہاں لکھتے ہیں :-

"یہاں تک کہ عرب و عجم کے ایڈیٹران اخبار اور جرائد والے اپنے پرچوں میں بول اُٹھے کہ مدینہ اور مکہ کے درمیان جو ریل تیار ہو رہی ہے یہی اس پیشگوئی کا ظہور ہے۔" (تعلیمات ص۱۹)

حالانکہ اعجاز احمدی کی عبارت میں الفاظ "ریل تیار ہو رہی ہے" ہیں۔

یاد رہے کہ یہ ایڈیٹر اِن اخبار کا مقولہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نقل کیا ہے اور اس وقت ریل تیار بھی ہو رہی تھی اسلیئے اس کی بنا پر حضرت پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں خدا تعالیٰ نے ریل کے الٹوا تک موٹریں جاری کر دی ہیں۔ انّ فی ذالک لعبرۃ لمن کان لہ قلبٌ او القی السمع وھو شھید۔

(۱۴) مسیح موعود اور حج

مولوی ثناء اللہ صاحب نے ازالہ اوہام اور ایّام الصلح کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد اپنا اعتراض بایں الفاظ درج کیا ہے :-

"صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ مسیح موعود حج کرے گا۔ مرزا صاحب اس کو تسلیم کرتے ہیں مرزا صاحب نے حج نہیں کیا حالانکہ مسیح موعود کو حج کرنا لازمی ہے جیسا کہ ان کو خود تسلیم ہے۔" (تعلیمات صلا)

الجواب۔ حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتیں بتا رہی ہیں کہ مسیح موعود کا حج کرنا ایک کشفی واقعہ تھا۔ چنانچہ ایّام الصلح کی عبارت نہایت واضح ہے۔ ازالہ اوہام کی عبارت میں بھی طوافِ کعبہ کو رؤیا بتایا گیا ہے۔ ازالہ اوہام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود مسلم شریف اور بخاری شریف کی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں :-

"اس حدیث میں جو متفق علیہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے مسیح ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اس بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم اور مسیح دجال کا مدعا و مقصد ایک ہی ہو اور وہ دونوں صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور اسلام کے سچے تابع ہوں۔ حالانکہ دوسری حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دجّال خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اس کو خانہ کعبہ کے طواف سے کیا کام ہے؟ اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ ایسے الفاظ و کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ یہ تو درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے پیرایہ میں بیانات ہیں جن کی تعبیر و تاویل کرنی چاہیئے جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے۔ سو اس کی تعبیر

یہ ہے کہ طواف لغت میں گرد گھومنے کو کہتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے وقت میں اشاعتِ دین کے کام کے گرد پھریں گے اور اس کا انجام پذیر ہوجانا چاہیں گے ایسا ہی مسیح دجال بھی اپنے ظہور کے وقت اپنے فتنہ اندازی کے کام کے گرد پھریگا اور اس کا انجام پذیر ہوجانا چاہے گا۔" (ازالہ اوہام ۸۵۔۸۶ طبع سوم)

اس اقتباس سے عیاں ہے کہ احادیث میں جہاں مسیح موعود کے طواف خانہ کعبہ کا ذکر ہے اس سے مراد اشاعتِ دین ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی مراد لی ہے۔ لہذا مولوی ثناء اللہ صاحب یا کسی اور کا ہرگز یہ حق نہیں کہ ان عبارتوں کی بناء پر ظاہری حج نہ کرنے کی وجہ سے اعتراض کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو حج مسیح موعود کیلئے مسلّم ہے اس کی تشریح اوپر ہوچکی ہے اور یہ حج (اشاعتِ دینِ حنیف) ایسے بے نظیر طریق پر حضرت کو میسّر آیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی لکھا ہے :۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب (براہین احمدیہ) اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے کہ جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ ...... اور اس کا مؤلف (حضرت مسیح موعودؑ۔ ناقل) اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا جس کی نظیر پہلے زمانے میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶-۹)

لہذا مولوی ثناء اللہ صاحب کا اعتراض باطل ہے۔

مسیح موعود کے طوافِ کعبہ کی یہ تاویل کہ وہ خدمتِ اسلام کرے گا علماء کے درمیان ایک مشہور اور مسلّم تعبیر ہے، لکھا ہے :۔

"یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ دجال کافر ہے اس کو طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علماء نے۔ کہ ایک روز ہوگا عیسیٰ گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے دین کے، اور درستی کرنے خلل و فساد کے۔ اور دجال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل اور فساد ڈالنے کے دین میں، کذا قال

الطیبیؒ" (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۷۲)

نوٹ :- یہی مضمون بعینہٖ مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہے۔ (۱) مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ (۲) مشکوٰۃ مطبع مجتبائی صفحہ ۴۷۶ حاشیہ (۳) مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۰۹۔

الغرض جملہ اُمّتِ محمدیہ اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح موعود کے طوافِ خانہ کعبہ کے جو معنے کئے ہیں اُن کی رُو سے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہو سکتا۔ فاندفع الاشکال۔

حج کے شرائط

مولوی صاحب کے پیش کردہ اعتراض کا اصل جواب دینے کے بعد ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اِس امر کی وضاحت کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حج نہ کرنے سے آپ پر کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ حج ازروئے شریعتِ اسلامی اُن فرائض میں سے ہے جو مخصوص شرائط کی موجودگی میں واجب ہوتے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ ہے۔ یہ دونوں (حج اور زکوٰۃ) اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ہیں مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہیں فرمائی کیونکہ حضورؐ کے پاس کبھی مال سال بھر جمع رہا ہی نہیں رہا تا زکوٰۃ فرض ہو۔ اسی طرح حج کے لئے بھی شرائط ہیں۔ قرآن مجید نے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں سواری اور زادِ راہ کا ذکر فرمایا ہے اور بعض بزرگوں نے صحت کو بھی لازمی شرط قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابوسعود زیر آیت ہذہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عملاً بتایا ہے کہ امن راہ بھی شرط ہے[1]۔ ان شرائط کے فقدان کی صورت میں حج فرض نہیں ہوتا۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر امن راہ نہ ہونے، صحت کی کمزوری کے باعث نیز زادِ راہ نقد جمع نہ ہونے کی وجہ سے حج فرض نہ تھا۔ لہٰذا آپ کا حج نہ کرنا موردِ اعتراض نہیں۔ ہاں آپ کی طرف سے تطوعاً حافظ احمد اللہ صاحب مرحوم کے ذریعہ سے حج کروایا گیا تھا۔

---

[1] یہ شرط اہلحدیث کو بھی مسلّم ہے (دیکھو اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۰ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۹)۔ اہل علم اس شرط کو قرآن مجید سے استنباط کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ترمذی ابواب الرضاع جلد ۱ صفحہ ۱۳۹۔ (ابوالعطاء)

فج الروحا اس موقعہ پر ممکن ہے کہ مخالف لوگ وہ حدیث پیش کریں جس کے الفاظ ہیں۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُھِلَّنَّ ابْنُ مَرْیَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ (مسلم) اور کہیں کہ اس سے ثابت ہے کہ مسیح موعود ضرور حج کرے گا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو فج الروحاء میقات ہی نہیں لَیْسَ بِمِیْقَاتٍ (اکمال شرح مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۹۵) مسیح اس جگہ سے کس طرح احرام باندھے گا۔ کیا وہ نئی شریعت قائم کرے گا؟ دوسرے درحقیقت یہ اس کشف کا ذکر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ فج الروحاء میں مسیح بن مریم کو تلبیہ کہتے سنا جیسا کہ مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے کہ وادیٔ الازرق میں آنحضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو لبیک لبیک کہتے سنا اور وادیٔ ہرشی میں حضرت یونس کو سرخ اونٹنی پر تلبیہ کہتے اور حج کے لئے جاتے دیکھا (مشکوٰۃ صفحہ ۔ مسلم کتاب الحج) گویا اسی طرح حضور نے فج الروحاء میں مسیح کو لبیک لبیک کہتے سنا۔ یہ زمانۂ ماضی کا ایک کشفی واقعہ ہے آئندہ آنے والے مسیح موعود سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔ لَیُھِلَّنَّ میں نون تاکید کے ذریعہ اس وقت کے واقعہ کو بیان کیا ہے جیسا کہ آیت وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ اور وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا میں ہے

ہمارے اس بیان کی تصدیق حضرت ابو موسیٰ کی اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے جس میں لکھا ہے:۔ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ مَرَّ بِالصَّخْرَۃِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِیًّا حُفَاۃً عَلَیْھِمُ الْعَبَاءُ یَؤُمُّوْنَ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ۔ یعنی ابو موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ وادی الروحاء میں سے ستر نبی ننگے پاؤں چادریں اوڑھے گزرے جو کہ بیت اللہ کا قصد (بہ نیت حج) رکھتے تھے۔" (شرح التعرف صفحہ قلمی)

معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک مسیح بن مریم بھی تھے یا ان کو کبھی علیحدہ اس جگہ سے تلبیہ کہتے سنا ہے اور اس کا حضور نے ذکر فرمایا ہے۔ جب اس حدیث کا مسیح موعود علیہ السلام کے حج سے کوئی تعلق ہی نہیں تو اس کے ذریعہ سے حضرت اقدس پر اعتراض کرنا بھی غلطی ہے

(۱۵) ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا کا جواب

عام مولوی صاحبان بھی یہ اعتراض دہراتے رہتے ہیں اور مولوی ثناء اللہ

صاحب نے بھی اس پر خاص زور دیا ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ان کتابوں کے ضمن میں جو حضور نے اسلام کے دفاع میں تحریر فرمائی ہیں اور جن میں عیسائیوں کو جوابات دیئے ہیں لکھا ہے۔ کُلُّ مُسْلِمٍ یَقْبَلُنِیْ وَیُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ اِلَّا ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸) کہ تمام حقیقی مسلمان مجھے قبول کریں گے اور میری دعوت کی تصدیق کریں گے سوائے سرکش اور متمرد لوگوں کے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب عربی فقرہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"نتیجہ صاف ہے کہ نہ ماننے والوں کی مائیں زانیہ ہیں اور وہ زنا زادے۔"

(تعلیمات صفحہ ۲۵)

الجواب۔ ذرّیۃ البغایا کے معنے بدکار اور سرکش لوگ ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ کرنا یعنی اسے مرکّب کی بجائے الگ الگ کر کے منکرین کی ماؤں کو زانیہ قرار دینا غلطی ہے جیسا کہ "ابن السبیل" کے معنے کرنا 'راستے کا بیٹا' اور پھر اس سے استدلال کرنا کہ ہر "ابن السبیل" اپنے باپ کا نہیں بلکہ راستے کا بیٹا ہے، گویا ولد الزنا ہے غلط ہے۔ یہ زبان کا ایک محاورہ ہے کہ ابن السبیل کے معنی مسافر، ابن الوقت کے معنے مکار، ابن الدینار کے معنی لالچی، اور ذرّیۃ البغایا کے معنے سرکش کے ہیں۔ چنانچہ اسی مفہوم کے لحاظ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو "افعی کے بچو" اور "اپنے باپ ابلیس سے ہو" کہا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ مولوی صاحب نے لفظ "ذرّیۃ البغایا" کے از خود یہ معنے کر کے کہ "نہ ماننے والوں کی مائیں زانیہ ہیں" خود گالی دی ہے۔ اصل میں "بغایا" کا لفظ بَغْیٌ مصدر سے بنا ہے جس کے معنے ہیں:۔

"حاکم وقت، بادشاہ وقت، سردار قبیلہ وغیرہ کی نافرمانی / سرکشی۔" (اہلحدیث ۲۶ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۲)

---

[1] مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی کنیت ابو الوفا پر بھی غور کرنا چاہئے۔ کیا وفا انکے بیٹے کا نام ہے؟ جب نہیں تو اس جگہ لفظی ترجمہ نہیں ہوگا بامحاورہ ترجمہ کیا جائیگا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے چار بیٹے عطاء الرحمٰن طاہر، عطاء الکریم شاہد، عطاء الرحیم حامد اور عطاء المجیب راشد موجود ہیں اسلئے میرا نام ابو العطاء تو حقیقی ہے مگر مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی کنیت ابو الوفاء کو حقیقت پر محمول نہیں کر سکتے تھے (مؤلف)

الجواب ۲ - عربی محاورہ کے رُو سے "ذریۃ البغایا" کے ایک معنے حیوانات لاتعقل بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے ع اَنَا سُهَيْلٌ طَلَعْتُ بِمَوْتِ اَوْلَادِ الزِّنَاءِ۔ شارحین نے اولاد الزنا کے معنے حیوانات ہی کئے ہیں۔ (حماسہ مجتبائی) حضرت اقدس نے ذریۃ البغایا کے بعد "اَلَّذِيْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ" کے الفاظ میں ان معنوں کی تشریح بھی فرمادی ہے۔

الجواب ۳ - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کلام کے مخاطب خاص مکذبین معاندین ہیں جو اپنی شرارت اور خباثت میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ اور اس عبارت میں استثناء منقطع ہے۔ یعنی "ذریۃ البغایا" لفظ مسلم کے ماتحت افراد نہیں بلکہ مطلب عبارت یوں ہے کہ خدا کے فرمانبردار بندے تو مجھے مانتے ہیں، ہاں جو لوگ سرکش ہیں وہ مخالف ہیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں یا آریہ ہوں یا برائے نام مسلمان۔ استثناء منقطع کی مثال عام کتب میں جَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا بیان کی جاتی ہے۔

الجواب ۴ - فقرہ کلّ مُسلم یقبلنی ویصدق دعوتی اِلّا ذریۃ البغایا" مستقبل بعید کے متعلق ایک پیشگوئی ہے۔ یعنی قرون ثلاثہ (تذکرۃ الشہادتین کی پیشگوئی) کے اندر اندر سب لوگ داخل اسلام ہو جائیں گے بجز بعض گندہ طبع لوگوں کے۔ کتاب چشمہ معرفت میں حضرت نے اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سب قومیں ایک ہی مذہب (اسلام) پر ہو جائیں گی سوائے ان گندے لوگوں کے جو چوہڑے اور چماروں کی طرح رہ جائیں گے۔ گویا اس عبارت میں آئندہ زمانہ ترقیات کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ موجودہ زمانے والوں کو ولد الزنا قرار دیا ہے۔ ہمارے اس بیان کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل دو فقروں سے بھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا:-

(الف) "اِس مختصر فقرہ (یَا اٰدَمُ) میں یہ پیشگوئی پوشیدہ ہے کہ جیسا کہ آدم کی نسل تمام دنیا میں پھیل گئی ایسا ہی میری یہ روحانی نسل اور نیز ظاہری نسل بھی تمام دنیا میں پھیلے گی۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۶)

(ب) "ہر ایک جو سعید ہوگا وہ تجھ سے محبت کرے گا اور تیری طرف کھینچا جائیگا۔"
(براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۳۷)

اور یہ اسی قسم کی پیشگوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے بعد آنیوالے وقت کا نقشہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :۔

"بَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحاً فَقَبَضَتْ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَيَبْقٰى سَائِرُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ كَمَا يَتَهَارَجُ الْحُمُرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ" (ترمذی ابواب الفتن جلد ۲ صفحہ ۴۷)

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو تمام مومنوں کی روحیں قبض کرلے گی اور باقی لوگ شہوات میں مبتلا ہو جائیں گے جیسے کہ گدھے ہوتے ہیں ان پر قیامت آئیگی"

الغرض ان چار جوابات کے ماتحت مولوی صاحب کا مفہوم غلط اور اعتراض باطل ہے ۔

قرآن مجید اور اناجیل کے بظاہر سخت الفاظ

ہم انجیل اور قرآن مجید کے بعض بظاہر سخت الفاظ نقل کرتے ہیں تا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کرنے والے پہلے ان انبیاء کرام پر بھی فتویٰ صادر نہ کریں۔ اناجیل میں حضرت مسیحؑ نے اپنے مخاطبین کو جن ناموں[1] سے یاد فرمایا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

(۱) تم بڑے گمراہ ہو۔ مرقس ۱۲/۲۴ ؛ (۲) اے بدکارو!۔ لوقا ۱۳/۲۷ ؛ (۳) اے نادانو! لوقا ۲۴/۲۵ ؛ (۴) اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو!۔ متی ۲۳/۱۳ ؛ (۵) اے اندھے راہ بتانے والو!۔ متی ۲۳/۱۶ ؛ (۶) اے احمقو! اور اندھو!۔ متی ۲۳/۱۷ ؛ (۷) اے ملعونو!۔ متی ۲۵/۴۱ ؛ (۸) اے شیطان۔ متی ۱۶/۲۳ ؛ (۹) اے سانپ کے بچو۔ متی ۱۲/۳۴ ؛ (۱۰) بُرے اور زناکار لوگ۔ متی ۱۲/۳۹ ؛ (۱۱) اے سانپو! اے افعی کے بچو!۔ متی ۲۳/۳۳ ؛ (۱۲) تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔ یوحنا ۸/۴۴ ؛ (۱۳) جاکر اس لومڑی (ہیرودیس) سے کہدو۔ لوقا ۱۳/۳۲ ؛ (۱۴) کُتّے اور سُوّر۔ متی ۱۵/۱۶ و ۷/۶ ؛

[1] عیسائیوں کو یہ نام خصوصیت سے مدنظر رکھ کر تہذیب کا معیار قائم کرکے اعتراض کرنا چاہیئے ۔ (ابو العطاء)

قرآن مجید میں مکذّبین، منافقین اور یہود وغیرہ کے لئے حسب ذیل الفاظ بھی مذکور ہیں:۔

(۱) القردۃ۔ بندر (مائدہ ع۹) ؛ (۲) الخنازیر۔ سؤر (مائدہ ع۹) ؛ (۳) حمر گدھے (المدثر ع۲) ؛ (۴) شرّ الدواب۔ حیوانات سے بدتر (انفال ع۶) ؛ (۵) صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ۔ بہرے، گونگے اور اندھے (بقرہ ع۲) ؛ (۶) مھین۔ ذلیل (القلم ع۱) ؛ (۷) ھمّاز نکتہ چین (القلم ع۱) ؛ (۸) مشّاءٍ بنمیم۔ چغلخور (القلم ع۱) ؛ (۹) منّاعٍ للخیر۔ بھلائی سے روکنے والے (القلم ع۱) ؛ (۱۰) معتدٍ۔ حد سے بڑھنے والا (القلم ع۱) ؛ (۱۱) اثیم فاسق و فاجر (القلم ع۱) ؛ (۱۲) عتلّ۔ سرکش (القلم ع۱) ؛ (۱۳) زنیم۔ ولدالزنا (القلم ع۱) ؛ (۱۴) نجسٌ۔ ناپاک (توبہ ع۴) ؛ (۱۵) رجسٌ۔ گند مجسّم (توبہ ع۱۲) ؛ (۱۶) شرّ البریّۃ۔ سب مخلوق سے بدتر (البیّنۃ) ؛

ہمارے مخالفین کا فرض ہے کہ ان برمحل نازل شدہ الفاظ کو پڑھ کر قرآن مجید کا صحیح اخلاقی معیار سمجھ لیں۔ اور سوچیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بعض برمحل الفاظ استعمال کرنا کیونکر قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے؟

(۱۶) "بدذات فرقہ مولویاں" کا جواب

اعتراض۔ مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب :۔

"اپنے منکرین علماء اسلام چھوٹے اور بڑے سب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اے بدذات فرقہ مولویاں، اے یہودی خصلت مولویو!" (تعلیمات مرزا ص۲۹)

اس اعتراض کا اصولی جواب اُوپر گزر چکا ہے۔ نیز معترض پٹیالوی کے جواب میں بھی ہم اس کا جواب لکھ چکے ہیں۔ اب کچھ مزید عرض ہے۔

الجوابُ الاوّل۔ مسیح ناصری اور مسیح محمدی میں عجیب مماثلت

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کے وقت کے یہودی علماء بھی انتہائی فتنہ پرداز تھے۔ اسی لئے حضرت مسیح کو ان کے حق میں کہنا پڑا کہ :۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں

کی مانند ہو جو اوپر سے خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں
اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔" (متی ۲۳/۲۷)
اور جب حضرت مسیح محمدی کے وقت کے علماء سُوء بھی حدیثِ نبوی عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ
مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ کے مصداق بن چکے تو آپ نے حضرت مسیح ناصری کے
طریق پر ان علماء سُوء سے کہا کہ :-

"اے بدذات فرقۂ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے ؟ کب وہ وقت
آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس
کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا۔" (انجام آتھم صلا)

پس علماء سُوء سے آپ کا یہ خطاب تو مسیح ناصری سے مماثلت کی وجہ سے دلیلِ صداقت ہے

الجواب الثانی

مولوی ثناء اللہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ :-

"یہ سچ ہے کہ مرزا کے مخالفوں نے بھی مرزا صاحب کے حق میں
سخت و سست الفاظ لکھے۔ مگر ان کا ایسا لکھنا مرزا صاحب کے
لکھنے کو جائز نہیں کر سکتا۔ اسلئے کہ مرزا صاحب منجانب اللہ مصلح بن کر آئے
تھے اور لوگوں کی یہ حیثیت نہیں۔ بیمار کی ریس طبیب کرے تو طبیب
نہیں۔" (تعلیمات صلا)

مَیں سمجھتا ہوں مشہور ضرب المثل "اَلْكَذُوْبُ قَدْ يَصْدُقُ" کی تصدیق کے لئے مولوی صاحب
نے اِن الفاظ میں واقعات کے لحاظ سے سچی شہادت ادا کی ہے۔ یعنی اعتراف کر لیا ہے
کہ "سخت و سست الفاظ" کہنے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالفوں نے ابتداء کی اور
حضرت نے بعد میں بعض سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔
ہاں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایسا کرنا بھی جائز نہ تھا کیونکہ وہ طبیب تھے
اور لوگ بیمار۔ حالانکہ یہی مثال ہماری تائید کرتی ہے کیونکہ طبیب کا جس طرح سے یہ فرض ہو
کہ مناسب دواؤں سے علاج کرے ویسے ہی اس کا یہ بھی فرض ہے کہ مناسب موقعہ اپریشن

بھی کرے۔ اگر کوئی مریض خطرناک مرض میں مبتلا ہو اور پھر ناصح طبیب کی بات پر کان دھرنے کی بجائے اسے گالیاں دے اور بد پرہیزی میں بڑھتا جائے تو طبیب کا فرض ہے کہ اس کو بد پرہیزی کے آنے والے خطرات سے کھلے الفاظ میں آگاہ کر دے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسا کیا تو اس میں قابلِ اعتراض کونسی بات ہے؟

الجواب الثالث

یہ بھی محض غلط ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ سب علماء کے لئے ہیں، کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

(الف) "ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصارِ دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدموں پر چل رہے ہیں مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے۔ راستباز علماء اس سے باہر ہیں۔ صرف خائن مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے۔"

(اشتہار ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ء)

(ب) "لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِیْ اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ۔"

یعنی ہمارا یہ کلام شریر علماء کے متعلق ہے، نیک علماء مستثنیٰ ہیں۔" (الہدیٰ ص۶)

اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ اس گروہ کے حق میں ہیں جن کے متعلق حضرت مجدد سرہندیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"علمائے کہ بایں مبتلا اند و بہ محبتِ ایں دنیا گرفتار از علماءِ دنیا اند۔ ایشاں اند علماءِ سوء و شرارِ مردم ولصوصِ دین۔ وحالانکہ از ایشاں خود را مقتدائے دین میدانند و بہترینِ خلائق مے انگارند و یحسبون انّھم علیٰ شیءٍ الا انّھم ھم الکاذبون استحوذ علیھم الشیطان۔ الآیۃ۔ عزیزے شیطانِ لعین را دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل و اغواء خاطر جمع ساختہ۔ آں عزیز آں را پرسید۔ لعین گفت کہ علماءِ سوء ایں وقت دریں کار بامن مدد عظیم کردند۔ و مرا ازیں ہم فارغ ساختند۔ والحق دریں زمان ہر سستی و خلاف ہدایتے کہ در امورِ شرعیہ واقع شدہ است و ہر فتورے کہ در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ است ہمہ از شومیٔ علماءِ سوء

است " (مکتوبات امام ربانی مطبوعہ دہلی ۱۲۸۸ھ مکتوب ۳۳ ص ۴۷)

پھر ان علماء کے متعلق خود اخبار اہلحدیث امرتسر لکھتا ہے :-

"مشکوٰۃ ص ۳۸ میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا نام رہ جائے گا اور قرآن کا رسم خط۔ اس وقت کے مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے۔ سارا فتنہ و فساد انہی کی وجہ سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے۔"

(۲۵ر اپریل ۱۹۳۰ء ص ۵ کالم اوّل)

ہمارا یقین ہے کہ ان تصریحات کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب کو مجال انکار نہ ہوگی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسے مولویوں کو "بدذات" قرار دینا بالکل ضروری اور سنتِ صلحاء کی پابندی تھی۔

(۱۷) خنازیر الفلا کا جواب

مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

" مرزا صاحب اپنے مخالفوں پر ناراضگی کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں ؎

اِنَّ الْعِدَیٰ صَارُوْا خَنَازِیْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَکْلُبُ

میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔"

(تعلیمات مرزا ص ۲۹)

الجواب یہ الفاظ اُن اعداء اسلام، معاندینِ حق اور فتنہ پرداز دل کے حق میں ہیں جنہوں نے اپنی بدخصلتوں سے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کیا تھا۔ نجاست اور گندہ دہانی اُن کا شیوہ ہوگیا۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن مجید میں فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اعراف ع ۲۲) كَمَثَلِ الْحِمَارِ (جمعہ) جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

وَالْخَنَازِیْرَ (مائدہ) کہہ کر کتّا، گدھا، سؤر اور بندر قرار دیا ہے۔ مسیح ناصریؑ کے الفاظ بھی ایسے لوگوں کے حق میں اُوپر نقل ہو چکے ہیں۔ پس یہ الفاظ برمحل اور عندالضرورت اظہارِ حق کی خاطر نبیوں نے بولے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ (سورہ البیّنہ) جو لوگ کافر ہیں مشرک ہوں یا اہلِ کتاب جہنم کی آگ میں رہیں گے اور یہ سب مخلوقات سے (جن میں سؤر، بندر اور کتّے بھی شامل ہیں) بدتر ہیں" یہ الفاظ یقیناً گالی نہیں بلکہ ان کے لوگوں کی روحانی بُری حالت کا بیان ہے۔ اس کے مقابلہ میں دشمنانِ حق کو "خنازیر الفلا" قرار دینا درحقیقت شر البریہ کی نرم سی تعبیر ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ پر اعتراض کرنا غلطی ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ معاندین اِن الفاظ کو جو محض خاص بدزبان علماء کے لئے جوابی طور پر کہے گئے تھے اپنے اُوپر چسپاں کرنے کی خواہ مخواہ کوشش کرتے ہیں اور عوام کو اشتعال دلانا چاہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ نیک ہیں تو وہ تو مستثنیٰ ہی ہیں۔ ہم اس جگہ جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب کا ایک حوالہ بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔ تو د مولوی ثناء اللہ صاحب نے پیر صاحب کا قول اہلحدیثوں کے سلسلہ میں اپنے اخبار اہلحدیث میں نقل کیا ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ:۔

"بعض لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کون مذہب ہو تو اپنا مذہب نہیں بتلاتے کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں۔ خیر یہ حرامزادے کچھ کہیں مَیں تو حنفی مذہب ہوں" (اہلحدیث ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(۱۸) هٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیْ کا جواب

مولوی ثناء اللہ صاحب نے شہادۃ القرآن کی عبارت جس میں حدیث هٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیْ کا بخاری میں ہونا مذکور ہے ذکر کرکے لکھا ہے:۔

"یہ حدیث بخاری میں نہیں۔ اتباعِ مرزا دکھائیں تو ہم مشکور ہونگے۔" (تعلیمات ص۱۱۲)

الجواب: یہ حدیث ابو نعیم تلخیص المتشابہ میں موجود ہے۔ حجج الکرامہ ص۳۶۶ پر بھی مذکور ہے۔ علامہ سعدی نے "ھذا خلیفة اللہ المھدی" والی روایت پر لکھا ہے:۔

"كَذَا ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ وَفِي الزَّوَائِدِ هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ"

ترجمہ ۔ اس کو سیوطی نے بھی ذکر کیا ہے ۔ اس کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں ۔ امام حاکم نے اس کو مستدرک میں بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے ۔" (حاشیہ ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

پس یہ حدیث نہایت معتبر ہے اسلئے حضرتؑ کے بیان کو کذب قرار دینا غلط ہے ۔

الجواب ۲ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے :۔

(الف) "وَالْعَجَبُ الْآخَرُ أَنَّهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ الْمَهْدِيَّ مَعَ أَنَّهُمْ يَقْرَءُوْنَ فِيْ صَحِيْحِ ابْنِ مَاجَةَ وَالْمُسْتَدْرَكِ حَدِيْثَ لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيْسٰى وَيَعْلَمُوْنَ أَنَّ الصَّحِيْحَيْنِ قَدْ تَرَكَا ذِكْرَهُ لِضُعْفِ أَحَادِيْثَ سُمِعَتْ فِيْ أَمْرِهِ ۔" (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۲۲)

یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے مہدی کی بابت کوئی حدیث اپنی صحیح میں ذکر نہیں کی ۔

(ب) "میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ۔ اسی وجہ سے امامین حدیث نے ان کو نہیں لیا ۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۳۵ طبع سوم)

ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مہدی کی کوئی روایت بخاری میں موجود نہیں پس شہادۃ القرآن کی عبارت میں بخاری کے حوالہ کا ذکر سبقت قلم ہے ۔ اسے کذب قرار دینا غلط ہے ۔ بھول چوک نبیوں سے بھی ہو جاتی ہے ۔ اخبار اہلحدیث میں لکھا ہے :۔

"فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں میں بشر ہوں مثل تمہارے ۔ میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو ۔ فرمایا کہ میں آدمی ہوں ۔ بعض دفعہ غسل جنب سے بھول جاتا ہوں ۔ میں

بھی تمہاری طرح آدمی ہوں۔ مجھے خطا اور صواب کا امکان ہے۔"
(اہلحدیث ۶ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۵-۶)

الجواب ۳ حوالہ کی غلطی کو جھوٹ نہیں کہتے۔ ورنہ آپ مندرجہ ذیل بزرگوں پر بھی کذب بیانی کا فتویٰ دیجئے:۔

علامہ سعد الدین تفتازانی۔ ملا خسرو۔ ملا عبد الکریم تینوں نے لکھا ہے کہ حدیث "یَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ بَعْدِیْ" کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔
(تلویح شرح توضیح جلد ۱ صفحہ ۲۹)

کیا آپ ان بزرگوں کو کاذب قرار دیں گے کیونکہ یہ حدیث بخاری میں تو نہیں ہے؟
پھر امام ابن الربیع نے حدیث "خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَۃٌ لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَمِهْجَعٌ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کو "رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ" فرمایا ہے۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۴۲) حالانکہ یہ بخاری میں نہیں ہے بلکہ حاکم کی روایت ہے۔ اب کیا آپ امام ابن الربیع کو بھی کاذب قرار دیں گے یا اس بیان کو سہو پر محمول کریں گے؟ مَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فھو جوابنا۔

(۱۹) کوئی نبی غیر حکومت کے ماتحت نہیں ہوتا؟

سوال۔ حضرت مرزا صاحب انگریزی حکومت کے ماتحت مبعوث ہوئے۔ حالانکہ کوئی نبی غیر حکومت کے ماتحت نہیں ہوتا؟

الجواب ۱ تاریخ اور بائیبل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ رومی گورنمنٹ کے ماتحت تھے۔ پس ضروری تھا کہ مسیح محمدی کو پہلے مسیح سے بوجہ مماثلت انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت مبعوث کیا جاتا۔ یہودی علماء نے ازراہ شرارت حضرت مسیحؑ سے پوچھا تھا کہ "ہمیں قیصر کو خراج دینا روا ہے یا نہیں؟" آپؑ نے فرمایا:۔
"جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔" (لوقا ۲۰/۲۵)

حضرت مسیحؑ کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:۔
"اگر ابتداء ہی میں حکومت سے مقابلہ شروع ہو جاتا تو اصل اصلاحی کام

بھی نہ ہوتا اور اس کے انجام پائے بغیر حکومت کے مقابلہ میں ہی ناکامی ہوتی اِسی لیئے انہوں نے حکومت کے ساتھ تصادم کرنے سے انتہائی پہلو تہی کی" (الجہاد فی الاسلام طبع دوم صہ ۳۶۶)

الجواب ۲ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ فرعونِ مصر کے تابع تھے۔ وہ پہلے مصر میں خرید کردہ غلام کی حیثیت میں رہے۔ پھر فرعون کے خزانوں پر مقرر ہوئے لیکن عمر بھر اس کے قانون کے ماتحت تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (سورۃ یوسف) کہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کے مطابق روک نہ سکتے تھے بجز اللہ کی خاص مشیّت کے"۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ قانونِ شاہی کے تابع تھے۔

نیز قرآن مجید میں جن انبیاء کے نام مذکور ہیں اُن میں سے صرف دو چار نبی داودؑ، سلیمانؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم کو اپنی زندگی میں اقتدار نصیب ہوا یحییٰؑ، زکریاؑ، شعیبؑ وغیرہم ظاہری اقتدار کے بغیر ہی رہے ہیں۔

(۲۰) حضرت خضرؑ اور حضرت مسیحؑ کی زندگی

سوال جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو لمبی زندگی دی ہے تو کیا وہ حضرت عیسیٰؑ کو لمبے عرصہ تک زندہ نہیں رکھ سکتا؟

الجواب ۱ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا سوال ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے مگر سوال تو یہی ہے کہ آیا اس نے یہ چاہا ہے اس کا ثبوت درکار ہے؟ غیر احمدی علماء ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو جاری مانتے ہیں صرف اِسی امر کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت میرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود بنا سکے؟ بتائیے کیا خدا اِس پر قادر ہے؟

الجواب ۲ حضرت خضرؑ کی زندگی کا عقیدہ بھی غلط اور خلافِ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے جملہ نبیوں کی وفات

کا اعلان کر دیا ہے۔ پس نہ حضرت خضرؑ زندہ ہیں نہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں۔ سب فوت ہو چکے ہیں۔

(۲۱) نبی پر دوسری زبان میں الہام

سوال۔ نبی پر الہام صرف اس کی اپنی زبان میں ہونا چاہیئے۔ فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ (ابراہیم ع) ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ۔

الجواب ۱ اگر تو نبی ایک قوم کی طرف مبعوث ہو اور اس قوم کی بھی ایک ہی زبان ہو تب تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے مگر جب کوئی نبی ساری قوموں کے لئے مبعوث ہو تو اس کو کس کی زبان میں الہام ہوگا؟ آیت سے ظاہر ہے کہ یہ گزشتہ ہوئے اُن نبیوں کا تذکرہ ہے جو قومی نبی تھے۔ پس اس کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

الجواب ۲ آیت میں فرمایا ہے لِیُبَیِّنَ لَھُمْ تا وہ نبی ان لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر سکے۔ معلوم ہوا کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہر نبی کو اپنی مخاطب قوم کی زبان میں معیاری فصاحت و بلاغت عطا کی جاتی ہے تا وہ مطالب روحانیہ کو واضح طور پر بیان کر سکے۔[1]

الجواب ۳ قرآن مجید فرماتا ہے وَقَالَ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (النمل ع ۲) حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے۔" بتائیے حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان کس نے سکھائی تھی۔ کیا اس آیت سے غیر احمدیوں کے نزدیک یہ ثابت نہیں کہ دوسرے انسانوں کی زبانیں تو رہیں ایک طرف، اللہ تعالیٰ تو نبیوں کو پرندوں کی زبانیں بھی سکھا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تعلیم بذریعہ الہام ہی ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کے ایک روحانی معنے بھی ہیں۔

(۲۲) آپ لوگ مسیح موعودؑ کے رُفقاء کو صحابہ کیوں کہتے ہیں؟

الجواب ۱ قرآن مجید نے سورۃ الجمعہ ع ۱ میں آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ میں خبر دی ہے کہ آخری زمانہ میں جب رسول پاکؐ کی بعثت ثانیہ ہوگی اور آپ ان کی تعلیم فرمائیں گے وہ صحابہ ہی کا ایک حصہ ہیں۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ لَّھُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِھِمْ

---

[1] صدق جدید لکھنؤ ۲۷ نومبر ۱۹۶۴ء میں آیت بالا کے بارے میں لکھا ہے: "مطلب یہ ہے کہ دعوت کے لئے وہی اسلوب اور طرز اختیار کرنا چاہیئے جس کو اس زمانہ کا ذہن و مزاج اچھی طرح سمجھ سکے۔"

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ۔

کہ اِس اُمّت کے آخری حصّہ میں ایک قوم ہوگی جنہیں صحابہ کا سا اجر و ثواب ملیگا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اور فتنوں والوں کا مقابلہ کرینگے۔"

(مشکوٰۃ المصابیح ص۵۸۴)

یہ لوگ یقیناً مسیح موعودؑ کی جماعت ہیں، اسلیئے وہ صحابہؓ کے رنگ میں رنگین اور ان کے نام کے مستحق ہیں۔

الجواب ۲ صحیح مسلم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں آنے والے مسیح موعود کے لئے چار مرتبہ نبی اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہاں پر آپؐ نے اس مسیح موعودؑ کے رفقاء کے لئے چار مرتبہ لفظ **اصحابہ** استعمال فرمایا ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح ص۴۷۳)

پس ہم قرآن مجید اور حدیث نبوی کی اتباع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اولین ماننے والوں کو صحابہ کہتے ہیں رضی اللہ عنہم۔

(۲۳) حکومتِ برطانیہ اور جماعتِ احمدیہ

مخالفین کی طرف سے آئے دن یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ نے انگریزی گورنمنٹ سے جہاد کیوں نہیں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اِس جماعت کو انگریزوں نے قائم کیا ہے اور اسکے بانی کو انگریزی حکومت نے کھڑا کیا تھا۔

مقامِ حیرت ہے کہ یہ اعتراض جتنا لغو، بے حقیقت اور بے بنیاد ہے اتنا ہی اسے بار بار دُہرایا جاتا ہے اور عوام کے جذبات کو اُبھارنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اسلیئے ہم اس پر ذرا مفصّل گفتگو کرتے ہیں۔

انگریزوں سے پہلے کے حالات اس بارے میں حوالجات ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) "سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بے پناہ تھا مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ ان کے گاؤں بالکل تباہ کر دیئے گئے۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی اور ہزاروں مسجدیں گرا دی گئیں۔" (انسائیکلو پیڈیا آف سکھ لٹریچر ص۱۱۲۷)

(۲) تلسی رام صاحب نے لکھا ہے :۔
"ابتداء میں سکھوں کا طریق غارت گری اور لوٹ مار کا تھا۔ جو ہاتھ آتا تھا لوٹ کر اپنی جماعت میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی۔ اذان یعنی بانگ کی آواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے۔" (شیر پنجاب مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

(۳) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :۔
"مسلمانوں کو ابھی تک وہ زمانہ نہیں بھولا جبکہ وہ سکھوں کے ہاتھوں ایک دہکتے ہوئے تنور میں مبتلا تھے اور ان کے دستِ تعدّی سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا ہی تباہ تھی بلکہ ان کے دین کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ دینی فرائض کا ادا کرنا تو درکنار بعض اذان کے کہنے پر جان سے مارے جاتے تھے۔" (اشتہار ۱۰ رجولائی ۱۹۰۰ء)

انگریزی حکومت کا ابتدائی دَور

انگریزوں نے ۲۱ رجولائی ۱۸۱۳ء کو شاہِ برطانیہ کے دستخطوں سے فیصلہ کیا تھا کہ "اس ملک (برطانیہ) کا فرض ہے کہ وہ مفید علوم و فنون کو رواج دے اور ہندوستان میں مذہبی اور اخلاقی اصلاحات نافذ کرے۔" (ہسٹری آف پروٹسٹنٹ مشنز پنجاب)
میں عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز لدھیانہ سے ہوا۔ ۵ رنومبر ۱۸۳۴ء کو پادری جے۔ سی۔ لوری نے ابتدائی اور لدھیانہ میں پنجاب کا پہلا گرجا گھر ۱۸۳۷ء میں تعمیر ہوا۔ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۴۹ء تک کے عرصہ میں انگریزی حکومت نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عیسائیت کی تبلیغ سارے ملک میں زور و شور سے شروع ہو گئی۔ ۱۸۵۲ء میں امرتسر میں پہلا مشن قائم ہوا اور آخر دسمبر ۱۸۵۳ء میں پشاور میں مشن کھولا گیا۔

حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ کا مشن

لکھا ہے :۔ "جب ان (سکھوں) کا ظلم برداشت نہ ہو سکا تو حضرت سید احمد صاحب مدظلہ نے حمایتِ دین کی خاطر چند مسلمانوں کو ساتھ لیا اور کابل اور پشاور کی طرف گئے۔" (ٹریکٹ ترغیب الجہاد مطبوعہ قنوج)
یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ لدھیانہ سے شمال کی طرف سارے پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کی سلطنت تھی۔ حضرت سید احمد صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد نہیں کرتے اور سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے دُور دراز جا رہے ہیں؟ تو آپؒ نے جواباً فرمایا :۔
"سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدّی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی

اور عبادت سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتے بلکہ اگر ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔"

(سوانح احمدی مؤلفہ مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری)

حضرت سید شہید نے ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو سرحد پہنچ کر سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کیا اور ۱۸۳۱ء میں سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔

۱۸۵۷ء کا غدر اور مسلم علماء

انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جو ہنگامہ برپا ہوا اس کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ جات قابلِ غور ہیں :۔

(۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ :۔

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہگار اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۱۰ ۱۸۸۶ء)

(۲) سر سید احمد خان نے ۱۸۵۷ء کے واقعہ کو بغاوت قرار دیا بلکہ "حرامزدگی" کہا اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ اس قسم کی بغاوت اسلام کے اصول کے سراسر خلاف ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں رسالہ اسباب بغاوتِ ہند مؤلفہ سر سید احمد خان)

(۳) "مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے اصل معنی جہاد کے لحاظ سے بغاوت ۱۸۵۷ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا بلکہ اس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اس میں شمولیت اور اسکی معاونت کو معصیت قرار دیا۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۸۸)

ملکہ برطانیہ کی طرف سے مذہبی آزادی کا اعلان

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو الہ آباد میں ایک دربار منعقد کر کے ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ :۔

"ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا شاہانہ ارادہ اور ہماری خوشی یہ ہے کہ ہماری رعایا میں سے کسی شخص کو اس کے مذہبی عقیدہ اور رسوم کی بنا پر نہ تو کسی رعایت کا مستحق سمجھا جائے اور نہ تنگ کیا جائے اور نہ کسی کا سکون چھینا جائے بلکہ قانون کی نظر میں تمام لوگ مساوی طور پر غیر جانبدارانہ رنگ میں پوری حفاظت کے حقدار ہوں گے۔"

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور آپ کا مشن

۱۸۳۵ء میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

کی پیدائش ہوئی۔ گویا حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ کی شہادت سے تین چار سال بعد آپؑ پیدا ہوئے آپؑ کی عمر تیرہ چودہ برس تھی جب انگریزوں نے پنجاب کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ آپؑ کی عمر ۲۲ سال کی تھی جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا اور پھر مذہبی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ ان دنوں ہندوستان اور پنجاب میں پادریوں کا بڑا زور تھا۔ ۱۸۶۲ء میں بٹالہ میں بھی عیسائیت کا پرچار شروع ہو گیا اور سارے ملک میں عیسائی حکومت کے غلبہ اور پادریوں کے حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت میرزا صاحبؑ کو حامی دینِ متین اور مسیح موعود و مہدی معہود بنا کر مبعوث فرمایا اور آپؑ نے بالخصوص حسب ذیل اعلان فرمائے:۔

اوّل: "سچائی کی فتح ہو گی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئیگا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔" (فتح اسلام مطبوعہ ۱۳۰۸ ہجری مطابق ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۵)

دوم: "اے مسلمانو! اگر تم سچے دل سے خداوند تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو اور نصرتِ الٰہی کے منتظر ہو تو یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آگیا۔" (ازالہ اوہام ص)

سوم: "جب تیرھویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یک دفعہ اس دجال گروہ کا خروج ہوا۔"

(ازالہ اوہام ص۴۹۱ طبع اوّل)

چہارم: "یہ (ریل) عیسائی قوم کی ایجاد ہے جن کا امام اور مقتدا یہی دجالی گروہ ہے۔" (ازالہ اوہام ص۳)

پنجم: "میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" (فتح اسلام ص۱۱)

حضرت مسیح موعودؑ کی دعوتِ اسلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہندوستان میں پادریوں سے وہ مقابلہ فرمایا کہ ان کو اعترافِ شکست کے بغیر چارہ نہ رہا۔ علماء جو حضرت مسیحؑ کو آسمانوں پر بٹھا کر پادریوں سے زک اٹھا رہے تھے انہیں فرمایا کہ:

"کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی دو۔ کب تک اس کو حَیٌّ لَا یَمُوْتُ کہتے جاؤ گے کچھ انتہا بھی ہے۔" (ازالہ اوہام ص۴۹۱ طبع اوّل)

آپؑ دن رات اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کر رہے تھے یَا رَبِّ اَرِنِیْ یَوْمَ کَسْرِ صَلِیْبِھِمْ کہ اے میرے رب مجھے ان عیسائیوں کی صلیب کے ٹوٹنے کا دن دکھا دے (القصائد الاحمدیۃ) اور تبلیغ اسلام میں ہمہ تن مصروف تھے۔ آپؑ نے ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے لکھا:۔

"اے ملکہ توبہ کر اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آ جا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ شریک ...... اے زمین کی ملکہ اسلام کو قبول کر تا تو بچ جائے۔ آ مسلمان ہو جا۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۳۲-۵۳۴)

انگریزی حکومت کے متعلق علماء و زعمائ کے فتوے

(۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈوکیٹ اہل حدیث نے لکھا:-

(الف) "مسلمان رعایا کو اپنی گورنمنٹ سے خواہ وہ کسی مذہب یہودی عیسائی وغیرہ پر ہو اور اس کے امن و عہد میں وہ آزادی کے ساتھ شعارِ مذہبی ادا کرتی ہو، لڑنا یا اس سے لڑنے والوں کی جان و مال سے اعانت کرنا جائز نہیں۔ بناءً علیہ اہل اسلام ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت و بغاوت حرام ہے۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۹ نمبر ۱ صفحہ ۲۸۷)

(ب) "بھائیو! اب سیف کا وقت نہیں رہا۔ اب تو بجائے سیف قلم ہی سے کام لینا ضروری ہو گیا ہے۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۹ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۵)

(۲) مولوی مسعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں:-

"ہندوستان کی جماعت اہلحدیث ...... کے سرکردہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ...... نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا ...... جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا، اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔" (کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۲۹)

(۳) مولوی عبدالرحمٰن صاحب کشمیری نے کہا کہ:-

"سرخیل جماعت سید الطائفہ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے بھی سیاست سے کنارہ کشی کر لی۔ انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد پر دستخط نہیں کئے۔" (اخبار ترجمان دہلی یکم فروری ۱۹۲۲ء)

(۴) ایڈیٹر چٹان لکھتے ہیں:-

"جن لوگوں نے حوادث کے اس زمانے میں تنسیخ جہاد کی تاویلوں کے علاوہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ

وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں اولی الامر کا مصداق انگریزوں کو ٹھہرایا ان میں مشہور انشا پرداز ڈپٹی نذیر احمد کا نام بھی ہے ..... انہوں نے قرآن مجید کے ترجمے میں انگریزوں کو پہلی دفعہ اولوالامر قرار دیا اور ان کی اطاعت کو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے مستلزم ..... دیکھو داستان تاریخ اُردو مصنفہ حامد حسن قادری ص۱۹۴" (کتاب عطاء اللہ شاہ بخاری ص۱۳۵)

(۵) بریلوی صاحبان کے متعلق شورش کاشمیری لکھتے ہیں :-

"انگریز کے اولوالامر ہونے کا اعلان کیا اور فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا کچھ دنوں بعد ایک مذہبی تحریک بن گیا" (چٹان ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

(۶) اہلحدیثوں کے متعلق مدیر طوفان ملتان لکھتے ہیں :-

"انگریزوں نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ تحریک نجدیت کا پودا ہندوستان میں بھی کاشت کیا اور پھر اسے اپنے ہاتھ سے ہی پروان چڑھایا" (طوفان ۷ نومبر ۱۹۶۲ء)

(۷) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ترجمان الندوہ کے تین اقتباس ملاحظہ فرمائیں :-

"اس (دارالعلوم) کا اصل مقصد روشن خیال علماء کا پیدا کرنا ہے اور اس قسم کے علماء کا ایک ضروری فرض یہ بھی ہے کہ گورنمنٹ کی برکات حکومت سے واقف ہوں اور ملک میں گورنمنٹ کی وفاداری کے خیالات پھیلائیں" (الندوہ لکھنؤ جلد ۵ بابت جولائی ۱۹۰۸ء)

"مذہبی رواداری حکومت انگریزی کا خاصہ ہے ..... ان پیدا ہونے والے علماء کے ذریعہ سے وہ (مسلمان) حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زیادہ ہو جائیں گے"

(الندوہ دسمبر ۱۹۰۸ء ص۷)

"حکومت انگریزی کی پنجاہ سالہ جوبلی کی خوشی میں دارالعلوم ندوہ میں ایک دن کی تعطیل کی گئی اور جناب گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں ندوہ کی طرف سے مبارکباد کا تار بھیجا گیا"

(الندوہ نومبر ۱۹۰۸ء ص۱)

(۸) مولانا عبدالرحیم صاحب ایم اے نے تاریخی حوالہ جات کا خلاصہ لکھا ہے کہ :-

"۱۷ جولائی ۱۸۷۰ء کو ہندوستان کے سات بڑے بڑے علماء کی طرف سے اس مضمون کا ایک فتویٰ شائع ہوا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے ان کے نام یہ ہیں لکھنؤ

کے مولوی علی محمد صاحب، مولوی عبدالحی صاحب، مولوی فضل اللہ صاحب، مولوی محمد نعیم صاحب، مولوی رحمت اللہ صاحب، مولوی قدرت اللہ صاحب اور مولوی قطب الدین صاحب دہلوی۔

پھر مکہ معظمہ سے ہندوستان کے دار السلام ہونے کے متعلق حنفیوں، شافعیوں اور مالکیوں کے مفتیوں سے فتاویٰ منگوائے گئے۔ ... اسکے بعد ۱۸۷۱ عیسوی میں منشی امیر علی صاحب کا ایک رسالہ جہاد کلکتہ میں شائع ہوا اس میں شیعہ قانون کے مطابق یہ ثابت کیا گیا کہ ملکہ معظمہ کے خلاف جہاد کرنا جائز نہیں۔" (انگریز اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۹)

(۹) شیعہ مجتہد علی الحائری کہتے ہیں :۔

"ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے کہ جسکی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے جس کی نظیر اور مثال دنیا کی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی۔ ... اسلئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں صمیم قلب سے برٹش گورنمنٹ کا احسانمند اور شکرگزار رہنا چاہیئے۔" (موعظہ تحریف قرآن بابت اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۷-۶۸)

(۱۰) حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"ہمارا اصل کام اشاعت توحیدِ الٰہی اور احیاء سنن سیّد المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلافِ اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں۔" (سوانح احمدی مولانا محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور صفحہ ۷۱)

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے گورنمنٹ کا شکریّہ

ان حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انگریزی حکومت کا دو باتوں کے لئے شکریہ ادا فرمایا۔ اوّل یہ کہ انگریز سکھوں کی طرح "ہمیں واجب القتل نہیں سمجھتے" (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۳)۔ دوم یہ کہ انگریزوں نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں :۔

"گورنمنٹ نے ہر ایک قوم کو اپنے مذہب کی اشاعت کی آزادی دے رکھی ہے

لہ اس موضوع پر یہ رسالہ قابلِ دید ہے۔ (مؤلّف)

اسلئے ہر طرح لوگوں کو ہر ایک مذہب کے اصول اور دلائل پرکھنے اور ان پر غور کرنے کا موقع مل گیا ہے . . . . . یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار اپنی تصنیفات میں اور اپنی تقریروں میں گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانوں کا ذکر کرتے ہیں"

(روئیداد جلسۂ دعا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذہبی آزادی سے فائدہ اٹھا کر اسلام کی حقانیت کا اثبات اور عیسائیت، برہمو دھرم، آریہ مت اور دیگر مذاہب باطلہ کا ابطال اس شان سے فرمایا کہ حقیقی مسلمانوں کے دل باغ باغ ہوگئے اور جماعت احمدیہ ترقی کرنے لگی۔

مولویوں کی حاسدانہ جھوٹی مخبریاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کامیابی سے علماء کی حالت دگرگوں ہوگئی، ان کا عجز عالم آشکارا ہوگیا اسلئے انہوں نے فتویٰ تکفیر کے ہنگامہ کے علاوہ کمینہ انداز میں خفیہ اور علانیہ گورنمنٹ کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ پادری آگے ہی آتش در نعل تھے، مقامی انگریز حکمران بھی احمدیہ تحریک سے ناراض تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی خفیہ پولیس کے ذریعہ نگرانی ہو رہی تھی۔ علماء کی انگیخت کے دو نمونے ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا :-

"گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پُرحذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی کادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا"۔

(اشاعۃ السنۃ جلد ۱۶ ملا۶ حاشیہ صفحہ ۱۹۰ ۱۸۹۳ء)

(۲) منشی محمد عبد اللہ نے کتاب شہادت قرآنی میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا کہ :-

"ایسے ہی دیگر آیات قرآنیہ اپنے چیلوں کو سنا سنا کر گورنمنٹ سے جنگ کرنے کے لئے مستعد کرنا چاہتا ہے" (شہادت قرآنی مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰)

حضرت مسیح موعودؑ کا واضح موقف

حضرت مسیح موعودؑ کا موقف واضح تھا کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلحکاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔" (خطبہ الہامیہ)

آپؑ کو بار بار علماء کی شر انگیزی کے دفعیہ کے لئے انگریزی حکومت پر اپنے موقف کی وضاحت کرنی پڑی اور شکریہ ادا کرنا پڑا۔ یہ ویسی ہی صورتِ حال تھی جو حضرت مسیح ناصریؑ کو یہودی علماء کی وجہ سے رومی حکومت کے ساتھ پیش آئی جو ہرگز قابلِ اعتراض نہیں بلکہ قرآن مجید کے مطابق سنتِ انبیاء ہے۔

ہمارا چیلنج علماء اور مسلمان زعماء نے انگریزی حکومت کی تعریف اور خدمت کرنے پر جاگیریں اور انعام لئے مگر حضرت مسیح موعودؑ نے محض اسلام کی صحیح تعلیم کی اشاعت کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ کوئی بتائے کہ آپؑ نے یا جماعت احمدیہ نے حکومت سے کوئی فائدہ اُٹھایا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس غیر احمدیوں کا اعتراض بیکار ہے۔ کیا اتنے جغادری علماء کے فتوؤں کے بعد انگریزوں کو قادیان کے ایک گمنام شخص کو کھڑا کرنے کی ضرورت تھی اور وہ بھی ان عقائد کے ساتھ جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ کیا انگریز کاسر الصلیب کو اپنا نمائندہ بنا سکتے تھے؟ چاہیئے کہ مخالفین احمدیت اب اس جھوٹے پروپیگنڈا کو ترک کر دیں +

احمدیّت اور اس کے عقائد

قوم کے لوگو! اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

اسلام و احمدیّت اس زندہ اور کامل یقین کا نام ہے جو انسان کا منتہائے مقصد ہے وہ یقین انسان میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر کے اس کے سفلی خیالات اور ناپاک جذبات کو بھسم کر کے اس کو آسمانی اور روحانی وجود بخشتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خالص توحید، ملائکہ، کتب آسمانی، رسل ربانی، قیامت، حشر و نشر اور سب ایمانیات کے ماننے کا نام احمدیت ہے۔ گویا آج احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ مسلمان کہلانے والے اسلام کے مغز سے بے بہرہ تھے۔ عالم باہم دست و گریباں ہو رہے تھے۔ امراء عیش پرستی میں منہمک تھے۔ اسلام ان کی زبانوں پر تھا مگر دل ایمان سے خالی تھے۔ وہ اسلام کے دعویدار تھے مگر اسلام کو ان کے نام سے عار تھی۔ وہ بعض اسلامی اعمال بجا لاتے تھے مگر نورانیت سے خالی تھے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں ؎

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی ؎ رہ گیا فلسفہ تلقینِ غزالی نہ رہی

اس تمام معکوس حالت کا موجب یہی تھا کہ ان کے عقائد خراب ہو چکے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے غافل اور اس کے سب سے بڑے اور پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے بے خبر تھے۔ انہوں نے نصاریٰ کی اتباع میں حضرت مسیح علیہ السلام

کے متعلق غلو سے کام لیا اور اسی کو جو "رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" تھا اُمتِ محمدیہ کا نجات دہندہ یقین کر رکھا تھا ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے کوئی اِس قابل نہ ہو سکتا تھا جو اس قوم کی بگڑی بنا دے۔ لوگ انہی خیالات میں غرق تھے کہ ناگہاں صدی کے سر پر مجدد صدی چہاردہم نبی اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تجدید دین کے لئے مبعوث ہوئے اور آپ نے صحیح طور پر اسلامی عظمت کو قائم کیا۔ اگرچہ دوسرے فرقوں سے ہمارا عملاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں کوئی اختلاف نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اعمال کا سرچشمہ جو بصیرت ہونی چاہیئے وہ ان میں نہیں ہے اور خدا کے زندہ معجزات نے ہم میں پیدا کر دی ہے۔ ایسا ہی ان اعمال کے نتیجہ میں جو روحانیت، اخلاص، اور اللہ تعالیٰ سے شرفِ مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہونا چاہیئے وہ بھی آج احمدیت کا ہی طغرائے امتیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہم ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ابھی تک بہت ہی قلیل التعداد ہیں مگر ہم دنیا میں جس سرفروشی سے اسلامی فتوحات کے لئے کوشاں ہیں اور مال، عزت، وطن اور جان کی قربانی سے اس کا ثبوت دے رہے ہیں وہ ایک امتیازی شان ہے جس کا اپنے و بیگانے سب اعتراف کرتے ہیں۔ اس روح کے علاوہ بلحاظ عقیدہ ہمارا تین عقائد میں ان سے اختلاف ہے۔ (۱) وہ حضرت مسیحؑ کو بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ مانتے ہیں۔ ہم آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں ان کو جملہ انبیاء کی طرح فوت شدہ یقین کرتے ہیں۔ (۲) وہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد تشریعی و غیر تشریعی نبوت بند ہے اور اُمت کے لوگ اِس نعمت سے کچھ بھی حصہ نہیں پا سکتے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ بلاشبہ تشریعی نبوت بند ہے۔ ایسا نبی کوئی نہیں آ سکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے بہرہ ور نہ ہو۔ ہاں ایسے نبی آ سکتے ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے ماتحت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہ انعام پانے والے ہوں کیونکہ ایسے انبیاء کا آنا اسلام کی شان کو بلند کرنے کا موجب ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا ہمارے نزدیک صرف اُمتی نبی آ سکتا ہے۔ (۳) وہ کہتے ہیں کہ آنے والا موعود اُمتِ محمدیہ کا مصلح جسم سمیت آسمان سے اُترے گا اور وہ خود حضرت مسیحؑ

ہوں گے۔ ہمارا یقین ہے کہ آنے والا موعود آچکا اور وہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے وجود باجود میں ظاہر ہو گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آپؑ کو قبول کریں۔

ان ہر سہ مسائل پر اختصار سے اصولی دلائل درج ذیل ہیں نیز مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی شامل ہیں۔

مبحثِ اوّل۔ وفاتِ مسیحؑ

اسلام کی زندگی مسیح ناصریؑ کی موت میں ہے

موجودہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وجودِ عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور کسی نامعلوم زمانہ میں آپ ہی دوبارہ تشریف لا کر تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوں گے۔ اور اسی خیال کی وجہ سے یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے برگشتہ ہیں۔

آج سے قریباً دو ہزار برس پیشتر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد پر یہود نے یہی عذر کیا اور کہا کہ پہلے ایلیاہ کا آسمان سے اترنا ضروری ہے۔ گو یہ سچ ہے کہ یہود کی الہامی کتاب ۲ سلاطین ۲/۱۱ میں صاف لکھا ہے :-

"اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا۔"

اور پھر ملاکی ۴/۵ میں ان کی دوبارہ آمد کو یوں ذکر فرمایا ہے :-

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔"

مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰؑ کے متعلق فرما دیا کہ :-

"ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔ جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔" (متی ۱۱/۱۴)

گویا حضرت مسیحؑ کے نزدیک کسی نبی کا بجسدہ العنصری آسمان پر جانا اور پھر اترنا ایک فضول اور خلافِ سنت اللہ کام ہے کیونکہ ربّ السموات والارض نے آدم اور اس کی ذریت کے لئے ازل سے فرما دیا ہے فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (اعراف ع۲)

کہ ان کا مقر اور ٹھکانا، زندگی اور موت بہر صورت کرۂ ارض ہی میں ہے۔ پس اے بھائیو! کیونکر ممکن ہے کہ وہ مسیح جو ایلیاہ کی دوبارہ آمد کو محال بتا کر یہود کو ملزم قرار دے گیا اب خود ہی دوبارہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان سے اُتر آوے۔ کیا یہود آپ کے پہلے فیصلہ کے برخلاف آپ کا اپنا عمل (دوبارہ آمد) پیش نہ کر دیں گے؟

ہمارے نزدیک اگر کوئی نبی یا رسول زندہ رکھا جاتا تو وہ کیا باعتبار اپنے ذاتی صفات کے اور کیا بلحاظ اپنے کارہائے نمایاں کے صرف اور صرف ہمارے سیّد و آقا حضرت محمد عربی تھے صلی اللہ علیہ وسلم ؎

بدُنیا گر کسے پائندہ بُودے ؛ ابو القاسم محمدؐ زندہ بُودے

چنانچہ خدائے پاک نے بھی فرمایا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء ع) اے رسول! تجھ سے پہلے کوئی اب تک زندہ، ایک حالت پر قائم رہنے والا، نہیں رہا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ زندہ رہنے والے ہوں اور تو فوت ہو جائے؟

لیکن افسوس کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ منورہ میں زمین کے نیچے مدفون ہیں مگر مسیح ناصری چوتھے آسمان پر زندہ۔ یا للعجب ؎

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر ؛ مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

دُنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس پر مصائب اور مشکلات نہ آئے ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کو دشمنوں نے آگ میں ڈالا اور حضرت یوسفؑ کو کئی برس تک قید خانہ کی تاریک کوٹھڑی میں رہنا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کو مُلک بدر ہونا پڑا۔ پھر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفوں کے منصوبوں سے تنگ آکر اپنا وطنِ مالوف چھوڑنا پڑا اور آپؐ غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ آپؐ کبھی ٹخنوں تک لہولہان ہوئے اور کبھی اُحد کے مقام پر بے ہوش گرے۔ اور آپؐ کا سرِ مبارک خون آلودہ اور دانت شہید ہو گئے۔ غرض کوئی نبی بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا کہ اپنے محبوب کے نام پر ستایا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کسی کو آسمان پر نہ لے گیا۔ بلکہ زمین پر ہی رکھ کر ان کو تکالیف کا نشانہ بننے دیا۔ اب ہم کیونکر مانیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے

حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ تمام انبیاء سے نرالا اور خلافِ سُنّت معاملہ اور سلوک کیا اور دشمنوں کی اُن تک رسائی نہ ہونے دی؟ کیا اِس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ پیار ہے اور باقی انبیاء اور خصوصاً سرورِ کائنات ؐ سے کم؟ نعوذ باللہ۔

آج حیاتِ مسیح کا عقیدہ اسلام کے لئے ایک تباہ کُن عقیدہ ہے جس کی مدد سے نصاریٰ آج تک لکھوکھا مسلمانوں کو اسلام سے بیزار اور عیسائیت کا حلقہ بگوش کر چکے ہیں۔ اے کاش! آپ غور کریں اور اس کھلی صداقت کو مان لیں کہ حضرت عیسیٰ دیگر انبیاء کی طرح اِسی خاکی زمین میں مدفون ہیں تاکہ عیسائیت مغلوب اور اسلام غالب ہو۔ اور آپ مُردہ پرستوں کے مؤید نہ بنیں کیونکہ مسیح کی جسمانی زندگی کا اعتقاد عیسائیت کے لئے گویا سہارا ہے ؎

ہم عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند ÷ دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را

قرآن مجید اور آنحضرتؐ کی احادیثِ صحیحہ میں کسی جگہ بھی اِس عقیدہ کا نشان نہیں پایا جاتا کہ حضرت مسیح زندہ اسی جسمِ خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے گئے ہم چیلنج دیتے ہیں کہ اگر کہیں ایسا ثبوت ہے تو دکھلایا جائے۔ لیکن خدا کے فضل سے مشرق و مغرب کے علماء بھی اس مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر نہایت صراحت کے ساتھ وفاتِ عیسیٰؑ کو بیان فرمادیا ہے جن میں سے ایک واضح اور صریح بیان سورۃ المائدہ کے آخری رکوع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝ (مائدہ ع) فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہوگا کہ کیا عقیدۂ تثلیث کی ان لوگوں کو تم نے تعلیم دی تھی؟ حضرت عیسیٰؑ اِس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے اپنی بریّت میں آخر یہ فرمائیں گے وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ کہ میرا یہ تعلیم دینا تو درکنار میری زندگی اور موجودگی میں بھی ان میں یہ عقیدہ نہیں پھیلا کیونکہ اپنی حیات تک میں ان کا نگران تھا

"جب تُو نے میری توفی (روح قبض) کرلی تو تو ہی نگران تھا" حضرت عیسیٰؑ اپنے اس جواب میں جہاں عقیدۂ تثلیث کے نصاریٰ میں پھیلنے سے لاعلمی کا اقرار کرتے ہیں ـــــ وہاں پر وہ اس امر کی بھی پُر زور شہادت دیتے ہیں کہ میری زندگی میں یہ گمراہ کن عقیدہ پیدا نہیں ہُوا تھا بلکہ میری توفی کے بعد یہ سب کچھ ہُوا ہے۔ اب اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور وہ آکر لوگوں کو جبراً مسلمان بنائیں گے، اور صلیبوں کو شکستہ اور نصاریٰ کو تہ تیغ کریں گے تو کیا وہ قیامت کو محض انکار میں جواب دیکر (نعوذ باللہ) جھوٹ بولیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ جھوٹ اور خلافِ واقعہ بیان ایک نبی تو کیا ایک مومن کی شان سے بھی بعید ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت زندہ نہیں۔ یا بالفرض اگر زندہ ہیں تو وہ دوبارہ ہرگز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ دوبارہ آنے پر جب وہ عیسائیوں کو بگڑا ہوا، توحید سے منحرف، تثلیث پر قائم دیکھ لیں گے تو پھر کیونکر رب السمٰوات کے حضور کہہ سکیں گے کہ مجھے علم نہیں؟ پھر حضرت عیسیٰؑ نے عقیدۂ تثلیث کی ایجاد اپنی **توفی** کے بعد بتائی ہے اور اس وقت بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے جلد بعد ہی نصاریٰ نے یہ عقیدہ گھڑ لیا۔ اسی لئے قرآن پاک نے فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ ع) کہ نصاریٰ جو تثلیث کے قائل ہیں وہ خدا کے نافرمان ہیں۔" لہٰذا ثابت ہُوا کہ نزولِ قرآن کے وقت بہرحال حضرت عیسیٰؑ کی توفی ہو چکی تھی۔ اگر یہ سوال ہو کہ توفی کے کیا معنی ہیں؟ تو یاد رہے کہ قرآن کریم اور احادیث اور عربی نظم و نثر میں جہاں کہیں یہ لفظ اپنی اس نوعیت میں استعمال ہُوا ہے وہاں پر صرف قبض روح کے معنی میں ہے نہ قبض جسم کے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر باب ما جعل اللّٰہ من بحيرة) کہ توفی کے معنے موت ہیں۔ پھر لغت کی کتاب میں لکھا ہے اَلتَّوَفِّيْ: اَلْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ، تُوُفِّيَ عَلٰى مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَتَوَفّٰى نَفْسَهٗ فَالْمُتَوَفِّيْ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْ اَحَدٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَزَيْدٌ هُوَ الْمُتَوَفّٰى (کلیات ابی البقاء صفحہ ۱۲۹) کہ توفی کا مادہ وفات ہے، تُوُفِّيَ فعل مجہول استعمال ہوتا ہے اور انسانوں کی توفی کا فاعل اللہ یا کوئی فرشتہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی انسان اپنی توفی نہیں کیا کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ توفی کرنے والا ہے اور انسان مُتَوَفّٰى ہوتا ہے۔ خاص مذکورہ

آیت کے متعلق تو آنحضرتؐ نے بھی فیصلہ فرما دیا کہ اس جگہ بہر حال توفّی بمعنی قبض روح ہے۔ قیامت کے دن آنحضرتؐ اپنے بعض صحابہ کو دوزخ کی طرف جاتے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو جواب ملے گا کہ تجھے کیا معلوم کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا؟ آپؐ فرماتے ہیں فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ مصری مطبوعہ) کہ تب میں اسی معنی میں اپنی توفّی کا اقرار کروں گا جس معنی میں حضرت عیسیٰؑ نے کیا ہے۔ گویا حضرت عیسیٰؑ کی توفی نبی کریمؐ کی توفی کے ہم معنی ہے اور وہ موت ہے۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی توفی کے معنے بھی موت ہی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں اور قرآن مجید آپ کی وفات پر شاہد ہے ؎

مارتا ہے اس کو فرقاں سر بسر ؎ اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

آج قریباً چالیس[1] برس ہوتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے توفّی کے متعلق حسب ذیل اشتہار دے رکھا ہے کہ:-

"اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالاتِ حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۷۵ بار دوم)

مگر کسی نے آج تک کوئی حوالہ نہیں دکھایا۔ یہ چیلنج ہمیشہ تک قائم ہے۔ اگر کسی میں ہمت ہے

[1] اب طبع ثانی کے وقت اس چیلنج پر قریباً پون صدی بیت گئی ہے مگر کوئی شخص اسے منظور نہیں کر سکا۔ (مؤلف)

تو وہ اِس کی ایک نظیر ہی دکھلا دے جہاں بلا قرینہ صارفہ توفّی قبض روح کے معنوں کے بغیر کسی اور معنے یعنی جسم سمیت اٹھانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔

پس اے بھائیو! حضرت عیسیٰؑ کو فوت ہونے دو تا اسلام زندہ ہو اور عیسائیت مٹے۔

وفاتِ مسیحؑ اور قرآن مجید کا ناطق فیصلہ

اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ فیج عوج میں بعض لوگ حضرت مسیحؑ کی شان میں بہت غلو کریں گے حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والے بھی سیدالرسلؐ کی وفات کا اقرار تو کھلے بندوں کریں گے لیکن حضرت مسیحؑ کی موت کے قائل کو گردن زدنی قرار دیں گے۔ اسلیئے اس نے قرآن پاک میں جس وضاحت سے حضرت مسیحؑ کی موت کا اعلان کیا ہے، ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اور کسی نبی کی وفات کا ذکر اس رنگ میں نہیں فرمایا۔ حیاتِ مسیحؑ کے قائلین کا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر تشریف رکھتے ہیں اور وہی کسی نامعلوم وقت پر اپنے عہدہ رَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کے خلاف اُمتِ محمدیہ میں نزول فرما ہوں گے۔ اس خیال کی بنیاد کہاں تک قرآن مجید پر ہے؟ اس کے لئے ہم چیلنج دیتے ہیں کہ کوئی شخص قرآن مجید سے حضرت مسیحؑ کے لئے "زندہ" "بجسدہ العنصری" یا کم از کم آسمان کا لفظ ہی دکھلا دے لیکن ع

این خیال است و محال است و جنوں

حضرت مسیحؑ جملہ انبیاءؑ کی طرح اس دارِ فانی سے چل بسے اور قرآن پاک ان کی وفات پر شاہد ہے۔ حضرت مسیحؑ کی تین حیثیتیں ہیں۔ (۱) انسانوں میں سے ایک انسان (۲) نبیوں میں سے ایک نبی (۳) دنیا کے مصنوعی خداؤں میں سے ایک خدا۔ قرآن کریم نے ہر حیثیت سے آپ کی موت کا عام اعلان کر دیا ہے۔

پہلی حیثیت اور وفاتِ مسیحؑ

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے قانون بیان فرمایا ہے۔ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (اعراف ع۲) کہ تم کرۂ ارضی میں زندہ رہو گے، اسی میں مرو گے، اسی سے پھر اُٹھائے جاؤ گے۔ یعنی ہر حال زندگی، موت اور حشر میں تم اسی خاکی کرہ میں رہو گے۔ دوسری جگہ فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (المرسلات ع۱) کیا ہم نے زمین

زندوں اور مُردوں کے سمیٹنے کے لئے کافی نہیں بنائی؟

(۲) تمام آدم زادوں کے لئے فرمایا۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــًٔا (النحل ع) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (الروم ع) کہ بعض تم میں سے جلد فوت کر لئے جاتے ہیں اور بعض کو ارذل العمر تک پہنچایا جاتا ہے۔ انجام کار ان کا علم جہل سے بدل جاتا ہے۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا اور پھر اس ضعف کے بعد قوت دی۔ اور پھر قوت کے بعد بھی ضعف اور بڑھاپا اسی نے مقرر کیا ہے۔ جیسا چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ علیم و قدیر ہے۔"

گویا بتلایا کہ انسانی جسم کبھی بھی گردشِ ایام سے محفوظ و مصئون نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ تغیر پذیر رہتا ہے۔

اب ان دونوں قانونوں کے رُو سے حضرت مسیحؑ کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں؟ اور کیونکر ایک ہی حالت پر زندہ رہ سکتے ہیں؟ اگر وہ زندہ ہیں تو کیا وہ ابھی تک پیرِ فرتوت نہ ہو گئے ہوں گے؟ اگر کہا جائے کہ ان پر کوئی تغیر نہیں ہوتا بلکہ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کی شان انہیں حاصل ہے تو بتلایا جائے کہ خدا میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ اور یہ شان صرف ان کو ہی کیوں دی گئی؟

دوسری حیثیت اور وفاتِ مسیحؑ

(۱) جملہ انبیاءؑ کے متعلق فرمایا وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (انبیاء ع) کہ ہم نے ان کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں نیز وہ بہت لمبے عرصہ تک زندہ رہنے والے نہ تھے۔

دوسری طرف حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق فرمایا۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (مائدہ ع) کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے یعنی اب نہیں کھاتے۔

بات صاف ہے کہ اگر مسیحؑ زندہ ہوتے تو اُن کو کھانا کھانا ضروری تھا مگر چونکہ اب

وہ نہیں کھاتے اسلیئے ان کی موت بدیہی امر ہے ۔

(۲) مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیۃ (مائدہ ع) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ الآیۃ (آل عمران ع)

ترجمہ ۔ مسیح بن مریم ایک رسول ہیں ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو گئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے کے تمام رسول فوت ہو گئے ہیں"

ان دو میں سے پہلی آیت میں حضرت مسیح سے پہلے کے رسولوں کی وفات کا تذکرہ تھا، حضرت مسیح باہر رہ جاتے تھے اسلیئے دوسری آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے جملہ نبیوں کی موت کا ذکر فرمایا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات بھی صراحتًا سمجھ آجائے ۔

خَلَتْ کے معنی اس جگہ صرف موت ہی ہو سکتے ہیں جس میں سب نبی مساوی ہیں اور جس پر لفظ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ بھی بطور قرینہ مخصصہ لایا گیا ہے ۔گویا خَلَتْ کی دو ہی صورتیں تھیں، موت یا قتل ۔ حضرت مسیح قتل تو ہوئے نہیں پس ان کی طبعی موت ثابت ہے ۔

(۳) جب کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ تو آسمان پر جاکر وہاں سے کتاب لے آ، تب ہم تجھے سچا رسول مان لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل ع) کہ ان کو کہدے کہ میرا رب پاک ہے میں تو ایک بشر رسول ہوں ۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنے قانون "فِيهَا تَحْيَوْنَ" کو توڑنے سے پاک ہے اور ذاتی طور پر میرے اندر طاقت نہیں ۔

اب کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برخلاف اپنے وعدہ کے حضرت مسیح کو آسمان پر بٹھا لیا یا وہ بشر رسول ہو کر خود چلے گئے جبکہ سید الاولین والآخرین کے لئے یہ بات جائز نہ رکھی گئی ؟ ممکن ہے کسی بھائی کو وہم گزرے کہ شبِ معراج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو آسمان پر گئے تھے ۔ اسلیئے یاد رہے کہ قرآن پاک میں اسراء کی رات آسمان پر جانا ہرگز مذکور نہیں ۔ اگر ہے تو کوئی دکھلائے ؟ باقی اگر کہو کہ احادیث میں ہے تو یہ صحیح ہے مگر خود بخاری شریف میں تمام واقعۂ معراج کے اخیر پر لکھا ہے وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر) کہ پھر آپ جاگ اٹھے اور

آپؐ مسجد الحرام میں ہی تھے۔" بلکہ خود قرآن کریم میں بھی اِس کو ایک رؤیا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل ع)

گویا معراج ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ پس مسیحؑ کی مزعومہ جسمانی طویل آسمانی زندگی سے معراج کو کیا نسبت؟

تیسری حیثیت اور وفاتِ مسیحؑ

عیسائی دنیا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کرکے پکارتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام باطل معبودوں کے متعلق فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (النحل ع)

کہ جن کو لوگ اللہ کے سوا معبود کرکے پکارتے ہیں، انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔ وہ فوت شدہ ہیں، زندہ نہیں۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اُٹھائے جائیں گے؟ اب بھلا بتلائیے کہ ایسی صریح نص کی موجودگی میں بھی کوئی شخص حیاتِ مسیحؑ پر مُصر رہے تو کیا وہ نصاریٰ کا مددگار نہ ہوگا؟ ؎

ہم عیسائیاں را از مقالِ خود مدد داد ÷ دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را

حضرت مسیحؑ کا نام لیکر ان کی وفات

گو یہ ضروری نہیں تھا کہ اس قدر نصوص کی موجودگی میں نام لے کر وفاتِ مسیحؑ کا ذکر کیا جاتا مگر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کا نام لیکر بھی ان کی وفات کا ذکر کر دیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

(۱) اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ (آل عمران ع)

ترجمہ۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دوں گا پھر تیرا رفع کروں گا، اور کافروں کے الزامات سے تیری تطہیر کروں گا، اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر تا قیامت غلبہ دوں گا۔"

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ سے چار وعدے فرمائے تھے۔ اور سب سے پہلے وفات کا وعدہ ہے۔ ترتیب قرآنی اور نصِّ حدیثی "اِبْدَؤُا بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ"

کے مطابق سب سے پہلے حضرت مسیحؑ کی موت کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر میں علامہ محمد فرید وجدی اپنی کتاب دائرۃ المعارف[1] (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) جلد ۴ صفحہ ۶۵۲ پر محققین کا قول نقل کرتے ہیں:۔

"وَقَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ كَمَا يَتَوَفَّى النَّاسَ ثُمَّ رُفِعَ اِلَيْهِ رُوْحُهٗ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ"

ترجمہ۔ دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو عام لوگوں کی طرح پہلے موت دی، بعد ازاں اُن کی رُوح اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائی گئی۔ جیسا کہ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ سے ثابت ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کا قول نقل فرماتا ہے:۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ۝

(المائدہ ع ۱۶)

ترجمہ۔ کہ میں اپنی قوم کا نگران تھا (اور گواہ ہوں کہ انہوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا نہیں بنایا) جب تک میں ان میں رہا۔ پر جب تُو نے مجھے موت دیدی تو تُو ہی ان کا نگرانِ حال تھا اور تُو ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

اِس آیت میں حضرت مسیحؑ اقرار فرماتے ہیں کہ جب میری قوم (نصاریٰ) نے مجھے خدا بنایا ہے اُس وقت میری توفّی (موت) ہوچکی تھی۔ عیسائی آپ کو خدا بتاتے ہیں اسلئے آپ کی وفات بھی ثابت ہے۔ دوسری طرح یوں سمجھئے کہ حضرت مسیحؑ یا اپنی قوم میں ہیں یا ان کی توفّی ہوچکی ہے کیونکہ آیت میں حرف فاء لا کر دلالت کی گئی ہے کہ ان کی قوم سے علیحدگی کا باعث توفّی ہی تھی۔ اب یہ تو عیاں ہے کہ حضرت مسیحؑ اِس وقت اپنی قوم میں نہیں اسلئے ان کے فوت شدہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

---

[1] اِس کتاب کو مصر کی وزارۃ المعارف العمومیۃ اور جامعہ ازہر وغیرہ میں مستند مانا گیا ہے۔ منہ

بھائیو! نصوصِ قرآنیہ ہر رنگ میں اور ہر حیثیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں۔ ان کی موجودگی میں آپ کیوں بلاوجہ وہ عقیدہ بناتے ہیں جو نہ صرف قرآن مجید کے ہی خلاف ہے بلکہ بانیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی عظمت میں بھی فرق لانے والا ہے۔ آپ خدائے واحد کے نام پر تنہائی میں غور فرمائیں کہ کونسا عقیدہ توحیدِ کامل کا مؤید اور شانِ نبوی کے مطابق ہے، حیاتِ مسیح یا وفاتِ مسیح؟

شیخ الازہر، مفتیٔ مصر، شیخ الاسلام علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ

الاستاذ علامہ محمود شلتوت کی خدمت میں حضرت مسیح کی حیات و وفات کے بارے میں استفتاء پیش ہوا۔ آپ نے اِس پر اعلان فرمایا کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہے۔ اِس پر بعض علماء نے اُن سے اختلاف کیا۔ بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ قرآن مجید سے وفاتِ مسیح صریح طور پر ثابت ہے۔ دسمبر ۱۹۵۹ء میں علامہ موصوف کے فتووں کا مجموعہ **مطبعة الازهر - الفتاوى** کے عنوان سے شائع ہوا اور آپ اُس وقت شیخ الازہر تھے[1]۔ ذیل میں وہ اصل فتویٰ پہلے عربی میں درج کیا جاتا ہے اور پھر اس کا لفظ بلفظ ترجمہ بھی دیا جائے گا۔ یہ فتویٰ احمدیت کی فتحِ عظیم ہے اور غیر عرب علماء و عوام کے لئے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ علامہ موصوف "رفعِ عیسیٰ" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:-

"رفع عیسیٰ"

ورد إلى مشيخة الأزهر الجليلة من حضرة عبد الكريم خان بالقيادة العامة لجيوش الشرق الأوسط سوال جاء فيه:

هل (عيسى) حي أو ميت في نظر القرآن الكريم والسنة المطهرة؟ وما حكم المسلم الذي ينكر انه حي؟ وما حكم من لا يؤمن به اذا فرض أنه عاد إلى الدنيا مرة أخرى؟

---

[1] حال ہی میں آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ (المؤلف)

وقد حول هذا السؤال إلينا فأجبنا بالفتوى التالية التى نشرتها مجلة الرسالة فى سنتها العاشرة بالعدد ٤٦٢ .

القرآن الكريم ونهاية عيسى:

أما بعد فان القرآن الكريم قد عرض لعيسى عليه السلام فيما يتصل بنهاية شانه مع قومه فى ثلاث سور:

(١) فى سورة آل عمران قوله تعالى " فلما احس عيسى منهم الكفر قال من انصارى إلى الله قال الحواريون نحن أنصار الله آمنا بالله واشهد بأنا مسلمون . ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين . ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين . إذ قال الله يا عيسى إنى متوفيك ورافعك إلى و مطهرك من الذين كفروا ، وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا إلى يوم القيامة، ثم إلى مرجعكم فأحكم بينكم فيما كنتم فيه تختلفون " ٥٢ — ٥٥ .

(٢) وفى سورة النساء قوله تعالى :" وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله ، وما قتلوه وما صلبوه ، ولكن شبه لهم ، وان الذين اختلفوا فيه لفى شك منه ، مالهم به من علم إلا اتباع الظن ، وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه ،وكان الله عزيزاً حكيماً " ١٥٧— ١٥٨ .

(٣) وفى سورة المائدة قوله تعالى: واذ قال الله يا عيسى بن مريم ،أأنت قلت للناس اتخذونى وأمى إلهين من دون الله قال سبحانك ما يكون لى أن أقول ما ليس لى بحق ،ان كنت قلته فقد علمته ، تعلم ما فى نفسى ولا اعلم ما فى نفسك ، إنك أنت علام الغيوب . ما قلت لهم إلا ما أمرتنى به: أن

اعبدوا الله ربي وربكم ، وكنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم ، فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم وأنت على كل شيء شهيد " ١١٦-١١٧ .

هذه هي الآيات التي عرض القرآن فيها لنهاية شأن عيسى مع قومه .

والآية الاخيرة (آية المائدة) تذكر لنا شأناً أخروياً يتعلق بعبادة قومه له ولأمه في الدنيا وقد سأله الله عنها وهي تقرر على لسان عيسى عليه السلام أنه لم يقل لهم إلا ما أمره الله به : (اعبدوا الله ربي وربكم) وأنه كان شهيداً عليهم مدة إقامته بينهم وأنه لا يعلم ما حدث منهم بعد أن (توفاه الله) .

معنى التوفي :

وكلمة (توفى) قد وردت في القرآن كثيراً بمعنى الموت حتى صار هذا المعنى هو الغالب عليها المتبادر منها ولم تستعمل في غير هذا المعنى إلا وبجانبها ما يصرفها عن هذا المعنى المتبادر : " قل يتوفاكم ملك الموت الذي وكل بكم (١) " ان الذين توفاهم الملئكة ظالمي أنفسهم " (٢) " ولو ترى إذ يتوفى الذين كفروا الملئكة " (٣) توفته رسلنا . ومنكم من يتوفى . حتى يتوفاهن الموت . توفني مسلماً وألحقني بالصالحين " .

ومن حق كلمة " توفيتني " في الآية أن تحمل هذا المعنى المتبادر وهو الاماتة العادية التي يعرفها الناس ويدركها

---

(١) الآية ١١ من السجدة . (٢) الآية ٩٧ من سورة النساء .

(٣) الآية ٥٠ من سورة الانفال .

من اللفظ و السياق الناطقين بالمضاد . و إذن فالآية لو لم يتصل بها غيرها فى تقرير نهاية عيسى مع قومه لما كان هناك مبرر للقول بأن عيسى حى لم يمت

ولا سبيل الى القول بأن الوفاة هنا مراد بها وفاة عيسى بعد نزوله من السماء بناء على زعم من يرى أنه حى فى السماء ، و أنه سينزل منها آخر الزمان، لأن الآية ظاهرة فى تحديد علاقته بقومه هو، لا بالقوم الذين يكونون فى آخر الزمان وهم قوم محمد باتفاق ، لا قوم عيسى .

معنى "رفعه الله اليه": وهل هو الى السماء؟

أما آية النساء فانها تقول " بل رفعه الله اليه" وقد فسرها بعض المفسرين بل جمهورهم بالرفع إلى السماء، و يقولون : ان الله ألقى على غيره شبهه . ورفعه بجسده إلى السماء فهو حى فيها و سينزل منها آخر الزمان ، فيقتل الخنزير ويكسر الصليب ، و يعتمدون فى ذلك -

أولا : على روايات تفيد نزول عيسى بعد الدجال ، و هى روايات مضطربة مختلفة فى ألفاظها و معانيها اختلافاً لا مجال معه للجمع بينها ، و قد نص على ذلك علماء الحديث و هى فوق ذلك من رواية وهب بن منبه وكعب الأحبار وهما من أهل الكتاب الذين اعتنقوا الاسلام وقد عرفت درجتهما فى الحديث عند علماء الجرح و التعديل:

ثانيا : على حديث مروى عن أبى هريرة اقتصر فيه على الاخبار بنزول عيسى و إذا صح هذا الحديث فهو حديث آحاد-

وقد أجمع العلماء على أن أحاديث الاحاد لاتفيد عقيدة ولا يصح الاعتماد عليها فى شأن المغيبات:

ثالثاً: على ما جاء فى حديث المعراج من أن محمداً صلى الله عليه وسلم حينما صعد إلى السماء وأخذ يستفتحها واحدة بعد واحدة فتفتح له ويدخل، رأى عيسى عليه السلام هو وابن خالته يحيى فى السماء الثانية - ويكفينا فى توهين هذا المستند ما قرره كثير من شراح الحديث فى شأن المعراج وفى شأن اجتماع محمد صلى الله عليه وسلم بالانبياء، وانه كان اجتماعا روحيا لاجسمانيا (انظر فتح البارى وزاد المعاد وغيرهما).

ومن الطريف أنهم يستدلون على أن معنى الرفع فى الآية هو رفع عيسى بجسده الى السماء بحديث المعراج بينما ترى فريقاً منهم يستدل على أن اجتماع محمد بعيسى فى المعراج كان اجتماعاً جسدياً بقوله تعالى "بل رفعه الله إليه" هكذا يتخذون الآية دليلا على ما يفهمونه من الحديث حين يكونون فى تفسير الحديث، ويتخذون الحديث دليلا على ما يفهمونه من الآية حين يكونون فى تفسير الآية.

الرفع فى آية آل عمران:

ونحن إذا رجعنا إلى قوله تعالى: "إنى متوفيك ورافعك إلى" فى آيات آل عمران مع قوله "بل رفعه الله إليه" فى آيات النساء وجدنا الثانية اخباراً عن تحقيق الوعد الذى تضمنته الأولى، وقد كان هذا الوعد بالتوفية والرفع والتطهير من الذين كفروا، فاذا كانت الآية الثانية قد جاءت خالية من التوفية

والتطهير، واقتصرت على ذكر الرفع إلى الله فانه يجب أن يلاحظ فيها ما ذكر فى الأولى جمعا بين الآيتين .

والمعنى أن الله توفى عيسى ورفعه اليه وطهره من الذين كفروا. وقد فسر الألوسى قوله تعالى "انى متوفيك" بوجوه منها- وهو أظهرها- انى مستوفى أجلك ومميتك حتف انفك لا أسلط عليك من يقتلك، وهو كناية عن عصمته من الأعداء وما هم بصدده من الفتك به عليه السلام لأنه يلزم من استيفاء الله أجله وموته حتف أنفه ذلك .

وظاهر أن الرفع الذى يكون بعد التوفية هو رفع المكانة لا رفع الجسد خصوصا وقد جاء بجانبه قوله : (ومطهرك من الذين كفروا) مما يدل على أن الأمر امر تشريف وتكريم.

وقد جاء الرفع فى القرآن كثيراً بهذا المعنى: فى بيوت أذن الله أن ترفع. نرفع درجات من نشاء. ورفعنا لك ذكرك. ورفعناه مكاناً علياً. يرفع الله الذين آمنوا الخ .

واذن فالتعبير بقوله (ورافعك الى) وقوله (بل رفعه الله اليه) كالتعبير فى قولهم لحق فلان بالرفيق الاعلى وفى (ان الله معنا) وفى (عند مليك مقتدر) وكلها لا يفهم منها سوى معنى الرعاية والحفظ والدخول فى الكنف المقدس . فمن أين تؤخذ كلمة السماء من كلمة (اليه) ؟ اللهم ان هذا لظلم للتعبير القرآنى الواضح خضوعاً لقصص وروايات لم يقم على الظن بها- فضلا عن اليقين برهان ولا شبه برهان !

الفهم المتبادر من الآيات

وبعد فما عيسى الا رسول قد خلت من قبله الرسل

فاصبه قومه العداء، وظهرت على وجوههم بوادر الشر بالنسبة اليه، فالتجأ الى الله شان الانبياء والمرسلين فانقذه الله بعزته وحكمته وخيب مكرأعدائه. وهذا هو ما تضمنته الآيات (فلما أحس عيسى منهم الكفر قال من أنصارى الى الله) الى آخرها، بين الله فيها قوة مكره بالنسبة الى مكرهم، وأن مكرهم فى اغتيال عيسى قد ضاع أمام مكر الله فى حفظه وعصمته اذ قال (ياعيسى انى متوفيك ورافعك الى ومطهرك من الذين كفروا) فهو يبشره بانجائه من مكرهم ورد كيدهم فى نحورهم وأنه سيتوفى أجله حتى يموت حتف أنفه من غير قتل ولا صلب، ثم يرفعه الله اليه.

وهذا هو ما يفهمه القارئ للآيات الواردة فى شان نهاية عيسى مع قومه متى وقف على سنة الله مع أنبيائه حين يتألب عليهم خصومهم، ومتى خلا ذهنه من تلك الروايات التى لا ينبغى أن تحكم فى القرآن ولست أدرى كيف يكون انقاذ عيسى بطريق انتزاعه من بينهم ورفعه بجسده الى السماء مكرا؟ وكيف يوصف بأنه خير من مكرهم مع أنه شئ ليس فى استطاعتهم أن يقاوموه، شئ ليس فى قدرة البشر؟

ألا انه لا يتفق مكر فى مقابلة مكر الا اذا كان جاريا على أسلوبه، غير خارج عن مقتضى العادة فيه. وقد جاء مثل هذا فى شان محمد صلى الله عليه وسلم (واذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين).

رفع عيسى ليس عقيدة يكفر منكرها

والخلاصة من هذا البحث:

۱۔ أنه ليس فى القرآن الكريم ولا فى السنة المطهرة مستند يصلح لتكوين عقيدة يطمئن اليها القلب بأن عيسى رفع بجسمه الى السماء وأنه حى الى الآن فيها وأنه سينزل منها آخر الزمان فى الارض۔

۲۔ أن كل ما تفيده الآيات الواردة فى هذا الشأن هو وعد الله عيسى بأنه متوفيه أجله ورافعه اليه وعاصمه من الذين كفروا، وان هذا الوعد قد تحقق فلم يقتله اعداؤه ولم يصلبوه ولكن وفاه الله أجله ورفعه اليه۔

۳۔ ان من أنكر أن عيسى قد رفع بجسمه الى السماء وأنه حى الى الآن وأنه سينزل منها آخر الزمان فانه لا يكون بذلك منكراً لما ثبت بدليل قطعى فلا يخرج عن اسلامه وايمانه ولا ينبغى أن يحكم عليه بالردة، بل هو مسلم مؤمن، اذا مات فهو من المؤمنين يصلى عليه كما يصلى على المؤمنين ويدفن فى مقابر المؤمنين ولا شية فى ايمانه عند الله والله بعباده خبير بصير۔"

ترجمہ:۔

"حضرت عیسیٰؑ کے رفع کی حقیقت

جامع ازہر کے علماء کبار کی مجلس میں مشرق وسطیٰ کی فوجی قیادتِ عامہ کے عبدالکریم خان صاحب کی طرف سے سوال آیا ہے کہ کیا قرآن مجید اور سنتِ نبویہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں یا وفات پا گئے؟ نیز اس مسلمان پر کیا فتویٰ ہے جو اُن کے زندہ ہونے کا منکر ہے؟ نیز اس شخص کو کیا کہیں گے جو بالفرض اُن کے دوبارہ آنے پر ایمان نہ لائے؟

یہ سوال مجلس کی طرف سے ہمارے سپرد کیا گیا اور ہم نے اس پر ذیل کا

فتویٰ دیا جسے مصر کے ماہنامہ الرسالۃ نے جلد ۱۰ اور نمبر ۴۶۲ میں شائع کیا ہے۔

حضرت مسیحؑ کا انجام از روئے قرآن مجید

قرآن کریم نے تین مختلف سورتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ان آخری حالات کو ذکر کیا ہے جو اُن کو اپنی قوم سے تعلق میں پیش آئے:۔

(۱) سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلما احس عیسیٰ منھم الکفر ــــ فیما کنتم فیہ تختلفون (آیت ۵۲ ــ ۵۵)

(۲) سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و قولھم انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ ــــ عزیزاً حکیماً: (آیت ۱۵۷ ــ ۱۵۸)

(۳) سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اذ قال اللہ یا عیسی بن مریم ــــ و انت علی کل شئ شھید (آیت ۱۱۶ ــ ۱۱۷)

یہی وہ آیات ہیں جن میں قرآن کریم نے حضرت مسیحؑ کے اس انجام کو بیان فرمایا ہے جو انہیں اپنی قوم کے تعلق میں پیش آیا تھا۔

آخری آیت یعنی سورۃ المائدہ کی آیت اگلے جہان کی اس گفتگو کو بیان کرتی ہے جو نصاریٰ کی طرف سے دنیا میں مسیحؑ اور ان کی والدہ کی عبادت کرنے کے بارے میں ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے اس کے متعلق دریافت فرمائے گا۔ یہ آیت تصریح کر رہی ہے کہ حضرت مسیحؑ عرض کریں گے کہ انہوں نے عیسائیوں کو صرف وہی بات کہی تھی جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ نیز وہ عرض کریں گے کہ میں جب تک اُن کے درمیان موجود تھا میں ان کا نگران تھا۔ البتہ مجھے اس کے بعد ہونے والے واقعات کا علم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے مجھے وفات دے دی تھی۔

توفّی کے معنے

قرآن کریم میں لفظ توفّی بکثرت وفات کے معنوں میں وارد ہوا ہے یہاں تک کہ اس لفظ کے یہی معنے عام پر مستعمل ہونے لگ گئے اور لفظ توفی سے موت کے معنے متبادر طور پر سمجھے جانے لگے۔ اور جب تک لفظ توفّی کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو اُسے اس متبادر معنی سے دوسرے معنے کی طرف پھیر دے یہ لفظ موت کے معنے کے علاوہ کسی اَور معنے میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ آیات قل یتوفاکم ملك الموت الذی وکّل بکم (السجدہ: ۱۱) انّ الذین توفاھم الملئکة ظالمی انفسھم (النساء: ۹۷) ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملئکة (الانفال: ۵۰) توفّته رسلنا۔ ومنکم من یتوفی۔ حتّی یتوفاھن الموت۔ توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین پیش ہیں۔

آیت میں لفظ توفّیتنی کا حق ہے کہ اس سے وہی متبادر معنے مراد لئے جائیں جسے سب لوگ سمجھتے ہیں اور جسے اس لفظ اور اس کے سیاق سے سب عربی بولنے والے جانتے ہیں یعنی معروف موت۔ اندریں صورت جب تک اس آیت کے ساتھ کوئی اَور چیز شامل کر کے مسیح کا اپنی قوم کے ساتھ اَور انجام متعین نہ کیا جائے۔ اس آیت کے رُو سے یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور ابھی تک فوت نہیں ہوئے۔

پھر ان لوگوں کے خیال کی وجہ سے جو حضرت مسیح کو ہنوز آسمان پر زندہ گمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے اِس بات کی بھی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ آیت میں وفات سے مراد مسیح کے آسمان سے اُترنے کے بعد کی وفات ہے۔ کیونکہ آیت (فلما توفیتنی) جو صریح طور پر ان کی اپنی قوم سے تعلق کی حدبندی کر رہی ہے ان لوگوں پر شامل نہیں ہے جو

آخری زمانہ میں ہوں گے کیونکہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں نہ کہ مسیح کی قوم۔

رفعہ اللہ الیہ کے معنے

سورۃ النساء کی آیت میں بل رفعہ اللہ الیہ وارد ہوا ہے بعض مفسّرین بلکہ جمہور مفسّرین نے اس میں رفع کی تفسیر آسمان کی طرف لے جانا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو مسیح کی شبیہ بنا دیا اور مسیح کو جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا۔ وہ وہاں زندہ ہے اور آخری زمانہ میں وہاں سے اُترے گا۔ سُؤروں کو قتل کرے گا اور صلیب کو توڑے گا۔ مفسّرین اس بارے میں اوّل تو ان روایات پر اعتماد کرتے ہیں جو دجال کے بعد نزول عیسیٰؑ کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ روایات مضطرب اپنے الفاظ اور معانی میں اتنا شدید اختلاف رکھتی ہیں کہ ان میں تطبیق ممکن نہیں۔ اس امر کی تصریح خود علماء حدیث نے کی ہے۔ مزید برآں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک ان راویوں کا درجہ تم بخوبی جانتے ہو۔ دوسری بنیاد مفسّرین کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ جس میں انہوں نے نزولِ عیسیٰؑ کی خبر پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی یہ حدیث احاد ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ احادیث احاد سے نہ تو کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی امورِ غیبیہ کے بارے میں ان پر اعتماد کرنا درست ہے۔

مفسّرین کی تیسری سند وہ بیان ہے جو حدیث معراج میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی طرف صعود فرمایا اور یکے بعد دیگرے آسمانوں کو کھولتے گئے اور ان میں داخل ہوتے گئے تو آپؐ نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰؑ کو دوسرے آسمان پر دیکھا۔ ہمارے لیے اس

استناد کو کمزور ثابت کرنے کے لیئے یہی کافی ہے کہ خود شارحین حدیث کی اکثریت نے قرار دیا ہے کہ معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبیوں سے ملاقات روحانی رنگ کی تھی جسمانی نہ تھی۔ (فتح الباری اور زاد المعاد وغیرہ ملاحظہ ہوں)

اور عجیب تر یہ ہے کہ مفسّرین ایک طرف حدیث معراج سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ آیت میں حضرت عیسٰےؑ کے رفع سے مراد جسم سمیت آسمان پر اٹھایا جانا ہے جبکہ اُن میں سے ایک گروہ آیت بل رفعه الله الیه کو اس بات کی دلیل بتا رہا ہے کہ معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت مسیح سے جسمانی طور پر ملاقات ہوئی تھی۔ گویا اس طرح یہ لوگ جب حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اپنے مزعومہ معنوں پر آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اس تفسیر کے لیئے حدیث کے مزعومہ معنوں کو بطور سند لاتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آیت میں رفع سے مراد

جب ہم سورۃ آل عمران کی آیت انی متوفیك ورافعك الیّ کو سورۃ نساء کی آیت بل رفعه الله الیه سے ملا کر پڑھتے ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی آیت میں جو وعدہ تھا دوسری میں اُسی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ یہ وعدہ وفات، رفع اور کافروں سے تطہیر کا تھا۔ اگرچہ دوسری آیت (نساء والی آیت) میں وفات اور تطہیر کا بیان نہیں اور صرف رفع الی اللہ مذکور ہے تاہم دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے ضروری ہے کہ اس سارے وعدے کو اس جگہ بھی مدّنظر رکھا جائے۔ پس آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰےؑ کو وفات دی، پھر ان کا رفع فرمایا اور انہیں کافروں سے پاک ٹھہرایا۔

مشہور مفسّر علامہ الالوسی نے متوفیك کی جو متعدد تفسیریں کی ہیں ان میں سے واضح ترین یہی معنے ہیں کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا اور تجھے

طبعی موت سے وفات دوں گا۔ تجھ پر کوئی ایسا شخص مسلط نہ ہوگا جو تجھے قتل کر سکے۔ گویا اس میں بطور کنایہ بتا دیا گیا کہ حضرت مسیحؑ دشمنوں کے قتل وغیرہ سے محفوظ رہیں گے کیونکہ یہ بات پوری عمر دیئے جانے اور طبعی وفات پانے سے لازم آتی ہے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وفات کے بعد رفع سے مراد صرف بلندئ درجات ہی ہو سکتی ہے نہ کہ جسمانی رفع۔ بالخصوص جبکہ آیت میں ساتھ ہی ومطھرك من الذین کفروا کا لفظ بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر شرف وعزّت اور تکریم شان کا ذکر مقصود ہے۔

قرآن مجید میں لفظ رفع اِن معنوں میں بکثرت آیا ہے مثلاً آیات: فی بیوت اذن اللہ ان ترفع - نرفع درجات من نشاء - رفعنا لك ذکرك - ورفعناہ مکاناً علیاً - یرفع اللہ الذین آمنوا - الخ

پس آیت رافعك الیّ اور بل رفعہ اللہ الیہ میں وہی مضمون اور تعبیر مراد ہے جو عام قول "لحق فلانٌ بالرفیق الاعلیٰ" اور آیات " ان اللہ معنا " اور " عند ملیك مقتدر " میں مراد ہے۔ اِن سب جگہ حفاظت، نگرانی اور مقدس پناہ میں داخل ہونے کے سوا کچھ مراد نہیں۔ پھر لفظ " الیہ " میں آسمان کا لفظ کہاں سے لیا جاتا ہے؟ بخدا قرآن کریم کے واضح طریق بیان پر یہ صریح ظلم محض ان قصّوں اور روایتوں کی اتّباع میں روا رکھا جاتا ہے جن کے درست ہونے پر یقینی طور پر تو کجا ظنّی طور پر بھی کوئی دلیل یا نیم دلیل قائم نہیں ہے۔

آیات کا واضح اور متبادر مفہوم

علاوہ بریں حضرت مسیحؑ صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی قوم نے اُن سے دشمنی کی اور ان کے بارے

ہیں اُن کے بُرے ارادے نمایاں تھے۔ تب حضرت مسیح نے نبیوں اور رسُولوں کے طریق کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور حکمت سے انہیں محفوظ رکھا اور دشمنوں کے مکر کو ناکام کر دیا۔ یہی وہ مضمون ہے جو آیات فلما احس عیسی منھم الکفر الخ میں مذکور ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کے مکر کے مقابلہ پر نہایت قوی اور زبردست ہوتی ہے اسلئے حضرت مسیح کو بچانے اور محفوظ کرنے کی الٰہی تدبیر کے سامنے یہود کا مسیح کو قتل کرنے کا منصوبہ سراسر اکارت گیا۔ آیت یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو بشارت دی تھی کہ وہ اسے دشمنوں کے مکر سے نجات دیگا اور اُن کی بُری تدبیر کو اُن کے مُنہ پر مارے گا۔ وہ حضرت مسیح کو طبعی عمر دے گا یہاں تک کہ وہ آخر کار بغیر قتل اور صلیب کے طبعی طور پر فوت ہوں گے۔ نیز خدا تعالیٰ ان کا اپنی طرف رفع کرے گا۔

ہر وہ شخص جس کا ذہن اُن روایات سے خالی ہو جنہیں قرآن کریم پر حکم بنانا جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس سُنّت کو بھی جانتا ہو جو نبیوں پر دشمنوں کے حملہ آور ہونے کے وقت ظاہر ہوتی رہی ہے مندرجہ بالا آیات پڑھتے وقت ان کا مذکورہ مفہوم ہی سمجھے گا نہ کچھ اور۔ یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ مسیح کو یہود کے درمیان سے اُٹھا کر آسمان پر لے جانے کو "مکر" کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے اور پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ یہود کے مکر سے بہتر تھا حالانکہ وہ اس صورت کا سرے سے مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ انسانی طاقت سے بالا ہے؟ انسانی مکر کے مقابلہ پر الٰہی تدبیر پر لفظ مکر کا اطلاق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ تدبیر عام عادت سے خارج نہ ہو اور انسانی مکر کے اسلوب پر نافذ ہو۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

فرماتا ہے واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین۔

مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا منکر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا!

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

اوّل۔ قرآن کریم میں نیز سنّتِ نبویہ مقدسہ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں جس پر اس عقیدہ کو اطمینانِ قلب سے مبنی سمجھا جا سکے کہ حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہاں سے آخری زمانہ میں زمین پر اتریں گے۔

دوم۔ اس بارے میں قرآن کریم کی آیات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اسے وقتِ مقررہ پر وفات دے گا اور اس کا اپنی طرف رفع کرے گا اور کافروں سے اُسے محفوظ رکھے گا اور یہ وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے دشمن اسے مقتول و مصلوب نہیں بنا سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدّت پوری کر کے انہیں وفات دے دی اور اپنی طرف رفع فرمایا۔

سوم۔ پس جو شخص مسیحؑ کے جسم سمیت آسمانوں پر اُٹھائے جانے اور وہاں زندہ ہونے اور آخری زمانہ میں آسمان سے اُترنے کا انکار کرتا ہے وہ کسی ایسی چیز کا انکار نہیں کرتا جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو لہٰذا وہ ایمان و اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اس پر ارتداد کا حکم لگانا ہرگز درست نہیں بلکہ وہ مسلمان اور مومن ہے۔ جب وہ فوت ہو تو مومنوں کی طرح اس کا جنازہ پڑھا جانا چاہیئے اور مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفن کیا جانا چاہیئے۔ عند اللہ اس کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ بعبادہ خبیر بصیر۔"

(کتاب الفتاوی مطبوعہ ازہر دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۲ تا ۵۸)

وفاتِ مسیح اور احادیث

اگرچہ نصوصِ قرآنیہ[1] کے بعد کسی حدیث کی حاجت نہیں لیکن دو حدیثوں کا ذکر کر نا بھی مناسب ہے۔

پہلی حدیث ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو وہ آج ضرور میری پیروی کرتے "یعنی وہ فوت ہو چکے ہیں ۔ (تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ ، الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴ ، شرح مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۶) اسی حدیث کی بناء پر امام ابن القیم کی کتاب میں بھی لکھا ہے ۔ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی فِیْ حَیَاتِهِمَا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ (مدارج السالکین جلد ۲ صفحہ ۳۱۲) اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بقیدِ حیات ہوتے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں شامل ہوتے ۔"

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اِس قسم کے الفاظ مختلف طرق پر آئے ہیں ۔ مندرجہ بالا روایت میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کا نام ہے ۔ ایک روایت میں صرف حضرت موسیٰؑ کا نام ہے اور ایک میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے اور وہ یہ ہے ۔ لَوْ کَانَ عِیْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۲) امام ملّا علی قاری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو میری تابعداری کرتے ۔ پس کسی روایت میں صرف موسیٰؑ کا لفظ پاکر متذکرہ صدر روایت کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ جس طرح صرف حضرت عیسیٰؑ والی روایت سے موسیٰؑ والی روایت کو ردّ نہیں کیا جا سکتا ۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ درست ہے ۔ علامہ ابن رشید البغدادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کیا خوب کہا ہے ؎

مَحَوْنَا بِكَ الْاَدْيَانَ لَوْ عَاشَ رُسْلُنَا
لَجَاءَكَ عِیْسٰی تَابِعًا وَكَلِیْمُ

اے رسول ! تیرے ذریعہ سے سب دین منسوخ ہو گئے ۔ اگر پہلے رسول زندہ ہوتے

---

[1] ہم نے اختصار کو مدّنظر رکھا ہے اسلئے جملہ آیات و احادیث درج نہیں کیں ۔ ماننے والے کیلئے تو ایک دلیل بھی کافی ہوتی ہے ۔ (مؤلف)

تو تیرے تابعدار ہوتے۔" (دیوان محدث الاضافات مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۸)

دوسری حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَ مِائَةَ سَنَةٍ۔ تحقیق حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے ہیں (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ جلالین مجتبائی صفحہ ۵) گویا نہ صرف حضرت عیسےٰؑ کی موت کا اعلان فرمایا بلکہ ان کی عمر بھی بتادی۔

احادیث نبویہ میں حضرت مسیحؑ کے زندہ یا جسم سمیت آسمان پر ہونے کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ البتہ "نزولِ ابن مریم" کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح البخاری) کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ گویا وہ اُمّتِ محمدیہ کا فرد ہوگا۔ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیا کا ذکر کرکے واضح فرمادیا کہ اسرائیلی مسیح اَور تھا اور اُمّتِ محمدیہ کا موعود اَور ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مسیح کے حُلیہ میں فرمایا اَحْمَرُ جَعْدٌ کہ اس کا رنگ سُرخ ہے اور بال گھونگریالے ہیں۔ اور مسیح موعود کے متعلق فرمایا آدَمُ سَبِطٌ کہ وہ گندم گوں رنگ کا ہوگا اور اس کے بال سیدھے ہوں گے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ مصر)

پس نزول ابن مریم والی احادیث سے حضرت مسیحؑ کی جسمانی زندگی کا استدلال باطل ہے احادیث میں حیاتِ مسیحؑ کے عدمِ ذکر کا اعتراف سب علماء کر رہے ہیں۔ تازہ اعتراف یہ ہے کہ:۔

"حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اِس موضوع پر ارشاد فرمایا نزولِ مسیح بن مریم ہی ذکر فرمایا کبھی بھی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا لفظ آپؐ کی زبانِ مبارک پر نہیں آیا۔"

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۷)

صحابہ کرامؓ کے دو عظیم الشان اجماع وفاتِ مسیحؑ پر

(۱) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے جاں نثاری،

وارفتگی اور عاشقانہ محبت کو دیکھتے ہوئے ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ وہم نہیں کیا جا سکتا کہ آپ پر وہ کسی دوسرے نبی کو کسی نوع کی بھی فضیلت دیتے تھے چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ "سردارِ دو جہاںؐ زیرِ زمین مدفون اور حضرت عیسیٰ بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں" حاشا وکلا۔

نہ معلوم ان بزرگ ہستیوں کی طرف یہ عقیدہ کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے جبکہ انہوں نے ایک نہیں بلکہ دو دفعہ عظیم الشان اجتماع کے ذریعہ اس حقیقت پر مُہر کر دی کہ حضرت عیسیٰؑ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لیئے انتقال فرما گئے۔ چنانچہ حضور سرورِ کائنات کی وفات کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ فرما رہے تھے کہ جو آپؐ کو وفات یافتہ قرار دے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہؓ کے سامنے حسب ذیل خطبہ پڑھا۔

أَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ - الى قوله اَلشَّاكِرِين۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ جلد ۳ صـ۲۲ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: جو تم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آج آپؐ فوت ہو گئے ہیں۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ اور غیر فانی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خطبہ صحابہؓ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام امیدوں پر پانی پھیرنے والا تھا۔ اُنہوں نے آیتِ قرآنی کی بناء پر یقین کر لیا کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں کیونکہ آپؐ سے پہلے بھی تمام رسول فوت

ہو چکے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ایک بھی گزشتہ نبی زندہ ہوتا تو وہ فرطِ محبت کے باعث آپؐ کی موت کے قائل نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا بھی ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ حضورؐ زندہ ہیں، اِنَّمَا رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ کَمَا رُفِعَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (حجج الکرامہ ص۴۳۱) جیسے حضرت عیسیٰؑ کا رفع ہوا ہے ویسے ہی آپؐ کا بھی رفع ہوا ہے اور آپؐ بھی دوبارہ تشریف لائیں گے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے زبردست استدلال اور آیت قرآنی کی نص نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف آپؐ ہی فوت ہوئے ہیں بلکہ جمیع انبیاء کرام بھی وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور باقی صحابہؓ نے بھی سکوت اختیار کر کے حضرت عیسیٰؑ کی موت پر مہرِ یقین ثبت کر دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:-

"وَاللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ تَلَاھَا فَعَقِرْتُ حَتّٰی مَا تُقِلُّنِیْ رِجْلَایَ وَحَتّٰی اَھْوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ حِیْنَ سَمِعْتُہٗ تَلَاھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔" (بخاری جلد ۲ ص۶۴۱)

کہ بخدا جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو آیت وَمَا مُحَمَّدٌ پڑھتے سنا تو میں سمجھا کہ یہ آیت تو مجھے ابھی معلوم ہوئی ہے، پھر تو میرے پاؤں میں طاقت نہ رہی اور میں زمین پر گر پڑا کیونکہ ابوبکرؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔"

دیگر صحابہؓ کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں ؎

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ
مَنْ شَآءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

"اے نبی! تو میری آنکھ کی پتلی تھا تیرے مرنے سے میری آنکھ اندھی ہو گئی
تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو تیرا ہی ڈر تھا کہ تو فوت نہ ہو جائے۔"

آہ! کہاں یہ وارفتگی اور کہاں موجودہ مسلمانوں کے خیالات ؏

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

صحابہ کرامؓ کا یہ زبردست اجماع روزِ روشن کی طرح بتا رہا ہے کہ کوئی صحابی بھی حضرت

عیسٰیؑ کی زندگی کا معتقد نہ تھا۔ اگر کوئی روایاتِ نصاریٰ کے ماتحت ان کو پہلے زندہ سمجھتا بھی تھا تو حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ نے اس کی غلطی کا بھی ازالہ کر دیا اور سب صحابہؓ کا اس مسئلہ میں واحد مسلک (وفاتِ مسیح) ہو گیا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا:-

"اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ قُبِضَ اللَّیْلَۃَ رَجُلٌ لَمْ یَسْبِقْہُ الْاَوَّلُوْنَ وَلَا یُدْرِکُہُ الْاٰخِرُوْنَ قَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبْعَثُہُ الْمَبْعَثَ فَیَکْتَنِفُہُ جِبْرِیْلُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ شِمَالِہٖ فَلَا یَنْثَنِیْ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ لَہٗ وَمَا تَرَکَ اِلَّا سَبْعَ مِائَۃِ دِرْھَمٍ اَرَادَ اَنْ یَّشْتَرِیَ بِھَا خَادِمًا وَلَقَدْ قُبِضَ فِی اللَّیْلَۃِ الَّتِیْ عُرِجَ فِیْھَا بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ۔"

(طبقاتِ کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶)

کہ اے لوگو! آج رات وہ انسان فوت ہوا ہے کہ پہلے اور پچھلے اس کے مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنگ کے لئے بھیجا کرتے تھے تو جبرائیل آپ کے دائیں اور میکائیل بائیں ہوتا تھا اور آپ فتح کے بغیر واپس نہ لوٹتے تھے۔ آپؓ کا ترکہ سات سو درہم ہے جن کے متعلق آپؓ کا ارادہ تھا کہ ایک غلام خریدیں۔ آپؓ اس رات میں فوت ہوئے جس میں حضرت عیسٰےؑ بن مریم کی رُوح اٹھائی گئی تھی یعنے ستائیس (۲۷) رمضان۔"

اس بیان میں نہایت تصریح کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ آسمان پر جانے والی چیز صرف حضرت عیسٰے علیہ السلام کی رُوح تھی، اُن کا جسم آسمان پر نہ گیا تھا۔ اور پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ عیسٰےؑ کی موت کی تاریخ ۲۷ رمضان تھی۔

بھائیو! عجیب حکمتِ الٰہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد اگر صحابہؓ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہوتا ہے تو وہ وفاتِ مسیح ہے۔ اور خلافتِ راشدہ کے بعد بھی پہلا اجماع اسی عقیدہ پر ہوتا ہے۔ اور ہر دو وقتوں میں ہونے والا خلیفہ ہی خطبہ

پڑھتا ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہ سکے۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی بعض لوگ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" پر گامزن ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں۔ یَا لَلْعَجَب !

عزیزو! غور کرو کہ قرآنی نصوص، احادیثی بیانات، اور اجماع کے خلاف عقیدہ رکھ کر آپ کیونکر "اہل سنت والجماعت" کہلا سکتے ہیں؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا (بخاری باب الاسراء جلد ا صفحہ ۹) کیا یہ کافی شہادت نہ تھی؟ پھر آپؐ نے خود فوت ہو کر بتلا دیا کہ مجھ سے پہلے بھی کوئی رسول زندہ نہیں۔ کیا اس سے آپ کی تسلی نہیں ہو سکتی؟ پھر کیا صحابہ کرامؓ کے یہ دو بیّن اور اظہر من الشمس اجماع آپ کو اطمینان نہیں دلا سکتے؟ اگر نہیں تو کیا اس کے برخلاف "حیاتِ مسیحؑ" کے متعلق بھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نقلِ قرآنی یا اجماع صحابہؓ ہے؟ ہرگز نہیں!

اب آپ ہی خود فیصلہ فرمائیں کہ کونسا فریق اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ہے؟ کیا ہی خوش قسمت وہ انسان ہے جس کے لئے یقین اور بصیرت کے دروازے کھولے گئے اور اس نے حق کو پا لیا۔

عقیدۂ وفاتِ مسیحؑ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی وصیّت!

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ یونہی بے ضرورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر زور دے رہی ہے مگر یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ :۔

اوّل تو جب قرآن مجید نے اپنی صریح نصوص میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر فرمایا ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس عقیدہ کو اختیار کرے، اس کا اعلان کرے اور اس کے دلائل سے لوگوں کو آگاہ کرے۔

دوم:۔ آج اس زمانہ میں اس عقیدہ کی اسلام کی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری و افضلیت کے اعلان کے لئے اساسی ضرورت ہے۔ عیسائی پادریوں نے جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اس کے ازالہ کے لئے عقیدۂ

وفاتِ مسیح از بس لازمی ہے۔ گویا یہ پادریوں کے زہر کے لئے قرآنی تریاق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو آخری وصیّت کے طور پر فرمایا ہے کہ:۔

"اے میرے دوستو! اب میری ایک آخری وصیّت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتح یاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی رُوئے زمین سے صف لپیٹ دو گے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقاتِ عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پُر زور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کر دو۔ جب تم مسیح کا مُردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو ان کا مذہب فوت نہیں ہو سکتا اور دوسری تمام بحثیں ان کے ساتھ عبث ہیں۔ ان کے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلا دے اس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وکان وعد اللّٰہ مفعولاً انت معی وانت علی الحق المبین۔ انت مصیبٌ ومعین للحق۔" (ازالۂ اوہام طبع پنجم ص۲۳)

پادریوں کی شکست فاش کا اعتراف

سنہ ۱۹۳۴ء میں دہلی سے نور محمد صاحب مالک اصح المطابع نے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب کے دونوں ترجموں والا ایک قرآن شریف شائع کیا۔ اس کے دیباچہ میں صاف اور واضح اقرار کیا گیا ہے کہ عیسائی پادریوں کی ہندوستان کو عیسائی بنانے کی سکیم کو حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ نے عقیدۂ وفات مسیحؑ سے سراسر ناکام بنا دیا اور پادریوں کو ہندوستان سے لے کر ولایت تک شکست دیدی۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

"اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بڑی جماعت لیکر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا۔ کیونکہ احکامِ اسلام و سیرتِ رسولؐ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اس کا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا مگر حضرت عیسٰیؑ کے آسمان پر بجسمِ خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمدؑ قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسٰیؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسٰے کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اِس ترکیب سے اُس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اسی ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے

پادریوں کو شکست دیدی" (دیباچہ معجز نما کلاں قرآن شریف مترجم مطبوعہ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۰)

کیا اس واضح حقیقت کے باوجود کسی مسلمان کو عقیدۂ وفات مسیح کا انکار کرنا چاہیئے؟ سچ ہے ؎

ابن مریم مرگیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

مبحث دوم

ختم نبوت کی حقیقت

ایک ضروری وضاحت

جماعت احمدیہ کا مسئلہ نبوت میں جو اختلاف موجودہ علماء سے ہے پہلے اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ یاد رہے کہ سلسلۂ انبیاء حضرت آدمؑ سے شروع ہوا۔ ہر نبی ایک قوم کی طرف اور محدود زمانہ کے لئے آیا کرتا تھا۔ ہر نبی کا انتخاب بلا واسطہ اور بغیر کسی دوسرے نبی کی پیروی اور اتباع کے ہوا کرتا تھا۔ گویا ہر نبی مستقل ہوتا تھا کسی کا اُمتی نبی نہ ہوتا تھا۔ پھر یہ سابق انبیاء دو۲ قسم کے ہوتے تھے، بعض شریعت جدیدہ لیکر آتے تھے اور بعض نئی شریعت نہ لاتے تھے بلکہ سابقہ شریعت کی پیروی کرانے کے لئے آتے تھے۔ نئی شریعت لانے والے نبیوں کو تشریعی نبی کہا جاتا ہے اور جو نبی پہلی شریعت کی پیروی کرانے کیلئے آتے تھے وہ غیر تشریعی نبی کہلاتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ اب تمام نسل انسانی کو متحدہ مرکز پر جمع کر دیا جائے اور انسانی دماغ بھی بلوغت کو پہنچ گیا تو اس نے قومی نبیوں کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔

محدود الوقت انبیاء کے طریق کو بند فرما دیا اور اس عظیم الشان پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا جو تمام کمالات کا جامع اور سب خوبیوں کا مجموعہ تھا تمام پھولوں کا گلدستہ تھا۔ اسے سب قوموں، سب نسلوں اور سب زمانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا اور اسے فرمایا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ؕ

کہ تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض رسول نہ تھے آپؐ خاتم النبیین بھی تھے۔ نبوت کے انتہائی کمالات کے حامل تھے اسلئے آپ کی بعثت کے ساتھ براہِ راست اور مستقل نبیوں کی آمد کا سلسلہ کلیۃً بند ہو گیا۔ اب سارے روئے زمین پر کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں آسکتا جس نے حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے فیضان حاصل نہ کیا ہو۔ نبی کیا اب کوئی شخص ولی اور مقرب بارگاہِ ایزدی بلکہ مومن بھی نہیں ہو سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہ ہو۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے جملہ سابق نبیوں کا سلسلہ اور ان کے فیضان کے انقطاع کا اعلان کر دیا گیا۔

اب سوال یہ باقی رہ گیا ہے کہ آیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان جاری ہے یا وہ بھی منقطع ہو چکا ہے؟ عام غیر احمدی علماء کہتے ہیں کہ فیضانِ محمدی بھی بند ہے اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بھی آسمانی برکات اور روحانی نعمتوں سے حصہ نہیں پا سکتے مگر جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جاری ہے اور آپ کے پیروؤں کے لئے تمام نعمتوں کے دروازے کھلے ہیں۔ اُمتی نبوت کیا ہے؟ وہ فیضانِ محمدی کا اعلیٰ ترین پرتو ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک اب نہ کوئی مستقل نبی آسکتا ہے، نہ کوئی براہِ راست نبوت کو پا سکتا ہے اور نہ ہی کسی تشریعی نبی کا آنا ممکن ہے۔ اب تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نبوت جاری ہے، آپؐ کا ہی کلمہ ہے، اور آپؐ کی ہی شریعت قائم و دائم ہے۔ ہاں بطور ظلی و بروز آپؐ کی پیروی سے فنافی الرسول کے رنگ میں اُمتی نبوت کا پانا ممکن ہے۔ اس

ضروری وضاحت کے مطالعہ کے بعد اب ختم نبوت کی حقیقت یا فیضانِ محمدی کے جاری رہنے پر دلائل و بیانات پر غور فرمائیں۔

خاتم النبیّین کے متعلق دو نظریے

اللہ تعالیٰ نے ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب جہانوں، سب زمانوں اور ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور آپؐ کو وہ مقام بخشا جو انسانیت کا انتہائی نقطہ اور نبوت کا آخری کمال ہے۔ انبیاء انسانوں میں بہترین وجود ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں سے سب سے بہتر، افضل اور اکمل فرد ہیں۔ آپؐ کے اس مقام کو قرآن مجید میں لفظ خاتم النبیّین سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کو کلام الٰہی ماننے والے سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ اس مقدس کلمہ اور اعلیٰ ترین لقب کی تفسیر و تشریح میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر اس بارے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ یہ امر قرآن مجید کی صریح نص میں مذکور ہے۔

خاتمیتِ محمدیہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین ماننے والوں کے دو مختلف نظریے ہیں ——— (۱) پہلا نظریّہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نے دیگر انبیاء کے فیوض کو بند کر کے فیضانِ محمدی کا وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔ آپؐ کی اُمّت کے لئے آپؐ کی پیروی کے طفیل وہ تمام انعامات ممکن الحصول ہیں جو پہلے منعم علیہم لوگوں کو ملتے رہے ہیں۔ (۲) دوسرا نظریّہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت فیضانِ محمدی کے بند ہونے کے مترادف ہے۔ آپؐ کی اُمّت اُن تمام اعلیٰ انعامات سے محروم ہو گئی ہے جو بنی اسرائیل یا پہلی اُمّتوں کو ملتے رہے ہیں۔

منکرینِ فیضانِ محمدی کے دو گروہ

اس دوسرے نظریّے کے قائلین کے پھر دو گروہ ہیں۔ اوّل جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس روحانی اصلاح کی ضرورت پیش آنے والی ہے اُس

کے لئے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام آخری زمانہ میں آسمانوں سے نزول فرمائیں گے۔ دوسروں کا عقیدہ ہے کہ مسیح و مہدی کی آمد کا خیال غیر اسلامی ہے اور یہ مجوسیت سے اسلام میں آیا ہے۔ نہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور نہ وہ آئیں گے یہ محض خیال خام ہے۔

یہ دوسرا گروہ علامہ اقبال اور ان کے ہمنوا تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے منکرین فیضان محمدی میں سے پہلا گروہ جناب مودودی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کا ہے۔ جماعت احمدیہ اور بہت سے علماء محققین کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہمیشہ جاری ہے اور آپ کی اُمت کے لئے جملہ انعامات الٰہیہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔

جناب مودودی صاحب منکرین فیضان محمدی کے جس مکتب فکر کی نمائندگی کے مدعی ہیں اُن میں سے جمہور محققین کو اُن سے سخت اختلاف ہے۔ مودودی صاحب نے مارچ ۱۹۶۲ء میں جو رسالہ "ختم نبوت" کے عنوان سے شائع کیا اس میں آپ نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو جسمانی طور پر زندہ مانتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہی آخری زمانہ میں جسمانی طور پر نزول فرمائیں گے مگر وہ اپنی اس بعثت میں نبی نہ ہوں گے۔ مسیح ابن مریم کی جسمانی آمد کے عقیدہ سے جہاں تعلیم یافتہ مسلمانوں کو تعجب ہوتا ہے وہاں ان کے "مسلوب النبوۃ" ہو کر آنے کے نظریہ کو اُمت کے اکابر علماء سراسر غلط ٹھہرا رہے ہیں۔

مقام تعجب ہے کہ مودودی صاحب حضرت مسیح ایسی معیاری شخصیت کے جو رَسُولاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (آل عمران: ۴۹) کے مصداق ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کے قائل ہیں مگر اُمت محمدیہ میں سے کسی معیاری شخصیت کے آنے کے قائل نہیں۔ جناب شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:۔

> "مودودی صاحب تو رسولِ خداؐ کے بعد کسی بھی انسان کو معیارِ حق ماننے کے لئے تیار نہیں لیکن کتاب و سنّت کا فیصلہ یہ ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد قیامت تک معیاری شخصیتیں آتی رہیں گی۔"

(رسالہ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت صہ ۲۱)

علّامہ اقبال کی طرف سے احمدیہ نظریہ کی معقولیت کا اعتراف

علّامہ اقبال اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ لوگ حضرت مسیحؑ کی جسمانی آمد کے خیال کو مجوسیّت کا نظریہ ٹھہراتے ہیں اور مودودی صاحب احادیث کی بناء پر مسیحؑ کے جسمانی طور پر آسمانوں سے اُترنے کے قائل ہیں۔ یہ دو متضاد نظریئے ہیں اور افراط و تفریط کی دو متقابل راہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک ازروئے قرآن مجید حضرت مسیحؑ کا آسمان پر جانا اور زندہ ہونا ثابت نہ کیا جائے تب تک اُن کے جسمانی نزول کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ودونہ خرط القتاد۔ کیونکہ قرآن مجید سے ان کی وفات ثابت ہے۔ اگر کوئی حدیث ہو جس میں مسیحؑ کے اُترنے کا ذکر آئے تو نصوصِ قرآنیہ کے مقابلہ پر ہونے کی وجہ سے اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ شیخ الازہر مفتی الدیار المصریہ جناب علّامہ محمود شلتوت نے کھلے طور پر فتویٰ دیدیا ہے کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ (کتاب الفتاوی مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۲-۵۴)

ہم یہ فتویٰ مبحث اوّل میں درج کر چکے ہیں۔

ان سے پہلے شیخ الازہر الاستاذ المراغی المرحوم بھی فرما چکے ہیں :-

"الظاهر منه انه توفاه واماته ثم رفعه والظاهر من الرفع بعد الوفاة انه رفع درجات عند الله كما قال فى ادريس عليه السلام ورفعناه مكاناً علياً" (کتاب الفتاوی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰)

کہ آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو وفات دیکر پھر رفع فرمایا۔ اور وفات کے بعد رفع سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن کے درجات بلند ہوئے جیسا کہ حضرت ادریسؑ کے متعلق آیت ورفعناہ مکاناً علیاً میں مراد ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ اِس صورت میں جناب مودودی صاحب کا اپنے مزعومہ دعویٰ پر اصرار کہ حضرت مسیحؑ ضرور بجسمہٖ آسمان سے اُتریں گے کس طرح درست اور معقول قرار دیا جا سکتا ہے؟

علّامہ اقبال نے احمدیت کی مخالفت کرتے ہوئے بھی اعتراف کیا ہے کہ :-

"جہاں تک میں نے اِس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے۔ اس خیال سے اس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔"

(رسالہ علامہ اقبال کا پیغام ملّتِ اسلامیہ کے نام صفحہ ۲۲۔۲۳)

گویا علامہ اقبال بھی آمدِ مسیح کے متعلق جماعت احمدیہ کے نظریّہ کو معقول قرار دیتے ہیں۔ پس مودودی صاحب کو اگر حضرت مسیح کے جسمانی نزول پر اصرار ہو تو انہیں پہلے حضرت مسیح کی جسمانی آسمانی زندگی از رُوئے قرآن مجید ثابت کرنی چاہیئے۔ جو محال ہے۔

آنے والا مسیح بہرحال نبی ہے

مودودی صاحب اس ضمن میں دوسری صریح غلطی یہ کر رہے ہیں کہ وہ مسیح کی آمدِ ثانی پر اُسے مسلوب النبوۃ قرار دیتے ہیں حالانکہ نبی کبھی بھی منصبِ نبوت سے معزول نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے سے

وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَفِیْ اَمَانٍ

عَنِ الْعِصْیَانِ عَمْدًا وَّاعْتِزَالٍ

عہدۂ نبوت کے لئے حکومتوں کے پریذیڈنٹوں کی طرح پانچ یا دس سال کی مدّت مقرر نہیں ہوتی جس کے بعد نبی "سابق صدر" کی اصطلاح کے مطابق "سابق نبی" کہلانے لگ جائے۔ نبی ہمیشہ نبی ہوتا ہے اور ہر جگہ نبی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا اَیْنَمَا كُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا (مریم آیت ۳۰-۳۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا اور بابرکت بنایا خواہ میں کسی جگہ ہوں اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے اس نے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیّت کی ہے۔"

آنے والے مسیح کو النواس بن سمعانؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ نبی اللہ قرار دیا ہے (صحیح مسلم) نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں:۔

"مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ فَقَدْ كَفَرَ حَقًّا كَمَا صَرَّحَ بِهِ السُّيُوطِيُّ فَإِنَّهُ نَبِيٌّ لَا يَذْهَبُ عَنْهُ وَصْفُ النُّبُوَّةِ فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔"

کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت مسیح نبوت سے علیحدہ ہو کر آئیں گے وہ کھلا کافر ہے جیسا کہ امام سیوطیؒ نے تصریح کی ہے۔ حضرت مسیح بہرحال نبی ہیں وصف نبوت اُن سے نہ زندگی میں الگ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی وفات کے بعد۔"

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

بس مودودی صاحب اپنے خیالات میں جہاں قرآن و سُنّت کے خلاف چل رہے ہیں وہاں وہ سلف صالحین کے اصولی نظریات کی مخالفت کرنے سے بھی نہیں چُوکتے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے ایسے ہی غلط نظریات کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو لکھنا پڑا تھا کہ :-

"مودودی صاحب کا کتاب و سُنّت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سُنّت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں"

(کتاب مودودی دستور صفحہ ۴۶)

جماعت احمدیہ اور عقیدہ ختم نبوت

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے احمدیوں کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو

تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۲)

اس بنیادی ہدایت کی روشنی میں جماعت احمدیہ قرآن مجید پر نہایت محکم ایمان رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے اسلئے ہر احمدی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ احمدیوں کو منکرِ ختمِ نبوت قرار دینا گویا انہیں احمدیت سے خارج قرار دینا ہے جو سراسر غلط اور غیر صحیح ہے۔ حیرت ہے کہ علماء محض عداوت کی وجہ سے یہ غیر معقول پوزیشن اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اب ہم ذیل میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تحریرات سے تیئیس اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہ تحریرات آپؑ کی ابتدائی کتاب براہین احمدیہ سے لے کر آپؑ کے آخری مکتوب مطبوعہ اخبار عام لاہور مؤرخہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہی آپؑ کی تاریخ وفات ہے۔ ان اقتباسات سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور احمدی کس محبت، کس خلوص، کس عقیدت اور کس یقین و وثوق سے سید ولدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ ان تحریرات کی روشنی میں ہر پڑھنے والا اندازہ لگا سکتا ہے کہ غیر احمدی علماء احمدیوں کو منکرینِ ختم نبوت قرار دینے میں سراسر بے انصافی اور ظلم کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "سُبحان اللہ ثم سُبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امت، جس کے حقیر سے حقیر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ نبیّک وحبیبک و افضل الرسل خاتم النبیّین محمّد و آلہٖ و اصحابہٖ وبارک وسلّم۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ ۱۸۸۰ء)

(۲) "ہمارا اعتقاد جو ہم دنیاوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ بفضل توفیق باری تعالےٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھوں اکمالِ دین

ہو چکا۔ اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی۔ جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔"

(ازالۂ اوہام حصہ اوّل ص۱۳۷ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

(۳) "میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں۔"

(تقریر واجب الاعلان ص۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

(۴) "اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہمارے رسول (سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام رسولوں سے بہتر اور سب رسولوں سے افضل اور خاتم النبیین ہیں اور افضل ہیں ہر ایسے انسان سے جو آئندہ آئے یا جو گزر چکا ہو۔"

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۷ مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

(۵) "تمام تعریفیں خدا کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اور درود و سلام اُس کے نبیوں کے سردار پر جو اس کے دوستوں میں سے برگزیدہ اور اس کی مخلوقات اور ہر ایک پیدائش میں سے پسندیدہ اور خاتم الانبیاء اور فخر الاولیاء ہے۔ ہمارا سیدؐ، ہمارا امام، ہمارا نبی محمد مصطفےٰ جو زمین کے باشندوں کے دل روشن کرنے کے لئے خدا کا آفتاب ہے۔"

(نور الحق ص۱ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۶) "وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء، امام الاصفیاء، ختم المرسلین، فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔"

(اتمام الحجۃ ص۲۸ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۷) "مجھے اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ میرا عقیدہ ہے اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی نسبت میرا ایمان ہے۔" (کرامات الصادقین ص۲۵ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

(۸) "مجھ کو خدا کی عزت و جلال کی قسم کہ میں مسلمان ہوں اور ایمان رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور تمام رسولوں اور تمام فرشتوں اور مرنے کے بعد زندہ کئے جانے پر اور میں ایمان رکھتا ہوں اس پر کہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور خاتم النبیّین ہیں۔" (حمامۃ البشریٰ ص۸ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۹) "درود و سلام تمام رسولوں سے بہتر اور تمام برگزیدوں سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ خاتم الانبیاء اور شفیع المذنبین اور تمام اوّلین و آخرین کے سردار ہیں۔ اور آپؐ کی آل پر کہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور آپؐ کے اصحاب پر کہ حق کا نشان اور اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اہل جہان کے لئے۔"

(انجام آتھم ص۷۲ مطبوعہ ۱۸۹۶ء)

(۱۰) "اگر دل سخت نہیں ہو گئے تو اس قدر دلیری کیوں ہے کہ خواہ مخواہ ایسے شخص کو کافر بنایا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنے کی رو سے خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور قرآن کو خاتم الکتب تسلیم کرتا ہے۔ تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور اہل قبلہ ہے۔ اور شریعت کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے۔" (سراج منیر ص۴ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

(۱۱) "ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہلسنت کے قائل ہیں۔" (کتاب البریہ حاشیہ ص۸۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

(۱۲) "قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبیّین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرتؐ نے لا نبیّ بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا۔" (کتاب البریہ حاشیہ ص۱۸۵)

(۱۳) "قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں مگر ہمارے مخالف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم الانبیاء ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو صحیح مسلم وغیرہ میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے وہاں حقیقی نبوت مراد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء ٹھہر سکتے ہیں؟" (کتاب البریہ حاشیہ صد ۱۹۱ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

(۱۴) "ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔"
(ایام الصلح صد ۸۶-۸۷ مجریہ ۱۸۹۹ء)

(۱۵) "قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا۔"
(اربعین نمبر ۲ صد ۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۰ء)

(۱۶) "ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔" (ایک غلطی کا ازالہ مطبوعہ ۱۹۰۱ء)

(۱۷) "عقیدے کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔" (کشتی نوح صد ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۱۸) "ایک وہ زمانہ تھا کہ انجیل کے واعظ بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں نہایت دریدہ دہنی اور سراسر افترا سے ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء اور افضل الرسل والاصفیاء اور سید المعصومین والاتقیاء حضرت محبوب جناب احدیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ قابل شرم جھوٹ بولا کرتے تھے کہ جناب سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علاوہ ان ہزارہا معجزات کے جو ہمارے سردر و مولیٰ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف اور احادیث میں اس کثرت سے

مذکور ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تواتر پر ہیں، تازہ بتازہ صدہا نشان ایسے ظاہر فرماتے ہیں کہ کسی مخالف اور منکر کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔"

(تریاق القلوب ص۴ مجریہ ۱۹۰۲ء)

(۱۹) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہوگا۔ اور اس طرح پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپؐ کا وارث ہوگا۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی ص۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۲۰) "صرف اُس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکامِ شریعت جدیدہ ساتھ رکھتی ہو، یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر دعویٰ کیا جائے۔ لیکن ایسا شخص جو ایک طرف اس کو خدا تعالیٰ اس کی وحی میں اُمتی بھی قرار دیتا ہے، پھر دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے یہ دعوے قرآن شریف کے احکام کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ نبوت بباعث اُمتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظل ہے کوئی مستقل نبوت نہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۷۷-۱۷۸)

(۲۱) "ہم مسلمان ہیں ایمان رکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی کتاب فرقانِ حمید پر اور ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور اس کے رسول ہیں اور وہ سب دینوں سے بہتر دین لائے۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔" (مواہب الرحمٰن ص۶۲ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

(۲۲) "پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا ہے وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سیدو مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔" (لیکچر لاہور ص۳۱ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

(۲۳) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف

خاتم الکتب۔" (پیغام امام صفحہ ۳ لیکچر ۱۹۰۵ء)

(۲۴) "مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوت، یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین رکھتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔" (الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء)

(۲۵) "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔"

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۶ء)

(۲۶) "ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۷) "واِنّ نبیّنا خاتم الانبیاء ولا نبیّ بعدہٗ اِلّا الّذی ینوّر بنورہٖ ویکون ظھورہ ظلّ ظھورہٖ۔" (الاستفتاء صفحہ ۲۱ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۸) "اللہ جلّشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۹) "خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

(۳۰) "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی

کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے....... اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرّف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے...... ان معنوں سے میں نبی بھی ہوں اور اُمتی بھی تا کہ ہمارے سیّد و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح اُمتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔ ورنہ وہ حضرت عیسیٰ جن کے دوبارہ آنے کے بارے میں ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے وہ اُمتی کیونکر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے وہ مسلمان ہوں گے۔ کیا اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں رہیں گے؟" (مکتوب نوشتہ ۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء مطبوعہ اخبار عام لاہور ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء)

آیت خاتم النبیّین کا شانِ نزول اور معنے

یاد رہے کہ لفظ خاتم النبیّین سورہ احزاب کی آیت ۴۰ میں وارد ہوا ہے۔ ساری آیت یوں ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ اس کا لفظی ترجمہ یوں ہے "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ رسول اللہ اور خاتم النبیّین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے"

مفسّرین اور مؤرخین متفق ہیں کہ یہ آیت سنہ پانچ ہجری میں حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر حضرت زینبؓ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کر لینے کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ مودودی صاحب بھی لکھتے ہیں :-

"اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن کفار و منافقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر طعن و تشنیع اور بہتان و افترا کے طوفان اُٹھا رہے تھے .... ان کا اوّلین اعتراض یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپؐ کی اپنی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی جس شخص کی مطلّقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلّقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔" (ختم نبوّت ص۶)

ہمارے نزدیک جناب مودودی صاحب کے بیان کا یہ حصہ بالکل درست ہے آیت کے اگلے حصّے کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"پہلے فقرے کے بعد ولٰکن (مگر) کے لفظ سے دوسرا فقرہ شروع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے فقرے میں مخاطب کی ایک بات کا جواب ہو جانے کے باوجود اس کا ایک سوال یا اعتراض باقی رہ گیا تھا جس کا جواب دوسرے فقرے میں دیا گیا ہے۔" (حاشیہ ص۸)

اس حد تک درست نتیجہ پر پہنچنے کے بعد آگے مودودی صاحب کی ٹھوکر کا باعث یہ ہے کہ انہوں نے باقی رہ جانے والے "سوال یا اعتراض" کو قرآن مجید کی آیاتِ سابقہ کی روشنی میں متعیّن نہیں کیا اور محض قیاسی ڈھکوسلے سے اگلے حصّہ آیت 'ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین' کو اپنے فرضی سوالوں کا جواب قرار دیدیا ہے کہ "آخر اس نکاح کا کرنا کیا ضرور تھا اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی؟"

اگر مودودی صاحب قرآن پاک پر تدبر فرماتے تو اس تکلف اور تعصب کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ بات بالکل واضح تھی اور سیاق و سباق معین طور پر نمایاں تھا۔

یہ درست ہے کہ کلمہ "لکن" استدراک کے لیے آتا ہے (دَفْعُ تَوَهُّمٍ نَاشِئٍ عَنْ كَلَامٍ سَابِقٍ) یعنی گزشتہ کلام سے پیدا ہونے والے سوال یا اعتراض کا ازالہ کرنے کے لیے۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ سابقہ قرآنی آیات کے مطابق کفار و منافقین کے کس اعتراض کا جواب دوسرے حصۂ آیت "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" میں دیا گیا ہے اور وہ جواب کیا ہے؟ بات یوں ہے کہ مکی زندگی میں کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہتے تھے۔ لکھا ہے:۔

"کہتے تھے کا فر اس شخص کے بیٹا نہیں۔ زندگی تک اس کا نام ہے پیچھے کون نام لے گا؟" (موضح القرآن)

اس پر آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ نازل ہوئی۔ کہ تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا تجھے تو اللہ تعالیٰ اولاد کثیر عطا کرے گا۔ جلالین میں لکھا ہے:۔

"نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ"

کہ یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق اس وقت نازل ہوئی تھی جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے صاحبزادہ قاسمؓ کی وفات کے موقع پر ابتر کہا تھا" (جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۷)

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیے کہ سورۂ احزاب کی آیت ۶ میں اعلان کیا جا چکا تھا اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ "یہ پیغمبر مومنوں کا ان کی جانوں سے بھی زیادہ خیر خواہ ہے اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں"

ظاہر ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام کی بیویاں مومنوں کی مائیں ٹھہریں تو آپ لامحالہ مومنوں کے باپ قرار پائے۔

اب آگے چل کر حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی کرنے

پر کفار و منافقین کے جواب میں فرما دیا کہ:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

"یعنی تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں"

اس بیان سے بہو سے شادی کر لینے کے اعتراض کا جواب تو بخوبی ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ دو سوال ابھر کر سامنے آ گئے:۔

(۱) شروع سورۂ احزاب کی آیت وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ میں بوجہ نبی ہونے کے آپؐ کو مومنوں کا باپ قرار دیا گیا تھا۔ اب جب آپؐ کسی کے باپ نہیں تو کیا پھر آپؐ کی نبوت و رسالت بھی جاری رہی؟

(۲) مکہ میں دشمن آپؐ کو ابتر اور بے اولاد کہتے تھے قرآن مجید نے ان کی تردید کی تھی مگر اب خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ آپؐ کا کوئی بیٹا نہیں۔ کیا دشمنوں کا اعتراض درست ثابت ہو گیا؟

ان دو اعتراضوں کے جواب میں خداوند عزوجل فرماتے ہیں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ یعنی پہلے حصہ آیت میں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ابوت کی نفی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ جسمانی طور پر آپؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن روحانی ابوت بدستور قائم ہے اور اس کا دائرہ زمانی اور مکانی طور پر بھی اور بلحاظ رتبہ و شرف بھی، بہت وسیع ہے۔ پہلے لفظ رَسُوْلَ اللّٰهِ میں اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ والی روحانی ابوت کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اور اس کی امت کے قائم رہنے سے اس کا نام باقی رہتا ہے۔ دوسرے لفظ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اس بلند ترین روحانی ابوت کا اثبات فرمایا گیا ہے جو آیت اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں ذکر کی گئی تھی۔ گویا فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی امت کے عام افراد کے ہی باپ نہیں بلکہ آپؐ نبیوں کے بھی باپ اور ان کو بھی روحانی زندگی بخشنے والے ہیں۔ پس اگر آپؐ کا جسمانی بیٹا کوئی نہیں تو کچھ حرج نہیں آپؐ کی روحانی اولاد

بے شمار ہے۔ آپؐ کی روحانی اولاد بلند ترین منصب کی وارث ہے کیونکہ آپؐ رسول اور خاتم النبیّین ہیں۔

یہ تفسیر نہایت واضح اور سیاق و سباق کے عین مطابق ہے لیکن شاید اہلِ زیغ کے لئے اسلئے قابلِ تسلیم نہ ہو کہ اس کا بیان کرنے والا ایک احمدی ہے لہذا ہم ذیل میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے الفاظ درج کرتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّتِ معروفہ تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیّین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض و موصوف بالعرض موصوف بالذات کے فرع ہوتے ہیں۔ موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔ اور ظاہر ہے کہ والد کو والد اور اولاد کو اولاد اسی طرح سے کہتے ہیں کہ یہ اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ فاعل ہوتا ہے۔ چنانچہ والد کا اسم فاعل ہونا اس کا شاہد ہے۔ اور یہ مفعول ہوتے ہیں۔ چنانچہ اولاد کو مولود کہنا اس کی دلیل ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذات بالنبوّۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہو گئی کہ آپؐ والد معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپؐ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی۔" (رسالہ تحذیر الناس صفحہ ۱۰)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی اس پاکیزہ اور معقول وضاحت کے بعد اب ذرا مودودی صاحب کی بے تکی تنقید ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں :-

"آخر اس بات کا کیا تک ہے کہ اوپر سے تو نکاحِ زینبؓ پر معترضین کے اعتراضات اور ان کے پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات کا جواب دیا جا رہا ہو اور یکایک یہ بات کہہ ڈالی کہ محمدؐ نبیوں کی مُہر ہیں اور آئندہ جو بھی

بھی بنے گا اُن کی مُہر لگ کر بنے گا۔ اِس سیاق و سباق میں یہ بات
نہ صرف یہ کہ بالکل بے تکی ہے بلکہ اس سے وہ استدلال اُلٹا کمزور ہوا
جاتا ہے جو اُوپر سے معترضین کے جواب میں چلا آرہا ہے۔" (رسالہ ختم نبوت ص۹)

افسوس کہ مودودی صاحب اتنی موٹی بات نہیں سمجھ سکے کہ کفار کے اس اعتراض کے جواب میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کرلی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مرد کے باپ نہیں تو آپؐ کی روحانی ابوّت کے اثبات کا سوال فوراً پیدا ہو گیا تھا اور یہی موقع تھا کہ بتایا جاتا کہ گو جسمانی طور پر آپؐ کسی مرد کے باپ نہیں مگر مت سمجھو کہ اب آپؐ کا نام کون لے گا، آپؐ کی تعریف کون کریگا؟ کیونکہ آپؐ کو روحانی ابوّت کے لحاظ سے صاحب الکوثر ہونے کا مقام حاصل ہے۔ سب اہلِ ایمان آپؐ کے رسول ہونے کے لحاظ سے آپؐ کے فرزند ہیں اور سب انبیاء بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے آپؐ کی معنوی اولاد ہیں اور یہ سلسلہ بند نہیں بلکہ آپؐ کی مُہر اور روحانی توجہ اور قوّتِ قدسیہ ہمیشہ نبی تراش ثابت ہوتی رہے گی۔ پس آپؐ کا محمد (قابلِ تعریف وجود) ہونا اس بات کا محتاج نہیں کہ آپؐ کا جسمانی بیٹا ہو۔ آپؐ کی محمدیت کو اللہ تعالیٰ آپ کے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہونے سے ثابت کرتا رہے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاتم الانبیاء کے اِسی مفہوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوّت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوّت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہو گا۔ اور اس طرح پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپؐ کا وارث ہو گا۔ غرض اس آیت میں ایک طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی نفی کی گئی اور دوسرے طور سے باپ ہونے کا اثبات بھی کیا گیا تا وہ اعتراض جس کا ذکر آیت اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ میں ہے دُور کیا جائے۔

ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نبوت گو بغیر شریعت ہو اس طرح پر تو منقطع ہے کہ کوئی شخص براہِ راست مقامِ نبوت حاصل کر سکے لیکن اس طرح پر ممتنع نہیں کہ وہ نبوت چراغِ نبوتِ محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہو۔ یعنی ایسا صاحبِ کمال ایک جہت سے تو اُمتی ہو اور دوسری جہت سے بوجہ اکتسابِ انوارِ محمدیہ نبوت کے کمالات بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔" (ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی صفحہ ۷)

ہمارے نزدیک یہ مودودی صاحب کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ سورۂ احزاب کے خاتم النبیین والے رکوع کو صرف حضرت زینبؓ کے نکاح پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ ان آیات میں دیگر معارف و حقائق کا بھی ایک بحرِ زخار موجود ہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنے صرف آخری نبی لینے اسلئے لازمی ہیں کیونکہ اسے متبنٰی کی رسم کے ابطال کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ چونکہ آپؐ کے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم تھا کہ اپنے اعلان کے علاوہ اپنے عمل سے یعنی حضرت زینبؓ سے شادی کرکے بھی اس رسم کو باطل کریں اور لوگوں کے دلوں سے کراہت کے ہر تصور کا قلع قمع کر دیں"۔ میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس تعبیر و تفسیر کو من و عن مان لینے سے بھی اتنا ہی ثابت ہوگا کہ آپؐ آخری صاحبِ شریعت نبی ہیں کیونکہ نئے احکام جاری کرنا صرف صاحبِ شریعت نبی کا کام ہے اُمتی نبی کا کام نہیں۔ پس خاتم النبیین کے معنے مودودی صاحب کے اختراعی سیاق و سباق کے رُو سے یہی ہوں گے کہ آپؐ کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی آنے والا نہ تھا اس سے اُمتی نبی کی نفی لازم نہیں آتی۔ خاتم النبیین کا یہ مفہوم، یعنی شارع نبیوں میں سے آخری نبی، اگرچہ لفظ خاتم النبیین کے جامع معنوں پر حاوی ہونے کے لحاظ سے ناتمام ہے مگر ہمیں یہ بھی مسلّم ہے کیونکہ اُمت کے علماءِ محققین کا ایک عظیم گروہ ان معنوں کی بھی تائید کرتا آیا ہے۔ جماعت احمدیہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی ہیں، آپؐ کی شریعت ہمیشہ قائم رہے گی اور آپؐ کے بعد کوئی شارع یا مستقل نبی نہ آسکتا ہے، نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ صرف ایسے نبی اُمتِ محمدیہ میں سے آسکتے ہیں جنہوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کے رُو سے خاتم النبیّین کی تفسیر

قرآن مجید سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی اُمّت میں سے اصلاحِ خلائق کے لئے آپ کے امتی نبی آتے رہیں گے۔ آیاتِ ذیل پر غور فرمایا جائے :-

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی سنّتِ مستمرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝ (الحج : ۷۵)

کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی رسول منتخب کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ کیونکہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت میں لفظ یَصْطَفِىْ مضارع ہے جو استمراری طور پر حال اور مستقبل کے لئے مستعمل ہوا ہے جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ
بَعَثُوْا اِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی سنّت مذکور ہے کہ وہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب فرماتا رہتا ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ کہ خدا کی سنّت میں تبدیلی نہیں ہے۔ فرشتوں کا بھیجا جانا آج بھی سب مسلمانوں کو مسلّم ہے مگر تعجب ہے کہ وہ انسانوں میں سے کسی کے رسول بنائے جانے پر اعتراض کر رہے ہیں۔

(۲) يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف: ۳۵)

کہ اے آدمزادو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تم پر میری آیات پڑھیں تو یاد رکھو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اصلاح

کریں گے اُن پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اِس آیت میں یہ بشارت ہے کہ جب تک آدمزاد موجود ہیں اور صفحۂ زمین انسانوں سے آباد ہے ان میں نبی اور رسول آتے رہیں گے اور انسانوں کا فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں۔

یاد رہے کہ اِسی سورۃ میں آیت ۲۶؎ اور ۲۷؎ اور ۳۱؎ میں لفظ بنی آدم استعمال ہوا ہے اِس سے ہر جگہ ساری نسلِ آدم مراد ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو درحقیقت اِس سے وہی لوگ مراد ہیں جو نزولِ قرآن مجید کے وقت اور اس کے بعد موجود تھے یا ہونے والے تھے۔ ایک آیت میں فرمایا یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ٥ کہ اے آدمزادو! ہر مسجد میں اپنی زینت لیکر جاؤ، کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اِس بنی آدم سے حضرت آدمؑ کے وقت کی اُن کی اولاد مخاطب تھی؟ پس آیت یا بنی آدم اِمّا یأتینّکم رسلٌ منکم میں اصل خطاب آئندہ کے انسانوں سے ہے۔ ہاں عمومی رنگ میں پہلے بھی شامل کئے جا سکتے ہیں، مگر بہرحال اس کی تو ہرگز گنجائش نہیں کہ بنی آدم سے مراد صرف پہلے کے انسان ہوں گویا بعد کے انسان آدمزاد ہی نہیں۔ حضرت امام سیوطیؒ یا بنی آدم کے متعلق لکھتے ہیں :-
فَاِنَّهٗ خِطَابٌ لِاَھْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَهٗ ۔ کہ اس میں سب زمانوں کے لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے۔" (اتقان جلد ۲)

۳) وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ٥ (البقرہ: ۱۲۴)

یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ کی اس کے ربّ نے چند اوامر کے ذریعہ آزمائش کی اور حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ٹھیک ٹھیک پورا کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! میں تجھے لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں تو اب سے ہمارا نبی اور رسول ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اے خداوند! میری اولاد میں بھی یہ سلسلۂ امامت جاری رکھیو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں مگر ظالموں سے میرا یہ عہد نہیں ہے۔"

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے لئے اسی امامت کا وعدہ فرمایا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اِس جگہ امامت سے مراد نبوّت ہی ہے۔ لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ (عنکبوت: ۲۸) کہ ہم نے نسلِ ابراہیمؑ میں نبوت کو جاری کیا۔"

اِس آیت کی رُو سے جب تک نسلِ ابراہیم رُوئے زمین پر آباد ہے اور وہ ساری کی ساری ظالمین کے گروہ میں شامل نہیں ہو جاتی ان میں سلسلۂ انبیاء در نسل جاری رہنا ضروری ہے۔

اگر مسلمان غور کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف میں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کے الفاظ خاص طور پر کیوں مقرر فرمائے ہیں ان کی کیا حکمت ہے؟ تو وہ فوراً سمجھ سکتے ہیں کہ اب چونکہ جملہ ابراہیمی وعدوں اور برکات کی وارث اُمّتِ محمدیہ ہی ہے اور ان سے باہر کے گروہ ظالمین میں شامل ہو گئے ہیں اسلئے اب یہ نعمت اور یہ امامتِ ابراہیمی صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متّبعین کے لئے مخصوص ہے۔ باقی لوگ اس نعمت کے پانے سے محروم ہیں مگر حضرت خاتم النبیّینؐ کے پیرو امامتِ ابراہیمی کے انعام کو پاتے رہیں گے۔

(۴) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا ۝ (احزاب: ۴۶-۴۷)

ترجمہ۔ اے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنا کر بھیجا ہے، تو مبشّر اور نذیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن سے اس کی طرف بُلانے والا ہے اور تجھے روشن کرنے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ پس تو مومنوں کو بشارت دے کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ کبیر مقرر ہے۔"

خاتم النبیین کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اِسی سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمّت کے مقام کی وضاحت کرتے ہوئے آپؐ کو سراجاً منیراً ٹھہرایا ہے آپؐ ایسے روشن چراغ ہیں جس سے تمام آفاق میں نور پھیلے گا اور آپؐ اپنے اُمتیوں کو منوّر کرینگے۔

لفظ سراجاً منیراً کے متعلق امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی لکھتے ہیں :-

"قَالَ الْقَاضِی اَبُوْبَکْرِ بْنِ الْعَرَبِیِّ قَالَ عُلَمَاؤُنَا سُمِّیَ سِرَاجًا لِاَنَّ السِّرَاجَ الْوَاحِدَ یُؤْخَذُ مِنْهُ السُّرُجُ الْكَثِیْرَةُ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ ضَوْئِهٖ شَیْءٌ ۔"

ترجمہ۔ کہ قاضی ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج (چراغ) اسلیئے قرار دیا گیا کہ ایک چراغ سے صدہا دوسرے چراغ روشن کئے جاسکتے ہیں مگر اصل چراغ کی روشنی میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔" (زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۳ ص۱۷۱)

عام لوگ تو لفظ خاتم النبیین کو افضالِ ربانیہ کے انقطاع کے لئے بطور دلیل ذکر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیراً قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ (احزاب ۴۸) کہ آپ اپنے اُمتی مومنوں کو بشارت دیدیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ کبیر (بڑا فضل) مقرر ہے۔

(۵) اُمتِ محمدیہ کے لئے جو فضلِ الٰہی مقرر ہے اس کی تشریح خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی فرمایا:-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝ (النساء ۷۰-۷۱)

ترجمہ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرینگے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے یعنی ان کے ہم پایہ ہوں گے جن پر اللہ تعالےٰ نے پہلے انعام فرمایا ہے یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ہم درجہ ہوں گے۔ یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ تعالےٰ خوب جاننے والا ہے۔"

اس آیت پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اُمتِ محمدیہ کے درجات و مراتب کا

بیان ہے ۔ گویا سورۂ احزاب میں مسلمانوں کو جس فضل کی بشارت دی گئی ہے وہ یہی چار درجات ہیں جو سورۂ نساء میں بیان ہوئے ہیں ۔ اسی لئے ان کے ذکر کے فوراً بعد فرمایا ہے ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ کہ یہی موعود فضل الٰہی ہے جس کا وعدہ مومنین اُمّت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ احزاب میں دیا گیا تھا ۔ آیت خاتم النبیین کے آخر پر وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا لایا گیا ہے اور آیت مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کے آخر پر بھی اسی کے ہم معنی كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ذکر ہوا ہے تا صاف دلالت ہو کہ اس آیت میں خاتمیتِ محمدیہ کی تشریح کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و افضال کا ذکر ہے جو آپ کی اُمّت کے لئے علیٰ قدرِ مراتب مقرر ہیں ۔

امام راغبؒ اپنی کتاب المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں :-

”مَعَ يَقْتَضِي الْاِجْتِمَاعَ اِمَّا فِي الْمَكَانِ نَحْوُ هُمَا مَعًا فِي الدَّارِ اَوْ فِي الزَّمَانِ نَحْوُ وُلِدَا مَعًا اَوْ فِي الْمَعْنٰى كَالْمُتَضَايِفَيْنِ نَحْوُ الْاَخِ وَالْاَبِ فَاِنَّ اَحَدَهُمَا صَارَ اَخًا لِلْاٰخَرِ فِي حَالٍ مَا صَارَ الْاٰخَرُ اَخَاهُ وَ اِمَّا فِي الشَّرَفِ وَالرُّتْبَةِ نَحْوُ هُمَا مَعًا فِي الْعُلُوِّ“ (المفردات زیر لفظ مَعَ صفحہ ۴۸۶)

کہ لفظ مَعَ اجتماع کا متقاضی ہے اور یہ اجتماع چار طرح سے ہو سکتا ہے

(۱) دونوں ایک مکان میں اکٹھے ہوں (۲) دونوں ایک زمانہ میں اکٹھے ہوں ۔

(۳) دونوں ایک اضافی معنی میں شریک ہوں (۴) دونوں ایک درجہ اور مرتبہ میں یکساں ہوں ۔“

ظاہر ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے لئے سابق نبیوں، صدّیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ زمانی اور مکانی معیت حاصل نہیں تھی ۔ سابق منعم علیہم لوگوں کے ساتھ اُمّتِ محمدیہ کی معیت صرف درجہ اور مرتبہ میں یکسانیت والی ہی ہو سکتی ہے ۔ اسی قسم کی معیّت آیت قرآنی وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران : ۱۹۴) میں بھی مراد ہے ۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں نیک ہونے کی صورت میں موت دیجیو ۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ جب کوئی نیک مرنے لگے تو ہماری بھی روح

قبض کر لیجیو۔ چونکہ آیت وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ میں خیر اُمت کے مراتب اور مناقب کا ذکر ہے اس فضل کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے مقرر فرمایا ہے اسلیئے اس جگہ اشتراک رتبہ کے معنے ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ نبی کوئی نہیں بن سکتا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُمت میں سے کسی کے صالح، شہید اور صدیق بننے کا بھی امکان نہیں کیونکہ مَعَ کا لفظ تو سب کے ساتھ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مَعَ کے موقع کے لحاظ سے مختلف معنے ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف معنوں میں آیا ہے جس سے بعض لوگوں کو غلطی لگ جاتی ہے لیکن لفظ مَعَ لغت اور آیات کی رُو سے اشتراک فی الرتبہ کے معنے بھی رکھتا ہے اور آیت زیرِ نظر میں ان معنی کے سوا کوئی معنے چسپاں نہیں ہو سکتے۔ ہماری اس تشریح سے جناب مودودی صاحب ایسے لوگوں کی غلطی بالکل عیاں ہو جاتی ہے جو اس آیت کے جواب میں آیات مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ پیش کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا قیاس مع الفارق ہے۔

۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (سورہ فاتحہ)

"اے اللہ! تو ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرما اور ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان کی راہ سے بچا۔ جو مغضوب علیہم یا ضالین تھے۔"

اس آیت میں اُمتِ محمدیہ کو مغضوب علیہم اور ضالّین کی راہ سے بچنے اور منعم علیہم کی راہ پر چلنے کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مروی ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالّین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یعنی جب ان دونوں پر روحانی زوال آیا تو وہ مغضوب علیہم اور ضالین بن گئے ورنہ پہلے وہ انعام پانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (المائدہ : ۲۰) کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور اس نے تمہیں بادشاہت عطا کی۔

دونوں آیتوں پر یکجائی نظر کرنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی خود تعلیم کردہ دعا میں دراصل مسلمانوں کو بشارت دی ہے کہ تم پر بھی بادشاہت اور نبوّت کا انعام جاری رہے گا کیونکہ یہ دونوں قومی انعام ہیں اور اب تم کو اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم بنانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ تم خیر امّت ہو اور حضرت خیر الرسلؐ کے ماننے والے ہو اسلئے اب تم کو ہی یہ انعام ملتا رہے گا۔ البتہ یہ دعا کرتے رہو کہ خدایا ہمیں منعم علیہم بننے کے بعد پھر کبھی یہود و نصاریٰ کی طرح مغضوب علیہم یا ضالین نہ بنائیو۔

(۷) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ (آل عمران : ۸۱)

ترجمہ۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں نے ہی تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پس اگر کوئی رسول تمہاری تعلیمات کا مصدق تمہارے پاس آئے تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور نصرت کرنا۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

اس آیت میں نبیوں سے عہد لینے کا ذکر ہے۔ مراد یہی ہے کہ ہر نبی کے ذریعہ اسکی اُمّت سے اقرار لیا گیا کہ آنے والے پیغمبر پر ایمان لائے اور اس کی تائید و نصرت کرے۔ اس آیت میں "رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ" سے مطلق طور پر ہر نبوّا

رسول مراد ہے اور اس طرح یہ آیت صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے بعد نبی کا آنا ممکن ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

ہاں اس آیت میں "رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ" میں تنکیر کو تفخیم شان کے لئے بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور معنے یہ ہوں گے کہ اس میں سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے سب امتیں آپ پر ایمان لانے کی مکلف ہیں۔ آپ کے بعد کے انبیاء آپ کے اظلال ہیں اور اس صورت میں آپ کے وجود باجود میں ہی شامل ہوں گے۔ اس صورت میں یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت تمام نبیوں کے مصدق ہیں جنہیں دوسری جگہ خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے۔ گویا قرآن مجید سے متعین ہو گیا کہ خاتم النبیین کے معنے مصدق النبیین کے ہیں وھو المراد۔

(۸) وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْــَٔـلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (احزاب: ۷-۸)

ترجمہ۔ یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی ہم نے سب سے مضبوط عہد لیا تاکہ اللہ تعالیٰ صادقوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے۔ اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔"

اس آیت میں صراحت سے فرمایا ہے کہ جن انبیاء سے میثاق لیا گیا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ سورۃ آل عمران والی آیت کو ساتھ ملا کر تدبر کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے ذریعہ بھی یہ عہد لیا گیا ہے کہ مسلمان آنے والے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں ورنہ سورۃ احزاب کی آیت میں "وَمِنْكَ" کے الفاظ بے معنی قرار پاتے ہیں ۔۔۔۔ مشہور تفسیر حسینی میں اس کے معنے یوں لکھے ہیں:۔

" وَاِذْ اَخَذْنَا۔ یاد رکھو کہ لیا ہم نے۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ نبیوں سے۔

مِیثَاقَھُمْ عہد اُن کا اِس بات پر کہ خدا کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت کی طرف بلائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ یا ہر ایک کو بشارت دیں اُس پیغمبر کی کہ ان کے بعد ہو گا۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روزِ الست میں لیا گیا۔ وَمِنْكَ اور لیا ہم نے تجھ سے بھی عہد اے محمدؐ"

(تفسیر حسینی اردو مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

(۹) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۱۷۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ بلکہ وہ طیّب و خبیث میں امتیاز کرتا رہے گا۔ مگر وہ تم کو (براہِ راست) غیب پر مطلع نہ کرے گا لیکن وہ جس کو چاہے گا اپنے رسول کے طور پر منتخب کرے گا۔ تم اے مسلمانو! اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہو گا۔"

قارئینِ کرام! اس آیت میں مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم اور ساری اُمتِ مسلمہ ہے۔ یہ خطاب پہلی قوموں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ خبیث اور طیّب میں امتیاز کرے گا لیکن اس کے لئے یہ صورت نہ ہو گی کہ براہِ راست ہر شخص کو یہ غیبی بات بتائی جائے کہ کون طیّب ہے اور کون نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس امتیاز کے لئے یہ طریق اختیار فرمائے گا کہ وہ اپنے برگزیدہ رسول مبعوث کرتا رہیگا۔ اس وعدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان لائیں۔ ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں انہیں اجرِ عظیم ملے گا۔ چنانچہ علامہ ابوحیان نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:-

"وَظَاهِرُ مَعْنَى الْآيَةِ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ أَنَّهُ تَعَالَى هُوَ الَّذِيْ يُمَيِّزُ بَيْنَ الْخَبِيْثِ وَالطَّيِّبِ أَخْبَرَ أَنَّكُمْ لَا تُدْرِكُوْنَ أَنْتُمْ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يُطْلِعْكُمْ عَلَى مَا أَكَنَّتْهُ الْقُلُوْبُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَلٰكِنَّهُ تَعَالَى يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى ذٰلِكَ فَتَطَّلِعُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الرَّسُوْلِ۔"

پھر فآمنوا باللہ ورسلہ کے نیچے لکھا ہے :۔

"لَمَّا ذَكَرَ أَنَّهُ تَعَالَى يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ أَمَرَ بِالتَّصْدِيْقِ بِالْمُجْتَبٰى۔" (البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۱۲۶-۱۲۷)

یعنی خبیث اور طیب کے امتیاز کے بارے میں اللہ تعالیٰ رسول منتخب فرما کر اطلاع دیا کرے گا جو مومنوں کو آگاہ کرے گا اسلئے ہر برگزیدہ مامور کی تصدیق لازمی ہے۔ یہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے اُمتی نبیوں پر ایمان لانے کا میثاق ہے کیونکہ آنحضرتؐ کے بعد صرف آپؐ کی اطاعت کرنے والے اور آپؐ کی شریعت کا نفاذ کرنے والے انبیاء ہی آسکتے ہیں جیسا کہ دوسری نص وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ سے بالبداہت ثابت ہے۔

(۱۰) (الف) وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۵۸)

(ب) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ترجمہ۔ (الف) "قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے ہیں۔ یہ کتاب میں مقرر ہے۔"

(ب) "ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کرلیں۔"

ان دونوں آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اور ہلاکت سے پہلے بعثت رسول ضروری ہے تا منکرین یہ نہ کہہ سکیں رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی ۝ (طٰہٰ ۱۳۴) کہ اے خدا! اگر تُو ہماری طرف کسی رسول کو مبعوث فرما دیتا تو ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔"

اب یہ مضمون واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے اُمّتی رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور منکرین اور معاندینِ اسلام پر ان کے ذریعہ سے اتمامِ حجت ہوگی اور وہ مستحقِ عذاب قرار پائیں گے۔

اِن دسؔ آیات پر ادنیٰ سا تدبّر کرنے سے یہ حقیقت کھُل جاتی ہے کہ قرآن مجید کے رُو سے مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کی قید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمّتی انبیاء کا آنا ممکن ہے۔ البتہ قرآنی شریعت کو منسوخ کرنے والے یا فیضانِ محمدیؐ کے منکر نبی نہیں آسکتے۔ پس اِس حقیقت کی روشنی میں خاتم النبیّین کی یہی تفسیر درست اور قابلِ قبول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی شریعت لانے والے انبیاء کا آنا ممتنع ہے مگر اُمّتی نبیوں کی بعثت جاری ہے۔ اِسی سے فیضانِ محمدیؐ کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

شیعہ کتب تفسیر و عقائد سے ختمِ نبوّت کی حقیقت

شیعہ کتب تفسیر و عقائد کے رُو سے بھی ختمِ نبوّت کی حقیقت درج ذیل کی جاتی ہے تا شیعہ بھائیوں کو بھی سمجھنے میں سہولت رہے۔

(۱) آیت اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورہ بقرہ : ۱۲۴) کے متعلق شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :-

"فَاَبْطَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ اِمَامَةَ كُلِّ ظَالِمٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَصَارَتْ فِي الصَّفْوَةِ" (تفسیر صافی زیر آیۂ مذکورہ)

کہ اِس آیت نے قیامت تک کے لئے ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا۔ ہاں اِس سے پاک لوگوں کی امامت قیامت تک ثابت ہوگئی۔"

گویا امامتِ ابراہیمی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(۲) آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ میں رسول کے بھیجے جانے

کا ذکر ہے شیعہ صاحبان کے ہاں لکھا ہے :۔

(الف) " نَزَلَتْ فِی الْقَائِمِ مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ " (بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۲) کہ آیت امام مہدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے "

(ب) " مراد از رسول در اینجا امام مہدی موعود است " (غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

(۳) آیت یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ کے بارے میں شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :۔

" قِیْلَ الرُّوْحُ الْوَحْیُ ..... وَقِیْلَ اِنَّ الرُّوْحَ هٰهُنَا النُّبُوَّةُ عَنِ السُّدِّیِّ " (تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳)

کہ بعض نے اس آیت میں الروح سے مراد وحی لی ہے ۔ سُدی کہتے ہیں کہ اس جگہ نبوت مراد ہے "

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نبوت کو جاری رکھے گا ۔

(۴) آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کے متعلق شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ :۔

(الف) " مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلَّا وَیَرْجِعُ اِلَی الدُّنْیَا فَیَنْصُرُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ " (تفسیر القمی صفحہ ۲۳)

(ب) " فرمود کہ آں وقتے خواہد بود کہ حق تعالیٰ جمع کند در پیش روئے او پیغمبراں و مومناں را تا یاری کنند او را " (حق الیقین صفحہ ۱۵۶)

گویا شیعہ بھائیوں کے نزدیک امیر المومنین امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کے لئے سب نبی تشریف لائیں گے ۔ اس عقیدۂ رجعت کی رو سے جب سب نبی آسکتے ہیں تو ایک نبی کی بعثت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟

(۵) آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے متعلق شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :۔

" فَقَالَ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَھُوَ خِطَابٌ یَعُمُّ جَمِیْعَ الْمُكَلَّفِیْنَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مَنْ جَآءَهُ الرَّسُوْلُ مِنْهُمْ وَمَنْ جَازَ اَنْ یَّاْتِیَهُ الرَّسُوْلُ " (مجمع البیان زیر آیت مذکورہ)

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کا لفظ رکھا ہے جس سے تمام مکلف انسان مراد

ہیں۔ وہ بھی جن کے پاس رسول آچکے اور وہ بھی جن کے پاس رسولوں کا آنا ممکن ہے"۔
پس جب سب آدم زادوں کو نبیوں کے آنے کی خبر دی گئی ہے تو اس سلسلہ کا قیامت تک رہنا ضروری ہے۔

(۶) آیت فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کے متعلق لکھا ہے کہ امام مہدی یہ کہیں گے اور اس آیت کو اپنے اُوپر چسپاں کریں گے۔ گویا امام مہدی مرسلین میں سے ہوں گے۔ (کتاب اکمال الدین ص۱۸۹)

اب بھی ضرورتِ نبوّت باقی ہے؟

شیعوں کی ایک معتبر کتاب میں لکھا ہے:۔

"اگر کسی وقت میں نوعِ انسانی معلّمِ روحانی کی محتاج تھی تو اب بھی ہے اِلّا یہ کہہ دیا جائے کہ کبھی انسان محتاج پیغمبر و امام و معلّمِ روحانی نہ تھا اور بعثتِ معلّمینِ الٰہی معاذ اللہ فضول اور لغو ہے۔ ورنہ جو اوّل ضرورت کو تسلیم کرتا ہے وہ اب بھی کرے گا۔ جو پہلے انبیاء و اوصیاء و ائمہ کو مانتا ہے وہ اب مانے گا اور وجودِ امام کو تسلیم کرے گا۔ وجود امام آخرالزمان کا منکر تمام انبیاء و اوصیاء کا منکر ہے اور یہی قول پیغمبرؐ سے بھی ثابت ہے"۔
(الصراط السوی ص۴۵-۴۶)

اُمتِ محمّدیہ میں نبوّت جاری ہے

حضرت امام ابوجعفرؒ ابراہیمی نسل کی نعمتوں "الرسل والانبیاء والائمۃ" کے ذکر پر فرماتے ہیں:۔

"فَكَيْفَ يُقِرُّوْنَ فِيْ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُنْكِرُوْنَهٗ فِيْ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ (الصافی فی شرح اصول الکافی جلد ۲ ص۱۱۹)
کہ عجیب بات ہے کہ لوگ ان نعمتوں کا وجود آلِ ابراہیمؑ میں تو تسلیم کرتے ہیں لیکن آلِ محمدؐ میں ان کا انکار کرتے ہیں"۔

پس اُمتِ محمدیہ میں تابع نبیوں کا آنا تعجب خیز نہیں بلکہ اس نعمت کا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں نہ پایا جانا حیرت کا موجب ہوگا۔

شیعوں کے لغوی حوالے

(۱) شیعہ لغت مجمع البحرین میں لکھا ہے :۔

"وَمُحَمَّدٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ یَجُوْزُ فِیْهِ فَتْحُ التَّاءِ وَکَسْرُهَا فَالْفَتْحُ بِمَعْنَی الزِّیْنَةِ مَأْخُوْذٌ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِیْ هُوَ زِیْنَةٌ لِلَابِسِهٖ"

کہ خاتم النبیین میں خاتَم اور خاتِم دونوں جائز ہیں اور خاتَم کے معنے زینت اور خوبصورتی کے ہوں گے۔ یہ انگوٹھی سے ماخوذ ہے جو کہ پہننے والے کے لئے موجبِ زینت ہوتی ہے۔"

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے :۔

"اَلْخَاتَمُ لِمَا سَبَقَ وَالْفَاتِحُ لِمَا انْغَلَقَ" کہ آپ کے آنے سے پہلے دَور ختم ہوگئے اور اب آپ نئے دَور کے کھولنے والے ہیں"۔ (نہج البلاغہ)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خاتم الاولیاء قرار دیا۔ (تفسیر صافی ص۱۱۱)

(۴) علامہ محمد سبطین نے اپنے رسالہ الصراط السوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المعلمین قرار دیا ہے۔

(۵) حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو خاتم الوصیین کہا ہے۔ (منار الہدیٰ ص۱۰۶)

(۶) مشہور شیعہ کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے ٹائیٹل پیج پر الشیخ الصدوق کو خاتم المحدثین لکھا گیا ہے۔

کیا شیعہ صاحبان ماننے کے لئے تیار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معلم نہیں ہوا؟، حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی یا وصی نہیں ہوا؟ یا جناب الشیخ الصدوق کے بعد کوئی محدث نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا؟

شیعہ صاحبان کے لئے تین فیصلہ کن حوالے

اوّل شیعہ تفسیر میں لکھا ہے:۔

"حَشَرَ اللّٰهُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ"

کہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پیچھے آنے والے نبیوں کو اٹھائیگا" (تفسیر القمی صفحہ ۱۲۱)

قابلِ غور ہے کہ اگر کسی نبی کے آنے کا امکان ہی نہیں تو یہ پیچھے آنیوالے نبی کون ہیں؟

دوم شیعوں کی مستند کتاب اکمال الدین میں لکھا ہے:۔

"فَالْهُدَاةُ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْصِیَاءِ لَا یَجُوْزُ انْقِطَاعُهُمْ مَادَامَ التَّکْلِیْفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَازِمًا لِلْعِبَادِ"

ترجمہ۔ جب تک بندے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مکلّف ہیں تب تک ہدایت دینے والے نبیوں اور وصیوں کا انقطاع جائز نہیں۔"

سوم۔ اللہ تعالیٰ کا قول القمی میں لکھا ہے کہ اس نے غُرْفَةً مِنَ الْمَاءِ کو ہاتھ میں لیکر کہا:۔

"مِنْكِ اَخْلُقُ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ وَالْاَئِمَّةَ الْمُهْتَدِیْنَ وَالدُّعَاةَ اِلَی الْجَنَّةِ وَاَتْبَاعَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَا اُبَالِیْ"

ترجمہ۔ (اے قطرۂ پانی!) میں تجھ سے قیامت تک نبی، رسول، نیک بندے، ہدایت یافتہ امام، جنت کے داعی اور ان کے اتباع پیدا کرتا رہوں گا اور مجھے کسی کی پرواہ نہ ہو گی۔"

ان حوالجات سے بالبداہت ثابت ہے کہ شیعہ نقطۂ نگاہ سے خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں کہ آپ کی اُمت کے لئے تمام ابواب نعمت مفتوح ہیں اور آپ سب سے افضل نبی ہیں۔ لفظ خاتم النبیین انقطاعِ نبوتِ غیر تشریعی پر دلیل نہیں ہے۔

ختمِ نبوّت احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

یاد رہے کہ آنحضرت نے آنے والے مسیح موعود کو نبی اللہ قرار دیا ہے (صحیح مسلم)

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کہ ابوبکرؓ اس امت کے افضل فرد ہیں سوائے اس کے کہ نبی ہو۔" (کنوز الحقائق ص۔ جامع الصغیر المسیوطی مطبوعہ مصر ہامشیہ)

پھر واقعات یوں ہیں کہ ۵ھ ہجری میں آیت خاتم النبیین کا نزول ہوا ۹ھ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاحبزادہ ابراہیم تولد ہوا اور فوت ہو گیا۔ اس کی وفات پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز) کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔" حضورؐ کا یہ ارشاد آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد کا ہے اور در حقیقت یہ خاتم النبیین کی واضح تفسیر ہے۔

اس ارشاد نبویؐ سے واضح ہے کہ خاتم النبیین کا لفظ آپؐ کے نزدیک صدّیق نبی، یا اُمّتی نبی بننے میں ہرگز روک نہیں۔ ورنہ اس موقع پر یوں ارشاد فرماتے کہ اگر یہ زندہ بھی رہتا تب بھی نبی نہ بن سکتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ مگر حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا اس سے عیاں ہے کہ حضورؐ کا خاتم النبیین ہونا تو صاحبزادہ ابراہیم کے نبی بننے میں روک نہ تھا محض اس کا وفات پا جانا روک تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کے باوجود اُمّتی نبیوں کا دروازہ کھلا ہے۔[1]

حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا پر علمی بحث

ابن ماجہ کی یہ حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت واضح ہے اسلئے بعض غیر احمدی علماء اس کے راویوں وغیرہ پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی کو ضعیف کہتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اوّل تو جس طرح بعض ائمہ جرح و تعدیل نے راوی حدیث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی کو ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح بعض ناقدین ائمہ کے نزدیک وہ قابلِ تعریف اور ثقہ راوی ہے۔ لکھا ہے:-

"قَالَ یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ مَا قَضٰی عَلَی النَّاسِ رَجُلٌ اَعْدَلُ فِی الْقَضَاءِ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَهٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ حَیَّةَ۔" (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۴۵ نیز الاکمال فی اسماء الرجال حاشیہ ص۲)

[1] احادیث پر مزید مفصل بحث کیلئے ہماری کتاب "القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین" ملاحظہ فرمائیں۔ (مؤلف)

کہ ابن ہارون کا قول ہے کہ ابراہیم بن عثمان (راوئ حدیث زیر بحث) سے بڑھ کر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابو حیۃ سے بہتر راوی ہے۔"

پھر ابو حیۃ کے متعلق لکھا ہے :-

"وَثَّقَهُ الدَّارَقُطْنِيْ وَقَالَ النِّسَائِيْ ثِقَةٌ" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

کہ امام دارقطنی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام نسائی بھی اسے ثقہ کہتے ہیں"۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ آیا اگر کسی ایک راوی کو بعض ائمہ ضعیف قرار دیں جبکہ بعض دوسرے اُسے ثقہ ٹھہرائیں تو کیا ایسے ایک راوی کی وجہ سے حدیث کو غیر صحیح اور مردود ٹھہرا کر اُسے بنائے استدلال نہ بنایا جائے حالانکہ حدیث زیرِ بحث صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ میں مروی ہے اور دیگر احادیث سے اس کی تقویت بھی ثابت ہے؟ اس کے جواب کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے کلمات ذیل قابلِ توجہ ہیں، فرماتے ہیں :-

(الف) "یہ بھی روشن ہوگا کہ روایت کا ثبوت اور اس کی قوت کچھ اسی میں منحصر نہیں کہ اس کی سند ہی اچھی ہو اگر کوئی آیت یا روایت صحیحہ اس کی مصدّق ہو تو یہ تصدیقِ آیت و روایت کافی ہے۔"

(آبِ حیات صفحہ ۱۲۶ مطبع مجتبائی مطبوعہ ۱۲۹۸ ہجری)

(ب) "جس خبر کے مصدق عقل یا نقل ہو اُس کو صادق ہی سمجھنا چاہیئے اگرچہ اُس کے راوی ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔" (آبِ حیات صفحہ ۱۲۷)

پس حدیث نبوی لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا سے اسلئے اعراض کرنا کہ بعض ائمہ نے اس کے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے محض نفس کا بہانہ ہے۔ اہلِ علم اصحاب فن کا یہ طریق ہرگز نہیں۔

دوم۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ حدیث لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا کی صحت کا بہت سے فحول ائمہ حدیث نے اقرار فرمایا ہے۔ حضرت امام علی القاری کے متعلق تو مودودی صاحب کے رسالہ میں بھی لکھا ہے کہ "انہوں نے اِس روایت کو

صحیح مانا ہے۔" (ترجمان القرآن جنوری ۱۹۵۷ء ص۲۹۵) پھر البیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں واضح طور پر درج ہے " وَ اَمَّا صِحَّۃُ الْحَدِیْثِ فَلَا شُبْهَۃَ فِیْهَا " کہ جہاں تک حدیث کے صحیح ہونے کا سوال ہے تو یہ بات ہر شک وشبہ سے بالا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (جلد ۷ ص۱۷۵)

پس راوی ابراہیم بن عثمان کے بارے میں بعض لوگوں کے اعتراض ضعف کی وجہ سے حدیث نبوی کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش پیدا نہیں ہوجاتی۔

سوم۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ ابن ماجہ کی اس حدیث کی تائید دوسری تین روایات سے بھی ہوتی ہے جو مختلف طرق سے مروی ہیں۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں :۔

" وَبَیَّنَ الْحَافِظُ السُّیُوْطِیُّ اَنَّہٗ صَحَّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِہٖ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ لَا اَدْرِیْ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا "

کہ امام سیوطی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ابراہیم پر ہو اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا۔" (الفتاوی الحدیثیۃ مصنفہ ابن حجر الہیتمی ص۱۵۰ مصری)

نیز امام السیوطی فرماتے ہیں " رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۵۰) کہ اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

پھر علامہ قسطلانی کہتے ہیں وَ قَدْ رُوِیَ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ لَوْ بَقِیَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَکَانَ نَبِیًّا۔ کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آنحضرت کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو ضرور نبی ہوتے ـــــ" (المواہب اللدنیہ جلد اول ص۲۳۱) علاوہ ازیں تاریخ ابن عساکر میں لکھا ہے :۔

" رَوَی الْبَیْهَقِیُّ بِسَنَدِہٖ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لَہٗ مُرْضِعًا فِی الْجَنَّۃِ

تُتِمُّ رَضَاعَتَهٗ وَلَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔"

کہ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنت میں اس کے لئے دایہ مقرر ہے جو اس کی رضاعت کی تکمیل کرے گی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہو جاتا۔" (تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)

ان دوسری روایات سے ابن ماجہ کی روایت زیرِ بحث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا کی زبردست تائید ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں "لَهٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ یُقَوِّیْ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ" کہ یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جن کے باعث یہ حدیث نہ صرف صحیح قرار پاتی ہے بلکہ قوی قرار پاتی ہے (موضوعات کبیر صفحہ ۶۹)

اس موقع پر ہم حضرت مولانا نانوتوی کا ایک اور زرّیں قول بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ حیات النبیؐ کے سلسلہ میں بعض روایات کے ذکر پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان روایات میں بعض روایات کا باعتبار سند کے چنداں قوی نہ ہونا چنداں مضر نہیں۔ چند ضعیف باہم مل کر اسی طرح قوی ہو جاتی ہیں جس طرح چند احاد مل کر متواتر بن جاتے ہیں۔" (آبِ حیات صفحہ ۴۹)

پس یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا ایک صحیح حدیث نبوی ہے بلکہ اپنے متعدد طرق کے باعث قوی حدیث ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حَکَمْ عَدَل کا ارشاد حدیث زیرِ غور کے سلسلہ میں حسبِ ذیل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابراہیم لختِ جگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خوردسالی میں یعنی سولہویں مہینے میں فوت ہو گئے تھے اس کی صفائی استعداد کی تعریفیں اور اس کی صدیقانہ فطرت کی صفت وثناء احادیث کے رُو سے ثابت ہے۔"

(اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام نووی ایسے بعض بزرگوں نے حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا

نَبِیًّا پر کلام کیا ہے مگر در اصل اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس حدیث کے سمجھنے میں دقت پیش آئی تھی۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں :-

"وَهُوَ عَجِیْبٌ مِنَ النَّوَوِیِّ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَاَنَّهٗ لَمْ یَظْهَرْ لَهٗ تَاْوِیْلُهٗ۔" (الفوائد المجموعہ ص۱۲۳)

کہ ایسی حدیث پر جو تین صحابیوں سے مروی ہے امام نووی کا اعتراض عجیب ہے۔ بات یہ ہے کہ ان پر اس حدیث کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوا"

اس جگہ امام علی القاری کے الفاظ کتنے پیارے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"وَاِذَا اَخْبَرَ الصَّادِقُ وَثَبَتَ عَنْهُ النَّقْلُ الْمُوَافِقُ فَلَا كَلَامَ فِیْهِ مِمَّا یُنَافِیْهِ۔" (موضوعات کبیر ص۵۹)

کہ جب نبی صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے اور صحیح نقل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے تو پھر اس کے مخالف اور منافی کلام کوئی مطلب نہیں ہے"

پس اہلِ تحقیق کے نزدیک لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا یقینی طور پر درست حدیث ہے اور اگر کسی نے اس کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے تو اس سے حدیث کی ثقاہت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا سے ہمارا استدلال

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حدیث نبوی لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا ایک صحیح حدیث ہے۔ تاریخی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت اور وفات آیت خاتم النبیین سے نازل ہونے کے قریباً پانچ برس بعد ہوئی تھی۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ اگر سرور کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے یہ معنے سمجھتے کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا تو صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات پر ہرگز یہ نہ فرماتے لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس یوں فرماتے کہ چونکہ میں خاتم النبیین ہوں اسلئے اگر ابراہیمؓ زندہ بھی رہتے تب بھی نبی

نہ ہوسکتے۔ حضورؐ کا ابراہیمؓ کی وفات پر یہ ارشاد صاف دلالت کرتا ہے کہ اگر چہ بوجہ وفات صاحبزادہ ابراہیمؓ نبی نہیں بن سکے مگر باقی افراد کے لئے امتی نبوت پانے میں آیت خاتم النبیین روک نہیں ہے۔ مثال یوں سمجھئے کہ کالج کا کوئی ہونہار طالب علم فوت ہو جاتا ہے پرنسپل کہتا ہے کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ضرور ایم۔ اے ہو جاتا۔ پرنسپل کا یہ قول اس بات پر نصِّ قاطع ہے کہ فی الجملہ ایم۔ اے ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ فی الجملہ اُمّت میں نبی بننا ممکن ہے۔ پس یہ حدیثِ نبوی امکانِ نبوت پر ایک واضح برہان ہے!

خاتم النّبیّین کے معنے اور حضرت ملّا علی القاریؒ

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام علی القاری نے بڑی صراحت سے حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا کو صحیح اور قوی حدیث قرار دیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ اپنے موقف کی حمایت میں امام ملّا علی القاری کے قول کو بھی بطور تائیدی دلیل پیش کرتی ہے۔

حضرت امام ملّا علی القاری حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا کی سند پر بحث کرتے ہوئے اسے قوی حدیث قرار دیکر تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَمَعَ ھٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ وَصَارَ نَبِیًّا وَکَذَا لَوْصَارَ عُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَعِیْسٰی وَ الْخِضَرِ وَاِلْیَاسَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ وَیُقَوِّیْہِ حَدِیْثُ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ" (موضوعاتِ کبیر صفحہ ۶۹)

ترجمہ۔ باایں ہمہ یہ بات بھی ہے کہ اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے اور نبی بن جاتے نیز حضرت عمرؓ بھی نبی ہو جاتے تو وہ دونوں بھی حضرت عیسیٰؑ، حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبیوں میں سے

ہوتے ۔ پس حدیث (لو عاش لکان صدیقاً نبیاً) اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین کے ہرگز مخالف نہیں کیونکہ خاتم النبیین کے تو یہ معنے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوسکتا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کا اُمتی نہ ہو۔ اس مفہوم کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

حضرت امام علی القاری کا ارشاد نہایت واضح ہے۔ انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً کا یہ مطلب بیان فرمادیا ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؑ زندہ رہتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی نبی ہوتے۔ کیونکہ آیت خاتم النبیین اُمتی نبی کے راستے میں قطعاً روک نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ بھی مشیّتِ ایزدی سے اگر نبی ہوتے تو اُمتی نبی ہوتے۔ حضرت امام موصوف نے حضرت مسیح، حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام کی مثال دیکر بھی یہ واضح فرمایا کہ آنحضرتؐ کے تابع نبیوں کے وجود کو محال نہیں سمجھا گیا۔ پھر حدیث لَوْ کَانَ مُوْسیٰ حَیّاً کو پیش کرکے مزید صراحت فرمادی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بلند و بالا مرتبہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ آپؐ کے تابع نبی ہوتے۔ پس یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ امام علی القاری حدیث زیرِ بحث سے اُمتی نبی کا امکان مانتے تھے۔

پھر آپ نے ایک دوسری جگہ بھی حدیث لو کان موسیٰ حیاً کو مدّنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

"اَقُوْلُ لَا مُنَافَاۃَ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیّاً وَّاَنْ یَّکُوْنَ تَابِعاً لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی منافاۃ اور تناقض نہیں کہ ایک شخص نبی بھی ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بھی ہو۔" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴)

اب یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً سے اُمتی نبی کا امکان تسلیم فرمایا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے اور یہی ہمارا موقف و مسلک ہے۔

خاتم النبیین کے معنوں کے متعلق لاجواب چیلنج

ایک غیر احمدی نے مودودی صاحب کو لکھا کہ:۔

"مرزائی حضرات لفظ خاتم کے معنے نفی کمال کے لیتے ہیں نفی جنس کے نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خاتم کا لفظ کہیں بھی نفی جنس کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ اگر ہوا ہو تو مثال کے طور پر بتایا جائے۔ ان کا چیلنج ہے کہ جو شخص عربی لغت میں خاتم کے معنے نفی جنس کے دکھا دے اسکو انعام ملیگا۔ نفی کمال کی مثالیں وہ یہ دیتے ہیں کہ مثلاً کسی کو خاتم الاولیاء کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ولایت اس پر ختم ہوگئی بلکہ حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ ولایت کا کمال اس پر ختم ہوا۔ اقبال کے اس فقرے کو بھی وہ نظیر میں پیش کرتے ہیں ؎

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاں آباد میں اس کے بعد کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ہے کہ وہ جہاں آباد کا آخری باکمال شاعر تھا۔ اسی قاعدے پر وہ خاتم النبیین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات نبوت ختم ہوگئے نہ یہ کہ خود نبوت ہی ختم ہوگئی۔" (رسائل و مسائل ص۳۲)

مودودی صاحب یا کوئی اور مولوی آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ یاد رہے کہ عربی زبان اور اس کے محاورات میں جب کبھی خاتم النبیین کے طریق پر کوئی مرکب اضافی کسی کی مدح میں استعمال ہوا ہے (جس استعمال کی عربی زبان میں بہت سی مثالیں موجود ہیں) تو ایسے مرکب اضافی کے معنے ہمیشہ اس جماعت مضاف الیہ کے اعلیٰ، کامل اور انتہائی افضل فرد کے ہوتے ہیں اور وہ فرد اپنے کمال میں بے مثال اور عدیم النظیر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے استعمالات کی کم و بیش پچاس مثالیں جو ہم نے یہاں اپنے ملک میں اور بلادِ عربیہ میں بھی بار بار شائع کی ہیں حسب ذیل ہیں:۔

خاتم مرکب اضافی کی مثالیں

۱۔ ابو تمام شاعر کو خاتم الشعراء لکھا ہے۔ (وفیات الاعیان جلد اوّل)

۲۔ ابو الطیب کو خاتم الشعراء کہا گیا ہے۔ (مقدمہ دیوان المتنبی مصری ص ی)

۳۔ ابو العلاء المعری کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ حاشیہ ص ک)

۴ - شیخ علی حزین کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں۔ (حیاتِ سعدی ص۱۰۱)

۵ - حبیب شیرازی کو ایران میں خاتم الشعراء سمجھا جاتا ہے۔ (حیاتِ سعدی ص۸۰)

۶ - حضرت علیؓ خاتم الاولیاء ہیں۔ (تفسیر صافی سورہ احزاب)

۷ - امام شافعی خاتم الاولیاء تھے۔ (التحفۃ السنیہ ص۴۵)

۸ - شیخ ابن العربی خاتم الاولیاء تھے۔ (سرورق فتوحاتِ مکیہ)

۹ - کافور خاتم الکرام تھا۔ (شرح دیوان المتنبی ص۳۰۴)

۱۰ - امام محمد عبدہ مصری خاتم الائمہ تھے۔ (تفسیر الفاتحہ ص۱۴۸)

۱۱ - السید احمد السنوسی خاتمۃ المجاہدین تھے۔ (اخبار الجامعۃ الاسلامیہ فلسطین ۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ)

۱۲ - احمد بن ادریس کو خاتمۃ العلماء المحققین کہا گیا ہے۔ (العقد النفیس)

۱۳ - ابو الفضل الالوسی کو خاتمۃ المحققین کہا گیا ہے۔ (سرورق تفسیر روح المعانی)

۱۴ - شیخ الازہر سلیم البشری کو خاتم المحققین قرار دیا گیا ہے۔ (الحرایب ص۳۷۲)

۱۵ - امام سیوطی کو خاتمۃ المحققین لکھا گیا ہے۔ (سرورق تفسیر اتقان)

۱۶ - حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کو خاتم المحدثین لکھا جاتا ہے۔ (عجالہ نافعہ جلد اول)

۱۷ - الشیخ شمس الدین خاتمۃ الحفاظ تھے۔ (التجرید الصریح مقدمہ ص۴)

۱۸ - سب سے بڑا ولی خاتم الاولیاء ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیا ص۴۲۲)

۱۹ - ترقی کرتے کرتے ولی خاتم الاولیاء بن جاتا ہے۔ (فتوح الغیب ص۴۳)

۲۰ - الشیخ نجیب کو خاتمۃ الفقہاء مانا جاتا ہے۔ (اخبار الصراط المستقیم یافا ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ)

۲۱ - شیخ رشید رضا کو خاتمۃ المفسرین قرار دیا گیا ہے۔ (الجامعۃ الاسلامیہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

۲۲ - شیخ عبد الحق خاتمۃ الفقہاء تھے۔ (تفسیر الاکلیل سرورق)

۲۳ - الشیخ محمد نجیب خاتمۃ المحققین تھے۔ (الاسلام مصر شعبان ۱۳۵۴ھ)

۲۴ - افضل ترین ولی خاتم الولایۃ ہوتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۷۱)

۲۵ - شاہ عبد العزیز خاتم المحدثین والمفسرین تھے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۴)

۲۶ - انسان خاتم المخلوقات الجسمانیۃ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص۲۲ مطبوعہ مصر)

۲۷۔ الشیخ محمد بن عبد اللہ خاتمۃ الحفاظ تھے۔ (الرسائل النادرہ ص۳)

۲۸۔ علامہ سعد الدین تفتازانی خاتمۃ المحققین تھے۔ (شرح حدیث الاربعین ص۱)

۲۹۔ ابن حجر العسقلانی خاتمۃ الحفاظ ہیں۔ (طبقات المدلسین سرورق)

۳۰۔ مولوی محمد قاسم صاحب کو خاتم المفسرین لکھا گیا ہے۔ (اسرار قرآنی ٹائیٹل پیج)

۳۱۔ امام سیوطی خاتمۃ المحدثین تھے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۱)

۳۲۔ بادشاہ خاتم الحکام ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاسلام ص۳۵)

۳۳۔ آنحضرت صلعم خاتم الکاملین تھے۔ (" " ")

۳۴۔ انسانیت کا مرتبہ خاتم المراتب ہے اور آنحضرت صلعم خاتم الکمالات ہیں۔ (علم الکتاب ص۱۴۲)

۳۵۔ حضرت عیسیٰ خاتم الاصفیاء الائمۃ ہیں۔ (بقیۃ المتقدمین ص۱۸۴)

۳۶۔ حضرت علی خاتم الاوصیاء تھے۔ (منار الہدیٰ ص۱۰۶)

۳۷۔ رسول مقبول صلعم خاتم المعلمین تھے۔ (الصراط السوی مصنفہ علامہ محمد سبطین)

۳۸۔ الشیخ الصدوق کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔ (کتاب من لا یحضرہ الفقیہ)

۳۹۔ عقل انسانی عطیات الٰہیہ وجود، زندگی اور قدرت کی خاتم الخلع ہے۔ (تفسیر کبیر رازی جلد ۲ ص۱۲)

۴۰۔ ابو الفضل شہاب الالوسی کو خاتمۃ الادباء لکھا ہے۔ (سرورق روح المعانی)

۴۱۔ صاحب روح المعانی نے الشیخ ابراہیم الکورانی کو خاتمۃ المتأخرین قرار دیا ہے۔
(تفسیر روح المعانی جلد ۵ ص۴۵۳)

۴۲۔ مولوی انور شاہ صاحب کاشمیری کو خاتم المحدثین لکھا گیا ہے۔ (کتاب تیسیر الانوار ص۹۹)

۴۳۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں:۔

"آپ ہی منتہائے علوم ہیں کہ آپ ہی پر علوم کا کارخانہ ختم ہو جاتا ہے۔
اسلئے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا ہے"۔ (شان رسالت ص۴۸)

۴۴۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:۔

"والخاتم یجب ان یکون افضل الا تری ان رسولنا صلی
اللہ علیہ وسلم لما کان خاتم النبیین کان افضل الانبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام۔" (تفسیر کبیر رازی جلد ۶ صـ۳۱ مصری)

کہ خاتم لازماً افضل ہوتا ہے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خاتم النبیین قرار دیا گیا تو آپ سب نبیوں سے افضل ٹھہرے۔"

۴۵۔ حضرت فریدالدین عطارؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں سہ

ختم کردہ عدل و انصافش بحق ٭ تافراست بُردہ ازمردم سبق

(منطق الطیر صـ۲۹)

۴۶۔ جناب مولانا حالی حضرت شیخ سعدیؒ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"ہمارے نزدیک جس طرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق، نصیحت و پند، عشق و جوانی، ظرافت و مزاح، زہد و ریا وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے۔" (رسالہ حیات سعدی صـ۱۰۱)

۴۷۔ حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"سو جس میں اس صفت کا زیادہ ظہور ہو جو خاتم الصفات ہو یعنی اس سے اوپر اور صفت ممکن الظہور یعنی لائق انتقال و عطائے مخلوقات نہ ہو وہ شخص مخلوقات میں خاتم المراتب ہوگا اور وہی شخص سب کا سردار اور سب سے افضل ہوگا۔" (رسالہ انتصار الاسلام صـ۴۵)

۴۸۔ جناب مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی لکھتے ہیں :۔

"انبیاء و دجاجلہ میں بھی ایک ایک فرد خاتم ہے جو اپنے دائرہ میں مصدرِ فیض ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں وہ فرد کامل اور خاتم مطلق جو کمالاتِ نبوت کا منبع فیض ہے اور جس کے ذریعہ سارے ہی طبقہ انبیاء کو علوم و کمالات تقسیم ہوئے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

(تعلیماتِ اسلام مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی صـ۲۲۳-۲۲۴)

۴۹۔ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی (شیخ الاسلام پاکستان) نے لکھا ہے کہ :۔

"جبکہ صفتِ علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربیِ عالم ہیں تو جس کا اعجاز

علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالاتِ علمی کا خاتمہ کردیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا۔" (اعجاز القرآن ص۹۱)

۵۰۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں ؎

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود
مثلِ او نے بود نے خواہند بود

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے خاتم ہیں کہ آپؐ بے مثل و بے نظیر ہیں۔"

(مثنوی مولانا روم دفتر اوّل ص۵۳)

ان استعمالات سے ظاہر ہے کہ اہلِ عرب اور دوسرے محققین علماء کے نزدیک جب بھی کسی ممدوح کو خاتم الشعراء یا خاتم الفقہاء یا خاتم المحدّثین یا خاتم المفسّرین کہا جاتا ہے تو اس کے معنے بہترین شاعر، سب سے بڑا فقیہہ، اور سب سے بلند مرتبہ محدّث یا مفسّر کے ہوتے ہیں۔

"نبیوں کی مُہر" کا کام

ہر غیر احمدی عالم کہتا ہے کہ خاتم النبیّین کے لفظی معنے نبیوں کی مُہر کے ہیں۔ ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ اب سوال اس مُہر کے کام کا ہے۔ پڑھیئے:۔

(۱) حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" اللہ جلّشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیّین ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۷ حاشیہ)

(۲) جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی "شیخ الاسلام" پاکستان لکھتے ہیں:۔

"بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیّین ہیں اور جن کو نبوّت ملی ہے آپؐ کی مُہر لگ کر ملی ہے۔"

(قرآن مجید مترجم علامہ عثمانی زیر آیت خاتم النبیّین)

آئیے اِن معنوں میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کی مُہر مانیئے!

حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا صحیح مفہوم

اِس کے لئے مندرجہ ذیل چار حوالے ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (وفات ۵۸ھ ہجری) نے فرمایا :-

"قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (تفسیر الدرّ المنثور للسیوطی جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

اے لوگو! آنحضرت کو خاتم الانبیاء ضرور کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ آسکے گا۔"

(۲) حضرت امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ (وفات ۹۸۶ھ ہجری) لکھتے ہیں :-

"ھٰذا ایضاً لا ینافی حدیث لا نبیّ بعدی لانّہٗ اراد لا نبیّ ینسخ شرعہ"

کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے حدیث لا نبیّ بعدی کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ وہ نبی نہ ہوگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔" (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

(۳) رئیس الصوفیہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ (وفات ۶۳۸ھ ہجری) تحریر فرماتے ہیں :-

"ھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ" (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

ترجمہ: یہی معنیٰ اِس حدیث کے ہیں انّ الرسالۃ والنبوّۃ قد انقطعت کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی۔ یعنی کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب کبھی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے تابع ہوگا۔"

(۴) جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی (وفات ۱۳۰۷ھ ہجری / ۱۸۸۹ء عیسوی) لکھتے ہیں :-

"لا نبیّ بعدی آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرعِ ناسخ لے کر نہیں آئے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲)

ختم نبوت کے سلسلہ میں پرویز صاحب کے شبہات کا ازالہ

مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی نے اہلِ قرآن کی تحریک جاری کی تھی۔ جناب غلام احمد صاحب پرویز لکھتے ہیں "ہم روایات کو دینی حجت تسلیم نہیں کرتے، دین کا مرکز فقط قرآن ہے۔" (معارف القرآن) خوارج کے نعرہ کی طرح بات تو بڑی خوشنما ہے مگر تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے ان کی مراد وہ عقلیات اور اختراعات ہیں جو پرویز صاحب یا ان کے کسی اور انشا پرداز کو سوجھیں۔ پرویز صاحب نے معارف القرآن نامی کتاب میں ختم نبوت کا بھی ایک باب باندھا ہے جس میں جماعت احمدیہ کے عقیدہ پر عام "مولویانہ انداز" میں جرح کی ہے۔ پرویز صاحب کی معارف القرآن کے خاص نقاط پر ذیل میں اعتراض وجواب کے رنگ میں تبصرہ کیا جاتا ہے۔ "پ" سے مراد پرویز صاحب ہیں اور "ا" سے مراد خاکسار ابوالعطاء ہے۔

(۱) پ: "ہمارے مولوی صاحبان پچاس برس سے قادیانیوں کے ساتھ مناظرے، مباحثے، اجلاس مباہلے کرتے چلے آرہے ہیں لیکن بھنور میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح معاملہ وہیں کا وہیں ہے اسلئے کہ یہ مولوی صاحبان خود ایک آنے والے کے انتظار میں ہیں۔" (صفحہ ۔۔)

ا۔ یہ غلط ہے کہ معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں انسانوں کے لئے تو معاملہ طے ہو چکا ہے اور بہتوں کے لئے طے ہونے کے قریب ہے۔ تبھی تو جماعت احمدیہ ترقی کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے آنے والے کے نظریہ سے اسی لئے انکار کر دیا ہے کہ مولویوں کی طرح آپ بھی پھنس نہ جائیں ورنہ اُمت کا اجماعی عقیدہ تو واضح ہے۔

پ۔ "قرآن کی رو سے یہ بنیاد ہی باطل ہے کہ ایک شخص خدا کا نبی یا رسول ہو اور وہ کتاب نہ لائے۔" (صفحہ ۔۔) "تشریعی اور غیر تشریعی کی تفریق یکسر غیر قرآنی ہے۔ ہر نبی خدا کا پیغام لاتا ہے جو اس کی شریعت ہوتی تھی۔" (حاشیہ صفحہ ۔۔)

ا۔ یہی وہ نقطہ ہے جس پر پرویز صاحب عام علماء سے اختلاف کرتے ہیں۔ پرویز صاحب کے نزدیک ہر نبی شریعت اور کتاب لاتا ہے مگر ان کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے سراسر خلاف ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ (المائدۃ: ۴۴) کہ ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ تورات کے مطابق وہ نبی جو مطیع ہوتے تھے یہود کیلئے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ربانی اور علماء بھی فیصلہ کرتے تھے کیونکہ یہ کتاب الٰہی کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس کے نگران تھے۔" اس آیت کریمہ میں تورات کے مطابق فیصلہ کرنے والے نبیوں، ربانی لوگوں اور علماء تین گروہوں کا ذکر ہے۔ النبیون کے ساتھ بطور تشریح اَلَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا فرمایا ہے ظاہر ہے کہ کوئی نبی غیر مسلم تو ہوتا نہیں اسلئے اس جگہ اَسۡلَمُوۡا سے ان نبیوں کا تابع تورات ہونا ظاہر کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ (بقرہ: ۸۷) کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد ان کے پیرو بہت سے رسول بھیجے۔ یہ مرسلین وہی ہیں جنہیں المائدہ کی آیت میں النبیون الذین اسلموا قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بہت سے انبیاء اپنی نئی شریعت نہیں لاتے تھے بلکہ وہ تورات کی شریعت کے تابع ہوتے تھے اور لوگوں کو اسی پر چلاتے تھے۔ اس آیت سے تشریعی اور غیر تشریعی نبی کی تقسیم صریح طور پر قرآنی ثابت ہوتی ہے۔ جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے تحریر فرمایا ہے:-

"یہ بات تو انبیاء میں سے کسی کسی کو میسر آتی ہے کہ نئی شریعت لائے اور پہلے احکام بدل جائیں۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی ہوئے سب تورات ہی پر عمل کرتے رہے۔" (ہدیۃ الشیعہ ص۲۵)

جناب پرویز صاحب نے لکھا ہے:-

"قرآن کا ارشاد ہے کہ تورات حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو دی گئی تھی۔" (معارف القرآن ص۳۴۳)

چلئے مان لیجئے کہ تورات دونوں موسیٰؑ اور ہارونؑ کو دی گئی تھی مگر النبیون الذین اسلموا جو تورات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے ان کا غیر تشریعی نبی ہونا تو آپکو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اب تو

آپکو اپنے مسلّمات کے رُو سے بھی ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل میں آنیوالے انبیاء موسیٰؑ اور ہارونؑ کی تورات کے تابع تھے۔ وہ کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے، یہی غیر تشریعی نبی کہلاتے تھے۔ پس یہ بنیاد قرآن مجید سے ثابت ہے۔

(۳) پ:- "رسول کا فریضہ ہی پیغام خداوندی کا پہنچانا ہوتا ہے۔ بغیر پیغام کے قاصد اگر مضحکہ نہیں تو اور کیا ہے"؟ (صفحہ)

ا:- پیغام تو ہر پیغامبر لاتا ہے مگر زیر بحث تو یہ امر ہے کہ وہ پیغام نئی شریعت پر چلنے کا ہوتا ہے یا سابقہ شریعت کی پابندی کرنے کا ہوتا ہے۔ آپ خلط مبحث نہ کریں۔ دیکھئے حضرت مسیحؑ اپنے اتباع کو پیغام دیتے ہیں کہ:-

"فقیہ اور فریسی موسیٰؑ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن اُن کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں" (متی ۲۳/۲)

جناب مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:-

"ان ہزاروں انبیاء کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں سرے سے کسی کتاب سے بہرہ مند ہی نہیں کیا گیا بلکہ جن کی نبوت کا دارومدار صرف انکے اونچے کردار اور مصلحانہ عمل پر ہی استوار ہے اور جو صرف منذرین و مبشرین کے زمرہ میں شمار ہونیکے لائق ہیں کیا ان کو نبی تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ (الاعتصام لاہور ۳۰ مارچ ۱۹۶۲ء)

(۴) پ:- "ذرا دجل و فریب کے اس لطیف پردے پر نگاہ رکھئے کہ اپنی نبوت کے جواز میں مسلمانوں کے جذبات کو کس طرح ہاتھ میں رکھا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں سے کہا یہ گیا ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت تو نبی اکرمؐ کی عظمت کی دلیل ہے۔ جو بات کسی اور نبی کو حاصل نہ تھی وہ رسول اللہ کو حاصل ہوگئی۔" (صفحہ)

ا:- پرویز صاحب اس حقیقت کو جسے قرآن نے آیت وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں بیان فرمایا ہے آپ کا دجل و فریب کہنا خود انتہائی دجل ہے۔ آپ دلیل و برہان سے بات کریں۔

(۵) پ:- "اگر نبی کی اطاعت سے انسان نبی بن سکتا ہے تو اس منطق کی رُو سے خدا کی اطاعت سے انسان کو

معاذ اللہ خدا بھی بن جانا چاہیئے۔ یہ تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ انسان خدا کی اطاعت سے خدا نہیں بن سکتا بلکہ وہ صرف اتنے مدارج ہی طے کر سکتا ہے جتنے مدارج کی قرآن کریم میں تصریح ہے۔ اسی طرح نبی کی اطاعت سے بھی انسان نبی نہیں بن سکتا کہ نبوت تو ختم ہو گئی۔ نبوت کے نیچے جتنے مقام ہیں جن کی تصریح قرآن نے بیان کر دی ہے ان مقامات تک ہی پہنچ سکتا ہے" (صفحہ ۱۶)

ا۔ فقرہ "نبوت تو ختم ہو گئی" زیر بحث اور تشریح طلب ہے اور آپ اسی کو دلیل بنا رہے ہیں۔ اسے علمی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں یعنی دعویٰ ہی کو دلیل قرار دیدینا۔ سوال تو یہی ہے کہ آیا قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنیوالوں کیلئے کن مدارج کی تصریح کی ہے جب ان میں **من النبیین** سب سے بلند درجہ ہے تو آپ نبوت غیر تشریعی کا انکار کیونکر کرسکتے ہیں۔ پرویز صاحب نے کتنی عامیانہ بات کہہ دی ہے کہ اگر نبی کی اطاعت سے انسان نبی بن سکتا ہے تو خدا کی اطاعت سے انسان کو خدا بن جانا چاہیئے۔ ہم ہر نبی کی اطاعت سے نبی بننے کے قائل نہیں۔ مگر خاتم النبیینؐ کی اطاعت میں نبی بننے کے قائل ہیں، جس طرح شہنشاہ کے ماتحت بادشاہ ہوتے ہیں۔ ہاں آپ نبی کی اطاعت سے نبی بننے کا تو امکان نہیں سمجھتے البتہ نبی کی اطاعت سے نبوت سے نیچے کے درجوں تک پہنچنا مانتے ہیں۔ اچھا سوچیئے کہ اب خدا کی اطاعت سے خدا نہیں نبوت کے درجہ تک پہنچنے کا امکان تو آپ کی منطق سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیا فرماتے ہیں پرویز صاحب؟

(۶) ب۔ "قرآن بطور اساسِ آئین اور ملت کی مرکزیت اس کی قوت نافذہ۔ اس کی موجودگی میں نبوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی" (صفحہ ۳۰)

ا۔ تورات بنی اسرائیل کیلئے مفصل آئین تھی۔ اگر یہودی موسیٰؑ کے بعد آنیوالے نبیوں کو ملت کی مرکزیت اسکی قوتِ نافذہ کہہ کر پوچھتے کہ آپکے آنے کی ضرورت کیا ہے فرمایئے وہ انبیاء کیا جواب دیتے؟ چلئے مان لیتے ہیں کہ ملت کی مرکزیت جب آئینِ قرآنی کی قوتِ نافذہ ہو تو نبوت کی ضرورت نہ ہوگی مگر جب ملت کی مرکزیت ہی درہم برہم ہو چکی ہو یا نام نہاد مرکزیت تو ہو مگر وہ قرآن مجید کو نافذ نہ کر رہی ہو یا کر نہ سکتی ہو تو کیا آپ اس وقت نبوت کی ضرورت کو تسلیم کریں گے؟ تلایئے اسوقت ملت کی مرکزیت قائم ہے اور وہ قرآن کیلئے قوتِ نافذہ ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو آج آپکو نبوت کی ضرورت سے کیوں انکار ہے؟ یاد رہے کہ آئین کو لانا، آئین کو نافذ کرنا، اسی کو اہل علم نبوت تشریعی

اور نبوت غیر تشریعی قرار دیتے ہیں۔

(۷) پ: "اس (مسلمانوں کے عقائد کے خطرہ) کا علاج یہ ہے کہ انہیں ایک ایسا مہدی دیدیا جائے جو جہاد کو حرام قرار دیدے اور انگریزوں کی وفاداری کو عین اسلام ثابت کردے۔ انگریزی استعمار کی یہ ضرورت تھی جسے تحریک قادیانیت نے پورا کر دیا۔" (صفحہ ۴۲)

ا۔ انگریزی استعمار کی یہ ضرورت تو اُن لوگوں کے ذریعہ بہتر صورت میں پوری ہو چکی تھی جو پرویز صاحب کی طرح سرے سے ہی مہدی کے آنے کے انکاری تھے۔ گویا انہوں نے انگریز سے کہہ دیا تھا کہ تم بانسری کے بجنے سے خطرہ محسوس کرتے ہو تو ہم اس بانسری کو ہی توڑ دیتے ہیں۔ نہ مہدی آئیگا نہ جہاد کا سوال ہوگا۔ سوچئے کہ انگریز کو پھر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی کہ ایسے شخص کو کھڑا کرتا جو کسر صلیب کے مشن کو لیکر مہدی و مسیح ہونے کا مدعی ہو؟ اے کاش کہ پرویز صاحب کوئی معقول اعتراض کرتے۔

(۸) پ: "دیکھئے کہ آپکو اس عہد کی مجدّدیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت سے محکومی و مسکنی و نومیدئ جاوید کے سوا اور کیا ملا؟" (صفحہ ۴۵)

ا۔ ہمیں تو اس مسیحیت سے زندہ ایمان، زندہ عزائم اور زندہ قوت عملیہ ملی ہے۔ اسلام کے غلبۂ تامہ کے بارے میں یقین حاصل ہوا ہے جس کی بناء پر ننھی سی جماعت اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر اسلام کے پھیلانے کے لئے ہر قربانی کر رہی ہے اور مشرق و مغرب میں اسکے جانباز فرزند اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ ایک عظیم روحانی انقلاب کے لئے نئی زمین اور نیا آسمان تیار ہو رہا ہے۔ اگر اس آفتاب کو اندھی آنکھیں اور قنوطیت زدہ دل نہ دیکھ سکیں تو ع چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

بھائیو! پرویز صاحب کا کتنا ظلم ہے کہ وہ اس مقدس انسان کو "نومیدئ جاوید" کا حامل بتلاتے ہیں جس نے اپنی قوم کو زندہ جاوید پیغام دیا ہے کہ:۔

"ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

مبحث سوم

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی معیاروں کے رُو سے

نبی اور ماموروں کی شناخت کے لئے اس کے حالاتِ زندگی کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں (۱) دعویٰ سے پہلے کی زندگی (۲) دعویٰ کے بعد کی زندگی (۳) بعد وفات اسکی جماعت کی حالت۔

جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے ان تینوں حصوں پر نگاہ کرتے ہیں تو ہم قرآن مجید کے ہر اس معیار کو جو سچوں کی علامت ہے آپ پر منطبق پاتے ہیں اور ہر اس نشانی سے جو جھوٹوں کی شناخت کا معیار ہے آپ کو پاک دیکھتے ہیں۔ مختصراً چند معیار درج ہیں:-

معیارِ اوّل فرمایا یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (انعام ع۲) وہ لوگ اس نبی کو ویسے ہی شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ یعنی جس طرح بیوی کی پاکدامنی بیٹے کی صحت نسب کی دلیل ہے ویسے ہی مدعی الہام کی پاکیزہ زندگی اسکے دعویٰ کی صحت کی گواہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ (ھود ع۶) حضرت صالحؑ کی قوم نے کہا کہ اے صالح! اس دعویٰ سے پہلے تو ہماری امیدوں کا مرجع تھا۔ گویا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ تیسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ع۲) کہ اے لوگو! میں اس دعویٰ وحی سے پہلے ایک لمبا عرصہ (چالیس برس) تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل نہیں کرتے؟ یعنی دعویٰ سے پہلے کی پاکیزہ زندگی میرے دعویٰ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔ یاد رہے کہ نبی کی زندگی کا ہر لمحہ ہی پاکیزہ ہوتا ہے مگر دعویٰ کے بعد لوگوں میں تعصب بڑھ جاتا ہے اور وہ جھوٹے الزام لگانا شروع کر دیتے ہیں اسلئے مِنْ قَبْلِہٖ کے لفظ میں دعویٰ سے پہلی زندگی کو ہی مخالفین کے سامنے بطور حجت پیش فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"اب دیکھو خدا نے اپنی حجت کو تم پر اس طرح پورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے وہ کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے؟ اور تم کوئی عیب، افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے

جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

حضورؑ کی یہ تحدی اپنی ذات میں آپؑ کی صداقت کی نہایت زبردست دلیل ہے۔

پھر دشمن تک نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ آپؑ کی زندگی نہایت پاکیزہ تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا تھا:۔

(۱) "مؤلف براہین احمدیہ (حضرت مرزا صاحبؑ) کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶)

(۲) "یہی جواب ہم الہامات مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے دے سکتے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ شیطان اپنے اُن دوستوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو (انگریزی خواہ عربی میں) کچھ پہنچاتے ہیں جو شیطان کی مثل فاسق و بدکار اور جھوٹے دکاندار ہیں۔ اور مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رُو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۹)

(۳) "اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف (حضرت مرزا صاحبؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۷)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد مخالفت کرتے ہوئے بھی یہی گواہی دی ہے کہ دعویٰ سے پہلے حضرتؑ کی زندگی ان کی نظروں میں بھی نہایت پاکیزہ تھی اور وہ بھی حضرت سے حسن ظن رکھتے تھے اور زیارت کے شوق سے قادیان گئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اسکے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال کی تھی میں بشوقِ زیارت بٹالہ سے پا پیادہ تنہا قادیان گیا۔" (رسالہ تاریخ مرزا صفحہ ۵۲)

ایسی اور بھی بیسیوں شہادتیں ہیں۔ پس قرآنی معیار کی رُو سے حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت ثابت ہے۔

معیار دوم اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ مفتری ناکام ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ (۱) فَمَنْ اَظْلَمُ

مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِباً اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (یونس ع) کہ اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے؟ یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ (۲) وَاِنْ یَّکُ کَاذِباً فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ (المومن ع) مفتری کا جھوٹ اسی پر پڑیگا۔ (۳) لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِباً فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (طہٰ ع) اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ مت باندھو وہ تم کو عذاب سے ہلاک کر دیگا اور مفتری ناکام ہی ہوتا ہے۔

واقعات شاہد ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ناکام نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اسلیئے آپ یقیناً سچے ہیں۔

معیارِ سوم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں صادقوں کی نصرت کرتا ہوں۔ فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ

(المومن ع) ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی اس دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ سچ ہے ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو ✤ کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

نصرتِ الٰہی کی صورت کے متعلق فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً (النصر) یعنی اس مذہب میں لوگوں کا بکثرت داخل ہونا الٰہی نصرت کا ثبوت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں اسی کی تشریح میں مقبولِ بارگاہِ ایزدی کی علامت یُوْضَعُ لَہُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ (اس کو زمین میں قبولیت دی جاتی ہے) لکھی ہے اور ہرقل والی مشہور حدیث میں اس کا فقرہ "ذَکَرْتَ اَنَّھُمْ یَزِیْدُوْنَ وَکَذٰلِكَ اَمْرُ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَتِمَّ" (اے ابوسفیان! تو نے بتایا ہے کہ اس نبی کے متبعین بڑھتے ہیں۔ سچ ہے ایمان کا یہی حال ہوتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو جاوے) بھی اسی نصرتِ الٰہی کی تفسیر ہے۔ (بخاری جلد ا ص۳)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ نصرت پورے طور پر حاصل ہوئی اور رہو رہی ہے۔ اسلیئے آپ کی صداقت یقینی ہے۔

معیارِ چہارم نبیوں کو روحانی اور جسمانی غلبہ دیا جاتا ہے۔ فرمایا کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ ع) اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی مقابلہ میں غالب ہوا کریں گے۔ پھر فرمایا اِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ (الصافات ع) ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔ ہاں روحانی غلبہ تو فی الفور حاصل ہو جاتا ہے لیکن جسمانی غلبہ تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغَالِبُوْنَ (الرعد ع)

کیا یہ کفار نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آرہے ہیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں) کیا پھر بھی کفار غالب آئیں گے یعنی یہ غالب نہیں آئیں گے بلکہ آخر ہمارا رسول ہی غالب آئے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے متبعین کے حالات گواہ ہیں کہ آخرکار جسمانی غلبہ بھی ان کو ہی حاصل ہوگا۔

معیارِ پنجم فرمایا۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ہود ع۲) کیا لوگ اس کلام کو افترا قرار دیتے ہیں؟ ان سے کہدے کہ تم بھی بطور بناوٹ ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ اگر وہ لوگ اس مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں تو یقین کر لو کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے علم سے نازل ہوا ہے۔"

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اعجازی کلام بخشا جیسا کہ فصل پنجم میں مفصل گزر چکا ہے۔

معیارِ ششم پیشگوئیوں کا پورا ہونا بھی معیارِ صداقت ہے۔ فرمایا عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ع۲)۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب پیشگوئیاں پوری ہوئیں لیکھرام کے متعلق۔ سعد اللہ لدھیانوی۔ ڈاکٹر ڈوئی۔ دلیپ سنگھ اور زار روس کے متعلق۔ طاعون کے متعلق۔ جلسہ مہوتسو میں مضمون غالب رہنے کی پیشگوئی وغیرہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معیارِ ہفتم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ ع۳) قرآن مجید کے معارف پاک لوگوں پر ہی کھولے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ کھولا اور کسی کو اس میں حضرت سے مقابلہ کی تاب نہ ہوئی جیسا کہ فصل پنجم میں مفصل ذکر ہو چکا ہے پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

معیارِ ہشتم مشکلات اور آفات کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے مرسلوں سے خاص اور غیر معمولی معاملہ کرتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت عام طوفان آیا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو خاص رنگ میں کشتی کے ذریعہ بچایا۔ فرمایا فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنٰھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت ع) بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بائیبل اور قرآن و احادیث کی پیشگوئیوں کے مطابق طاعون آئی اور اس کی ہلاکت ایک زمانہ پر محیط ہو گئی۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ پر الہام ہوا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کہ میں ہر اس شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو تیری چار دیواری میں ہے۔ یہ وعدہ حیرت انگیز طور پر پورا ہوا۔ اِنَّ فی ذالک لعبرۃ لاولی الالباب۔

معیار نہم کسی مفتری کو تیئیس سال مہلت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ الآیہ (الحاقہ ع) سے ظاہر ہے۔ اور حضرت اقدسؑ کو تیئیس سال سے زیادہ عرصہ تک مہلت ملی اسلئے آپ یقیناً راستباز ہیں تفصیل فصل اوّل میں گزر چکی ہے۔

معیار دہم سورۂ نور ع کی آیت استخلاف وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے ظاہر ہے کہ صادق انبیاء کے بعد ان کی جماعت ایک محکم نظام میں رہتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں "الجماعۃ" کا مصداق ہوتی ہے۔ ان کا ایک واجب الاطاعت خلیفہ ہوتا ہے۔ اس معیار کے مطابق بھی حضرت اقدسؑ کی صداقت واضح ہے کیونکہ سلسلۂ احمدیہ کی خلافت کا غیر معمولی طور پر جاذبِ نصرتِ الٰہی ہونا اور ان کے خوف کا امن سے بدل جانا دوست و دشمن سب کو مسلّم ہے۔

معیار یازدہم آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (المؤمن ع) میں مومنوں کی نصرت کا بھی وعدہ ہے۔ اور ساتھ ہی آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ (آل عمران ع) میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں کی جماعت ایک تبلیغی جماعت ہوا کریگی۔ یہ ہر دو علامتیں بھی جماعت احمدیہ کے شامل حال ہیں اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے۔

معیار دوازدہم سچے رسول کی ایک علامت یہ بتائی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ جماعت قائم کر جاتا ہے جیسا کہ آیت وَیُزَکِّیْھِمْ الخ (الجمعہ ع) سے ظاہر ہے۔ پھر ان مومنوں کی شناخت کا معیار لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (یونس ع) قرار دیا یعنی ان پر سلسلۂ الہام جاری ہو جاتا ہے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں بیسیوں افراد اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے مورد ہیں۔ اور یہ صداقتِ احمدیت کا کھلا ثبوت ہے۔ ناظرین کرام! ہم نے ان معیاروں کے ذکر میں بوجہ مجبوری نہایت اختصار سے کام لیا ہے مگر ع عاقل را اشارہ کافیست" +

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام احادیث نبویہ کے رُو سے

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح موعودؑ کے ذکر میں فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ فرما کر اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ اس زمانہ میں عیسائیت اپنے زوروں پر ہوگی۔ خدا کے برگزیدہ کا کام ہوگا کہ دلائل براہین، نشانات اور معجزات کے "تیر و تفنگ" سے اس صلیبی مذہب کو پاش پاش کرے۔

(۲) وہ امن کا زمانہ ہوگا اور اس کا کام يَضَعُ الْحَرْبَ ہوگا۔ دینی جنگوں کا زمانہ نہ ہوگا۔

یہ دونوں حدیثیں بخاری شریف میں ہیں۔ ان میں مسیح موعودؑ کا زمانہ بعثت اور اس کا کام بتلایا گیا ہے یعنی اُس وقت صلیب عروج پر اور عیسائیت اپنے شباب پر ہوگی مسیح موعود کسرِ صلیب کرے گا۔

بھائیو! یقیناً یہی وہ زمانہ تھا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ؎

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح ❊ خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَى عَلَيْهَا (مسلم باب نزول عیسیٰ) کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اونٹ چھوڑ دیئے جائیں گے ان سے تیز رفتاری کا کام نہ لیا جائے گا۔

اس سے بھی حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ثابت ہے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

(۴) مسیح موعودؑ کا زمانہ معین کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت کیساتھ فرمادیا۔ اَلْاٰيَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ (مشکوٰۃ ص۴۷۱ مطبوعہ مجتبائی) کہ دیگر آیات اور مسیح موعودؑ کے ظہور کا وقت بارھویں صدی کے بعد ہے۔ امام ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ اللَّامُ فِي الْمِائَتَيْنِ لِلْعَهْدِ اَيْ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ بَعْدَ الْاَلْفِ وَهُوَ وَقْتُ ظُهُوْرِ الْمَهْدِيِّ وَخُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَتَتَابُعِ الْاٰيَاتِ مِنْ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْاَرْضِ وَظُهُوْرِ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ وَاَمْثَالِهَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص۱۸۵)

ترجمہ۔ اَلْمِائَتَيْنِ کا الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کے یہ معنے ہونگے کہ بارہ سو سال کے بعد یہ نشانات ظہور پذیر ہونگے اور مہدی کے ظہور مسیح موعود کے آنے دابۃ الارض کے نکلنے اور یاجوج و ماجوج وغیرہ کے خروج کا یہی وقت ہوگا۔"

گویا تصریح کے ساتھ بتادیا گیا کہ مسیح موعود بارھویں صدی کے بعد مبعوث ہونے والا ہے۔

(۵) حدیث نبوی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (ابوداؤد جلد ۲ کتاب الفتن) کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کیلئے مجدد مبعوث کیا کریگا جو

اس کے دین کی تجدید کیا کریگا" آنحضرت نے مجدد کیلئے صدی کا سر مقرر فرمایا ہے اور اس چودھویں صدی کے سر پر بحیثیت مجدد اگر کوئی مدعی نظر آتا ہے تو وہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ہیں۔

(۶) صحیح بخاری میں ہے لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ (کتاب التفسیر سورۃ جمعہ) کہ اگر ایمان آسمان پر بھی جاچکا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اسے واپس لے آئیگا۔ مِنْ هٰؤُلَاءِ کا لفظ حضرت رسول مقبولؐ نے سلمان الفارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا حضرت مسیح موعودؑ کا فارسی الاصل ہونا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی مسلّم تھا۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(۷) آنیوالے مسیح موعود کا حُلیہ بخاری شریف میں پہلے مسیح سے مختلف درج ہے (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ کتاب الرؤیا) پہلے مسیح کا رنگ سرخ اور بال گھنگریالے اور مسیح موعود کا رنگ گندمی اور سیدھے بال مذکور ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی حلیہ تھا۔ فرمایا ؎

رنگم چو گندم است و بمو فرق بیّن است ÷ زاں ساں کہ آمد است در اخبار سرورم

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ مِنْ قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا كَدْعَةُ۔ (جواہر الاسرار للشیخ علی حمزہ الطوسی ۸۴۰ھ) کہ مہدی اس گاؤں میں پیدا ہوگا جسے کدعہ کہا جائے گا" گویا پیشگوئی میں نمایاں طور پر امام مہدی کے مقام ظہور یعنی قادیان کی نشاندہی کر دی گئی۔

(۹) مسیح موعودؑ کی علامت تھی يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰ باب نزول عیسیٰ) کہ وہ شادی کریگا اللہ تعالیٰ اسے اعلیٰ صفات والی اولاد عطا فرمائیگا" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبشر اولاد دیکر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی صداقت ثابت فرما دی جو ایک عظیم نشان ہے۔

(۱۰) امام مہدی کا احادیث میں یہ خاص نشان مقرر تھا کہ اسکے وقت میں رمضان میں چاند کو گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج کو گرہن کے دنوں میں سے درمیانی دن میں گرہن لگے گا۔ فرمایا اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ (الدار قطنی صفحہ ۱۸۸)

یہ نشان ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں ہو چکا پہلے سال کرہ مشرقی میں یہ نشان ظاہر ہوا اور دوسرے سال کرہ مغربی میں۔ تا سب انسانوں پر حجت تمام ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں ÷ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

آخری گزارش!

معزز اور پیارے بھائیو! میری آخری گزارش آپ سے یہ ہے کہ آپ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تعلیم کو دیکھیں، ان کی جماعت کی پاکیزگی، خدماتِ دینیہ اور ایثار کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی اس متواتر نصرت کو دیکھیں جو اس جماعت کے شاملِ حال ہے تو آپ کو یقین کرنا پڑیگا کہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی پشت پر خدا تعالیٰ کی ذات تھی اور اسی کا ہاتھ ہر قدم پر ان کی اور ان کی جماعت کی دستگیری کرتا رہا ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ سے راستبازوں کا حامی و ناصر ہے۔

پیارے بھائیو! زندگی ناپائیدار ہے، زیست پانی کے بلبلہ کی مانند ہے۔ پیشتر اس کے کہ قیامت کے دن آپکو کہنا پڑے وَمَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (ص ع ۴) کہ ہم آج دوزخ میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیوں نہیں دیکھتے جنہیں ہم شریر سمجھا کرتے تھے۔ اور پھر آپکو کہا جائے اَکَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِھَا عِلْمًا (النمل ع ۶) کہ کیا تم نے کیا طریق اختیار کر رکھا تھا کہ بغیر کامل تحقیق اور احاطۂ علمی تم میرے نشانات اور احکام کی تکذیب کرتے تھے؟

بھائیو! اس دن سے ڈرجاؤ جو نوجوانوں کو بوڑھا کر دیگا۔ یاد رکھیں صادقوں کی مخالفت ایک زہر ہے اس کو کھانے والی قوموں نے پہلے کیا فائدہ اٹھایا جو آپ اٹھائیں گے؟

آئیے آخر میں پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاکیزہ الفاظ پر **تفہیماتِ ربانیہ** کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:- "پیارو! یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اسکی مدد فرماتا ہے مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے۔ سو اسی نے مجھے جگایا اور سچائی کیلئے میرا دل کھول دیا۔ میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسولؐ کا اور اسکی کلام کا جلال ظاہر کروں۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پرواہ۔ **میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔** ہاں میں اس میں لذت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کروں۔ اور یہ میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ دوسروں کو بھی دوں اور دعوت مولیٰ میں ان سب کو شریک کر لوں جو ازل سے بلائے گئے ہیں۔" (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۳۱۶)

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو، آپ کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ۵

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم ؎ حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۷ رشعبان المعظم ۱۳۸۲ ھجری - $12 \frac{12}{62}$ خاکسار تاب جیز۔ ابو العطاء جالندھری

ضروری اعلان } تفہیماتِ ربانیہ سلسلہ احمدیہ کی امانت ہے۔ بیشک یہ میری تصنیف ہے مگر میں خود سلسلہ کا ادنیٰ خادم ہوں۔ تفہیماتِ ربانیہ کو کوئی جماعت، کوئی فرد بلکہ میری اولاد بھی خلیفۂ وقت کے مقرر کردہ نظام کی اجازت سے طبع کر سکتی ہے۔ واللہ الموفق۔ (مصنف)

تفہیماتِ ربانیہ کے متعلق علماء اور بزرگوں کی دینی آراء

کتاب "تفہیماتِ ربانیہ" کے متعلق سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد آپ نے کتاب کے شروع میں ملاحظہ فرمالیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کے متعلق بزرگانِ جماعت اور تجربہ کار و کامیاب علمائے سلسلہ کی صرف دو گرانقدر آراء درج کی جاتی ہیں جن سے اس کتاب کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(۱) محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے نے تحریر فرمایا ہے:۔

"میرے محترم جناب ابو العطاء صاحب کی تصنیف لطیف "تفہیماتِ ربانیہ" پہلی بار دسمبر ۱۹۳۰ء میں بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان کی طرف سے شائع ہوئی تھی تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا نام "تفہیماتِ ربانیہ" رکھا تھا۔ اس کتاب میں خدا تعالیٰ کے عطا کردہ فہم سے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ایسی کتب جماعت کے نوجوانوں اور نو مبائعین کیلئے بہت ضروری اور مفید ہیں۔ اب اس کا نیا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ اسکی افادیت ظاہر ہے، دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اسکی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔"

(۲) محترم جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اصلاح وارشاد، سابق مبلغ بلادِ عربیہ و انگلستان تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"تفہیماتِ ربانیہ" مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دینے کیلئے ایک نہایت مفید کتاب ہے جو مولانا ابو العطاء صاحب نے ۱۹۳۰ء میں تالیف فرمائی تھی، اور اب دوبارہ مفید اضافہ جات کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کا نہ صرف خود مطالعہ کریں بلکہ غیر از جماعت دوستوں کو بھی پڑھنے کے لئے دیں۔"

(۳) محترم جناب شیخ مبارک احمد صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد، سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ نے

رقم فرمایا ہے :-

"اس خبر سے خوشی ہوئی کہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب اپنی تصنیف تفہیمات ربانیہ کو جو عشرہ کاملہ کے جواب میں ایک لاجواب تصنیف ہے دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ بلاشک وشبہ اُن اعتراضات کے جواب میں جو غیر احمدی علماء کی طرف سے احمدیت کے متعلق کئے جاتے ہیں، یہ تصنیف لاجواب ہے۔ ہر اعتراض کا مکمل و مُدلل اور مسکت جواب محققانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ جب سالہا سال قبل پہلی دفعہ یہ کتاب شائع ہوئی، تو اُس وقت کے مبلغین بالعموم اُسے اپنے پاس رکھتے، اور مناظروں اور مباحثوں میں اِس کتاب کے پیش کردہ مواد سے بہت فائدہ اُٹھاتے تھے، اگرچہ آجکل غیر احمدی علماء کے اعتراضات کی نوعیّت کسی حد تک بدل چکی ہے۔ تاہم بڑی بھاری تعداد اعتراضات اور نکتہ چینیوں کی جسے عشرہ کاملہ کے مصنف نے اپنی کتاب میں جمع کرکے احمدیت پر سخت حملہ قرار دیا تھا، آج بھی مخالف کیمپ سے جماعت احمدیہ کے خلاف ان ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔ تفہیمات ربّانیہ جب پہلی بار چھپی تھی، تو خاکسار نے بڑے شوق سے اسے خریدا اور ہمیشہ اسے زیر مطالعہ رکھا، اور اس سے استفادہ کرتا رہا، بلکہ مناظروں اور بحث و مباحثہ اور دیگر تبلیغی اغراض کے پیش نظر اس کا انڈکس بھی تفصیل کے ساتھ تیار کرکے کتاب کے شروع میں لگا دیا تھا، تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر ضروری مواد اور حوالہ نکالا جا سکے۔ سمجھدار علمی طبقہ میں "تفہیمات ربانیہ" کی اشاعت خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی مخالفت کا کارگر جواب ہے۔ اور جاء الحق و زھق الباطل کا نظارہ پیش کرتی ہے۔

محترم مولانا ابوالعطاء صاحب کی اسلام اور احمدیت کے لئے عظیم علمی خدمات میں سے کتاب تفہیمات ربانیہ کی تصنیف اور اب اِس کی دوبارہ اشاعت بلا ریب مزید قابلِ قدر تبلیغی و علمی خدمت ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

میرے نزدیک جماعت کے دوستوں کو بالعموم اور ہر ایک مُربّی، معلّم، اور تبلیغی جہاد کا جذبہ رکھنے والے، اور اس جذبہ کو عملی جامہ پہنانے والے احباب کو

بالخصوص چاہیئے کہ وُہ اِس تصنیف کو زیرِ مطالعہ رکھیں اور اِس سے استفادہ حاصل کریں۔ بلکہ غیر احمدی احباب میں اسکو تقسیم کریں، تا وُہ حق و باطل میں امتیاز کر کے راہِ صواب پر گامزن ہو سکیں۔"

(۴) محترم جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ نے تحریر فرمایا ہے:-

"کتاب "تفہیمات ربانیہ" مصنفہ مولانا ابو العطاء صاحب ایک لاجواب تصنیف ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعوٰی، پیشگوئیوں اور الہامات وغیرہ پر مخالفین احمدیت کے اعتراضات کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مَیں نے غیر احمدیوں کے احمدیت پر اعتراضات کے جوابات میں ہمیشہ اس کتاب کو بہت مفید پایا ہے۔ میرے نزدیک ہر احمدی گھرانہ میں یہ کتاب موجود ہونی چاہیئے۔ اِس کے مطالعہ سے نہ صرف احمدیوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ وُہ اسکے مطالعہ سے اس قابل ہو سکتے ہیں کہ مخالفین کے اعتراضات کا خود ہی تسلّی بخش جواب دے سکیں۔ مَیں نے خود اِس کتاب سے مناظرات اور تصنیفات میں بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی مجھے یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہُوئی ہے کہ مولانا ابو العطاء صاحب اب اِس کتاب کو دوبارہ شائع کر رہے ہیں، اور اس میں یکصد صفحات کے قریب ضروری مضامین کا اضافہ فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اِس بیش قیمت خدمت کو قبول فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔"

(۵) محترم جناب چوہدری محمد شریف صاحب فاضل سابق مبلّغ بلادِ عربیہ و گیمبیا (مغربی افریقہ) تحریر فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ تفہیمات ربانیہ مؤلفہ اخویم مکرم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری، مکتبہ الفرقان کی طرف سے مزید اضافہ جات کے ساتھ دوبارہ شائع ہو رہی ہے۔

عشرۂ کاملہ کے مصنّف صاحب نے اپنی کتاب کو دس فصلوں میں تقسیم کیا تھا، اور ہر فصل میں ایسے مایۂ ناز دس اعتراضات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیے تھے

جن کا جواب ان کے اور ان کے ہم خیالوں کے خیال میں ناممکن تھا۔

حسب ہدایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، ایدہ اللہ بنصرہ العزیز و اطال بقاءہ فینا، مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری کو عشرۂ کاملہ کا جواب لکھنے کا ارشاد ہوا اور آپ نے تفہیمات ربانیہ کے ذریعہ عشرۂ کاملہ کے تمام اعتراضات کو تارِ عنکبوت کی طرح بکھیر کر رکھ دیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

؎ وَاللّٰہِ یَکْفِیْ مِنْ کُمَاۃِ نِضَالِنَا   جَلْدٌ مِنَ الْفِتْیَانِ لِلْاَعْدَاءِ

یعنی خدا کی قسم ہمارے مردانِ کارزار میں سے ایک جوان ہی سب دشمنوں کیلئے کافی ہے، ایک مرتبہ پھر روز روشن کی طرح پورا ہوا۔ وان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء

تفہیمات ربانیہ لاریب احمدیہ لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور اُردو ادب کا بھی ایک شاہکار ہے۔ جس میں مؤلف صاحب کی جوانی کا زور بھی آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آرہا ہے!

یہ کتاب دسمبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی اور ۱۹۳۱ء سے مبلغین کلاس جامعہ احمدیہ قادیان کے نصاب میں داخل ہوگئی تھی۔ احمدیہ پاکٹ بک میں بھی صداقت مسیح موعود علیہ السلام کی ذیل میں اس کے مندرجات بطور خلاصہ درج ہوئے۔ اور اب تک یہ کتاب سلسلہ احمدیہ کی ان لاجواب تصنیفات میں سے ہے جن کا جواب لکھنے سے مخالفین احمدیت عاجز ہیں۔

مَیں اس کتاب کی دوبارہ اشاعت پر مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ و جامعۃ المبشرین کو دِلی مبارکباد دیتا ہوں، اور میری دِلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم مولانا صاحب کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مزید خدماتِ جلیلہ کی بھی توفیق عطا فرماتا رہے۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

(۶) محترم جناب شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی کہ ادارۂ الفرقان کی طرف سے "تفہیمات ربانیہ"

کا دوسرا ایڈیشن بہت جلد شائع ہو رہا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ شائع ہوئی تھی۔ تو ہر مبلّغ اور تبلیغِ احمدیت کا شغف رکھنے والے دوست نے اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا تھا۔ اور اس کا تفصیلی انڈکس بنا کر شاملِ کتاب کر لیا تھا۔ اور جب بھی کوئی مخالف اعتراض کرتا تھا۔ جھٹ اس کا جواب نکال کر پیش کر دیتا تھا۔ چنانچہ مَیں نے بھی اس کا انڈکس بنایا تھا۔ جس سے مَیں اب تک برابر فائدہ اُٹھا رہا ہوں۔ میرے نزدیک یہ کتاب مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ایک قسم کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ امر اور بھی باعث مسرت ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جو نئے اعتراضات پیدا ہو گئے ہیں ان کو بھی مدنظر رکھکر کتاب کے حجم میں خاصا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جس سے گویا اس کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ جب یہ کتاب پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی، تو سلسلہ کے ایک بزرگ نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا کہ محترم مولانا ابو العطاء صاحب نے دفاعِ احمدیت کے سلسلہ میں یہ اتنا بڑا کام کیا ہے کہ رہتی دُنیا تک مجاہدین احمدیت آپ کے مرہونِ منت رہیں گے۔ پس واقفین زندگی اور تبلیغ احمدیت سے دلچسپی رکھنے والے احباب کو چاہیئے کہ اس کتاب کو حاصل کر کے ایک کارآمد تبلیغی ہتھیار کو اپنے قبضہ میں کر لیں۔"

(۷) جناب مولوی غلام باری صاحب سیفؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:-

"تفہیماتِ ربانیہ ہمیشہ درجہ مبلّغین کے نصاب میں رہی ہے۔ ایک واقعہ کی وجہ سے مَیں اس کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ طالب علمی کے دوران اس کے نوٹ بہت تفصیل سے مَیں نے لئے تھے۔ غالباً ۱۹۴۴ء میں گوجرانوالہ کے ایک گاؤں میں مناظرہ تھا۔ ہماری طرف سے محترم ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم مناظر تھے۔ فریق ثانی نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر ایک اعتراض کیا اور ایک دو بار اس کے جواب کا مطالبہ کیا۔ اسپر مَیں نے "تفہیمات ربانیہ" کے

نوٹوں میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر خادم صاحب کی خدمت میں پیش کی کہ حضورؑ نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ مجھے آج تک یاد ہے، کہ خادم صاحب مرحوم نے اسی میری کاپی سے حضور علیہ السلام کی عبارت پڑھ کر سُنا دی۔ اور یہ میں نے تفہیمات سے ہی نوٹ لئے تھے۔

جس کتاب کا جواب استاذی المحترم نے دیا تھا اس کتاب پر غیر احمدی حلقوں کو بڑا ناز تھا۔ میرے ایک تایا سلسلہ کے بہت معاند تھے۔ وہ یہ کتاب عشرہ کاملہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ تبلیغ سے دلچسپی رکھنے والے تمام دوستوں کو تفہیمات ربانیہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے اور اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ مولنا محترم اس نایاب کتاب کو دوبارہ احباب کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں۔"

(۸) محترم جناب چوہدری عزیز احمد صاحب بی اے نائب ناظر بیت المال تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ تفہیماتِ ربانیہ دوبارہ چھپوا رہے ہیں، اس کتاب کی افادیت کا مجھ پر گہرا اثر ہے۔ جب میں ۱۹۳۷ء میں احمدی ہوا تو میرے والد مرحوم کے ایک دوست جناب مولوی پیر محمد صاحب وکیل ننگلوی نے مجھے عشرہ کاملہ مطالعہ کے لئے دی، کچھ عرصہ قبل ایک رشتہ دار کے کہنے پر برنی صاحب کی تصنیف "قادیانی مذہب" پڑھ چکا تھا۔ اور اس کتاب نے اس وجہ سے میری طبیعت منغص کر دی تھی کہ اس میں دلائل کے ساتھ جماعت احمدیہ کے عقائد کی تردید کرنے کی بجائے نہایت چالاکی اور شر پسند طریق پر حوالہ جات کو سیاق و سباق کی فضا سے الگ کرکے محض تمسخر اور استہزاء کا رنگ دے دیا گیا تھا۔ لیکن عشرہ کاملہ کے مطالعہ سے مجھ پر یہ اثر ہوا کہ اس کتاب کے مصنف نے نسبتاً شرافت اور دیانتداری کے ساتھ جماعت احمدیہ کے عقائد کی تردید کی کوشش کی ہے، اس کتاب کا جواب تفہیمات ربانیہ میں مجھے جلد میسّر آگیا جس کو پڑھ کر میں بہت متأثر ہوا۔ کیونکہ جواب نہایت سلیس اور عام فہم پیرایہ میں تھا۔ نہ صرف دلائل کے لحاظ سے جواب مسکت تھا، بلکہ

تحریر سے ایک خاص رُوحانی رنگ ظاہر ہو رہا تھا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکی اِس تصنیف کو زیادہ سے زیادہ طالبانِ حق کے لئے مفید ثابت کرے۔ آمین"

(۹) جناب مولانا محمد صادق صاحب فاضل مبلغ سماٹرا تحریر فرماتے ہیں:۔

"تفہیمات ربانیہ" تصنیف لطیف مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل زادہ اللہ مجداً و رفعۃً"

مَیں نے اِس کتاب کو شروع سے لیکر آخر تک پڑھا ہے۔ یہ کتاب "عشرۂ کاملہ" کے جواب میں لکھی گئی تھی، کتاب کی ضخامت کو دیکھکر جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک عام آدمی پہلے گھبراہٹ محسوس کرتا ہے لیکن جُونہی وُہ اس کا مطالعہ شروع کرتا ہے، اس کے پڑھنے کا شوق بڑھتا ہی چلا جاتا ہے کیونکہ اس کے الفاظ نہایت شستہ اور دلائل نہایت پختہ ہیں۔ مولانا کی خداداد قابلیت اور ٹھوس علمیت کے سبب کتاب کی اتنی بڑی ضخامت کے باوجود کسی کو آپ کے قلم کی رکاوٹ اور دماغ کی تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا اور کوئی شخص اسکے مطالعہ کے وقت اپنی طبیعت کے اندر کسی قسم کی اُکتاہٹ اور ملال نہیں پاتا۔

ایک سوال کے متعدد جواب جن میں سے اکثر تحقیقی اور بعض الزامی بھی ہیں، اپنے تنوّع کی وجہ سے دماغی تھکاوٹ کو دُور کرتے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ نہیں بلکہ اکثر دفعہ اُردو زبان کے محاورات اور ضرب الامثال کا ذکر بشاشت کا باعث بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب مَیں یہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ تو "لومینڈکی کو زکام ہوا" کا محاورہ پڑھ کر مَیں بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر مناسب جگہ پر شعر بھی پیش کرتے ہیں جو رُوحِ انسانی کی تازگی کا ایک ذریعہ ہے۔

مولانا کو خدائے تعالیٰ نے یہ ملکہ بھی بخشا ہے کہ وُہ ان باتوں میں بھی ایک جدّت پیدا کر دیتے ہیں جنہیں پہلے بار بار دُہرایا گیا ہے۔ مثلاً محمدی بیگم اور عبداللہ آتھم والی پیشگوئی اور مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ گو ان پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا تھا، لیکن آپ نے اِس کتاب میں ان

پیشگوئیوں پر اس طریق سے بحث کی ہے جو نہایت ہی عام فہم ہے۔حتیٰ کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی اسے خُوب سمجھ سکتا اور اس سے مطمئن ہو سکتا ہے۔
پھر آپکی ایک یہ بھی پسندیدہ عادت ہے کہ نئے نئے حوالجات پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور میرا تجربہ یہ ہے کہ آپکے حوالجات نہایت صحیح ہوتے ہیں کم از کم "تفہیمات ربانیہ" جیسی ضخیم کتاب میں مجھے کوئی غلط حوالہ نہیں ملا۔ جس سے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ اپنی تصانیف میں کوئی حوالہ خود ملاحظہ کئے بغیر درج نہیں کرتے۔
الغرض "تفہیمات ربانیہ" ہر احمدی کیلئے ایک علمی خزانہ ہے اور ہر احمدی مجاہد کیلئے ایک مضبوط ڈھال بلکہ تیز ہتھیار ہے۔ اور ہر حق کے متلاشی کیلئے قابلِ قدر نعمت ہے۔ دُعا ہے کہ خدائے تعالیٰ مولانا المکرم کی عمر، صحت، اخلاص و علم میں زیادہ سے زیادہ برکت بخشے، تاکہ وہ ہمیشہ ہمیں ایسے مفید مواد سے مستفید فرماتے رہیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔"

(۱۰) محترم جناب مولانا ظہور حسین صاحب فاضل سابق مبلّغ بخارا تحریر فرماتے ہیں:۔
"کتاب تفہیمات ربانیہ مؤلّفہ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب فاضل ایک اہم تصنیف ہے جس میں قرآن کریم اور احادیث سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ و آلہ السلام پر سیر کُن بحث کی گئی ہے۔ اور غیر احمدی علماء کے تمام اعتراضات کے نہایت عمدگی سے محققانہ جوابات دئیے گئے ہیں اور اس تصنیف ملیف کا ہر احمدی کے واسطے اپنے لئے اور بچوں کیلئے مطالعہ ضروری ہے۔ اور جیساکہ اس کتاب کا نام ہے، ویسے ہی یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے بہت دلکش پیرائے میں لکھی گئی ہے۔
اس کتاب کا مطالعہ کرکے ہر احمدی نوجوان بھی اطمینان اور جُرأت کے ساتھ غیر احمدی علماء سے احمدیت کے متعلق تبادلہ خیالات کر سکتا ہے۔ سو احباب کو چاہیئے کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو کر اپنے زیر اثر احباب کو اس سے مستفیض ہونے کی تحریک کریں۔"

تفصیلی فہرست مضامین "تفہیماتِ ربانیہ"[1]

فصل اول

کاذب مدعیانِ نبوت کا انجام

فصل دوم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے متعلق غلط بیانیوں کا جواب

[1] عزیزم مولوی محمد اعظم صاحب اکسیر اور عزیزم عطاء المجیب صاحب راشد نے محنت سے انڈکس بنایا ہے جزاهما اللہ خیراً (ابوالعطاء)

فصل سوم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر اعتراضات اور ان کے جوابات

فصل چہارم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشوف و الہامات اور شریعت اسلامیہ !

فصل پنجم

"اختلاف بیانیوں" کی حقیقت

فصل ششم

دس افتراؤں کی حقیقت

فصل ہفتم

"دس جھوٹ اور دھوکے"

فصل ہشتم

"دس مردود دعائیں"

فصل نہم

"مرزا صاحب کے معتقدات ایمانیہ اور انکی تعلیم اور اخلاق"

فقرہ نہم - مرزا صاحب اور تصوف

فقرہ دہم - بہشتی مقبرہ

فصل دہم

پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جواب

سہ سالہ نشان

فصل یازدہم

متفرق سوالات کے جوابات

فصل دوازدہم

احمدیت اور اس کے عقائد

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)